



کائناتِ نجم

جلد اوّل

شاعرِ اہلبیتؑ

علامہ نجم آفندیؒ

(حیات، شخصیت، فن، مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مجموعہ کلام)

تحقیق و تدوین اور تنقید

ڈاکٹر سید تقی عابدی

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ

کتاب :	کائناتِ نجم (جلد دوم)
تحقیق و تدوین اور تنقید :	ڈاکٹر سید تقی عابدی
سنہ اشاعت :	2006ء
تعداد :	1000
کمپوزنگ :	افراح کمپیوٹر سنٹر نئی دہلی - 25
ایڈیشن :	اول
ناشر :	شاہد پہلی کیشنر، 2253 دریا گنج، نئی دہلی - 110002
باہتمام :	ڈاکٹر شاہد حسین، نئی دہلی

ملنے کے پتے

فہرست

جلد اول

باب اول

صفحہ نمبر

13	رو میں ہے ریش عمر	1.
15	امتناب	2.
17	مقدمہ ”کس کس سے سوال کروں؟“	3.
21	ڈاکٹر سید قتی عابدی	4.
41	ڈاکٹر سید قتی عابدی	5.
43	مکتوب بنام سید قتی عابدی	6.
54	خودنوشت سوانح حیات	7.
59	جب آتش جوان تھا	8.
61	ڈاکٹر سید قتی عابدی	9.
63	ڈاکٹر سید قتی عابدی	10.
64	ڈاکٹر سید قتی عابدی	11.
68	ڈاکٹر سید قتی عابدی	12.
69	ڈاکٹر سید قتی عابدی	13.
109	ڈاکٹر سید قتی عابدی	14.
111	ڈاکٹر سید قتی عابدی	15.

باب دوم

حیات، شخصیت، فنِ شاعری

صفحہ نمبر		
125	سید العلماء مولانا علی نقی نقوی	1. نجم آفندی (نایاب تحریر)
131	جناب ضیاء الحسن موسوی	2. نجم آفندی - ایک مطالعہ
142	جناب راحت حسین ناصر	3. نجم آفندی کا اسلوب شاعری
151	ڈاکٹر سید علی مومن	4. شاعر اہل بیت اور ان کے پیغامات
183	ڈاکٹر محمد احسن فاروقی	5. علامہ نجم آفندی کی نثر نگاری
189	امیر امام خرم	6. نجم آفندی کی ہندی شاعری
195	سید باقر حسن زیدی	7. شاعر اہل بیت علامہ نجم آفندی
203	ڈاکٹر شیخ انصار حسین	8. نجم آفندی کا تابندہ کلام
209	ڈاکٹر نظیر حسین زیدی	9. نجم آفندی کی عزانہ شاعری
213	شمشاد حسین رضوی	10. نجم آفندی اپنے خطوط کے آئینے میں
224	سید ہاشم رضا	11. نجم آفندی اور پاکستان
229	علامہ سید ضمیر اختر نقوی	12. نجم آفندی پاکستان میں
241	جناب کسرتی منہاس	13. شاعر اہل بیت حضرت نجم آفندی
246	ڈاکٹر ریاض فاطمہ تشہیر	14. علامہ نجم آفندی کی شخصیت اور فن
263	جناب واصف عابدی، سہارنپوری	15. نجم درخشندہ
266	جناب سید معز الدین قادری ملتان	16. نجم آفندی کی شخصیت
284	جناب قدیر عریضی	17. تعارف نجم آفندی

باب سوم

صفحہ نمبر

- | | | | |
|-----|------------|-------------------------------|----|
| 293 | عدد (1130) | منتخب اشعار | .1 |
| 364 | عدد (430) | حجم آفندی کے مقطعوں کا گلدستہ | .2 |

باب چہارم

- | | | | |
|-----|-----------------------------|---------------------------------|----|
| 399 | ڈاکٹر سید تقی عابدی | غزل کوئیں نے متانت کی آبرو بخشی | .1 |
| 417 | جناب اختر انصاری اکبر آبادی | آسان شعرو ادب کے حجم | .2 |
| 422 | ڈاکٹر سید نواز حسن زیدی | حجم آفندی کی غزل کوئی | .3 |
| 435 | محترمہ شمیم فاطمہ | حجم کی غزلیں | .4 |
| 439 | عدد (268) | منتخب اشعار غزلیات | .5 |
| 459 | عدد (195) | نہرست غزلیات | .6 |
| 469 | 1 ای 49 (49) غزلیات | مطبوعہ غزلیات | .7 |
| 498 | 50 ای 195 (145) غزلیات | غیر مطبوعہ غزلیات | .8 |

باب پنجم

رباعیات (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) (591) عدد

صفحہ نمبر

568	(2) عدد	1. حمدیہ رباعیات
569	(31) عدد	2. نعتیہ رباعیات
574	(99) عدد	3. منقبتی رباعیات
587	(2) عدد	4. قرآنی رباعیات
588	(9) عدد	5. غدیری رباعیات
590	(26) عدد	6. ولایتی رباعیات
594	(7) عدد	7. عزائی رباعیات
596	(3) عدد	8. رباعیات مبالغہ
597	(10) عدد	9. عشقیہ رباعیات
599	(89) عدد	10. فکری رباعیات
611	(93) عدد	11. قومی رباعیات
623	(72) عدد	12. اخلاقی رباعیات
633	(28) عدد	13. سماجی رباعیات
637	(12) عدد	14. رباعیات واعظ
639	(26) عدد	15. متفرق رباعیات
643	(29) عدد	16. رباعیات شاعر
647	(49) عدد	17. ذاتی رباعیات
654	(4) عدد	18. فارسی رباعیات

باب ششم

قطعات (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) (498) عدد

صفحہ نمبر

658	(1) عدد	1. حمدیہ قطعہ
659	(3) عدد	2. انتخابی قطعات
660	(103) عدد	3. منقبتی قطعات
674	(25) عدد	4. اخلاقی قطعات
678	(71) عدد	5. قومی قطعات
688	(11) عدد	6. قطعات واعظ
690	(33) عدد	7. ذاتی قطعات
695	(3) عدد	8. قرآنی قطعات
696	(7) عدد	9. عزائی قطعات
698	(26) عدد	10. فکری قطعات
702	(8) عدد	11. قطعات شاعر
704	(12) عدد	12. ولائی قطعات
706	(146) عدد	13. سماجی قطعات
725	(7) عدد	14. غدیری قطعات
726	(2) عدد	15. تصوفی قطعات
727	(2) عدد	16. فارسی قطعات
728	(40) عدد	17. متفرق قطعات

باب ہفتم

صفحہ نمبر

- | | | |
|-----|---------------------|---|
| 737 | ڈاکٹر سید قتی عابدی | 1. حجم آفندی کی نعت نگاری |
| 751 | | 2. نعتوں کی فہرست |
| 752 | | 1. انسان کے خاکی پیکر میں اب شافع محشر آتے ہیں |
| 753 | | 2. اے وہ کہ تیرے نور کو عنوان بنا دیا |
| 755 | | 3. دردِ دل کیا کہیں رستہ میں پڑا ملتا ہے |
| 757 | | 4. محمدؐ پر خدا کی شانِ وحدت ناز کرتی ہے |
| 759 | | 5. چکا جو عرب دیس کی قسمت کا ستارا |
| 762 | | 6. گروہ نبیؐ کے سید و سردار کیا کہنا |
| 763 | | 7. جان ہے تیری امانت دل برائے مصطفیٰؐ |
| 764 | | 8. کلمہ کو کیوں کر نہ ہوں شیدائے آلِ مصطفیٰؐ |
| 765 | | 9. محمدؐ کائناتِ دو جہاں میں کار فرما ہے |
| 767 | | 10. کیا نعت میں لے نغمے کی بو بھی سرکارِ عالم دوصلی علی |
| 769 | | 11. نمازِ دردِ دل پڑھنی ہے پیغمبر کی مدحت سے |
| 771 | | 12. حرا کا غار ہے فانوس کس شمعِ حقیقت کا |
| 773 | | 13. محمدؐ کی حقیقت دونوں عالم کی رگِ جاں ہے |
| 775 | | 14. تو جب بھی جلوہ گر تھا اے خوش نما ستارے |
| 778 | | 15. اے نور چراغِ آفرینش اے روحِ نفاخِ آفرینش |
| 779 | | 16. کیا کام کیا فکر نے مدحِ نبویؐ میں |

باب ہشتم

- | | | |
|-----|---------------------|-----------------------|
| 783 | ڈاکٹر سید قتی عابدی | 1. حجم آفندی کی منقبت |
| 801 | | 2. منتخب اشعار |
| 809 | (81) عدد | 3. قصائد اور منقبتیں |

جلد دوم

باب اول

صفحہ نمبر

- | | | |
|-----|---------------------|---------------------------------|
| 953 | ڈاکٹر سید تقی عابدی | 1. حجم کے سلاموں کی آفاقی قدریں |
| 973 | (220) عدد | 2. منتخب اشعار سلام |
| 989 | (107) عدد | 3. سلام (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) |

باب دوم

- | | | |
|------|--|----------------------------|
| 1089 | ڈاکٹر مقام حسین جعفری | 1. فتح مبین کا اجمالی خاکہ |
| 1101 | ع: جب لے لیا حسین نے میدان کربلا
(64) بند | 2. فتح مبین (مرثیہ) |
| 1125 | پروفیسر سید احتشام حسین | 3. مقدمہ مرثیہ معراج فکر |
| 1133 | ع: صورت گرجا ایت اسلام ہے حسین
(73) بند | 4. معراج فکر (مرثیہ) |
| 1161 | ع: دنیا کی ہر روش کا ہے انجام انقلاب
(72) بند | 5. مرثیہ غیر مطبوعہ |

باب سوم

صفحہ نمبر

- | | | |
|------|--------------------------------|------------------------------|
| 1193 | ڈاکٹر سید تقی عابدی | 1. انقلابی نوحوں کا پروردگار |
| 1202 | پروین شاکر | 2. جہنم کے نوحوں کا تجزیہ |
| 1211 | پروفیسر محمد کمال الدین ہمدانی | 3. جہنم آفندی کے نوے |
| 1227 | جناب انضال حسین نقوی | 4. جدید نوحہ کا موجد |
| 1239 | (133) عدد | 5. منتخب اشعار |
| | (144) عدد | 6. نوے (مطبوعہ وغیرہ مطبوعہ) |

باب چہارم

- | | | |
|------|------------|------------------------------------|
| 1427 | جہنم آفندی | 1. تاثرات زیارات (زیارتی سفر) |
| 1433 | (9) اشعار | 1. عرض داشت |
| 1434 | (15) اشعار | 2. بصرہ سے نجف تک |
| 1435 | (11) اشعار | 3. در نجف پر |
| 1436 | (19) اشعار | 4. خلوص فکر |
| 1438 | (11) اشعار | 5. حضوری میں |
| 1439 | (11) اشعار | 6. بارگاہ کج کلاہ قمر بنی ہاشم میں |
| 1440 | (6) اشعار | 7. بارگاہ نیرین |
| 1441 | (5) اشعار | 8. جلوہ گاہ سامرہ |
| 1442 | (9) اشعار | 9. سرداب میں ایک سجدہ فکریہ |
| 1443 | (30) اشعار | 10. متفرق قطعات (15) عدد |

باب پنجم

صفحہ نمبر

1449	(18) عدد	1. جہم آفندی کا بندی کلام
1451	(145) اشعار	.1 کربل نگری
1456	(158) اشعار	.2 اسلام پوچی
1463	(9) اشعار	.3 جگت گرو
1464	(12) اشعار	.4 کیون ہارا
1465	(11) اشعار	.5 دلہ کا ساگر
1466	(11) اشعار	.6 پریم پنہتی
1467	(14) اشعار	.7 دھرم پر بت
1468	(11) اشعار	.8 حسینی سیوا
1469	(11) اشعار	.9 پریم کہانی
1470	(16) اشعار	.10 ست کی سیوا
1471	(26) اشعار	.11 ست جگ کا ستارہ
1473	(12) اشعار	.12 درشن کا اجالا
1474	(6) اشعار	.13 قیدی کا راگ
1475	(7) اشعار	.14 کوچ کا ڈنکا باجت ہے
1476	(8) اشعار	.15 آؤ سہیلی جیل چلیں
1477	(7) اشعار	.16 پنہ نار کے دن
1478	(12) اشعار	.17 حسینی درشن
1479	(12) اشعار	.18 پردیسی

باب ششم

صفحہ نمبر

- 1481 1. سرمایہ داری کے خلاف پہلی آواز ڈاکٹر سید تقی عابدی
- 1493 2. منتخب اشعار (45) عدد
- 1497 3. متفرق نظمیں اور غزلیں (مطبوعہ وغیرہ مطبوعہ) (83) عدد

باب ہفتم

- 1583 1. نثری شہ پارے نجم آفندی
- 1585 1. لغات المذہب (لغت)
- 1637 2. حسین اور ہندوستان کا سبندھ (تحقیقی تحریر)
- 1649 3. شہیدوں کی باتیں (اقوال اور مکالمے)
- 1685 4. ترقی کی برکتیں (اقتباسات)
- 1697 5. نفس اللہ (زندگی نامہ، علی ابن ابی طالب)
- 1717 6. چوراموں (افسانہ)
- 1739 7. بندہ خدا (مذہبی ناول) (اقتباس)
- 1741 کتابیات

رو میں ہے رخشِ عمر

نام :	سید تقی حسن عابدی
ادبی نام :	تقی عابدی
تخلص :	تقی
والد کا نام :	سید سبط نبی عابدی منصف (مرحوم)
والدہ کا نام :	سنجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش :	یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش :	دہلی (انڈیا)
تعلیم :	ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا) ایم ایس (برطانیہ) ایف سی اے پی (یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ) ایف آر پی بی (کنیڈا)
پیشہ :	طباہت
ذوق :	شاعری اور ادبی تحقیق
شوق :	مطالعہ اور تصنیف
قیام :	ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک اور کنیڈا
شریک حیات :	گیتی
اولاد :	دو بیٹیاں (معصومہ اور رویا) دو بیٹے (رضا اور مرتضیٰ)
تصانیف :	شہید (1982ء) جوشِ موڈت - گلشنِ رویا - اقبال کے عرفانی زوابع، انشاء اللہ خاں انشاء - رموزِ شاعری - اظہارِ حق - مجتہدِ نظم مرزا دبیر - طالعِ مہر - سلکِ سلام دبیر - تجزیہ یادگار انیس - ابوابِ المصائب - ذکرِ دُر باران - عروسِ سخن - مصحفِ فارسی دبیر - مثنویات دبیر - کائناتِ جہم - تجزیہ شکوہ جواب شکوہ - رباعیات دبیر - فانی شناسی - مصحفِ تاریخ کوئی - روپ کنوار کمار - تعلقِ لکھنؤ -

ڈاکٹر سید تقی عابدی

دردِ دل

کس کس سے سوال کروں؟

علامہ نجم آفندی نے کہا تھا:

میں خود ہوں مطمئن اے نجم ادب کی خدمت سے

جگہ نہ دے کہیں تاریخ روزگار مجھے

اردو کے مشابیر شعرائے غزل نے نجم کی قدروائی کیوں نہ کی؟

(195) عمدہ اور اعلیٰ ترین غزلوں کو کیوں نظر انداز کیا گیا؟

کیا 1955ء کا آل انڈیا مشاعرہ یاد نہیں جس میں نجم نے مشاعرہ لوٹ لیا تھا؟

اردو کے ترقی پسند تحریک کے نمائندوں نے کیوں نجم کو نظر انداز کیا؟ اردو ادب

میں کسان، مزدور، مزدوری اور سرمایہ داروں کے خلاف نظموں میں پہلی آواز علامہ

اقبال اور جوش سے قبل نجم کے سوا کس نے بلند کی؟ اگر بقول سلیمان ندوی، حسرت

موہانی اسلامی اور سوشلسٹ رجحان رکھ کر بیسویں صدی کے ابوذر غفاری ہو سکتے ہیں

اور تحریک کے بھی پسندیدہ شاعرہ کہتے ہیں تو نجم کی مسلمانی کیوں برداشت نہ ہوئی؟

③ نعت کے پرستاروں نے صد ہا نعتیہ آبدار اشعار اور سولہ سے زیادہ نعتوں کو کیوں طاق نسیاں کے سپرد کیا؟

کیا نجم کے اس شعر میں کسی کو شک ہو سکتا ہے؟

اے نجم میں ہوں شاعرِ دربارِ رسالت
کیا شک ہے کسی کو مری تصویر کشی میں

④ کیوں افسانہ نویسوں نے عمدہ افسانہ ”چور ماموں“ نہیں پڑھا؟ کیوں ناول نگاروں نے تخلیقی شاہکار ناول ”بندۂ خدا“ کو فراموش کیا؟

شریکِ حال نہ ہوتی جو نجم خودداری
ہمارے غم کا فسانہ غمِ جہاں ہوتا

⑤ اردو میں کتنے شاعر ہیں جنہوں نے نجم کی طرح چھ سو سے زیادہ عمدہ رباعیاں لکھیں؟ کیوں اردو رباعیات لکھنؤ کے پی ایچ ڈی (Ph.d) کے مقالے میں نجم کا نام تک نہیں؟ جبکہ پانچ اور دس رباعی کہنے والے افراد کا ذکر آب و تاب کے ساتھ ہے۔ کیا اس قسم کے مقالوں پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

⑥ شاعرِ اہل بیت کا خطاب دے کر محبانِ اہل بیت کیوں نجم سے غافل ہو گئے؟ مولویوں، خطیبوں نے منبر سے کیوں ان کا پیغام نہیں پہنچایا؟ سلاموں، نوحوں، مرثیوں کو لے کر دوسرے انتقادی کلام کو کیوں تلف کر دیا؟ کراچی میں اتنے بڑے شاعر کے جنازے میں کیوں صرف بیس (20) بچپیس (25) افراد شریک ہوئے؟

⑦ کیوں نجم کے کلام کو محبانِ اہل بیت، گروہانِ نوحہ خوان، پرستارِ انجم، شاگردانِ رشید، عزیز و اقربا نے انتقال کے تیس (30) برسوں میں بھی شائع نہیں کیا؟ اگرچہ نجم نے کہا تھا:

ہم نجم چار روز کے مہمان ہیں مگر
رہ جائیں گے یہ شعر و ادب کے تبرکات

⑧

اردو ادیبوں اور تنقید نگاروں نے اس بیسویں صدی کے عظیم شاعر سے کیوں غفلت برتی؟ نجم کے (12799) اشعار، (195) غزلیں، (591) رباعیات، (498) قطعات، (16) نعتیں، (81) قصائد، (107) سلام، (144) نوے، (83) متفرقات کے علاوہ (3) مرثیے، (18) ہندی کلام کے آثار اور کئی نثری کتابیں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ موجود ہیں:

آج اردوے معلیٰ کی اشاعت کے لئے
یہ غنیمت ہے کہ نجم نکتہ داں باقی رہا
میں نے حقیقت کو پیش کیا ہے:

نجم بہتر ہے تصنع کی دلاویزی سے
تلخ لہجہ میں حقیقت کا بیاں ہو جانا

⑨

کانگریس، مسلم لیگ اور دوسرے قومی سیاسی عہدے داروں نے ایسے وطن دوست شاعر کو وطن کی محبت میں کیا دیا؟ جبکہ

ع: منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

کائنات نجم ان تمام سوالوں کا جواب رکھتی ہے۔ صرف گردشِ اوراق شرط ہے۔ شاید یہ میری نجمی عقیدت اور اردو محبت ہو۔ یہ ایک خوشگوار حادثہ تھا جس کے فیض سے میں کائنات نجم کو دریافت کر سکا:

یہ بھی اک حادثہ اردو کی محبت کا ہے نجم
کنجِ عزلت سے جو باہر نکل آیا ہوں میں

خیر اندیش

سید تقی عابدی

تعداد کل کلام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ

علامہ نجم آفندی

نمبر شمار	صفحہ سخن	تعداد	تعداد اشعار
1.	غزلیں	195	1932
2.	رباعیات	591	1182
3.	قطعات	498	1001
4.	نعت	16	304
5.	قصاید	81	2519
6.	سلام	107	1375
7.	مرثی	3 (209 بند)	627
8.	نوسے	144	2237
9.	تاثیر زیارات	10	128
10.	متفرقات	83	1036
11.	ہندی کلام	18	458
کل اشعار = (12799)			

مطبوعاتِ انجمن

jabir.abbas@yahoo.com

مرزا تجل حسین نجم آفندی

ولادت 1893ء وفات 1975ء

ہاتھ رکتے ہی نہیں ہیں ماتم شبیر سے
استفادہ کر رہا ہوں موت کی تاخیر سے نجم آفندی
شاعر ہوں جن کا نجم وہ ہیں وجہ کائنات
ممکن ہے تا ابد مرا نام و نشان رہے

حضرت بزم آفندی (والد بزرگوار نجم آفندی)

ایک دن عرش پہ محبوب کو بلا ہی لیا ہجر وہ غم ہے خدا سے بھی اٹھایا نہ گیا

جناب سہیل آفندی (فرزند علامہ نجم آفندی) مفیم حیدر آباد دکن

علامہ نجم آفندی کے بھائی کوکب آفندی اپنی بیگم اور دونوں بیٹیوں، چندن زیدی بیگم اور باقر زیدی کے ساتھ

علامہ نجم آفندی، جناب باقر زیدی (داماد) اور کوکب آفندی (برادر) کے ہمراہ

علامہ نجم آفندی لکھنؤ کے عالم خطیب اور شاعر کے ساتھ

وائس سے بائیں، جناب عبدالحسین خاورنوری، جناب مرتضیٰ حسین لکن، نجم آفندی، سید محمد اطہر ظاہری

علامہ نجم آفندی علمائے ادب اور شعراء کے ساتھ مقام حیدرآباد دکن

علامہ نجم آفندی علمائے ادب اور شعراء کے ساتھ علامہ کے داماد
شاہد حیدری سیدھے جانب قدر عریضی کے بعد۔ مقام حیدرآباد دکن

علامہ نجم آفندی بمبئی میں مشاعرہ پڑھتے ہوئے

علامہ نجم آفندی آل انڈیا مشاعرہ دہلی میں پڑھتے ہوئے۔ برابر میں راجندر سنگھ بیدی
بیٹھے ہیں

علامہ نجم آفندی شعراء اور شاگردوں کے ساتھ۔ مقام حیدرآباد دکن دسمبر 1967ء

علامہ نجم آفندی اراکین انجمن پنجتن شاہ گنج آگرہ کے ساتھ۔ مقام کراچی

علامہ نجم آفندی بارگاہ جعفریہ کراچی میں 18 رزی الحجہ ”غدر خم“ کی محفل میں اپنا کلام

سنارہے ہیں۔ سخن پوری اور زاہد سخن پوری بھی بیٹھے ہیں

علامہ نجم آفندی امام بارگاہ جعفریہ میں جشن عید غدیر پڑھ رہے ہیں

علامہ نجم آفندی کراچی میں غدیر خم پڑھتے ہوئے

علامہ نجم آفندی مشہور نوحہ خواں کاظم علی کے ساتھ

علامہ نجم آفندی ماتھی جلوس میں نوحہ خواں کیپٹن عباس عابدی اور مصمصام علی گوہر کے ساتھ

<p>جناب سلطان نسیم جمیل فرزند مرحوم صبا اکبر آبادی کے مکتوب کا جواب</p> <p>سید العلماء مولانا علی نقی قبلہ کے نایاب مضمون کا ایک صفحہ</p>	<p>نمونہ غزل بخط شاعر نمونہ غزل بخط شاعر نمونہ غزل بخط شاعر</p> <p>نمونہ غزل بخط شاعر نمونہ غزل بخط شاعر نمونہ غزل بخط شاعر</p>
<p>علامہ نجم آفندی اپنی یادداشتوں کو ڈائری میں محفوظ کرتے تھے (ڈائری سے دو صفحات)</p> <p>علامہ اپنے قصاید اور نوحوں کی بیاضوں میں اپنے پوتے، پوتیوں، نواسے اور نواسیوں کی</p>	<p>تاریخ ولادت کامل محفوظ کر دیتے تھے۔</p> <p>علامہ کے مطبوعہ غیر مرثیہ کے چند بند (خط نجم آفندی)</p> <p>حضرت جوش ملیح آبادی کے ایک مختصر خط کا عکس حضرت نجم مرحوم کے نام</p>

باب اول

نجم آفندی کا زندگی نامہ

نجم آفندی کا زندگی نامہ
مکتوب
خودنوشت سوانح حیات
جب آتش جواں تھا
ڈائری کے چند اوراق کے عکس
جناب سلطان جمیل نسیم کے نام خط کا عکس
نجم آفندی کے نام جوش ملیح آبادی کے خط کا عکس
غزل بخط نجم آفندی

ڈاکٹر سید تقی عابدی

نجم آفندی کا زندگی نامہ

نام: مرزا تجل حسین
تخلص: نجم - عجی
شہرت: نجم آفندی
گھریلو نام: نادر مرزا

تاریخ ولادت: رمضان 1330 ہجری مطابق 1893ء

مقام ولادت: اکبر آباد (آگرہ) کٹرہ حاجی حسن جو پٹیل منڈی کے پیچھے واقع ہے۔

والد: مرزا عاشق حسین بزم آفندی۔ معروف شاعر اپنے سگے ماموں سید اسماعیل حسین منیر شکوہ آبادی متوفی 1880ء کے شاگرد ہیں۔ ان کی پیدائش 1860ء میں کٹرہ حاجی حسن آگرہ میں ہوئی۔ شادی آغا حسین صاحب صلاب دیوان شاعر کی بیٹی سے ہوئی۔ دوسری شادی ایک انگریز خاتون سے ہوئی۔ آپ بزم تخلص کرتے تھے۔ معروف غزل گو اور مرثیہ گو شاعر تھے۔ بزم آفندی کا انتقال 23 مارچ 1953ء کو ہوا۔
داوا: مرزا عباس علیج جو مرزا نجف علی بلخ کے فرزند تھے جو مرزا فتح مشہور مرثیہ گو شاعر کے حقیقی بھائی تھے۔ اسی لیے تو نجم آفندی نے مرزا فتح کی میراث پر فخر کرتے ہوئے فرمایا:

نجم میں ہوں خاک پائے مسند آرائے فتح

مدح کی دولت ملی ہے ورثہ اجداد سے

پردادا: مرزا ہادی علی فیض آبادی۔ مرزا ہادی علی کے تین فرزند تھے۔ (1) مرزا جعفر علی فتح

(2) مرزا نجف علی بلخ (3) مرزا فتح - ڈاکٹر صفدر حسین مرحوم لکھتے ہیں - ”تجم آفندی کے پردادا ہادی علی فیض آبادی حضرت عقیل ابن ابی طالب علیہ السلام کی نسل سے تھے لیکن جب ان کے بزرگ بلاد ایران میں رہنے لگے تو وہاں ”مرزا“ مشہور ہو گئے تھے۔ ہندوستان میں آمد کے بعد ان کے بزرگ شاہجہاں آباد (دہلی) میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔

معز الدین قادری اسرار و افکار میں لکھتے ہیں - تجم آفندی کے پردادا مرزا ہادی علی فیض آباد کے محلہ ”مغل پورہ“ میں رہتے تھے چنانچہ تجم آفندی نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

مرے بزرگوں کا اصلی وطن ہے فیض آباد

مجھے بھی شوق تھا دیکھوں میں یہ درو دیوار

تجم آفندی کے اجداد بزرگ نسل سے تعلق رکھتے تھے جو ہجرت کر کے ہندوستان میں آباد ہوئے۔

بھائی بہن: دو بھائی (1) مرزا اعجاز حسین مرحوم کیس برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ یہ عمر میں تجم سے بڑے تھے۔

(2) مرزا سلیمان کوکب آفندی، چھوٹے بھائی جن کی صاحبزادی مشہور مرثیہ نگار شاعر باقر زیدی کی شریک حیات ہیں۔ ایک بہن شہزادی فرطیس بانو اختر جہاں کج کلاہ پروین پیدائش 1901 جو بزم آفندی کی دوسری انگریز بیوی کے وطن سے تھیں۔ پروین کج کلاہ عمدہ شاعرہ تھیں۔

شریک حیات: 1958ء میں گلے کی کینسر سے انتقال کر گئیں۔ کانپور کے ایک معزز گھرانے کی صاحبزادی تھیں۔

اولاد: (1) پانچ لڑکے۔ جن میں چار لڑکے عباس، کامران، تاجدار اور تسلیم بچپن میں مر گئے اور اکلوتے بیٹے ہمایوں مرزا المتخلص سہیل آفندی حیات ہیں اور حیدر آباد دکن میں مقیم ہیں۔

- (2) سات لڑکیاں۔ ایک بیٹی کا کمسنی میں انتقال ہو گیا۔ دوسری لڑکی ناکتھراتھی۔ دو بیٹیاں شادی کے بعد پاکستان چلی گئیں اور دو بیٹیاں ہندوستان میں مقیم رہیں۔
- تعلیم و تربیت: 1۔ نجم آفندی کی اردو اور فارسی تعلیم گھر پر ہوئی۔
- 2۔ قرآن مجید اپنے چچا مرزا ہادی علی سے پڑھا
- 3۔ مفید عام اسکول آگرہ سے انگریزی میں ڈل پاس کیا۔ اس اسکول میں اردو فارسی مولوی سلامت اللہ سے اور انگریزی اسکول کے ہیڈ ماسٹر راج کمار سے پڑھی۔
- 4۔ اسرار و افکار کے دیباچہ میں معز الدین قادری لکھتے ہیں۔ ”نجم آفندی کو اردو فارسی اور انگریزی کے علاوہ ہندی زبان میں بھی درک ہے۔ ان کی ہندی زبان میں بھی تصنیفات ملتی ہیں۔“
- 5۔ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی دبستان دہلی میں لکھتے ہیں۔ نجم آفندی اردو، فارسی اور عربی اچھی جانتے ہیں اور انگریزی میں بھی اچھا درک رکھتے ہیں۔
- 6۔ ڈاکٹر سید نواز حسن زیدی نے نجم آفندی فکرو فن میں لکھا۔ ”اردو فارسی کی حد تک تو یہ بات درست ہے لیکن محض قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کو عربی تعلیم کا حصول سمجھ کر مامک رام اور ڈاکٹر ذاکر حسین کو مغالطہ ہوا ہے۔ خود نجم آفندی نے اپنے خط میں عربی نہ پڑھ سکنے کے بارے میں لکھا ہے۔“
- 7۔ اردو فارسی اور انگریزی کتابوں کے مطالعہ کا شوق تھا۔ انھیں گھر پر عام طور سے انگریزی ناول کو بھی مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا گیا۔
- 8۔ نجم آفندی شمشاد حسین کے نام خط میں لکھتے ہیں ”میری تعلیم اس زمانے کے ڈل تک ہو گئی مگر کم از کم انگریزی کی دو ہزار کتابیں ہر قسم کی میری نظر سے گزری ہیں۔“
- شکل و صورت: شکل و صورت تصویر سے ظاہر ہے جو اس کتاب میں شامل ہے۔ نجم آفندی کا قد تقریباً پانچ فٹ تھا۔ بدن چھریہ، رنگت سرخ و سپید تھی۔ چہرہ گول خوبصورت ناک اور باریک ہونٹ کے ساتھ بڑے کان اور سر بھی نسبتاً بڑا تھا۔ آخری عمر میں بال بہت کم رہ گئے تھے۔ خوشی داڑھی جو مونچھوں سے متصل تھی۔ آواز رعب دار اور چہرے پر

ہمیشہ مسکراہٹ رہتی تھی۔

وضع اور لباس: نجم آفندی انتہائی شخصیت تھے۔ وہ مشرقی روایات کے پاسدار اور اسلامی تہذیب کے نمونہ تھے۔ جوش ملیح آبادی نے ساقی جوش نمبر میں لکھا۔ ”حضرت نجم آفندی جو اس قدر دین دار و پابند وضع بزرگ ہیں کہ قہقہہ مارنے کو بھی خلاف شرع سمجھتے ہیں۔“ نجم آفندی کے لباس میں سادگی تھی۔ وہ عام طور پر سفید شروانی، سفید پاجامہ، مخمل کی کالی ٹوپی پہنتے تھے۔ کبھی کبھار کالی شروانی پر شال اوڑھ لیتے تھے۔ پاؤں میں معمولی سلپریا جوتا ہوتا۔ ہاتھ میں ہمیشہ چھڑی رکھتے تھے۔ عینک صرف حسب ضرورت لگاتے۔

غذا و خوراک: نجم آفندی کم خوراک تھے۔ دیسی گھی اور گڑ سے شدید رغبت تھی۔ ان کی گھی اور گڑ کی چاہت کی کئی داستانیں لوگوں نے بیان کی ہیں۔ سیرت و کردار: ہم نجم آفندی کی سیرت اور عالی کردار کے ساتھ عجز و انکساری کا مختصر خاکہ معز الدین قادری اور ذاکر حسین قادری کی تحریروں سے پیش کرتے ہیں۔ اسرار و افکار کے دیباچہ میں معز الدین قادری نے لکھا ہے۔ ”خاندانی روایات مذہبی تعلیم و تربیت اسلام کی عظیم شخصیتوں کے نقوش قدم کو اپنا راستہ بنانے کی سعی و تمنا نے ان کو کافی متوازن، معتدل مزاج اور بنی نوع انسان کا ہمدرد بنادیا ہے۔ ان کی آنکھوں میں بصیرت کی چمک ہے اور سنجیدگی کے نہ جانے کتنے راز ہیں۔ انھیں بنی نوع انسان سے محبت ہے۔ شخصی اور مذہبی عقائد پر خود سختی کے ساتھ کاربند ہیں لیکن سیرت و کردار میں کہیں بھی ”ملاپن“ یا پندار زہد“ کے نتیجے میں پیدا ہونے والا سوانح موجود نہیں۔ بردبار، حلیم، خوش خلق اور مصیبتوں میں مسکرانے والی شخصیت ان کے سارے کلام سے جھلکتی ہے اور انھیں یہ کہنے کا حق ہے

میری تلاش راہ پر ہنستے ہیں آج قافلے

شع بنائی جائے گی کل میری گردِ راہ کی

بقول جوش ملیح آبادی۔ جہاں تک طبائع کا تعلق ہے، باپ بیٹے میں زمین و آسمان کا

فرق تھا۔ وہ ایک رنگین مزاج شاعر تھے اور ان کو رنگینی کبھی چھو کر نہیں گئی تھی۔ وہ سراپا رند تھے اور یہ سرنا بہ قدم متقی اور خشک قسم کے متقی تھے۔

دہستانِ دیہر میں ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی بیان کرتے ہیں: ”مرؤت وضع داری، ایفائے وعدہ، حسن معاشرت اور بڑے چھوٹوں کے ساتھ یکساں برتاؤ آپ کے کردار کی وہ خوبیاں ہیں جو ہر شخص کے دل میں جگہ پیدا کر لیتی ہیں۔ نجم صاحب نے اپنی زندگی کے جو اصول بنائے تھے وہ تاحیات ان پر کاربند رہے اور اخلاقی و روحانی اعتبار سے انھوں نے ایک کامیاب زندگی گزاری اور ان کی کامیاب زندگی ”قابل رشک موت“ کی ضامن بن گئی۔ بقول خود:

کچھ شعر جو منقبت میں کہہ لاتا ہے
اس خواب سے اپنے دل کو بہلاتا ہے
موزوں ترے کردار پہ بھی ہے یہ خطاب
تو شاعرِ اہل بیت کہلاتا ہے

شغل و ملازمت:

- 1- ریلوے محکمہ میں کلرک کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ اس وقت نجم کی عمر بیس سال تھی۔
- 2- پھر دہلی میں ملازمت کی۔
- 3- کالکٹیشن اور غازی پور اسٹیشن پر کچھ عرصہ ملازم ہوئے۔
- 4- تحریکِ ترکِ موالات سے متاثر ہو کر ریلوے کی ملازمت ترک کر دی اور تلاشِ معاش میں ردولی پہنچے اور کچھ عرصہ کاشتکاری کی۔
- 5- جونیئر پرنس معظم جاہ شجاع کے دربار سے منسلک ہوئے۔ ان کے سپرد پرنس کے کام کی اصلاح تھی۔ تنخواہ بھی اس کام کی پاتے تھے۔ نجم کی ماہانہ تنخواہ دوسرو پے ماہوار تھی۔
- 6- دربار سے علاحدہ ہو کر مالی پریشانیوں میں بسر کی اور اپنی خودداری کو نبھانے اور پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے چھتہ بازار حیدر آباد میں جوتوں کی دکان تک کھولی۔

تف بر تو اے چرخ پیر کہ شاعر اہل بیت کو اتنی بڑی قوم تنگ دستی میں سہارا نہ دے سکی جبکہ تمام قوم اور تاجران کے کلام سے روحانی اور اقتصادی فائدہ اٹھا رہے تھے۔ اسی لیے تو اپنے خطوط میں اس طرح گلہ کیا ”آج ہندوستان میں تبت سے راس کماری تک میرے نوٹے پڑھے جارہے ہیں لیکن مالی فائدہ دوسرے اٹھا رہے ہیں“ ”کاروان ماتم لاہور والوں نے میری اجازت و اطلاع کے بغیر شائع کر لی ہے۔ لکھا تو جواب تک نہیں دیتے۔ یہ قدر دانی ہو رہی ہے۔ ہم تکلیف اٹھا رہے ہیں اور یہ نفع کما رہے ہیں۔“

شاعری کا آغاز ۱۲ سال کی عمر میں شاعری کا آغاز کیا۔ ابتدا غزل کوئی سے کی۔ شاہ نیاز وارثی کی غزل پر مصرعے لگائے

زبے عزو جلالی بو ترابی فخر انسانی
علی مرتضیٰ مشکل کشائی شیر یزدانی

پہلا مشاعرہ: جس مشاعرے سے نجم کی شاعری کا تعارف ہوا وہ خود ان کے گھر کے سامنے منعقد کیا گیا تھا جس میں اکابر شعرا نے شرکت کی تھی۔ نجم کی غزل کا مطلع تھا:

چاندنی میں تم ذرا کھر سے نکل کر دیکھتے
قبر عاشق اور ایک میلی سی چادر دیکھتے

شاگردی: شاعری کے آغاز میں اپنے والد بزم آفندی کی شاگردی کی لیکن بہت جلد ہی اصلاح سے بے نیاز ہو گئے۔

صحبت اساتذہ: نجم آفندی کو گھریلو ماحول کے علاوہ اپنے دہلی کے قیام کے دوران نواب سائیک دہلوی، بے خود دہلوی، پنڈت امر ناتھ ساحر، منشی امیر اللہ تسلیم، شوکت علی میرٹھی، عبدالرؤف عشرت، ناصر علی خاں مچھلی شہری اور وٹار کانپوری جیسے شعرا شامل تھے۔

انھیں اساتذہ نے نجم کی شعری صلاحیتوں سے متاثر ہو کر کہیں اس نوجوان شاعر کو صدر مشاعرہ بنایا تو کہیں راجہ پنڈ راول نے ان کی شاہکار نظم کو (1800) سو روپیوں میں خرید کر یہ رقم یتیم خانہ کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔ کبھی محفل مقاصدہ میں صفائی لکھنوی

کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ”نجم صاحب ہم نے بائیس (22) سال اس محفل میں چراغ جلایا ہے اب آپ کی باری ہے۔“
 خطاب: ناصر الملت نے نجم آفندی کو ”شاعر اہلیت کا خطاب دیا جو نجم آفندی کے مسلسل سلام اور قصیدہ نگاری کا اثر تھا۔

یہاں یہ بات بھی خارج از محل نہیں کہ نجم آفندی کے دادا کے بھائی مرزا فتح کو خلافت عثمانیہ کی جانب سے آفندی خطاب کعبتہ اللہ اور حاجیوں کی خدمت کرنے پر دیا گیا تھا جو نسلاً بعد نسل استعمال ہو سکتا تھا۔

ہم عصر شعراء: خانی، اکبر الہ آبادی، اقبال، سائل دہلوی، منشی امیر اللہ تسلیم، نسیم، حسرت موہانی، صفی لکھنوی، مرزا اوج، دولہا صاحب عروج، مرزا ثاقب، آرزو لکھنوی وغیرہ بزرگ عمر ہم عصر شعراء تھے جب کہ ان کے ہم عصر شعراء میں فانی، جوش، صدق جانشی، یگانہ، سیما، مہذب لکھنوی، نسیم امرہوی، ریکش امرہوی، سید آل رضا وغیرہ شامل تھے۔

نجم آفندی کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ خود انھوں نے جو فہرست جلیس ترمذی کو روانہ کی تھی اس میں (69) نام تھے۔ وہ بعد میں بڑھ کر (72) ہو گئی، اور کچھ اس طرح ہے جسے ڈاکٹر سید نواز حسن زیدی نے نجم آفندی فکر و فن میں نقل کیا ہے۔
 رعنا اکبر آبادی، جعفر مہدی، رزم رودلوی، صفدر حسین کاظمی، عبدالسعید رشک، عابد مرحوم، وزارت علی، علی انجم اکبر آبادی، مرزا عبدالکریم مضطر، کوکب اکبر آبادی، جلیس ترمذی، انتظام الحسنین، خاور نوری، سعید شہیدی، مرزا عادل، ساجد رضوی، شاہد حیدری، نازم رضوی، قائم جعفری، عباس عابدی، خورشید جنیدی، باقر منظور، طاہر عابدی، خولہ ضمیر، کاوش حیدری، منجوقمر، راحت عزمی، تصور کرت پوری، عباس زاہد، شہید یار جنگ، ہشیار جنگ، ڈاکٹر اختر احمد، تبسم نظامی، طالب رزاقی، حرمات خیر آبادی، ناصم جیل، ساحر نجمی، سعید السامعہ، زیبا رودلوی، پرنس معظم جاہ جمع، ہاشم جاں بہادر، اختر زیدی، حسن مدنی، اثر غوری، کاظم رشک، شاتل حیدر آبادی، مصیم حیدر، محبت جاوہر، صادق نقوی، سوز رضا ترمیم، فقی عسکری، اقبال عابدی، سید جعفر

حسین، زاہد رضوی، ظہیر جعفری، آغا ہاجر، باذل عباس ضیفم، سائر، ثاقب، سعادت نظر، عبدالحی خاں، شارق، بانوسید پوری، نظیر سیہوری، عقیل نجمی، سہیل آفندی، روپ کمار، بیدار جی اور وفا ملک پوری وغیرہ۔

ڈاکٹر نواز حسن زیدی لکھتے ہیں کہ تانندہ کی اصلاح کے وقت حجم آفندی کے ہاں وہی جذبہ کارفرما ہے جسے عشق اہل بیت کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ تانندہ کے کلام کی اصلاح کے لیے باقاعدہ اصول وضع کر رکھے تھے۔ شاگردوں کے خطوط کے جواب میں لکھتے ہیں۔ ”مجھے امید نہیں کہ جلد تمہارا کلام دیکھ کر بھیج سکوں گا۔ از روئے انصاف سلسلہ وارد دیکھتا ہوں“ آج کل چار طرف سے پاکستان اور ہندوستان سے اصلاح کا کلام آرہا ہے۔ سر اٹھانے کی مہلت نہیں۔ دماغ بھی کام دیتا ہے تو ہاتھ کاپتا ہے کس کس کو منع کروں اور کیسے ممکن ہے مدح اہل بیت کا مسئلہ ہے۔

مدت مشق سخن: تقریباً ستر (70) سال

مسافرت برائے شاعری: دہلی، کانپور، لکھنؤ، حیدرآباد، کراچی، کلکتہ، بنارس، لاہور ہی نہیں بلکہ دور دراز کے چھوٹے مقامات پر بھی تبلیغ پیام اہل بیت میں مشغول رہے۔ چنانچہ فیض آباد، بریلی، بارہ بنکی، بیتا پور، بھرت پور، اجین، مدراس اور بلرام وغیرہ کے لوگ بھی موصوف کے کلام کے دلدادہ رہے۔

زیارت عتبات عالیہ: 1950ء اگست میں زیارتوں کے لئے عراق گئے اور مختلف مقامات مقدسہ پر حاضری دی اور اپنے تاثرات کو منظوم لکھ کر ”تاثرات زیارت“ کے عنوان سے شائع کیا۔

تصنیفات: راقم کو کائنات حجم آفندی مرتب کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حجم آفندی کی تصانیف تقریباً عنقا ہیں۔ حجم آفندی کی چالیس (40) سے زیادہ تصانیف شائع ہوئیں۔ سب سے پہلی تصنیف ان کے کلام کا مجموعہ 1917ء میں اور آخری تصنیف ”لہو قطرہ قطرہ“ ان کے انتقال کے چار سال بعد 1979ء میں شائع ہوا۔ علامہ ضمیر اختر نقوی نے لکھا ہے کہ حجم آفندی نے حیات میں چند تصانیف مرتب کی تھیں مثلاً ”گلدستہ

نعت ”مذہبی رباعیات“ ”قومی اور مذہبی نظموں کا مجموعہ“ ”خودنوشت سوانح حیات“ جو نامکمل رہ گئی تھی جو کبھی شائع نہ ہوئیں۔ نیز حجم کے مضامین کا کوئی مجموعہ بھی ترتیب نہیں دیا گیا۔

حجم مرحوم کی تصانیف کی فہرست جو ضمیر اختر نقوی نے مرتب کی ہے یہاں پیش کی جا رہی ہے۔ باضافہ چند تصانیف جو بعد میں شائع کی گئی ہیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	سن طباعت	مطبع	تفصیلات
1.	بچوں کا بار	1917ء	آفندی بک ڈپو، آگرہ	پہلا مجموعہ کلام۔ ادبی، اخلاقی قومی نظموں کا مجموعہ وہ نظمیں جو شیعہ کانفرنس میں پڑھی گئی تھیں۔
2.	قصائد حجم	1943ء	آفندی بک ڈپو، آگرہ	رباعیات (32) قصائد اور نظمیں (25)
3.	تہذیب موڈت	1943ء	تاج پریس، یوسف آباد، حیدرآباد	رباعیات (140)
4.	اشارات غم حصہ اول	1938ء	احباب پبلشرز، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض (32) نوے
5.	اشارات غم حصہ دوم	1938ء	احباب پبلشرز، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض (33) نوے
6.	اشارات غم حصہ سوم	1938ء	احباب پبلشرز، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض (21) نوے
7.	کربل کی آہ	—	کتب خانہ اثنا عشری، جدید نوحہ جات (9) نوے	لکھنؤ
8.	آیات ماتم	1361ھ	نظامی پریس، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض
9.	تصویرات غم	1943ء	مکتبہ ناصری کولہ گنج، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض

نمبر شمار	نام کتاب	سن طباعت	مطبع	تفصیلات
10.	کر بل نگری	1361ھ	مکتبہ ناصری، کولہ گنج، لکھنؤ	سیرزدہ صد سالہ یادگار حسینی پر لکھی گئی نظم (اردو-ہندی)
11.	اسلام پوچی	1380ھ	امامیہ مشن لکھنؤ	طویل مثنوی، آغاز اسلام سے ہجرت حبشہ تک (اردو-ہندی)
12.	فتح مبین	1943ء	نظامی پریس لکھنؤ	ایک مرثیہ-5 سلام، 9 رباعیات
13.	بیاضِ حشم	1950ء	مکتبہ سلطانی، بمبئی	نوحہ جات، (حصہ اول، 53 نوے، حصہ دوم 81 نوے)
14.	شاعرِ اہل بیت نبیل میں	1939ء	مکتبہ ناصری، کولہ گنج، لکھنؤ	قومی نظموں اور قطعات کا مجموعہ
15.	حسینی سنسار	1364ھ	مکتبہ ناصری، کولہ گنج، لکھنؤ	نوحہ جات
16.	کاروانِ ماتم	—	کتب خانہ اثنا عشری لاہور	(54) نوے اور سلام
17.	پریم بھکتی	—	مکتبہ ناصری، کولہ گنج، لکھنؤ	ہندی نظموں کا مجموعہ، اردو رسم الخط میں
18.	دارالسلام	—	مکتبہ ناصری، کولہ گنج، لکھنؤ	جدید رنگ کے سلام
19.	تاثرات زیارت	1950ء	الکٹرک پریس، حیدرآباد	زیارت سے متعلق منظوم خراج عقیدت

نمبر شمار	نام کتاب	سن طباعت	مطبع	تفصیلات
20.	نصاب دینیات	1364ھ	مطبع حیدری، حیدرآباد	بچوں کے لئے مختصر دینی احکامات (نثر)
21.	شہیدوں کی باتیں	1952ء	رضا کاربک ڈپو، لاہور	کربلا والوں کے اقوال اور کارنامے (نثر)
22.	حسینی اور ہندوستان		مکتبہ ناصری کولہ گنج، لکھنؤ	ہندوستان کا امام حسین سے روحانی تعلق (نثر)
23.	لغات المذہب	1961ء	رضا کاربک ڈپو، لاہور	ایک ہزار مذہبی الفاظ پر مشتمل لغت (نثر)
24.	چور اماموں	1349ھ	زاویہ ادب، حیدرآباد	بچوں کے لئے مختصر اخلاقی افسانہ (نثر)
25.	چاند کی بیٹی	—	—	— (نثر)
26.	پھول والا	—	—	— (نثر)
27.	معراج فکر	1959ء	رضا کاربک ڈپو، لاہور	مرثیہ
28.	اسرار و افکار	1971ء	ادارہ قدر ادب، حیدرآباد	چار سو رباعیات و قطعات
29.	قصائد نجم	1372ھ	تاج پریس، حیدرآباد	سولہ (16) قصائد کا مجموعہ
30.	جانِ کربلا	1993ء	مکتبہ ناصری، کولہ گنج، لکھنؤ	(نوے + سلام)
31.	معرکہ غم		مکتبہ ناصری، کولہ گنج، لکھنؤ	(نوے + سلام)
32.	دکھ کا ساگر		مکتبہ ناصری کولہ گنج، لکھنؤ	(نوے + سلام)

نمبر شمار	نام کتاب	سن طباعت	مطبع	تفصیلات
33.	کاروانِ عزا	—	عزادار بک ڈپو	نوسے اور سلام
34.	ترقی کی برکتیں	—	—	— (نثر)
35.	قصاید قدسی	—	مطبوعہ سہمی پریس، آگرہ	قصائد
36.	ستارے	1364ھ	دکن اردو اکادمی	نظموں کا مجموعہ
37.	بندۂ خدا	1969ء	کالمی پرنٹنگ پریس حیدرآباد	ایک مذہبی ناول (نثر)
38.	نفس اللہ	—	دائرہ الکٹرک پریس، حیدرآباد	— (نثر)
39.	ترقی پسندوں کے نام	—	—	— (نثری کتاب)
40.	رباعیات نجم آفندی	—	امامیہ کتب خانہ لاہور	(145) رباعیات
41.	تختیٰ قصائد (غیر مطبوعہ)	—	—	قصائد
42.	رباعیات	1976ء	اعجاز پرنٹنگ پریس حیدرآباد	(30) رباعیات
43.	ابو قطرہ قطرہ	فروری 1979ء	پرنٹنگ محل، ناظم آباد کراچی	پچاس منتخب غزلوں کا مجموعہ
<p>وطن پرستی اور انگریز نفرت: سچ تو یہ ہے کہ برصغیر نے علامہ نجم آفندی کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور آزادی کے بعد ع: منزل انھیں ملی جو شریک سفر نہ تھے۔</p> <p>وطن دوستی انگریز نفرت اور قومی محبت نجم آفندی کے ریشہ ریشہ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ذیل میں چند واقعات اور حکایات ہمارے دعویٰ کے ثبوت ہیں۔</p> <p>1. ابتدائی عمر میں جب اسکول میں کسی ہندو لڑکے سے جھگڑا ہونے کے بعد ان کے ہیڈ</p>				

ماسٹر راج کمار کے جملہ ”تم دونوں مل کر تیسرے کو کیوں نہیں مارتے؟“ نے فوراً انگریزوں کے خلاف متحد ہونے کی ترغیب دی۔ چنانچہ اپنی خودنوشت میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ”میرے دل نے آواز دی کہ تیسرے سے مراد انگریز ہے جس کی غلامی کی صعوبتیں ہم برداشت کر رہے ہیں لیکن اس کو مار بھگانے کی جسارت نہیں کرتے۔“

2. جیم آفندی کی کھدر پوشی سے تنگ آ کر ان کے انگریز ہنسر نے ان کا تبادلہ سزا کے طور پر آسنسول کر دیا۔ چنانچہ بعد میں جیم نے تحریک ترک موالات سے متاثر ہو کر سرکاری ملازمت سے ہمیشہ کے لئے استعفیٰ دے دیا۔

3. انگریزوں کے استعمار سے بیزار ہو کر زمانہ طالب علمی میں ایک چھوٹی سی انجمن بنائی جس کا خفیہ ایجنڈا انگریزوں سے ان ہی کے ہتھیاروں سے مقابلہ اور قومی ملی یکجہتی تھا۔ اس انجمن کے ممبر ایک خاص قسم کی انگلیشی پہنتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد یہ انجمن رشتوں کے بھائی کی سازش سے ختم ہو گئی۔

4. سرکاری ملازمت سے علاحدگی کے بعد قومی اور مذہبی رجحان نے تقویت پائی چنانچہ ایک طویل پچیس (25) بند کی نظم ”دُرِ شمیم“ لکھی جو ”پھولوں کا باغ“ مجموعہ کلام میں شامل ہے اور اس نظم کے ساتھ یہ نوٹ بھی لکھا ہے کہ یہ وہی نظم ہے جس نے شیعہ کانفرنس کے آٹھویں اجلاس منعقدہ الہ آباد میں حشر برپا کر دیا تھا اور جس پر رلہ سید ابو جعفر صاحب نے ساڑھے چار ہزار روپے نچا کر دیے تھے۔

5. جیم آفندی نے اپنی تصنیف ”ترقی کی برکتیں“ میں ہندو مسلم اتحاد پر زور دیتے ہوئے لکھا۔ اس وقت ہندو مسلم اتحاد کی بہترین صورت یہ ہے کہ دونوں قوموں کے نوجوان اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے طاقت ور بازوؤں کا صحیح مصرف کریں اور اپنے مضبوط ہاتھوں سے فساد روک کر ملک کی سب سے بڑی خدمت کریں۔

6. جیم آفندی جلیس ترمذی کے خط میں لکھتے ہیں: ہندو قوم کے افراد نے گاندھی جی کو ختم کر کے دنیا کو یہ بتا دیا ہے کہ ہندوستانی ذہنیت کہاں تک پست ہو سکتی ہے۔

7. نجم آفندی کانگریسی تھے اور اسی لئے کانگریسی مشاعرے بھی کروائے۔ ایک مشاعرے میں تو ردیف ”کھدر“ رکھی گئی۔ انگریز دشمنی اور وطن دوستی نے نجم کو کانگریسی بنادیا۔ اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں۔ ”ہم نے ایسے بھی مشاعرے کئے ہیں جن کا مقصد حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا تھا۔ ایسے مشاعروں کو کانگریسی مشاعروں کا نام دیا جاتا تھا۔ میرے ایک دوست برہم سروپ خارمیرٹھی میری طرح پکے کانگریسی تھے۔
8. ترقی کی برکتیں میں لکھتے ہیں: ”ہندوستان کی بدقسمتی سے ہندو مسلم اختلاف پیدا ہوا۔ تضاد بڑھنے لگا اور آج وہ نوبت آئی کہ مسلم لیگ کو پاکستان کی تجویز پیش کرنی پڑی۔
1. صد مات: 1. سرکاری نوکری سے استعفیٰ کے بعد مالی بحران سے دوچار رہے۔ ماہنامہ ”مشورہ“ جاری کیا لیکن مالی حالت بدتر ہو گئی۔
2. پرنس معظم جاہ کے شاہانہ مزاج کو برداشت نہ کر سکے اور نوکری ترک کر دی۔ کچھ دنوں کی فارغ البالی پھر مالی بحران میں تبدیل ہو گئی۔
3. 1953ء میں والد کا انتقال ہو گیا۔
4. 1958ء میں اہلیہ کا طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔
5. برادر خرد کو کب آفندی اور دونٹیوں کا پاکستان میں ہمیشہ کے لئے آباد ہونا۔
- علامت اور مرض الموت: نجم آفندی کو پرنس معظم جاہ شہج کی دربارداری نے نیند کی گولیوں کا محتاج کر دیا تھا، چنانچہ آخری عمر تک ان زہریلی دواؤں کا اثر باقی رہا۔ اعصاب میں تناؤ، کم خوابی، لاغری اور ضعف کے علاوہ آخری عمر کے حصے میں معدہ، جگر، قلب کی بیماریاں اور ریشہ و ثقل سماعت سے دوچار رہے۔ آخری عمر جو پاکستان میں گزری عموماً بہت کم باہر نکلتے تھے اور زیادہ تر بستر پر لیٹے رہتے تھے۔
- پاکستان میں: 1. نجم آفندی پہلی بار اپریل 1971ء میں بمبئی سے بحری جہاز میں سوار ہو کر کراچی کی بندرگاہ پر اترے۔ کراچی میں چند مہینے قیام کر کے وہ لاہور گئے پھر کراچی آتے جاتے رہے۔ نجم صاحب محافل شعر و سخن، مشاعروں، مسالوں، مقاصدوں اور مجلسوں میں شرکت فرماتے رہے۔ پاکستان میں تقریباً ہر بڑے اور معروف ادیب، شاعر اور

خطیب سے ملاقاتیں رہیں۔ ان کا کلام روزناموں، رسالوں، جریڈوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہا۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں قیام کے دوران بعض اوقات اپنی یادداشتیں ایک ڈائری میں بھی مرتب کیں جو ان کی ملاقاتوں اور محفلوں کی عمدہ یادگاریں ہیں۔

وفات : تاریخ 17/ ذی الحجہ 1395 ہجری مطابق 21/ دسمبر 1975ء

وقت : 9 ½ بجے صبح

مقام : کراچی

دن : اتوار

غسل میت : وضیت کے مطابق مکان پر ہوا

نماز میت : بارگاہ رضویہ سوسائٹی میں پڑھائی گئی

دفن : سخی حسن دربار کے قبرستان واقع نارتھ ناظم آباد ہوا۔ شفیق اکبر آبادی نے تلقین

پڑھائی۔ سوئم کی مجلس رضویہ سوسائٹی کے امام باڑے میں ہوئی۔ سید ضمیر نقوی صاحب

نے مجلس پڑھی۔ جنازہ میں صرف پچیس نہیں افراد نے شرکت کی۔

قطعات، اشعار اور مصرعے تاریخ وفات

1. جناب نسیم امروہوی:

لکھ دو نسیم باکمال قبر پہ سال انتقال
بقعہ پاکِ محو خواب شاعرِ اہل بیتِ حتم

1975ء

2. جناب رئیس امروہوی:

فراقِ حتمِ آفندی مرحوم
”غروبِ انجمِ انجم“ اے قلم لکھ

1395ھ

3. جناب فیض بھرت پوری:

رحلت شاعر فنا فی اللہ
چشم آفندی اکبر آبادی

1975ء

4. جناب ساحر لکھنوی

سال رحلت کے لئے قبر پہ لکھ دو ساحر
چشم ہے دامن مدفن میں ستارے کی طرح

1395ھ

5. جناب کسری منہاس:

دُرِیک دانہ نکتہ داں شاعر

1395ھ

شاعر نکتہ داں گرامی تبار

1975ء

6. جناب نیساں اکبر آبادی

تذکرہ اہل بیت جس کا تھا شغل سخن
خلد میں وہ آگیا شاعر شیریں نوا

1975ء

7. جناب خلش پیر اصحابی:

الف سے الم کے خلش اب تو یوں
ہے لکھا غم چشم دائم رہا

1395ھ = 1394 + 1

8. جناب باقر امانت خوانی:

اس طرح باقر نے کھینچا منظر سال وفات
اب فلک سے شاعری کے چشم ٹوٹا جلوہ ریز

1975ء

9. پروفیسر فیضی:

بتائید الہی یہ شرف فیضی انہی کا تھا
عزا دار شہید کربلا تھے جہم آفندی

1975ء

10. جناب شائق زیدی:

رہے وہ اے شائق بہ تجل شاعر اہل بیت جہاں میں
پڑھتے ہوئے آیات ماتم جہم گئے ہیں باغ جناں میں

1395 ہجری

11. جناب فضل الدین فدا

تعزیت نامہ پاسدار اہل حق

1395 ہجری

وفات حسرت آیات جلیل القدر

1975ء

مرجع کرم خسرو قلیم دانش

1975ء

برگزیدہ رحمن نازش مکت جہم آفندی اعلی اللہ مقامہ

1975ء

وحید زماں بلند آستان نور اللہ مرقدہ

1395 ہجری

یہ صدمہ کس قدر غم آفریں ہے نظر بے چین دل اندوہ گیں ہے
فدا لکھ جہم کی تاریخ رحلت بلا شک ساکین خلد بریں ہے

1395 ہجری

مکتوب سید باقر حسن زیدی

۳ فروری ۲۰۰۵ء

السلام نیکم

برادر مقتی عابدی

شکا کو کے قیام کے دوران آپ سے وعدہ کیا تھا کہ علامہ نجم آفندی مرحوم کی موت کے حالات آپ کے لیے قلم بند کروں گا تا کہ غلط فہمیوں کا تذکرہ ہو اور صحیح صورت حال واضح ہو سکے سو یہ تحریر حاضر ہے۔

نجم صاحب کا انتقال ان کے داماد مرحوم سید شمیم عباس کاظمی کے مکان پر ہوا جو اس وقت حیات تھے۔ ان کی بیگم یعنی نجم صاحب کی صاحبزادی بھی موجود تھیں۔ ان کا انتقال گزشتہ سال کراچی میں ایک ایکسیڈنٹ کے نتیجہ میں ہوا۔

شمیم بھائی شعر و ادب کی دنیا کے آدمی نہیں تھے۔ وہ سماجی اور معاشی اعتبار سے بھی کمزور تھے اور اسی لیے شاید وہ سب کچھ نہ ہوسکا جو ہونا چاہیے تھا۔ کسی اچھے قبرستان کے بجائے سخی حسن کے قبرستان میں دفن کیا جانا اور چہلم کی مردانی مجلس کا نہ ہوسکنا بھی شاید معاشی حالات کے سبب سے ہو۔

میں ان دنوں بسلسلہ ملازمت حیدرآباد میں رہتا تھا اور ہر Week-END پر کراچی آیا کرتا تھا۔ ان کا انتقال چونکہ اتوار کو ہوا تھا اس لیے میں موجود تھا اور ایک شب قبل بھی مزاج پر ہی کے لیے در دولت پر حاضری دے چکا تھا۔ صبح انتقال کی خبر سن کر ان کے گھر پہنچا تو یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ غسل و کفن کہاں ہو۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ میت رضویہ کالونی کی امام بارگاہ لے جائی جائے جبکہ بعض چاہتے تھے کہ مرحوم کی وصیت کے احترام میں غسل و کفن گھر پر ہی ہو لیکن غسل دینے والا کوئی نہ تھا۔ میں نے اپنے چچا کو گولیمار سے بلوایا تا کہ وہ مجھے ہدایت دیتے رہیں اور اس طرح یہ سعادت مجھ ایسے گناہگار کو نصیب ہوئی۔ اخبارات کو خبر بھجوانے کی حامی کچھ قریبی اعزاء نے بھری لیکن ریڈیو کی

ذمہ داری کسی نے نہ لی۔ میں نے ایک خبر تیار کر کے اپنے ایک Cousin کو دی۔ وہ ریڈیو پاکستان پہنچے تو انھوں نے یہ کہہ کر انھیں واپس کر دیا کہ مرحوم کا تعلق چونکہ ہندوستان سے ہے اس لیے وہ معذرت خواہ ہیں۔ چنانچہ جناب رئیس امر وہوی سے رابطہ کیا تو انھوں اس خبر پر یہ نوٹ لکھا کہ جتم آفندی صاحب کی لاکھوں عقیدت مند کراچی میں اور پورے پاکستان میں رہتے ہیں اس لیے ان کے انتقال کی خبر ریڈیو سے نشر ہونی چاہیے۔ یہ تحریر دیکھ کر اس خبر کو نشر کیا گیا۔ فلمی گانوں کا پروگرام ”آپ کی فرمائش ON-AIR“ تھا جسے روک کر اناؤنسر نے کہا کہ ہم بڑے افسوس کے ساتھ یہ خبر نشر کر رہے ہیں کہ ہندوستان کے مشہور شاعر جتم آفندی کا آج صبح کراچی میں انتقال ہو گیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس خبر کو خبرنامے میں بھی شامل کیا جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ظاہر ہے فلمی گانوں کے دوران نشر کی گئی خبر کسی ثقہ آدمی کے کان تک کہاں پہنچ پاتی۔ ان کے جنازے میں میرے اور والد مرحوم حضرت فیض بھرپوری کے علاوہ کل بیس بچپیں افراد کا مجمع تھا۔ دفن کے بعد علامہ عباس حیدر عابدی کے گھر جا کر ان سے سویم کی مجلس کا وعدہ لیا جو انھوں نے بڑے شوق سے کر لیا۔ مجلس میں تشریف لائے۔ اخبارات میں موت کے یا سویم کے حوالے سے کوئی خبر چھپی ہی نہیں اس لیے مجمع کیا ہوتا۔ یوں بھی سہ پہر کا وقت منگل کا دن۔ لوگ دفنوں میں تھے۔ علامہ نے تھوڑی دیر انتظار کیا۔ جب صورت حال وہی رہی تو قوم کو برا بھلا کہا۔ علامہ ضمیر اختر نقوی سے اس مجلس کو پڑھنے کا وعدہ لیا اور گھر لوٹ گئے۔ مجلس ضمیر اختر صاحب نے پڑھی اور خوب پڑھی۔ انھوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ چند آدمی ہیں تو چند جملوں میں زیارت پڑھوا دیں۔

جتم صاحب کے اکلوتے فرزند علامہ سہیل آفندی ان دنوں دہلی میں رہتے تھے۔ دفن میں شرکت شاید نہ کر سکے مگر نہ سویم پر آئے نہ چہلم پر۔ چہلم کی مردانی مجلس نہیں ہوئی۔ شیم بھائی کے گھر پر چہلم کی زنانی مجلس ہوئی۔

باقی زیدی

نجم آفندی

خودنوشت سوانح حیات

آج سہ شنبہ 29 / جمادی الاول 1392ھ مطابق 11 / جولائی 72ء ہے اور میں ایک مرتبہ پھر اپنے سوانح حیات کی تحریر کا آغاز کر رہا ہوں۔ انجام خدا کے اختیار میں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ میری عمر 82 برس کی ہو چکی ہے اور ہوش سنبھالنے کے بعد سے کئی مرتبہ یہ اقدام کر چکا ہوں لیکن اس موضوع کا مکمل نہ ہو سکا بلکہ کچھ لکھ سکا وہ بھی تلف ہو گیا۔

واقعات قابلِ تحریر اتنے ہیں کہ اگر میرا حافظہ کام دیتا تو ایسی کسی کاپی کے ہزار ہا اوراق بھی ناکافی ہوتے۔ بہت سے واقعات ایسے ہیں جن سے متعلق افراد کے نام یاد نہیں رہے، بہت سے افراد کے نام حافظہ میں ہیں مگر ان سے متعلق واقعات یاد نہیں رہے۔

مذہبی اعتبار سے شیعہ اثنا عشری ہوں اور قومیت کے لحاظ سے ترک ہوں جو ہندوستان میں مغل اور مرزا کہلائے۔ میرے جد اعلیٰ مرزا نجف علی بلین تھے جو مرزا جعفر علی فتحیج کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان دونوں سے چھوٹے بھائی ایک اور تھے جن کا نام میرے ذہن میں نہیں رہا۔ غالباً فتحیج تخلص تھا۔ یہ مرزا فتحیج کے ساتھ مکہ معظمہ چلے گئے تھے۔ انھیں کے اخلاف میں ایک بزرگ ہندوستان آئے تھے جب میری ڈھائی یا تین سال کی عمر تھی اور کچھ دن ہم لوگوں کے ساتھ قیام کیا تھا۔ ایک دن میں نے ان کی گھڑی کی زنجیر میں (جب وہ گھڑی پلنگ پر رکھ کر ہاتھ منہ دھو رہے تھے) گانٹھ لگا دی۔ موصوف نے دیکھ کر فرمایا۔ کیوں مرزا صاحب آپ نے ہماری گھڑی کی زنجیر میں گرہ لگا دی۔ میں نے فوراً جواب میں کہا۔ ”گرہ کہتے ہو گانٹھ کہو۔“ وہ بزرگوار بہت محظوظ ہوئے اور کہنے لگے ”بیچے اصلاح کا سلسلہ شروع ہو گیا۔“

مرزا فتحیج کے متعلق کچھ ایسے واقعات بھی ہیں جن پر دورِ حاضر میں یقین نہیں کیا جاسکتا۔ میں انھیں ضبطِ تحریر میں نہیں لاؤں گا صرف وہی حالات درج ہوں گے جو بعض مصنفین کی کتابوں سے

مجھے ملے ہیں۔ مولانا سید مظہر حسین سہارنپوری نے اپنی کتاب ”تہذیب اُحسبیں فی تاریخ امیر المؤمنین“ کی جلد اول میں تحریر فرمایا ہے:

”قبر مبارک حضرت ابوطالب و جناب خدیجہ الکبریٰ کی مکہ میں اب تک بے گنبد تھی۔ ہمارے اس زمانے سے کچھ پیشتر یعنی اوسط تیرہویں صدی ہجری میں جناب مغفرت مآب مرزا جعفر علی فتحی لکھنوی نے (مولف نے لکھنوی اس اعتبار سے لکھا ہے کہ میرے اسلاف نے ایک عرصے تک لکھنؤ میں بھی قیام کیا) کہ آخر یام حیات میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے تھے۔ بہ کمال جانفشانی مومنین خاصین کو ترغیب و تحریص کر کے ان دونوں قبروں کے گنبد تعمیر کرائے کو یا تمام شیعوں پر بذل احسان کیا۔ اب مومنین نزدیک و دور سے ان حضرات کی زیارت سے مستفیذ ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ بے غرض اس کارِ خیر کے مرزا صاحب مرحوم کو جنت الخلد میں گھر عطا فرمائے۔ واقعی بہت بڑا کام کیا ہے۔“

صاحب ”آب حیات“ محمد حسین آزاد دہلوی نے اپنی اسی کتاب میں لکھا ہے کہ:

”اُس دور میں چار مرثیہ گو نامی تھے خلیق، ضمیر، دلگیر اور فتحی۔ مرزا فتحی ج و زیارت کو گئے اور وہیں قیام پذیر ہو گئے۔“

اب میں اپنی سوانح حیات کے مطالعہ کرنے والوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ممکن ہے بہت سے حضرات اس سے واقفیت نہ رکھتے ہوں کہ خلیق میر انیس کے پدر بزرگوار تھے اور میاں ضمیر مرزا دہیر کے استاد تھے۔ دلگیر ایک ہندو شاعر جھنولال نامی تھے۔ طرب تخلص تھا جو مسلمان ہو گئے اور دلگیر تخلص اختیار کر کے مرثیہ کہنے لگے۔

مرزا فتحی کی یہ خصوصیت اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ان کا کلام ہر دور میں پڑھا گیا اور اس زمانے میں بھی محرم کی ساتویں تاریخ ”سلامی کر بلا میں جب بنا ابن حسن دولہا“ کہیں نہ کہیں سننے میں آ جاتا ہے۔ ”سلام لکھتا ہوں میں حرم میں، قلم سے زم زم ٹپک رہا ہے۔“ مرزا صاحب کا مشہور ترین سلام ہے ”جب مشک بھر کر نہر سے عباس غازی گھر چلے۔“ یہ مرثیہ بھی میں نے مجلس میں پڑھتے سنا ہے اور یہی کچھ چیزیں ہیں جن کو درج کر کے اس کتاب کو طوالت دینا نہیں چاہتا۔

میں نے ایک قدیم تذکرہ میں دیکھا تھا کہ مرزا فصیح غزل بھی کہتے تھے۔ مرزا صاحب کے دو شعر بھی اس تذکرے میں تھے جو میں نے نوٹ کر لئے تھے مگر وہ کاغذ بھی دوسرے کاغذات کے ساتھ تلف ہو گیا۔

مرزا فصیح نے کعبۃ اللہ اور حاجیوں کی اتنی خدمت کی تھی کہ ترکی حکومت نے اُن کو آفندی کا خطاب دیا جو نسلاً بعد نسل استعمال ہو سکتا تھا۔

میں نہیں کہہ سکتا کس زمانے میں میرے اسلاف نے آگرہ آکر مستقل قیام اور اسے اپنا وطن بنالیا۔ میرے دادا مرزا عباس علی کی شادی مرزا آغا حسین آغا کے خاندان میں ہوئی۔ آغا اُس دور کے ایسے شاعر تھے جن کے یہ دو شعر آج تک مشہور ہیں

کیوں دل جلوں کے لب پہ ہمیشہ نغاں نہ ہو
مکمل نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو

دیکھیں تو کسی طرح انھیں ہونا نہیں اڑ
لو آج نامہ لکھتے ہیں خونِ جگر سے ہم

پنڈت امر ناتھ مدن سا حیرت انگیز اُس دور کے بزرگ شعرا میں تھے اور غالب کے شاگرد منشی ہر کوپال تفتہ کے شاگرد تھے۔ وہ جب کسی مشاعرے میں میری غزل سنتے تھے تو فرماتے تھے میں نے ایسا پڑھنا پہلے بھی کبھی سنا ہے۔ ساہر صاحب میرے والد کے احباب میں تھے۔ میں کبھی کبھی ان کی خدمت میں ان کے دولت کدہ پر حاضری دیتا تھا۔ ایک دن کچھ شعراء وہاں جمع تھے اور اپنے خاندانی شاعر ہونے کا تذکرہ کر رہے تھے۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ میں نے کہا مجھے شاعری دادھیال اور نانہال دونوں سے ورثے میں ملی ہے۔ پنڈت جی نے یہ سن کر فرمایا ”تمہاری دادھیال کے متعلق تو مجھے علم ہے۔ تمہاری نانہال میں کون شاعر تھا۔“ میں نے عرض کیا ”مرزا آغا حسین آغا میرے نانا تھے۔“ کہنے لگے ”ارے یہ بات ہے جب ہی تو میں کہتا تھا کہ ایسے پڑھنا میں نے پہلے بھی سنا ہے۔ تم بالکل اپنے نانا کی طرح پڑھتے ہو۔ میں جب آگرہ سینٹ جاسنس کالج میں پڑھتا تھا، اس زمانے میں تمہارے نانا کو کئی مرتبہ سننے کا اتفاق ہوا۔“

میری عمر سال بھر یا سو سال کی ہوگی کہ ایک عجیب واقعہ ہوا جسے معرض تحریر میں لا رہا ہوں۔ میرے بڑے بھائی مرزا اعجاز حسین مرحوم (جو اکیس برس کی عمر میں انتقال کر گئے) مجھے دو منزلہ کے بڑے کمرے میں ساتھ لے کر آئے تھے جس کے تین دروازے جو ہوا اور روشنی کے لیے صحن کی طرف رکھے گئے تھے، ان کے نچلے حصوں میں کچھ بانس لگا دیے گئے تھے تاکہ بچوں کے گرنے پڑنے کا اندیشہ نہ رہے۔ ایک دروازے کے بانس پر میں نے اور میرے مرحوم بھائی نے ہاتھ سہارے کے لئے رکھ دیے۔ اس بانس کو دیمک کھا گئی تھی۔ بالکل گل گیا تھا۔ ہمارے ہاتھوں کا زور نہ سہا رسکا، بانس ٹوٹ گیا اور میں صحن کے فرش پر جا کر گرا جو پورا پتھر کا تھا۔ گھر میں ہر فرد کا یہی خیال ہوا کہ ختم ہو گیا لیکن میں آج تک بقید حیات ہوں اور یہ سوانح حیات لکھ رہا ہوں۔ سر میں ذرا سی چوٹ لگ گئی تھی۔ خون نکل آیا تھا دو چار روز میں یہ زخم اچھا ہو گیا۔

اپنے لڑکپن کے زمانہ کا ایک واقعہ لکھتا ہوں جس سے میرے مزاج کی افتاد کا کچھ اندازہ ہوگا۔ ایک دن کٹرہ کے پھانک سے نکل کر سڑک پر پہنچا تھا کہ دابہ کے ایک مکان میں رہنے والے بزرگوار نے اپنے ملازم سے جو ایک لڑکا ہی تھا کہا ”جا ذرا یوسف کو بلا کر لے آ“ اس نے جواب میں کہا ایسف کو۔ ان بزرگوار نے کہا۔ یوسف کو۔ پھر لڑکے نے وہی کہا ایسف کو۔ یہ سوال و جواب کئی مرتبہ ہوئے اور اب بڑے میاں نے ایک لکڑی جو ان کے ہاتھ میں تھی، ہر مرتبہ لڑکے کے جواب پر اسے مارنی شروع کر دی۔ لڑکے نے رونا شروع کر دیا۔ میں کچھ دیر تک یہ سین دیکھتا رہا اور پھر میں نے وہ لکڑی ان کے ہاتھ سے چھین لی اور کہا ”حضرت وہ یوسف نہیں کہہ سکتا جو کہتا ہے کہنے دیجئے، آپ کو اپنے کام سے مطلب ہے۔“ بڑے میاں مجھ پر بہت برہم ہوئے۔ تم دوسروں کے معاملات میں دخل دینے والے کون، جاؤ اپنا کام کرو۔“ غرض اس طرح وہ مار پیٹ ختم ہو گئی اور میں اپنے گھر چلا آیا۔

ذیل کی چند سطروں میں ایک ایسا واقعہ درج کر رہا ہوں جس سے میرے دل میں اپنے ایک ٹیچر کی عزت بہت بڑھ گئی۔

”مفید نام اسکول میرے مکان سے بالکل قریب تھا جہاں میں پڑھ رہا تھا۔ مولوی سلامت اللہ صاحب جو یہاں اردو اور فارسی پڑھاتے تھے، ریٹائر ہو گئے اور

ان کی جگہ ایک ہندو ماسٹر صاحب مقرر کئے گئے جو غالباً کانستھ تھے۔ اس جماعت میں صرف اردو کا درس ہوتا تھا۔ پہلے ہی دن ماسٹر صاحب نے ایک لفظ کے غلط معنی بتائے۔ میں نے کہا ”ماسٹر صاحب! اس لفظ کے معنی یہ نہیں ہیں اور فصیح معنی بتا کر کہا یہ ہیں۔“ ماسٹر صاحب بہت بگڑے اور فرمانے لگے ”خاموش رہو تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔“ میں نے عرض کیا ”یہ بات نہیں ہے اتفاق ہے۔ آپ لغت منگا کر دیکھ لیجئے۔“ میرے اصرار پر لغت منگا کر دیکھی۔ اور میرا کہنا سچ ثابت ہوا۔ دوسرے یا تیسرے روز پھر ایسا ہی واقعہ ہوا۔ اب ماسٹر صاحب نے کہا ”دیکھو بھئی تم کلاس کو پڑھایا کرو ہم بیٹھے سنتے رہیں گے۔“

مذہبی اعتبار سے پہلا مسئلہ جس کی تحریک و تائید میں نے کی اور مجھے کامیابی حاصل ہوئی وہ حسب ذیل ہے۔

آگرہ میں تاضی نور اللہ شومتری شہید ثالث علیہ الرحمہ کا مزار ہے جن کو جہانگیر کے ایام حکومت میں شہید کر دیا گیا تھا۔ اس واقعہ کے متعلق دو چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھی گئی ہیں دونوں کے نائل پر میرا یہ شعر مولفین نے درج کیا ہے:

جاں نثاروں نے ترے کر دیئے جنگل آباد
خاک اڑتی تھی شہیدانِ وفا سے پہلے

خدا ہی جانتا ہے کہ کس نے اس مقام کی چہار دیواری بنائی اور کب سے یہاں مردے دفن ہونے شروع ہوئے۔ ان کتابوں میں کچھ ایسے حالات ضرور ہوں گے مگر میرا حافظہ بالکل کام نہیں دیتا اور وہ کتابیں دوسری کتابوں اور کاغذاب کے ساتھ ضائع ہو گئیں۔ محلہ گلاب خانے کے ایک بزرگ حاجی فدا علی مرحوم آٹھویں دن کچھ افراد کو ہمراہ لے جا کر مزار شہید ثالث پر ایک مجلس عزا کیا کرتے تھے اور وہاں کی صفائی وغیرہ کا بھی اس سلسلے میں اہتمام ہو جاتا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد یہ طریقہ ختم ہو گیا۔ ایک دن ہمارے محلے کے ایک فرد نے گلاب خانے جا کر ہر محلہ سے حاجی فدا علی کی طرح وہاں کی دیکھ بھال کرنے کی اجازت حاصل کی جو فوراً ہی مل گئی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے نے جن کے کچھ اثرات بھی افراد قوم اور سرکاری ملازمین پر تھے، اس زمین

پر اپنے اور اپنے بھائی کے نام سے بھٹہ مساوی کھیٹ وغیرہ میں لکھوا کر قبضہ جمالیا۔ پوری تفصیل واقعے کی مجھے یاد نہیں رہی۔ بہر حال میں نے کچھ افراد قوم کو جمع کر کے واقعات بتائے اور سب نے مل کر ان کے قبضہ ناجائز سے اس مقام کو نکال لیا۔

میرے بڑے پھوپھا سید محمد حسن قمر داعی پور ضلع فرخ آباد کے رہنے والے تھے اور حضرت منیر شکوہ آبادی کے شاگرد تھے اور اپنے استاد کے رنگ میں شعر کہتے تھے۔ داد دینے میں بڑے محتاط واقع ہوئے تھے۔ جب تک کسی کا شعر ان کے دل پر کوئی خاص اثر پیدا نہ کرے تعریف میں زبان نہ بلا تے تھے۔ ایک روز میں ایک مشاعرہ پڑھ کر آ رہا تھا کہ موصوف کا سامنا ہو گیا۔ مجھ سے پوچھا۔ کیا تم کسی مشاعرے میں گئے تھے۔ میں نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا ”کس کا شعر یاد ہے جو سب سے زیادہ کامیاب رہا ہو۔“

میں نے رئیس مرحوم کے ایک شاگرد کا مطلع سنایا جس پر بہت داد ملی تھی۔

ان کا ناولک ہوا دل لے کے جو چپیت کیا ہے

یہ سدا کا ہے اُچکا، نئی عادت کیا ہے

مجھ سے پوچھا ”تمہارا مطلع کیا تھا“ میں نے اپنی غزل کا مطلع پڑھا:

لذتِ درد سے بے درد کو قسمت کیا ہے

اہلِ دل جو نہ ہو کیا جانے محبت کیا ہے

”یہ مطلع ہے۔“ ان کی اس داد پر مجھے خود بڑا تعجب ہوا اور اس دن سے میں نے شعر و سخن میں

بہت زیادہ دلچسپی لینی شروع کر دی۔ حضرت رئیس کے شاگرد کا یہ شعر جو میں نے اس واقعے کے سلسلے میں درج کیا ہے کسی مزاحیہ غزل کا مطلع معلوم ہوتا ہے مگر یہ حقیقت نہیں ہے۔

اب جو واقعہ درج کر رہا ہوں وہ پنڈر اول ضلع علی گڑھ سے متعلق ہے۔ اس ریاست میں تین

روز تک چھ مجلسیں سالانہ ہوا کرتی تھیں۔ اب تو ہر بڑے شہر میں سالانہ مجالس ہوتی ہیں۔ میں نے

یہاں کی مجلسوں میں کئی سال شرکت کی ہے اور تمام بڑے بڑے ذاکروں کو سنا ہے۔ حدیث خوانوں

میں مولوی سبط حسن جیسے زبردست مقرر کو، سوز خوانوں میں مجھو صاحب اور ایک مرتبہ ان کے استاد

مہدی حسین صاحب کو بھی، مرثیہ خوانوں میں دولہا صاحب کو مرزا آج کو، طاہر صاحب کو۔

پہلی مرتبہ میں اپنے والد مرحوم کے ساتھ ان مجلسوں میں گیا تھا۔ ایک دن شام کی مجلس کے بعد وہ مجھے رتبہ صاحب کی خدمت میں لے گئے۔ اُس زمانے میں ایسے اور دیرینے کا بڑا سوال تھا اور رتبہ صاحب بڑے پکے دیرینے تھے۔ جو کوئی نوجوان شاعر ان سے ملتا تھا اس کو مرزا آج کی شاگردی کا مشورہ دیتے تھے اور جو شاگرد ہو جاتا تھا اس کو ایک گنی انعام دیا کرتے تھے۔ مجھ سے پوچھا۔ تم بھی کچھ کہتے ہو؟ میں نے کہا۔ جی ہاں۔ فرمایا: سناؤ۔ میں نے شاہ نیاز احمد وارثی کی غزل پر مصرعے اردو میں لگائے تھے جس کا مطلع ہے:

زبے عز و جلالے بو ترابے خُرا انسانے

علی مرتضیٰ مشکل کشائے شیر یزدانے

یہیں تفریق سنائی، بہت خوش ہوئے اور مجھ سے بھی کہا کہ ”تم مرزا آج کے شاگرد ہو جاؤ۔“ میں نے جواباً عرض کیا ”میں کیسے شاگرد ہو سکتا ہوں۔“ فرمایا ”کیوں کیا بات ہے؟“ میں نے کہا ”میرے گھر خود استاد ہی ہے۔“

والد مجھے ڈانٹنے لگے۔ رتبہ صاحب نے کہا ”آپ کچھ نہ کہیے۔ صاحبزادے بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ مرزا فتح کے پوتے ہیں۔ لاؤ ہمارا صندوقچہ۔“ ملازم صندوقچہ لے کر آیا تو مجھے دو گلیاں عنایت ہوئیں۔

سن تو مجھے یاد نہیں رہا۔ بہر حال ایک سال انہیں مجلسوں میں جب میں پنڈراول گیا ہوں تو میں اور دولہا صاحب عمارت کے ایک ہی حصے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک دن ہم دونوں ساتھ بیٹھے ہوئے حقہ پی رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے کہ آگرہ کا ایک لڑکا ابوجعفر جس کا نام تھا، دوڑا ہوا آیا اور بے ساختہ کہنے لگا۔

”دولہا صاحب! لوگ کہتے ہیں کہ آپ اپنے باپ کا کلام پڑھتے ہیں۔“

دولہا صاحب نے فوراً جواب دیا:

”ان سے کہہ دیجئے وہ کہتا ہے کہ میں اپنے ہی باپ کا کلام پڑھتا ہوں، آپ کے باپ کا تو نہیں پڑھتا۔“ یہ جملہ کہہ کر دولہا صاحب نے مسکراتے ہوئے میری طرف داد طلب نظروں سے دیکھا۔ میں نے کہا ”اس سے بہتر جواب نہیں ہو سکتا۔“

سن تو مجھے یاد نہیں رہا، واقعہ یاد ہے۔ پنڈراول کی مجالس کا دوسرا یا تیسرا دن تھا۔ کچھ ٹکان محسوس ہو رہی تھی۔ اول شام سے پلنگ پر لیٹ کر سو گیا۔ کوئی گھنٹہ بھر بعد ہی ایک غیر معمولی آواز سے آنکھ کھل گئی۔ پلنگ سے متصل دو تخت بچے ہوئے تھے، ان پر بیٹھے ہوئے نسیم امر و ہوی ایک صاحب کو مرثیہ سنارہے تھے اور وہ میں فرما رہے تھے ”سبحان اللہ ہزار سبحان اللہ اور دس ہزار سبحان اللہ لاکھ سبحان اللہ، دس لاکھ سبحان اللہ۔۔۔۔۔“ مجھ سے ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ اور میں بستر سے اٹھ کر اس عمارت کے دوسرے کوشے میں چلا گیا۔ یہ تعریف کرنے والے صاحب بھی شاعر تھے اور میں ان کا نام بھول گیا۔

دوسرا واقعہ سنئے:

ہر زمانے میں کچھ غیر شاعر، شاعر اور کچھ غیر مولوی، مولوی بن جاتے ہیں۔ اسی طرح کے ایک مولوی صاحب نے جہاں میں بیٹھا تھا، کچھ لوگوں کو جمع کر کے انہی سیدھی تقریر شروع کر دی اور ان پر اپنے علم و فضل کا رعب جمانے لگے۔ تھوڑی دیر تک تو میں سنتا رہا۔ آخر تنگ آ کر ان سے عرض کیا۔ ”یہ سب تو بعد کی باتیں ہیں، پہلے آپ خدا کے وجود کا ثبوت تو دیجئے۔“ جواب میں فرماتے ہیں۔

”اگر خدا چاہے تو یہ دیوال (دیوار) بھی گویا ہو جائے۔“

میں نے کہا ”بس معلوم ہو گئی آپ کی قابلیت۔ آپ سے خدا کے وجود کا ثبوت مانگا جا رہا ہے اور آپ خدا چاہے تو یہ دیوال (دیوار) بھی گویا ہو جائے، اس کا جواب دیتے ہیں اور دیوار کا لفظ بھی صحیح نہیں ہے، دیوال کہہ رہے ہیں۔“

سب حضرات جو وہاں جمع تھے یہ سن کر ہنسنے لگے اور وہ حضرت اُس وقت سے مجھ سے دور دور رہنے لگے۔

شاعری کی ابتدا ہی سے مجھے بڑے پیمانے پر مشاعرے کرانے کا شوق تھا۔ اور میں نے سب سے پہلے اپنے وطن آگرہ میں اپنے مکان کے سامنے کی زمین پر جو کافی وسیع تھی، چار طرف بڑے بڑے بانس گاڑ کر اور ان پر چاندنیاں لپیٹ کر مشاعرے کے لئے بہت عمدہ جگہ بنائی۔ شہر کے تمام شاعروں کو مدعو کیا، جس میں سیماب اکبر آبادی کا نام مجھے یاد ہے۔ مصرع طرح بھی یاد نہیں رہا۔

ایک شعر اپنی غزل کا یاد رہ گیا جو مطلع تھا۔

چاندنی میں تم ذرا گھر سے نکل کر دیکھتے

قبر عاشق اور ایک میلی سی چادر دیکھتے

جب تک میں آگرہ میں رہا پھر ایسا مشاعرہ نہیں ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آگرہ میں تعزیه داری بہت زور شور سے ہوتی تھی۔ شیعہ سنی اور ہندو سب تعزیه داری کا فریضہ ادا کرنے میں حصہ لیتے تھے۔ اہل سنت کے اہتمام سے ایک پھولوں کا تعزیه اتنا اونچا بنا کر گشت کرایا جاتا تھا کہ پردہ دار عورتیں اپنے مکانون کے بالا خانوں سے زیارت کر لیتی تھیں اور ایک پھولوں کا چھوٹا تعزیه جس کا گشت ۷ اور ۸ محرم کو ہوتا تھا، اس میں صادق نامی ایک نوجوان (اہل سنت) اور اس کے ساتھی انیس کے سلام اور جلیل استاد نظام حیدر آباد کے سلام راستے بھر پڑھتے تھے اور بہت بڑا مجمع ساتھ رہتا تھا۔ صادق نے میرے شاگرد عین اکبر آبادی سے کہا کہ نجم صاحب سے کہہ دو، وہ ہمیں پڑھنے کے لیے سلام کہہ کر دیں۔ میں نے ان کی خواہش کے مطابق سلام کہہ کر دیا جس کا مطلع تھا:

وفا پر کر بلا میں ہو گئے صدقے وفا والے

خدا کے سب نئے بندے پر بہتر تھے خدا والے

یہ سلام پڑھا جا رہا تھا اور بہت کامیاب ثابت ہو رہا تھا۔ جب صادق اس شعر پر پہنچا:

فرشتے حشر میں سمجھے گروہ انبیاء آیا

کچھ ایسی شان سے آئے محمد مصطفیٰ والے

تو سامعین میں سے ایک شخص نے اپنا دو شالہ کندھے سے اتار کر صادق کو دے دیا اور لطف کی بات یہ ہے کہ اسی سلام کو میں نے مختلف سوز خوانوں سے مجالس میں دوسرے شعرا کے تخلص سے سنا۔

دوسرے سال اسی زمانے کا ذکر ہے جن دو بھائیوں سے قاضی صاحب کے مزار کے سلسلے میں جھگڑا ہوا تھا، اپنے مکان کے دروازے پر ایک صاحب کھڑے تھے۔ میں اپنے گھر جا رہا تھا جو ان کے مکان سے بالکل قریب تھا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے، ابھی سُن کر آ رہا ہوں:

سنا کر نجم قصہ کر بلا والے شہیدوں کا

مسلمانوں کو سمجھا دو مسلمان ایسے ہوتے ہیں

جب تک میں آگرہ میں رہا، ہر سال ایک نیا سلام کہہ کر دیتا تھا جو پڑھا جاتا تھا اور بہت پسند کیا جاتا تھا۔

اُس زمانے میں ایسے اور دیرینے کا بڑا ہنگامہ رہتا تھا۔ ہمارے ہمسایہ وہی جن سے قاضی صاحب کے مزار کا جھگڑا چلا تھا، ایسے تھے اور ان کے ہاں مجلسوں میں ایک صاحب انیس اور ان کے خاندان کے افراد کے مصنفہ مرثیے پڑھتے تھے اور میرے ایک عزیز قریب بزرگ مرزا دپیر اور ان کے خاندان کے مرثیہ کو حضرات یا اس خاندان کے متبعین کا کلام پڑھتے تھے۔ یہ مجلسیں بڑے زور و شور کی ہوتی تھیں۔

ایک روز وہ میرے عزیز بزرگ عموما جن صاحب کا کلام پڑھا کرتے تھے، ان کا مصنفہ مرثیہ نقل کرتے کرتے حمام میں چلے گئے اور جس رُخ پر دو بند لکھے تھے، اس کو اسی طرح چھوڑ کر گئے تھے۔ میں اُدھر سے گزرا تو وہ بند میں نے پڑھے اور پنسل سے کچھ تغیر و تبدل کر کے باہر چلا گیا۔ جب وہ حمام سے آئے اور انھوں نے تغیر و تبدل دیکھا تو پوچھا یہ کس نے کیا ہے تو گھر والوں نے میرا نام بتایا۔ فوراً انھوں نے ایک لڑکے کو بھیج کر مجھے بلایا اور مجھ سے کہا یہ مرثیہ لے جاؤ اور اسی طرح ترمیم و تنسیخ کر کے مجھے دے دینا۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ جب تک آگرہ میں رہا یہ سلسلہ جاری رہا۔ میں اس واقعے سے متعلق کسی کا نام لکھنا پسند نہیں کرتا، اس سے کچھ لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا احتمال ہے۔

اب جو قصہ میں لکھ رہا ہوں، ممکن ہے میرے ہم عصر افراد میں سے کسی کو اس کا علم ہو جس کو سیاست سے دلچسپی رہی ہو۔

جس زمانے میں گاندھی جی آنجہانی غالباً افریقہ میں تھے اپنے وطن ہندوستان نہیں آئے تھے، دہلی میں ایک نوجوان طالب علم جن کا نام غالباً حیدر رضا زیدی تھا، یکا یک انگریزی مصنوعات کے خلاف سودیشی چیزوں کے استعمال کی موافقت میں تقریریں کرنے لگے۔ سن وغیرہ تو مجھے یاد نہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آگرہ میں پھول ڈول کے میلے ہوتے ہیں۔ آج کسی بازار میں میلہ ہے، کل کسی بازار میں ہے۔ تقریباً پندرہ بیس روز یہ میلے جاری رہتے ہیں۔ آگرہ آکر بھی اُس زمانے میں انھوں نے دو ایک تقریریں کی تھیں۔ ان کے ایک عزیز کسی بڑے عہدے پر ممتاز تھے۔ کمشنر نے ان کو بلا کر کہا ”یہ طالب علم بہت تیز ہے۔ اگر یہ تیار ہو جائے تو حکومت اپنے صرف سے اسے لندن تعلیم

کے لیے بھیج سکتی ہے۔“ غرض ان کے عزیز اور دیگر اعزاء نے اسے سمجھا بھجا کر لندن بھجوا دیا۔

اُسی زمانے میں ایک روز ایک ہلکا سا زلزلہ آیا۔ میں نے جو زمین ہلتے ہوئے دیکھی اور اس کے متعلق والدہ سے کچھ دیر گفتگو کر کے ایک مضمون لکھ کر آگرہ اخبار کے دفتر پہنچا دیا جو اس پرچہ میں شائع ہوا اور بہت پسند کیا گیا۔ چاروں طرف سے اس کی تعریفوں کی آوازیں آئیں۔ یہ میرا پہلا نثر کا مضمون تھا۔

دوسرا مضمون ”حسین اور ہندوستان“ کے عنوان سے لکھنا شروع کیا جس میں یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ امام حسین علیہ السلام سے ہر قوم و مذہب کے افراد کو عقیدت ہے۔ خواہ وہ ہندو ہوں، عیسائی ہوں، سکھ ہوں، راجپوت ہوں۔ اتفاقی ایک کتاب میرے ہاتھ لگ گئی جس کے مصنف کوئی اہل سنت تھے۔ نہ مجھے کتاب کا نام یاد ہے، نہ اس کے لکھنے والے کا۔ اس کتاب میں یہ واقعہ درج تھا کہ امام حسینؑ کے ساتھ شریک ہو کر سات ہزیموں نے یزید فوج سے جنگ کی تھی، یا مختار کے ساتھ شامل کر ہو کر حضرت کے قاتلوں سے انتقام لیا تھا اور ان کی اولاد میں جو لوگ ہیں وہ حسینی با من کہلاتے ہیں۔

اس واقعے کا تذکرہ ایک ڈاکٹر صاحب سے میں نے کیا جو ہندو تھے۔ ان کا نام بھی یاد نہیں رہا۔ انھوں نے کہا ہم بھی حسینی با من ہیں۔ بہر حال اس مضمون میں حسینی با منوں کا ذکر میں نے اس کتاب کے حوالے سے کر دیا اور اسے ایک مختصر سی کتاب کی صورت میں شائع کرا کے آگرہ میں تقسیم کیا۔

واقعات اس زمانے کے بہت ہیں مگر مجھے یاد نہیں رہے۔ میں نے بہت کچھ نوٹ کر کے رکھے تھے۔ وہ تمام کاغذات بھی ضائع ہو گئے۔ بہر حال اب میں اپنے مرحوم بڑے بھائی مرزا اعجاز حسین کا ذکر کرتا ہوں۔ یہ وکٹوریہ ہائی اسکول آگرہ کے انٹرنس پاس طالب علم تھے۔ اُس زمانے میں میٹرک نہیں کہلاتا تھا، انٹرنس کہتے تھے۔

وکٹوریہ ہائی اسکول سے نکلنے کے بعد ان کو کوالیہ اسٹیٹ میں سب انسپکٹر پولیس کی پوسٹ مل گئی اور وہاں کام کرنے لگے۔ ایک روز کچھ کانسٹیبلوں کو ساتھ لینے تھانے کی طرف جا رہے تھے کہ ایک شخص سامنے سے آتا نظر آیا۔ اسے.....

نوٹ: حضرت نجم آفندی مرحوم نے انتقال سے قبل اپنی سوانح حیات کا آغاز کیا تھا، لیکن موت نے مہلت نہ دی اور مسودہ نامکمل رہ گیا۔

تجہم آفندی

جب آتش جواں تھا

میری جوانی کی شاعرانہ سرگرمیاں بہت کچھ ہیں، مگر میں اس وقت صرف تین مشاعروں کی روداد بیان کر سکوں گا۔ پہلے مشاعرے میں میری کارگزاری کو شاعرانہ جسارت کا نام دیا جاسکتا ہے۔ دوسرے مشاعرے میں جو اقدام میں نے کیا ہے، وہ شاعرانہ حمیت سے موسوم ہونا چاہیے۔ مشاعرے کے ہنگامہ کو شاعرانہ شرارت کہا جائے تو بالکل حق بجانب ہوگا۔

ابتدائے شباب اور مشغلہ شعروغص کے آغاز میں چھوٹے چھوٹے مشاعرے اپنے ہم عمر شعرا کے ساتھ کتنے ہی پڑھ چکا تھا لیکن پہلا بڑا مشاعرہ میں نے جس میں شرکت کی ہے اس کی یاد کے ساتھ ہی مجھے ایک فخر کی سی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ یہ مشاعرہ میں نے مرحوم نسی امیر اللہ تسلیم کے ساتھ پڑھا ہے جو یادگار مومن و نسیم کہلاتے ہیں۔ ان کی عمر اس وقت سو برس کے قریب پہنچ چکی تھی اور وہ اپنے دو شاگردوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے تشریف لائے تھے۔

اس ضعیفی میں جب بصارت تقریباً ختم ہو چکی تھی (بغیر دو آدمیوں کے سہارا لئے ہوئے چلنا پھرنا ممکن نہ تھا) اردو کی خدمت کے اس جذبے اور مشاعرے کی سرپرستی کے اس کارنامے نے مجھے بے حد متاثر کیا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ کر آداب عرض کر کے ان کے پاس جا بیٹھا۔ اس مشاعرے میں میرے والد مرحوم مرزا بزم آفندی، نسی حیات بخش رسا، جناب جادو رام پوری، جناب طلحہ مارہروی، جناب صمیم بلند شہری وغیرہ اس دور کے اساتذہ کرام بھی تشریف رکھتے تھے۔ جب سب شعراء پڑھ چکے تو حضرت تسلیم کی غزل ان کے ایک شاگرد نے پڑھ کر سنائی۔ اس غزل کے بعد مشاعرہ برخاست نہیں ہوا بلکہ بعض شعراء اور سامعین چاہتے تھے کہ خود حضرت تسلیم کی زبان سے کچھ کلام سنیں لیکن ان سے عرض کرنے میں ہر شخص کو نال تھا۔ کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ میں نے بغیر کسی مشورے اور اشارے کے اس خدمت کو اپنے ذمے لیا اور موصوف سے بلا تکلف عرض کر دیا کہ

میں نے کبھی آپ کا کلام آپ کی زبان سے نہیں سنا ہے اور میرے ساتھ پورا مجمع آپ سے اس بزرگانہ شفقت کی توقع کر رہا ہے۔ اس بزرگوار نے حیران ہو کر پوچھا۔

”صاحبزادے آپ کون ہیں، اور آپ کا نام کیا ہے؟“ میں نے عرض کیا۔ ”میں منشی منیر شکوہ آبادی کا پوتا، جہم آفندی ہوں۔“ منیر شکوہ آبادی کے فضل و کمال، شاعرانہ قوتوں اور صلاحیتوں کا حضرت تسلیم سے زیادہ کون معترف ہو سکتا تھا جنہوں نے منیر کا زمانہ دیکھا تھا اور برسوں ان کے ساتھ نشست و برخاست کا اتفاق ہوا تھا۔ منیر میرے والد مرحوم کے استاد بھی تھے اور دور کے رشتے سے ماموں بھی ہوتے تھے۔ (یہ اپنے دور کے وہ زبردست ہمہ داں اور ہمہ گیر شاعر تھے جن کے سامنے بڑے بڑوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں)

منیر کا نام میرے لیے کتنی ہی مرتبہ کل جاسم سم والے طلسم کا کام دے چکا تھا جس کا ذکر میرے سوانح حیات میں آگے آئے گا اگر لکھی گئی۔ بہر حال منیر کے نام نے وہی کام کیا اور جس وقت تسلیم مرحوم نے اپنی منہی، کانپتی ہوئی درد انگیز آواز میں یہ مطلع پڑھا ہے:

نہ ہوا کم کسی تدبیر سے چکر میرا

جب تھکے پائے جنوں، پھر نے لگا سر میرا

تو سننے والوں میں سے بعض رقیق القلب آدمیوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے بعد ایک اور شعر پڑھا جو مطلع کی طرح آج تک میرے دل پر نقش ہے۔

حجاب، باغ میں نرگس کی چشم سے نہ کرو یہ دیکھنے کی ہیں آنکھیں نظر نہیں آتا

مشاعرہ ختم ہوا۔ اس کی یاد باقی ہے۔ اب نہ ایسے بزرگ نظر آئیں گے اور نہ ایسی شفقتیں اور نہ کسی کی آنکھ میں آنسو دکھائی دیں گے۔

دوسرا مشاعرہ بھارت کے دارالسلطنت دہلی کا ہے (جو کبھی اردو ادب کا مرکز بھی جاتی تھی) اس مشاعرے میں قریب قریب تمام شعرائے دہلی شریک تھے جن میں نمایاں شخص اُس دور کے مسلم الثبوت استاد نواب سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی کی تھی جو حضرت داغ مرحوم کے شاگرد بھی تھے اور داماد بھی۔ حضرت سائل دہلوی میرے والد کے ہم عصر اور بے تکلف دوستوں میں تھے۔ مجھ

۱۔ حقیقی پوتا نہیں، بلکہ رشتے کا۔ (ش۔م۔د)

پر بہت شفقت فرماتے تھے اور موصوف کو میں چچا کہتا تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ اس مشاعرے میں بابائے صحافت حضرت جالب دہلوی بھی شریک تھے جن کی بدولت آج ہندوستان میں بہت سے اردو زبان کے صحیفہ نگار نظر آتے ہیں۔ انھیں صدر محفل میں جگہ دی گئی تھی۔ بیرون جات کے شعراء میں میرے والد مرحوم حضرت بزم آفندی، جناب کشتہ اکبر آبادی، میرے رشتے کے ایک بڑے بھائی شوخ مرحوم، میرے پھوپھی زاد بھائی حضرت نیر اکبر آبادی بھی موجود تھے۔ یہ سب ارض تاج آگرہ کے رہنے والے تھے۔ میں یہ بھی عرض کرنا چلوں کہ آگرہ تاریخی اعتبار سے ادب اردو کا گہوارہ ہے۔ اردو یہاں پٹی بڑھی اور دہلی میں پھلی پھولی۔ سراج الدین علی خاں آرزو۔ شیخ شرف الدین مضمون، خولہ بقاء اللہ خاں بقاء، میر تقی و مرزا غالب جیسے معمار اردو آگرہ کی ہی سرزمین سے اٹھے تھے۔ آگرہ اردو شاعری کا ایک ایسا اسکول ہے جس کو ہمیشہ نظر انداز کیا گیا۔

میں دہلی میں بہت مشاعرے پڑھ چکا تھا اور غلط اکسار کو ناپسند کرتے ہوئے بلا تکلف یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرا کلام بہت پسند کیا جاتا تھا۔ مشاعرہ میں میری غزل خوب چمکتی تھی اور سامعین میری غزل سرائی کے منتظر رہتے تھے۔ یہ طرحی مشاعرہ تھا اور بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہا تھا کہ شمع دہلی کے ایک شاعر مفتون کے سامنے آئی۔ انھوں نے آخر میں ایک شعر پڑھا جس کا دوسرا مصرع یہ تھا۔

”زبان اردو ہے دہلی نہ لکھنؤ کے لیے“

کشتہ صاحب اور بھائی نیر چونکے۔ بھائی شوخ نے جو میرے برابر ہی بیٹھے تھے، میری طرف دیکھ کر پوچھا۔ ”تم نے سنا؟“

میں نے کہا ”جی ہاں سنا اور سناؤں گا بھی۔“ جب شمع میرے سامنے آئی۔ میں نے دو غزل کہی۔ ایک غزل صرف ”تو“ کے قافیہ میں اور ایک مختلف قوافی میں غزل پڑھی اور ہمیشہ سے زیادہ داد ملی۔ سامعین میں سے بعض آدمیوں نے کہا کہ مشاعرہ لوٹ لیا۔ آخر میں یہ دو شعر پڑھے جو مفتون کا شعر سن کر کہے گئے تھے۔

یہ اُس سے کہہ دو ہے دعویٰ زبان کا جس کو

ہمارے آگے زبان کھولے گفتگو کے لیے

زبان میر کی ہے میر آگرہ کے تھے مقامِ فخر ہے دہلی نہ لکھنؤ کے لیے

یکا یک ایک ایسا سنا طاری ہو گیا جسے انگش میں (Pin Drop Silence) کہتے ہیں۔ محفل

کے حیرت و سکوت کو حضرت جالب کی اس آواز نے توڑا۔ ”یہ کیا ہے؟ حضرت سائل دہلوی نے فرمایا: ”واقعہ ہے۔“

جالب صاحب نے بہت بگڑ کر جواب دیا:
 ”یہ آپ ان لڑکوں کی تعریفیں کر کے ان کے حوصلے بڑھاتے ہیں۔“ جواب الجواب میں سائل صاحب نے فرمایا۔

”شعر تعریف کے قابل ہوں تو تعریف کی ہی جاتی ہے۔ خواہ کسی کے ہوں اور اس مسئلے میں ابتدا مفتون نے کی ہے۔ انھیں یہ نہیں چاہیے تھا۔ ساری ذمہ داری مفتون پر ہے۔“

غرض بڑھنگامہ ہوا۔ اس پورے مجمع میں حضرت سائل دہلوی نے حق بات کہی۔ میرے والد مرحوم نے جو ایک سلاح کل آدمی تھے، بہت معذرت کی۔ بڑی طول طویل گفتگو کے بعد آدھے گھنٹہ میں بمشکل ہنگامہ فرو ہوا اور مشاعرہ پھر شروع کیا گیا۔ صرف اساتذہ پڑھنے کے لیے باقی تھے۔ انھوں نے پڑھا لیکن مشاعرے میں وہ گرما گرمی اب کہاں تھی۔ اس اتفاقی حادثے نے اسے بالکل سرو کر دیا۔ بہت جلد اور بڑی بے لطفی کے ساتھ مشاعرہ ختم ہو گیا۔ اس جرم کی پاداش میں مجھے ڈیڑھ برس تک دہلی کے مشاعروں کی دعوت نہیں ملی۔

میرے والد کے ایک اور دوست غالب کے ایک عزیز شاگرد نشی ہر کوپال تفتہ کے شاگرد پنڈت امر ناتھ ساحر، دہلی کے رؤسا میں تھے۔ وہ جب تحصیلدار سے وطنینہ پر سبکدوش ہو کر پنجاب سے دہلی آئے تو موصوف نے اپنے مشاعرے کی دعوت دی اور پھر دہلی کے مشاعروں میں میری شرکت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پنڈت جی بڑی خوبیوں کے انسان تھے۔ مجھے بہت عزیز رکھتے تھے۔ میں انھیں بھی چچا کہتا تھا۔ تیسرے مشاعرے کا تعلق انھیں بزرگوار سے ہے۔

پنڈت جی کانگریسی جدوجہد کے خلاف تھے اور کانگریسی جلسوں کے قریب جانا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ میرے ایک دوست سوتی برہم سروپ خاں میرٹھی میری طرح پکے کانگریسی اور برٹش حکومت کے مخالف تھے۔ ہم دونوں اور دوسرے ہم مشرب شعراء غزلوں کے اشعار میں حکومت پر کھلی چوٹیں ہی نہیں کرتے تھے بلکہ ہم نے ایسے مشاعرے بھی کیے ہیں، جن کا مقصد برٹش حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ تھا۔ ایسے مشاعروں کو کانگریسی مشاعرے کا نام دیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مشاعرہ

کے مصرع طرح کی ردیف ”کھدر“ رکھی گئی تھی۔ مجھے اپنے اس زمانے کے کلام کا خیال آتا ہے تو اس کے ضائع ہو جانے کا بڑا رنج ہوتا ہے جو اس انقلاب ہی کی نذر ہو گیا۔

ایک دن سوئی برہم سروپ میرے پاس نازی آباد آئے اور کہنے لگے۔

”بھئی ہم بڑے پیمانہ پر کانگریسی مشاعرہ کر رہے ہیں۔ اس کے لیے کوئی صدر تجویز کرو۔“

مجھے کچھ ایسی شرارت اُس وقت سوجھی کہ میں نے پنڈت امر ناتھ ساحر کا نام تجویز کر دیا اور خار صاحب مجھ سے ان کے نام کا سفارشی خط لے کر گئے اور ان کو صدارت کے لیے راضی کر لیا۔

پنڈت جی مشاعرے کی نوعیت سے بے خبر اور خار پنڈت جی کی ذہنیت سے ناواقف، غرضیکہ مشاعرے کا دن آ گیا۔ میں عین مشاعرے کے وقت پہنچا اور خار کو الگ لے جا کر چپکے سے کہا کہ:

”دورانِ مشاعرہ پنڈت جی کے سامنے نہ جانا۔“ وہ اس پر حیران ہوئے تو میں نے انھیں یہ راز بتایا۔ وہ بہت محظوظ ہوئے اور ہم دونوں پنڈت جی سے دور سامعین کی آڑ میں ایک طرف بیٹھ رہے۔ مشاعرہ شروع ہوا اور پنڈت جی کی اضطرابی کیفیت، چہرے کا اتار چڑھاؤ، بار بار ان کا فرمانا کہ ”یہ کیا ہے؟ یہ کیسی غزل ہے؟ ختم کیجئے۔ ختم کیجئے۔“ یہ کیسا مشاعرہ ہے؟ آخر جہم کہاں ہیں۔ خار صاحب کہاں ہیں؟ یہ کیا ہو رہا ہے۔“ غرضیکہ موصوف نے اتنے پہلو بد لے اور اس قدر رجز غضب ناک اور بے بس دکھائی دینے لگے کہ مجھے خود ان پر ترس آ گیا اور ساتھ ہی اس قدر خوفزدہ بھی ہوا کہ مشاعرے سے اٹھ کر ریلوے اسٹیشن اور وہاں سے نازی آباد اپنے مستقر پر پہنچ گیا۔ کئی روز بعد خار سے مشاعرہ کی پوری کیفیت معلوم ہوئی جس کے سنانے کے لیے نہ وقت ہے اور نہ گنجائش۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ پھر ایک طویل عرصے کے لیے دہلی کے مشاعرے مجھے سے چھوٹ گئے اور جب ایک زمانے کے بعد پنڈت جی سے اتفاق ملاقات ہوئی تو میں نے بہت جھک کر مصومیت کے ساتھ آداب عرض کیا اور مشاعرے کا مسئلہ چھڑتے ہی سارا الزام سوئی برہم سروپ خار پر رکھ دیا اور اپنے آپ کو بالکل بے گناہ ثابت کر کے پھر ان کا نہایت ہی سعید و رشید بھتیجا بن گیا۔“

۵ نومبر ۱۹۶۱ء حیدر آباد (اے پی)

نوٹ: یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ جب میں اس صفحہ کی پروف ریڈنگ کر رہا ہوں تو آج تاریخ (راقم الحروف۔ قتی عابدی) ۵ نومبر ۲۰۰۵ء ہے۔

پیغامات اور تاثرات

نجم آفندی مشاہیر شعر و ادب کی نظر میں (منثور اور منظوم)

- 1- جناب سہیل آفندی (اکلوتے بیٹے) 12- جناب قیصر بارہوی
- 2- پروفیسر احتشام حسین 13- جناب سید ہاشم رضا صاحب
- 3- جناب سید آل احمد رضا ایڈوکیٹ 14- ڈاکٹر اسداریب
- 4- جناب سہیل بناری 15- ڈاکٹر مسعود رضا خاکی
- 5- جناب فیض محمد کوہر 16- جناب مظفر حیدری
- 6- ڈاکٹر عسکری بن احمد 17- جناب سید جلیس ترمذی
- 7- جناب احسن عمرانی مدیر معارف اسلام 18- جناب شمشاد حسین رضوی
- 8- جناب زائر فتح پوری 19- مولانا طالب جوہری
- 9- پروفیسر وزیر الحسن عابدی 20- جناب جوش ملیح آبادی
- 10- جناب احسان دانش 21- جناب مالک رام
- 11- جناب سید قیصر زیدی 22- جناب سید فاتح واسطی

- 23- جناب محمد صدیق (مدیر ہفت روزہ رضا کار)
- 24- جناب شائق انبالوی (مدیر ہفت روزہ اسد)
- 25- مدیر (مجلہ پیام عمل لاہور)
- 26- مدیر (مجلہ مبلغ سرگودھا)
- 27- علامہ عباس حیدر عابدی
- 28- جناب انضال حسین نقوی
- 29- جناب سید معز الدین قادری
- 30- مولانا آغا مہدی لکھنوی
- 31- جناب سید منشی حسین فاضل لکھنوی
- 32- ڈاکٹر سیط حسن
- 33- جناب سخن فتح پوری
- 34- جناب صبا اکبر آبادی
- 35- جناب سید فیاض علی
- 36- ڈاکٹر احسن فاروقی
- 37- جناب امیر امام خاں
- 38- جناب اختر انصاری اکبر آبادی
- 39- جناب شیخ انصار حسین
- 40- جناب سید عاشور کاظمی
- 41- جناب نسیم امروہوی (قطعہ تاریخ وفات)
- 42- جناب رئیس امروہوی
- 43- جناب شاہد نقوی
- 44- جناب فیض بھرت پوری
- 45- جناب نفیس فتح پوری
- 46- جناب زاہد فتح پوری
- 47- محترمہ رابعہ نیہاں
- 48- جناب ساحر لکھنوی
- 49- جناب کسریٰ منہاس
- 50- جناب نیساں اکبر آبادی
- 51- ڈاکٹر بلال نقوی
- 52- جناب نسیم امروہوی
- 53- پروفیسر فیضی
- 54- جناب خلش پیرا صاحبی (قطعہ تاریخ وفات)
- 55- جناب کرار حیدر رائی
- 56- علامہ سید ابن حسن نجفی
- 57- علامہ مرزا یوسف حسن لکھنوی
- 58- الحاج محمد بشیر انصاری
- 59- مولانا پروفیسر خواجہ محمد لطیف انصاری
- 60- علامہ حکیم محمد گیلانی
- 61- جناب سید ریاض الرحمن
- 62- جناب منظر
- 63- جناب گوہر جعفری
- 64- جناب فقیر سید فقیر حسین شیرازی
- 65- جناب تسلیم تندی کربلائی
- 66- محترمہ بیگم سیدہ بلقیس اعجاز
- 67- جناب آر آر سکسینہ صاحبہ الہام
- 68- ڈاکٹر اسد انصاری
- 69- جناب بشیر احمد ارمان
- 70- جناب اکمل آلہ وری
- 71- جناب ادیب حیدر آبادی
- 72- جناب باقر امانت خوانی

- 73- جناب سید شاہ نصیر الدین بٹ
- 74- جناب ابو الحسن عابدی حسن
- 75- جناب خورشید جنیدی
- 76- جناب عرب شاہ خالد کشمیری
- 77- جناب سید ارشاد احمد دراک
- 78- جناب شاہد حیدری
- 79- جناب طاہر عابدی
- 80- جناب طالب اسدی
- 81- جناب میرزا نادر گلجی
- 82- جناب علی فطرت
- 83- جناب فرید شرنی
- 84- جناب قدر علی
- 85- جناب قائم جعفری
- 86- جناب محمد عبدالکریم ماجر
- 87- جناب میر محمد علی وفا
- 88- جناب وقار جعفری
- 89- جناب آغا ہاجر

سب کہتے ہیں شاعر ہے دربارِ حسینیٰ کا پیغامات اور تاثرات

1۔ جناب سہیل آفندی (اکلوتے بیٹے):

درو دل اپنا کوئی افسانہ باطل نہ تھا
ہم نے چپ سا دھی نگاہ اہل عالم دیکھ کر
یہ شعر غیر مطبوعہ ہونے کے علاوہ صرف مجھے معلوم ہے۔ پندرہ سال پہلے مجھے
لکھوایا تھا کہ میری لوحِ تربت پر لکھوادینا۔ ان کے آخری دنوں کی کیفیت اس
میں سموی ہوئی ہے۔ خلوص کارواں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ بآنے قوم کے لئے
جو کچھ کیا ہے اُسے مختصر طور پر بیان کرنے کے لئے بھی ایک مقالہ نہیں بلکہ ایک
کتاب چاہیے۔ پچھتر سال خدمت کی ہے۔

2۔ پروفیسر احتشام حسین: جناب جہم آفندی دورِ جدید کے اُن شعرا میں سے ہیں جنہیں بجا طور پر
استادی کا مرتبہ حاصل ہے۔ ان کی عمر ریاضِ سخن میں بسر ہوئی۔ انہوں نے
بچپن ہی سے اکبر آباد کی علمی اور ادبی مجلسوں میں شریک ہو کر زبان و بیان کے
لطیف مسائل پر غور کیا اور انہیں برتا ہے۔ اپنے والد مرحوم کے استادانہ رنگ
سے کسب فیض کرنے کے علاوہ انہوں نے اساتذہ کا کثرت سے مطالعہ کیا
ہے۔ اس لئے ان کے کلام میں ابتداء ہی سے ایسی پختگی اور ہمواری پیدا ہو گئی
ہے جو بڑے ریاض کا نتیجہ کہی جاسکتی ہے۔ ان کی مذہبی نظموں میں یہ بات ہر

ہر لفظ سے نمایاں ہوتی ہے لیکن وہیں اس بات کا پتہ بھی دیتی ہے کہ اس والہانہ عقیدت کی بنیاد گہرے شعور اور استدلالی حقیق پر ہے۔ عقیدت کا عرفان گہرائی، شدت اور قوت پیدا کرتا ہے۔ یہی وہ منزل ہے جو نجم آفندی کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان کا عقیدہ علم و عرفان کا آفریدہ ہے۔ ان کا یقین ادراک و شعور کا پیدا کردہ ہے۔ اس لئے ان کی شاعری میں ان کی روح کی آواز سنائی دیتی ہے جسے ان کی جدت طراز طبیعت ایک ایسے زاویہ سے پیش کر دیتی ہے جس پر دوسروں کی نگاہ نہیں گئی تھی۔

3۔ جناب سید آل احمد رضا ایڈوکیٹ: دنیا سے چلے جانے والوں کی فہرست میں بہت بڑا اور مدتوں یاد کئے جانے والے نام کا جو اضافہ ہوا ہے وہ عزائے شاہ شہیدان علیہ السلام کے سلسلے میں بہت یاد آئے گا۔

4۔ جناب سمیل بنارس: نجم ہماری نگاہوں سے اوجھل ضرور ہو گئے لیکن دل ان کی موجودگی محسوس کرتا ہے۔ نجم سپہر شاعری کا درخشاں نجم مزید روشنی کا محتاج نہیں۔ ان کے کلام کی حرارت ان کی زندگی کی ضمانت ہے۔ نجم اپنی ہی روشنی میں اپنے مدوحین سے جا ملے جہاں روشنی ہی روشنی ہے۔ زندگی ہی زندگی ہے۔

5۔ جناب فیض محمد گوہر: ”نجم آفندی کی موت سے روح کو وہ صدمہ اور قلب کو وہ دھچکا ہے کہ احساس و ادراک تسلیم کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ یہ ایک فرد واحد کا انتقال نہیں بلکہ ایک گراں قدر ادبی نسل ایک فکری دور ایک عہد ساز کائنات اور قومی ادارہ کی موت ہے۔

6۔ ڈاکٹر عسکری بن احمد: نجم آسانی کا علی کی جستجو میں اُترنا سننے آئے ہیں۔ آسانی شاعری کے درخشندہ ستارے اسم بامسمیٰ نجم آفندی بھی اتر گئے۔ کہاں۔ لحد میں جس کی جستجو تھی اسی کے پاس پہنچ گئے۔

ہمیں توفیق دے خیبر شکن خیبر کشائی کی
کہ اب ہر اک قدم پر زندگی میدانِ خیبر ہے

7۔ جناب احسن عمرانی (مدیر معارف اسلام): جہاں عزائے ادب کے آسمان پر انیس و دیر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے وہاں بغیر کسی مبالغے کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ نجم آفندی نجم بن کر دکتے رہے اور دکتے رہیں گے۔

8۔ جناب زائر فتح پوری: نجم اتالیق تھا، عالم تھا اور شاعر تھا۔ اس کے اخلاقی درسیات تحقیقی عوام اور فکری معجزات میں فیشن نہیں، الجھاؤ نہیں، روایت پرستی نہیں، اظہار و ابلاغ کا فقدان نہیں، اس کا ذہن پختہ ہے۔ حقائق اس کے گرد ستاروں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں۔ اس کا نظریہ واضح عقائد، پائیدہ اور فکر و نظر بلند ہیں۔

9۔ پروفیسر وزیر الحسن عابدی: نجم آفندی مرحوم و مغفور کی رحلت سے وہ شہنشاہِ سخن دنیا سے اٹھ گیا جس نے عصر حاضر میں دینی اردو شاعری کی ہر صنف کو تاج پہنا کر عالمی مسند پر بیٹھا دیا۔

10۔ جناب احسان دانش: میں ان کے اخلاق اور کمال شاعری کا معترف ہوں۔ انھوں نے عزائی ادب میں جرأت و ہمت، جوش و استقلال کا جو بے پایاں اضافہ کیا، اس کی مثال اس سے قبل نہیں ملتی۔

11۔ جناب سید قیصر زیدی:

زندگی نے مار ڈالا نجم کو

نجم کی شیوا بیانی اب کہاں

نجم آفندی شاعر اہل بیت، محب اہل بیت، مصلح و ناصح قوم ایک انقلاب پسند شاعر اور قوم پرست کی حیثیت سے دنیائے ادب میں اور خصوصاً نوجوان نسل اور پُر خلوص لوگوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ نجم صاحبِ تعلیم سخن کے تاجداروں میں آسمانِ شہرت پر نجم اکبر کی مانند دمک رہے ہیں۔ نجم صاحب تاریخ اسلام کے عظیم مفکر جنھوں نے فکر و خیال کی نئی راہیں کھول دیں اور علم و عقل کی قدیلیں روشن کیں۔ انھیں دینی بصیرت بھی حاصل تھی اور عرفانِ شریعت بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں حکمت ہے معرفت ہے سچائی ہے،

گہرائی ہے۔ انہیں خیالات کا اظہار جہم صاحب کی زبانی۔

رفعت ترے کلام کی عرش آشنا ہے جہم

بھیلی ہے فکر دامن برق و سحاب میں

جہم صاحب مرحوم ایک فطری شاعر تھے جو اپنے ماحول سے متاثر تھے۔ جہم صاحب ایک ایسے شاعر تھے جو مجازی مشاہدات کو حقیقی معنی مہیا کرنے میں ملکہ رکھتے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان میں قدرت کی طرف سے ایسی قوت ودیعت کی گئی تھی جس سے وہ اپنے مشاہدات اور محسوسات کو ایسے قالب میں ڈھالتے تھے کہ ہماری آنکھوں میں اس کا سماں سا بندھ جاتا ہے۔ ہمارے احساسات مائل فکر ہو جاتے ہیں۔ قلوب ان کی طرف کھینچے لگتے ہیں۔ اپنے الفاظ کی بندش اور بیان کی روانی سے ہمارے سامنے ایسی تصویر کھینچ دیتے ہیں کہ سامع کو ان کے اشعار اس کی اپنی زبانوں حالی کا نوحہ معلوم ہوتے ہیں۔

جہم صاحب مرحوم کی شاعری تخیل کو استحکام دیتی اور فکر کو استوار کرتی ہے۔ ان کے کلام کی بنیاد اور اساس اسرار حیات کی ترجمان پر ہے۔

ترہیت کی ذہن انسان کی غم شیر نے

صداپ دل بن گئے جو غم کے ٹوکر ہو گئے

ملش نے شعر کی تین خصوصیات کو لازمی قرار دیا ہے۔ اول سادگی، دوم اصلیت اور سوم تحریک جہم صاحب کا کلام ان تینوں اقدار پر سچا اور تاد نظر آتا ہے۔ ان کے یہاں سادگی اس درجہ ہے کہ وہ اپنی تاثیر کے اعتبار سے تیر و شتر کا حکم رکھتا ہے اور دلوں میں کرب کو جلا دیتا ہے اور ایسی ترب پیدا کرتا ہے کہ پڑھنے والا مزید تشنگی محسوس کرنے لگتا ہے۔ اصلیت سے تو انکا ر حال اور تحریک ان کے کلام کی روح ہے۔

جلتی ہوئی وہ ریت وہ سجدے وہ تشنگی

وہ نینوا کی خاک پہ رخسار آپ کا

شکر خدا زبان پہ یاد خدا میں دل

تیغوں کی چھاؤں پیکرِ خونبار آپ کا

ان کے کلام میں افسردگی و تسلیم و رضا کی علامات بھی نمایاں ہیں۔ ان کی نظر میں انسانی اقدار کی پستی اور ملت کی کمزوریاں قابلِ تحقیر نہیں بلکہ وہ ان سے متاثر ہو کر ان کے غم میں برابر کے شریک ہو جاتے ہیں اور ان سے نجات کو لازمی سمجھتے ہیں۔ وہ ملت کے سچے ہمدرد اور ناچیز کی رائے میں ملت کے حقیقی مزاج شناس تھے۔ ان کے کلام کو پڑھ کر کبھی جذبہ ملی کو فروغ ملتا ہے کبھی طبیعت فکر کی طرف رجوع ہوتی ہے کبھی پند و نصیح کے دفتر اور ممدوح علیہ السلام کی نغماں پر آمادہ ہوتا ہے۔

کلامِ جہم تقلید پسندی سے آزاد ذاتی مشاہدات ضروریات اور خیالات کا مظہر ہے۔ ان کی شاعری دورِ حاضر کے شعراءِ کرام اور نوجوانوں کے لیے ایک ضمیمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان حالات میں جبکہ دنیا ادب برائے ادب سے محظوظ ہونے کی کوشش کرتی ہے جہم صاحب کا کلام اسلوب میں سادگی کے باوجود پُرکشش اور پُر اثر ہے۔

یورپ کا محقق کہتا ہے کہ ”مشاغلِ دنیوی کے انتہاک سے بیزار ی اور دین کی طرف رجوع کرنے کا واحد ذریعہ شعر و سخن ہیں۔“ ماضی کے تجربات حالی، شبلی، اقبال اور جوش کی موجودہ کاوشیں صداقت کے لیے کافی ہیں کہ قوموں کو بیدار اور آمادہ عمل کرنے میں اشعارِ شمشیر بے نیام کا کام کرتے ہیں۔

کو کہ دورِ حاضر میں جہم صاحب کا کلام سوسائٹی کی اقدار اور بدلی ہوئی روشوں کو جھنجھوڑنے کے لیے نا کافی ہے مگر پھر بھی یہ سعی رائیگاں نہ جائے گی۔ ان کے کلام کی اشاعت و تشہیر میں بزمِ جہم کے ذریعہ سے باقر صاحب نجف صاحب حبیب صاحب اور ضمیر اختر نقوی کی کاوشیں قابلِ تحسین ہیں۔ جہم صاحب کے کلام کی اشاعت ملت کی زبوں حالی میں مرہم کا کام کر سکتی ہے۔

جہم صاحب نے بے شمار رباعیات، قصائد اور نوسے کہے۔ یہ سب کے سب

ان کی شخصیت اور جذبات کی واضح عکاسی کرتے ہیں۔ سادگی، گھلاوٹ، روزمرہ کے الفاظ کا استعمال، تافیوں کی نشست مصرعوں کی برجستگی بیان کی حقانیت ان کو ان کے ہم عصروں میں ممتاز کرتی ہے۔

جتم صاحب کے کلام کا کچھ حصہ ہندی میں بھی ہے جو ہندوستان کے قیام کے دوران ان کے مشن اور مقصد کی وضاحت کی منہ بولتی تصویر ہے۔ انھوں نے نہایت آسان اور سادہ ہندی میں تبلیغ مشن حسینٰی میں اپنے ہندی کلام کو بھی حصہ دار بنایا۔ وہ دوسرے مذاہب تک اپنے پیغام کو پہنچانا لازمی سمجھتے تھے۔

جتم صاحب کا کلام تبلیغ کے ساتھ ساتھ درس ہے دعوتِ عمل ہے۔ ان کے قلب کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی نہایت پُر درد اور موثر صدا ہے۔ آپ کے کلام کے مجموعے خوابیدہ عبرت افراد اور مردہ دلوں کو بیدار کر کے از سر نو تازگی اور مقصدیت بخشنے والے نوحوں اور سلاموں رباعیات و قصائد پر مشتمل ہے۔ ان کا کلام عرصہ دراز تک مخلص اور درد مند لوگوں میں تازگی کو برقرار رکھے گا۔

سب کہتے ہیں شاعر ہے دربارِ حسینٰی کا

جتم اپنی حقیقت سے خائفِ نظر آتا ہے

12۔ جناب قیصر بارہوی: اگر گزشتہ پچاس برس میں کسی عظیم خونور کی جستجو کی جائے تو میں پوری ذمہ داری سے یہ بات کہنے کو تیار ہوں کہ شاعرِ اہل بیت حضرت جتم آفندی پوری

آب و تاب کے ساتھ کشورِ سخن پر حکمران نظر آتے ہیں۔

13۔ جناب سید ہاشم رضا صاحب: جناب جتم آفندی مرحوم کی موت سے اردو ادب کا ایک اور

درخشاں ستارہ ڈوب گیا لیکن اس نے جو روشنی پھیلائی ہے وہ نا ابد قائم رہے گی۔

مداحِ اہل بیت ہے حق کی نوا یہ جتم

زندہ ہے اور زندہ رہے گا سدا یہ جتم

14۔ ڈاکٹر اسد اریب: اردو شاعری نے جو نئی کروٹیں لی تھیں، اگر عزائی ادب بھی ان کروٹوں

کے رُخ نہ ہوتا تو شاید انقلاب فکر اُسے کچل ڈالتا نجم آفندی نے اپنے نوحوں کے ذریعہ شاعری اور زندگی کے نئے رشتوں کی خبر دی۔

15۔ ڈاکٹر مسعود رضا خاکی: علامہ نجم آفندی دنیائے ادب کی وہ عظیم ہستی ہیں جن کے سامنے ہر صاحب فکر و نظر ہمیشہ مودب رہے گا۔ مجھے ان کی زیارت کا شرف حاصل ہے اور وہ لمحات جو میں نے ان کی خدمت میں بسر کئے ہیں میری پوری زندگی کا ماحصل ہیں۔

16۔ جناب مضطر حیدری: نجم آفندی کی موت قوم کے لئے زبردست المیہ ہے۔ ان کے کلام میں درد ہے، سوز ہے اور ایک ایسا پیغام ہے جس میں بلا کا درد ہے۔

17۔ جناب سید جلس ترمذی: ہائے وہ آفتاب شعروغن ڈوب گیا۔ افسوس نجم شعروادب، کوکب علم و فن، سہیل زبان و بیان، برجیں بحور و عروض اور مہتاب صحافت موت کے دبیز پردوں میں روپوش ہو گیا۔ اب کسے شاعر اہل بیت کہیں گے۔ اب کون نقیب آل محمد کہلائے گا۔ بھاشا کے ریلے شبدوں میں کر بل کی روپ کہانی کون سنائے گا۔

دنیا کی مایا کوئی نہیں، کچھ نوے ہیں کچھ دو ہے ہیں
تجھی یہی مایا لائے تھے تجھی یہی مایا چھوڑ گئے

18۔ جناب شمشاد حسین رضوی: نصف صدی تک کربلائی ادب کے لئے جو مشعل نجم آفندی نے روشن رکھی اس کی روشنی میں آنے والے نوجوان دانشوروں کو اپنی راہ متعین کرنے میں سہولت ہوگی۔

19۔ مولانا طالب جوہری: میری ذاتی رائے کے مطابق حضرت نجم آفندی نصف صدی تک اردو رنائی ادب پر حکومت کرتے رہے اور نسل نو کا کوئی ایسا مرثیہ نگار نہیں جو بالواسطہ یا بلاواسطہ ان سے متاثر نہ ہوا ہو۔

20۔ جناب جوش ملیح آبادی: میں ان کے اشعار کا لوہا مانتا تھا اور میرے نزدیک مرثیہ اور منقبت میں انھیں وہ مقام حاصل تھا جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

21۔ جناب مالک رام : میدان خالی ہو رہا ہے اور کوئی ان کی جگہ لینے والا نظر نہیں آتا۔ انا للہ

و انا الیہ راجعون۔

22۔ جناب سید فاتح واسطی : وہ عظیم انسان جس نے تقریباً پون صدی تک مداحی معصومین کی

اس عالم غربت میں اس کی موت یقیناً سانحہ ہے۔ اس صدی میں ان کے پائے

کا شاعر پیدا نہیں ہوا۔ مرحوم و مغفور واقعی مجتہد اشعرا تھے۔

23۔ جناب محمد صدیق (مدیر ہفت روزہ رضا کار لاہور) شاعر اہل بیت حضرت نجم آفندی

اعلی اللہ مقامہ نے شاعری کو تو چار چاند لگائے ہی ہیں، مرحوم نے نثر میں بھی

اپنی طبع رسا کے جوہر دکھائے ہیں۔“

24۔ جناب شایق انبالوی (مدیر ہفت روزہ اسد لاہور) : علامہ نجم آفندی کا شمار اساتذہ فن

میں ہوتا تھا وہ زندگی بھر مدح اہل بیت اور نشر حسینیت کرتے رہے۔ ان کے

نوسے اور سلام اس قدر مقبول ہوئے کہ زبان زد خاص و عام ہیں وہ شعرو سخن

میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔

25۔ مدیر (مجلہ پیام عمل لاہور) : نجم آفندی 21 دسمبر 1975ء بروز شنبہ اس دنیا سے چل بسے۔

وہ نصف صدی سے قومی شاعری کی بساط پر چھائے ہوئے تھے۔ وہ پاکستان

میں مہمان تھے، پر دیسی تھے اور اپنے وطن سے دور تھے۔ ان کے پاس قومی

شاعری کے علاوہ کوئی اور دولت نہ تھی۔

26۔ مدیر (مجلہ ابلغ سرگودھا) : مرحوم کی شخصیت تعارف کی محتاج تو نہیں ہے۔ ملت جعفریہ کا

ہر شخص ان کے نام اور افکار سے واقف ہے۔ شاید ہی کوئی گھرانہ ایسا ہوگا جہاں

ان کے تصنیف کردہ نوسے نہ پڑھے جاتے ہوں۔ ان کا کلام شہرت دوام رکھتا

ہے۔ اور قوم میں ان کو شاعر اہل بیت کے نام سے جانا جاتا ہے۔

27۔ علامہ عباس حیدر عابدی : یہ بات کہتے ہوئے بے اختیار نجم آفندی کا نام زبان پر آتا ہے

جنہوں نے اپنی 50 برس کی شاعری میں پیغام آل محمد اور ملت جعفریہ کی وہ ناقابل

فراموش خدمت انجام دی اور ذہنوں کے لیے فکر کا وہ سرمایہ فراہم کیا کہ جس نے

حسینیؑ آواز کے چہرہ کی تازگی کو باقی رکھا۔

ان کی شاعری نے کربلا سے قوم کو عملی جدوجہد کا سبق حاصل کرنے کی دعوت دی اور ساتھ ہی غم کے کیف سے اپنی شاعری کو دور نہیں ہونے دیا۔ مثلاً ان کا ایک نوحہ۔

اے خدا کے بندوں میں منتخب خدا والو
تختِ انما والو تاجِ ملِ اتی والو
شانِ مصطفیٰ والو وضعِ مرتضیٰ والو
کیا وفا پہ جانیں دیں تم نے اے وفا والو
ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو

کا اک اک شعر جہاں ایک طرف کربلا کی کیفیتِ غم میں ڈوبا ہوا ہے، وہاں پڑھنے اور سننے والوں کے لئے جذباتی اور عملی مہمیز کا کام بھی انجام دیتا ہے۔
حجمِ آفاقِ شیعیت کا ایک ایسا ستارہ تھا کہ جو نصف صدی تک اپنی ضیاءِ پاشیوں سے دنیائے شیعیت کو منور کرتے رہنے کے بعد اس بے سرو سامانی میں ڈوب گیا کہ ملتِ جعفریہ کو اپنے اس سرمایہ گراں بہا کے نقصان کی خبر تک نہ ہوئی۔
قوم کو چاہیے کہ حجم کے کلام پر تحقیقی کام کیا جائے۔ ان کی آواز کو زندہ رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اگرچہ حجم کو ہمیشہ زندہ رکھنے کے لئے ان کا ایک ہی شعر کافی ہے کہ

دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا

ہیروز بہر حال تیرا نام رہے گا

28۔ **افضل حسین نقوی:** صرف یہ کہہ دینا کہ حجم نے صنفِ نوحہ سے حسدیت کی تبلیغ کا کام لیا۔

در اصل ایک پورے دفتر کو ایک بے ہنگم فقرے میں بند کر دینے کے برابر ہے۔
نوحہ جو اصولی طور پر بین و بکا ہے، جس میں درد و غم کا رچاؤ، اس کی روح ہے، کیا کوئی صاحبِ فن ایسا بھی حشر آسا اور قیامت بردوش ہو سکتا ہے جو نوحہ جیسی

نازک، کوئل اور چھوٹی موٹی زمین پر اتنی بلند و بالا تبلیغ کی عمارت کھڑی کر سکے اور اس فرض سے عہدہ برآ ہو سکے، تو میں عرض کروں گا وہ صرف اور صرف نجم آفندی ہے جس نے نوحہ کو نہ صرف اس جدت سے آشنا کیا بلکہ اس ندرت کو منتہائے کمال تک پہنچا دیا۔ یہ سچ ہے بغیر گداز دل اور چشمِ غم کے کوئی تخلیق کمال فن کی منزل تک نہیں پہنچ سکتی۔ میرا ایمان ہے کہ جب تک حسین کا غم باقی ہے، نجم کے یہ نوے کبھی نہیں مٹ سکتے۔ نجم اور نجم کے نوحوں کو بقائے دوام حاصل ہے۔

29۔ جناب سید معز الدین قادری: ”نجم صاحب پر جیسا کام ہونا چاہیے تھا اب تک کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ ان کی حیات اور ادبی کارناموں پر تفصیل سے گفتگو کے بغیر اردو ادب کی تاریخ میں غلارہ ہے گا۔

30۔ مولانا آغا مہدی لکھنوی: ”والسبحم اذا هو ی برصغیر کے سرخیل شعراء عظام میں حضرت نجم آفندی کا نام ان کی ادبی خدمات قوم کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ بڑے یارِ باش، وضع دار، مجسمہ خلق، دیرینہ روابط کو بھولتے نہ تھے۔ دو بار غریب خانہ پر تشریف لائے۔ کراچی کی گونا گوں شخصیتوں نے مشورہ دیا کہ وہ بغیر ان کی اجازت یا کم از کم اطلاع کے کسی قومی پلیٹ فارم پر قدم نہ رکھیں، منبر پر نہ جائیں۔ یہ قول و قرار خود دار ذات پر بہت شاق ہوا اور مجھے دردِ دل بتاتے ہوئے کراچی چھوڑ دی۔ لاہور چلے گئے۔

ان کی محنت ہائے عرق نشاں کا صلہ یہی ہے کہ کلیاتِ حالاتِ زندگی کے ساتھ جلد طبع ہوں۔

نجم آفندی کو میں، شہر اور قوم کا سب سے بڑا شاعر ہی نہیں سمجھتا تھا بلکہ وہ مشرقی تہذیب کا آخری نمونہ، یادِ اسلاف کا مرکز، قدیم روایات کے گنجینہ تھے۔ اہل قلم ان کی وفات حسرتِ آیات پر جو کچھ لکھ چکے، وہ ان کی شخصیت کے لحاظ سے تھوڑا اور عظمتِ فن کو دیکھتے ہوئے قلیل ہے۔

وہ صرف آزار خیال شاعر نہ تھے بلکہ ان میں دینی جذبات، مذہبی جوش بدرجہ اتم

تھا اور یہ خصوصیات، میرا خیال ہے کہ تواریث سے اُن میں نظر آئے اس لیے کہ وہ ذاتی طور پر شعر و سخن میں اس قلم رو کے نمایاں انسان نہ تھے بلکہ اسلاف میں اُن کے، کئی ہستیاں دنیا کے ادب میں نہ صرف قابل ذکر ہیں بلکہ ان کے ادبی اور علمی اور مذہبی خدمات سورج کی روشنی سے زیادہ چمکتے ہیں۔

نضیالی سلسلہ شیر شکوہ آبادی تک پہنچتا ہے۔ یہ نوید علم افزا تو اخبارات میں نشر ہوئی، مگر مجھ سے خاندانی رواں قدمیہ کو دیکھتے ہوئے مرنے والے نے اپنی آخر ملا تا توں میں یہ بھی بتایا تھا کہ ان کا دھیلیا سلسلہ مرزا فتح مرحوم شاعر تک پہنچتا ہے۔

نجم آفندی کی یہ خصوصیت تھی جو ممدوح نے مجھ سے بہ فخر بیان کی۔ حجتہ الاسلام مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ (جونپور) نے کسی شخص کو اپنی غزل نہیں سنائی۔ نجم آفندی وہ تھے کہ قبلہ و کعبہ نے اپنی غزل کے اشعار سنائے۔ آیہ قرآن سے اپنے تاثرات کو شروع کیا تھا اور آیہ قرآن پر ختم کرتا ہوں۔ منہم من قضیٰ

نحبہ و منہم من ینظر

31۔ جناب سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی: جناب نجم مرحوم اردو ادب کے نامور شاعر تھے۔

شعرو ادب کی میراث ان کے اجداد سے حصے میں آئی تھی۔ ان کے بزرگ مذہبی اقدار کے حامل اور دینی جذبات کے ترجمان تھے۔ مرزا جعفر علی فتح، صرف مرثیہ گو شاعر نہ تھے بلکہ بڑے دین دار بزرگ بھی تھے۔ انھوں نے مکے ہجرت کی اور حضرت ابوطالب رضوان اللہ علیہ کے مزار کی تعمیر اور اس کے وقف، مدینہ منورہ کی خدمت اور وہاں کی سکونت بھی اختیار کی۔ چونکہ حکومت ترکیہ اس وقت حرمین کی مالک بنی بیٹھی تھی اور بزم صاحب کو حرمین کی جدی وراثت سے کرایہ وغیرہ ملتا تھا۔ لہذا ان کی مراسلات میں ترکوں کی رسم کے مطابق آفندی لکھا جاتا تھا۔ یہی ”آفندی“ نجم صاحب نے اپنے تخلص کے ساتھ علامت و امتیاز کے لیے باقی رکھا۔ اس کے پس منظر میں ان تعلقات

حرین کا اشارہ تھا جو انھیں بزرگوں سے ملے تھے۔

نجم صاحب مرحوم کا گھر آگرے میں تھا۔ کڑھ حاجی حسن علی اور گلاب خانہ کی محلہ سر میں انھوں نے ہوش سنبھالا۔ یہ گھر اور محلہ، دینی اور مذہبی لحاظ سے آگرے کا مرکز تھا۔ ان کے خالو جناب تقدس مآب مولانا سید ذاکر حسین صاحب قبلہ بارہوی علم و عمل میں سلمانِ زمانہ اور ابو ذر عہد تھے۔ نجم صاحب نے ان کے فیوض سے اپنے شعور کو آراستہ کیا اور عملی دعوت کو اپنا شعار بنایا۔ طبع خدا داد سے بہت کم سنی میں شاعری شروع کی اور شروع ہی سے حقیقت پسندی اور اصلاح ملک و ملت کو اپنا مسلک بنایا۔ شیعہ کانفرنس کے اسٹیج پر قومی زندگی کے منصوبے بنتے تھے۔ نجم ان اجتماعات میں اپنی قومی نظموں سے جوانوں کا لہو گرماتے تھے۔ قوم کو آگے بڑھنے، کچھ کرنے اور باعزت زندہ رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ شیعہ ایگجیکشن میں ان کی شاعری نے قوم کو حوصلہ دیا۔ لوگوں کی ہمت بڑھائی۔ وہ خود بیل گئے اور جب رہائی پائی تو ان کے نوحوں میں ایک نیا جذبہ ابھرا۔

نجم کے نوے بیسویں صدی کے ربع اول سے مشہور چلے آ رہے تھے۔ حیدر آباد دکن سے کشمیر تک جوانوں کے حلقوں میں ان کے ولولہ انگیز شعر کو نچ رہے تھے۔ ۱۹۳۹ء کے بعد تو شاید ہی کوئی نوحہ خوانی ہوتی ہو جہاں ان کے نوے نہ پڑھے جاتے ہوں۔ وہ نوحہ گوئی کے منفرد رہنما قرار پائے۔ ان کے سادہ، جوش آفریں، خطیبانہ اشعار نے ایک دنیا کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ لوگ ان کے اسلوب میں نوے لکھنے لگے۔ مگر ان کی بڑائی تک کوئی نہ پہنچ سکا۔ ان کا حلقہ ارادت بڑھتا گیا۔ انھوں نے ہندی میں نوے لکھ کر تبلیغی دائرے کو مزید وسعت دی۔ انھوں نے بین اور بکا میں، جذبہ و عقیدت میں صدا بلند کی، ماتم اور سینہ زنی کے عالم میں نجم کے نوے موضوعاتی ہونے لگے۔ ”دھرم پر بت“ ”تغیر حسینی“ ”قومی نشان“ ”اُسوہ حسینی“ ”پریم پنہتی“ ”حسینی سیوا“

”قوم کا ہناؤ“ جیسے قیامت خیز منظر اور ہمت آفریں نوحوں نے خطابت و پیام کو نیا لہجہ اور عزائی ادب کو سرمایہ دیا۔

نجم نے رباعی، قطعہ، سلام، مرثیہ، نظم و نثر، قصیدہ و مثنوی ہر صنف ادب میں اپنے کمالات کا مظاہرہ کیا۔ نئی نسل کو نئے لہجے میں مخاطب کیا، مگر جوانوں نے اب تک ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

ان کے فن، ان کی محنت کے ساتھ انصاف یہ تھا کہ ان کا کلیات چھپتا اور ان کی زندگی پر کتاب لکھی جاتی تاکہ قوم کا ایک نقیب تاریخ کی زندگی پاتا اور عقیدت کے آبِ حیات سے جاودان ہو جاتا۔

32۔ ڈاکٹر سبط حسن: تحصیل فتح پور ضلع بارہ بنکی میں محرم اور چہلم کا جلوس ہندوؤں کے محلے ”پنچ گھرے“ سے گزرتا تھا تو ماتمی دستے بندی نوے پڑھتے تھے۔ یہ تائیس پاکستان سے قبل کی بات ہے۔ جو نوہ سب سے زیادہ مقبول ہوا تھا، جو ہندوؤں کی زبانوں پر بھی پیام عزائمیں سنا جاتا تھا، وہ یہ تھا۔

”اندھیار اپاپ کے بادل کا سنسار پہ جب چھا جاتا ہے“ یہ نوہ نجم آفندی کا تھا جس کو حفیظ صاحب مخصوص انداز میں پڑھتے تھے اور میں نے خود دیکھا کہ اس نوہ کے شعروں پر جو سامعین میں گریہ و بکا کا شور مچا کوچوں میں ہوتا تھا، اس میں ہندو مسلمان سب شامل ہوتے تھے۔ ہندوؤں کی زبانوں پر نجم آفندی کے نوحوں کے بول تھے اور اسی زمانے سے یہ محسوس ہوا کہ ان کے کلام میں کس قدر درد و سوز و گداز ہے کہ اپنے نو اپنے بیگانے بھی متاثر ہوئے۔

33۔ جناب سخن فتح پوری: حتم میں بعض ایسی خصوصیات تھیں جو ان کے ہم عصروں میں نہ تھیں۔ مثلاً ہندی زبان میں جو نوے انھوں نے کہے، وہ عدیم الغیر ہیں۔ ان کے شعر میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جو آوازِ رنج و الم میں ڈوب کر زبان پر آئے یا جس کا تعلق دکھے ہوئے دل سے ہو اور جب وہ شعر پڑھا جائے تو تمام فضا کو

غم آلود کر دے۔ اسی طرح اردو زبان میں جو بھی کہا وہ لا جواب کہا۔ ایک ایک مصرع میں فصاحت و بلاغت کا سمندر موجزن ہے۔ مثلاً مصرعہ
 علی کا نام، سن زہرا کا اور صورت پیہر کی
 نجم آفندی آسمانِ ادب کا ایک ایسا درخشندہ ستارہ تھا جو تہذیب و تمدن کا شاہکار
 ہو، جس میں طبیعت کی لٹکار، فطرت کی پکار، خلق و مروت کا آئینہ دار، ولائے
 آل میں سرشار، جسم نحیف و زار مگر برائے شرکت بزم ولا بے قرار، قید مسافت
 سے بیزار، جہاں بلائے چلنے پر آمادہ و تیار۔ ایک غیور، باشعور، نازک مزاج ایسا
 شاعر جس کے کلام میں نازک و لطیف استعارے، حقیقت کے اشارے، جلوہ
 حق کے نظارے ہیں۔

پہلو میں حساس دل، جس میں درد، درد میں سوز و گداز کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔
 زبان میں انتہائی حقیقی، بیان میں حد درجہ کی دلکشی، زور کلام میں فصاحت و
 بلاغت، خیالات میں سادگی و سلاست۔ جذبات میں شیفنگی و بلندی، طبیعت
 میں دردمندی، صحت محاورہ کا خاص خیال اور ادائیگی میں برجستگی، ادبیت کے
 لحاظ سے یہ وہ گہر صفات ہیں جو مرحوم میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ انھیں
 صفات نے مرحوم کو شرف انفرادیت سے شرف کیا۔ سچ ہے:
 خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں
 یہ حقیقت ہے کہ نجم آسمانِ شاعری کا وہ ستارہ تھا جس کے ڈوبنے سے بزمِ ملت
 میں اندھیرا ہو گیا۔“

34۔ جناب صبا کبر آبادی: ”نجم آفندی کا شمار شیعہ طبقہ کے ان مشاہیر شعرا میں تھا جن کے کلام
 نے بڑا تبلیغی کام انجام دیا ہے۔ انھوں نے اپنی تمام شاعرانہ صلاحیتیں، مناقب
 و مصائب اہل بیت کے بیان کے لیے وقف کر دی تھیں، ورنہ وہ دور جدید کے
 بہت سے ایسے نام آور شعرا سے جو صنفِ اول کے غزل کو شمار ہوتے ہیں،
 بہت بڑے شاعر تھے۔ اتنے بڑے کہ ان کے پایہ کمال تک پہنچنے کے لیے

بڑے مراحل طے کرنے کی ضرورت ہے لیکن ان کے جذبہ ولا کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ بجائے ایک غزل کو شاعر کے وہ دنیا کے سامنے شاعر اہل بیت کی طرح آئے، حالانکہ اس طرح ان کا حلقہ تعارف محدود ہو کر رہ گیا لیکن والائے اہل بیت میں انھیں اپنے اس عمل کو اس روشنی میں دیکھنے کا احساس بھی نہیں ہوا۔

نجم آفندی نے اردو شعر و ادب کی ساٹھ سال تک اتنی خدمت کی ہے کہ شاید ہی کسی دوسرے شاعر کو ان کے سامنے پیش کیا جاسکے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کا بیشتر کلام ان کے استغنا اور عدم توجہی کی وجہ سے یا تو ضائع ہو گیا یا دوسرے شعراء کے نام سے منسوب ہوا۔

نجم آفندی کی موت اردو ادب کے ایک درخشندہ ستارے کا غروب ہے۔ خدا انھیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور مقام بلند پر سرفراز فرمائے۔“

35۔ سید فیاض علی: ان کے اشعار تو ہندوستان پاکستان کی افق شاعری پر دھنک رنگوں کی طرح

بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے نوسے مجالس میں آہ و فغاں کا وہ طوفان اٹھایا کرتے ہیں کہ زمین سے آسمان تک ایک کہرام مچا ہوا جاتا ہے۔

حضرت نجم آفندی بھی وطن عزیز پاکستان میں ستارہ شام بن کے آئے تھے۔ ایک ایسا ستارہ بن کر جو مہیب رات کی تاریکیوں میں انسانیت کے بھٹکے ہوئے تافلے کو کاروانِ حسین کے نقش قدم دکھانے کے لیے جگمگا رہا ہو۔

میں حیران ہوں کہ دانستہ یا نادانستہ ہم اس روشن ستارے کی مدد، ملامت اور ٹھنڈی روشنی سے اپنے وجود کو بچاتے رہے۔ نجم آفندی تو وہ شاعرِ اہل بیت تھے جنہوں نے عمر بھر ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں کو امن و آشتی کا درس دیا۔ وہ آخر عمر میں پاکستان کے مسلمانوں کی ہدایت کے لیے یہاں تشریف لے آئے۔ لیکن مجھے یہ کہنے میں کوئی مصلحت مانع نہیں کہ ہم حضرت نجم آفندی کو ان کے نمایاں شانِ مسند عزت پر بٹھانے سے گریز کرتے رہے۔ وہ اس

دور کے چند نامور شاعروں میں سے تھے لیکن ہم انھیں جان بوجھ کر نظر انداز کرتے رہے۔

36۔ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی: نجم مرحوم نے زیادہ وقت اور توجہ نظم کو دی اور اس میں مخصوص اضافے کئے۔ نوحہ اور ماتم کو جو عوامی درجہ کی چیزیں تھیں، انھوں نے ادبی حیثیت دے دی۔ مگر نثر میں جو کچھ بھی وہ چھوڑ گئے ہیں وہ آگے آنے والوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ تمثیلی یا اشاراتی انسانوں، مختصر تاریخی حکایتوں اور مذہبی اصلاحوں کے سلسلے میں جس کام کی انھوں نے ابتدا کی ہے، اس کی حدیں بہت دور جاتی ہیں۔ ان کی شاعری بہت کافی مقبول ہے اور قومی شاعری خود رو اصناف کو مستقل ادبی مقام دیتی ہے، مگر ان کی نثر مستقبل میں آنے والے رجحانات کا پیش خیمہ اور ضروری اور مفید رجحانات کی ابتدا کرتی ہے۔

37۔ جناب امیر امام محمد: ”جناب نجم آفندی کی مرثیہ سرائی سید آل رضا اور جوش دونوں حضرات سے مختلف انداز رکھتی ہے۔ جوش کی مرثیہ سرائی ان کی انقلابی شاعری اور ان کی آزادی فکری کی ایک تحدید ہے۔ سید آل رضا کی مرثیہ سرائی اور نجم آفندی کی مرثیہ سرائی میں یہ بات مشترک نظر آتی ہے کہ دونوں کے یہاں بے انتہا خلوص عقیدت کا گہرا احساس ہوتا ہے، لیکن جہاں سید آل رضا کے مرثیوں میں لکھنؤ کی محاسن کے ساتھ ساتھ نئے خیالات و افکار کی تازگی ہے، وہاں نجم آفندی کی مرثیہ سرائی ہندی زبان کے ادب کے اثرات اور ہندوستان کی دنیا کی انفرادیت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ ہندی زبان کی سادگی اور بے ساختگی نجم آفندی کی شاعری کی خصوصیت کو اور بھی زیادہ اجاگر کر دیتی ہے۔ نجم آفندی کے مرثیہ کا جو مقصد تھا وہ تبلیغ تھا اور اردو سے زیادہ یہ مقصد ہندی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نجم آفندی نے اپنے ان فیصلوں میں بڑی بصیرت سے کام لیا اور ہمیں ان کی اس بصیرت اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری کی خوبیوں کا تاثر ہونا پڑے گا۔

38۔ جناب اختر انصاری اکبر آبادی: نجم آفندی کے دل کا گداز شگفتہ بیانی کا مظہر تھا اور منفرد انداز بیان سونے پہ سہاگہ۔ درد اور یہ کرب نجم آفندی کی تمام شاعری میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ دردمندی اور یہ احساس نجم کی شاعری کی ایک ایسی لازوال سچائی ہے جس کے سبب وہ ہمیشہ یاد آتے رہیں گے۔

39۔ جناب شیخ انصار حسین: حضرت نجم آفندی نے اپنی تابندہ تصنیف و تالیف کے جواہر پاروں سے اردو ادب کے سرمائے میں ایک قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ عربی، فارسی اور اردو کے شعرا میں نجم آفندی وہ واحد شاعر ہیں جنہیں شاعر اہل بیت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ نجم کی شاعری کی بنیاد مذہبی، اعتقادی و تاریخی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نجم کا مقصد شاعری اس عالم میں انسانی کے مقام کی وضاحت ہے۔ ان کی شاعری کا مقصد انسان کے اصل نصب العین کی نشان دہی ہے۔ اس میثاق کا اعادہ ہے جو انسان نے یوم الست کو کیا تھا۔ انسانی عظمت کی اس انتہا کو ظاہر کرنا ہے جس کے آگے کچھ نہیں، جس سے بلند کوئی نہیں اور جس کے سامنے کوئی عظمت نہیں۔

40۔ جناب سید عاشور کاظمی: فرہاد عصر ڈاکٹر تقی عابدی اب شاعر اہل بیت حضرت نجم آفندی کی جملہ شعری تخلیقات کو ”کائنات نجم آفندی“ کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔ رٹائی ادب میں تنقید کی راہیں متعین کرنے کے علاوہ ڈاکٹر تقی عابدی اہم کتابیں بھی شائع کر رہے ہیں۔ وہ جس کتاب کی اشاعت کا بیڑا اٹھاتے ہیں اس پر وسیع تر تحقیقی کام بھی کرتے ہیں جس سے کتاب کی معنویت دوہرا ہو جاتی ہے۔

نجم آفندی شاعر اہل بیت ہی نہیں، شاعر انقلاب بھی ہیں۔ جدید مرثیے کے افق پر جوش اور جیل مظہری کے ساتھ نجم آفندی کا نام بھی ایک روشن ستارے کی طرح جگمگا رہا ہے۔ جس وقت جوش ملیح آبادی یورجیل مظہری ملت کو جدید مرثیے کی طرف لے جا رہے تھے، اس وقت نجم آفندی اپنے سلام اور نوحوں کے ذریعے

یہی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ ان کے نوحوں میں درد کی تپش کے ساتھ
انقلاب کی گونج تھی۔ انھوں نے کربلا میں خانوادہ رسالت پر کئے گئے ہر ظلم کو
تاریخ کربلا کے ایک باب کی حیثیت سے نظم کیا ہے۔ مثلاً سید سجاد کو بیڑیاں
پہنانے کے درد انگیز منظر کی تصویر کشی نجم کے الفاظ میں یوں کی گئی ہے

سجاد امیر جور ہوئے صد حیف کسی نے یہ نہ کہا
یہ پاؤں ستونِ کعبہ ہیں زنجیر کے پہناتا ہے
نجم آفندی مرثیہ کوئی کی طرف آئے تو اپنے نوحوں کا آہنگ، ماتم کی دستکیں اور
انقلاب انگیز جذبے لے کر آئے۔ پہلا مرثیہ ”فتح مبین“ ۱۹۴۳ء میں کہا جس
کا پہلا مصرع ہی نجم کی انقلابی فکر کا مظہر ہے۔ نجم نے شہادت کو فتح قرار دیتے
ہوئے کہا ہے:

جب لے لیا حسین نے میدان کربلا
ہلا ابو سے رنگِ گلستان کربلا
”معراج فکر“ نجم آفندی کا شاہکار مرثیہ ہے۔ یہ ان دنوں لکھا گیا ہے جب
روس اور امریکہ چاند کی طرف راکٹ بھیجنے کی کوشش کر رہے تھے اور دنیا خلائی
دور میں داخل ہو رہی تھی۔ نجم آفندی کی ترقی پسند فکر نے وقت کے تقاضوں کو
سمجھا اور کہا:

اہل زمیں کی آج ستاروں پہ ہے نظر ممکن ہے کامیاب رہے چاند کا سفر
ہیں اپنی اپنی فکر میں ہر قوم کے بشر مردان حق پرست کا جانا ہوا اگر
عباس نامور کا علم لے کے جائیں گے
ہم چاند پر حسین کا غم لے کے جائیں گے

خلا کی تسخیر ہو گئی۔ ایسا لگتا ہے اب وہ وقت دور نہیں جب نجم آفندی کی پیش گوئی
پوری ہوگی اور خلا میں جہاں جہاں انسان پہنچے گا، عباس کا علم وہاں وہاں لہرائے گا۔
نجم آفندی کی شاعری پر ابھی ٹھوس تنقیدی کام نہیں ہوا ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی جس

انداز سے کام کرتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ کائناتِ نجمِ آفندی کی اشاعت کے بعد نجمِ آفندی لوگوں کی سمجھ میں آئیں گے اور ان کی صحیح حیثیت متعین ہوگی۔

41۔ جناب نسیم امروہوی:

حُسنِ بیاں کی اک کتاب شاعرِ اہل بیتِ نجم
بہرِ قصیدہ و سلام از رو بندش و نظام
نوحہ غم کی راہ میں سبطِ نبی کی چاہ میں
تلائد بزمِ عزمِ نو، صاعقہ عمل کی رو
جذبہ ماتم حسین واقفِ رمزِ شور و شین
نجمِ زمینِ شاعری ماہِ مبینِ شاعری
ذہنِ رسالک کا اوج طبعِ رواں لبّ کی موج
رنگِ سخن سے اس کے فنی پہرہ مطلعِ شفق
دینِ سخن میں وہ زعیم، خطِ صراطِ مستقیم
مدح لکھی ہے بار بار شعر کہے ہیں بے شمار
چند ہی مدح گو ہیں اب، بعدِ ایشِ منتخب
اس کا نہیں کوئی سہیم، جوشِ و رضا ہوں یا نسیم
لکھ دو نسیم باکمال قبر پہ سالِ انتقال
بقعہ پاکِ محوِ خوابِ شاعرِ اہل بیتِ نجم

1975ء

42۔ جناب رئیس امروہوی:

فراقِ نجمِ آفندی کی تفسیر
سرشکِ درد سے اے چشمِ غم لکھ
وہ دانشور وہ شاعر وہ سخنِ سنج
اُسے نکتہ و ر اہلِ حرم لکھ

وہ نوحہ خوانِ شہرِ اب کہاں ہے
ریختہ انسانہ اربابِ غم لکھ
فراقِ حتمِ آفندی مرحوم
”غروبِ اچھم“ اے قلم لکھ

1395 ہجری

43۔ جناب شاہد نقوی:

کیا ہوا گر اہل دنیا نے نہ اس کی قدر کی
کیا ہوا گر اس کی میت تھنہ ماتم رہی
وہ عطاءِ مصطفیٰ سے پائے گا ہر عظیم
اُس کا کیا بگڑا اگر دنیا میں قیمت کم رہی

حُتِ اہل بیت میں مرنا شہادت ہے اگر
عاشقِ آلِ نبیٰ مرنے سے ڈر سکتا نہیں
مر نہیں سکتا اگر کوئی شہیدِ راہِ حق
لاکھ موت آجائے لیکن حتمِ مر سکتا نہیں

44۔ جناب فیض بھرت پوری:

شاعرِ اہل بیت حتمِ افسوس	موت تیری ہے دل کی بربادی
تیرے مرنے سے ہو گئی سنسان	نوحہ دل گداز کی وادی
اپنی دُنیا تو ہو گئی برباد	بڑھ گئی گو جنات کی آبادی
تو نہیں جب تو اب ملے گی کہاں	نظم رنگین اور روشِ سادی
تو جہانِ ثنائے مولانا میں	راہِ نو کا ہے بانی و ہادی
نوحہ و منقبت کی دُنیا میں	کر گیا انقلابِ بنیادی
طبعِ دُنیا سے دور کوشے میں	شہ کا تھا مدحِ خواں بہ آزادی
تیری تاریخِ مرگ لکھتا ہے	فیض جو مرے کا ہے عادی

رحلتِ شاعرِ فنا فی اللہ نجمِ آفندی اکبر آبادی

1975ء

45۔ جناب نفیس فتح پوری:

کوئی شاعر ہو کہ موجدِ فلسفی ہو یا ادیب
ہے فنا سب کا مقدر مہر ہو یا ماہتاب
اپنے دورِ شاعری میں منفرد انداز سے
نجم کی روشن خیالی سے ہوئے رخشندہ تر
شاعری کی آنکھ کا تارا تھا نجمِ ذی حشم
پوربی بولی میں نوستے اور وہ ان کی مٹھاس
اب کہاں وہ نجمِ آفندی کہ جس کی ذات نے
اُس کے ہم عصروں نے ماقدری جو کی تو کیا ہوا
آخری لمحے گزارے آ کے ارضِ پاک پر
دیکھنا ہو جس کسی کو رتبہ نجمِ اے نفیس
پڑھ کے دیکھے اُس کا ہندی فارسی اردو کلام

46۔ جناب زہد فتح پوری:

نجمِ دنیائے فن کو پیارا ہے
رفعتِ حُسنِ شاعری کے لیے
وہ روانی کلام میں گویا
نجم نے اپنا خونِ دل دے کر
مرثیہ ہو کہ منقبت کہ سلام
اک نیا طرز دے کے نوستے کو
ہم کو اک موڑ پر ملا تھا کبھی
کر گیا آہِ محفلیں سونی
آسمانِ ادب کا تارا ہے
نجم بھرپور استغدار ہے
تند دریا کا تیز دھارا ہے
چہرہ فکر و فن نکھارا ہے
اُس نے ہر صنف کو سنوارا ہے
اُس نے ذوقِ سخن ابھارا ہے
جب سے اپنے لئے سہارا ہے
قلبِ حساس پارا پارا ہے

نجم جب خلد میں ہوا داخل بولے شیرِ یہ ہمارا ہے
ندرت فکرِ نجم اے زائد
اُس کے شعروں سے آشکارا ہے

47۔ محترمہ رابعہ نہاں:

دارِ فنا سے نجم بہ سوئے جناں گیا
شاعر تھا اہل بیٹ کا اور ناشقِ رسول
جاری زباں پہ نعتِ نبیؐ مدحِ آلِ تھی
اب قربِ سخن بھی ہے اور سیرِ خلد بھی
کیا مرنے لے کہ لیا اُس کو ہاتھوں ہاتھ
افکار اُس کے آپ ہی اپنی مثال ہیں
نوحہ کیا کبھی نہ زبانِ حسین سے
جذبات پر لگائے وہ نشتر کہ لانا
راہیں نکالیں اُس نے نئی راہِ فکر میں
دنیائے مادی میں وہ اوجھل ضرور ہے
سیرت میں اس کی سیرتِ آلِ رسولؐ ہے
سینے میں اپنے لے کے یہ وصفِ نہاں گیا

48۔ جناب سحر لکھنوی:

شع کے پھول کے مانند، شرارے کی طرح
مطلعِ فکر سے اوجھل ہوا اے شہدِ نظم
شاعر ایسا کہ ہر اک صفِ سخن نے پایا
جس کا ہر شعر تھا اک جلوۂ صد رعنائی
جس کی آواز سکوں بخشِ دلِ شعر و سخن
جس کے افکارِ مودت سے مزین اوراق
نجمِ فن ڈوب گیا صبح کے تارے کی طرح
وہ جو چکا تری قسمت کے تارے کی طرح
فیضِ اک ذات سے اس کی اک ادارے کی طرح
گہرہ ذوق میں جنت کے نظارے کی طرح
غم کے بڑھتے ہوئے طوفان میں کنارے کی طرح
منزلِ مدح میں قرآن کے پارے کی طرح

اُس کی پرواز تخیل تھی کہ معراج ہنر
اپنی آغوش میں پروان چڑھایا اُس نے
قلب پر اُس کے مضامین کا ہوتا تھا نزول
افق شعر پہ اُبھرا تھا مثال خورشید
اقتدار اُس کا مکمل تھا بہر طرز سخن
فکر کے وقت نگاہوں میں سمندر کا سکون
موت سے اُس کی زیاں قوم و ادب نے جھپٹا
زوج نہر کی زیارت کے لیے اے سآثر
رفعت عرش پہ رف رف کے طرارے کی طرح
اک نئے لہجے کو اک راج ڈلارے کی طرح
مصحفِ قدس کے اک تازہ شمارے کی طرح
رہنما بن کے ہدایت کے منارے کی طرح
فن کی اقلیم میں شاہوں کے اجارے کی طرح
زور تخیل میں طوفان کے دھارے کی طرح
ایک ہی لمحے میں صدیوں کے خسارے کی طرح
تجم اب قبر میں اُترا ہے ستارے کی طرح
سال رحلت کے لیے قبر پہ لکھ دو سآثر
تجم ہے دامنِ مدفن میں ستارے کی طرح

1395 ہجری

49۔ جناب کسریٰ منہاس:

چل بے آہ تجمِ آفندی شاعر نکتہ سنج و سحر نگار
شاعر اہل بیت لاریب مدحتِ مانتجن تھا ان کا شعار
کبر و نخوت سے دور رہتے تھے بات کے سچے نیک تھا کردار
سالِ ہجری و عیسوی دونوں شعرِ کسریٰ سے ہو گئے اعتبار
دُرِ یک دانہ نکتہ داں شاعر

1395 ہجری

شاعر نکتہ داں گرامی تبار

1975ء

50- جناب نیساں اکبر آبادی

خیم درخشاں چلا آج سوئے چٹن
بزم ملائک میں یہ ہونے لگا غلغلہ
تذکرہ اہل بیت جس کا تھا شعلِ سخن
خلد میں وہ آگیا شاعر شیریں نوا

1975ء

51- ڈاکٹر ہلال نقوی:

سُن سُنے کوئی تو سُن لے داستانِ انگبار
کہہ رہی ہے انقلابِ دہر کے قدموں کی چاپ
اک ٹپ ہے جو مسلسل ہے رگِ دل میں رواں
یہ خلش جو ڈھل گئی ہے فطرتِ انسان میں
اُجھنوں میں اس قدر مصروف ہے نوعِ بشر
غم مٹانے کے لیے پی ہے جو غفلت کی شراب
ہو گئے ہیں بے خبر اتنے نہیں پروا ذرا
اس قدر بے حس ہیں کیوں؟ آخر یہ انسان سب کے سب
وقت اس آزار کا ہم کو بتاتا ہے سبب
جب سیاسی کجروی ماحول کا بنتی ہے روگ
مفلکی کے نشتروں سے جب ٹپکتا ہے لہو
جب رکوں کو بھوک کا سرطان دیتا ہے چھین
اس قدر سفاک ہو جاتا ہے انسان کا ضمیر
دل میں ہر رخ سے جنم لیتے ہیں پھر مکرو ریا
اک کڑی اس سلسلے کی ہے دلوں کی بے بسی
یاد کا مفہوم ذہنوں سے بھلا دیتے ہیں لوگ
جب معاشی ابتری سے تلملا جاتے ہیں لوگ
زندگی روتی ہے اپنے حالِ غم پر کوہِ کو
آدمی مردوں کے تن سے چھین لیتا ہے کفن
خاک ہو جاتا ہے ذہنوں میں محبت کا خمیر
یہ عمل رہتا ہے جاری سلسلہ در سلسلہ
جس سے بن جاتا ہے غفلت کا نمونہ آدمی
عظمتِ اسلاف کو دل سے منادیتے ہیں لوگ

یوں ابھر کر سامنے آتی ہے ہستی قوم کی

رنگ لاتی ہے نیا مُردہ پرستی قوم کی

آج بھی اس کی ہمارے سامنے ہے اک مثال ایک شاعر جو طریق فکر و فن میں باکمال
وہ بزرگ عالم طرزِ جدید شاعری مرگیا! لیکن خبر تک اہل دنیا نے نہ لی
یہ حقیقت اک حقیقت ہے جو میں کہتا ہوں ٹھیک آدمی گنتی کے تھے اُس کے جنازے میں شریک
اس کی ہستی کے اجالے تیرگی میں سو گئے بے خبر دنیا رہی! اخبار گونگے ہو گئے
ہاں مگر یہ عزم لے کر آئے ہیں اہل ادب کچھ نہیں پرواہ ہم کو چپ رہیں دنیا کے لب

لاکھ اپنی بے حسی دکھائے یہ مجرم ساج

ہم مگر دیتے رہیں گے اس کی عظمت کو خراج

جہم! اے شعرو سخن کے آسماں کے آفتاب تو نے بخشا ہے زلیخائے تفکر کو شباب
اک نئے انداز سے کارِ ادب تو نے کیا تو نے نوجوانوں کو عقیدت کا نیا لہجہ دیا
بالیقیں کہنا پڑے گا یہ کہ ہیں تیرے سلام کر بلا والوں کے مقصد کی اشاعت کے پیام
تیری جدت آفرینی کے اضافے ہیں مزید مرثیہ تیرا ہے اک فکرِ دبستانِ جدید
تیرے باغِ فکر میں کھلتے ہیں فطرت کے کنول کروٹیں لیتا ہے تیرے شعر میں جوشِ عمل
تو نے جذبے کو وفاؤں کا قرینہ دے دیا تو نے اشکوں کو شراروں کا خزینہ دے دیا
طرزِ نو تیرا دماغ و ذہن پر چھانے لگا فکر میں جس کے اثر سے انقلاب آنے لگا
جس کی سچائی کو آسکتا نہیں ہرگز زوال کیوں نہ لکھے وہ حقیقت شعر میں فکرِ بلاآل

جب بھی چھڑ جائے گا ذکرِ جدت ”شعرو پیام“

آئے گا لب پہ ہمیشہ جہم آفندی کا نام

52۔ جناب نسیم امروہوی:

جہم آفندی جمالِ شاعری جہم حسنِ لا زوالِ شاعری
جہم کی فطرتِ کمالِ شاعری جہم کے نوسے مالِ شاعری
جہم تھا آنکھوں کا تارا نظم کا
ہائے ڈوبا وہ ستارا نظم کا

نوحہ کوئی کو دیا فکری پیام سر بہ سرا حساس ہے جس کا کلام
 ہر قصیدہ جس کا اک ماہ تمام کہہ گیا صلوات کے قابل سلام
 منقبت میں بھی وہ تھا فکری صعود
 دل یہ کہتا تھا پڑھے جاؤ درود
 ایسی نظموں کو دیا اُس نے رواج بندی و اردو کا جن میں امتزاج
 کس میں یہ انداز تبلیغی ہے آج وقت کا پہچانتا تھا وہ مزاج
 اُس کی یہ تخلیق تھی اک شاہکار
 اس شریعت کا تھا وہ پروردگار
 نجم تھا افکار نو کی اک کتاب نجم کا ہر شعر خود اپنا جواب
 نجم تھا طرزِ بیاں کا انقلاب نجم کی پیری سخن کا تھی شباب
 نجم زینت تھا عزا کے فرش کی
 فرش پہ کرتا تھا باتیں عرش کی
 یوں اُبھاری شمع بیداری کی نو قوم کے ذہنوں نے پائی جس سے ضو
 وہ لکھے فکری مضامین نو بہ نو جن سے دوڑی ارتقا کی ایک رو
 نجم تھا تابندہ مومن شاعری
 السلام اے نجم اوج شاعری

53- پروفیسر فیضی

بتائید الہی یہ شرف فیضی انہی کا تھا
 عزاوار شہید کربلا تھے نجم آفندی

1975ء

54- جناب خلش پراحصابی

چلے نجم شیریں بیاں دہر سے رہا کچھ نہ اب زندگی کا مزا
 لبا کو ہے فکرِ سالِ وفات سنو تو سناتے اب یار کیا

الف سے الم کے خلش اب تو یوں
ہے لکھا، غمِ نجمِ دائم رہا
1395 = 1394 + 1 ہجری

تیرے افکار کے سورج ہیں درخشاں اے نجم
ہے نئی راہِ سخن طورِ بدماں اے نجم
دھل گئے شعر کے سانچے میں جو جذبات ترے
ہو گئی بزمِ سخن بزمِ فروزاں اے نجم

55۔ جناب کزار حیدر راہی:

فلکِ شاعری کا سیارہ بوستانِ ادب کا شہ پارہ
شاعر سر زمینِ کرب و بلا بتلائے غمِ یامِ ہوا
نئے نوحوں کا موجدِ اول شاعر بے نیازِ صفِ غزل
ہاتھ میں ہے حسینیت کا علم دل میں سلطانِ کربلا کا غم
آنکھ میں اشکِ لب پہ نوحا ہے بس یہی زادِ راہِ عقبی ہے
حجم کی زندگی کا ہر لمحہ از برائے غمِ حسین رہا
لوگ کہتے ہیں مرگیا ہے نجم میں سمجھتا ہوں گھر گیا ہے نجم
مسکراتا ہے باغِ جنت میں
سید کربلا کی خدمت میں

56۔ علامہ سید ابن حسن جعفری: خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ جذبہ غم کے روح پرور

ترجمان اور ”تہذیبِ موڈت“ کے شیوا بیان شاعر حضرت نجمِ آفندی تقریباً آدھی
صدی تک ہمارے دل و دماغ پر چھائے رہے۔

مرحوم کا شمار ان گنے چنے تخلیق کاروں میں ہوتا ہے جن کے سنبھلے ہوئے مزاج
نے نئی راہیں بنائیں۔ جدید عنوان دیئے۔ تازہ فکر عطا کی اور ہمارے ذہنوں کو

بالکل اچھوتے اسالیب سے روشناس کروایا۔ فی الواقع جہم بہت بڑے انسان
عظیم مفکر اور ہماری صدی کے ممتاز اور منفرد سخن طراز تھے۔ انھوں نے نصف
صدی میں جس صنف ادب کا پیش بہا ذخیرہ مہیا کیا ہے اس میں اتنی تاب و
تواں ہے کہ صدیوں تک انسانی شعور کی ہدایت کرتا رہے گا۔
نیز جہم کا نام ہر ستارے سے زیادہ چمکتا رہے گا اور اسی نیک ذخیرہ کی بدولت
آخرت میں بھی انھیں بہت نمایاں مقام حاصل ہوگا۔

57۔ علامہ مرزا یوسف حسین لکھنوی (پرنسپل مدرسۃ الواعظین لاہور): شاعرِ حسدیت حضرت جہم

آفندی اکبر آبادی اعلیٰ اللہ مقامہ وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے حضرت سید
اشہد اعلیہ السلام کے عظیم المثل کارناموں کی نئے انداز میں تصویر کشی کی۔
فلسفہ حسدیت کو وسعت دی اور اس ذکر کی نئی راہیں نکالیں اور ہر اہم مقصد کو
ایسے سادہ الفاظ اور روزمرہ میں ادا کیا جس سے ہر خاص و عام لطف اندوز ہوتا
رہا اور ہر کہی ہوئی بات دل میں اترتی رہی۔

ان کا کلام شعر بھی تھا اور تبلیغ بھی۔ وہ اس فن کے مسلم الثبوت بادشاہ تھے۔ وہ
کلام کے نہیں کلام ان کے تابع تھا۔ ان کے کلام میں آمد ہی آمد ہے۔ کہیں
آورد کا نام نہیں۔ ان کی ہر نظم نظم بھی ہے اور نثر بھی۔ ایسی سخن آفرینی جو حقیقت
کے مطابق ہو ان کی فطرت میں داخل تھی۔ ان کے ایسے بلند پایہ شاعر فلک نے
کم دیکھے ہوں گے۔ یو۔ پی اور پنجاب ہر جگہ ان کے شاگرد موجود ہیں۔ جناب
رزم (ردلوی) جناب مضطر حیدری اور جناب جلیس ترمذی صاحب کے بلند
پایہ کلام ان کے استاد کی عظمت پر گواہ ہیں۔

انھوں نے لغت کی ایک کتاب بھی تالیف کی تھی جسے دیکھنے کا بے حد شوق ہے۔
جیسا ان کا کلام، ویسا ان کا عمل۔ نہایت سادہ مزاج، وسیع الاخلاق، متواضع اور
منکسر، نحیف و زار مگر دل شیروں جیسا جوان تھا۔

سب سے پہلے 1939ء میں لکھنؤ کے محاذ میں شرف ملاقات حاصل ہوا اور کئی

ہفتہ ساتھ رہا اور آخر میں 1973ء میں لاہور شب پانزدہم شعبان کو لب دریا نیاز حاصل ہوا۔ ساری عمر حیدر آباد میں گزاری۔ اب پاکستان میں قیام کا ارادہ تھا مگر موت نے مہلت نہ دی اور ہمیشہ کے لیے قیام ہو گیا۔ یہاں کی مٹی انھیں حیدر آباد (اے۔ پی) سے کھینچ لائی تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔“

58۔ الحاج محمد بشیر انصاری: ”میں ایسے شاعر رفیع الفکر، دقیق النظر، بلغ الکلام، مداح اہل بیت عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قدر و منزلت کے لیے کیا لکھ سکتا ہوں جن کے لیے آل محمد علیہم السلام نے بالتحقیق فرمایا ہو کہ ہمارے مادحین کے لیے روح القدس مقرر ہے کہ وہ ان کی تائید و تسدید کرے اور ان کی ہر بیت کے عوض جنت میں ایک بیت مہیا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جناب نجم آفندی علیہ الرحمہ کو جوار اہل بیت علیہم السلام و الثنا میں منبر مدحت و منتجبہ عطا فرمائے۔

59۔ مولانا پروفیسر خولجہ محمد لطیف انصاری: شاعر اہل بیت حضرت نجم آفندی اعلی اللہ مقامہ کی وفات حسرت آیات کی خبر میں آپ کے گرامی نامہ سے پیشتر ہفت روزہ ”اسد“ اور ”شہید“ میں پڑھ چکا ہوں۔ حقیقتاً نجم کی شاعری اور مدح ثنائی اہل بیت اور ان کے نوحوں میں سوز و گداز اپنی مثال آپ تھا۔

یہ ہماری بد نصیبی کا زمانہ ہے کہ اس قوم کے درخشندہ ستارے یکے بعد دیگرے غروب ہو رہے ہیں۔

نجم کی وفات حسرت آیات کی گمنامی قوم کی بد نصیبی ہے مگر جن ذوات قدسیہ کے لیے وہ مدح ثنائی فرماتے رہے، ان کے نزدیک اس کا اجر محفوظ ہے۔

60۔ علامہ حکیم محمد گیانی: مرحوم ساری عمر خدمت ملت اور مداحی معصومین میں مصروف رہا اور جب دنیا سے رخصت ہوا تو آنسو بہانا تو درکنار کسی نے ٹھنڈی آہ بھی نہ بھری۔ اللہ عز و جل مرحوم کو جوار اہل بیت میں جگہ دے۔

- 61۔ جناب سید ریاض الرحمن: ”قبلہ نجم آفندی کی موت ایک فرد کی موت نہیں ایک باشعور قوم و شعراء کے طبقہ کی موت ہے مگر افسوس تو اس قدر ہے کہ قومی شاعر ہوتے ہوئے گمنامی کی موت ہماری بے حسی کے لیے زبردست چیلنج ہے۔“
- 62۔ جناب منظر: مرحوم رہنما تھے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت نصیب کرے ایسے آدمیوں کا پیدا ہونا مشکل ہے۔
- 63۔ حضرت گوہر جعفری: بلاشبہ علامہ نجم آفندی کے بعد شعبہ ادبیات کا ایک باب ایک ادارہ ایک مہتمم بالشان انجمن اور سوسائٹی کا خاتمہ ہو گیا۔
- 64۔ جناب سید فقیر حسین شیرازی: قبلہ نجم صاحب کی وفات حسرت آیات قوم کے لیے ایک ناقابل تلافی صدمہ ہے۔
- ع: جب احمد مرسل نہ رہے کون رہے گا
- 65۔ جناب تسلیم ترمذی کربلائی: ”علامہ نجم آفندی وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون: اب کس کس کو رویا جائے؟ ان کی موت پر آنسو بہائے جائیں۔ یا ان کی غریب الوطنی اور قوم کی بے حسی کا رونا رویا جائے۔ مرحوم ساری زندگی مدح اہل بیت علیہم السلام کرتے رہے۔ خدا رسول اور ائمہ معصومین کے نزدیک ان کے مدارج بہت بلند ہیں۔ انشاء اللہ۔“
- مجھے وہ وقت نہیں بھولتا جب 1972ء میں جلیں صاحب کے ساتھ شمیم کاظمی کے ہاں میرا جانا ہوا۔ وہاں نجم آفندی مرحوم نے جس پدرانہ شفقت کا اظہار فرمایا اور جو پُر خلوص دعائیں دیں، ان کا اثر اب تک محسوس ہو رہا ہے۔ خدا انھیں جنت و کوثر عطا فرمائے۔
- 66۔ بیگم سیدہ بلقیس اعجاز: اتنے بڑے قومی شاعر کی اس المناک موت سے دل کو بہت رنج پہنچا۔ ان کے اعزہ نے کسی کو خبر تک نہ دی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس عظیم شاعر کی موت کی خبر کو صیغہ راز میں کیوں رکھا گیا۔
- مجھے نجم آفندی کا یہ شعر بہت یاد آتا ہے:

دریا سے تجھے پار اُترنا ہے بہر حال
 طوفان کے کاندھے پہ قدم رکھ کے اتر جا
 مرنے والے تو مر جاتے ہیں لیکن اپنی ایسی یادیں پیچھے چھوڑ جاتے ہیں کہ لاکھ
 بھلائیں نہیں بھولتے۔

آنکھ سے دور سہی دل سے کہاں جائے گا
 مرنے والے تو ہمیں یاد بہت آئے گا
 حضرت علامہ نجم آفندی اعلیٰ اللہ مقامہ کی یاد میں جناب قدر عریضی سرپرست ادارہ ”قدر
 ادب“ نے یکم فروری ۱۹۷۶ء کو ایک طرحی محفل دوہیت و مسالہ منعقد کی تھی۔ جن شعرا نے رباعیات
 اور قطعات میں نجم آفندی کی شخصیت اور فن کی قدر دانی کی وہ یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔
 67۔ جناب آرا رکیمنہ الہام:

دنیا میں رہے تابعِ فرمانِ حسین
 عقبیٰ کا سکون ملا بہ فیضانِ حسین
 رضواں سے پتہ ہم نے جو پوچھا تو کہا
 ”جنت میں ہیں نجمِ نیرِ دامنِ حسین“

68۔ جناب ڈاکٹر اسد انصاری:

تھا اُن پہ اسد سایہ دامنِ حسین
 دنیا میں وہ کہلائے ثنا خوانِ حسین
 جو کل تھا وہی آج بھی باقی ہے ربط
 ”جنت میں بھی ہیں نجمِ زخا صانِ حسین“

69۔ جناب بشیر احمد ارمان قریشی:

تھا نجم کا دل اصل میں ایوانِ حسین
 جب تک جئے دل میں رہا ارمانِ حسین

اب آل محمدؐ کی محبت کے طفیل
”جنت میں ہیں جہم زیرِ دامنِ حسین“

70۔ جناب اکمل آلہ وری:

ہر شانِ حسین کی ہے شایانِ حسین
فیضانِ نبیؐ، علیؑ ہے فیضانِ حسین
مداح کو اپنے پاس بلوا ہی لیا
”جنت میں ہیں جہم زیرِ دامنِ حسین“

71۔ جناب ادیب حیدر آبادی:

وہ شاعر مدح تھے ثنا خوانِ حسین
حاصل ہے وہاں بھی انہیں فیضانِ حسین
ہے اُن پہ گرم اسی وسیلہ کا ادیب
”جنت میں ہیں جہم زیرِ دامنِ حسین“

72۔ جناب باقر رضوی امانت خانی:

رکھتے تھے مرحوم ہر صفِ سخن پر دستگاہ
ایک ہی دُھن اُن کو تھی شاعر تھے اہلیت کے
اُن کے خامہ نے لکھا جب قصہٴ یومِ غدیر
جشن اور مجلس پہ ان کی فکر کا یوں تھا اثر
جوہر مدح امیرالمومنین رکھتے تھے وہ
عمر بھر کرتے رہے آلِ محمدؐ کی ثنا
بالیقیں اُن کی زمین شاعری تھی حشرِ خیز
سلح کل مسلک تھا وہ رکھتے نہ تھے خوئے ستیز
فکر کے شہب نے کی میدانِ غم میں جست و خیز
اشک انشاں ان کے نوے اور قصائدِ عطر بیژ
شعر لکھتے وقت اُن کا کلک تھا الماس ریز
کی ہمیشہ مدح غیرِ آلِ احمدؑ سے گرین

اس طرح باقرؒ نے کھینچا منظرِ سالِ وفات
اب فلک سے شاعری کے جہم ٹوٹا جلوہ ریز

۱۹۷۵ء

73۔ جناب سید شاہ نصیر الدین بٹل:

سب کو یہ سناتے رہے فرمانِ حسین
ان کے لیے ایمان تھا ایقانِ حسین
ہر سانس پہ تھے حسین کے یہ بے
”جنت میں ہیں جہم زبیر دامنِ حسین“

74۔ جناب ابوالحسن عابدی حسن:

حاصل تھی یہ دولت بھی بہ فیضانِ حسین
دیکھ آئے تھے وہ رونقِ ایوانِ حسین
جب فکرِ مقام کی تو ہاتھ نے کہا
”جنت میں ہیں جہم زبیر دامنِ حسین“

75۔ جناب خورشید جنیدی

احساس تھا وائے دامنِ حسین
کی مدح تمام عمر شاپانِ حسین
محفل میں نہیں بذاتِ خود جہم مگر
بے جسم ہے طلعتِ ثنا خوانِ حسین

۱۹۷۵ء

76۔ جناب عرب شاہ خالد کشری:

قسمت کے دھنی ہیں سب غلامانِ حسین
ماتا ہے بہر حال انہیں فیضانِ حسین
جو ”شاعرِ ہلیٹ“ کہلاتے رہے
وہ جہم ہیں اب شمعِ شبتانِ حسین

77۔ جناب سید ارشاد احمد دراک قنوجی:

حاصل رہا دنیا میں بھی فیضانِ حسین
عقبیٰ میں بھی پایا ہے گلستانِ حسین
اللہ نے دی جہم کو عظمتِ دراک
جنت میں ہیں وابستہ دامنِ حسین

78۔ جناب شاہد حیدری

وہ شاعر خوش فکر ثنا خوانِ حسین
قدرت سے ملا تھا جن کو عرفانِ حسین
وہ رومیِ فداک کہہ کے دم توڑ دیئے
”جنت میں ہیں جہم زیرِ دامنِ حسین“

79۔ جناب طاہر عابدی

تھے شاعرِ ہلیٹ قربانِ حسین
اُن پر تھا سدا نزولِ فیضانِ حسین
رضواں کی صدا آئی یہ مجھ کو طاہر
”جنت میں ہیں جہم زیرِ دامنِ حسین“

80۔ جناب طالب اسدی:

حاصل جنہیں ہو جانا ہے عرفانِ حسین
کہلاتے ہیں وہ لوگ غلامانِ حسین
مر کر بھی وہ محروم رہیں ناممکن
”جنت میں ہیں جہم زیرِ دامنِ حسین“

81۔ جناب میرزا عادل منجھی:

وہ بلبل خوش گوائے بستانِ حسین
ہر سانس میں تھا نعمۂ فیضانِ حسین

77۔ جناب سید ارشاد احمد دراک قنوجی:

حاصل رہا دنیا میں بھی فیضانِ حسین
عقبیٰ میں بھی پایا ہے گلستانِ حسین
اللہ نے دی جہم کو عظمتِ دراک
جنت میں ہیں وابستہ دامنِ حسین

78۔ جناب شاہد حیدری

وہ شاعر خوش فکر ثنا خوانِ حسین
قدرت سے ملا تھا جن کو عرفانِ حسین
وہ روجی فداک کہہ کے دم توڑ دیئے
”جنت میں ہیں جہم زیرِ دامنِ حسین“

79۔ جناب طاہر عابدی

تھے شاعرِ ہلیٹ قربانِ حسین
اُن پر تھا سدا نزولِ فیضانِ حسین
رضواں کی صدا آئی یہ مجھ کو طاہر
”جنت میں ہیں جہم زیرِ دامنِ حسین“

80۔ جناب طالب اسدی:

حاصل جنہیں ہو جانا ہے عرفانِ حسین
کہلاتے ہیں وہ لوگ غلامانِ حسین
مر کر بھی وہ محروم رہیں ناممکن
”جنت میں ہیں جہم زیرِ دامنِ حسین“

81۔ جناب میرزا عادل منجمی:

وہ بلبل خوش کوائے بستانِ حسین
ہر سانس میں تھا نعمۂ فیضانِ حسین

رکھتے ہو اگر ہوشِ نظر تو دیکھو
”جنت میں ہیں جہمِ زیرِ دامنِ حسین“
86۔ جناب محمد عبدالکریم ماہر:

چھوٹا نہ کبھی ہاتھ سے دامنِ حسین
تا عمر رہے تابعِ فرمانِ حسین
بخشش کے لیے ان کی یہی کافی ہے
تھے جہمِ افندی جو ثنا خوانِ حسین
87۔ جناب میر محمد علی وفا:

کرتے تھے بیاں وسعتِ امکانِ حسین
روشن تھی نظر بہ فیضِ عرفانِ حسین
مرنے ہی گئے خدمتِ شیر میں وہ
”جنت میں ہیں جہمِ زیرِ دامنِ حسین“
88۔ جناب وقار جعفری:

کہلاتے ہیں جیتے بھی مجبانِ حسین
مرتے ہیں تو پالیتے ہیں دامنِ حسین
شیر کے قدموں میں ہیں اب جہمِ وقار
احسانِ حسین ہے یہ احسانِ حسین
89۔ جناب آغا ہاجر:

حاصل نہ ہو کیونکر انہیں عرفانِ حسین
جو لوگ دل و جاں سے ہیں قربانِ حسین
کہتے ہیں فلک کے یہ ستارے ہاجر
”جنت میں ہیں جہمِ زیرِ دامنِ حسین“

بَاب دوم

مضامین

حیات

شخصیت

اور

فنِ شاعری

حیات، شخصیت، فنِ شاعری

صفحہ نمبر

1. نجم آفندی (نایاب تحریر) سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی 125
2. نجم آفندی - ایک مطالعہ جناب ضیاء الحسن موسوی 131
3. نجم آفندی کا اسلوب شاعری راحت حسین ناصری 142
4. شاعر اہل بیت اور ان کے پیغامات ڈاکٹر سید علی مومن 151
5. علامہ نجم آفندی کی نثر نگاری ڈاکٹر محمد احسن فاروقی 183
6. نجم آفندی کی ہندی شاعری امیر امام خاں 189
7. شاعر اہلیت علامہ نجم آفندی سید باقر حسن زیدی 195
8. نجم آفندی کا تابندہ کلام ڈاکٹر شیخ انصار حسین 203
9. نجم آفندی کی عزائم شاعری ڈاکٹر نظیر نبین زیدی 209
10. نجم آفندی اپنے خطوط کے آئینے میں شمشاد حسین رضوی 213
11. نجم آفندی اور پاکستان سید ہاشم رضا 224
12. نجم آفندی پاکستان میں علامہ سید ضمیر اختر نقوی 229
13. شاعر اہل بیت حضرت نجم آفندی جناب کسرتی منہاس 241
14. علامہ نجم آفندی کی شخصیت اور فن ڈاکٹر ریاض فاطمہ تشہیر 246
15. نجم درخشندہ جناب واصف عابدی، سہارنپوری 263
16. جناب نجم آفندی کی شخصیت جناب سید معز الدین قادری ملتانوی 266
17. تعارف نجم آفندی جناب قدر عریضی 284

سید العلماء مولانا علی نقوی کے نایاب مضمون کا ایک صفحہ

سید العلماء مولانا سید علی نقوی

ناایاب تحریر

..... اس سلسلہ میں اب وہ مضمون درج کر رہا ہوں جو چند سال پہلے ان کی زندگی میں میں نے ان کے ایک لائق پاکستانی شاگرد مضطر صاحب کی فرمائش سے لکھا تھا جو ان کے حالات میں ایک کتاب لکھ رہے تھے یا لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ وہ مضمون حسب ذیل تھا۔

شاعر اہل بیت جناب نجم آفندی سے میں اس وقت سے واقف ہوں جب وہ جوان تھے اور میں بچہ تھا یا اوائل زمانہ بلوٹ کا دور تھا جسے عموماً بچہ ہی کہا جاتا ہے اور آپ سے اس وقت میں نجم آفندی نہیں بلکہ مرزا خٹل حسین اور شاعر نہیں بلکہ ایک پر جوش مضمون نگار کی حیثیت سے واقف ہوا تھا۔

وقت وہ تھا جب پہلی جنگ عظیم میں ترکی کے جرمنی کے ساتھ ہونے کی وجہ سے انگریزوں نے اس کے خلاف معرکہ آرائی کی اور عراق جو اس وقت ترکی کے زیر حکومت تھا، برطانوی فوجوں کے حملہ کا مرکز بنا اور علمائے عراق نے جن کے سرگروہ پہلے سرکار مرزا محمد نقی شیرازی تھے اور پھر اسی دوران میں ان کی وفات ہو جانے کی وجہ سے شیخ اشرفیہ فتح اللہ اصفہانی معروف باتائے شریعت ہوئے تھے، انگریزوں کے خلاف حکم جہاد دے دیا اور اس سلسلہ میں انگریزوں کی طرف سے نجف اشرف پر گولہ باری ہوئی جس کے ذیل میں معلوم ہوا کہ روضہ امیر المومنین کو بھی کچھ نقصان پہنچا۔ اس کے پہلے آزادی ہند کی تحریک گاندھی جی کی زیر سرکردگی چل رہی گئی۔ ترکی پر حملہ کی وجہ سے مسلمان اکثریت علی برداران کی قیادت میں ان کے ساتھ متحد ہو گئی اور خلافت کمیٹی قائم کی تھی۔ شیعہ اب تک خاموش تھے مگر گولہ باری نجف کی خبر سے شیعوں میں بھی تلاطم ہو گیا اور لکھنؤ میں انجمن خدام عتبات عالیات قائم ہوئی جس کے سکریٹری جناب حکیم میرن صاحب مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے، جناب حکیم صاحب عالم صاحب کے چھوٹے بھائی محمد نواب صاحب تھے جو اس سلسلہ میں جیل بھی گئے۔ ان کے علاوہ ایک ہمارے خاندانی بزرگ جناب

حکیم سید علی صاحب آشفقہ بھی جو ہمارے والد ماجد اعلیٰ اللہ مقامہ کے عزیز شاگرد تھے، جیل گئے۔

لکھنؤ میں اس سلسلہ میں جو احتجاجی جلسے ہوئے، ان میں ہمارے والد ماجد صاحب ممتاز العلماء مولانا سید ابوالحسن الہوی طاب ثراہ پیش پیش تھے اور ہمارے چچا جناب علامہ مہدی اعلیٰ اللہ مقامہ تو کانگریس سے بہت قریب ہو گئے تھے اور انگریزوں کے مقاطعہ اور ترک موالات کی تحریک کے بہت گرمجوش موید ہوتے ہوئے بالکل کھدر پوش ہو گئے تھے۔ باہر کے علماء میں جناب مولانا یوسف حسین صاحب قبلہ امرہوی اور جناب مولانا سید سبط نبی صاحب قبلہ نوگانووی اور بمبئی کے ایرانی عالم ثقہ الاسلام شیخ عبدالرحیم بلبلیہ ایران کے کوہ تاف والے علاقہ کے رہنے والے تھے جس پر روس کا قبضہ ہو گیا اور وہ تحریک مشروطیت ایران سے جلا وطن ہو کر ہندوستان میں پناہ گزیں ہو گئے تھے، اس تحریک میں پیش پیش تھے۔ آٹائے بلبلیہ نے بڑے جلسہ کی صدارت بھی کی تھی۔ دیگر اکابر علمائے لکھنؤ چونکہ انگریزوں کی مخالفت کو بڑی خطرناک شے سمجھتے تھے اور اس تحریک میں براہ راست انگریزوں سے ٹکرنے کی صورت تھی اس لیے وہ تحریک کی اگر مخالفت نہیں بھی کر رہے تھے تو ہمت شکن بے تعلقی سے کام لے رہے تھے۔ اس وقت شیعہ اخباروں کے صفحات پر بڑے پرجوش اور پُراثر مضامین مرزا خلیل حسین صاحب کے شائع ہو رہے تھے جن میں اس تحریک سے بے تعلقی اختیار کرنے والوں پر غم و غصہ کا اظہار بڑے تلخ انداز میں ہوتا تھا۔

اس ذیل میں ایک بڑا اہم واقعہ یہ ہوا کہ اکابر علمائے لکھنؤ میں سے ایک بزرگوار اس زمانہ میں زیارت کے لیے گئے، یہ کہہ کر کہ میں جا کر تحقیق کروں گا اور گنبد امیر المومنین کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں گا کہ کولہ باری کی خبر صحیح ہے یا نہیں۔ فطری طور پر تمام افراد قوم نے یہ زمانہ بڑی بے چینی سے کاٹا۔ جب ممدوح لکھنؤ واپس آئے تو فوراً ہی ممتاز افراد شیعہ کا ایک وفد جس میں جناب حکیم امیر حسین صاحب مرحوم وغیرہ تھے۔ ممدوح سے ملا۔ ممدوح نے تفصیل کے ساتھ مظالم عراق کا تذکرہ فرمایا اور بتایا کہ گنبد امیر المومنین پر گولوں کے نشان موجود ہیں جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ ان حضرات نے وہاں سے آکر ایک چوصفہ

”مظالم عراق عرب حسب بیان سرکار..... دام ظلہ العالی“ کے عنوان سے اپنے

دستخطوں کے ساتھ شائع کر دیا مگر اس کے شائع ہونے کے بعد شاید حکومت برطانیہ کی طرف سے کچھ چشم نمائی ہوئی یا جو بھی وجہ ہو، بہر حال موصوف کی طرف سے انکار ہو گیا کہ میں نے یہ چیزیں بیان نہیں کی تھیں۔

واعظین میں سے بھی ایک صاحب اس زمانہ میں غنابات عالیات سے مشرف ہو کر آئے تھے، انھوں نے بڑے زور و شور سے منبروں پر انگریز بہادر کی صفائی پیش کرنا شروع کر دی۔ اس سے افراد قوم میں بڑا غم و غصہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جناب مرزا قجلی حسین صاحب کے متعدد مضامین شائع ہوئے۔ پھر آپ نے ان مضامین کو ترک موالات وغیرہ کے متعلق متعدد علماء کے فتاویٰ کے ساتھ ایک کتاب کی صورت میں جمع کر کے یہ مجموعہ ہمارے والد ماجد ممتاز العلماء طاب ثراہ کو ملاحظہ کے لیے دیا تھا جو بعد میں کسی وجہ سے موصوف واپس نہ لے سکے۔ یہ جناب مرحوم کے کاغذات میں رہا جسے میں نے بچپن کے وقت سے دیکھا تھا۔ چند سال اُس طرف جناب جٹم سے حیدر آباد میں ملاقات ہوئی تو میں نے اس قلمی مسودہ کا تذکرہ کیا اور پھر موصوف کی فرمائش پر دوسری دفعہ اسے اپنے ساتھ لیتا گیا اور مدوح نے اس کو مجھ سے لے لیا۔

انجمن خدام غنابات عالیات کے دور کے ان مضامین کے بعد درمیانی دور میں جبکہ میری لکھنؤ میں طالب علمی کا دور تھا، میں جناب قجلی حسین صاحب اور جناب جٹم صاحب، کسی سے بھی پھر واقف نہیں رہا، یہاں تک کہ میں حکیم کے لیے عراق چلا گیا اور وہاں کے اشغال علمی میں منہمک رہا۔ اس دوران میں سرفراز اخبار میرے پاس بالالتزام جاتا تھا، اس لیے جناب جٹم صاحب کی نظمیں جو اس میں ضرور شائع ہوتی ہوں گی، میری نظر سے یقیناً گزرتی تھیں مگر مجھے کوئی خاص توجہ نہیں ہوئی۔ یہی وہ دور ہے جس میں لوگ قجلی حسین کو جیسے بالکل بھول گئے اور اب قوم میں جناب جٹم بحیثیت قصیدہ گر اور اس سے زیادہ بحیثیت ایک خاص طرزِ نوحہ و ماتم کے موجد کے امتیازی شہرت کے مالک ہو گئے۔ میں عراق سے حکیم کے بعد ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء میں واپس آیا۔ مگر اس کے بعد بھی عرصہ تک مجھے جناب جٹم کے مشاہدہ کا موقع نہیں ملا یہاں تک کہ لوہامندی، آگرہ میں میری شادی ہو گئی اور اس سلسلہ میں وہاں میری آمد و رفت ہو گئی اور کبھی کبھی کئی مہینے قیام رہا۔ اس وقت جہاں تک مجھے یاد ہے، سب سے پہلے میں نے جناب جٹم

صاحب سے ملاقات اس وقت کی جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ معدہ کے شکایات کی وجہ تشویشناک حد تک بیمار اور صاحب فراش ہیں۔ اپنے تاثرات تو اس وقت کے یاد نہیں مگر قیاس یہ کہتا ہے کہ آپ کا کلام جو اخباروں میں نظر سے گزرا تھا اس کا اثر ہی ہو سکتا ہے کہ مجھے غائبانہ ایک تعلق خاطر مدوح کے ساتھ پیدا ہوا جس کی وجہ سے یہ یاد نہیں کہ کس کے ساتھ، مگر بہر صورت میں آپ کی عیادت کو گیا، ورنہ حکم شریعت تو یہ ہے کہ ہر مسلمان کی عیادت کرنا چاہیے مگر عمل درآمد اس پر کہاں ہے؟ جب تک کسی سے شناسائی ہی نہیں، بلکہ عرف عام میں جسے ”ملاقات“ کہتے ہیں نہ ہو، اس وقت تک ہم لوگ کسی کی عیادت کو کہاں جاتے ہیں اور میں تو اس سلسلہ میں بہت زیادہ بے توفیق ہوں جس کی کمی میں اپنے میں محسوس کرتا ہوں۔ میں بہت سے اچھے خاصے ملنے والوں کی عیادت کو اکثر نہیں پہنچتا جبکہ ارادہ بھی کرتا ہوں مگر بغیر سابق کی ملاقات کے، میں جناب نجم صاحب کی عیادت کو چلا گیا۔ یہ موصوف کا غائبانہ دل پر اثر ہی ہو سکتا ہے۔

مجھے اس وقت کی موصوف کی صورت بھی اس وقت تک یاد ہے۔ وہ بہت ضعیف، زار و نزار نظر آئے اور تقریباً نشست و برخاست سے بھی معذور تھے۔ یقیناً رسمی طور پر نہیں بلکہ دل سے میں نے ان کے بازو پر دعا پڑھی اور جب آیا تب بھی دل سے یہی دعا تھی کہ یہ اچھے ہو جائیں اور تادیر سلامت رہیں۔ اس کے بعد موصوف اچھے ہو گئے اور پھر مجھے شاید بہت دن تک مدوح سے ملاقات کا موقع نہیں ہوا۔

ادھر تصانیف وغیرہ کی صورت سے میرے ناچیز جذبات جو موصوف کی نظر سے گزرتے تھے، ان سے ان کو مجھ سے تعلق کچھ بڑھتا گیا ہوگا اور ادھر ان کے نتائج فکر جو اخباروں میں آتے تھے، ان سے میں نے محسوس کیا کہ ان کا وجود اور انداز شاعری اس وقت قوم کی ایک بہت اہم ضرورت کو پورا کر رہا ہے، یہاں تک کہ شیعہ سنی کے درمیان مدح و قدح کے جھگڑے نے شدت اختیار کی اور شیعوں کا وہ مشہور ایجنیشن ہوا جس میں اٹھارہ ہزار شیعہ جیل چلے گئے تھے۔ بوجہ میں نے اس ایجنیشن میں حصہ نہیں لیا تھا مگر جب سنا کہ جناب آفندی جیل گئے تو میں لکھنؤ کی جیل میں، جو چار باغ کے آگے ہے، قیدیوں سے ملاقات کے لیے گیا تھا اور اس وقت کی صورت بھی شاعر اہل بیت کی حافظہ کے خزانہ میں امتیازی طور پر محفوظ ہے جب وہ لوہے کے کٹہرے میں

تھے اور میں باہر سے ان سے صاحب سلامت کر رہا تھا اور شاید مختصر گفتگو بھی۔

اب اس کے بعد وہ دور آتا ہے جب میں نے تحریک یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ کے سلسلہ میں کام شروع کیا۔ اس وقت جناب نجم کار یاست محمود آباد سے تعلق تھا۔ میں تحریک کے سلسلہ میں تعاون حاصل کرنے کے لیے تقریباً ہر کار آمد آدمی سے مل رہا تھا۔ چنانچہ محمود آباد ہاؤس میں جناب نجم کے پاس گیا اور یادگار کے منصوبہ کو موصوف سے بیان کیا اور آپ نے گرمجوشی سے اس میں تعاون کا وعدہ کیا۔ اس ملاقات کے ذیل میں آپ نے اپنی نوحہ کوئی کی ایک خصوصیت کا تذکرہ فرمایا تھا جس پر مجھے اس وقت تک توجہ نہ تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے جناب نجم کے نوجوں کے پڑھنے والے اس خصوصیت کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ میں بھی دیگر اشخاص کی طرح موصوف کے نوحہ کی خصوصیت، نوعیت مضامین کے لحاظ سے سمجھتا تھا مگر یہ اسلوب بیان کی وہ خصوصیت ہے جس کی طرف اس ملاقات کے بعد توجہ ہوئی اور پھر برابر توجہ رہی۔

وہ خصوصیت یہ ہے کہ عموماً نوحہ کو حضرات کسی کی زبانی نوحہ کرتے ہیں، مثلاً بانو نے کہا یا سکینہ کہتی تھیں یا جناب زینب فرماتی تھیں۔ یہ نوحہ حقیقت میں نقل قول یا روایت نوحہ کہا جاسکتا ہے۔ خود نوحہ نہیں ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ علماء کو اس کے جواز کے لیے ”زبان حال“ کا دامن تھا منہ پڑتا ہے کیونکہ وہ اقوال جو ان حضرات کی زبانی نظم ہوتے ہیں، عموماً کسی کتاب میں ان حضرات کے قول کی حیثیت سے وارد نہیں ہوئے ہیں۔ جناب نجم کے یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ وہ نوحہ میں جن تاثرات کو درج کرتے ہیں وہ خود ان کے تاثرات ہوتے ہیں، یوں کہنا چاہیے کہ وہ خود نوحہ کرتے یا واقعہ کر بلا پر درد انگیز انداز سے تبصرہ کرتے ہیں اور اس طرز کی ابتدا غالباً آپ ہی نے کی ہے۔

جیسا کہ آپ نے وعدہ فرمایا تھا، یادگار حسینی کی تحریک میں آپ نے بڑے ہتھاک کے ساتھ تعاون فرمایا۔ چونکہ اس سلسلہ کے اجتماعات بین الاقوامی ہوا کرتے تھے، اس لیے آپ کا طرز ادا واقعات کر بلا کے متعلق ان اجلاسوں کے لیے بڑی مخصوص کار آمد حیثیت رکھتا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ آپ کی ہندی بھاشا کی نظم ”کر بل بیتی“ بڑی موثر ثابت ہوتی تھی۔ بھرت پور وغیرہ کے یادگار حسینی کے جلسوں میں اس نظم کے غیر معمولی اثرات دیکھنے میں آئے۔ یہ نظم

۱۳۶۱ھ میں شائع ہونے کے بعد پھر امامیہ مشن کے لٹریچر کا ایک جز بن گئی۔

جب ایک طبقہ کی طرف سے قوم میں میرے خلاف شدید محاذ قائم کیا گیا تو جناب ججم کے عملی استقلال، پختہ نگاہی اور ثابت قدمی کا وہ جوہر سامنے آیا جس کا اس کے پہلے تجربہ نہ ہوا تھا۔ میرے خیال میں تو اس شدید مخالفت میں جو مجھ سے تمام لوگوں کو دور کرنے کے لیے کی گئی، وہ لوگ پہلے سے زیادہ مجھ سے قریب ہو گئے، ان کی سب سے آگے کی صف میں جناب ججم تھے۔ بالخصوص جب سے نظام الدین صاحب کے یہاں ماہ جمادی الاول میں میرے حیدر آباد جانے کا سلسلہ قائم ہوا اور پھر حضور نظام کے آخر زندگی تک سال میں دو ایک اور کبھی تین دفعہ ان کے یہاں جانا ہوتا تھا، اس وقت سے مدوح کی محبت میں مجھ سے بہت اضافہ ہو گیا اور مجھے بھی زیادہ قریب سے مدوح کے اوصاف بلند کو دیکھنے کا موقع ملا، جس کا مجمل تاثر یہ رہا کہ وہ چھوٹے قد میں بہت بڑے دل اور پست قامت ہیں بلند ہمت اور کمزور جسم میں طاقتور ارادہ کے مالک ہیں اور دل و دماغ دونوں بڑے حساس رکھتے ہیں اور ان دونوں کے تناسب سے وہ زبان بھی رکھتے ہیں جو دونوں کے احساسات کو پیش کرنے کا حق ادا کر دے۔ یہ ہے ان کے اوصاف پر مختصر تبصرہ۔ اس کے علاوہ ان کے کام کی افادیت کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ ان کے نوحوں نے تبلیغ حسینیت کی وہ ضرورت پوری کی جو اس دور میں بغیر ان کے نوحوں کے پوری نہیں ہو رہی تھی۔

یہ سب وہ اپنے تجربات اور احساسات ہیں جن کے لکھنے کا میں اپنے لیے حق محسوس کرتا ہوں۔ رہ گئے ان کے کمالات شاعری، ان پر لکھنے کا حق کسی اردو کے ادیب اور شاعر کو ہے اور میں ظاہر ہے کہ اردو زبان کے ادیب اور شاعر کی حیثیت نہیں رکھتا، لہذا اس کو ان لوگوں کے لیے چھوڑتا ہوں جن کا یہ حق ہے۔

علی نقی الحقوی

دوسرا دیوان ”لیاغ بزم“ کے نام سے شائع ہوا۔ باقی پانچ غیر مطبوعہ ہیں۔ حیدرآباد میں بزم اکبر آبادی نواب تراب یار جنگ سعید مرحوم سے وابستہ رہے اور نواب تراب یار جنگ سعید مرحوم باوجود یہ کہ پیارے صاحب رشید کے شاگرد تھے، مگر وہ ہر مدرسہ شاعری کے ارباب کمال کی قدر دانی کرتے تھے اور ان کے فرزند نواب عباس یار جنگ رشید، جو میرے عزیز دوست ہیں، انھوں نے اپنے والد کے بعد سب سے زیادہ استفادہ حضرت بزم ہی سے کیا ہے۔

حضرت بزم کا رنگ تغزل ملاحظہ ہو

ایک شب عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا ہجر وہ غم ہے خدا سے بھی اٹھایا نہ گیا
ایک عالم کوش بر آواز تھا یومِ اُلت جو تڑپ اٹھا وہ ذرہ قلب مضطر بن گیا
قفص میں دور ہوئی نیند آشیانے کی کھلی جو آنکھ فضا اور تھی زمانے کی
اسیر قید گھن چھوٹ کر کہاں جائیں زمین پاؤں پکڑتی ہے قید خانے کی
مرثیے کا ایک بند ملاحظہ ہو

پیدا ہوا ہے جو بر جرات، علی کے ساتھ رفعت ہوئی ہے تا بل رفعت، علی کے ساتھ
جھولے میں جھولی تھی شجاعت، علی کے ساتھ بچپن میں کھیلتی تھی قیامت، علی کے ساتھ
کویا علی کے ساتھ پئی اور بڑی ہوئی
جب پاؤں یہ چلے تو قیامت کھڑی ہوئی
حضرت عونؓ کے گھوڑوں کی تعریف میں یہ تشبیہ حضرت بزم ہی کا حصہ ہے۔

دونوں فلک نورد ہیں گردوں صریر ہیں
گھوڑے ہیں یا کہ فکر انیس و دیر ہیں
انہی بزم کی شاعری کا حاصل مرزا قاجار حسین نجم آفندی تھے جن کو سرکار ناصر الملک علی اللہ مقامہ نے ”شاعرِ ہلبلیٹ“ کا خطاب دیا اور یہ خطاب ان کے نام کا جزو بن گیا۔ نجم آفندی عہد حاضر کی مداحی ہلبلیٹ رسولؐ میں ”سنگ میل“ کا درجہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے مدح و ثناء کو ایسا نیا رنگ اور نیا آہنگ دیا ہے جس کی چھاپ ان کے ہر مصرعے پر نظر آتی ہے۔

نجم آفندی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، پھر مفید عام اسکول آگرہ سے ڈل کا

امتحان پاس کیا اور اردو فارسی عربی اور انگریزی کی اچھی خاصی استعداد مطالعے سے حاصل کی۔ وہ وضع قطع، اخلاق و کردار، مروت و وضع داری اور حسن معاشرت کے لحاظ سے قابلِ نمونہ تھے اور جو خیالات ان کے کلام میں ملتے ہیں، وہ ان کی اپنی زندگی میں بھی جھلکتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم سے قبل چند سال میں نے ان کو بہت قریب سے دیکھا۔ وہ میرے چھوٹے ماموں سرکار سعید المکتبہ مرحوم سے بہت مانوس تھے تاہم محاذِ حسینیٰ میں قید و بند کی صعوبتوں کے بھی سہی رہے۔ اس رفاقت میں حضرت مہذب لکھنوی، مولانا سید سبط الحسن صاحب فاضل ہنسوی اور سید انصاف حیدر کاظمی سہانہ بھی شامل تھے۔ اس زمانہ میں وہ جیل سے نظمیں لکھ لکھ کے بھیجتے تھے اور میں، جو خواجہ اسد مرحوم کے ساتھ روزنامہ اسد میں کام کرتا تھا، ان کو شائع کرتا تھا۔ ان نظموں کا مجموعہ مصطفیٰ علی ہاشمی صاحب نے مکتبہ ناصری لکھنؤ سے ”شاعرِ اہلبیت جیل میں“ کے نام سے شائع کیا تھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ انوار کے دن لوگ قیدیوں سے ملنے جایا کرتے تھے۔ ایک آدھ دفعہ شہر سے میلوں دور پہنچنے والوں کی تعداد میں کمی ہوگئی تو انھوں نے ایسی ہی ایک اتوار کو مجھ سے کاغذ پنسل طلب فرمایا اور سلاخوں کے پیچھے سے ارشاد کیا چند شعر لکھ کے مجھے دے دیے۔ جب وہ شائع ہوئے تو نہ صرف قیدیوں سے ملنے والوں، بلکہ قید و بند کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنے والوں میں بے حد اضافہ ہو گیا۔ ان اشعار میں سے دو شعر مجھے اب بھی یاد ہیں

کبھی اے ہل الفت دل کی دنیا دیکھنے آؤ تماشا بن نہیں سکتے تماشا دیکھنے آؤ
گزاری ہے ابھی تک عمرِ زندانِ خیالی میں حقیقت میں نفس ہوتا ہے کیسا دیکھنے آؤ

لکھنؤ کی ملاقات کے بعد حضرت نجم سے حیدر آباد دکن میں بہت ربط و ضبط رہا جہاں وہ شاہزادہ معظم جاہ بہادر شجاع کے استاد تھے۔ کئی سال تک یہ سلسلہ رہا مگر درباری زندگی ان کے لیے ایک جبر کی سی حیثیت رکھتی تھی، چنانچہ آزادی ہندو پاکستان کے بعد وہ بھی اس جبر سے آزاد ہو گئے مگر وہیں مقیم رہے۔ کچھ عرصے قبل وہ پاکستان آئے مگر انتہائی ضعیفی اور گراں کوشی کی وجہ سے خانہ نشین رہے۔ میں نے ان کو آخری مرتبہ محرم ۱۳۹۵ھ میں ریڈیو پاکستان کی محفلِ مسالہ میں سنا۔ اپنا سلام ریکارڈ کرانے کے بعد وہ محفل سے رخصت ہو گئے اور سال ختم ہونے سے کچھ قبل دنیائے ادب و شاعری سے بھی رخصت ہو گئے۔ ان کی موت کی مختصر سی خبر اخبار میں نظر سے

گزری تو مجھے ان کا یہ شعر یاد آیا

خدا چاہے تو وقت آتا ہے سننے کا سمجھنے کا

میں کہتا ہوں مگر سنتی نہیں دنیا بھی میری

جیم آفندی نے دس بارہ سال کی عمر ہی میں شعر کوئی شروع کر دی تھی۔ کچھ عرصے تک اپنے والد سے اصلاح لی مگر ان کی جدت طبع نے بہت جلد ان کو اصلاح سخن سے بے نیاز کر دیا اور وہ قوم کی اصلاح اور نئے نئے جادہ ہائے سخن تراشنے میں مصروف ہو گئے۔

دہلی میں ان کو ریلوے کی ملازمت مل گئی تو وہ آگرہ سے دہلی آ گئے جہاں نواب سراج الدین احمد خاں سائل، جناب بیخود دہلوی اور امر ناتھ سائر جیسے اساتذہ کی صحبت نصیب ہوئی اور ان کا جوہر ذاتی درخشاں ستارے کی طرح چمکنے لگا۔ ایک مرتبہ جناب سائل دہلوی نے ان کو ایسے مشاعرہ کا صدر بنایا جس میں اکثر عمائدین شہر نے شرکت کی۔ رفتہ رفتہ ان کی شہرت اور مقبولیت عام ہوتی گئی۔ کچھ دنوں کے بعد ان کا تبادلہ نازی پور ہو گیا جہاں انھوں نے انجمن شباب سخن قائم کی جس کے زیر اہتمام ہر مہینے ایک اچھا مشاعرہ ہوتا تھا۔

اسی زمانے میں ان کو آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے سالانہ اجلاسوں میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ ان اجلاسوں میں حضرت صفی لکھنوی کا طوطی بولتا تھا۔ جب جیم آفندی اس اسٹیج پر آئے تو معلوم ہوا کہ قومی اصلاح و ترقی کی دنیا میں بلبل مچ گئی تاہم الہ آباد کے اجلاس میں جس کے صدر، مرحوم راجا! ابو جعفر صاحب تھے، جیم آفندی کی نظم کے عوض ایک بزرگوار نے کانفرنس کو ساڑھے چار ہزار روپے دیے اور اصل نظم، جو جیم کے قلم کی لکھی ہوئی تھی، وہ خرید لی۔

میرے والد مرحوم سید نجم الحسن صاحب جیم موسوی سے جیم آفندی کی دوستی اسی کانفرنس کے اسٹیج پر ہوئی اور یہ دونوں جیم شعر و سخن اور خدمت قومی کے رشتے سے بھائی بن گئے اور ان میں برابر خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ کیا عجب ہے کہ یہی ربط جیم آفندی کو حیدر آباد کھینچ لے گیا ہو اس لیے کہ والد مرحوم پانچ گاہ سروتار الامراء میں ملازم تھے اور شاہی خاندان کے متعدد افراد کے اتالیق و نگراں بھی رہے تھے اور حضور نظام کے قریبی وابستگان میں شامل تھے، وہ برابر حضرت بزم اور سید علی رضا صاحب سے تقاضا کرتے کہ جیم صاحب کو حیدر آباد بلائیے!

جب برصغیر میں تحریک ترک موالات پھیلی تو جہم آفندی نے سرکاری ملازمت ترک کر دی اور رُدولہ لکھنؤ اور آگرہ میں کچھ وقت گزار کے حیدر آباد آ گئے جہاں نواب شہید یار جنگ کنٹرولر جوئیز پرنس نے ان کو شاہزادہ معظم جاہ بہادر سے متعارف کر لیا اور معظم جاہ ان کے گرویدہ ہو گئے اور جب جہم آفندی شہزادہ معظم جاہ کی اُستادی سے دخلش ہو گئے تو انھوں نے چھتہ بازار میں ایک دکان کھول لی جس میں مشقِ سخن کے ساتھ جوتے اور چپل فروخت کرتے تھے اور شام کو حکیم محمد عباس صاحب سرسوی کے گھر واقع دارالشفاء کی محفلوں میں حصہ لیتے تھے جہاں نواب شہید یار جنگ، سید علی رضا صاحب، سید علی بن کاظم صاحب، زیبا رُدولہ، سید علی محمد اجال صاحب، مولانا غلام عباس ناصر، لگانہ چنگیزی، مہذب لکھنوی غرض مختلف مہمان اور مقامی اہل کمال ادیب اور شاعر جمع ہوتے اور ہر قسم کی پُر تکلف اور بے تکلف نشستیں ہوا کرتیں جن میں فلسفہ و مذہب کے نکات بھی زیر بحث آتے، شعروادب کی بلندیاں بھی نظر آتیں اور یار باشی، لطائف اور دعوتوں کے سلسلے بھی جاری رہتے۔ سات آٹھ سال تک میں بھی اس بزم کا ایک رکن رہا جس میں سن و سال اور علم و استعداد کی کوئی قید نہ تھی اور فقط مذاقِ سلیم یا ”ہم رنگی جماعت“ شرط شمولیت تھی۔ اسی محفل کا ہفت روزہ اجتماع شب جمعہ کو شہر حیدر آباد کے مصافحات میں واقع مذہبی مقامات، مثلاً کوہِ مولاعلیٰ، کوہِ امام ضامن، کوہِ قائم وغیرہ پر ہوتا جہاں نماز و اوراد و وظائف کے بعد قصیدہ خوانی ہوتی۔ اس کے بعد پُر تکلف دعوتِ طعام اور پھر علمی مذہبی گفتگو کے بعد جب باقاعدہ محفل برخواست ہو جاتی تو آتائے میرزا علی شریعتی اور مولانا عباس حسین (جو اعجاز منزل کی نہایت سے مشہور اور بڑے صاحب مطالعہ عالم تھے) اور علامہ رشید ترائی جیسے بزرگ بھی ہمارے ”بازی بازی بارش بابا ہم می بازی“ میں شامل ہو جاتے اور ”مزاح المؤمنین“ کے مناظر طے کرتے۔ جہم آفندی مرحوم جن کی ظرافت کبھی فقرہ بازی سے آگے نہ بڑھی، نواب شہید یار جنگ کی طرح آگ پر تیل چھڑکتے اور اپنی بزرگی کے دائرہ میں محصور رہتے۔ یہ ساری تفریح بھی ادب و ذہانت کی تفریح ہوتی جس میں فی البدیہہ اشعار کہے جاتے، مصرعوں پر مصرعے لگائے جاتے یا زیادہ سے زیادہ مائل بہ خواب علماء سے فتوے پوچھے جاتے کہ ہاتھی کا وضو کیسے ٹوٹتا ہے؟ اور آئس لینڈ میں غسل کی کیا صورت ہوگی؟ اور برف پر تیمم، کیسے ہوگا؟ کچھ دیر کے بعد پاسبانِ عقل واپس آ جاتا اور اس خیال سے سب، کچھ

دیر کے لیے محو خواب ہو جاتے کہ فریضہ سحری تو بہر حال ادا کرنا ہی ہے!

تجم آفندی کے شاگردوں میں وفا ملک پوری، رزم ردولوی، جلیس ترمذی، خاورنوری، بانو سید پوری، مضطر حیدر آبادی، ساجد رضوی، زیبا ردولوی، رعنا اکبر آبادی، مضطر حیدری اور راحت غازی جیسے معروف و مقبول شعراء بھی شامل ہیں۔

تجم آفندی کی پچیس تصانیف طبع ہو چکی ہیں جن میں ”معراج فکر“ اور ”فتح مبین“ جیسے دو عظیم مرثیے بھی ہیں۔ ان کے علاوہ قصائد تجم۔ آیات غم۔ بیاض تجم۔ اشارات غم۔ ثبوتی قصائد۔ تصورات غم۔ کربل نگری۔ تاثرات زیارت۔ پریم بھگتی۔ کاروان ماتم۔ حسینی اور ہندوستان اور شاعر ہلیٹ نیل میں، یہ بھی شامل ہیں۔ تجم آفندی نے اپنی اکثر کتابیں اپنے قلم سے کچھ لکھ کے مجھے عنایت فرمائی تھیں، جو حیدر آباد دکن میں رہ گئیں۔ کچھ یادگار تصویریں بھی تھیں جن سے وہ یادیں وابستہ ہیں جو اب تجم صاحب کے انتقال کے بعد اور زیادہ ذہن کو ماضی کی طرف لے جاتی ہیں اور کچھ دیر کے لیے دنیا و مافیہا کو فراموش کرا دیتی ہیں اور پھر تجم صاحب کا یہ شعر یاد آتا ہے

ہم نے دیکھے ہیں یہ منظر زندگی کی دوڑ میں
جو زیادہ سے زیادہ تھے وہ کم سے کم رہے

جب ان کے ایک شعر کا تذکرہ ہوا ہے، تو چند اشعار اور بھی سہی

ابھی ماز کر رہے تھے جو زمانے کی روش پر	وہ پلٹ کے دیکھتے ہیں تو بدل گیا زمانہ
بزمِ انساں میں کہاں سادگی قول و عمل	ایک ذرہ نہیں محفوظ ادا کاری سے
بہت کیا چاہتا ہوں آدمی سے	ذرا سی آدمیت چاہتا ہوں
عمر بھر پرورش فکر و نظر ہوتی ہے	زندگی پھر بھی اندھیرے میں بسر ہوتی ہے
عیش کیا سخت سزا دیتا ہے	مقصد زیست بھلا دیتا ہے
اس وہم میں ہیں طاقبتِ امروز کے مالک	چڑھتے ہوئے دریا کو اُترنا نہیں آتا
کتنی مہنگی ملے دریغ نہ کر	پھر بھی عزت کی موت سستی ہے
وہ مردہ دل جنیں گے خاک جن کا یہ عقیدہ ہو	جہان تک سانس آتی ہے وہاں تک زندگانی ہے
وہاں تک دین کے ساتھی ہزاروں	جہاں تک ہاتھ سے دنیا نہ جائے!

جہم آفندی کی غزلیات اگر ہم پہنچ جائیں تو ان میں سے ایسے صدہا اشعار منتخب ہو سکتے ہیں جن کی کجکلا ہی پکار پکار کے کہے گی کہ ہم جہم آفندی کے اشعار ہیں۔

جہم آفندی روایت سے بغاوت کا نام ہیں مگر وہ بغاوت نہیں جو روایت کو تباہ کر دے یا اس کا تسلسل ختم کر دے۔ ان کی بغاوت اس منجمد ذہنیت سے ہے جو روایت کو اپنے عہد اور اس کے ذہن و فکر کے مطابق آگے بڑھانے کے بجائے روایت پر اڑ جاتی ہے۔

انھوں نے سب سے پہلے ربا عیات، سلاموں اور نظم نما نوحوں سے اپنا کام شروع کیا اور اسلامی تعلیمات اور شہادتِ عظمیٰ کے ایسے پہلو پیش کئے جو مسلمانوں کو متحرک کر سکیں اور ان کو وحدت، مساوات، عدل اور ایثار و قربانی کی عملی راہ اختیار کرنے کی طرف مائل کر سکیں۔ وہ پکارتے ہیں۔

مایوس شفا کو آسرا دیتے ہیں آیات کو تعویذ بنا دیتے ہیں
ہشیار تو لیتے نہیں قرآن سے سبق بیہوش کو قرآن کی ہوا دیتے ہیں
وہ حیران ہیں کہ

جس قوم نے سر کی ہم کرب و بلا اس قوم میں ملتے نہیں آثارِ حیات ؟
وہ ٹھوکریں کھاتی پھرے تاریکی میں جس قوم کے ورثے میں ہو عاشور کا دن ؟
اسلام پیام امن ہے یاد رہے سنی ہو کہ شیعہ ہو مسلمان بھی ہو ؟
پھر وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ

شیئر ترے ماننے والے ہیں بہت لیکن ترے پہچاننے والے کم ہیں !
اور اس کی ذمہ داری سب سے زیادہ جن پر ہے، ان کو وہ لٹکا رہے ہیں
آ درسِ عمل کے دار کر سامنے آ ! دل والوں کے دل شکار کر سامنے آ !
واعظ تری تبلیغ سر آنکھوں پہ مگر چہرے سے نقاب اتار کر سامنے آ !
اور پھر انھوں نے خود اپنا فرض ادا کرنا شروع کیا اور کہا کہ

شاعر ہوں مجھے دماغ تفصیل کہاں سو بات کی اک بات کہہ دیتا ہوں !
اور یہ بات انھوں نے اس انداز سے کہنا شروع کی:
حق کو باطل سے جدا کرنے کو اٹھے تھے حسین اقتضا دقت کا تھا بیچ میں تلوار آئے

کیا حسینیٰ کا رواں میں تھا شعورِ زندگی
وہ عصرِ تنگ سے پہلے حسینیٰ کی نظریں
جہاں نواز جو پیغام کر بلا نہ رہے
کچھ ایسے وقت میں زنجیرِ پہنی غلہ نے
کہاں اشکِ غم اور کہاں قصرِ جنت
حضرت مسلم کو سلام کرتے ہوئے کہا:

اکا وطن سے بارِ سفارت لیے ہوئے
آتا کے اعتماد کی دولت لیے ہوئے
فرمانِ بارگاہِ امامت لیے ہوئے
شیرِ کا پیامِ محبت لیے ہوئے
لاکھوں سلام تجھ پہ محبت کے اپیلی
علمِ حضرت عباس کے لیے کہتے ہیں:

مرثیہ ہمت فرا ہے اس علم کے حال کا
یہ علم ہے اے مسلمان مصطفیٰ کی آل کا
رہ گیا ہے یہ نشانِ اسلام کے اجلال کا
خون میں ڈوبا ہوا دریا سے آتا ہے علم
حضرت علی اکبرؑ کی شہادت پر کہتے ہیں:-
کیا تین دن کی پیاس میں تیور دکھا گئے
پھولوں میں ٹل رہے تھے سنانوں میں آگئے
دنیا کے نوجوانوں کی ہمت بڑھا گئے
اکبرؑ جواں تھے جی سے گزرنے کے دن نہ تھے
اے دشتِ کربلا ابھی مرنے کے دن نہ تھے
حضرت علی اصغرؑ کی شہادت پر کہتے ہیں:

یہ تشنگی یہ پیکاں یہ سن یہ بے زبانی
خونِ گلو سے اپنے رنگین بنا رہا ہے
نشا سا اک سپاہی کودی میں آ رہا ہے
شہداء کربلا کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت یوں پیش کرتے ہیں:

تیرہ سو برس سے چرچے ہیں ان جیوٹ مرنے والوں کے
ترپے نہیں خود خنجر کے تلے دنیا کو ترپتا چھوڑ گئے

اور خوب کہے گئے۔ میں نے بھی اس صنف میں قلم اٹھایا ہے۔ اور ایک مرثیہ پیش کر رہا ہوں.....“

”فتحِ مبین“ میں مصائب کے نقطہٴ عروج پر پہنچ کے حتم کہتے ہیں:-

جب لے لیا حسین نے میدانِ کربلا بدلا لبو سے رنگ گلستانِ کربلا
تھا وقتِ عصر اور ہی عنوانِ کربلا سوتا تھا فرشِ خاک پہ مہمانِ کربلا
بے سر تھا فرشِ خاک پہ لاشا پڑا ہوا
بالیں پہ فتحِ حق کا تھا جھنڈا گڑا ہوا

وہ شاندار موت وہ بنیادِ انقلاب بیعت کا وہ سوال وہ دنداں شکن جواب
مجبوری حیات سے کونین کو حجاب نیزہ پہ سر حسین کا مغرب میں آفتاب
صدائے ضیائے مہر و قمر آن بان پر
تارے درود پڑھتے ہوئے آسمان پر

نظمِ جہاں بدلنے کا عنوانِ مرجبا اسلام کی نجات کا سامانِ مرجبا
انساں صداقتوں کا نگہبانِ مرجبا بندہ خدا کی راہ میں بے جانِ مرجبا
اپنا اصول چھوڑ گیا غور کے لیے
اس کا پیام ایک ہے ہر دور کے لیے

”معراجِ فکر“ حتم نے اس وقت کہا جب انسان، زمین سے چاند کی طرف بڑھ رہا تھا:-

اہلِ زمین کی آج ستاروں پہ بے نظر ممکن ہے کامیاب رہے چاند کا سفر
ہیں اپنی اپنی فکر میں ہر قوم کے بشر مردانِ حق پرست کا جانا ہوا اگر
عبائے نامور کا علم لے کے جائیں گے
ہم چاند میں حسین کا غم لے کے جائیں گے

نوحوں اور سلاموں میں حتمِ آفندی کے تجربات اپنا لیے گئے مگر مرثیہ نگاروں نے مبینگی
مصائب کے غنر اور رزم و بزم کے روایتی مضامین نہ ہونے کی وجہ سے مرثیہ نگار کو ”مسدس“
کہنے پر اصرار کیا۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، حتم نے اس پر رد و قدح بھی نہیں کی۔ ان کا مقصد،

جناب راحت حسین ماصری

تجم آفندی کا اسلوب شاعری

نہیں پھر دل میں اُٹھی پھر مجھے غم نے گھیرا
پھر کراہا دل بے تاب خدا خیر کرے

موت قدرت کا وہ اہل فیصلہ جس میں کوئی تغیر محال اور اس سے نجات ناممکن ہے۔ اس دار فانی میں آنا ہی دلیل واپسی ہے۔ ہر آغوشِ مادر میں آنے والے کے لیے آغوشِ لحد لازمی اور حتمی ہے۔ اس سے نہ کوئی رسول بچا نہ خاصانِ خدا۔ یہاں تک کہ خاتم النبیین نے بھی دار فانی کو چھوڑا۔ یوں تو اس عالم گزرگاہ میں لوگ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، لیکن بعض ہستیاں ایسی پیدا ہوتی ہیں جو اپنی غیر معمولی ذہنی و دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر قوم و ملت میں ایسا بلند مقام حاصل کر لیتی ہیں کہ ان کی حیات، قوم کے لیے عظیم سرمایہ بن جاتی ہے۔ وہ قوم و ملت کے دماغوں کو جھنجھوڑ کر، بیدار کر کے روحِ عمل پھونک دیتی ہے۔ ان کی حیات کا ہر لمحہ قوم کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہوتا ہے اور ان کا اس دار فانی سے جانا ایک عظیم نقصان ہوتا ہے اور ایسا خلا پیدا ہوتا ہے جو پُر نہیں ہوتا، نہ اس کی تلافی ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ملتِ جعفریہ میں ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں جنہوں نے ملت کو بیدار کر کے ان میں روحِ عمل پھونکنے میں اپنی عمریں صرف کر دیں۔ ان ہی عظیم ہستیوں میں ایک ذات جناب تجم آفندی اکبر آبادی مرحوم و مغفور کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مرحوم نے ذکرِ حسین کے لیے قوم کو ایک نیا اندازِ فکر دیا۔ انہوں نے اب سے ۶۰ سال پیشتر جب کہ مجالسِ عزاء اور ذکرِ سید الشہد اصرف مصائب کی حدود میں گھرا ہوا تھا اور شعراءِ نوحہ و ماتم میں صرف مصائبِ نظم

کرتے تھے اور اس قدیم دائرے سے نکلنا ایک گناہ تصور کرتے تھے، اس وقت یہی ذات تھی جس نے نیا انداز پیش کیا اور نوحہ میں بجائے مصائب کے کردار شہدا اور فلسفہ شہادت کو نظم کیا، جس طرح جناب سلطان الذاکرین مولانا سبط حسن صاحب قبلہ مرحوم نے ذاکری کو ایک نیا رخ دیا۔ جناب ججم نے نظم میں جدت پیدا کر کے اور ایک نرالا طرز دے کر قوم کے دماغوں میں روشنی پیدا کی۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ موجودہ طرز مرثیہ کوئی جناب ججم اور صرف جناب ججم کی بدولت ہے۔ اور اس وقت کے جملہ مرثیہ گو اور نوحہ و ماتم کہنے والے انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور انہیں کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہیں، وہ جوش ہوں یا آل رضا سب، ان ہی کے رہن منت ہیں۔

میری سب سے پہلی ملاقات جناب ججم مرحوم سے 1920ء میں ہوئی۔ فیض آباد میں جناب علی انظر صاحب پیرسٹر مرحوم کے یہاں سالانہ بھل مقاصدہ 13 رجب کو ہوتی تھی۔ پہلی مرتبہ میں نے ان کو وہیں سنا۔ مرحوم نے سب سے پہلے قصیدہ ہی میں نیا رخ پیدا کیا، اور پرانے طریقے کو چھوڑ کر نئی راہ اختیار کی۔ اس وقت تک قصائد میں تشبیب، عشقیہ مضامین اور بہار وغیرہ پر ہوتی تھی۔ جناب ججم نے اس سے الگ ہو کر ایک نیا رخ اختیار کیا اور بجائے عشقیہ مضامین کے فلسفیانہ مضامین نظم کئے۔ چنانچہ اپنا پہلا قصیدہ 1920ء میں اس محفل میں پڑھا۔ اس وقت ان کا سن غالباً 26 یا 27 سال کا تھا۔

اس محفل میں جناب صفی لکھنوی مرحوم، جناب عزیز لکھنوی مرحوم اور دیگر اساتذہ موجود تھے۔ مقاصدہ کا آغاز ہوا اور مقامی شعرا کے بعد جناب ججم مرحوم کی باری آئی۔ کسی کے تصور میں بھی نہ تھا۔ ایک 26 یا 27 سال کا نوجوان پوری محفل پر چھا جائے گا اور کامیابی اسی کو نصیب ہوگی۔ مرحوم کی آواز میں کوئی سُرنہ تھا بلکہ ایک حد تک بڑی بے سُری تھی۔ ظاہر ہے کہ ان محافل میں آواز اور پڑھنے کا لہجہ ہی زیادہ اثر پذیر ہوتا تھا۔ ان سب باتوں کے باوجود جس وقت انھوں نے قصیدہ شروع کیا تو لوگوں کے دماغ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس پہلے قصیدے کا مطلع یہ تھا۔

نمودِ عالم ہو تھی فضا تیرہ و تار
نہاں تھے کسمِ عدم میں چراغ و شرار

مطلع نے ہی اساتذہ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ چند اشعار کے بعد جب یہ شعر پڑھا
 سنور رہی تھی یہاں جب کہ غصہ کی دنیا
 میں اپنی نور کی دنیا سے دیکھتا تھا بہار
 تو جناب صفی نے بہت جوش کے ساتھ تعریف فرمائی۔ اس کے بعد گریز اور اُس کے بعد اشعار پر
 اساتذہ کا یہ عالم تھا کہ جھوم جھوم کر تعریف کر رہے تھے، اور پوری محفل تعریف کی آوازوں سے
 گونج رہی تھی۔ فرماتے ہیں

ایک اور جلوہ صبر آزمانے دل مانگا
 ابھی تو لٹ ہی چکا تھا کسی کا صبر و قرار
 علی کنارِ نبیٰ میں نبیٰ ہیں کعبہ میں
 چمن میں گل ہے تو دامنِ گلستاں میں بہار
 ملک بھی حاضر خدمت نبیٰ بھی ہیں موجود
 علی کے نور سے کعبہ ہے مجمعِ انوار
 ملی تھیں یہ صفتیں نام جب اسد پایا
 خدا کا شیر نواسہ اسد کا شیر شکار
 بنائے مقصدِ اعلیٰ جہان کا مقصود
 شریکِ قسمتِ زہرا رسول کا دیدار
 پڑھا دیے جسے دو حرفِ عقلِ گل ٹھہرا
 بڑھا دیا جسے سدرہ کا کردیا مختار
 گھٹا دیا جسے ابھرا نہ پھر قیامت تک
 بتوں نے خانہ کعبہ میں پھر نہ پایا بار

یہ ان کا پہلا قصیدہ تھا۔ اس کے بعد انھوں نے یہی انداز اپنے کُل قصیدوں میں اختیار کیا۔
 اس کے بعد نوحہ و ماتم کی طرف توجہ فرمائی۔ اس میں ایک ایسا تغیر کیا کہ وہ نوحہ و ماتم صرف بکا
 کے لیے مصائب و بین پر مبنی ہوتے تھے، اس میں کردارِ حسین اور شہدائے کربلا کے کردار کا وہ

رنگ بھرا جس نے اس فن کو اپنے عروج پر پہنچا دیا۔ پھر لطف یہ کہ کسی جگہ سے مقصدِ عزائمینی گریہ میں کوئی کمی نہیں، بلکہ زیادتی ہوگئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصے میں شعرا نے یہ رنگ اختیار کیا اور یہی رنگ آج تک باقی ہے۔ ان کے ماتم ونوحوں کی مقبولیت اس سے ظاہر ہے کہ ان کے شائع ہونے کے فوراً ہی بعد ہندوستان میں کوئی گھرا ایسا نہیں تھا جہاں یہی اور صرف یہی نوے نہ پڑھے جاتے ہوں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے انھوں نے ۱۹۳۰ء-۱۹۳۲ء سے اس طرف توجہ دی۔

ذیل میں چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ یہ حسینی شاعر شاعری کی کس منزل پہ تھا۔ قوم کو اس نے کردارِ حسینی سے کس طرح روشناس کرایا۔ پھر جذبات کا یہ عالم کہ کوئی شعر ایسا نہیں کہ جس پر دل بے چین نہ ہو جائے اور گہرے اشک نذرانہ عقیدت میں آنکھوں سے نہ پکیں۔ شاعرِ حسینی اگر شبِ عاشور کا ذکر کرتا ہے تو بچوں کے نالہ وزاری اور مخدراتِ عصمت کی بے قراری نہیں بیان کرتا۔ وہ یوں گہرا انشائی کرتا ہے۔

چاند کھلایا ہوا نکلا شبِ عاشور کو
کس قدر غم کا اندھیرا تھا شبِ عاشور کو
تھے تبسم ریز انصارِ حسین ابنِ علی
زندگی دلچسپ تھی کویا شبِ عاشور کو
اللہ اللہ چاہتے ہیں تجھ کو انصارِ حسین
زندگی نے موت سے پوچھا شبِ عاشور کو
سر فروشانِ وفا کی تھیں نگاہیں دیدنی!
اُٹھ گیا تھا کون سا پردا شبِ عاشور کو
ایسے بے پروا کہ جیسے سر ہی شانوں پہ نہیں
جنگ پر جب فیصلہ ٹھہرا شبِ عاشور کو
شع لے کر روئے اکبر دیکھنے بیٹھی تھی ماں
صبح محشر تک ٹھہرنا تھا شبِ عاشور کو

مطلع کے بعد کے بعد چاروں اشعار میں انصار حسینی کے عظیم کردار کی جو حقیقی تصویر کشی کی ہے اور جس قدر جذباتی انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کی مثال نہیں۔ پھر یہ کہ کسی جگہ مبالغہ نہیں بلکہ بالکل حقیقت۔

تاریخیں شاہد ہیں کہ شبِ عاشور انصار سید الشہداء کو مسرت و اطمینان کس درجہ پر تھا، ایک دوسرے کو شہادت کی مبارک دے رہا تھا۔ گویا مرنے کی عید تھی خاص کر یہ شعر:

سرفروشانِ وفا کی تھیں نگاہیں دیدنی
اُٹھ گیا تھا کون سا پردا شبِ عاشور کو

دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اصحاب سید الشہداء کی نگاہوں سے وہ پردہ و حجاب اٹھا دیے گئے تھے اور انھوں نے مراتب و درجات کو دیکھ لیا تھا۔ اس واقعہ کو کس قدر دلکش انداز میں پیش فرمایا ہے۔ آخری شعر کی تو نہ بلندی کی کوئی انتہا ہے نہ جذبات کی، عجیب و غریب انداز اختیار کیا ہے۔ بے اختیار آنکھوں سے اشکِ غم جاری ہو جاتے ہیں۔ اس ایک شعر کی گہر شرح کی جائے تو صفحات کافی نہیں ہو سکتے۔

شع لے کر روئے اکبر دیکھنے بیٹھی تھی ماں
صبحِ محشر تک ٹھہرنا تھا شبِ عاشور کو

ماں کو یہ معلوم ہے کہ صبحِ یومِ شہادت ہے۔ سب کو را خدا میں شہید ہونا ہے۔ ایک تو حسرت بھرا ماں کا دل۔ اٹھارہ برس کا کڑیل جوان۔ شہیدہ پیغمبرؐ۔ ماں کے دل کو سیری کہاں ہو سکتی ہے۔ دوسرے مصرعے میں جس بہترین انداز سے اس کو پیش کیا ہے، وہ اپنی جگہ بے مثال ہے۔ مصرع کی بلندی کی نہ کوئی انتہا ہے اور نہ اس کے عمق کی کوئی تھاہ۔ جتنی دفعہ یہ مصرع پڑھا جائے، لطف میں کمی نہیں واقع ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے فرزند کے رُخ کی زیارت کے لیے صبحِ محشر تک کا طول بھی کافی نہیں ہے۔ یہ تو شبِ عاشور کا منظر تھا۔ اب صبحِ عاشور ہوتی ہے۔ باکمال شاعر اس منظر کو اس طرح نظم کرتا ہے:

سجدے سے سر کسی کا اٹھا روشنی ہوئی
عشرہ کی صبحِ آئی قیامت بنی ہوئی

وقتِ نمازِ عصر کا آنکھوں کو انتظار
کانوں میں وہ اذالِ علی اکبر کی دی ہوئی
وہ گرد و پیش مجمعِ ارواحِ انبیاء
دُنیا ادب سے حدِ نظر پر رُکی ہوئی
پانی کی بندشوں پہ حقارت کی ایک نظر
عزت کی موت سے وہ نگاہیں لڑی ہوئی
ایک ذاتِ سرفروش اور اک ذاتِ کردگار
مرکز سے کائناتِ دو عالم جہتی ہوئی
سجدہ کہ جس پہ سجدہ کون و مکاں نثار
حسرت سے کربلا کی زمیں دیکھتی ہوئی

ہر شعر شاعر کے کمال کا پتہ دے رہا ہے۔ کردار اور عزم کا کتنا حقیقی مرقع کھینچا ہے اور
عظمتِ حسینؑ کو جس انداز سے پیش کیا ہے، اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ ایک دوسری نظم ”پیغامِ
حسینؑ“ اس انداز سے نظم فرماتے ہیں:

تا ابد زندہ ہے تو اور تا ابد اسلام ہے
اے شہیدِ کربلا اسلام تیرا نام ہے
مرحبا اے سرفروشانِ حسینؑ
یوں تلاشِ موت جیسے موت سے کچھ کام ہے
ہے غل و زنجیر میں جکڑا ہوا پیغامبر
خون میں ڈوبا ہوا شیر کا پیغام ہے
کرچے تسخیر کوفہ سو گوارانِ حسینؑ
اب اسیرانِ بلا کا قصد سوئے شام ہے

دوسرے شعر میں انصارِ سید الشہداء کا جو نفسیاتی نقشہ کھینچا ہے، نہ صرف حقیقت ہی پر منحصر
ہے بلکہ جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دیے ہیں۔ بیان کا انداز ایسا دلکش ہے کہ جس کی حد نہیں۔

شہدائے کربلا نے جس ذوق و شوق کے ساتھ جانیں قربان کی ہیں اور اپنے کو موت کی آغوش میں دیا ہے، حقیقتاً موت ان کو نہیں، بلکہ وہ موت کو تلاش کر رہے تھے۔ ایک دوسری نظم میں کردار سید الشہداء اس طرح نظم فرمایا ہے:

شہیدِ ظلم کیلجے بلا دیے تو نے
 حسینِ درد کے دریا بہا دیے تو نے
 جراحاتوں میں نمک بھر دیا تشکر کا
 اذیتوں میں تبسم گھلا دیے تو نے
 زمینِ کرب و بلا پر شہیدِ کرب و بلا
 ہزار کعبہ معنی بنا دیے تو نے
 دلوں کو حوصلہ غم کی تازگی دے کر
 نشاطِ کفر کے تیور بجھا دیے تو نے
 زہے کمالِ سیاست کہ زیرِ تیغ آکر
 نگاہِ خلق سے پردے اٹھا دیے تو نے
 ہر ایک ذرہ بے حس میں اک تپ بھر دی
 دماغ وضع کیے دل بنا دیے تو نے

جناب سید الشہداء نے جس عظیم سیاست سے حق و باطل کو الگ فرمایا ہے اور ظلم و جور کے پردوں کو چاک کر کے دنیا کو حقانیت کا سبق دیا، آپ کے اس فلسفہ شہادت کو مرحوم نے کس قدر دل کش انداز میں پیش کیا ہے۔ ہر شعر اپنی جگہ مطالب کا دفتر ہے۔ آپ کا یہ شعر:

جراحاتوں میں نمک بھر دیا تشکر کا
 اذیتوں میں تبسم گھلا دیے تو نے

کیا صبرِ حسینؑ کی اس سے بہتر طریقے سے وضاحت ہو سکتی ہے۔ سید الشہداء نے جس طرح خوش ہو کر زخم کھائے، اس کی چچی تصویر شاعر نے اس شعر میں دکھا دی۔

پھر یہ شعر ہے:

زمینِ کرب و بلا پر شہید کرب و بلا
ہزار کعبہ معنی بنا دیے تو نے
شعریت اور حقیقت دونوں کے لحاظ سے کتنا بہترین شعر ہے۔ پھر اس کے بعد اس شعر میں کہ:
زہے کمال سیاست کہ زیر تیغ آکر
نگاہِ خلق سے پردے اٹھا دیے تو نے
سیاست حسینی کی پوری تفسیر بیان کردی اور آخری شعر تو پوری نظم کا ماحصل ہے۔ فرماتے ہیں۔
ہر ایک ذرہ بے حس میں اک تڑپ بھردی
دماغ وضع کیے دل بنا دیے تو نے

شعر ہے کہ پورا ایک ہفتہ ہے۔ قلم اس شعر کی پوری تعریف لکھنے سے معذور ہے۔ کردار حسینی کی
شرح اس سے بہتر ناممکن ہے۔ جو انقلاب اس شہادتِ عظمیٰ نے پیدا کیا، اس کی حقیقی تصویر قوم
کے سامنے پیش کردی ہے۔ اس شعر کے پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ حقیقت میں حسین نے دل و
دماغ وضع کر کے ملت کو دیے تھے۔

دل تو چاہتا ہے کہ ان کے اشعار لکھتا ہی چلا جاؤں، مگر وقت کی کمی اور مضمون کے طول
ہو جانے کا خوف مانع ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس شاعر سرکارِ حسینی کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ غالب نے تو
کسی امیر کے لیے مبالغہ میں یہ شعر کہا تھا لیکن جنابِ نجم کی تعریف کے لیے یہ اس طرح پورا اترتا
کہ معلوم ہوتا ہے غالب یہ شعر انہی کے لیے کہہ گئے تھے۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

صنفِ شاعری سے علاحدہ ہو کر بھی اگر مرحوم کو دیکھا جائے تو جامع صفات ذات ایسی کم
ہوں گی۔ عاشقِ حسین، مومنِ خالص، متقی، احبابِ نواز، مخلص، پاک طینت، غرض تمام صفات کا
مجموعہ تھی یہ ذات۔

ہندوستان میں آخری ملاقات مرحوم سے غالباً 1925ء یا 1926ء میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد

1971ء میں کراچی میں جناب علامہ رشید ترائی مرحوم کے گھر پر ہوئی۔ ضعف بصارت سے صورت سے تو پہچاننے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا، لیکن نام بتاتے ہی فوراً سمجھ لیا اور اٹھ کر نہایت محبت و خلوص سے بغل گیر ہوئے۔ افسوس کیا کہ میں اپنے مخلص کرم فرما کی آخری خدمت سے بھی محروم رہوں گا اور مجھے ان کے انتقال کی خبر بھی عرصہ بعد معلوم ہوگی۔

”بہر حال ایک ایسی ہستی ملت جعفریہ سے اٹھ گئی جس کا بدل ایک عرصہ تک نہیں ملے گا اور ایک ایسا نقصان قوم کو پہنچا جس کی تلافی کی فی الحال کوئی صورت نظر نہیں آتی۔“



ڈاکٹر سید علی مومن

شاعرِ اہل بیت اور ان کے پیغامات

دنیا نے ادب کی یہ عظیم ہستی، بلند کردار انقلابی شاعر، جنابِ نجلِ حسینِ حُجّۃِ آفندی مرحوم ان ممتاز شعراء میں سے ایک فرد واحد ہیں جن پر علم و فن کو ناز ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جن کا کلام غیر فانی سرمایہ ہے، جو بلا کی ابدیت رکھتا ہے اور ہر صاحبِ فکر و نظر کو پیامِ انسانیت اور دعوتِ عمل دیتا ہے۔

حضرت حُجّۃِ آفندی کی شاعری کا سرچشمہ دامنِ اہل بیت علیہم السلام ہے اور وہ بجا طور پر شاعرِ اہل بیت کہلائے جانے کے سزاوار ہیں۔

شاعر ہوں اہل بیت کا میں حُجّۃِ دلفگار
پہنچانتے ہیں کشتہٴ سراہِ خدا مجھے

دوسری جگہ کہا:

حُجّۃِ میں وہ شاعرِ دربارِ اہل بیت ہوں
غم نے چھاننا ہے مجھی کو فردِ کامل دیکھ کر

ہر بڑا شاعر اپنے پیشِ نظر ایک نصبِ العین رکھتا ہے، جو اس کے تخیلات و افکار پر چھایا ہوتا ہے اور ادراک اور شعور کا مرکز ہوتا ہے، جو اس کی شاعری کے دھارے کو ادھر ادھر مڑنے سے بچائے رکھتا ہے۔ حُجّۃِ مرحوم کا نصبِ العین مدحِ اہل بیت ہے جس کو انھوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک حقیقی معنوں میں اپنی غرضِ حیات سمجھا اور اشاعتِ امرِ اہل بیت کو اپنا شغل قرار دیا۔ ان کی عقیدت، ان کے خلوص، ان کے جذبہٴ مودت کی یہ حد تھی کہ ارمان کرتے تھے:

اے حُجّۃِ مدحِ آلِ نبی میں گزاردوں اللہ عمرِ خضر جو مجھ کو عطا کرے

ان کا تعلق محبانِ اہل بیت اور شعراء کے گھرانے سے تھا۔ طبیعت اوائل عمر ہی سے شاعری کی طرف مائل تھی۔ قدرت نے ماحول کے ذریعہ مدحتِ مصطفیٰ آلِ مصطفیٰ کی جانب رہنمائی کی جو ان کی نمایاں خصوصیت بن گئی۔ وہ خود اس کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔

چار پشتوں سے مجھے حاصل ہے یہ عز و شرف
تجملِ فطرت ہے میری مدح و ثنائے مصطفیٰ

میرے آبا کا شرف ہے، میری فطرت کا خمیر
تجملِ صدیوں سے ہے فخرِ مدح آلِ مصطفیٰ

یہ حقیقت ہے کہ تجملِ مرحوم کی اہل بیت اطہار سے عقیدت، ان مقدس ذوات سے وابستگی، جذباتی سے زیادہ عقلی و فطری ہے۔ ان کے کلام میں شاندار انفرادیت پائی جاتی ہے جو غیر فطری قسم کے جذبات پر قائم نہیں، بلکہ پیچیدہ فکر، تخیل کی رعنائی، علم و عرفان کی تخلیق ہے۔ صرف مادی اور ادبی ذوق کی تسکین دینے والی نکتہ آفرینی اور لطف اندوزی ہی کو پیش نگاہ نہیں رکھا گیا بلکہ حضرت تجمل نے اپنے باطن کے ندبے والے رجحانات کے دباؤ کے تحت ایسی نظمیں لکھی ہیں جن سے اخلاقی نظائر اور مذہبی تفکر کو بہت کچھ صالح و انسانی ملتی ہے اور ان سے دینی عقیدت کی آنکھیں منور ہوتی ہیں، جیسا کہ فرماتے ہیں:

علیٰ کی مدح میں اسرار کھلتے ہیں دو عالم کے
نہیں یہ ذوق تو محدود ہے دنیا سخنور کی

مدحت کے ترانے میں بڑا وزن ہے واعظ
اک حرف ہے بھاری تری تسبیح گہر سے

یوں تو تجمل صاحبِ اہل بیت کے ایک ایک فرد پر پروانہ وار فدا ہیں لیکن امام حسین سے ان کے عشق و محبت کا کچھ اور ہی رنگ ہے۔ اپنے کلام میں امام عالی مقام سے بے پناہ عقیدت کا اظہار کیا ہے اور مدحِ حسین میں اپنی تمام فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لائے ہیں۔ امام علیہ

السلام اُن کی شاعری کے اہم کردار ہیں۔ جس کو وہ اُسوۂ رسول کی پیروی سمجھتے ہوئے، جب بلند پروازی سے کہتے ہیں۔

مدحت ہے حسین ابن علی کی مرا جادہ
گزرے ہیں یمیز بہت اس راہ گزر سے
پھر کس انداز سے اپنی بے بساطی اور انکساری کا اظہار کیا ہے
تیری مدحت ہو تو نظمِ نجم کا کیا پوچھنا
نجم ہے اپنی جگہ پر بے حقیقت اے حسین
دوسری جگہ اپنے سے خطاب کرتے ہوئے مدح اہل بیت کے کردار کی اہمیت ظاہر کرتے ہیں:

کچھ شعر جو منقبت میں کہلاتا ہے کس خواب سے اپنے دل کو بہلاتا ہے
موزوں ترے کردار پہ بھی ہے یہ خطاب تو شاعر اہل بیت کہلاتا ہے
مگر مدح اہل بیت میں اپنی عاجزی اور کم مائیگی کے باوجود اسی مدحت کو اپنی عظمت کا نشان سمجھتے ہیں:

مجھے نجم کوئی کہا کرے میں بلند آوج فلک سے ہوں
مجھے مدح آل رسول نے مہ و مہر سے بھی بڑھا دیا
نیز کس فخر سے کہتے ہیں:

نغمہ منقبت میں نجم ہیچ ہے میرے سامنے
حسن بیانِ فرحی، زورِ کلامِ انوری
اور ان کی بے نیازی کی یہ کیفیت ہے:

جگہ بزمِ غزل میں دیں نہ دیں وارفتہ دنیا
مجھے ہے نجمِ نبتِ مدحتِ مولّا کی محفل سے
ان کی عقیدت کا یہ حال ہے کہ مدح یمیز اور آل یمیز کو نجات کا وسیلہ تصور کرتے ہیں۔
ایک سلام کے مقطع میں کہا ہے:

تجم ہو اگر نسبت اُسوہِ حسینی سے
 ایک شعر مدحت میں غلہ کا قبلا ہے
 حضرت تجم آفندی کی نگاہ میں اُسوہِ حسینی نہ صرف باعثِ وجوبِ جنت ہے بلکہ معراج
 انسانیت، کمالِ اخلاق، روحِ اسلام اور جانِ ایمان ہے۔

سینے پہ کائنات کے نقشِ دوام ہے
 انسانیتِ حسینی کے اسوہ کا نام ہے
 سبطِ نبیؐ سے دینِ خدا کا قیام ہے
 کلمہِ حسینی کا ہے محمدؐ کا نام ہے
 تجم صاحب نے محسوس کیا کہ حسینی سے نہ صرف خدا اور رسولؐ ہی کا نام روشن ہے اور دین
 حق کی حفاظت ہے، بلکہ جہاں کہیں بھی خیر اور خوبی پائی جاتی ہے، وہ حسینی ہی کا طفیل ہے۔

ملت کی بونہیوں میں تھوڑی سے حرارت ہے
 اے اُسوہِ شہیریؑ یہ تیری بدولت ہے
 نیز کہتے ہیں کہ امامِ حسینی نے اپنے مقدس کردار سے سعادت کی تمام راہیں روشن کر دیں،
 کائنات کی ڈھنکی ہوئی نبضوں کو ابھار دیا اور اپنے انوکھے عمل سے فکر کوئی توانائی دی۔ آزادی رائے
 کو مضبوط اور با اثر لب و لہجہ دیا، حوصلہ عمل کو جرأت دی، جامد ذہن کو انقلاب انگیز حرکت عطا کی۔

شیر نے فکروں کے انداز بدل ڈالے
 کیا ذہن کی قدرت ہے کیا فکر میں قوت ہے
 اپنے حق کی سعی کو مظلوم انسان چل پڑے
 شمعِ روشن بن گئے نقشِ کفِ پائے حسینی
 حق پرستی خود شناسی ہمت و عزم و عمل
 مل کے ان اجزاء سے بنتی ہے تولائے حسینی
 بن گئی انسان کا معبد زمین کربلا
 تجم جب عزم و عمل کی زندگی لائے حسینی

قطعہ ۱ :

حسینِ ملتِ اسلام کی حیات کا راز
شہیدِ ابنِ شہید اس کے غم کی عمر دراز
اسی کے صدقے میں سب معرفت مقام ہوئے
کوئی غریب نواز ان میں ہو کہ بندہ نواز

قطعہ ۲ :

ملا کیا کیا نہ ہم کو بانی اسلام کے گھر سے
عمل کی عزم کی معراج وابستہ ہے اس در سے
حسینِ ابنِ علی نے فطرتِ انساں کو چکایا
زمانہ بے خبر تھا ورنہ آزادی کے جوہر سے
امام حسین سے مخاطب ہو کر ان کے عظیم کارنامے کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

شام و کوفہ کے درندے اور وہ حیوانیت
تو نے جاں دے کر بچلایا جوہرِ انسانیت
فطرتِ اسلام ہے ممنون تیری اے حسین
تو نے بخشا دردِ ملت تو نے دی وجدانیت
اے کہ تیرے ذکر سے اُبھرا ہوا سوز و گداز
اے کہ تیری یاد سے چمکی ہوئی روحانیت
اے کہ تیرے شوق میں کھوئی ہوئی فکر و نظر
اے کہ تیرے درد میں ڈوبی ہوئی عرفانیت
جان تو نے ڈال دی دراصل اے نفسِ عظیم
سرِ بر ایک پیکرِ بے روح تھی روحانیت
چھ کو محرابِ عبادت بن گئی شمشیرِ کند
اپنے خوں کی دھار سے کھینچا خطِ عرفانیت

ایک جگہ کیا خوب کہہ گئے ہیں:

جان دے کر ذہن انسانی کو روشن کر دیا

اے شہید ابن شہید اور اے کریم ابن کریم

جب طاقت و اقتدار انسانی آزادی کا سرچل کر اپنی غلامی کا اقرار لے رہا تھا، مساوات،
سادگی اور حق پروری کی بنیادیں متزلزل ہو رہی تھیں، حسینؑ نے مظلومیت کی نئی شان دکھا کر جبر و
استبداد کو کاری ضرب لگائی اور مٹتے ہوئے انسانیت کے نقوش کو ابھار دیا۔ دم توڑتی ہوئی انسانیت
کو نئے سرے سے زندہ کر دیا۔ حتم صاحب اس حقیقت کا اظہاریوں کرتے ہیں:

کیسے شدید ظلم زمانے کے سہہ گئی ندی لبو کے دیدہ عبرت سے بہہ گئی

رکھی تھی ظالموں نے مٹانے میں کیا کسر انسانیت حسینؑ کے صدقے میں رہ گئی

یہی نہیں کہ امام عالی مقام نے اپنے حسن عمل سے انسانیت کو اجاگر کیا بلکہ نوع انسانی کی
عقل و فکر پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ ان کی ضمیری صلاحیتیں ابھریں اور زندگی کی تاریک راہیں منور
ہو گئیں۔ حضرت حتم اس حقیقت کا اظہاریوں کرتے ہیں:

امت کی ذہنیت ہی بدل دی حسینؑ نے

کیا ذکر ہے عمل کے احوال سنو گئے

ان چند اشعار پر غور کرنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ حتم آفندی صاحب کو حضرت امام حسینؑ
کی عظیم المرتبت شخصیت، ان کے پاکیزہ اصول زندگی اور مقدس کردار کا عرفان حاصل تھا۔
حالانکہ وہ خود اس سعادت پر اپنی عاجزی اور عدم معرفت کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں:

ہے حتم کی ہستی کیا اے کرب و بلا والے

کس نے تجھے سمجھا ہے کس نے تجھے جانا ہے

دوسری جگہ کتنی سادہ زبان میں کہہ گئے ہیں:

سمجھے کہاں جو سبط نبیؐ کا مقام ہے

کتنا ابھی شعور بشر تشنہ کام ہے

حقیقتاً حسینیت کا صحیح عرفان بشر کی رسائی سے بالاتر ہے۔ انسان جتنا جتنا با شعور ہوتا جائے گا

اُتنی اتنی اس کی نگاہوں میں حسین اور حسین والوں کی قدر و منزلت بڑھتی جائے گی اور معرفت کے درجے بلند ہوتے جائیں گے۔ مگر جہم آفندی کے پُر خلوص جذبہ حسینیت اور حسین کے حیرت انگیز کارنامے اور سبق آموز کردار کی روشنی میں فضائل ایمان اور محاسن اسلام کی منصفانہ ولولہ انگیز ترجمانی سے جو اپنے اشعار میں کرنے کی کوشش کی ہے، ہم یہ سمجھتے پر مجبور ہیں کہ شاعر اہل بیت کے دل میں حسینیت کی صحیح تڑپ تھی اور ان کے تصورات میں امام حسینؑ اور ان کے اصحاب با وفا چھائے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنا جواں گاہ شاعری کے واسطے اُن ہی بلند ترین شخصیتوں کا انتخاب کیا اور اُن کے شاندار کارنامے کچھ ایسے انوکھے انداز میں بیان کیے ہیں کہ دل بے اختیار اُن کی طرف کھینچے چلے جاتے ہیں اور اُن کی مضمون آفرین طبیعت نے نئے نئے عنوانات اور حقیقی جذبات انسانی کی عکاسی کر کے ایسی نظمیں پیش کی ہیں جن میں ان ذوات مقدسہ کی بلند اور اعلیٰ سیرت کی کسی نہ کسی حد تک تصویر کشی ہو سکے تاکہ انسانیت کی اخلاقی قدروں پر نہایت گہرے اور دور رس اثرات مرتب ہوں:

جہم غرور ملت ہے جلوہ طرازِ کرب و بلا
ایک ایسا مجاہد عالم میں نازِ دو عالم ہوتا ہے

پڑھ کر نمازِ عصر کی شبیرِ زیرِ تیغ اک عصر نو کی خلق میں تعمیر کر گئے
سمجھے نہ حق شناس بھی منزلِ حسینؑ کی اتنا ہی کہہ سکے یہ بڑا کام کر گئے
جہم صاحب اپنے عمیق والہانہ جذبات کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کے مقدس کردار سے متاثر ہوتے ہوئے ان کی خدمت میں ایک انوکھے پن سے نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں:
اللہ اللہ یہ ترا ذوقِ عبادت اے حسین زیرِ خنجر تھی تجھے سجدے کی فرصت اے حسین
تیرے نانا کا عمل درسِ شریعت اے حسین تیرے ہی گھر کا چلن راہِ طریقت اے حسین
تیری مظلومی کی یہ شانِ جلالِ اے حسین خون دیتی ہے ابھی تک خاکِ تربت اے حسین
عرش بھی ممکن ہے تیرا فرش پا انداز ہو اے سوارِ دوش سرکارِ رسالت اے حسین
تیری ہی رفتار ہے تخلیقِ معیارِ خلوص جذب کی لوتیرے ضبطِ غم کی قوت اے حسین

اپنے نانا کے عوض تو نے شہادت کی قبول
 قلبِ عارف میں تیرے حسنِ نظر کا انعکاس
 عالمِ حق آشنا کو نازِ تقریبِ نیاز
 کتنے غمِ نا آشنا اس راز سے واقف نہیں
 تیرا طرزِ فکر، تیرا سو برس کے بعد بھی
 تو ہر ایک عنوان سے ہے آپ ہی اپنی مثال
 تیری نظروں میں تجلی منزلِ توسل کی
 ایک اور نظم میں اپنی عقیدتِ مندانہ تاثرات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

اسلام تیرا حاصلِ محنت ہے اے حسین
 جینے کا اختیار تھا مرنا کیا پسند
 زخمی جبیں لبو سے مصلے رنگا ہوا
 زخمی اسد کے قبضے میں جیسے شکار ہوا
 یہ تیرے ساتھ موت میں کیسی حیات تھی
 سمجھے گا کیا کوئی مری سینہ شگافیاں
 جہمِ آفتدی دردِ حسیٰ میں محض لذت ہی نہیں محسوس کرتے، بلکہ اس درد کو جدوجہدِ حیات سمجھتے
 ہیں، جس سے احساسات متحرک ہوتے ہیں اور انسانی دل و دماغ کی صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں۔
 کیا خوب کہا ہے:

شہیدِ ظلم کیلجے بلا دیے تو نے
 ہر ایک ذرہ بے حس میں اک تڑپ بھردی
 شہیدِ ظلم غریب الدیار کیا کہنا
 جہمِ صاحبِ حضرت امام حسین علیہ السلام کو پروردگار درد کہہ کر خاموش نہیں ہو جاتے بلکہ
 ان کو ایمان کا مینارہ نور سمجھتے ہیں جس سے اسلام روشن و منور ہے۔ دین کی حیات ہے اور ان کی
 شہادت کی جلالتِ دینِ خدا کی بقا کو قرار دیتے ہیں:

زندہ ہے کربلا میں گردن کٹانے والا ایمان کی تجلّی اسلام کا اجالا
حق کے تصورات میں روح شباب پھونک دی نازش الفتی ہے جو ایسا جوان حسین ہے

•••

جب حسین آئے ہیں منزل شہادت میں کلمہ شہادت کا بول بالا ہے
دین اس سے رہا زندہ دنیا کو خبر کیا ہے سو نجم تصدق ہیں وہ سر ہے وہ سجدہ ہے
ذکر صلوٰۃ کے دھنی اس کا بھی ہوش ہے تجھے ذکر صلوٰۃ ہے حسین فکرِ ازاں حسین ہے

•••

بارہا اٹھے فتنے بارہا سنبھالا ہے کیا حسین کے ہوتے ہوئے دیں مٹنے والا ہے

•••

ترکی سرفروشی کی شان تھی جو حیات دین خدا بنی
نہ ملا کسی کو حیات میں تجھے موت نے جو مزا دیا
چمن آپ اپنا ملا گئے کہ بہار دین خدا رہے
نہ جما جو رنگ بہار سے تو لہو بھی اپنا ملا دیا

یہ حقیقت ہے کہ واقعہ کربلا میں مرکزی اہمیت امام حسین کے کردار کی عظمت اور ان کی
شہادت کو حاصل ہے مگر اصحابِ حسینؑ نے بھی جو کارنامے انجام دیے ہیں وہ بھی حمایت حق میں
عظیم المثال قربانیاں ہیں اور شہادت کے جلال و جمال میں رنگا رنگ اضافہ ہیں اور حسین کے
مقصدِ حیات کا ایک جزو بن جاتی ہیں۔

نجمِ آفتدی کربلا والوں سے عقیدت کا ثبوت دیتے ہوئے ان کے عظیم کردار کی تصویر کشی
میں اپنے تخیل کا تمام حسن کام میں لاتے ہیں۔

انصار کربلا میں حسینؑی نصاب کے سامان کر گئے ابدی انقلاب کے
کربلا والے

زندگی کا تاج سر انسانیت کا دل بنے آخری قربانی و ایثار کی منزل بنے
خالق کل نے جو کی بزمِ جہاں آراستہ کربلا والے مجاہدِ زہدِ محفل بنے

اللہ والے

وہ جنگل میں یثرب کی کودی کے پالے قیامت ہے تیغِ جفا کے حوالے
وہ عون و محمد وہ اکبر وہ تاسم نگاہیں اہل کی نگاہوں میں ڈالے
وہ مضبوط ہاتھوں میں گھوڑوں کی باگیں وہ بھرپور شانوں پہ زلفیں سنبالے
وہ جینے کے دن اور وہ مرنے کی جلدی مسافر انوکھے ارادے نرالے
وہ بچوں کے تیور، وہ ماؤں کی ہمت وہ گودوں کی دولت خدا کے حوالے
وہ پیاسوں کی امید تیروں کی زد پر وہ عباس مشکِ سکیہ سنبالے
وہ مسلح و فاضل کا محبت کا مقلد جوانوں میں شامل وہ بوڑھے وہ بالے
وہ قرآن کی تبلیغ پیاسی رکوں سے لبوں پر تلاوت زبانوں پہ چھالے
وہ تیغوں پہ سجدے وہ بھدوں پہ تیغیں وہ خنجر گلوں پہ وہ سینوں پہ بھالے
وہ زخموں کی کثرت وہ بارشِ لبو کی وہ فوجوں کے بادل میں دھنس جانے والے
عزیز اُن کے قلوب کو حق کی حمایت حقیر اُن کی نظروں میں شامی رسالے
وہ تیغوں سے ٹکڑے وہ نیزوں سے چھلکی وہ بندوں کے مولّا وہ اللہ والے
کلیجوں میں نیرے لبوں پر تبسم افسانہ کو راحت کے سانچے میں ڈھالے
رضائے خدا پر جو سب کچھ لنادیں رضائے خدا جن کو اپنا بنالے
اسی دھن میں نالے کیے جاؤ بھی

یہ نوے ہیں دنیا بلا دینے والے

واقعی حجمِ آفندی کے نوے مترنم اور جوشِ آفریں ہیں۔ ان میں درد و تاثر کوٹ کوٹ کر ایسا بھرا ہوا ہے کہ ہر وہ انسان جس کے سینے میں ایک درد آگیاں دل ہے، متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پڑھنے والے، سننے والے بیتاب ہو جاتے ہیں۔ اسی نوحہ کو دیکھیے، اشعار میں کتنی روانی، بے ساختگی اور سلاست ہے۔ بیان کی سادگی نے تاثر کو بہت بڑھا دیا ہے۔ شعر ہیں کہ تلوار کی دھار کی طرح سینے میں اتر جا رہے ہیں و۔ دردِ الم میں ڈوبے ہوئے مگر نہایت پُر جوش، ولولہ انگیز اور سیرت و کردار کے حسین مرقع۔ مختصر اور سادہ الفاظ مگر روحِ فصاحت سے بھرپور۔ حقیقت اور

صدافت سے لبریز، کلام کی خوبی اور ندرت خیالی سے قطع نظر، ایثار، شجاعت، صبر، مظلومیت، جوشِ عمل، فداکاری کی اس سے بہتر تصویر اور کیا ہو سکتی ہے۔ ایسا ہی نرالا طرز، سلیس زبان، مؤثر اسلوب بیان، سوز و گداز اور دردِ جہم کے تمام نوحوں میں پایا جاتا ہے، جو جذبات و خیالات کے لحاظ سے بلاشبہ شاعرانہ عظمت اور تخیلی رفعت کا ثبوت ہیں۔

ملاحظہ ہو ایک اور نوحہ:

حیات نو

شیرِ کو سر دے کر اسلام بچانا ہے کونین ہیں قدموں پر ریتی پہ ٹھکانہ ہے
اکبرؑ پہ نظر ڈالو تا ستم کی طرف دیکھو مرنے کے ارادے ہیں جینے کا زمانہ ہے
یہ خون بھرے چہرے یہ کفر شکن نظریں حیدرؑ کا گھرانہ ہے شیروں کا گھرانہ ہے
شیرِ کے ہاتھوں کا بوسہ تو کوئی لے لے ننھے سے مجاہد کو میدان میں لانا ہے
دیکھا ہی ابھی کیا ہے دنیا کی نگاہوں نے رکھ کر ابھی ہاتھوں پر دل اپنا دکھانا ہے
کوثر کے یہ مالک ہیں پانی کی طلب گینی سوئی ہوئی ملت کی غیرت کو جگانا ہے
امت کی محبت میں بچوں کو فدا کر کے دنیائے محبت کا قانون بتانا ہے
یہ کس نے جھکایا ہے سر طاعتِ خالق میں کیا سر ہے کہ سجدہ سے قائل کو اٹھانا ہے
احمدؑ کا نواسا ہے معراج بھی پائے گا نیزے کی بلندی سے قرآن سنانا ہے
لفطوں سے حکومت کی بنیاد بلانی ہے سجادؑ کو ظالم کے دربار میں جانا ہے
اسلام کو دیتی ہے ہر سال حیات نو کیا تو نے کہا ظالم یہ ذکر پُرانا ہے
یہ خون سے لکھا ہے مٹنے کا نہیں ہرگز اے صفحہ گیتی کس بیکس کا فسانہ ہے
اب اپنے غلاموں سے شیرِ کا پُرسالے اے صاحبِ عصر آج اک دن تجھے آنا ہے

ہے جہم کی ہستی کیا اے کرب و بلا والے

کس نے تجھے سمجھا ہے کس نے تجھے جانا ہے

اس نوحہ کا آخری شعر، مقطع، نہایت جامع، نہایت معنی خیز اور نہایت بلند ہے۔ مدحِ امام میں جو گہرائی اور جدت شاعر کی فکر نے دکھائی ہے، وہ ایک امتیازی شان رکھتی ہے۔ مدحت کے

میدان میں انھوں نے یہ کہہ کر:

”کس نے تجھے سمجھا ہے کس نے تجھے جانا ہے“

ایسی خراج عقیدت پیش کر دی کہ کسی کے لیے کچھ اور کہنے کی گنجائش ہی نہ رہی۔

ایسے نادر اور اعلیٰ مضمون کو نوحہ کے طرز پر ڈھالنا جہم آفندی ہی کا کام ہے۔ نوحہ کا انداز بیان درد انگیز، حسرت آمیز اور مؤثر ہوتا ہے جہم صاحب نے نوحہ کی ان تمام حقیقتوں کو جلا دیتے ہوئے اپنے نوحوں میں ایک خاص ندرت اور جدت پیدا کی۔ مضمون نوحہ کو حیرت انگیز وسعت بخشی، معنوی حیثیت سے نوحوں کو ایک نئی طرز کا خلعت پہنایا اور اعلیٰ تبلیغی و اصلاحی اقدار کا حامل بنایا اور کمال یہ ہے کہ زبان کی سادگی، بیان کی روانی اور سوز و گداز کی فراوانی کو بھی قائم رکھا جس کی بنا پر ان کے نوحے بیحد مقبول ہیں اور فروغ حسینیت میں ایک اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ اسی باعث جہم مرحوم بجا طور پر اس نرالی طرز کے خالق کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔

ان کے کلام میں ایک اجتہادی کیفیت دکھائی دیتی ہے اور بعض اشعار بلاشبہ الہامی شان لیے ہوئے ہیں۔ اگرچہ مفہوم اور باتیں وہی ہیں جن کی داغ بیل ان کے پیشتر شعراء نے ڈالی تھی مگر اسلوب بیان کی دلفریبی، زبان حال سے گویا ہے کہ وہ اپنے انداز اور طرز کے آپ ہی موجد اور مالک تھے جن میں ان کا ایک امتیازی منفرد رنگ نمایاں ہے۔ جیسا کہ وہ خود بھی فخر یہ کہتے ہیں۔

شعرو سخن میں جہم یہ ہیں بے نیازیاں

بیضا ہوں اجتہاد کی قوت لیے ہوئے

دوسری جگہ کہا:

تقلید میری ہوتی ہے اہل سخن میں جہم

چھایا ہوا دلوں پہ یہ رنگِ کلام ہے

یہ حقیقت ہے کہ جہم آفندی کی طبیعت کو نوحہ سے خاص لگاؤ معلوم ہوتا ہے۔ وہ خود سراپا درد ہیں اور اپنی درد بھری نواؤں سے تمام دنیا کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گو مرحوم کی شاعری کا نمایاں شاہکار ان کے نوحے ہیں، لیکن دیگر اصنافِ سخن پر بھی قدرت رکھتے تھے اور اپنی طبع رسا کی جولانیاں دکھلاتی ہیں۔ بلند و بالا مضامین کو اس خوبصورتی اور نزاکت سے نظم فرمایا ہے کہ

عقل حیران ہو جاتی ہے اور وجد طاری ہو جاتا ہے۔ خصوصاً سلام اور قطعات کی وادی میں جو بونگھونی اور رنگارنگی جدت ان کے تخیل نے پیش کی ہے، اس کی داد دینی پڑتی ہے۔

سلاموں میں ادب، پیام، زبان، بیان اور زندگی کی توانائیاں خوب ابھری ہوئی محسوس ہوتی ہیں اور دل نشین الفاظ میں ابھرنے والے احساسات کی تصویریں پیش کر کے غضب کا شاعرانہ جلال پیدا کیا ہے اور انداز بیان کو غیر معمولی وقار بخشا ہے۔ خود بھی ایک سلام کے مقطع میں اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں۔

بہت پیام ملیں گے مرے سلام میں جھم

نگاہ غور سے فقاہ نے اگر دیکھا

ان کی عظمت غمی کا صحیح اندازہ تو ان کے مجموعہ سلام ہی سے ہو سکتا ہے۔ یہاں ایک سلام بطور نمونہ پیش کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

سلام

مقتل میں ہیں حسین یہ قدرت لیے ہوئے دو انگلیوں میں نبضِ مشیت لیے ہوئے
دشمن ہیں تیغ و تیر کی طاقت لیے ہوئے شیر ہیں مزاجِ نبوت لیے ہوئے
قرآن کی زبان بھی ہوتی نہ مستند آتا اگر نہ حرفِ مؤذت لیے ہوئے
ساری شریعتوں کا خلاصہ ہے ایک لفظ کتنی نبوتیں ہیں امامت لیے ہوئے
فتحِ عظیم کرب و بلا ان کے نام تھی اصغر ازل سے تھے یہ امانت لیے ہوئے
کیا کم یہ امتحان ہے کہ انوارِ اہل بیت دنیا میں رہ گئے بشریت لیے ہوئے
نہیں آئی ہے علی کو عبادت بنی ہے نیند کیا امتیاز ہے شبِ ہجرت لیے ہوئے
اکبر کے ہمہ سے لرزتی ہے فوجِ شام ہر لفظ ہے اذال کی جلالت لیے ہوئے
بچ ہی گیا جہاں علی اصغر کے وار سے ہر بوند تھی لبو کی قیامت لیے ہوئے
انگڑائی لی ہے گھوڑے پہ حیدر کے شیر نے قامت ہے اختیارِ قیامت لیے ہوئے

شعر و سخن میں نجم یہ ہیں بے نیازیاں

بیٹھا ہوں اجتہاد کی قوت لیے ہوئے

ان نظموں کے ایک طائرانہ مطالعہ ہی سے نجم آفریدی کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف ہوتا ہے، اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے سخن ہائے دل پذیر میں سحر و اعجاز کی سی کیفیت ہے۔ جو بات کہتے ہیں پورے خلوص اور عقیدت مندی سے۔ ایک ایک لفظ حقیقت اور بصیرت کا پیام۔ ان کا کلام صرف دعوت آہ و نالہ اور تحریک اشک افشانی تک محدود نہیں۔ اخلاقی قدروں کا بھی غیر فانی سرمایہ ہے۔

نجم مرحوم اس راز سے خوب واقف تھے کہ جدید دور کا تقاضا ہے کہ اب واقعہ کربلا کی حکایت پر زور نہ دیا جائے بلکہ مقصد شہادت اور تاثرات، حسنینیت کی اشاعت اس خوش اسلوبی سے کی جائے کہ ذہنی فکر پر گہرا اثر پڑے اور ہر انسان کی رہنمائی ہو۔ چنانچہ شاعر اہل بیت کے دل کے ہر کونے میں آفتاب ہدایت کی کرنیں جھللاتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اور ان کا عکس ان کے کلام میں جا بجا ملتا ہے۔ کیا خوب لکھا ہے

یہ بے جگر مسافر نیزوں میں بڑھنے والے ہر کاروانِ حق کی ہمت بڑھا رہے ہیں
میدانِ کربلا کو اپنا لہو پلا کر دنیا میں حریت کا مرکز بنا رہے ہیں
ذلت کی زندگی سے عزت کی موت اچھی الفاظ ہیں کہ ساری دنیا پہ چھا رہے ہیں
تا حشر درس لیں گے دنیا میں آنے والے ایسا پیام دے کر دنیا سے جا رہے ہیں
درحقیقت کربلا والوں کا کارنامہ حریت کا وہ علم ہے جس کے پھریرے کی چھاؤں میں دنیا کی متمدن قومیں شرافت و عزت، حریت و آزادی کی مطمئن سائیں لے سکتی ہیں۔ بھٹکے ہوئے مسافروں کے لیے شمعِ راہ ہے جو منزلِ مقصود کا پتہ دیتی ہے اور رہتی دنیا تک جگمگاتی رہے گی۔ بے شک کربلا والوں نے صداقت شعار، شریف اور غیرت دار انسانوں کی حیثیت سے کربلا کے میدان میں خونین کفن پہن کر اسلام کی روحانیت کی شان باقی رکھتے ہوئے عام عالمِ انسانیت کے لیے ایک ایسا اخلاقی اور روحانی دستور العمل پیش کیا جس سے دنیا کی تمام قومیں عام اس سے کہ وہ کسی خطہ زمین پر آباد ہوں، ہر زمانے میں یکساں طور پر سبق حاصل کر سکتی ہیں، اور جو انسانوں کو فکر و عمل کی آزادی کی دعوت دیتا ہے، اور جس میں انسانی آزادی، استقلال، ثبات، سرفروشی، دلیری، بے جگری، تدبیر، جوش اور اخلاص کے عدیم المثال نمونے پیش کئے گئے ہیں۔

ان حقائق سے متاثر ہو کر جنابِ نجمِ آفندی کہتے ہیں
 ہر قوم کو ہے دعوتِ فہم و ادراک ہر دور میں ہے غور طلب فکرِ حسین
 اخلاق کا معیار سمجھنا ہے اگر آ مجلسِ غم میں اور سُن ذکرِ حسین
 ذکرِ حسین باوجود ایک درد انگیز عمل کے صحیح انسانی قدروں کو اجاگر کرنے کا بہترین ادارہ
 اور مؤثر ترین مرکز ہے۔ اور ایک انقلاب انگیز پیغام ہے جس میں انسانی حقوق کا تحفظ، روحانی
 طہارتوں کی بقا اور اجتماعی فلاح و بہبود مضمّن ہیں۔ ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ان حقیقتوں کو پوری
 طرح آشکارا کیا جائے۔ نجمِ آفندی اس عظیم مقصد کو خوب سمجھتے ہیں

تیری ہی کہانی کہنی ہے تیرا ہی سبق دہرانا ہے
 اسلام کو زندہ تو نے کیا اسلام ہے زندہ تیرے لیے
 اشکِ آنکھ میں ہیں کاندھے پہ علم اور پاؤں روِ آزادی میں
 اب ہوشِ حقیقت آیا ہے اب حشر ہے برپا تیرے لیے
 اب کام کی تیری باتیں ہیں اب نام کی تیرے پوجا ہے
 تو نے جو نہ چاہا اپنے لیے اللہ نے چاہا تیرے لیے
 تیرہ سو سال بعد بھی اس ذکر میں وہی کیف، وہی سرور، وہی غم انگیزی اور وہی تازگی ہے۔
 اسلام کی بقا ہی اسی ذکر سے ہے

اسلام کو دیتی ہے ہر سال حیاتِ نو
 کیا تو نے کہا ظالم یہ ذکر پُرانا ہے
 ذکرِ حسین حقیقی اسلام کے اصول، صحت مند نظریات کو پیش کرتا ہے اور دستورِ حیات سے
 روشناس کراتا ہے۔

کیونکر قدرت کا مدنا سمجھے گا بے ذکرِ غمِ حسین کیا سمجھے گا
 اسلام کا مشکل ہے سمجھنا اے دوست سمجھے گا غلط اگر خدا سمجھے گا
 ذکرِ حسین احیائے ایمان کا واحد طریق کار ہے۔ یقین محکم اور حرارتِ ایمانی کا سرچشمہ
 ہے

ہے
 غمِ حسین کے ادنیٰ تصرفات ہیں یہ ہر ایک قوم کو اس غم میں نوحہ گر دیکھا
 نجمِ مرحوم اپنے لیے غمِ حسین کو نعمت سمجھتے ہیں اور آنسو بہانا ان کے لیے عین حیات ہے
 اشکِ غمِ حسین میں ہے لطفِ زندگی رونا اگر نہ آئے تو جینا حرام ہے
 بے ماتمِ حسین سحر ہے نہ شام ہے جس دن یہ غم تمام ہے دنیا تمام ہے
 نیز کہتے ہیں کہ یہ غم ہماری سیرت و کردار میں تعمیر کے انقلاب آفریں جذبات پیدا کر کے
 صالح انسان بناتا ہے

نجمِ اس میں تصور بھی بیجا ہے بُرائی کا
 غمِ سبطِ پیغمبرؐ کا جس دل کی امانت ہے
 پھر ان کو احساس ہوتا ہے کہ اگر ہم کونفس کی تربیت، ضمیر کی پاکیزگی، ظلم سے نفرت، حق کی
 حمایت، خدا کی محبت، صبر و استقامت، چٹائی اور راست بازی کے لیے اپنی زندگی سنوارنے کے
 لیے کوئی مثال سامنے رکھنا ہے اور کسی سے سبق لینا ہے تو یہ آرزو اُسوۂ شہیری کی پیروی سے پوری
 ہو سکتی ہے اور اس کے لیے غمِ حسین منانا، انسانیت کی ایک مستحکم اور پائیدار خدمت ہے جو ہم
 سب کا انسانی و اخلاقی فریضہ ہے۔ جیسا کہ نجم صاحب نے کہا ہے

سب سے عظیمِ حسنِ عمل ہے غمِ حسین کتنی مخالفت ہو اٹل ہے غمِ حسین
 اس غم کے ساتھ فکر و نظر بھی جو ہو نصیب ہر عقدہ حیات کا حل ہے غمِ حسین
 اس حیات بخش غم کے فروغ اور اشاعت کے لیے تحریکِ عزا داری مجلسِ غم نہایت مبارک
 اور ہمہ گیر اقدام ہے جس کی طرف نجمِ مرحوم اپنے الفاظ میں متوجہ کرتے ہیں
 یہ مجلسِ غم ظلم منانے کے لیے ہے دنیا کو روہِ راست دکھانے کے لیے ہے
 انسان کو انسان بنانے کے لیے ہے محدود نہیں سارے زمانے کے لیے ہے
 بیگانہ کوئی لاکھ ہو مجلس کی فضا سے

دل آپ دہل جاتے ہیں ماتم کی صدا سے
 یہی وہ اہم مقاصد تشکیلِ سیرت، تطہیرِ معاشرہ اور تنظیمِ قومی، حقیقی نارفاں غم کے اس

انقلابی تحریک میں مضمر ہیں جس کے تحت مجسمہ غم امام زین العابدینؑ، سید الساجدینؑ اور شریکتہ الحسینؑ، ثانی زہراؑ نے مجلس غم کی بنا ڈالی۔ اور دونوں نے مل کر عزاداری کی بنیادوں کو استوار کیا ہے اور ان دونوں بزرگان دین کی مساعی جلیلہ اور جدوجہد سے عزاداری کا اجر اہوا ہے۔ غم زدہ پھونچھی اور صابر بھتیجے کی مشترکہ کوششوں سے عزاداری کا جو دستور قائم ہوا ہے، وہ صدیوں بعد ہمارے بزرگوں کی بے مثال قربانیوں کے ساتھ آج ہم تک پہنچا ہے، جو ایک مقدس قومی امانت اور فریضہ دینی کا درجہ رکھتا ہے۔ اب اس تحریک کو با مقصد بنانا اور اس سے حسب دلخواہ مستفید ہونا خود ہماری ذہانت، حوصلہ اور عمل پر موقوف ہے۔ حضرت نجم آفندی نے اس سلسلے میں اپنی تمام فکری صلاحیتیں صرف کرتے ہوئے حقائق و محاسن عزاداری پر کافی روشنی ڈالی ہے۔

مجلس کی بناء کے متعلق ایک قصیدہ درمدح حضرت امام علی ابن الحسین علیہما السلام میں کہا ہے

اے علی ابن الحسین اے دروغم کے ناچار ہر نفس ہے تیرا عاشورہ کے دن کا کارزار
تو نے ڈالی انقلاب انگیز مجلس کی بنا اے علی اور اے حسین ابن علی کے سوگوار
ایک ہی دن کے لیے تھی جبکہ عاشورہ فقط آج تک جاری ہے تیری انقلابی کارزار
حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی خدمت اقدس میں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے نجم صاحب عرض کرتے ہیں

اپنے بھائی کی بہن روح بہار کربلا ہیکر ہمت شریک کار زار کربلا
تو نے مجلس کی بنا سے قوم کی تعمیر کی قوم کی ماں اور بیٹی شاہ خیر گیر کی
شاعر نے اپنے ان اشعار میں حقیقت بینی اور بصیرت افروزی کا ثبوت دیا ہے اور اس
انقلابی مشن 'مجلس' کا مقصد ہر اعتبار سے قوم کی تعمیر قرار دیا ہے، جس کو وہ امام مظلوم سے عظیم عہد
تصور کرتے ہیں

خدا کرے وہ اطاعت کا مدنا سمجھیں جو صرف اشکوں کے موتی بنا کرتے ہیں
یہ مجلسیں نہیں بیان ہیں اطاعت کے یہ ہم حسین سے قول و قرار کرتے ہیں
مقصد شہادت عظمیٰ اور افادیت عزاداری کی اتنی وضاحت کے بعد شاعر اہل بیت مطمئن

نہیں دل لول ہیں اور حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ قوم جو عزاداری کو اپنی حیات کا نصب العین قرار دیے ہوئے ہے، وہ پس ماندگی، غفلت اور ذلت کا شکار ہو۔ جو سال بھر متواتر ذکرِ حسین و شہداء کر بلا کرتی و سنتی رہے اور اس کا یہ عمل صدیوں سے جاری و ساری ہو، لیکن اس کے اعمال ان باہمت مجسمہ عمل ذوات مقدسہ کے اسوۂ حسنہ سے متاثر نہ ہوں۔ اور یہ قوم حسین سے والہانہ عقیدت و محبت کے باوجود حسین مشن کے بلند نصب العین اور انقلاب آفریں مقصد کو عملی طور پر پورا کرنے سے آج تک تاصر رہے اور صرف مظاہراتِ غم و الم میں کھو کر رہ جائے۔ قوم کی اس مایوس کن حالت نے نجم آفندی کی حساس طبیعت پر گہرا اثر ڈالا۔ وہ یاس و حسرت کے عالم میں نہایت جرأت آموز انداز میں افراد قوم کو عزم و عمل کی دعوت دیتے ہیں، اپنے کلامِ بلاغت نظام کے ذریعے ملت کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

استفہامیہ لہجے میں مقصد شہادت کے صحیح مفہوم کو یوں سمجھایا ہے:

کیا ارضِ فرات جگہ گاہِ دینی تھی ذرات کو خوں سے جلا دینی تھی
قربانی خمیر کو سبھے کیا ہو کیا خاک میں تاثیر شفا دینی تھی

اک خواب و خیال کوثرِ آشامی ہے جذبات کا مدو جزر ہنگامی ہے
مجلس سے نکل کے رُخ کدھر ہے دیکھ غافل ابھی تنگی میں کچھ خامی ہے

انسان ہوتا ہے غم اٹھانے سے بلند تمکینِ سلف کا بھید پانے سے بلند
جن کو ہے ولائے راکب دوشِ نبیؐ ہو جاتے ہیں وقت اور زمانے سے بلند

پھر بڑے تعجب سے کہتے ہیں :-

ایسا تھا کہاں شمعِ سرِ طور کا دن جلوے سے قریب کا ہو یا دور کا دن
وہ ٹھوکریں کھاتی پھرے تاریکی میں جس قوم کے ورثے میں ہو عاشور کا دن
عاشور کا وارث قرار دے کر، ان سے سوال کرتے ہیں جن کے دلوں میں کر بلا بسا ہوا ہے

جن کے دماغوں میں کربلا سما یا ہوا ہے۔ کربلا جن کا مرکز عقیدت، کربلا جن کا شمع ہدایت

کچھ خبر ہے تجھ کو اے پروانہ بے بال و پر روشنی دیتی ہے کب سے شمع طور کربلا
ذہنیت میں آج تک باقی ہے کیوں یہ تیرگی جلوہ گر ہے جب دماغ و دل میں نور کربلا
ہو گیا بیدار اس دن کو اگر جذبہ تو کیا طے نہ ہوگی اس طرح سے راہ دور کربلا
برہنائے ہوش کب ہوگا ترا جوشِ عمل کربلا پھر چاہتا ہے کیا حضور کربلا
پست ہو دنیا میں ایسا اُس کا آئینِ حیات ہائے جس ملت کے سر میں ہو غور کربلا

یہ امر قابلِ افسوس سہی مگر ہے واقعہ کہ زندگی کے ہر شعبے میں ہم پست نظر آرہے ہیں۔ ہماری مذہبی، تعلیمی، اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی حالت روز بروز گرتی جا رہی ہے اور اس مسلسل پامالی سے ملتی خصائص دے جا رہے ہیں۔ شاعر کی نظر میں اس کیفیت کے ہم خود ہی ذمہ دار ہیں۔ ہم نے اپنے آقاؤں اور رہنماؤں کی زندگی اور سیرت کو مشعلِ راہ سمجھنا چھوڑ دیا۔ اس تغافل کی بناء پر انتشار و پریشانی میں گرفتار ہو گئے۔ عزائے حسین جیسی انقلابی تحریک کے ہوتے ہوئے ایسی امید نہیں ہو سکتی تھی۔ ہم کو تو ایک بلند سیرت، انتہائی ترقی یافتہ، باوقار، قابلِ فخر منظم قوم ہونا چاہیے۔ تجم مرحوم ہم کو سیرتِ اہلبیت اپنانے کی ہدایت کرتے ہیں۔ انھوں نے تاسی سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی پر زور تبلیغ و ترغیب دی ہے۔

ہر ذرہ سے ایک سحاب پیدا کر دے ہر قطرہ سے آفتاب پیدا کر دے
آقا ہے تیرا حسینؑ سا مردِ عمل جب چاہے تو انقلاب پیدا کر دے
کردار پہ اپنے رکھ ٹکاو تنقید خود اپنے لیے شاہد مبینی ہو جا
تو مجلس و ماتم میں حسینؑ ہے ضرور ہر رنگ میں اے دوست حسینؑ ہو جا
کاش حسینؑ کہلانے والے حسینؑ کا رناموں کو عملی حیثیت سے اپنانے کی سعی لیغ کریں۔
اپنی زندگیوں کو حسینیت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں، اور اس کی روشنی میں اپنی سیرت و کردار میں تبدیلی کریں۔ تجم آفندی ہر صاحبِ نظر کو دعوتِ عمل دیتے ہیں

شیر نے راہِ حق میں کیا کیا نہ دیا ہم نے ہی ثبوت کچھ ولا کا نہ دیا
کاندھا جو ضریح کو دیا بھی تو کیا جب بھائی نے بھائی کو سہارا نہ دیا

اے سینہ شگاف غم اٹھانے والے اے درد بدل قدم اٹھانے والے
آلودہ خون حق شعاری تو نہیں یہ ہاتھ جو ہیں غم اٹھانے والے

کیا یہ ہے زندگی کا نصب العین یہ ہے تقلید سید کونین
دل دکھاتے رہو غریبوں کا اور کہتے رہو حسین حسین
تجملہ مرحوم حسین حسین کرنے پر معترض نہیں، وہ غم حسین منانا ایک احسن عمل تصور کرتے
ہیں۔ کہتے ہیں رویے اور خوب جی بھر کر رویے مگر گریہ وزاری اور ماتم کے شور وغل اور جذباتی
ہنگاموں میں اس مقصد کو نظر انداز نہ کیجئے جس کی خاطر کربا والوں نے عظیم قربانیاں پیش کی ہیں
آنسوؤں کا جو تقاضا ہو تو بھر دے بل تھل کربا والوں کے ایثار کا مقصد نہ بدل
چند لفظوں میں ہے اسوۂ انصار حسین وسعت فکر و نظر حوصلہ عزم و عمل

اخلاق حسین سے سروکار بھی ہو دنیا کی نمائشوں سے بیزار بھی ہو
دولت سے ہے بے نیاز جو مردِ عمل مزدور بھی ہو اور عزا دار بھی ہو

مولانا کا استغاثہ ہے تیرے حافظے میں مجلس کی حاضری سے منبر کی آگہی سے
یہ قول بھی سنا ہے سلطانِ کربلا کا عزت کی موت بہتر ذلت کی زندگی سے
تجملہ صاب کی نظر میں امام کا یہ قول آپ کی تمام تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ ایک عملی درس ہے،
زندہ پیغام ہے۔ مگر مولانا کا یہ فرمان ہماری فکروں اور نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ ہم تعلیمات
حسینی فراموش کر چکے ہیں۔ ہم حسینؑ یادگار کو صرف رسمی اور روایتی انداز میں مناتے ہیں۔ وہ خلوص
و عقیدت ہی نہ رہی۔ نام و نمود شخصی و جاہت اور ذاتیات کو اہمیت دی جانے لگی ہے۔ جیسا کہ
معاشرہ کی کچھ خرابیوں کی طرف تجملہ صاحب بڑے لطیف اشارے کرتے ہوئے ماتم کے متعلق
کہتے ہیں

نمودِ قوتِ نانِ شعر دیکھتے ہیں کمالِ شوق سے یہ دارو گیر دیکھتے ہیں

غم حسین بھی یارب کوئی تماشا ہے غریب کرتے ہیں ماتم، امیر دیکھتے ہیں
نذرو نیاز کے سلسلے میں کہا ہے

محکم نذر و نیاز کر لیتے ہیں اس راہ میں قرض بیشتر لیتے ہیں
بھوکوں کو نوالہ نہیں ملتا لیکن سب پیٹ بھرے ہی پیٹ بھر لیتے ہیں

ہر جگہ ہے اہل دولت کے لیے سامان الگ نذر کے موقع پر بھی بچھتا ہے دسترخوان الگ
یوں غریبوں سے یہ ہر منزل میں رہتے ہیں جدا جیسے قبلہ ہے امیروں کا الگ قرآن الگ
مجلس کی افادیت کے بارے میں کہتے ہیں

مجلس کے جو ختم پر پلٹتے دیکھا حضار کو ٹولیوں میں بٹے دیکھا
تعریف کسی کی اور کسی پر تعریض خالی باتوں میں وقت کٹتے دیکھا
جن مجلسوں سے کل تک ہم علم و انوار کے موتی لے کر آتے تھے، آج رنجشیں اور تعصب کے
پتھر لارہے ہیں۔ جن منبروں سے کل تک محمد و آل محمد کا خالص پیغام سنایا جاتا تھا، آج قصے
کہانیاں، ضعیف روایتیں بیان ہو رہی ہیں۔ جن زبانوں سے کل تک ایمان و عرفان کے گوہر
جھڑتے تھے۔ آج سطحی اور غیر مفید باتیں سن رہے ہیں۔ وہ مجلس جو تعمیر قومی اور ملی تنظیم کا موثر
ترین ادارہ ہے، ہماری زندگی میں کوئی انقلاب پیدا نہیں کر رہی ہے، حالانکہ بقول حجم مرحوم:

مجلسوں سے قوم کی تنظیم ہونی چاہیے
کچھ تو حال زار کی ترمیم ہونی چاہیے
مقصد شیر کی تنظیم ہونی چاہیے
نام اب مظلوم کی تعلیم ہونی چاہیے

اس وقت جس رنگ میں عزاداری برپا کرتے ہیں، وہ اپنی افادی نوعیت کھوتی جا رہی ہے
اور افسوس ناک حد تک قابل اصلاح ہے۔ حجم آفندی اس صورت حال سے بہت متاثر تھے۔
چنانچہ ایڈیٹر رضا کار کے نام ایک تحریر میں اپنے جذبات کا اظہار فرماتے ہیں:

”مکرمی۔ بعض منبر نشینوں کی بدولت کلیجہ خوں ہو گیا ہے۔ اور بغیر قصد و اہتمام یہ چار

مصرعے آنسوؤں کی طرح ٹپک پڑے ہیں۔“ (حجم آفندی)

منہبوم شہادت کو بھلا دے ملت

مجلس کو بھی اک رسم بنادے ملت

تقریر کا آج کوئی معیار نہیں

منبر پہ جسے چاہے بٹھا دے ملت

یہ واقعہ ہے کہ آج منبر کا تقدس اور وقار جاتا رہا۔ ہر کس و ناکس زیب منبر دکھائی دیتا ہے۔ جنہوں نے کبھی کچھ پڑھا لکھا نہیں، وہ بھی چرب زبانی اور شعلہ بیانی کی وجہ سے علامہ کہے جانے لگے ہیں۔ جنہیں حسینیٹ سے دور کا بھی لگاؤ نہیں وہ حسینیٹ کے علمبردار بنے بیٹھے ہیں۔ فن خطابت اور گفتار کے غازی اور عمل و کردار میں محمدؐ و آل محمدؐ کے محض نام لیوا۔ عام طور پر ہمارے واعظ اور ذاکر بے عمل ہی نہیں ہیں بلکہ یہی لوگ مجلس کی رونق منبر کی زیب و زینت اور عزاداری کے روح رواں، یہی لوگ خطیب آل محمدؐ، یہی حضرات بلبل بوستان آل رسولؐ۔ یہی ہستیاں ہمارے پیشوا، ہمارے رہنما، ہمارے قائد اور لیڈر، یہ ہے مجالس پڑھنے والوں کی سیرت و کردار۔ اسی سے مجالس سننے والوں کی حالت کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔

بد نصیبی کی حد تو یہ ہے کہ ہمارے بیشتر علمائے کرام، پیشوائے دین جو قوم کا قیمتی سرمایہ ہیں، حیات دینی کے ذمہ دار ہیں، قوم کی تشکیل سیرت کے معمار، قرآن و سنت کے محافظ اور قوم و ملت کے نگہبان ہیں، پیشہ ور ذاکر بن کر رہ گئے ہیں۔ ان سے اتحاد ملی اور وحدت ایمانی رخصت ہو گئی ہے۔ اکثر رؤساء اور امراء کے قصیدے خواں ہی نظر آتے ہیں۔ چہ جائے کہ ان کی گفتار، ارشادات محمدؐ و آل محمدؐ کی تفسیر ہوتی ہے اور ان کی رفتار، دین کا شعار اور اسلامی اطوار۔ سچ بات تو یہ ہے کہ آجکل اجتہاد کے معنی عبا و قبا، مجتہد کے معنی قیمتی عمامہ، عالم سے مراد شعلہ بیاں مقرر، واعظ و مبلغ سے مراد سحر زباں ذاکر۔

خدا رحمت نازل کرے حجم آفندی مرحوم کی روح پر کہ انہوں نے اپنے کلام میں جرأت مندانہ حیثیت سے عزاداران و اعظیان اور ذاکرین کی اصلاح کو بھی مد نظر رکھا۔ واقعی ایسے نازک اور کڑے وقت میں حق و صداقت کی آواز نکالنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ شاعری کا مقصد

وحید تشکیل سیرت اور تعمیر و کردار جس کو جہم آفندی نے بحسن و خوبی انجام دیا ہے اور اس سلسلے میں ان کے حق کے بول یقیناً عبرت ہیں، اور اصلاح کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

نام عزاداران کے متعلق کہہ رہے ہیں۔ کاش ہم ان سے سبق حاصل کریں
اٹھا نہ قدم عمل کا بڑھنے کے لیے ہمت کی بلندیوں پر چڑھنے کے لیے
مولا کا ہر معرکہ علم و عمل سنتے ہی رہے ہم درود پڑھنے کے لیے

دل میں ترے درد کی ہے کہ نہیں کردار میں ملتی ہے کوئی شے کہ نہیں
ہے چپ غلی سفینہ نوح مگر تیری بھی سفینہ میں جگہ ہے کہ نہیں

آنسو تو بہت آنکھ کے پیمانے میں کیا رنگ ہے زندگی کے افسانے میں
دل بھی ترا پاک ہے، زباں بھی طاہر یہ دیکھ کے پاؤں رکھ عزا خانے میں
ذاکریں اور واعظین سے مخاطب ہو کر بہ ادب و احترام کہتے ہیں کہ خدا کرے ان حضرات
پر ان کی آواز کا اثر ہو

قول اور عمل میں مطلقاً میل نہیں عقبتی کے منڈھے چڑھے یہ وہ بیل نہیں
لعرض ہے قدم میں کیا قدم رکھتے ہو منبر ہے رسولؐ کا کوئی کھیل نہیں

یہ عمامہ یہ عبا یہ اوج منبر پر نشست یہ سمجھنا ہے غلط جیسے کہ ہے گھر پر نشست
پہلے اتنا دیکھ لیجئے پاؤں اس قابل بھی ہیں یہ نشست منبری ہے قوم کے سر پر نشست

حیرت ہے اگر تجھے یہ ادراک نہیں جامہ کی بساط کیا جو دل پاک نہیں
تو رونق منبر ہو کہ ہو خاک نشین کردار ہے اصل چیز پوشاک نہیں

خدمت میں جو وارد ہو کوئی صلابت دولت تعظیم کو بڑھتا ہے عمامہ بھی عبا بھی

تعظیم کا کیا ذکر ہے پہلو بھی نہ بدلیں آجائے اگر صورتِ مفلس میں خدا بھی

سلام میں سبقت اور پھر غریبوں پر نظر اٹھا کے نہیں دیکھتے کسی کی طرف
غرور علم کا عالم ارے معاذ اللہ کہ جیسے دوش پہ رکھی ہے درگاہِ نجف

کس دن کے لیے راہِ محبت پہ چلا سانچے میں نہ تو صبر و قناعت کے ڈھلا
اپنی تنخواہ کی کمی پر شکوہ افلاس پہ اہل بیت کے صلِ علی

ہاں سرِ خفی اس جلی کہہ کے الٹ اے صاحبِ زورِ ازلی کہہ کے الٹ
کیا صرف کتابوں کے التا ہے ورق دنیا کا ورق بھی یا علی کہہ کے الٹ

محفل میں نشہ مئےِ تولا کا چٹا خیر کی خبر سن کے درود اور پڑھا
راہیں کیا کیا علی کی سیرت سے ملیں دلِ نعرہٗ صلوة سے آگے نہ بڑھا
اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہماری مجالس میں عام طور سے ذاکری اور خطابت کا
پہلو اور زیادہ روشن بابِ فضائل، شخصی تعریف، معجزات ہوتے ہیں مگر ان بلند مقاصد اور اعلیٰ نصب
العین کے لیے ان شخصیتوں نے اپنے آپ کو فنا کر دیا ہے، ان کے اتباع کے لیے مجالس کی ذاکری،
منبر کی خوش بیانی اور مبلغ کی قوتِ لسانی خاموش نظر آتی ہے۔

مثلاً امام حسین کی تعریف اور قصیدہ خوانی ہو رہی ہے اور ذکرِ مصائب میں واقعہ شہادت بھی
بیاں ہو رہا ہے۔ لیکن جن بلند مقاصد کے لیے امام نے جان دی، شہادت اختیار کی، جہاد کیا، اس
کا ذکر نہیں۔ نماز میں امام کی شہادت کا ربطِ مصائب تو ہے مگر پابندیِ صلوة اور اتباعِ خدا اور رسولؐ
کے بلند اسلامی مقاصد اور نصبِ العین پر امام کی یہ جدوجہدِ الفت امام کا دم بھرنے والوں کے
لیے کوئی توجہ کا مرکز نہیں۔

فضائلِ علویہ بیان ہو رہے ہیں۔ معجزات اور حالات، حرب و ضرب پر مجالس میں نعرہٗ

حیدری کے فلک شگاف نعرے بلند ہیں لیکن سیرت علویہ اور امیر المومنین کی عملی زندگی جن سے ہم استفادہ کر کے ان کے سچے شیعہ بن جائیں، اس کا ذکر بھولے سے بھی ہماری مجالس میں نہیں ہوتا۔

جب سے وعظ اور ذاکری نے کاروباری نوعیت اختیار کی ہے، سامعین و داعیان مجالس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کی طبیعت و مرضی کے مطابق بیان کرنا ذاکرین اور مقررین کا معمول ہو گیا ہے۔ بعض نام نہاد واعظین اور ذاکرین نے عزاداری کا مفہوم فقط یہ سمجھ رکھا ہے کہ فضائل اور مناظرانہ بیان سے مجلس میں واہ واہ اور درود کے نعروں سے گونج پیدا کی جائے۔ تبلیغ دین کے حقیقی عوامل کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ عمل کی طرف رغبت دلانے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔ اہل بیت اطہار کی پیروی کی طرف بلانا ضروری نہیں سمجھا جاتا جس کے باعث موجودہ طرز ذاکری سے مذہب و ملت کو فائدہ بہت ہی کم اور اس کے بالمقابل نقصان بہت زیادہ پہنچ رہا ہے اور پھر مقررین حضرات کی باہمی رقابت اور رسد کشی سے ملت کو جو نقصان پہنچ رہا ہے وہ عظیم تر ہے۔ اس وقت قوم میں جو انتشار اور تشکیک ہے، وہ علماء کرام، واعظین عظام کے عدم اتحاد کا رد عمل ہے۔ اگر ان حضرات میں اتحاد و وحدت ہو تو قوم کبھی منتشر اور اراق نہیں بن سکتی۔ قوم بحیثیت مجموعی خصوصاً عوام علماء کرام، ذاکرین اور واعظین کا دل سے احترام کرتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرات علماء اپنے کو صرف مصائب و فضائل کی مجالس پڑھ کر ایک پیشہ ورانہ طبقہ کے معزز افراد ہی نہ سمجھیں۔ تعلیماتِ محمد و آل محمد کی ترقی اشاعت اور قوم کی تنظیم و اصلاح کے سلسلے میں بھی ان پر کوئی فرض نائد ہوتا ہے اور جب تک وہ خود سیرتِ محمد و آل محمد پر نائل نہ ہوں گے، ان کے وعظ اور تقرری کا کوئی اثر ہی نہیں ہو سکتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ مقررین اور ذاکرین حضرات کے بیانات و تبلیغ وہ اثر پیدا نہیں کر رہے ہیں جو کبھی ہوا کرتے تھے۔

یہ صورت حال ہم سب کو دعوت غور و فکر دیتی ہے اور تقاضا کرتی ہے کہ ہم اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ نجم آفندی اس بات سے بہت متاثر ہوئے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ ہمارے دینی اجتماعات، سامعین میں کوئی انقلاب پیدا نہیں کرتے۔ اس وقت ذاکری کو جس نہج پر ڈھالا گیا ہے، اس سے ہماری عملی زندگی متاثر نہیں ہوتی اور نہ ہماری حیات اجتماعی سنورتی

دکھائی دیتی ہے۔ البتہ ہماری دماغی عیاشی کے جملہ سامان ضرور فراہم ہو جاتے ہیں اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ عزاداری سید الشہداء جس سے ہماری قومی حیات وابستہ ہے، اب بے روح ہوتی جا رہی ہے اور محض ایک رسم بن کر رہ گئی ہے۔

ان تصورات نے مرحوم کے دل میں ایک ایسی تڑپ پیدا کر دی تھی کہ انھوں نے اپنے کلام کے ذریعہ ہماری اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت قوم کی بہتری و سر بلندی کے لیے سوچتے رہتے تھے۔ چنانچہ شاعر اہل بیت نے اسی مقصد کے حصول کے لیے اپنی بیشتر نظموں میں قوم کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش فرمائی۔ جا بجا عمل اور حقیقی عمل کی ہدایت کرتے ہیں۔ تعلیم اہل بیت کی طرف راغب کرتے ہیں۔ یہ پیام ان کے کلام میں کہیں کہیں فریاد کی شکل میں پایا جاتا ہے اور اکثر انتباہ کے طور پر برادرانہ خطاب۔ ان کا یہ ایمان ہے کہ اگر تذکرہ اہل بیت صحیح طریق پر کیا جائے تو ہماری دینی و دنیاوی زندگی کو سنوارنے کا ضامن ہو سکتا ہے۔ مصائب و فضائل آل محمدؑ وہ بلند تذکرے ہیں کہ جو نہ صرف قومی کردار میں انقلاب آفریں بہتر اثر پیدا کر سکتے ہیں، بلکہ ہر کوئی انسان، خواہ وہ کسی بھی عقیدہ و مسلک سے تعلق رکھتا ہو، ناممکن ہے کہ فضائل و مصائب آل محمدؑ خصوصاً واقعات کربلاؑ سے اور اس کا دل نہ کھنچا چلا آئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ محمدؑ و آل محمدؑ کا تذکرہ اس عنوان سے کیا جائے کہ ان کی یاد ہمارے قلوب کو گرما دے۔ ان کی سیرت اور زندگی ہمارے ذہنوں میں جاگزیں ہو جائے اور ہم میں حق و صداقت کے لیے جان دے دینے کا جذبہ بیدار ہو جائے۔ ہمارے دلوں کو ذوق عمل سے تڑپا دے اور ہماری فکروں میں ہمارے ارادوں میں اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر ملت کو اونچا کر دینے کا شوق چمکیاں لینے لگے۔

اس اعلیٰ مقصد کے پیش نظر حضرت نجم آفندی مجلس پڑھنے والوں، ذاکرین، مقررین اور مرثیہ خواں حضرات سے مخلصانہ خطاب کرتے ہوئے درخواست کرتے ہیں کہ وہ زمانہ کے بدلے ہوئے حالات کو پیش نظر رکھ کر اپنے بیان کا رنگ بدلیں اور سامعین کے لیے دماغی عیاشی کے سامان فراہم کرنے کے بجائے، ملت کی سر بلندی کے سامان فراہم فرمائیں اور صحیح معنوں میں حسدیت کی تبلیغ کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

موسم غم آگیا کر شکر احسانِ حسین
نالہ ہائے زیر لب کو قوتِ پرواز دے
بے خبر افراد کو رازِ عزا داری بتا
پیش کر صد ہا برس کے ناشکستہ جوش کو
منکر تاثیر کا بڑھ کر کلیجہ تھام لے
اسوہٗ محنت کشانِ کربلا تعلیم کر
نعرۂ یالیتی میں روح معنی ڈال دے
دشت و درو آنسوؤں کی سیل سے پانی بنا
جوشِ غم کے بادلوں سے بجلیاں تخلیق کر
شانِ سالاری بتا ذہنِ علم بردوش کو
سرفروشی جس کی ہے سرمایہٗ نازِ حیات
بات ایسی کہہ جو دستورِ العمل ہو کام دے
کربلا سے جو تجھے پہنچا ہے وہ پیغام دے

چہرہٗ روشن دکھلا کر فطرتِ اسلام کا

کلمہ پڑھو اے حسین ابنِ علی کے نام کا

مرثیہ خوانوں اور خطیبوں سے اس خطاب میں نجمِ صاحب نے انھیں ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا ہے۔ واقعی اگر ذاکرینِ حضرات جن کی منہجی میں ملت کی پوری توجہ ہوتی ہے اور جو عزا داری کی جان ہیں، صحیح معنوں میں اپنے فرائض کا احساس فرمائیں اور سیرتِ امیرِ علیہا السلام پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تبلیغِ دین انجام دیں، اپنی طرزِ ذاکری اور طرزِ خطابت میں بنیادی تبدیلی پیدا کریں اور اصلاح و با مقصد ذاکری کو فروغ دیں، ہمارے معاشی و اخلاقی مسائل کو موضوعِ سخن بنائیں، ہماری توجہ ٹھوس اور تعمیری امور کی طرف مبذول کریں، تاریخی حقائق، قرآنی معارف، محاسنِ اسلام کے ساتھ ساتھ ملی تنظیم اور ترقیاتی پروگرام کی بھی تبلیغ و اشاعت کریں تو موجودہ قومی جمود میں بیداری پیدا ہو اور ہم عملی عروج سے ہمکنار ہوں۔ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ذاکرینِ عظام کی اس مخلصانہ کوشش سے قوم میں انقلاب پیدا ہو سکتا ہے اور ہماری جماعت

دین و دنیا میں کامیابی و کامرانی حاصل کر سکتی ہے۔

حضرت نجم آفندی محض مرثیہ خوانوں اور مقررین کو اپنا اصلاحی پیغام دے کر مطمئن نہیں ہو جاتے بلکہ تمام عزادارانِ امام مظلوم تک اپنی آواز پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عزادار وہ خوش نصیب قوم ہیں جن کے ساتھ حسینؑی انقلاب کو منانے اور اس کی یاد زندہ رکھنے کی سعادت مخصوص ہے، جو یادگار حسینؑی کو مختلف انداز سے، مختلف طریقوں سے، کبھی مجالس، کبھی نوحہ و ماتم، کبھی شعائرِ عزاء، علم، جلوس وغیرہ کے ذریعے تمام دنیا کے سامنے پیش کرنے کا فخر حاصل کرتے ہیں اور اقوامِ عالم کو مجاہدِ کربلا کی شخصیت اور ان کے زندہ جاوید کارنامہ شہادت سے روشناس کراتے ہیں۔ ان کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ بھی حسینؑی کارناموں کو عملی حیثیت سے اپنانے کی کوشش کریں اور اپنی زندگی کو حسینیت کے سانچے میں ڈھالیں تاکہ وہ حسینؑی کہلائے جانے کے مستحق قرار پائے جائیں اور اپنی مساعی سے حسینیت کا مفہوم دوسروں کو سمجھانے میں کامیاب ہوں اور حسینی مشن موثر طور پر دنیا والوں تک پہنچاتے رہیں اور انسانیت ان کے ذریعے حسینی تعلیمات سے فیضیاب ہوتی رہے۔ عزاداران کے نام نجم صاحب یوں پیغام پیش کرتے ہیں:

مظلوم کے ماتم سے دو عالم کو ہلا دو	نوحہ میں پیامِ ابِ معصوم سنا دو
کہہ دو کہ اشاعت ہے ہمیں درد کی مطلوب	مامور ہیں تبلیغِ محبت پہ بتا دو
سمجھاؤ یہ فریاد کی لئے غور طلب ہے	دل رکھتے ہو روئے کو ہنسی میں نہ اڑا دو
کچھ بھولے ہوئے سے نظر آتے ہیں مسلمان	پھر اُسوۂ شہیدؑ ذرا یاد دلا دو
مدت ہوئی کرتے ہوئے اقرار غلامی	اب شان بھی کچھ اس کے غلاموں کی دکھا دو
کیا سوچ میں ہو جادۂ تسلیم دکھا کر	بھٹکے ہوئے انسان کو رستے پہ لگا دو
کیا جاگ رہے ہو شبِ ناشور اکیلے	ہم کہتے ہیں سوئی ہوئی دنیا کو جگا دو
جب دوش پہ عباسِ دلاور کا علم ہے	کیا سر پہ اٹھائے ہو فلکِ حشر اٹھا دو
شہیدؑ کے سوکھے ہوئے ہونٹوں کا تصدق	پیاسا ہے زمانہ کی ذرا پیاس بجھا دو
بات آئی ہے اشکوں کی تو ہر آنکھ سے ٹپکیں	اس غم کو جگاؤ غمِ ہستی کو سلا دو

دل پہلے مگر اپنے ہی پہلو میں ٹٹولو ٹھنڈا ہو جہاں خونِ عمل آگ لگا دو
یہ دل کا تڑپنا ہے کہ بیمار کی کڑوٹ کونین بھی تڑپیں جو تڑپنے کی رضا دو
انصارِ حسینؑ کی تاشی کا ہے دعویٰ ملت کے پسینے پہ لہو اپنا گرا دو
یہ کوئی نہ کہہ دے کہ جھلک ان میں نہیں ہے کچھ اپنی روش سے خبر کرب و بلا دو
ہر سال تمہیں یاد دلانا ہے محرم کھوئے ہوئے ہو جس میں وہ ماحول بھلا دو
ایمان کو ایمان کی صورت میں دکھاؤ اسلام کو اسلام کا مصداق بنا دو
کچھ غور کرو جہنم کے منہومِ سخن پر دیوانہ سمجھتے ہو تو مرنے کی دعا دو

کوئی دیوانہ ہی ایسے مخلص انسان، ہمدرد قوم اور نجمِ شعرو سخن کو مرنے کی دعا دے، اور وہ بھی نہایت نا فہم ہے جو ایسے نقیب آل محمدؐ اور محب اہل بیتؑ کو اس کی مادی موت کے بعد مردہ سمجھے۔ محب اہل بیتؑ کبھی نہیں مرنے لگتا۔ مر نہیں سکتا کوئی شہیدِ راہِ حق۔ لاکھ موت آجائے لیکن جہنم مر سکتا نہیں۔ من مات علی حب آل محمد مات شہیداً جیسا کہ جہنم مرحوم خود کہتے ہیں:

شہادت کا شرف پایا تو لا میں فنا ہو کر
اٹھے بھی ہم زندہ ہی اٹھے دنیا کی محفل سے
جاری ہے اب بھی سلسلہ نصرتِ حسینؑ
وہ سب شہید ہیں جو محبت میں مر گئے

مداحِ اہل بیتؑ کے لیے تو موت کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ حیاتِ ابدی لے کر آتا ہے۔ جہنم صاحب بھی ایسا یقین رکھتے تھے۔ چنانچہ مرحوم نے کس عقیدت سے اظہار کیا ہے:

شاعر ہوں جن کا جہنم وہ ہیں وجہ کائنات
ممکن ہے تا ابد مرا نام و نشان رہے

یقیناً ہمارے دلوں میں ان کی یاد تازہ اور نگاہوں میں ان کی تصویر ہے جو کبھی محو نہ ہوگی اور وہ ان کا تبلیغی کلام ہمارے دلوں کو زندگی جاوداں بخشتا رہے گا۔ ان کا کلام ان کی زندگی ہے اور وہ زندہ جاوید ہیں، جیسا کہ حکیم اسلام مولانا ابی طالب علیہ السلام کا حقیقت آگئیں ارشاد ہے۔

الناس مروتی و اہل العلم احیاء۔ کج مزار میں آرام کرنے والا زندہ جاوید ہے اگر وہ واعظانہ زندگی چھوڑ کر مرے۔

دنیا کی مایا کوئی نہیں کچھ نوٹے ہیں کچھ دوہے ہیں
نجمی یہی مایا لائے تھے نجمی یہی مایا چھوڑ گئے

اور نجم مرحوم کی یہ مایا ہمارے لیے وہ سرمایہ تبلیغ و ہدایت ہے، درس و عمل کا وہ منبع ہے، اصلاح و ترقی کا وہ سرچشمہ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ ہماری راہنمائی کرتا رہے گا اور کبھی دنیا و آخرت کے فائدوں سے بے نیاز نہ ہونے دے گا۔ خدا ہم کو ان کے حقیقت افروز پیغامات سے استفادہ کرنے کی صلاحیت عطا کرے۔ ہم ان کے کلام کا بہ نظر غور مطالعہ کریں۔ ان کے دیے ہوئے پیغامات، عملی رموز و نکات کو سمجھیں اور سیرت اہل بیت کو اپنا شعار بنائیں، جو شاعر اہل بیت کا مرکزی پیغام ہے اور یہی ان کے لیے ہمارا بہترین خراج عقیدت اور خراج تحسین ہوگا۔ مرحوم حتی الوسع سیرت اہل بیت پر عمل پیرا تھے اور تاسی اہل بیت اطہار کے پیغام کو ہم تک پہنچانے میں اپنی زندگی صرف کر دی۔ ان کو کما حقہ احساس تھا کہ شیعہ خواہ وہ کسی مقام، طبقہ یا نسل سے تعلق رکھتے ہوں، محبان اہل بیت کہلاتے ہیں۔ اس لیے ان کا طرز عمل اور طرز زندگی اہل بیت کے طرز زیست سے جدا گانہ کوئی شے نہیں۔ ضرورت ہے کہ ٹھنڈے دل سے تعلیمات آل محمد کا مطالعہ کیا جائے۔ ان کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کی صلاحیتیں پیدا کی جائیں۔ ان کے طرز فکر کے نقوش اجاگر کیے جائیں۔ ان کے اعمال و اقوال کو رہبر بنایا جائے اور ان کے مقصد حیات کو اپنایا جائے۔ نجم آفندی مرحوم نے اس مقصد کی وضاحت کے لیے اپنے کلام میں دل پذیر اختراعیں کیں۔ نئی نئی راہیں نکالیں۔ ان کی نظمیں کیا ہیں عقیدت اور بصیرت کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں اور وہ اپنی تمام عمر ہم میں روح عمل پھونکنے کی سعی بلیغ کرتے رہے۔ اللہ ان کو جوار اہل بیت اطہار مرحمت فرمائے۔ مرتے وقت ان کی زبان پر یہی ایک صدارتی۔ خدا اس آواز میں اثر پیدا کرے سنیے اور غور سے سنیے کیا کہہ رہے ہیں:

تاریخ ہے گواہ کہ ہر ایک دور میں کیا متحد رہے ہیں غلامانِ اہل بیت
کیوں آج ہوں نہ شاد عدو اہل بیت کے آپس میں لڑ رہے ہیں ثاخوانِ اہل بیت

قربان کر رہے ہیں وہ اغراض پر اصول کل تک تھے جان و دل سے جو قربانِ اہل بیت
ان کا اگر یہ طرزِ عمل ہو تو ہے بجا حاصل نہیں ہوا جنہیں عرفانِ اہل بیت
غیرت نہ آئے گی جو کسی نے کیا سوال ہوتے ہیں ایسے تابعِ فرمانِ اہل بیت
دربارِ اہل بیت میں جانا ہوا اگر کس منہ سے ہو سکیں گے یہ مہمانِ اہل بیت
خدمت ہو پُر خلوص محبت ہو پُر خلوص وہ نذر چاہیے جو ہو شایانِ اہل بیت
ایثار کی تپش میں گزاریں وہ زندگی
جن کو ہے فکرِ سایہِ دامانِ اہل بیت

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ



jabir.abbas@yahoo.com

ڈاکٹر محمد احسن فاروقی

علامہ نجم آفندی کی نثر نگاری

علامہ مرحوم کی نثر نگاری کے سلسلے میں تین اہم کارنامے ہیں:

- چور ماموں
- شہیدوں کی باتیں
- لغات المذہب

یہ امر انظر من الشمس ہے کہ علامہ مرحوم کی تمام تصانیف بنیادی طور پر مذہبی ہیں اور مذہب ہی وہ بنیاد ہے جن پر تمام علوم اور فنون کی مستحکم بنیاد رکھی گئی ہے اور رکھی جاتی ہے۔ سیکولرزم، (لادینیت) کا ڈھونگ رچانے والے بھی یہ مشکل ہی مذہب سے الگ ہو پاتے ہیں۔ ایمان داری یہ ہے کہ مذہب سے لگاؤ کا اس صاف طریقہ پر اعلان کر دیا جائے جیسا کہ علامہ مرحوم کی تمام تر تصانیف میں ملتا ہے۔ مندرجہ بالا تصانیف صاف طور پر مذہبی ہیں اور ان کا مقصد نوعمروں کو مذہب کی بنیادوں سے واقف کرانا ہے۔

نجم صاحب مرحوم کی نظم میں تصانیف ہر سن اور سال کے لوگوں کے لیے ہیں، مگر ان نثری تصانیف کا رخ خاص طور سے بچوں کی طرف ہے اور ان تمام خصوصیات سے معمور ہیں جو بچوں کے ادب میں ہونا چاہیے۔ ان کی نفسیاتی سطح وہی ہے جو ایک عینی معلم کو اختیار کرنا چاہیے اور زبان و طرز ادا بھی اتنا آسان اور دلکش ہے جو اسی سطح کی کتابوں میں ہونا چاہیے۔

اسی طرح ”چور ماموں“ ایک تمثیلی افسانہ ہے جس میں پہلے کچھ بچوں کے سامنے لایا گیا جو ان میں سے ایک کی سالگرہ منانے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ بچوں کی آپس کی بات چیت ایک دلچسپ نفسیاتی فضا قائم کرتی ہے۔ خاص طور سے ایک تو تلی لڑکی مہر النساء نمایاں ہوتی ہے۔ سارا

معاملہ چھوٹے بڑے بچوں کا ہے اور ایسا گڑ بڑ جیسا بچوں کا ہونا چاہیے، مگر یہ جلسہ ایک صاحب کے آنے سے ایک خاص ترتیب میں آجاتا ہے، جو اپنے آپ کو ان بچوں کا ماموں بتاتا ہے۔ سالگرہ کے جلسے کے لیے مٹھائی منگاتے ہیں۔ جلسہ کے صدر بن کر بچوں کو اہم تاریخی اور جغرافیائی حقیقتوں سے آگاہ کرتے ہیں۔ مالک مکان پولیس آفیسر ہیں اور وہ ایک اہم تفتیش کے سلسلے میں چلے جاتے ہیں۔ واپسی پر انھیں ایک خط ملتا ہے جس سے انھیں معلوم ہوتا ہے کہ جس ملزم کی تلاش میں وہ شہر کی ناکہ بندی کر رہے تھے، وہ ان کے گھر ہی میں تھا۔ افسانہ کی جان ملزم کا کردار ہے۔ اپنے خط میں وہ بتاتا ہے۔

”میں ایک تعلیم یافتہ انجینئر ریٹرن چور ہوں۔ اور جتنی دیر میرا یہاں قیام رہا، میں نے تہذیب اور اخلاق کے اصول کو لحو بھر کے لیے ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ میں نے اس قلیل وقت میں ان کو خوش رکھنے کی کسی قدر کوشش کی اور ان کی معلومات میں کس قدر اضافہ ہوا۔“

چوری کے متعلق آپ زیادہ فکر نہ کیجئے۔ سیٹھ صاحب بہت وزنی آدمی ہیں۔ تھوڑا سا بوجھ ہلکا ہو گیا ہوگا۔ اچھا ہی ہوا۔ خدا ہی جانتا ہے کتنا غیر معمولی سود اور بے تحاشا منافع کا پیسہ ہوگا۔“

اس تمثیلچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نجم صاحب کو اصلاح کا کتنا شوق تھا اور کس سلیقے اور شگفتگی سے وہ اصلاحی امور کو تمثیل کے ذریعہ پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ افسوس ہے کہ اور کاموں میں مصروفیت نے انھیں اس طرف زیادہ توجہ دینے کی مہلت نہ دی مگر پھر بھی وہ اپنے بنیادی اخلاقی مقصد کو جیسے بھی ممکن ہوا پیش کرتے رہے۔ ان کا خاص میدان نظم ہے مگر نثر میں جو اسلوب انھوں نے اختیار کیا ہے، وہ ان کی ادبی صلاحیتوں کا پورے طور پر آئینہ دار ہے۔

نثر میں ان کا شاہ کار اور اپنی نوعیت کی بہترین کتاب ”شہیدوں کی باتیں“ ہے۔ اس میں بڑی جدت یہ ہے کہ فرضی چٹکوں کے بجائے انھوں نے واقعہ کربلا سے مستند تاریخی واقعات لیے ہیں اور ان کو ایسی زبان اور ایسے ڈرامائی انداز میں پیش کیا ہے کہ بچے کیا، بزرگ لوگ بھی ان

سے ہدایت حاصل کریں۔ ”مقدمہ“ میں وہ فرماتے ہیں۔
 ”میں کوئی نئی چیز نہیں پیش کر رہا ہوں۔ نہ میرا مقصد کوئی دماغی کارنامہ
 ہے۔ یہ تمام اقوال تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔
 میں شرفیتِ نفس کے ان زرین کارناموں کو تاریخی ضخیم کتابوں کی دہازت
 سے نکال کر چند مختصر صفحات میں قوم کے فوہالوں کے سامنے لایا ہوں کہ وہ
 انھیں دیکھیں اور غور کریں۔ ممکن ہے کہ کوئی اچھا نتیجہ نکلے۔“
 یہاں ہر واقعہ کو نہایت مناسب سرخی دی گئی ہے۔ چند مثالیں حسب ذیل ہیں۔

شہید انسانیت

”عصرِ عاشورہ کے وقت حسین زخموں سے چور ہو کر زمین پر بیٹھے جھوم رہے تھے۔
 ایک شخص قتل کے ارادے سے بڑھا۔
 فرمایا: ”تو میرا قاتل نہیں ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ تو بتلائے عذاب ہو۔“ حسین
 کے اس ارشاد نے دل بدل دیا۔ ”ابن رسول اللہ آپ کو اس حال میں بھی ہمارا غم
 ہے۔“ یہ کہہ کر رونا ہوا اپنے ساتھیوں پر پٹ پٹا اور حسین کے لیے لڑ کر جان
 دے دی۔“
 کیا دشمن پر ترس کھانے کی ایسی کوئی مثال ہے۔ شرفیتِ انسانی کی اسی معراج کو دیکھو۔

عظمتِ کردار

”محمد ابن بشر الحضرمی کو معرکہ کربلا میں یہ اطلاع ملی کہ تمھارا بیٹا سرحدِ رے پر
 گرفتار ہو گیا ہے۔
 محمد ابن بشر نے کہا: ”میں اس کی نصرت کو امام کی نصرت پر ترجیح نہیں دے
 سکتا۔“ امام نے فرمایا: ”میں نے اطاعت کا بار تم سے اٹھالیا۔ جا کر اپنے بیٹے کو
 چھڑاؤ۔“ عرض کیا: ”یا ابن رسول اللہ۔ اگر میں آپ کو چھوڑ دوں تو جانورِ دردندہ

مجھے پھاڑ ڈالیں۔“

”محمد ابن بشر کا یہ جواب جذبہ اخلاص کی ایک چیخ ہے جو دل کو چیر کر نکلی ہے۔
عہد رفاقت کی یہ مضبوطی۔ محبت کی یہ کوہساری مطالعہ کرو اور اسے حسین کے نوعمر
ماتم دار و کردار کی اس بلندی تک پہنچو۔“

جان معرفت

”قائل جب سینہ پر سوار ہوا ہے، اس وقت کے دو جملے حسین مظلوم کی زبان
مبارک سے نکلے ہوئے تاریخ میں ملتے ہیں۔ ایک با آواز بلند۔ ایک زیر لب
قائل سے فرمایا ”تو کون ہے جو ایسے بلند مقام پر چڑھ گیا۔“
اپنی عظمت کا احساس، اس کے اعلان و اظہار، استغراق حق کا نعل دیکھو، اور سوچتے رہو۔
زیر لب کچھ فرمایا: قائل نے کان لگا کر سنا
”تم اپنا عہد پورا کرو۔ میں اپنا عہد پورا کروں گا۔“
یہ قرآن کی ایک آیت ہے جس کی تلاوت کا نہ اس سے بہتر وقت ہو سکتا تھا نہ کسی
اور کی زبان اس کی تلاوت کے لیے اس زبان سے زیادہ موزوں تھی۔“

ان تین مثالوں ہی سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ حجم صاحب کس پایہ کے معلم اخلاق ہیں۔
چٹکوں کے ذریعہ اخلاق سکھانے کا طریقہ فارسی اور اردو ادب میں نام ہے۔ یہاں جدت یہ
ہے کہ چٹکے فرضی نہیں ہیں، بلکہ تاریخی اور مستند ہیں اور ایک عظیم ترین علم اخلاق سے وابستہ ہیں۔
اس لیے ان میں عظمت کا وہ پہلو نکلتا ہے جو رزمیہ نظموں کی جان ہوتا ہے۔ پھر زبان و بیان کا
عالم دیکھیے۔ سادہ اور روزمرہ کی زبان کا طرز کمال ہے۔ ہر حکایت کیل کی طرح دل میں گڑ جاتی
ہے۔ کاش حجم مرحوم اسی طرح کی ضخیم کتاب مرتب فرماتے۔ بہر حال وہ آئندہ لکھنے والوں کے
لیے ایک وسیع میدان کی نشاندہی کر گئے۔

تیسری کتاب کی بابت مرتضیٰ حسین فاضل صاحب فرماتے ہیں:

”لغات المذہب میں ایسے الفاظ و اصلاحات و تالیفات کا مختصر تعارف ہے جسے ہر سن و سال کے آدمی، بچے، جوان، بوڑھے، لڑکی، لڑکے، مرد و عورت ہر ایک کو ان سے واقف ہونا چاہیے۔ اس لغت کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

لَوْلَا عَلِي لَهْلَكَ عَمْرٌ۔ جب کسی امر مشکل میں حضرت عمر حاضر ہو کر امیر المؤمنین سے مدد مانگتے تھے اور حضرت اسے حل کر دیتے تھے اس وقت آپ کی زبان پر یہ جملہ جاری ہوتا تھا جس کا ترجمہ ہے اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

واجب تمیزی: دو امور واجبہ میں سے ایک کا بجا لانا۔

وادی عقبہ: پہاڑ کی ایک گھاٹی جہاں اعلان غدیر خم کے بعد مدینہ جاتے ہوئے کچھ نقاب پوش افراد نے رسول اللہ ﷺ کے اونٹ کو بھڑکانے اور حضرت کو شہید کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

واقعہ قرطاس: رسالت مآبؐ نے رحلت سے کچھ روز قبل بحالت مرض کچھ لکھوانے کے لیے دوات قلم طلب فرمائی تھی تاکہ ملت آپ کے بعد گمراہ نہ ہو لیکن صحابہ کرام میں اختلاف ہوا، اس پر بحث ہونے لگی کہ اس حکم کی تعمیل کی جائے یا نہ کی جائے۔ آپ نے برہم ہو کر سب کو اپنے پاس سے اٹھا دیا۔ یہ واقعہ قرطاس کہلاتا ہے۔ اس حکم کی آخر تعمیل نہ ہوئی۔ پورا واقعہ تاریخ میں دیکھو۔

یوم الست: وہ دن جب خداوند عالم نے ارواح سے عہد و پیمان لیا ہے۔

اس کتاب کے معاملہ میں بھی جہم مرحوم نے مذہبی ڈکشنری کی ابتدا کی اور آج جب کہ ہماری مذہبی اصطلاحیں غیر معروف ہوتی جا رہی ہیں، ایسی ضخیم کتابوں کی ضرورت ہے جو مذہب سے وابستہ اصطلاحوں اور جغرافیائی اور تاریخی مقامات کے بابت معلومات بہم پہنچا سکیں۔ اس معاملہ میں بھی جہم مرحوم نے ایک ایسی ابتداء کی ہے جس کی حدیں بہت دور جانے والی ہیں۔

جہم مرحوم نے زیادہ وقت اور توجہ نظم کو دی اور اس میں مخصوص اضافے کیے۔ نوہ اور ماتم کو

جو عوامی درجہ کی چیزیں تھیں، ان کو انھوں نے ادبی حیثیت دے دی مگر نثر میں جو کچھ بھی وہ چھوڑ گئے ہیں، وہ آگے آنے والوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ تمثیلی یا اشاراتی افسانوں، مختصر تاریخی حکایتوں اور مذہبی اصطلاحوں کے سلسلے میں جس کام کی انھوں نے ابتدا کی ہے اس کی حدیں بہت دور جاتی ہیں۔ ان کی شاعری بہت کافی مقبول ہے اور قومی شاعری خود رو اصناف کو مستقل ادبی مقام دیتی ہے مگر ان کی نثر مستقبل میں آنے والے رجحانات کا پیش خیمہ اور ضروری اور مفید رجحانات کی ابتدا کرتی ہے۔



jabir.abbas@yahoo.com

جناب امیر امام خرم

تجم آفندی کی ہندی شاعری

جناب تجم آفندی سے مجھے پہلی بار شرف زیارت جب حاصل ہوا جب وہ لکھنؤ کے 1939ء والے شیعہ ایجنسیشن کے بعد جیل سے نکل کر آئے اور بجائے حیدرآباد دکن واپس جانے کے لکھنؤ ہی میں قیام کو ترجیح دی۔ میرے خالو صاحب، جناب سید حسن مہدی (برادر جناب سید محمد مہدی، راجہ صاحب پیر پور) سے جناب تجم آفندی کی ملاقات اور تعارف غالباً جیل میں ہوا تھا۔ چنانچہ انھوں نے موصوف سے گزارش فرمائی کہ ان کے بڑے بیٹے، سید حسین مہدی سلمہ کو اردو اور فارسی کی تعلیم اور ادبی تعلیم دے دیں۔ اس سلسلے میں جناب تجم آفندی کا قیام محمود آباد ہاؤس، قیصر باغ میں تقریباً دو سال رہا، جس کے بعد وہ پھر حیدرآباد دکن واپس چلے گئے۔

اس دو سال کی قلیل مدت میں میں نے جناب تجم آفندی کو کافی قریب سے دیکھا۔ البتہ اس زمانے میں میری عمر اتنی نہ تھی کہ موصوف کی ادبی شخصیت کی پوری معرفت حاصل کرتا۔ (میری ولادت جنوری 1928ء کی ہے اور میں اس دوران میں لڑپن اور نوجوانی کے درمیان میں تھا) لیکن تجم آفندی کی ادبی و شعری شخصیت سے بغیر تھوڑا بہت متاثر ہوئے، شاید ہی کوئی اس زمانے میں رہا ہو۔

جناب سید آل رضا صاحب دام مجرہ، جناب جوش اور جناب تجم، یہ تینوں حضرات اس زمانے میں مرثیہ سرائی شہدائے کربلا کو اپنے اپنے مخصوص و منفرد انداز میں ایک نیا رنگ دے رہے تھے۔ انیس و دیر، و عشق و عشق و اوج و نفیس کے زمانے سے لے کر ان تینوں حضرات یعنی سید آل رضا، جوش اور تجم آفندی کے عہد تک جو فکری و ادبی تغیرات تمام دنیا میں اور برصغیر میں واقع ہو چکے تھے اس سے کوئی سماج اور مجمع بغیر متاثر ہوئے نہیں رہ سکتا تھا۔ ہمارے زمانے تک وہ

سابق اودھ کا افتخار پھیل کر عالمی بن چکا تھا۔ انگریزی تعلیم، انگریزی اردو، عربی اور فارسی زبانوں کی کتابوں کی طبع و نشر و اشاعت، اخباروں اور پھر ریڈیو کی خبروں کے ذریعے سے دنیا بھر کی اطلاعات اور معلومات وغیرہ، ان سب کا لازمی نتیجہ ہمارے اذہان کے آفاق کی غیر متوقع توسیع تھی اور اب ہم سب ہی اس کے قبل والی ذہنیات کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہ تھے، لیکن ایک تخلیقی ذہن اور ادبی صلاحیت والی شخصیت میں اور ہم سب کے ذہن اور صلاحیت میں یہی فرق ہوتا ہے کہ چاہے احساس کم و بیش ہم سب کو ہو، لیکن قیادت وہی کرتے ہیں جن میں غیر معمولی تخلیقی استعداد ہوتی ہے۔

چنانچہ مرثیہ سرائی شہدائے کربلا میں جن حضرات نے ہمارے عہد میں اس تخلیقی کام اور ادبی قیادت کو پورا کیا، ان میں ان تینوں حضرات یعنی سید آل رضا، جوش اور نجم آفندی کو شاید اولیت حاصل ہے۔

جناب نجم کی مرثیہ سرائی، سید آل رضا اور جوش دونوں حضرات سے مختلف انداز رکھتی ہے۔ جوش کی مرثیہ سرائی ان کی انقلابی شاعری اور ان کی آزاد فکری کی ایک تحدید ہے۔

سید آل رضا کی مرثیہ سرائی اور نجم آفندی کی مرثیہ سرائی اس بات میں مشترک نظر آتی ہے کہ دونوں کے یہاں بے انتہا خلوص و عقیدت کا گہرا احساس ہوتا ہے، لیکن جہاں سید آل رضا کے مرثیوں میں لکھنؤ کی زبان کی محاسن کے ساتھ ساتھ نئے خیالات و افکار کی تازگی ہے، وہاں نجم آفندی کی مرثیہ سرائی میں ہندی زبان کے ادب کے اثرات اور ہندوستان کی دنیا کی انفرادیت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ میرا ذاتی تاثر پورے طور پر معروضی نہ ہو، لیکن مجھے ہمیشہ نجم آفندی کی ہندی زبان میں مرثیہ سرائی، ان کی اردو زبان کی مرثیہ سرائی سے زیادہ موثر محسوس ہوئی۔ کم از کم امیر خسرو کے عہد سے لے کر اب تک جو ہندی ادب مسلمانوں کے دوران حکومت میں اور پھر انگریزی حکومت اور آزادی برصغیر کے عہد میں وجود میں آیا ہے، وہ خود بہت وسیع اور متنوع ہے۔ کبیر داس کے دوہوں سے لے کر نالی جی (جیل الدین نالی) کے دوہوں تک جو ہندی ادب ہمارے سامنے ہے، وہ کسی طرح اردو ادب سے کم ادبی اہمیت نہیں رکھتا۔ آرزو لکھنوی کی خالص اردو اسی ہندی ادب اور اردو ادب کے درمیان ایک نہایت دلچسپ تجربہ ہی نہیں

ہے، بلکہ ایک بہت شگفتہ ادبی تخلیق ہے۔ آرزو لکھنوی کی ”سریلی بانسری“ جو خالص اردو میں نظموں کا گلدستہ ہے، اپنی شیرینی زبان اور لطافتِ احساس میں آپ اپنا جواب ہے۔ اس میں دو نظمیں قابلِ توجہ ہیں جو ایک ہی زمین میں تو ہیں لیکن ایک ناشقانہ غزل ہے اور دوسری رثائی نظم ہے۔ تافیہ برسا، ٹھہرا، وغیرہ اور ردیف پانی۔ اور اس مشکل زمین میں اور بر خود ناند کردہ خالص اردو کی قید کے باوجود، یہ دونوں بے تکلف انداز اور برجستگی و میساجنگی میں آمد کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہیں۔

جیم آفندی نے ہندی زبان میں جو مرثیہ سرائی کی ہے وہ بھی اسی طرح آمد میں آپ اپنی مثال ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کی ہندی زبان کی مرثیہ سرائی میں ان کی خلوص عقیدت اور بھی زیادہ اس لیے واضح نظر آتی ہے، چونکہ ہندی زبان کی سادگی اور میساجنگی جیم آفندی کی شاعری کی اس خصوصیت کو اور بھی زیادہ اجاگر کر دیتی ہے۔ اس کا دوسرا سبب شاید یہ بھی ہو کہ جیم آفندی کی مرثیہ سرائی کا جو مقصد تھا وہ بلیغ تھا اور اردو سے زیادہ یہ مقصد ہندی کے ذریعے حاصل ہوتا تھا۔ ان کو اس کا شدید احساس تھا کہ ایک زمانہ وہ آئے گا جب دنیا بھر حسین ابن علی اور ان کے رفقاء کی شہادت کے پیغام اور مقصد کو سمجھ کر دکھ۔ اور درد کی دنیا سے پوری طرح ہمدردی کا احساس کرنے لگے گی۔ لیکن ایک ہندوستانی کی حیثیت سے اور برصغیر کے ایک باشندے ہوتے ہوئے جیم آفندی کو شاید یہ محسوس ہوتا ہوگا کہ ان کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ ہندوستان کی اکثریت کو اسلام کی اس دکھ بھری کہانی، یعنی واقعہ کربلا سے آگاہ کریں اور اس مقصد کے لیے ہندی زبان سے زیادہ کوئی اور زبان مناسب نہ تھی۔ شاید یہی سبب ہے کہ جیسا مجھے ذاتی طور پر محسوس ہوتا ہے، جیم آفندی کی ہندی زبان کی مرثیہ سرائی، ان کی اردو زبان کی مرثیہ سرائی سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔

جیم آفندی کی اس فکر و نظر کا ثبوت ان کی ایک نثری تصنیف سے بھی ملتا ہے جو انھوں نے بعنوان ”حسین اور ہندوستان“ اس موضوع پر لکھی ہے کہ جناب سید الشہداء کا ایک ارادہ یہ بھی تھا کہ اگر انھیں تبلیغ اسلام کے لیے ہندوستان جا کر اخلاقِ حسنہ سے اسلام کی دعوت دینا ہو تو انھیں جانے کا موقع دیا جائے۔

جیم آفندی کی ہندی زبان کی مرثیہ سرائی کی جو مثالیں اس وقت تک میری نظر سے گزری ہیں ان میں من جملہ ”اسلام بچتی“ ”کر بل نگری“ کے، جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ جو کچھ ماقبل

کی سطروں میں کہا گیا ہے، غلط نہیں ہے۔ ”دکھ کا ساگر“ ”کھيون ہار“ ”حسینی سیوا“ ”پریم پنہتی“ اور ”دھرم پر بت“ بھی ہیں۔ اول الذکر نسبتاً طویل ہیں لیکن آخر الذکر بہت درد بھری اور مؤثر ہیں۔ ان میں سے چند اشعار کا اقتباس بطور مثال اور بغرض شواہد، تارکینِ ملاحظہ فرمائیں کہ آیا جو کچھ اوپر کی سطروں میں عرض کیا گیا ہے، وہ درست ہے یا نہیں۔

کربل بن سے چلے مسافر باجست کوچ فقارا	ایک اک سیس انی پر چکے چکے جیسے تارا
سب سے لابی پر چھی پردہ سیس حسینا سوامی کا	بھرے پُرے سنسار میں جس کو بھوکا پیاسا مارا
پریم کی نیا ڈوب رہی تھی کیسی پار لگائی	اپنے لہو میں ڈوب کنارے لایا کھيون ہارا
جان گئے پردیسی دیسی جھوٹی سانچی مہما کو	ہار ہے کس کی جیت ہے کس کی مان گیو جگ سارا
بنس بنس دکھ کی کڑیاں جھیلیں جگ کو یہ اپدیش دیا	اپنے دم کا آس بھروسہ مالک نام سہارا
نگری نگری دھوم مچی ہے واہ حسینا بابا کی	کربل بن میں دیا جلاؤ سارا جگت اجیارا

(کھيون ہار)

اندھیا راپا کے بادل کا سنسار پہ جب چھا جاتا ہے
اک چاند سروپی سورج روپی مکھیا درس دکھاتا ہے
جب ملایا جگ کو کھاتی ہے جب ایسی پینا آتی ہے
جب مالک آنکھ بدلتے ہیں اک بندہ آڑے آتا ہے
اک جینا مرنا اُن کا ہے جو جیتے ہیں مر جاتے ہیں
اک جینا مرنا اُس کا ہے جو مر کے امر ہو جاتا ہے
جاگی ہوئی کب کی آنکھیں تھیں بنجر کے تلے بھی آہ نہ کی
سکھ نیند اُسی کو آتی ہے جو سوتی قوم جگاتا ہے
بھاشا کے ریلے شبدوں میں دکھ روپ کہانی کربل کی
محنت یہ سوارت ہو نجی یوں کون کسے سمجھاتا ہے

(دھرم پر بت)

شیر کے تن کی بستی میں شیر کا من کیا ہیرا تھا
 اس دیپ کی کو بڑھتی ہی رہی آنکھوں میں اندھیرا چھائے گیا
 سنتے ہیں کہ دھرتی کانپ گئی تلوار وہ کی تلوار پیئے نے
 جو بھور سے لے کر سانجھ تک لاشیں ہی اٹھا کر برسائے گیا
 کیا تیروں کی بوچھاروں میں اُپدیش کی بیٹھی باتیں تھیں
 سب اپنے لہو کے پیاسوں پر وہ امرت بل برسائے گیا
 سنسار کو ست کی شکتی سے گھر بار لٹا کر موہ لیا
 سودا ہے ذرا اک جو حکم کا جو کھوئے گیا وہ پائے گیا
 اب جا کے ہمالہ پر بت سے لے ماتم کی ٹکراتی ہے
 اس دیس کی تجھی دور بلا جس دیس پہ یہ غم چھائے گیا

(پریم پنٹھی)

جی دے کے یہ سورگ باش ہوئے کونے کے ادھری ماش ہوئے
 شیر کا بول بالا رہا اسلام کی اونچی بات رہی
 سانچے ہی رہے جو سانچے تھے یاں سانچے کو کوئی آنچ نہیں
 دشمن ہی کو سب نے دوش دیا اور ان کے لیے صوات رہی
 ایشر کی دیا لہرائے گی آکاش کی بانی آئے گی
 دکھ درد کی جتنی دھوپ بڑھی سنتوش کی بدلی چھات رہی
 اب راجا پر جا چوکھٹ پر سب سیس نوائے بیٹھے ہیں
 جب چھوڑ کے دنیا دین لیا دنیا بھی انھیں کے ہات رہی
 جب آئے حسینی سیوا میں سب بندو مسلم ایک ہوئے
 مل جائیں گے جی دل بھی کبھی جب اُن کی نجر پر بات رہی

(حسینی سیوا)

سنسار کا چاہا اُس نے بھلا کٹوا دیا کنبے بھر کا گلا
 شیر کے من کے سانچے میں کرتار نے بجھتی ڈالی تھی
 مارے گئے ست کی سیوا میں دھندلا ہے ایشر بجھتوں کو
 مکھڑوں پہ لہو کی لالی سے بڑھ بڑھ کے خوشی کی لالی تھی
 یہ جی سے گزرنے والے تھے یہ بات پہ مرنے والے تھے
 کب موت سے ڈرنے والے تھے سو بار کی دیکھی بھالی تھی

(دکھ کا ساگر)

ان مثالوں سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ ہندی زبان میں جہم آفندی نے بڑی غیر معمولی کامیابی کے ساتھ ان باتوں کو کہا ہے جو ہم شاید اردو ہی میں ادا کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں، اور ان کی اس کامیابی میں ان کے اس خلوص کا بڑا حصہ ہے جو ان کا تبلیغی مقصد تھا یعنی حبیبی پیغام اور اسلامی اصول کو آفاقی و عالمی ثابت کر کے اُس کی طرف دعوت دینا۔ لیکن جس طرح ہر اچھی بات پہلے اپنے نزدیک ترین لوگوں سے کہی جاتی ہے اور اس کا ثبوت خود اسلام کی تاریخ کے اس اہم واقعے یعنی دعوتِ عشیرہ سے ملتا ہے، اسی طرح جہم آفندی نے یہ ضروری سمجھا کہ اپنے وطن یعنی ہندوستان کی اکثریت کو مخاطب کر کے حقیقی اسلام کے اصول کو ان کے لیے اجاگر کریں اور اس کے لیے دو باتیں ضروری تھیں، ایک تو واقعات و امور دین سے سب سے اہم واقعے کا انتخاب، جو ان کی نظر میں واقعہ کر بلا ثابت ہوا اور دوسرے زبان کا انتخاب، جو ظاہر ہے کہ اکثریت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندی زبان ہی مناسب تھی۔

”اس میں کوئی شک نہیں کہ جہم آفندی نے اپنے ان فیصلوں میں بڑی بصیرت سے کام لیا اور ہمیں ان کی اس بصیرت اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری کی خوبیوں کا قائل ہونا پڑے گا۔“



جناب سید باقر حسن زیدی

شاعرِ اہل بیت علاّمہ نجم آفندی

نجم آفندی کے نام سے میں بچپن سے مانوس ہوں۔ ہمارے گھر کے عز خانے میں چھ محرم کو حضراتِ عون و محمد کا تابوت اٹھایا جاتا تھا۔ اس مجلس میں میرے والد محترم حضرت فیض بھرت پوری ایک مخصوص مرثیہ ہر سال پڑھا کرتے تھے اور مرثیہ کے بعد نجم صاحب کا مشہور نوہ:

زیب کے دلدارے ہیں زیب کے دلدارے ہیں

انتہائی عقیدت و احترام سے پڑھا جاتا تھا اور آٹھ محرم کو جب علم نذر کیے جاتے تھے، یا بچے سٹھ بنائے جاتے تھے، تب بھی ان کی مشہور نظم ”قوی نشان“ ہمیشہ پڑھی جاتی تھی۔ یوں تو ان کے نوے زبان زد نام ہیں لیکن جو شہرت عام اور بقائے دوام اس نظم کو حاصل ہوا ہے، اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ شاید ہی کوئی عز خانہ ایسا ہو جس میں بالخصوص یہ نظم نہ پڑھی جاتی ہو اور اسی نظم کے مقطع سے میں نجم صاحب کے نام سے اس وقت متعارف ہوا تھا جس زمانے کی بیشتر باتیں اب یاد بھی نہیں، لیکن اس نظم کے بیشتر اشعار آج بھی میرے حافظہ پر نقش ہیں۔ اس نظم کا پہلا اور آخری شعر یہ ہے:

نشانِ فوج پیہر سجایا جاتا ہے شبابِ شیرِ خدا یاد آیا جاتا ہے

وہ سامنے ہے علم کی شبیہ نجم اٹھو وفا پرستی کا منظر دکھایا جاتا ہے

تبلیغی جذبہ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے حضرت نجم نے ہندوستان کی اکثریت کی زبان ہندی میں بے شمار نوے لکھے جس میں ان کی ایک معرکہ ”الآرا نظم“ ”کر بل نگری“ بے حد مقبول ہوئی اور ہندو شعرا نے اس نظم سے متاثر ہو کر نوے، سلام اور مرثیے لکھے۔ نجم کی ایک معروف

شاگرد مس روپ کماری کا مرثیہ اس امر کا شاہد ہے۔

مرثیہ کے میدان میں بھی جہم نے اپنی انفرادیت کو قائم رکھا اور اگرچہ صرف دو تین مرثیے لکھے لیکن یہ مرثیے اس میدان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جدید مرثیہ کا مزاج ان کے انداز فکر کا آئینہ دار ہے۔

کہتے ہیں کہ سقراط کو جب اُس کی آزادی فکر کی سزا میں زہر کا پیالہ پلایا گیا تو اس کے عزیز ترین شاگرد CRATO نے غم و اندوہ کی حالت میں اپنے استاد سے پوچھا کہ آپ کے مرنے کے بعد ہم کیا کریں گے۔ جواب ملا۔ میرے جسم میں کیا رکھا ہے، جو کچھ ہے میری فکر ہے جو اس وقت تک زندہ رہے گی جب تک تم اس سے استفادہ کرتے رہو گے۔ جہم بھی اس وقت تک زندہ ہیں جب تک ہم ان کی انفرادی طرز فکر، جذبہ اسلام اور پیغام عمل کو مشعلِ راہ بنا کر ان کی روح کلام سے استفادہ کرتے رہیں گے۔

جب بھی میں جہم کی جراتِ نقیہ اور جذبہ اصلاح سے متاثر ہوتا ہوں، میرے سامنے حضرت ابو ذر غفاریؓ کی جراتِ ایمان کی تصویر کھینچ جاتی ہے۔ نہ ابو ذرؓ کے جنازے کی بے کسی ابو ذرؓ کے مدارج کو کم کر سکی اور نہ جہم کے جنازے کی غربت جہم کی اہمیت کو گھٹا سکی۔ اپنی تمام پستیوں کے باوجود ابھی اس قوم میں اتنی بے حسی پیدا نہیں ہوئی ہے کہ اپنے محسنوں کو بھول جائے۔ یہ ضرور ہے کہ اس محسنِ قوم اور عظیم شاعر کی زندگی میں ہم اس کی خاطر خواہ قدر نہ کر پائے۔ کاش اللہ ہم کو توفیق دے کہ ہمارے بھٹکے ہوئے قدم جہم کی تعین کردہ منزل کی طرف چل نکلیں۔

عقیدت کے علاوہ جہم صاحب سے میرا ایک اور رشتہ بعد میں قائم ہو گیا اور ان کے حقیقی برادرِ خور حضرت کو کب آفندی کی فرزند میرے لیے باعثِ شرف ہوئی۔ اس طرح جو لگاؤ بچپن سے جہم صاحب سے شروع ہوا تھا اسے مزید تقویت پہنچی۔

شروع میں میں بھی عقیدتاً ان کے نوے گنگنایا کرتا تھا۔ لیکن جوں جوں علم اور شعور بڑھتا گیا ان کے کلام کی انفرادیت دل و دماغ کو اپنی طرف متوجہ کرتی رہی۔ جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا، وہ ان کی غم جیسے نازک ترین احساس کو حیرت انگیز طریقے پر فکر و عمل کی بلندی کے لیے استعمال کرنے کی قدرت تھی۔ نوحہ ایک ایسی محدود صنفِ سخن تھی جس سے صرف گریہ و بکا

اور ماتم کے تقاضے بیدہ اشعار کے ذریعے پورے کیے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر حضرت علی اصغر کے حال میں یہ اشعار اثر کلام اور مال بیان کی بنا پر بہت مقبول تھے اور عام طور پر شعر اسی قسم کے اشعار لکھتے تھے۔

قبرِ اصغر پہ کہتی تھی مادر گھر چلو شام ہوتی ہے اصغر

منہ چوم کے ماں نے کہا گھر آئیو اصغر اکبر کی طرح رن میں نہ رہ جائیو اصغر

اے مہموج خون میں ڈوبا ہوا آیا اصغر کا جنازہ ایک ایک نے رو رو کے کلیجے سے لگایا اصغر کا جنازہ

نخا سا جھولا بل گیا اصغر کا بھائی جان خیموں میں آگ فوج ستم نے لگائی ہے

اصغر کے لیے نالہ و فریاد کرے گی ماں قید میں بچے کو بہت یاد کرے گی

ایک عظیم مفکر اور مصلح قوم کی طرح عجم آفندی نے اس نام روش سے ہٹ کر اپنے لیے ایک مخصوص راہ معین کی اور نوے کے میدان کو وسعت دے کر اسے تبلیغ و افکار کا لامحدود ذریعہ بنایا۔ حضرت علی اصغر کے لیے کہے ہوئے ان کے یہ چند شعر انداز فکر کی امتیازی حیثیت نمایاں کرنے کے لیے کافی ہیں۔

جب ضرورت اک علی کی پھر ہوئی میدان میں
چھ مہینہ کا علی مردانہ وار آئی گیا
کیا نصرت حسین میں اصغر کی شان ہے ختمی تابِ معرکہ کر بلا ہوا

قسم کھاتا ہوں تیرہ سو برس کے دور ماتم کی
تری چھ ماہ کی ہے عمر، عمرِ خضر سے بہتر

علی اصغرؑ کی منزل کچھ نہ پوچھو یہ تربت کربلا در کربلا ہے

تہذیب لاشِ اصغرؑ ناداں پہ نوحہ گر اخلاق کی نگاہ سے عالم گرا ہوا

جانِ رباب، جانِ پدر، جانِ کربلا

چھ ماہ کا وہ فاتح میدانِ کربلا

تاجِ صاحبِ غمِ حسینؑ کو اپنی قوم کی بے مثال Strength تصور کرتے تھے۔ وہ کربلا کو اصلاحِ انسانیت کا عظیم محرک سمجھتے تھے اور ہر شہید کو ایک منارۂ ہدایت۔ انھوں نے ہمیشہ المیہ کربلا کے تعمیری پہلو پیش کیے۔ یہی وجہ ہے کہ قنوطیت، حزن و ملال، پینارگی و مجبوری اور مایوسی و ناامیدی کی کیفیت ان کے کام میں منعقد ہے۔ ان اشعار کو دیکھیے۔ ان کی بلاغتِ فکر اور بیدار مغزی کی داد دیجیے۔

اسلام تیرا حاصل محنت ہے اسے حسینؑ

دنیا میں دین تیری بدولت ہے اے حسینؑ

جینے کا اختیار تھا مہما کیا پسند

کیا جبر و اختیار پہ قدرت ہے اے حسینؑ

روحِ عمل میں اٹھائے جو مرضیؑ نے قدم اُصول بن گئے اللہ کی رضا کے لیے

یہ نہ قرآن میں، نہ قرآن کی تفسیر میں ہے

روحِ احساس و عمل اُسوۂ شیرؑ میں ہے

سبطِ نبیؐ سے دینِ خدا کا قیام ہے کلمہ حسینؑ کا ہے محمدؐ کا نام ہے

دنیا میں یا حسینؑ کا نعرہ جو عام ہے یہ دشمنِ حسینؑ سے اک انتقام ہے

سینہ پہ کائنات کے نقشِ دوام ہے انسانیت حسین کے اسوہ کا نام ہے
اپنی طرف سے چھیڑ نہ اپنی طرف سے جگ یہ مسلک حسین علیہ السلام ہے

حسین رازِ حیات آشکار کرتے ہیں ہر اختیار پہ موت اختیار کرتے ہیں
قدمِ بنیس گئے نہ انصارِ حق کے میداں سے حسین پرورش کوہِ سار کرتے ہیں
ہجومِ غم کو مٹاتے ہیں یا علی کہہ کر ہزار وار پہ ہم ایک وار کرتے ہیں
یہ مجلسیں نہیں بیان ہیں اطاعت کے یہ ہم حسین سے قول و قرار کرتے ہیں

شیئرِ سیاست کا وہ تائیدِ اعظم ہے قانون بنا ڈالا عاشور کو دن بھر میں

سروڑ ہیں زیرِ تیغ یہ رفعت لیے ہوئے کونین کا نظامِ حکومت لیے ہوئے

ترہیت کی ذہنِ انساں کی غمِ شیئر نے صلابِ دل بن گئے جو غم کے خوگر ہو گئے
کون لانا جو حسین آخرِ پیامِ حریت یہ پیغمبر کے نواسے تھے پیغمبر ہو گئے
وہ بھی دن آئیں دلِ ملت سے آئے یہ صدا نوجواں آوازِ تقلید اکبر ہو گئے

ہم کود کے بچوں کو کر دیتے ہیں شامل جب تکملہ قوتِ لشکر نہیں ہوتا
آسان ہے قربانی و ایثار پہ تقریر میدانِ عمل کچھ سرِ منبر نہیں ہوتا
اے جہم جہیں ہوتی ہے چوکھٹ پہ نجف کی میں مدح کے عالم میں فلک پر نہیں ہوتا

جب سے قتلِ سبطِ پیغمبر پہ تکبیریں کہیں
گھٹ گیا اُس دن سے زورِ نعرہ تکبیر بھی

عزمِ خالص چاہیے خُر کے ارادے کی قسم
بڑھ گیا آگے تو پیچھے ہٹ گئی تقدیر بھی

تجملہ آفندی کو اپنی قوم کی پسماندگی و در ماندگی اور احساسِ کمتری کا شدید احساس تھا۔ وہ ایک انتہائی حساس دل رکھتے تھے جو قوم کی خستہ حالی دیکھ کر ترپ اُٹھتا تھا۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قوم کے درد کو انھوں نے اپنی ذات میں جذب کر کے اُسے اپنا درد بنا لیا تھا۔ اور اپنی تمام تخلیقی قوتیں اس درد کے درماں کی تلاش میں صرف کر دی تھیں۔ ان کے یہ چند اشعار دیکھیے اور میرے دعوے کی صداقت کی تائید کیجئے۔
وہ ٹھوکریں کھاتی پھرے تاریکی میں جس قوم کے ورثہ میں ہو ناشور کا دن

احساس ہو قوم میں تو دن پھیر نہ دے
ہجرت کی یہ رات اور یہ ناشور کی شب

جس قوم نے سری مہم کرب و بلا
اُس قوم میں ملتے نہیں آثارِ حیات

اللہ وہی قوم ہو سب سے پیچھے جس قوم میں ہو معرکہ کرب و بلا

”تہذیبِ مودت“ ان کے قطعات کے مجموعے کا نام ہے۔ اس کا پیش لفظ چند جملوں پر مشتمل ہے۔ ان جملوں کی صداقت دیکھئے اور اس کرب کا اندازہ کیجئے جسے اس حساس شاعر نے اپنا مقصود بنا لیا تھا اور اپنے مقصد کو آگے رکھ کر نظم و نثر کی تمام صلاحیتوں کو بیداری فکر اور اصلاحِ قوم کے لیے وقف کر دیا تھا۔ جہاں کہیں معاشرہ کی خرابیاں نظر آئیں۔ انھوں نے ان کی نشاندہی ضرور کی۔ مثلاً:

مایوسِ شفا کو آسرا دیتے ہیں آیات کو تعویذ بنا دیتے ہیں
 ہشیار تو لیتے نہیں قرآن سے سبق بے ہوش کو قرآن کی ہوا دیتے ہیں
 نمودِ قوتِ نانِ شعیر دیکھتے ہیں کمالِ شوق سے سب دارو گیر دیکھتے ہیں
 عمِ حسین بھی یارب کوئی تماشہ ہے غریب کرتے ہیں ماتم امیر دیکھتے ہیں

افطار کے سامان سے مطبخ بھر جائے جو زیرِ گلو جائے وہ قممہ تر جائے
 ہوتی نہیں ایسے روزہ داروں کو خبر فاقے سے اگر کوئی پڑوسی مر جائے

عالم ہے تو قرآن پہ عامل بھی ہو خاک درِ اہل بیت منزل بھی ہو
 اے دوست تڑکی عبا قبا کے نیچے اللہ کرے درد بھرا دل بھی ہو

بھولے سے کسی کی خود بھی کرتے ہیں مدد؟
 دن رات جو یا علی مدد کہتے ہیں

مجلس ہماری قوم کی ایک لاثانی میراث ہے اور اصلاحِ قوم کے لیے اس سے زیادہ موثر
 پلیٹ فارم ممکن نہیں ہے۔ نجم کے کلام میں جگہ جگہ منبر نشینوں کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلانے
 والے اشعار موجود ہیں۔

نجم نے اپنے اعلیٰ مقصد کے سامنے اس بات کی ذرا بھی پروا نہ کی کہ وہ روایتی مولوی کو
 ہدف بنا کر ایک انتہائی محترم اور با اثر طبقہ کو اپنے خلاف کر رہے ہیں۔ ان کے مقصد کی راہ میں
 کوئی با اثر ہستی اور کوئی عقیدہ، خواہ وہ کتنا ہی پختہ کیوں نہ ہو، زد میں آیا تو انھوں نے رعایت نہیں
 برتی۔ تنقید کی۔ بھرپور تنقید۔ پوری سچائی کے ساتھ اور غالباً یہی مقصد کی سچائی تھی کہ جو طبقہ ان کا
 سب سے زیادہ ہدف بنا، وہی ان کا سب سے بڑا قدر داں نکلا۔

ممبرِ رسولؐ سے خطابت اور شاعری کے پھول برسانے والوں کے لیے ان کا پیغام یہ تھا:

موسمِ غم آگیا کر شکر احسانِ حسین
 اے سریرِ آراے مجلسِ مرثیہ خوانِ حسین
 بے خبر افراد کو رازِ عزا داری بتا
 خندہ زن قوموں کو وجہِ گریہِ وزاری بتا
 منکرِ تاثیر کا بڑھ کر کلیجہ تھام لے
 چنچ اٹھے گا شہیدِ کربلا کا نام لے
 اُسوہِ محنت کشانِ کربلا تعلیم کر
 اٹھ صفِ ماتم بچھا کر قوم کی تنظیم کر
 نعرہٗ یا لیتینی میں روحِ معنی ڈال دے
 قول کو شانِ عمل دے رنگِ استقلال دے
 شانِ سالاری بتا ذہنِ علم بردوش کو
 دنگیری بھی سکھا کچھ دستِ ماتم کوش کو
 بات ایسی کہہ جو دستورِ عمل ہو کام دے
 کربلا سے جو تجھے پہنچا ہے وہ پیغام دے
 چہرہٗ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا
 کلمہ پڑھواوے حسین ابنِ علی کے نام کا



ڈاکٹر شیخ انصار حسین

تجمل آفندی کا تابندہ کلام

حضرت تجمل آفندی مرحوم کو میں اپنے اوائل عمر ہی سے جانتا تھا۔ اس کی وجہ میرے محترم خالو جان حضرت یاس یگانہ مرحوم سے ان کی برادرانہ دوستی تھی جو یگانہ مرحوم کے مرتے دم تک خلوص اور وضع داری کے ساتھ جاری رہی۔ اس کے علاوہ لکھنؤ میں ہر سال ایام عزاکے دوران تجمل آفندی کے نوسے اور سلام اس قدر مقبول عام تھے کہ جگہ جگہ سننے میں آتے تھے۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ بچوں کی ایک انجمن ”غنیچہ اطفالیہ“ (لکھنؤ) میں، میں خود اور میرا چھوٹا بھائی وقار حسین جب تجمل کا نوحہ پڑھتے تھے تو اہل علم و دانش کثیر تعداد میں جمع ہو کر داد دیتے تھے اور مثاب ہوتے تھے۔ اُس نوسے کے دوبول مجھے آج بھی یاد ہیں

خدا کی راہ میں کار نمایاں ایسے ہوتے ہیں

عطش پر صبر کر لیتے ہیں انساں ایسے ہوتے ہیں

سُنا کر تجمل قصہ کربلا والے شہیدوں کا

مسلمانوں کو سمجھا دو مسلمان ایسے ہوتے ہیں

واقعی کربلا کے شہیدوں کی ہر بات بالاء، بلکہ بہت بالا اور ہر کام بڑا، بے حد بڑا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ کربلا کے واقعہ جائگاہ کے ہر جز نے دنیا والوں کو متاثر کیا ہے اور کسی نہ کسی عنوان سے بنی نوع آدم کے ہر حلقہ فکر و نظر نے اپنی اپنی توفیق اور صلاحیتوں کے بموجب اس سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ واردات کربلا کو کس کس نے سمجھا، کہاں کہاں سمجھا اور کن کن مراحل پر سمجھا گیا، اگر اس کی فہرست مرتب کی جائے تو نہ معلوم کتنی

جلدیں درکار ہوں گی۔ البتہ اگر مختصراً بیان کیا جائے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ امام عالی مقام حضرت حسینی ابن علی علیہما السلام اور ان کے بہتر (72) حریت پسند ساتھیوں نے تمام شعبہ ہائے عمرانی کو متاثر کیا ہے اور انسانیت کے لیے اخلاقی قدروں کی آبیاری کر کے اسلام کو ایک زندگی نوعطا کی اور شعور انسانی کو ایسی جلا بخشی ہے کہ رہتی دنیا تک ایک یادگار رہے گی۔

اس ضمن میں حضرت نجم آفندی نے اپنی تابندہ تصنیف و تالیف کے جواہر پاروں سے اردو ادب کے سرمائے میں ایک قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ عربی فارسی اور اردو شعراء میں نجم آفندی وہ واحد شاعر ہیں جنہیں ”شاعر اہل بیت“ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ دامن آل رسول سے یہ ابدی وابستگی یقیناً لائق فخر و اعزاز ہے۔ نجم آفندی کا دوسرا اعزاز یہ ہے کہ وہ آگرے کے رہنے والے تھے۔ بقول ان کے والد بزم آفندی کے:

زباں میر کی تھی میر آگرے کے تھے
شرف ہے بزم نہ دلی نہ لکھنؤ کے لیے

نجم آفندی نے اگرچہ مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی لیکن نوے، ماتم، سلام، اور مرثیے کو اپنے لیے منتخب کیا۔ ایسی شاعری کو گریہ و زاری، آہ و بکا اور رونے پٹنے کی شاعری خیال کرنا کسی صحت مند ذہنی رجحان کی علامت نہیں۔ اس سلسلے میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ رونا پٹنا شیوہ مردانگی نہیں اور پھر یہی نہیں، اپنے اس دعوے کے جواز میں بعض ساقط الاعتبار، غیر فطری اور رد کردینے کے لائق جھوٹی روایت کو آڑ بنایا جاتا ہے۔

اس خصوص میں اگرچہ متعدد وجد لیاقتی استدلال Dialectical Arguments سے بھی کام لیا جاسکتا ہے، لیکن چونکہ میرے نزدیک یہ طرز استدلال غیر مطبوع اور اس کے برعکس اثباتی انداز فکر و نظر دل نشین ثابت ہوتا ہے، اس لیے میں بھی دوسرا راستہ اختیار کرنا پسند کرتا ہوں۔

عہد حاضر کے سائنسی انداز فکر و نظر کے مطابق ماہرینِ حیات انسانی اور علم الابدان کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ رونا اور ہنسنا بزدلی نہیں، ایک فطری رد عمل ہے اور انسانی زندگی کے لیے بہت اہم بھی ہے۔ ماہرینِ علم الابدان کا یہ تجزیاتی اور تجرباتی فیصلہ ہے جس کی فنی تشریح عوام الناس کی توجہ کا

مرکز نہیں بن سکتی۔ یہ تو ہے عہدِ حاضر کا اندازِ فکر و نظر۔ اب اگر ہم تاریخِ عالم کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت بغیر کسی دقت کے ہم پر منکشف ہو جاتی ہے کہ بعض مواقع ایسے بھی آئے ہیں جب دنیا کے بڑے بڑے اولوالعزم اور عظیم المرتبت انسان کسی خاص واقعے پر رو دیے اور اس رونے سے ان میں ایک ناقابلِ شکست عزم و ثبات پیدا ہوا۔

مسئلہ زیرِ نظر کے ان دو پہلوؤں کے بعد ایک تیسرے پہلو پر نظر ڈالے۔ یہ پہلو اتنا بدیہی اور اتنا واضح ہے کہ اگر ہم میں قوتِ تمیز معطل یا سلب نہیں ہوئی ہے تو ہم ہر دور اور ہر خطہٴ ارض پر اس حقیقت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ دکھ پہنچنے پر انسان رو دیتا ہے۔ اس روشن حقیقت پر کوئی غیر فطری خول نہیں چڑھایا جاسکتا۔

تجملہ کا عروجی نقطہٴ فکر ابتداء ہی میں اس حقیقت سے آشنا ہو گیا تھا کہ اس کا رگہ شیشہ گری میں نزاکتِ احساس کے تاثر پذیرانہ پرتو کے اظہار کا سب سے عظیم اور بلند ترین ذریعہ حزن و ملال کی تقدیس ہے۔ گریہ کا ناتی حقائق کا سچا، قابلِ قبول ردِ عمل اور ایک ایسا پرتو ہے جسے نادر الوجود سمجھنے میں انسان حق بجانب کہا جاسکتا ہے۔ لیکن مذکورہ بالا حزنِ شاعری کے خلاف دلوں کا زہر زبان و قلم سے نکلتا ہی رہتا ہے۔

ابھی تک یہ مظلومیت کی کہانی کہی جا رہی ہے سنی جا رہی ہے
سمجھ لے گی وہ غم کر بلا کو جو دنیا ابھی اجنبی جا رہی ہے
یہ گریہ نہیں ہے یہ آنسو نہیں ہیں یہ داؤ وفا ہے جو دی جا رہی ہے
ابھی تجملہ کچھ اور نوے سناؤ
ذرا قوم کی بے حسی جا رہی ہے

تجملہ اس حقیقت سے واقف تھے کہ عالمی معیار کے مطابق دنیا کا عظیم ادب، بحریہ ادب ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا آج تک یونانی المیوں اور انیس کے المیے کا جواب نہ پیدا کر سکی۔ پھر چونکہ فنونِ لطیفہ کے ہر شعبہ کا عروجی نقطہٴ منتہا، الم پسندی ہے، اس لیے تجملہ نے مختلف اصناف میں سے اس غم انگیز صنف کو اپنی جو دتِ طبع کے لیے منتخب کیا۔

تجملہ آفندی نے ایک زوال آشنا معاشرے میں آنکھ کھولی اور اس کے ہر گوشے اور شعبے کا

بڑی گہری نگاہ سے مطالعہ کیا۔ انھوں نے اس دور کے مسلمانوں پر نظر کی جو تقریباً ایک تہائی آبادی اور خطہ ارض کے مالک ہونے کے باوجود پستیوں اور گننا میوں کی تاریک اور دور دست وادیوں میں کھوپکے تھے۔ ہندوستان کے فاتح مسلمان بھی غلام تھے اور اسی غلامی نے ان میں متنوع قنوطی تحریکات کو جنم دیا۔ چنانچہ ذہنی مفروز شعرا اپنی مختلف شاعرانہ مصنوعات پر مختلف لیبیل لگا کے انھیں بازار میں لے آئے۔ ان تمام اشتہاری فن کاروں میں صرف ایک قدر مشترک تھی اور وہ یہ کہ حیاتِ انسانی کے گہرے پیچیدہ مسائل پر فولادی پردے ڈال کر جھوٹے کیف و سرور اور غیر حقیقی مسرت و انبساط کا ڈھول پیٹا جائے اور حصول مسرت ہی کو عین مقصدِ حیات قرار دیا جائے۔

غرض ان شعرا نے مقصدِ حیات کی عکاسی اور آئینہ سامانی محض ماڈی بنیادوں پر کی، ولولہ انگیز جنسی محرکات کو منہبائے فکر قرار دے کر پوری طرح کچے ذہنوں کو متاثر کیا۔ اب آپ غور فرمائیے کہ حیاتِ انسانی کا یہ معیار تقدسِ الم کے مقابلے میں کتنا بے مایہ اور کم حقیقت ہے۔ نجم نے الم کو حاصلِ حیات قرار دیا۔ تاریخِ عالم میں ایسا حاصلِ حیات جس کی عدل و نظیر موجود نہیں۔ نجم کی شاعری کا محور حسین کی ذات ہے، وہ حسین جس نے عالمِ انسانیت کو رہتی دنیا تک ایک ایسا حسین اور نیا افق دیا جو انسانی معراج کا نقطہ منہبہ ہے

چاند نے زہرا کا مستقبل درخشاں کر دیا
قومیت کی روح آزادی کو جولاں کر دیا
اے حسین بن علی اے کار سازِ حریت
تو نے مرگ و زندگی دونوں کو آساں کر دیا
درد کی قوت سے دنیا لرزہ بر اندام ہے
بجلیاں ماتم میں بھر دیں غم کو طوفاں کر دیا
جھوٹ سے ٹکرا کے سچے بول شعلے بن گئے
ہر زبانِ گنگ کو شمشیر عریاں کر دیا

ڈھے گیا قصرِ امارت ہل گئی بنیادِ ظلم
کارگاہِ عیش کو خوابِ پریشاں کر دیا
ہنظرِ اب معنوی دے کر بنایا دل کو دل
زندگی کو زندگی انساں کو انساں کر دیا
تجھ ہم نے مدحِ اہل بیت کے ہر شعر میں
فاضلِ طینت کی فطرت کو نمایاں کر دیا۔

حسین نے دشتِ نینوا میں حریتِ فکر و نظر، آزادیِ ضمیر، جرأتِ اظہارِ حقائق اور ہولناک
قربانیوں کی ایسی مثالیں پیش کیں جن کی کبھی کہیں اور مثال نہیں اور جو خود اپنی مثال ہیں۔
حضرت ابراہیم واسلمعیلی علیہما السلام نے قربانی کا عزم کیا، لیکن حسین نے عزم کے بعد
بارگاہِ رب ذوالجلال میں بہتر قربانیاں پیش کیں۔ وہ آزادی کا طلوع تھا اور یہ نصف النہار۔ غرض
تجھ نے حسین کی ذاتِ بابرکات کو اپنی شاعری کا محور بنایا۔ انھوں نے اظہارِ فکر کے لیے اپنے
نصبِ العین میں وحدتِ نامہ تلاش کی۔ ایک ایسا نصبِ العین جس کی بلندی اور ارتقاء تک کسی
دوسرے نصبِ العین کی رسائی ممکن نہیں

بعد حسین یوں کوئی جلوہ نما نہیں ہوا
حوصلہٴ بشر کبھی کرب و بلا نہیں ہوا
ہائے وہ ارضِ کربلا ہائے وہ سجدۂ جبین
پھر تہ تیغِ جانستاں ذکرِ خدا نہیں ہوا
ہائے حسین کا لہو ہائے ہجومِ رنگ و بو
پھر کوئی خطہٴ زمیں خاکِ شفا نہیں ہوا
تجھ کہیں ہمارے بعد اہلِ عزا نہ یہ کہیں
تجھ کی طرح پھر کوئی نوحہ سرا نہیں ہوا

اس میں کوئی شک نہیں کہ تجھ آفندی کی اس شاعری کی بنیاد مذہبی، اعتقادی اور تاریخی ہے،
لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تجھ کا مقصد شاعری اس عالم میں انسان کے مقام کی

وضاحت ہے۔ ان کی شاعری کا مقصد انسان کے اصل نصب العین کی نشاندہی ہے۔ اس میثاق کا اعادہ ہے جو انسان نے یوم الملت کو کیا تھا۔ انسانی عظمت کی اس انتہا کو ظاہر کرنا ہے جس کے آگے کچھ نہیں، جس سے بلند کوئی نہیں اور جس کے سامنے کوئی عظمت نہیں۔

ہر چند کہ جہم آفندی اب ہم میں موجود نہیں لیکن ان کے عظیم کام اور کارنامے ہمیشہ زندہ و تابندہ رہیں گے۔ انھوں نے اپنی محی لگن، ان تھک محنت اور علمی و ادبی انہماک کے ذریعے صاحبان بصیرت کے لیے ایک ایسی مثال پیش کی ہے جو نہ صرف ان کے مداحوں اور ان کے شاگردوں کے لیے قابل تقلید ہے، بلکہ مجھے یقین ہے کہ آئندہ نسلوں کے لیے بھی ایک ایسی فروزاں مشعل رہے گی جس سے رہنمائی حاصل کرنے کے علاوہ حوصلہ اور ہمت کے سرچشمے جاری و ساری رہیں گے۔

وہ بلاشبہ ان فخر روزگار لوگوں میں سے تھے جو اپنی عالی ظرفی کے سہارے اپنے لیے ایک پاکیزہ دنیا اور شفاف ماحول تیار کر لیتے ہیں۔

جہم کی زندگی بلاخیز ہنگاموں سے پاک تھی اور انھوں نے ہمیشہ ایک خاموش اور باوقار انسان کی حیثیت سے اپنا علمی، ادبی اور تہذیبی سفر جاری رکھا اور راستے کے بلند و پست کو خاموشی کے ساتھ ہموار کیا۔ انھوں نے اختلافات اور قدیم و جدید کی بحث میں پڑے بغیر اپنا راستہ خالص علمی و تحقیقی شعبوں سے اُستوار کیا اور زبان و تہذیبی روایات کی سرحدوں کو وسیع سے وسیع تر کرتے رہنے کی سعی پیہم کے سوا کسی اور بات پر اپنی توجہ مرکوز نہ کی۔

”اتنی محنت اور ایسے انہماک کے ساتھ انھوں نے ایک کارِ خیر کو کچھ اس جلتے سے انجام دیا کہ ہر قسم کے اختلافات اور سارے تضاد، ان کی شخصیت کے سامنے بے معنی ہو کر رہ گئے، اور اس طرح اپنی زندگی ہی میں وہ ”شاعر الملت بیت“ کے منصب پر فائز ہو کر لائق احترام اور قابل فخر ہو گئے۔“

خود پرستی رفتہ رفتہ حق پرستی بن گئی
جہم آخر شاعرِ آلِ پیہر ہو گئے



ڈاکٹر نظیر حسین زیدی

تجم آفندی کی عزائیہ شاعری

تجم آفندی نے اردو شاعری میں فکر کے نئے سانچے ڈھالے اور زبان میں انداز بیاں کے نئے اسلوب پیدا کئے۔ ان کے عزائیہ نوحوں میں فکر کی گہرائی اور ابلاغ کی وسعت ہے۔ ان کے سلام بھی اسی طرح پیغام حیات جدید ذہن کو فکر کی روشنی میں دیتے ہیں، اسی طرح ہر مذہب و ملت کے لیے ان کا کلام یکساں طور پر جاذب قلوب ہے۔

اس وقت پیش نظر صرف ایک مرثیہ ہے جو ”معراج فکر“ کے نام سے شیخ محمد صدیق صاحب نے لاہور سے شائع کیا ہے۔ اس مرثیے کے بیاسی بند ہیں۔ یہ مرثیہ ستر برس کی عمر میں لکھا گیا تھا۔ یہ مرثیہ اس پختگی عمر کے دور کا ہے جہاں عقل و فکر اپنی پختگی کے اوج کمال پر پہنچ جاتی ہے۔ شاعر کا اس روانی کے ساتھ مرثیہ کی مشکل وادی میں قدم رکھنا ایک مشکل امتحان ہے اور وہ اس میں اس کامیابی سے گزرے ہیں، جہاں ان کے انداز بیان میں بے حد و انتہا سلاست و روانی شروع سے آخر تک قائم رہتی ہے۔ شاعر کے ذہن میں وہ سب فطری تبدیلیاں ہیں جو ذکرِ حسین کے سبب انسانی ذہن میں آگئی ہیں۔

اس مرثیہ کا پہلا بند اس طرح شروع ہوتا ہے۔

صورتِ گرِ جلالِ اسلام ہے حسین
اک مرکزِ روابطِ اقوام ہے حسین
فکر و نظر، مشیت و الہام ہے حسین
محبوبِ اہل درد بس ایک نام ہے حسین

دریا مخالفت کے چڑھے، اور اُتر گئے

باقی رہا یہ نام، حوادث گزر گئے

اس مرثیہ میں انھوں نے امام حسینؑ کی زندگی کو ایک مثالی انسان کی زندگی کے طور پر پیش کیا ہے۔ حسینؑ کی زندگی نے خود دار زندگی بسر کرنے اور عوامی شعور کو بیدار کرنے، اور عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دینے کا سلیقہ دیا اور زمانے کی تبدیلیوں کے باوجود جو انسانیت کے بنیادی اصول قائم کر دیے، وہ بلا تفریق مذہب و ملت ہر انسان کے لیے سرمایہٴ افتخار اور باعثِ شرف ہیں اور رہیں گے۔ زیرِ نظر بند میں اسی جذبہٴ اظہار کو ملاحظہ فرمائیے۔

خود دار زندگی کا جو حامی ہے وہ حسینؑ عزت کی موت کا جو پیامی ہے وہ حسینؑ
جو خالقِ شعور عوامی ہے وہ حسینؑ ہر قوم کی نظر میں گرامی ہے وہ حسینؑ
وائف نہیں بشر جو پیمر کے نام سے
مانوس ہیں حسین علیہ السلام سے

ان کی زندگی ہر ہر قدم ایک طرف منشاءِ رسالت کے مطابق، اسی لیے اور حکمِ الہی کے تحت اور منزلِ تفسیر پر قرآن کی تفسیر، گویا قرآن مجید کی آیات کا مصداق ذاتِ حسینؑ تھی۔ زہد کی تعریف قرآن میں پڑھی ہے۔ صابریں کا تذکرہ پڑھی ہے اور اس تعریف کے مصداق حسین علیہ السلام تھے اور بس وہی تھے۔ جنھوں نے ثابتِ عزم بھی بننا اور اظہارِ حق کا سلیقہ بھی:

مظلومیت کو عزم دیا، حوصلہ دیا

اظہارِ حق کا جس نے سلیقہ سکھا دیا

اس دنیا میں اعتدال کی زندگی بسر کرنا ایک انتہائی مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہی ہے۔ شاعر ہمارے سامنے ایسے انسان کی زندگی کو پیش کر رہا ہے جس نے منزلِ خیر و شر میں تمیز پیدا کر کے امروز کے آئینے میں تصویرِ فردا دکھادی۔ اکثریت کے دور میں، تلواروں کی جھنکار میں، لاکھوں انسانوں کے درمیان جس کا ہر قدم عملِ رسولؐ کی مکمل تصویر تھا۔ اگر یزید نے حسینؑ سے بیعت لینے پر اصرار کیا تھا تو کیا ہوا۔ امام حسینؑ نے بھی مکہ مدینہ سے باہر کربلا کے پتے میدان میں ہر غلط اصول کی تردید اپنی خون کی لکیروں سے کر دی۔ شاعر کا نکتہٴ سخن قلم اپنے اچھوتے انداز

میں پورے دور پر تبصرہ ہی نہیں بلکہ تنقید کر کے کردار حسینؑ کو ممتاز حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ مرثیہ میں یہ انداز نیا ہے اور دلکش بھی ہے۔

تاریخ روزگار پہ تنقید جس نے کی ہر ایک غلط اصول کی تردید جس نے کی
قدرت کے نظم و ضبط کی تائید جس نے کی اسلام کے پیام کی تجدید جس نے کی
پھر بڑھ چلا تھا زور جو باطل کا گھٹ گیا
پردہ سا ایک روئے حقیقت سے ہٹ گیا

شاعر کا انداز فکر بالکل فلسفیانہ ہے۔ زمانے کے تقاضے ذہن انسانی کو جس نئی سوچ کی طرف بڑھا رہے ہیں، ان تقاضوں کا جواب کردار حسینؑ میں دیکھئے اور اپنی مشکلات کا حل اسی سے حاصل کیجئے۔ غریب و امیر دونوں کے لیے زندگی کا ایک نیا سلیقہ بخشا اور یہ بتا دیا کہ حق اگرچہ تعداد میں انتہائی مختصر ہی کیوں نہ ہو، اکثریت کے زعم باطل کو ختم کر سکتا ہے اور پھر یہ کہ زعم بھی وہ زعم جو فرمانِ رسولؐ کے خلاف ہو، تو اس کی اہمیت پر کاہ سے بھی کم ہے۔ دولت کب کسی کے اطمینان کا باعث بن سکتی ہے اور ناشکری کب انسانیت سے دور کر دیتی ہے، وہ شاعر کے الفاظ میں سنیے کہ انھوں نے عزانہ شاعری میں فلسفیانہ انداز فکر پیش کر کے ایک ٹھوس دلیل کو شاعری کے سانچے میں ڈھال کر نہایت نرم و نازک الفاظ میں پیش کر دیا۔

جس نے کیے مقاصد صبر و رضا بلند جس نے کیے معانی حرفِ وفا بلند
جس نے کیے منازل درد آزما بلند ممنون سب اسی کے ہیں کیا پست کیا بلند
منعم کو شکرِ نعمت حق کا سبق دیا
جس نے غریب قوم کو جینے کا حق دیا

حسینؑ کی ذات والا صفات اس لیے واجب الاحترام ہے کہ جو بلا شرکت غیر کے رسولؐ کی نمائندگی شہادت کا حق ادا کر رہی ہے (بقول صاحب سرِ اشہادین) اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسولؐ کی نمائندگی ایک طرف اور مخالف رسولؐ کی نمائندگی دوسری طرف کا رسالت، اس کا اندازہ حسینؑ سے زیادہ کون کر سکتا ہے، جس قدر اہم ہے اس کا اندازہ حسینؑ سے زیادہ کون کر سکتا ہے اس لیے شاعر کا نکتہ سچ قلم اسی نکتہ کو یوں بیان کر کے عزم حسینؑ کو نمائندگی کا رسالت کا مرتبہ دیتا ہے کہ

جو حق ہے اور عین حق کہ

زندہ کیے حسین نے اسلام کے اصول اس نے عوض نبیؐ کے شہادت بھی کی قبول
مجمع الصفات ہوئے اس طرح رسولؐ اور اک دم بخود ہوں کہ حیران ہوں عقول
اک آئیے جلتی ہے یہ سِرّ خفی نہیں
منصب تو ہے نبیؐ کا اگر وہ نبیؐ نہیں

شاعر نے تمام معروف شہدائے کربلا کا نام ہر ہر بندیں کر کے بعد میں جناب علی اصغرؑ کی
شہادت جس کر بہہ انداز میں کی وہ ان کے زور قلم کا شاہکار ہے اور ان کی شہادت نے بتا دیا کہ
بنائے ظلم رکھنے والے واقعی نام کے مسلمان تھے۔ اور یہ بندگان کے مرثیہ کی جان ہے:

ایسی بنائے ظلم ہے اس کے گلے کا تیر جس سے نگاہ غیر میں اسلام تھا حقیر
ہوتی ہی جارہی ہیں غلط فہمیاں کثیر روکی ہمارے اشک عزائے یہ دار و گیر
ما تم نے راز فاش کئے اہل شام کے
ہم نے بتا دیا وہ مسلمان تھے نام کے

شاعر، ذکر حسین کو فکر کی عظمت قرار دیتا ہے اور اس غم کو فرض عین سمجھتا ہے اور غم حسین کو
اپنے سینے سے اس طرح لگائے رکھتا ہے کہ اہل دنیا اگر چاند پر مادی برتری کے لیے جانیں گے
لیکن ہمارے نزدیک عظمت غم حسین اور عظمت علمدار حسین اتنی ہے کہ ہم فضائے عالم کی بلندی
پر بھی اسے نہ بھولیں گے۔

عبائے نامور کا علم لے کے جانیں گے
ہم چاند میں حسین کا غم لے کے جانیں گے



جناب شمشاد حسین رضوی

تجملہ آئندہ اپنے خطوط کے آئینے میں

کسی شاعر و مفکر کو سمجھنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ اس کے گرد و پیش کے ماحول اور اس کے محرکات و کوائف کو سمجھا جائے تاکہ اس کی روشنی میں اس کے کلام و افکار کا صحیح تعین ہو سکے۔ انسان چونکہ آگ تھلگ رہ کر زندگی کو اس کی صحیح قدروں اور فطری مطالبات کے ساتھ پورا کرنے سے قاصر ہے، لہذا وہ اجتماعی انداز رہائش اختیار کرتا ہے اور سوسائٹی سے کسی نہ کسی صورت میں واسطہ ضرور رکھتا ہے، اس لیے اکثر وہ مقامات بھی آتے ہیں جہاں انسان کو اپنے اوپر خول چڑھانا پڑتا ہے اور بعض اوقات تو کئی کئی خول چڑھانا پڑتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی قسم کا خول چڑھانا پسند نہیں کرتے بلکہ وہ ٹوٹنا تو پسند کرتے ہیں مگر لچکنا پسند نہیں کرتے۔ ممکن ہے ایک طبقہ انہیں ناقص اندیش یا مصلحت آمیزی سے ناری تصور کرتا ہو۔ یہاں یہ بحث بے سود ہے کہ ان کا طرز فکر صحیح ہے یا غلط۔ تاہم ایسے اشخاص ہر جگہ اور ہر دور میں ملتے ہیں۔

جہاں تک اپنی شخصیت پر خول چڑھانے کا تعلق ہے تو وہ اکثر چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر ہوتا ہے اور اگر شخصیت ذرا سلیقہ مند ہو تو وہ خول بہت مشکل سے اُترتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی شاعر یا دانش ور کی گفتگو یا اس کے کلام سے اس کی شخصیت کے ہر پہلو اور اس کے نہاں خانے میں چھپی ہوئی حسرتوں کا بھی پورے طور سے جائزہ لیا جاسکے۔ کیونکہ گفتگو میں بھی کچھ آداب ملحوظ ہوتے ہیں اور کلام میں بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں جس کے باعث وہ شخصیت پورے طور سے نمایاں ہو کر سامنے نہیں آپاتی ہے۔ البتہ ایک موقع ایسا ہوتا ہے جہاں تمام پردے ہٹ

جاتے ہیں۔ تمام تکلفات ختم ہو جاتے ہیں۔ سارے خول اُتر جاتے ہیں اور وہ ہے نجی خط و کتابت۔

جب کسی ارادت مند، بے تکلف دوست یا قریبی عزیز سے مراسلت ہوتی ہے تو اُس مراسلے کے ذریعے مکمل کرگفتگو ہوتی ہے۔ کیونکہ مراسلہ نگار کا یہ قطعی خیال نہیں ہوتا کہ اس کی اس ”نصف ملاقات“ کو کبھی منظر عام پر بھی لایا جائے گا اور اس کی شخصیت اپنی حقیقت کے ساتھ اپنے خط میں اپنے مخاطب سے بیان کر دیتا ہے۔ اگر مرزا غالب، ابوالکلام آزاد، اور دیگر مشاہیر ادب کے خطوط کا سرمایہ ہمارے سامنے نہ آتا تو ہم یقیناً ان کی شخصیات، ان کے ماحول اور ان کے فکری محرکات کا صحیح جائزہ نہ لے سکتے۔

جیم آفندی نے تقریباً ساٹھ سال تک شعر و ادب کی باقاعدہ خدمت کی اور اس عرصے میں بڑے بڑے معرکے دیکھے۔ عوام سے لے کر خواص تک۔ غریب کی جھونپڑی سے لے کر تاجدار آصفیہ کے فلک نما اور کنگ کوٹھی تک مختلف محافل و مجالس میں شرکت کی۔ ہزاروں کو مشورہ، سخن دیا۔ لاکھوں دلوں میں اپنے لیے جگہ بنائی اور کروڑوں مہمان اہل بیت کے لیے ”کربلائی ادب“ کی تخلیق کر کے اُسے طرزِ جدید اور آہنگ نو نشا۔ لہذا ایسی ہستی کا وہ کوشہ بھی تو قابلِ غور ہے جہاں وہ مجلسی زندگی سے دور ہو کر اپنی شخصیت کا عکس اپنے مراسلے پر مرکوز کر دیتا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں نے اپنے بچپن میں جب پہلی بار ایک جلوس عزائم کی نوہ خواں کو یہ مصرع پڑھتے سنا:

”جس مانگ کو دیکھا اجڑی تھی جس کو دیکھا خالی تھی“
تو شعری محاسن کو سمجھنے کا شعور نہ رکھنے کے باوجود، میرے دل و دماغ پر اس کا بہت اثر پڑا۔ پھر کسی دوسری جگہ سنا:

”حسنین کا ماتم چاند میں ہے، حسنین کا ماتم تاروں میں“
تو اس مصرعے نے بھی مجھے بہت متاثر کیا۔ اول الذکر مصرعے نے دل میں ایک کسک پیدا کر کے ذہن پر اُس کئے ہوئے تافلے کی مظلومیت کا احساس نمایاں کیا، اور دوسرے مصرعے سے حسنین علیہما السلام کی عظمت کا احساس اور پیغام حسینی کے فروغ کی تحریک بیدار ہوئی۔ مگر یہ پتہ اس

وقت میری کم عمری کے باعث نہ ہو سکا کہ آخر نوہ و سلام میں اس جدید طرز فکر کا خالق کون ہے۔ یہ عقدہ اس وقت کھلا جب شعر و ادب سے دلچسپی کے ساتھ اسے سمجھنے کی کچھ صلاحیت پیدا ہوئی۔

تجملہ آفندی کے کلام میں جو جدت مجھے نظر آئی، اس کے باعث مجھے یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ اس ہستی کے بارے میں اور اس کی زندگی کے دوسرے گوشوں کو قریب سے دیکھ کر اپنے خیالات و تاثرات دوسروں کے سامنے پیش کروں۔ اگر میری اس جسارت کو تارکین کرام معاف فرمائیں تو اتنا اور عرض کر دوں کہ میں نے یہ محسوس کر لیا تھا اور آج بھی اپنے اس خیال پر قائم ہوں کہ لوگ اپنی مجالس و محافل کو تجملہ آفندی کے کلام سے زینت دینے پر تو مصر تھے مگر عملی زندگی میں اس کلام کے خالق کو مجالس و محافل کی حدود سے آگے کوئی خصوصی مقام دینے کے سلسلے میں بالکل خاموش تھے۔ چنانچہ میں نے اپنے محدود علم و فکر کے باوجود تجملہ آفندی کی زندگی کے چند گوشوں کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں مرحوم سے تقریباً بارہ تیرہ سال تک مختلف موضوعات پر مراسلت ہوتی رہی اور جب وہ کراچی تشریف لائے تو شرفِ نیاز کے ساتھ بالمشافہ گفتگو اور تبادلہ خیال کا بھی موقع ملا۔ مجھ سے مرحوم کی پُر خلوص محبت اور کرم گشتی کے اظہار کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ انھوں نے ہمیشہ میری ہمت افزائی کی اور نہایت مفید مشورے دیے۔

میں ان کی شخصیت اور شاعری سے متعلق ایک کتاب ترتیب دینا چاہتا تھا۔ اس کے لیے میں نے حتی المقدور مواد بھی جمع کر لیا تھا مگر گونا گوں مصروفیات اور اپنی تساہلی کے باعث ان کی زندگی میں ان پر ایک مضمون بھی نہ لکھ سکا جس کا مجھے ہمیشہ قلق رہے گا۔

جن دنوں میں اپنے فرائض منصبی کے سلسلے میں ڈھاکہ (سابق مشرقی پاکستان) میں تھا اور تجملہ آفندی حیدر آباد دکن میں تھے، اور مجھے جب بھی ان کے متعلق کوئی بات دریافت کرنا ہوتی تو میں انھیں زحمت دینا اور وہ بلا تامل مجھے تفصیلات سے آگاہ فرماتے۔ خط کا جواب دینا وہ اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے۔ چنانچہ جو بھی تفصیلات ان کے متعلق میرے پاس جمع ہوئیں وہ مجھے براہِ راست ان سے ہی حاصل ہوئیں۔ میرے پاس ان کے جتنے خطوط آئے اور جو انقلابِ مشرقی پاکستان کے بعد میرے پاس رہ گئے، ان میں سے 12-13 خطوط اس مضمون میں شامل کیے گئے ہیں تاکہ تارکین ان کی زندگی کے ان گوشوں سے روشناس ہو سکیں جو عام لوگوں سے اب تک

پوشیدہ رہے ہیں۔

میں نے جیم آفندی مرحوم میں جو چند خصوصیات محسوس کیں، وہ یہ تھیں کہ وہ ہر خط کا جواب نہایت پابندی سے دیتے تھے۔ خط کا جواب نہ دینا بد اخلاقی سمجھتے تھے۔ ساٹھ سال کی عمر میں ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو گیا تھا جس کے باعث خط لکھتے ہوئے ہاتھ کانپتا تھا، اس کے باوجود ان کی اردو اور انگریزی تحریر بہت ہی پاکیزہ اور روشن تھی۔ خط پر عام طور سے پتہ انگریزی زبان میں لکھتے تھے جو کہ بہت ہی صاف اور خوش نما ہوتا تھا۔ جب زیادہ طویل ہوتے یا خط لکھنے میں تکلیف ہوتی تو اپنے داماد شاہد حیدری صاحب یا کسی دوسرے شخص کو بٹھا کر خط ڈکلیٹ کر دیتے اور خط کے اختتام پر اپنے ہاتھ سے دستخط ضرور کر دیتے تاکہ مندرجات کی صحت کا مکتوب الیہ کو بھی اطمینان ہو جائے۔ خطوط عام طور پر مختصر ہوتے۔ زبان نہایت سادہ اور عام فہم۔ ثقیل الفاظ اور عربی تراکیب سے پرہیز کرتے تھے۔ ایک خاص بات یہ بھی دیکھی کہ ہر خط کے آخر میں یہ ضرور لکھتے۔ ”مؤمنین کرام کو میرا سلام پہنچا دیجئے۔“ یہ کوئی رسمی جملہ نہیں ہوتا بلکہ وہ حقیقتاً مؤمنین کی سلامتی کے خواہاں تھے جس کا اظہار وہ اپنے خطوط میں اس طرح کرتے تھے۔

نئی نسل کی مذہب سے لاعلمی اور بے گاہگی۔ مادیت کے بڑھتے ہوئے رجحان اور خوارج کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے باعث تعلیمات محمد وآل محمد کے فروغ کے لیے انھوں نے حیدرآباد دکن ”ادارہ اعلان حق“ کی بنیاد رکھی تھی۔ اس ادارے کے ذریعے وہ ”امامیہ مشن“ کی طرز پر مذہبی لٹریچر شائع کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں انھوں نے چند کتابچے شائع کروا کر لوگوں میں تقسیم بھی کر دائے تھے۔ ایک عظیم پروگرام ان کے ذہن میں تھا مگر اپنی پیرانہ سالی، مالی پریشانیوں اور عوام کی عدم توجہی کے باعث ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

ان کی تصانیف تقریباً تیس تھیں جس میں سے بہت سی ان کے پاس خود بھی موجود نہیں تھیں، کیونکہ بہت سی انقلاب آگرہ کی وجہ سے تلف ہو گئیں۔ (انقلاب آگرہ جیم آفندی کی زبان میں لکھا ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ جب انھوں نے آگرہ کی سکونت ترک کر کے حیدرآباد میں رہائش اختیار کی تو ان کی جو کتابیں اور دیگر علمی سرمایہ آگرہ میں موجود تھا اس میں سے بہت سا ضائع ہو گیا۔) جو کتابیں ان کے پاس رہ گئیں، ان میں سے اکثر ان کے اراوت مندوں اور

شاگردوں کی نذر ہو گئیں، جو اکثر ان سے مانگ کر لے جاتے تھے اور بہت کم واپس کرتے تھے۔ ان کا مرثیہ ”معراج فکر“ رضا کار بک ڈپو نے لاہور سے 1959ء میں شائع کیا تھا۔ میں نے انھیں ”معراج فکر“ کے متعلق جب ڈھاکے سے لکھا تو انھوں نے مجھے تحریر کیا کہ ”معراج فکر“ ان کے پاس نہیں ہے اور میں اُسے ان کو فراہم کروں۔ چنانچہ میں نے لاہور سے ”معراج فکر“ منگوا کر انھیں حیدرآباد دکن بھیجی۔ اس کی کتابت و طباعت ملاحظہ فرمانے کے بعد بذریعہ رجسٹری پھر انھوں نے مجھے ڈھاکہ واپس کی اور اپنے دستخط فرما کر اس پر لکھا

”سید شمشاد حسین صاحب رضوی کے لیے بطور یادگار“

جو میرے پاس اب بھی ان کی بہترین یادگار ہے۔

اس سلسلے میں نجم آفندی کے ایک خط کا اقتباس بھی باعث دلچسپی ہوگا۔ ملاحظہ ہو۔
 ”حسین اور ہندوستان کی پہلی اشاعت کو کم و بیش پچاس سال ہو گئے۔ میری عمر اس وقت 75 کچھ تر سال کی ہے۔ 1310ھ میں پیدا ہوا تھا۔ شاعری کی عمر بلا مبالغہ 64 سال کی ہے۔ میرے بہت سے مضامین، نظمیں، غزلیں آگرہ میں نذر انقلاب ہو گئیں۔“

لاہور میں جب ”الصباح“ ”کسان“ روزنامے نکل رہے تھے۔ ”زمیندار“ اور ”سیاست“ کا زور تھا۔ ”محزن“ لاہور۔ ”زمانہ“ کانپور۔ ”نئی روشنی“، ”الہ آباد۔“ ”عالم گیر“ اور ”شہکار“، لاہور کا زور تھا۔ ان سب میں میرا نظم و نثر کلام طبع ہو چکا ہے۔ یہ سب کلام، ان اخبارات کے کٹنگ غارت ہو گئے۔ ”شاعر اہل بیت جیل میں“ یہ کتاب فہرست میں لکھنی بھول گیا تھا۔ مئی 1939ء جیل کا زمانہ ہے۔ کتاب کا سن طباعت یاد نہیں رہا۔

(۱) مجھے اس کا علم نہیں کہ کب اور کن حالات میں (ہمارے آبا و اجداد) ہندوستان آئے تھے۔ ہم لوگ شرک ہیں۔ تلوار رکھ کر قلم ہاتھ میں لی اور ادب

۱۔ یہ خط راقم الحروف کو نجم آفندی نے 11 فروری 1965ء کو لکھا تھا۔ لہذا آج تک کے درمیانی عرصے کو ملحوظ رکھئے۔ (شم ر)
 ۲۔ میرے چند مولات کے جوبلات بالترتیب اس خط میں دیے تھے۔

اردو سے تعلق مرزا فتح علی اللہ مقامہ کے زمانے سے ہے۔

(۲) عمر بھر مدح الہی بیت کی۔ مشاعرے کم پڑھے اور غزل پر کم توجہ رہی۔ پھر بھی بہت سا کلام ضائع ہونے کے باوجود دو سو غزلیں اس وقت موجود ہیں۔ سیاسی اعتبار سے ہمیشہ سے کانگریسی ہوں۔ ملازمت ذریعہ معاش رہا۔ میری تعلیم اس زمانے کے مڈل تک ہو گئی۔ مگر کم از کم انگریزی کی دو ہزار کتابیں ہر قسم کی نظر سے گزری ہیں۔ اردو میں ایک کتاب کا ترجمہ بھی کیا ہے جو غائب کر دیا گیا۔ اردو فارسی گھری پر پڑھی۔ عربی نہ پڑھ سکا۔

(۳) غیر مطبوعہ کلام بہت ہے۔ غزل، نظم، قطعات، رباعیات، مرثیہ، سلام۔

قصائد وغیرہ

(۴) مرثیہ ختم ہوتا نظر آ رہا ہے۔ ”معراج فکر“ کے انداز پر اگر شعرا مرثیہ کہیں اور اس سے بھی کچھ آگے بڑھ کر کوئی جدت طرازی کریں تو شاید پبلک دلچسپی لے سکے۔

میرے واقعات بہت ہیں۔ حکومت انگلشیہ کی مخالفت کے قصے۔ قومی معاملات کے قصے، مشاعروں کے افسانے۔ مگر لکھنے والا کوئی نہیں ہے۔ میرا ہاتھ تحریر میں بے حد کانپتا ہے۔ آپ کا خط مجھے بہت پسند ہے۔ میرا خط بھی اچھا تھا اور اب ملاحظہ فرما لیجئے کیا حیثیت رہ گئی ہے۔ شاگرد ہندوستان پاکستان میں پھیلے ہوئے ہیں جو حیدر آباد میں ہیں وہ سب عدیم الفرست ہیں صرف مشورہ غن کے کی حد تک انھیں فرصت ہے۔“

محترمی سلام مسنون

آپ میرے لیے کس قدر جتنو اور محنت کر رہے ہیں مجھے ندامت ہوتی ہے۔

- ۱۔ ازراہ نوازش میری ہمت افزائی فرمائی۔ مرحوم کا خط ہاتھوں میں دھتور اور ٹھنڈی کے باوجود بہت ہی پاکیزہ اور روشن تھا۔
- ۲۔ صافہ تمیز میں بہت سے مطلب پرست داخل ہو گئے تھے جس کا انجم آئندہ مرحوم کو خود بھی احساس تھا (ش م ر)۔

کا نپتے ہاتھوں سے جو کچھ ممکن ہو سکا ہے، لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ خداوندِ عالم آپ کی سعی کامیاب کرے۔

جوش میرے اس زمانے کے دوست ہیں جب وہ اور میں دونوں گم نام تھے۔ جوش کی کفریات کے باوجود مجھے اس شخص سے بہت محبت ہے۔ افسوس ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے بہت دور ہو گئے۔ اگر اب کبھی ملاقات ہوئی تو میری داڑھی دیکھ کر خدا جانے کیا کیا صلواتیں سنائے گا۔
پُرساں حال حضرات سے سلام کہہ دیجئے۔

نیاز کیش حجم آفندی ۲۱

عزیز مکرم سلام مسنون

خدا سے دعا ہے کہ آپ ہمہ وجہ بخیریت ہوں۔ 12 جنوری کو میں نے بذریعہ رجسٹری ”معراج فکر“ واپس کیا ہے اور کچھ کاغذات اس کے ساتھ بھیجے ہیں۔ اب تک آپ نے رسید سے مطلع نہیں فرمایا جس کی وجہ سے پریشانی ہے۔ عنقریب آپ کے خط کا جواب بھی روانہ کروں گا۔ طولِ عمر، مسلسل علالت اور مختلف حالات و واقعات ضروری کاموں میں بھی ہارج ہوتے ہیں۔
جملہ مومنین کی خدمت میں سلام عرض کر دیجئے۔

نیاز کیش حجم آفندی ۲۱

عزیز مکرم سلام مسنون

آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ لکھنؤ جانے والا ہوں۔ اگر آپ واپس آگئے ہوں تو مطلع فرمائیے آپ کی فرمائش کے سلسلے میں کچھ روانہ کرنا ہے۔ امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

نیاز کیش حجم آفندی ۲۱

مکرمی زاد اللہ شکر کم سلام و نیاز

مشرقی پاکستان میں شدید بارش کی اطلاع سے پریشانی ہے۔ براہ کرم اپنی خیریت سے مطلع فرمائیے۔ سب کو علیٰ قدر مراتب سلام دعا۔
جواب کے لیے چشم براہ ہوں۔

نیاز کیش حجم آفندی $\frac{10}{45}$

مکرمی زاد اللہ شکر کم سلام مسنون

ڈھاکہ میں طوفانی بارش کی خبر اخبارات کے ذریعے معلوم ہو کر پریشانی ہے۔ براہ کرم فوری اپنی سب کی خیریت سے مطلع فرما کر شکریہ کا موقع عنایت کریں۔ میری صحت آج کل بہت خراب ہے۔ بمشکل یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں۔ جواب آنے پر آپ کی فرمائش ارسال خدمت کروں گا جو قریب قریب تیار ہے۔
سب کو علیٰ قدر مراتب دعا سلام

نیاز کیش حجم آفندی $\frac{8}{49}$

عزیز مکرم سلام مسنون

بمبئی سے واپس آ کر آپ کا مرسلہ مرثیہ ”معراج فکر“ اور خط ملا۔ رسید سے آپ کے اطمینان کی غرض سے مطلع کر رہا ہوں۔
بمبئی میں بہت حد تک انفرسٹی رہی۔ صحت اچھی نہیں۔ تکان بے حد ہے۔ انشاء اللہ ہفتہ عشرہ میں تعمیل ارشاد کر کے مرثیہ واپس کروں گا اور کچھ ضروری مطلوبہ کاغذات بھی۔

نیاز کیش حجم آفندی $\frac{10}{45}$

مکرمی سلام مسنون

سیلاب کی خبر نے بہت پریشان کر دیا۔ خدا کرے آپ سب حضرات بہ تصدق

اہل بیت علیہم السلام ہمہ وجہ بخیریت ہوں۔ براہ کرم اپنی اور جملہ مومنین کی
خیریت سے اطلاع دے کر ممنون فرمائیے اور سب کی خدمت میں میرا سلام
عرض کیجئے۔
بچوں کو دنا۔ بچوں کا آداب قبول ہو۔

نیاز کیش نجم آفندی

پتہ نجم آفندی ۵-۵-۱۶ فرحت نگر۔ حیدرآباد اے پی (انڈیا)

عزیز مکرّم سلام مسنون

آپ سے بڑی ندامت ہے۔ یہ پورا مہینہ یادگار صادق آل محمد علیہ السلام کے
سہ روزہ اجلاسوں کے انتظامات میں گزرا جو بڑی شان و شوکت اور کامیابی کے
ساتھ یہاں منائے گئے۔ اس مصروفیت کے بعد اب بہت زیادہ ٹکان محسوس
کر رہا تھا کہ نزلہ، شدید کھانسی اور بخار نے یورش کر دی۔ انشاء اللہ آپ کے
ارشاد کی تکمیل حالت ذرا اصلاح پذیر ہوتے ہی کروں گا۔
تحریر میں ہاتھ بہت کانپتا ہے۔ اس وقت کوئی لکھنے والا بھی موجود نہیں۔ مختصر نوٹیں
کو معاف کیجئے۔ آپ جو میرے مسئلہ میں دلچسپی لے رہے ہیں اس کا بے حد شکر
گزار ہوں جملہ حضرات مومنین سے میرا سلام عرض کر دیجئے۔
خدا سے دعا ہے کہ آپ ہمہ وجہ بخیریت رہیں۔

نیاز کیش نجم آفندی

نجم آفندی ۳۵۸-۲-۲۲ اندرون دیر پورہ۔ حیدرآباد اے پی (ہندوستان)

مکرم زاد اللہ شکرّم سلام مسنون

نوازش نامہ صدر ہوا۔ یادآوری اور توجہات کا ممنون ہوں۔ آپ میرا کلام لے جس

۱۔ اس خط پر تاریخ درج نہیں ہے مگر یہ خط مجھے 11 اگست 1964ء کو اُحاکہ میں موصول ہوا لہذا غلب یہ ہے کہ اگست 64ء
کے پہلے ہفتے میں یہ خط لکھا گیا۔ (ش ج ر)

طرح مناسب سمجھیں کتابی صورت میں شائع کر سکتے ہیں۔ میری طرف سے بالکل اجازت ہے۔ ضعیفی اور مسلسل علالت کے باعث تحریر میں ہاتھ کانپتا ہے۔ خط کسی نہ کسی سے لکھوانا پڑتا ہے اسی وجہ سے جواب میں کچھ تاخیر ہوگئی۔
نیاز کیش جیم آفندی ۸۱ $\frac{۴}{۳۷}$

جیم آفندی اندرون دبیر پورہ۔ حیدرآباد (اے پی)

محترمی زاد اللہ شرفکلم سلام مسنون

خدا نے دعا ہے کہ آپ ہمہ وجوہ بخیر ہوں۔ آپ کے سوالات کا جواب 25/ اگست کو ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ رسید کا خط ابھی نہیں ملا۔ اس وجہ سے تردد ہے۔ جملہ حضرات مواعین کی خدمت میں سلام و نیاز

نیاز کیش جیم آفندی

جیم آفندی ۵۳۸-۲۰-۲۲ اندرون دبیر پورہ حیدرآباد (اے پی ٹی)

مکرمی زاد اللہ شرفکلم سلام مسنون

سالہائے سال کے بعد آپ نے یاد فرمایا۔ بہر حال آپ کی خیریت معلوم ہو کر خوشی ہوئی۔ اس وقت مسلسل علالت اور ضعیفی کے باعث گزشتہ زمانے سے کہیں زیادہ انحطاط کا شکار ہوں اس کے باوجود آپ کے ارشاد کی تعمیل ضرور ہوگی۔ اطمینان رکھیے۔

مظفر حیدری بے چارہ ایک عرصہ دراز سے اس فکر میں ہے۔ میرے تلامذہ میں اس کے سوا کسی نے ادھر توجہ نہیں کی۔ اُسے میری دعا لکھ دیجئے۔ میں بھی خط

۱۔ مجھے اپنی کما کول مصروفیات کے باعث اس وقت موقع نہ مل سکا کہ ان کے کلام کی اشاعت کے سلسلے میں کچھ کر سکتا جس کا مجھے بیحد افسوس ہے۔ (ش ر ج)

۲۔ آندھرا پردیش (بھارت)

۳۔ میری کتاب کی جائزہ نگارہ ظلمت کا ہے۔ (ش ر ج)

لکھوں گا۔

میرے شاگرد یہاں اپنے ہم مشرب بہت ہیں مگر اپنی ضرورت پر تشریف لاتے ہیں۔ خاور غریب بیکار ہو گیا۔ بڑے کام کا آدمی تھا۔ اب مجبور ہے۔

کیا اتفاق ہے دو چار دن ہوئے آپ کا خیال آیا تھا۔ کل آپ کا خط آگیا۔ کسی فارسی کے شاعر نے خوب کہا ہے۔

دل و رہ دل است دریں کینہ سپہر

آپ نے اپنا پتہ نہیں لکھا۔ پُرانا پتہ بڑی تلاش کے بعد ملا۔ اُسی پتے پر جواب لکھ رہا ہوں۔ آپ کا دوسرا خط آنے پر سلسلہ جاری ہوگا۔

یہ بھی اتفاق ہے پرسوں سے سوانح حیات جمع کر رہا ہوں۔ پھر خط ہوا ہے۔ واقعات بہت ہیں۔ وقت زیادہ صرف ہوگا۔ خدا کرے تکملہ ہو جائے۔

تحریر میں ہاتھ بہت کانپتا ہے۔ پُرسانِ حال کو سلام۔ آپ کے بچوں کو دنانیں۔ اب میرا پتہ یہ ہے۔

نجم آفندی۔ کمان ایلچی بیگ۔ منڈی میر عالم۔ حیدرآباد۔ (اے۔ پی)

نجم آفندی
۹/۶۹



jabir.abbas@yahoo.com

جناب سید ہاشم رضا

تجم آفندی اور پاکستان

حضرت تجم آفندی کی موت کا ماتم ہمارے لیے تعلیم روحانی ہے۔ میں طالب علمی کے دور میں اُن کے اشعار کا لطف اٹھایا کرتا تھا، لیکن ان کی ملاقات کا شرف مجھے پانچ سال ہوئے پاکستان میں حاصل ہوا، جب وہ آگرہ سے کراچی منتقل ہو کر آ گئے۔ ایک دن انھوں نے کرم فرمایا اور میرے دفتر میں تشریف لائے، چونکہ وہ ہندوستان سے عارضی پر مٹ پر آئے تھے جس کی مدت ختم ہو رہی تھی، لہذا انھیں نوٹس ملا تھا کہ وہ ہندوستان واپس جائیں۔

انھوں نے میری وساطت سے ایک درخواست وزارت داخلہ کو دی جس میں یہ لکھا تھا کہ میں ہندوستان واپس جانا نہیں چاہتا۔ اسی درخواست کے ساتھ ساتھ انھوں نے مجھے اپنی زندگی کے واقعات اپنے دست مبارک سے لکھ کر دیے۔ میں نے ان کی درخواست کو سکریٹری وزارت داخلہ کو بھیج دیا اور اس کے ساتھ ہی اپنا نوٹ یہ لکھا کہ ”جناب تجم آفندی پاکستان میں پھلنے پھولنے کے لیے نہیں، بلکہ مرنے کے لیے آئے ہیں۔“

میں نے اپنے نوٹ میں ایک انگریزی اسٹیلے ایونس کا قول نقل کیا کہ:
”تمہارا وطن وہ جگہ نہیں ہے جہاں تم رہنا چاہتے ہو بلکہ وہ جگہ ہے جہاں تم مرنا چاہتے ہو۔“

اور میں نے لکھا کہ ”لاکھوں ہندوستانی مہاجروں کی طرح جو اپنا وطن چھوڑ کر پاکستان آئے ہیں، جناب تجم آفندی کو بھی مرنے کی سہولت مہیا کی جائے۔“

۱۲ نومبر ۱۹۷۳ء کو مرحوم نے مجھے اپنی زندگی کے حالات لکھ کر دیے جن کا اقتباس یہ ہے:

”میرا نام تجل حسین، تخلص نجم اور آفندی وہ خطاب ہے جو سلطنت ترکی کی طرف سے میرے پردادا جعفر علی فتح کو ان کی خدمات کی بنا پر دیا گیا تھا جو انھوں نے مکہ معظمہ میں انجام دی تھیں، ان کا بہت مذہبی کلام آج تک پڑھا جاتا ہے۔ یہ خطاب نسلاً بعد نسل استعمال کے لیے دیا گیا تھا۔ میرے نانا مرزا آغا حسین آغا بھی اپنے دور کے مشہور شعراء میں تھے جن کے دو شعر آج تک مشہور ہیں۔

۱۔ کیوں دل جلوں کے لب پہ ہمیشہ نغاں نہ ہو
ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو

۲۔ دیکھیں تو کس طرح انھیں ہوتا نہیں اثر
لو آج نامہ لکھتے ہیں خونِ جگر سے ہم

مرزا فتح مرحوم کا ایک شعر سن لیجیے۔

فتح اگلے برس ہم تھے پیہر کے مدینے میں
کبھی روئے میں زائر تھے کبھی بیت الحزن میں تھے

انھوں نے مکے ہی میں انتقال کیا، لکھنؤ کی ملٹی ہوئی وزارت جو حسب وعدہ امجد علی شاہ دے رہے تھے، چھوڑ کر مکے چلے گئے اور وہاں ایک مکان بنوا کر زائرین حج کے قیام کے لیے وقف کر دیا جو بعد میں شہر کی توسیع کے پلان میں شامل ہو گیا۔ نواب عنایت جنگ نے وہ مکان دیکھا تھا۔

بہر حال ان بزرگوں کے حالات کہاں تک لکھوں گا بہت کثرت سے ہیں۔
میں رمضان ۱۳۱۰ھ میں آگرہ میں پیدا ہوا، مفید عام اسکول میں تعلیم پائی اور مفید عام اسکول ہی میں انگریزوں کے خلاف ایک انجمن بنائی جو قائم نہ رہ سکی۔

اس وقت ۸۳ سال کی عمر ہے۔ میں نے ہزاروں غزلیں، نظمیں اور سلام کہے ہیں۔ میرا آدھے سے زیادہ کلام ضائع ہو گیا۔

میں نے اپنی جوبلی کے متعلق ہندوستان اور پاکستان کی دو تحریکوں کی مخالفت کی، بمبئی کے

حضرات ہزار ہا روپیہ کی تھیلی دے رہے تھے، پچاسی ہزار تک نوبت آگئی تھی مگر میں نے منظور نہیں کیا۔

میرے شاگردوں کی تعداد ۵۵ تک پہنچی (جن میں رعنا اکبر آبادی بھی شامل ہیں۔) اور تصنیفات ۲۶-۲۷ تک شائع ہو چکی ہیں۔ معظم جاہ بھی میرے شاگرد ہیں اور غریب سے غریب آدمی بھی۔ سب کا کلام میں نے پوری توجہ سے دیکھا ہے۔

نثر اور نظم دونوں اصناف میں میرا کلام مطبوعہ موجود ہے۔ صرف غزلوں کا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہو سکا، میں نے اس طرف کوئی توجہ ہی نہیں کی۔ میری غزلیں بھی پرانے مذاق کی نہیں ہیں، جن مشاعروں میں بھی ہندوستان اور پاکستان میں پڑھی گئی ہیں، غیر معمولی کامیابی ہوئی۔

لاہور اور کراچی میں بھی میری تصنیفات ایک زمانے سے شائع ہو رہی ہیں۔ میں نے کبھی حکومت کی ملازمت نہیں کی، یہی تصنیف و تالیف ذریعہ حیات رہا۔

طول ہو جانے کے خیال سے اختصار کر رہا ہوں ورنہ لکھنے کے لیے بہت سے واقعات ہیں۔ مجھے پاکستان سے جو دلچسپی ہے، اس لحاظ سے میں اب یہیں رہنا چاہتا ہوں۔

فیض آباد میں جو تیرہ رجب کی مقاصد کے محفلیں پڑھی ہیں، اس کی ایک محفل میں مولانا صفی لکھنوی نے فرمایا تھا کہ:

”جتم صاحب ہم نے ۲۲ برس اس محفل میں چراغ جلا یا ہے اب آپ کی باری ہے۔“

یہ کہہ کے چلے گئے اور محفل نہیں پڑھی اور نہ آئندہ آئے۔

رابعہ صاحب محمود آباد مرحوم سے میری بہت زیادہ راہ و رسم تھی۔ آغا پوپا مرحوم سے میرے بہت اچھے راہ و رسم تھے۔ واقعات سیکڑوں ہیں کہاں تک لکھ سکتا ہوں۔ کتنے رسائل میں میرا کلام شائع ہوا ہے، کوئی انتہا نہیں ہے۔ اب میں پاکستان ہی میں بقایا زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔“

جناب جتم آفندی اپنے دور کے بہترین شعرا میں شمار ہوں گے اور ان کے نوحوں، سلام اور مرثیوں کی وجہ سے مرحوم کو ہمارے عظیم مرثیہ گوئیوں کی صف اول میں جگہ ملے گی۔

”ان کے دور میں ان سے بہتر کسی نے نوے اور سلام نہیں کہے۔“

زبان پر ان کو قدرت کاملہ تھی۔ وہ اپنے دور کے قضاوں سے بہت اچھی طرح آگاہ تھے اور اسی لیے ان کے سلام اور مرثیے نوجوانوں میں بہت زیادہ مقبول رہے۔ ان کا طرز ایسا منفرد تھا کہ اگر ان کے سلام اور مرثیوں میں ان کا نام نہ لکھا جائے تو اہل بینش سمجھ جائیں گے کہ یہ انھیں کا کلام ہے۔

جس زمانے میں کہ امریکہ اور روس میں چاند پر جانے کے لیے خلائی دوڑ ہو رہی تھی اور ابھی امریکہ کے ہوا باز چاند پر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے، اس زمانے میں جناب نجم آفندی کے دماغ کی قوت پرواز اس طرح صفحہ قرطاس پر نمایاں ہوئی۔

اہل زمیں کی آج ستاروں پہ ہے نظر ممکن ہے کامیاب رہے چاند کا سفر
ہیں اپنی اپنی فکر میں ہر قوم کے بشر مردانِ حق پرست کا جانا ہوا اگر
عباس نامور کا علم لے کے جائیں گے
ہم چاند میں حسین کا غم لے کے جائیں گے

میرا عقیدہ ہے کہ خدمت سید الشہداء میں حاضر ہونے سے پہلے عالم بالا میں میرا پیش اعلیٰ اللہ
مقامہ اور مرزا دبیر اعلیٰ اللہ مقامہ نے ان کا خیر مقدم کیا ہوگا اور کیا عجب ہے کہ میری طرح انھوں نے
بھی مرحوم کے تین بندوں کے لیے یہ کہا ہو کہ ایسے بند نجم آفندی کے علاوہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔

۱۔ جس نے امورِ خیر کو بخشی حیاتِ نو جس کی نوائے درد میں ہے زندگی کی رو
صدیوں سے جس کے نقش قدم دے رہے ہیں نو جو سو گیا بڑھا کے چراغِ وفا کی لو
بدلی عمل کی شکل ارادے بدل دیے
جس نے مطالبات کے جادے بدل دیے

۲۔ کچھ حسن کی نمود تھی کچھ عشق کا مزاج آیا نظر جو صبر و شجاعت کا امتزاج
حق نے رکھا شہادتِ عظمیٰ کا سر پہ تاج ملتا ہے آنسوؤں کا جسے آج تک خراج
مٹھی میں تھا لیے ہوئے موت اور حیات کو
کس دبدبے سے فتح کیا کائنات کو

۳۔ کیا ربط آج موت کو ہے زندگی کے ساتھ کتنے ادا شناس ہیں سبٹ نپا کے ساتھ
پھر یہ ہجوم شوق نہ ہوگا کسی کے ساتھ مرنے کو یوں نہ جائیں گے انساں خوشی کے ساتھ
سُن کر سفیر مرگ کے قدموں کی آہٹیں
ہونٹوں پہ جمع ہوگی نہ پھر مسکراہٹیں



jabir.abbas@yahoo.com

علامہ سید ضمیر اختر نقوی

نجم آفندی پاکستان میں

(یہ اقتباس علامہ سید ضمیر نقوی کے عمدہ مضمون ”علامہ نجم آفندی حیات اور شاعری“ جو مجلہ انجم مطبوعہ ۱۹۶۶ء کراچی میں شائع ہوا سے اخذ کیا گیا)

نجم صاحب نے غیر منقسم ہندوستان کے تمام بڑے شہروں کا سفر کیا تھا۔ کشمیر سے کولہو تک ہندوستان کے ظاہر و باطن سے خوب واقف تھے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ نجم صاحب ہندوستان کی تقسیم کے مخالف تھے۔ معز الدین تادری نے تحریر کیا ہے۔

”کانگریسی حضرات کا اگر کوئی گروپ بن سکتا ہے تو اس نہرست میں نجم کا نام شامل کیا جائے گا۔ گاندھی جی سے کئی بار مل چکے ہیں اور ان کے قدردان بھی ہیں۔“

وہ کون سے حالات تھے جس کے تحت نجم صاحب ہندوستان چھوڑ کر پاکستان آئے، اب تک معلوم نہیں ہو سکے۔ کراچی وہ پہلی بار آئے تھے۔ اپریل ۱۹۷۱ء میں علامہ نجم آفندی نے پاکستان کا سفر فرمایا۔ بمبئی سے بحری جہاز سے سوار ہوئے تو کراچی کی بندرگاہ پر اترے۔ نجم آفندی کا نام میں نے بچپن میں سنا تھا۔ ان کے نوے سنتے سنتے مجھے زبانی یاد ہو گئے تھے۔ بعض شاعروں کے کلام میں یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ پڑھنے والے کو مجبور کر دیتا ہے کہ شاعر سے محبت ہو جائے۔ میں نے نجم صاحب کو کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن ان کے کلام سے اور ان کی شخصیت سے ایک طرح کا لگاؤ تھا۔ مئی ۱۹۷۱ء میں پہلی مرتبہ میں نے انہیں دیکھا۔ ”عز خانہ زہرا“ میں میلا دسرو کا نعت کے موقع پر اپنا ایک علامہ رشید تریبی مرحوم نے اعلان کیا کہ

”برصغیر کے نامور شاعر حضرت نجم آفندی ہندوستان سے یہاں آئے ہوئے ہیں اور اس وقت وہ اپنا کلام پیش کریں گے۔“

نجم صاحب نے ایک نعت سنائی۔ رشید ترابی صاحب نے بعد میں نجم صاحب کا شکریہ یہ کہہ کر ادا کیا۔ ”بڑا کرم کیا۔“ کراچی میں چند مہینے قیام کر کے نجم صاحب لاہور چلے گئے۔ ان کی ایک مختصر سی ڈائری سے قیام کراچی کے سلسلے میں چند باتیں معلوم ہو سکیں ہیں۔ یہاں ڈائری کے چند اوراق ملاحظہ کیجئے۔

یکشنبہ ۲۷ جون ۱۹۷۱ء مطابق ۳ جمادی الاول
بزم آرزو کے مشاعرہ میں میری غزل سب سے زیادہ کامیاب رہی۔ جوش نے
خلاف اصول و معمول غزل پڑھی، صدر مشاعرہ آل رضا نے غزل نہیں پڑھی۔
خلیق کے والد مرحوم کا نام، تخلص اور زندگی کا حال معلوم کرنا ہے۔

دوشنبہ ۲۸ جون ۱۹۷۱ء مطابق ۴ جمادی الاول
۱۔ کچھ دنوں میں گفتگو کا راز بھی کھل جائے گا
رفتہ رفتہ ان کی وجہ خامشی سمجھے تھے ہم
(۲) مخمور اکبر آبادی مصنف ”روح نظیر“ اور اصالت خاں سے ملنا ہے۔
(۳) علامہ رشید ترابی کی عیادت کو گیا، وہ مل نہ سکے۔ کہا: بیجا کہ مجھے بہت
افسوس ہے کہ ملاقات نہ ہو سکی۔ رقم کل حیدر آباد پہنچ جائے گی۔ بیدار میرے
ساتھ تھے شمیم کو خط لکھا۔

سہ شنبہ ۲۹ جون ۱۹۷۱ء مطابق ۵ جمادی الاول۔
سروجنی نانیدو کا ذکر سوانح حیات میں آتا ہے۔
شمیم کا خط آیا۔ اپنے نئے مکان کے پتے سے اطلاع دی۔

۱۔ بیدار نجفی، نجم آفندی کے شاگرد ہیں۔

حسین اعظمی آئے اور بہت دیر بیٹھے۔ کچھ کتابوں کی طباعت کے بارے میں گفتگو رہی۔
صاحب عالم کے دوست کی بنا کر وہ مجلس کے لیے ان لوگوں کے ساتھ ہادی حسین صاحب کے
یہاں گیا۔ وہ نہیں ملے لہذا مجلس کے لیے ذاکری کا مسئلہ مولانا جوہر صاحب سے طے کرادیا۔

چہار شنبہ ۳۰ جون ۱۹۷۱ء مطابق ۶ جمادی الاول

حفیظ جالندھری اور سیزدہ صد سالہ یادگار۔

پرنس سے ملاقات دہلی اور حیدرآباد۔

حسین اعظمی اور بیدار ۸ بجے کے قریب آئے اور دس بجے شب بکے تک بیٹھے۔

آموں کے لیے ڈیڑھ روپیہ صاحب عالم کو دیئے۔

خلیق لے کے والد کا نام اور تخلص ضاحک تھا۔ درباری تھے

پنجشنبہ یکم جولائی ۱۹۷۱ء مطابق ۷ جمادی الاول

عشق کی منزل میں یہ حسن سماعت دیکھنا

قبیلہ ان کا فرشتوں کی ہنسی سمجھے تھے ہم

زیبا مرحوم کے صاحبزادے ملنے کے لیے آئے۔ ان کے دوست طاہر اور ریاض احمد ساتھ

تھے۔

منوہر لال بہار اور بجرنگ سنگھ فقیر کا ذکر سوانح حیات میں آئے گا۔

جمعہ ۲ جولائی ۱۹۷۱ء۔ مطابق ۸ جمادی الاول۔

ناشناس حق کے دو لفظوں سے ظاہر ہو گیا

خوب سمجھے تھے جو ذہنی مفلس سمجھے تھے ہم

۱۔ میر خلیق کے بارے میں حجم صاحب کو تفصیل بتانے والے نے سب کچھ غلط بتایا ہے۔ ان کا نام میر مستحسن

ہے۔ والد کا نام میر حسن ہے۔ ضاحک خلیق کے دادا تھے۔ خلیق درباری نہیں تھے۔

اخضر اکبر آبادی
شمیم امرہ ہوی
شمیم بلند شہری
پنڈراول کی مجلسیں

—
شنبہ ۳ جولائی ۱۹۷۱ء مطابق ۹ جمادی الاول -

زیبا ردولوی کے ایصالِ ثواب کی مجلس میں گیا، جہاں کے لیے جوہر صاحب سے وعدہ لیا تھا۔ جوہر صاحب نے خوب مجلس پڑھی۔ صاحبِ عالم ہمراہ تھے۔ زیبا ردولوی کے ایصالِ ثواب کی مجلس میں مقررین نے میرا ذکر بھی کیا۔ رات کو رعنا کے مشاعرے میں میری غزل بہت کامیاب ہوئی۔ وہاں اصالت خاں سے ملاقات ہوئی۔

—
دوشنبہ ۵ جولائی ۱۹۷۱ء مطابق ۱۱ جمادی الاول -

علامہ رشید ترائی آئے اور اپنے ساتھ ”عزِ اخصائیان“ میں لے گئے۔ مجلس بہت اچھی ہوئی۔ واپسی میں ایک ہوٹل میں کھانا کھلایا۔ پھر میرے مکان پر پہنچا دیا۔

—
سہ شنبہ ۶ جولائی ۱۹۷۱ء مطابق ۱۲ جمادی الاول -

علامہ رشید ترائی نے موٹر بھیج کر بلایا اور مجلس میں ایرانیان کی لے گئے۔ واپسی میں ہوٹل میں کھانا کھلایا اور گھر پہنچا دیا۔
یگانہ کی صاحبزادی آئیں اور تقریباً دن بھر قیام کیا۔

—
چار شنبہ ۷ جولائی ۱۹۷۱ء مطابق ۱۳ جمادی الاول -

علامہ رشید ترائی اپنے ساتھ مجلس میں ایرانیان لے گئے۔ واپسی میں ہوٹل میں

کھانا کھلایا اور گھر تک پہنچا گئے۔ مجلس خوب ہوئی۔ تینوں مجلسیں خوب پڑھیں۔
مجمع بہت تھا۔

پنجشنبہ ۸ جولائی ۱۹۷۱ء مطابق ۱۴ جمادی الاول
علامہ رشید ترائی نے بلایا اور اپنے ساتھ مجلس میں نور باغ لے گئے۔ غیر معمولی
مجمع تھا۔ خوب مجلس ہوئی۔ مجلس کے بعد گھر پہنچا گئے۔
۲۹ ستمبر ہفتہ تاریخ مشاعرہ ۱۹/۳۱۴، انور سوسائٹی
طرح: ع۔ وہ آدمی ہیں مگر دیکھنے کی تاب نہیں۔

اس کے آگے ڈائری کے صفحات نہیں لکھے گئے۔ چند صفحات سے یہ اندازہ تو ہوتا
ہے کہ حجم صاحب کراچی آکر شروع شروع میں کافی مصروف رہے۔ چند مہینوں
کے بعد وہ کراچی سے لاہور چلے گئے۔ قیام لاہور کے دوران لاہور کے قومی
اخبارات میں ”کلیات حجم آفندی“ کا اشتہار شائع ہوا۔ ہفتہ وار ”رضا کار“
اشاعت ۸ مئی ۱۹۷۳ء میں بھی اشتہار شائع ہوا۔

مہینوں یہ اشتہار چھپتا رہا۔ دیرے دیرے یہ اعلان خائب ہو گیا۔ اور لوگ
بھول گئے کہ کلیات چھپنے کا پروگرام بھی تھا یا نہیں۔ ابھی حال میں لاہور سے
مسعود رضا خاکی صاحب تشریف لائے تھے۔ انہوں نے اس کلیات کی تفصیلات
سے آگاہ کیا۔ اس لیے مزید اس موضوع پر میں لکھنا نہیں چاہتا۔
حجم صاحب اپریل میں کراچی آئے تھے۔ مئی کے مہینے میں وہ چند دنوں کے لیے
لاہور گئے تھے۔ لاہور کا یہ پہلا دورہ تھا۔ لاہور میں بھی حجم صاحب محفلوں میں
اور مسالمنوں میں شرکت کرتے رہے۔ اسی دوران ہفت روزہ ”اسد“ لاہور نے
۲۶ تا ۲۸ مئی ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں یہ خبر شائع کی تھی۔

علامہ نجم آفندی کے اعزاز میں عصرانہ

لاہور۔ ۵ مئی۔ آج یہاں سید اختر حسین شائق انبالوی جنرل سیکریٹری آل پاکستان شیعہ کانفرنس نے برصغیر ہندوپاک کے ممتاز اور عظیم شیعہ شاعر علامہ نجم آفندی کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت عصرانہ ترتیب دی۔ شائق انبالوی نے علامہ نجم آفندی کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ ”حضرت نجم آفندی کی پوری زندگی مدح اہل بیت اور نشر حسینیت میں گزری ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری کا محور صرف محمد و آل محمد کی مدح ہی کو قرار دیا ہے۔“ اس کے بعد حضرت شاہد حیدری، وحید الحسن ہاشمی ایم، اے اور علامہ نجم آفندی نے اپنا اپنا کلام پیش کیا۔ اس دعوت عصرانہ میں خطیب آل محمد مولانا سید اظہر حسن زیدی صدر مرکزی ادارہ تحفظ حقوق شیعہ، سید ہادی علی شاہ بخاری نائب صدر آل پاکستان شیعہ کانفرنس، جناب مظفر علی شمشی جنرل سیکریٹری مرکزی ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان، سید منظور حسین بخاری ایڈووکیٹ۔ ملک یوسف حسین رئیس ساندہ کلاں، مولانا ملک مہدی حسن علوی ناظم اعلیٰ شیعہ جمعیت العلماء پاکستان، سید غلام عباس شاہ رئیس بھٹائی بالا راجہ، چوہدری رشید احمد اشغب ایڈووکیٹ، خان غلام شبیر خاں سیکریٹری دارالعلوم محمدیہ، سرگودھا، مولانا سید ظہور الحسن شاہ جھنگ، جعفر علی میر ایڈیٹر شہید، مولانا عبدالغفور جعفری، ملک سجاد حسین رئیس ساندہ کلاں، سید شفقت علی شاہ، مولانا ملک ظفر عباس، مولوی نذر عباس اصغر، ڈاکٹر سید مقصود حسین کاظمی، سید ناصر عباس کاظمی، سید شمیم عباس کاظمی، سید غلام بخاری وقاری، سید اظہر علی بخاری، مولانا محمد ریاض اسد، سید محمد رضا کاظمی و سید اقبال حسین شاہ، دام گڑھ، ڈاکٹر سید محمد عالم زیدی، سید جعفر حسین آغا عبدالعزیز قزلباش شریک تھے۔

”کاروں والے شہر کراچی کے ۲۵، ۲۰ آدمیوں نے نجم صاحب کے جنازے میں شرکت کی۔“ بے کاروں والے شہر لاہور کے کتنے لوگوں نے نجم صاحب کے لیے تعزیتی اجلاس کئے؟ کتنے رئیسوں نے نجم صاحب کے ایصال ثواب کی مجلس کروائی؟ کتنے اخباروں کے اور رسالوں کے مدیران ”نجم نمبر“ شائع کر چکے؟ کتنے علماء نے نجم صاحب کے لیے مجلسیں پڑھیں اور مضامین

لکھے؟

اس خبر میں کتنے کتنے بڑے بڑے نام ہیں۔ ان سب نے اب تک جیم صاحب کے لیے کیا کیا؟ صرف جیم صاحب کے ساتھ دعوت کھانے اور اخبار میں نام چھپوانے کی حد تک یہ حضرات کیوں محدود ہیں۔ وحید الحسن ہاشمی صاحب کو کراچی والوں سے بڑا گلہ ہے۔ ارے جناب! اگر جیم صاحب لاہور میں انتقال کرتے تو وہاں بھی جنازے میں اتنے ہی آدمی شرکت کرتے جتنے کراچی کے لوگوں نے جنازے میں شرکت کی تھی۔ جیم صاحب پاکستان کے کسی شہر میں بھی مرتے، ہر جگہ کا منظر یہی ہوتا جو کراچی کا تھا۔ اس کی صرف ایک وجہ ہے۔ جیم صاحب ہندوستانی تھے۔۔۔ خالص ہندوستانی! پاکستان کی حکومت نے ان کو پشنٹٹی نہیں دی۔ وہ ہندوستانی تھے۔ اس لیے اخبارات نے ان کی خبر وفات چھاپنے سے انکار کر دیا۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے جیم صاحب سے اس ضعیفی کے عالم میں بھی تین تین گھنٹے کی محفلوں کی صدارت کروائی اور زیادہ تر حضرات کسی بہت بڑے ٹرسٹ یا ادارے کے ذمہ داران ہیں۔ قوم کے نام نہاد لیڈروں نے جیم صاحب کی زندگی میں انہیں جو زمیں دی تھیں، اس کے صلے میں ان کے مرنے کے بعد ایصال ثواب کی مجلس منعقد کروا دیتے تو کیا تھا؟ (شرم! شرم) اس بے توجہی میں کراچی اور لاہور ہر جگہ کے قومی کارکن شامل ہیں۔

لاہور کے ہفت روزہ اخبارات اور ماہ ناموں نے جیم صاحب کا کلام چھاپا۔ بس! جب کہ ضرورت تھی کہ زیادہ سے زیادہ جیم صاحب پر تحقیقی کام ہوتا۔ ان سے پوچھ پوچھ کر ان کی مکمل سوانح حیات تیار کی جاتی۔ ان کی وفات کے بعد زندگی کے کتنے پہلو آشکار ہوتے۔ اس کا اندازہ لکھنے والوں کو بخوبی ہے۔

جیم صاحب کی شاعری پر کتابیں لکھی جاسکتی تھیں۔ لیکن کسی نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ جیم صاحب کے پانچ چھ شاگرد لاہور اور کراچی میں موجود ہیں۔ یہ تمام ذمہ داریاں ان کی تھیں۔ ظاہر ہے جب انہوں نے زندگی میں توجہ نہیں کی تو اب کیا امید رکھی جاسکتی ہے کہ وہ جیم صاحب پر کچھ لکھیں گے۔ اب تو وہ مر ہی گئے۔ اور انہیں لوگوں کے لیے شاید جیم صاحب نے یہ شعر کہا تھا:-

جتم ارباب غرض نے دل کے کلڑے کر دیئے

زندگی نعمت سہی نعمت سے بھی دل بھر گیا

بہر حال لاہور میں بھی جتم صاحب کو خوشی نہیں ملی۔ وہ پھر کراچی آ گئے۔ لاہور سے آنے

کے بعد انہوں نے کراچی کی بہت سی محفلوں میں شرکت کی اور تازہ کلام سنایا۔

رضویہ سوسائٹی کراچی کے امام باڑے میں محفل میلاد بسلسلہ ولادت امام حسین علیہ السلام

۳۱ شعبان ۱۹۷۳ء کو منعقد ہوا تھا۔ اس محفل میں میری تقریر تھی۔ جتم صاحب نے محفل کے اختتام

پر میری تقریر کی بہت تعریف کی اور مجھے اپنے گھر پر بلایا۔ میں کئی بار ان کی خدمت میں حاضر ہوا

”انجمن یادگار میر انیس“ کے زیر اہتمام ۹ دسمبر ۱۹۷۳ء کو ”یوم انیس“ کے لیے میں نے ان سے

وعدہ لیا اور نظم لکھنے کی فرمائش کی۔ انہوں نے بخار کے عالم میں میری فرمائش پوری کی اور صبح

نوبے جلے میں پہنچ گئے۔ میر انیس پر انہوں نے جو نظم لکھی وہ کتاب ”انیس شاعر انسانیت“ میں

شائع ہو چکی ہے۔ جن حضرات کی نظر سے نہیں گزری ان کے لیے یہاں درج کی جاتی ہے۔

انیس غم کدہ کر بلا کے درد شعار تیرا کلام ہے یا مرثیت کے لیل و نہار

یہ راز تو نے بتایا ہے اہل عالم کو نہ ہو یہ درد جو دل میں تو زندگی بیکار

شعور فکر نے غیروں پہ بھی کیا یہ اثر کہ کوشے کوشے میں انسان ہو گئے بیدار

سنی سنائی نہیں بات آنکھوں دیکھی ہے کہ بندوؤں کو بھی دیکھا گیا ہے سینہ فگار

خصوصیات بہت کچھ ترے کلام کی ہیں ترے کلام سے پیدا ہوئے وہ نقش و نگار

ترے کلام سے اردو زباں کا وزن بڑھا محاورات کا ایک جا لگا دیا انبار

اس سے پہلے ”پیام عمل“ کے ”انیس نمبر“ کے لیے کوثر حسین صاحب پانی پتی کی فرمائش پر

جتم صاحب نے میر انیس پر چار مصرع اور کہے تھے۔

جو اہل دل ہیں سمجھتے ہیں وہ مقام انیس یہ فن مرثیہ کوئی میں اہتمام انیس

حسینیت کی جو خدمت انیس نے کی ہے رہے گا تابہ قیامت بلند نام انیس

یوم انیس پر میں نے خصوصی فوٹو گرافر کا انتظام کیا تھا، تاکہ وہ مسلسل جتم صاحب کی تصاویر

کھینچتا رہے۔ جلے کے بعد بھی میں نے جتم صاحب کی مختلف انداز سے تصاویر کھینچوائیں۔ یہ

تصاویر رنگین تھیں جو میرے پاس موجود ہیں۔ باقر زیدی صاحب (کوکب آفندی کے داماد) نے بھی اپنے لیے چند تصاویر کھنچوائی تھیں، جو اس مجلہ میں شائع کی جا رہی ہیں۔ میری کوشش تھی کہ حجم صاحب کے ساتھ، سید آل رضا اور نسیم امروہوی کا ایک فوٹو گروپ ہو جائے۔ لیکن نسیم امروہوی تشریف نہیں لائے اور سید آل رضا جلدی چلے گئے۔ حجم صاحب جلسے کے آخر تک موجود رہے۔ بہر حال ایک یادگار فوٹو گروپ میں حجم صاحب کے ساتھ جو حضرات موجود ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

آغا سروش لکھنوی مرحوم، سید یوسف حسین (فرزند میر عارف لکھنوی) سید اصغر حسین (فرزند بابو صاحب فائق) نفیس نقوی شریٹر ہوشنگ آبادی، زاہد نقوی، شاہد نقوی، عزت لکھنوی، ڈاکٹر انصار حسین، سید کزاد حیدر راہی، مظاہر عباس نقوی، تنویر اختر نقوی، جلیل حسن رضوی حیدر آبادی، اور کہیں پر میں بھی موجود ہوں۔ اس کے علاوہ ایک ایک تصاویر میں سید آل رضا، منور عباس، کوکب شادانی، سید ہاشم رضا، وغیرہ بھی حجم صاحب کے ساتھ ہیں۔

”یومِ انیس کے بعد یہ تصاویر میں نے حجم صاحب کو دی تھیں۔ بہت خوش ہوئے۔ بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اپنی تصانیف کی تفصیلات بتاتے رہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے تھے۔ ”اب کچھ یاد نہیں رہتا۔“ ہر بات بھول جاتا ہوں۔ آخر میں پینشنی کی بات نکلی تو میں نے انہیں تفصیلات بتائیں کہ مجھے اس سلسلے میں بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑی تھیں۔ پاسپورٹ کی فائل منگوا کر مجھے دکھائی جس میں سید ہاشم رضا کا سفارشی خط بھی تھا جس میں حکومت پاکستان سے اپیل کی گئی تھی کہ حجم صاحب کو پاکستان کی پینشنی دے دی جائے۔ حجم آفندی کا انتقال ہو گیا۔ حکومت تو انہیں یہاں کی قومیت نہ دے سکی۔ قدرت نے ان کو یہاں کا قومی باشندہ بنادیا۔ کیا خیال ہے حکومت پاکستان کا۔ وہ خط جو حجم صاحب کو حکومت نے لکھا تھا کہ آپ جلد سے جلد پاکستان چھوڑ دیجئے۔

اب حکومت ذرا نجم صاحب کو پاکستان سے نکال کر دکھائے! وہ توقیامت تک اسی سرزمین پر قایم رہیں

گئے!

وطن کے عشق میں ڈوبا ہوا آتش بجاں ہوں میں
وطن ہے میرے ہر اک گوشہ دل میں جہاں ہوں میں
جہم آفندی

وفات

دنیا شاید تاہل رشک موت اسے سمجھے کہ جنازے میں لاکھوں کا مجمع ہو، اخبارات میں جلوس
جنازہ کی تصاویر ہوں۔ ٹیلیوژن پر پروگرام پیش کیا جائے۔ شاندار مقبرہ تعمیر ہو وغیرہ وغیرہ۔
معصوم کی نظر میں شاعر کی تاہل رشک موت یہ ہے کہ:-
”ہمارا شاعر جب مرجاتا ہے تو جنت میں ملائکہ مقررین اور انبیاء مرسلین اس
سے ملاقات کرنے کے لیے آتے ہیں۔“

(ارشاد امام ہشتم)

جہم آفندی ”شاعر اہل بیت“ تھے۔ اور وہ اس خطاب پر فخر کرتے تھے:-
جہم اپنی زندگی ہے وقف مدح اہلیت
شاعر سرکار اہل بیت کہلاتے ہیں ہم
جہم صاحب نے دولت دنیا کی کبھی پروا نہیں کی:-
جہم شاعر ہے حسین ابن علی کے در کا
اور دنیا میں نہ منصب ہے نہ جاگیر کوئی
جہم صاحب کو یقین ہے کہ ہمارا کلام دربار رسالت میں پہنچ چکا ہے:-
اے جہم میں شاعر ہوں سرکار امامت کا
نظمیں مری پہنچیں گی دربار پیغمبر میں
جہم صاحب خدمت محمدؐ و آل محمدؐ کے صلے میں ملنے والے انعام کا مصرف بھی بتا دیتے
ہیں۔

صلہ میں غلد وہ دیں گے تو جہم کہہ دیں گے
 تمہارے نقش قدم پر نثار کرتے ہیں
 محمدؐ و آل محمدؐ کے نقش قدم پر غلد نثار کرنے کے لیے جہم صاحب نے بمقام کراچی بروز اتوار
 بتاریخ ۱۷/ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۱ دسمبر ۲۰۱۵ء بوقت ۹/۳۰ بجے صبح سفر آخرت اختیار کیا۔
 غسل میت جہم صاحب کے اپنے مکان ہی پر ہوا۔ شام ۴ بجے کے قریب جہم صاحب کی
 میت امام بارگاہ رضویہ سوسائٹی میں لائی گئی جہاں نماز جنازہ پڑھی گئی۔ ۶ بجے کے قریب سخی حسن
 دربار کے قبرستان، واقع نارتھ ناظم آباد میں دفن کر دیا گیا۔

شعرا نے کراچی میں صرف فیض بھرت پوری اور شکر ہوشنگ آبادی جنازے میں
 شریک تھے۔ اس کے علاوہ دور اور قریب کے چند رشتے دار شریک جنازہ تھے۔
 شفیق اکبر آبادی نے تلقین پڑھائی۔ میں اتفاق سے جنازے میں شریک ہوا، اس
 کو میں اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ ان کا آخری دیدار میں نے کیا۔ تیسرے دن
 سوئم کی مجلس تھی، مجلس رضویہ سوسائٹی کے امام باڑے میں ہوئی۔ مجلس علامہ عباس
 حیدر عابدی کو پڑھنا تھی، لیکن دیر ہو جانے کے سبب یہ ذمہ داری جاتے جاتے
 موصوف میرے سپرد کر گئے۔ میں نے جہم صاحب کی خدمات ادب اور مذہب پر
 تقریر کی اور مصائب میں ”کر بل نگر“ ہندی نظم پڑھنے کے بعد سورہ فاتحہ
 پڑھوایا۔ چہلم کی مجلس نہیں ہوئی اور اس کی ذمہ داری جہم صاحب کے ورثہ پر
 ہے۔ اور جہاں تک میں نے محسوس کیا ہے ان کے ورثہ نہایت غیر ذمہ داری اور
 جہم صاحب کی عظمتوں کی طرف سے لاپرواہی خاص ہیں۔ جو ہوا سو ہوا۔ اب ان
 کے ورثہ کا یہ فرض ہے کہ جہم صاحب کی قبر پر کم از کم ایک پتھر ہی لگوا دیں تاکہ
 نشان قبر تو رہ جائے۔ اس لیے کہ جہم صاحب کی قبر بھی غلط جگہ بنی۔ ایک ایسا
 قبرستان جہاں نہ مجلس ہو سکتی ہے اور نہ ماتم، کسی ایسے قبرستان میں قبر بنائی جاتی
 جہاں مومنین جاتے رہتے ہیں اور قبروں پر فاتحہ پڑھتے ہیں، تلاوت کلام پاک
 کرتے ہیں اور مجالس منعقد ہوتی ہیں، جیسے ”جنت البقیع“ کا قبرستان۔ یہ بھی

اپنے دل کو سمجھانے کے لیے اور آنے والی نسلوں کو نشان قبر بتانے کے لیے، ورنہ
نجم صاحب کو یقین تھا کہ مجھے کہیں بھی موت آئے، ہماری خاک کے ذرے
نحف یا کربلا پہنچ جائیں گے۔

نجم اڑا کر ہماری خاک کے ذرے ہمیں
یا نحف لے جائیں گے یا کربلا لے جائیں گے
نجم صاحب کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

شاعر ہوں جن کا نجم وہ ہیں وہ کائنات
ممکن ہے تا ابد مرا نام و نشان رہے



jabir.abbas@yahoo.com

جناب کسرتی منہاس

شاعرِ اہلیت حضرت نجم آفندی

نام مرزا تجل حسین، تخلص نجم، والد کا نام مرزا عاشق حسین بزم آفندی ۱۸۹۲ء تا ۱۳۱۰ھ میں اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان ترکستان سے ترک وطن کر کے پہلے فیض آباد آیا۔ پھر لکھنؤ اور آخر اکبر آباد (آگرہ) میں آکر بس گیا۔ نجم کی علمی استعداد خاصی تھی۔ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ شاعری میں اپنے والد ماجد حضرت بزم آفندی کے شاگرد تھے۔ ان کے اجداد میں حضرت منیر شکوہ آبادی مشہور زمانہ استاد تھے۔ نجم کے نانا آغا حسین آغا اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے، جو مرزا عنایت علی ماہ اور مرزا حاتم علی مہر کے ہم صحبت و ہم مشق رہے تھے۔ آغا کے یہ دو شعر آج بھی زبانوں پر ہیں:

دیکھیں کہ کس طرح انہیں ہوتا نہیں اثر
لو آج نامہ لکھتے ہیں خونِ جگر ہے ہم
کیوں دل جلوں کے لب پہ ہمیشہ فغاں نہ ہو
ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو

نجم آفندی منیر شکوہ آبادی کے سلسلے کے نامور شاعر تھے۔ ان کے خاندان میں چار پشتوں سے شاعری کے چہرے تھے۔ ان کے صاحبزادے مسعود الحسن سہیل بھی خوب شعر کہتے ہیں۔ ان کے خاندان میں جہاں شعرانہ ذوق کی فراوانی رہی ہے، وہاں مذہبی رجحانات بھی زیادہ پائے جاتے رہے ہیں۔ چنانچہ نجم کے مرثی، قصائد، رباعیات اور نوحہ جات ملک کے کونے کونے میں مشہور ہیں۔ ان کی معاشی زندگی کا آغا محکمہ ریلوے یارڈ سے ہوا۔ اس محکمہ میں تیرہ

برس تک خدمات انجام دیں۔ چونکہ یہ ملازمت ان کی شاعرانہ طبیعت کے سراسر خلاف تھی، آخر کسی وجہ سے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ غالباً وہ محرم ۱۹۱۹ء تک مذکورہ ملازمت سے وابستہ رہے۔ اس کے بعد مختلف ذرائع سے معاشی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ آگرہ چونکہ ان کا آبائی وطن تھا اس لیے وہاں کے اخبارات اور رسائل میں ان کا کلام شائع ہوتا رہا۔ مثلاً شاعر، تاج اور پیانہ میں ان کی نظمیں اور غزلیں کثرت سے چھپیں۔ زمانہ کانپور میں اور دوسرے چوٹی کے ماہناموں میں ان کا کلام شائع ہوتا رہا۔ آگرہ سے جب حیدرآباد جانا ہوا تو وہاں کی علمی صحبتوں میں ان کے جوہر کمال کو خوب پھلنے پھولنے کے مواقع میسر آئے۔ پرنس معظم جاہ جمع ان کے تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ مجمع صاحب نے ان کا وظیفہ 300/- روپے ماہوار مقرر کر دیا۔ اور نجم نے ان کو تقریباً بیس برس اصلاح دی۔ ایک دفعہ مجمع نے ان کو کہا کہ ”یہ نکلزا غزل میں آجائے“ نجم صاحب نے جواباً عرض کیا ”کہ یہ بحر اس نکلزے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔“ جس پر مجمع صاحب نے فرمایا کہ ”آپ کا اب بڑھاپا ہے“ آپ اب کچھ نہیں کہہ سکتے، چنانچہ اس بات پر نجم صاحب نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور خانہ نشین ہو گئے۔ آخری عمر میں حیدرآباد سے لاہور تشریف لائے اور پھر لاہور سے کراچی اور وہیں ۲۱ دسمبر ۱۹۷۵ء کو داعی اہل کو لبیک کہا۔ جنازے میں دس سے بھی کم افراد شریک تھے۔ ان کی وفات کی تشہیر نہیں کی گئی، اور کراچی کے کسی روزنامے کو اس نامور استاد کی وفات کی خبر شائع کرنے کے لیے نہیں بھیجی گئی۔ جس کا انتہائی افسوس ہے۔

نجم ایک کہنہ مشق اور تادرا الکلام شاعر تھے۔ ان کی تصانیف کی تعداد تین کے قریب ہے۔ لکھنؤ، حیدرآباد، لاہور اور دوسرے مقام کے کتب فروشوں نے ان کی مختلف تصانیف شائع کی ہیں، تصائد، مرثی، سلام، رباعی، نوحہ اور غزل سبھی کچھ انہوں نے کہا ہے۔ اور ہر صنفِ سخن میں شعر و ادب کے تقاضے پورے کئے ہیں۔ الفاظ کی بندش، محاورات کی برجستگی اور ان کا صحیح استعمال، انداز بیان میں دل کشی ان کے کلام کی جان ہیں۔ سوز و گداز اور رمزیت ان کے کلام کی خصوصیات میں سے ہیں۔ ان کی غزل بھی بڑی پرکشش ہے۔ دل میں چونکہ درد ہے اس لیے صحیح جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اخلاق اور موعظت کے مضامین سے ان کا کلام خالی نہیں۔

تصوف اور اخلاق دونوں طرح کے مضامین سے انہوں نے اپنے کلام کو سنوارا ہے۔ اخلاقی مضامین کی ادائیگی میں رمزیت سے وہ کام لیتے ہیں تو شعر کے محاسن میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ ان کے شاگردوں کی تعداد باون ہے۔ اپنے شاگردوں میں خاور نوری کو بہتر خیال کرتے ہیں۔ ان کی غزلیات کا دیوان ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ اس میں تقریباً تین سو غزلیں ہیں۔ پڑھنے کا انداز نرالا تھا۔ پائندہ آواز تھی اور مجمع پر چھا جاتے تھے۔

’فتح مبین‘ اور ’معراج فکر‘ شائع ہو چکے ہیں۔ فتح مبین تو نظامی پریس لکھنؤ میں طبع ہوا تھا، اور معراج فکر رضا کاربک ڈپولاہور سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ یہ دونوں مرثیے حجم کی استادی کا شاہکار ہیں۔ ’معراج فکر‘ میں تو ان کی شاعری نقطہ عروج کو پہنچی ہوئی ہے۔ اصناف سخن میں ’نوحہ‘ پر انہوں نے خاصی محنت کی ہے۔ اور آج ہر مانتی جلوس میں ان کے نوے پڑھے جاتے ہیں۔ ان کے نوحوں میں تبلیغی رنگ رچا بسا ہوا ہے جو سننے والوں کے دلوں پر ایک جاودانی اثر پیدا کرتا ہے۔ ان کے ایک نوے کا مطلع ہے

مظلوم کا حق ہے عالم پر، ہیں دونوں جہاں غمخواروں میں
شہیز کا ماتم چاند میں ہے، شہیز کا ماتم تاروں میں
اور یہ شعر ہے

آج اُس سے عبادت باقی ہے آج اس سے نمازیں قائم ہیں
کل ایک مصلے بچھا تھا جو تیروں کی بوچھاروں میں
نہرِ علقمہ سے خطاب، نوے کی شکل میں کیا گیا ہے۔ اس نظم کے اشعار سن کر پتھر دل بھی پانی ہو جاتے ہیں۔ مطلع ہے

پیا سا رہا جانِ نبیؐ اے دائے مہرِ علقمہ
اُٹھتی رہیں موجیں تری اے دائے مہرِ علقمہ
یہ نوحہ سوز و گداز سے پُر ہے۔ اور جب تک دنیا قائم رہے گی حجم کی یہ فریاد باقی رہے گی۔
حجم کی دیکھا دیکھی، چند دوسرے شعراء نے بھی تبلیغی نوے لکھے ہیں۔ فضل لکھنوی ان میں پیش پیش ہیں۔ ان کے ایک نوے کے دو شعر ملاحظہ ہوں

ماتم کی صدا کرا کے رہی، ہر آنکھ میں آنسو آ کے رہا روکا تو ہزاروں ہاتھوں نے شیر کا پرچم چھپا کے رہا
 دربارِ حسینی ختم ہوا سرکارِ حسینی باقی ہے یہ صبر و رضا کی منزل ہے جو کھوکھلے رہا وہ پا کے رہا
 ارشاداتِ غم کے تینوں حصے مکتبہ ناصری، گولہ گنج لکھنؤ نے شائع کئے تھے۔ ان میں
 قصائد، مختلف عنوانات پر نظمیں اور دل ہلا دینے والے نوسے شامل ہیں۔ آیاتِ ماتم، کر بل نگری،
 جانِ کربلا، حسینی سنسار، معرکہ غم بھی مکتبہ ناصری نے شائع کئے ہیں۔ ان کے سلاموں کا ایک
 مجموعہ ”دارالسلام“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ جدید طرز کے سلام ہیں۔ رباعیات کا مجموعہ
 حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکا ہے۔ انہوں نے ”الکثر از“ کے نام سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا
 تھا۔ جو زیادہ دیر چل نہ سکا۔ ان کے ایک سلام اور ایک غزل کا نمونہ پیش کرتے ہیں تاکہ ان کے
 اسلوب بیان کا اندازہ ہو سکے۔

سلام

چاند نے زہرا کے مستقبل کو درختان کر دیا قومیت کی روح آزادی کو جواں کر دیا
 جلوہ شیر نے جنت بدماں کر دیا قسمت اس جنگل کی جس کو کوئے جاناں کر دیا
 سینہ یثرب سے اکلا کاروانِ وردِ دل کربلا کو سجدہ گاہِ درد و درماں کر دیا
 اے حسینی ابنِ علی اے کارِ سازِ حریت تو نے مرگ و زندگی دونوں کو آساں کر دیا
 سر پہ کج رکھ کر جھوم غم میں تاج بے کسی ظلم کے آئین کو سرد گرہیاں کر دیا
 درد کی قوت سے دنیا لرزہ بر اندام ہے بجلیاں ماتم میں بھر دیں غم کو طوفاں کر دیا
 جھوٹ سے کرا کے سچے بولِ شمع بن گئے ہر زبانِ گنگ کو شمشیرِ عریاں کر دیا
 ڈھے گیا قصرِ امامت، ہل گئی بنیادِ ظلم کارگاہِ عیش کو خواب پریشاں کر دیا
 ہنطرابِ معنوی دے کر بنایا دل کو دل زندگی کو زندگی، انساں کو انساں کر دیا

تجم ہم نے مدحِ ہلبیت کے ہر شعر میں

فاضلِ طینت کی فطرت کو نمایاں کر دیا

غزل

مٹی ہے موت بھی قسمت سے شاہکار مجھے کہ تیز کرنی پڑی خود چھری کی دھار مجھے
خبر تو دل سے مٹی ہے ہزار بار مجھے کبھی تو میں بھی سنوں، اس طرح پکار مجھے
مظاہرے تو ہیں دونوں طرف محبت کے نہ اعتبار انہیں ہے نہ اعتبار مجھے
کمال فن مرے دستِ طلب سے دور نہ تھا مگر قبول نہ تھی شرطِ انکسار مجھے
خدا کا شکر ہے دشمن سے خود عوض نہ لیا مٹی تھی خیر سے توفیق انتظار مجھے
میں خود ہوں مطمئن اے جہمِ ادب کی خدمت سے
جگہ نہ دے کہیں تاریخ روزگار مجھے

شاعر ہللیت حضرت نجم آفندی اعلیٰ اللہ مقامہ نے شاعری کو تو چار چاند لگائے ہی ہیں۔
مرحوم نے نثر میں بھی اپنی طبعِ رسا کے جوہر دکھائے ہیں..... شہیدوں کی باتیں اور لغات
المدہب آپ کے دو نثری شاہکار ہیں، جن کی اشاعت کا شرف رضا کاربک ڈپولاہور کو حاصل
ہے۔ مذکورہ بالا دونوں کتابچے جہم میں تو کم ہیں لیکن افادیت کے لحاظ سے ان کا پڑا بہت بھاری
ہے۔



ڈاکٹر ریاض فاطمہ تشہیر

علامہ نجم آفندی کی شخصیت اور فن

(ڈاکٹر ریاض فاطمہ کی عمدہ تصنیف سے اقتباس)

شخصیت: میں اپنے زعمِ بلندی سے مٹ گیا لیکن
کبھی نشانہ احساس کمتری نہ بنا

فن کو فرد کی شخصیت سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ کوئی فنکار یا شاعر اپنے تجربات زندگی ہی اپنی تخلیقات میں بیان کرتا ہے۔ اس لیے نجم کے کلام کو سمجھنے کے لیے ان کی شاعری کو پرکھنے اور ان کی صحیح قدر و قیمت کے تعین کے لیے ان کا ماحول، معتقدات، معاشرہ اور زندگی کے فطیب و فراز کا سرسری جائزہ ضروری ہے۔

نجم کا قد، اگرچہ پست تھا، لیکن اکہر ابدن اور مضبوط کاٹھی تھی۔ سرخ و سفید رنگت۔ کول چہرہ جس پر سیاہ فریم کا چشمہ ان کے حُسن میں اضافہ کرتا۔ شیشوں سے جھانکی ہوئی چمکدار آنکھیں جن میں سنجیدگی کے پوشیدہ خزانے، چہرے سے رعب و جلال نکلتا تھا، لیکن ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی رہتی تھی۔

لباس کے معاملے میں نجم بہت سادگی پسند تھے۔ خالص مشرقی اصول کے حامی۔ حُب الوطنی کا جذبہ اتنا شدید کہ بدیسی ماحول کو ہاتھ نہیں لگایا۔ ہمیشہ کھادی کا کرتا، پاجامہ، پہنتے رہے۔ گھر سے باہر جانا ہوتا تو سفید یا بادامی رنگ کی شروانی پہنتے تھے۔ سیاہ ٹمپلی ٹوپی اور سیاہ کینوس کا جوتا استعمال کرتے۔ محرم میں سیاہ شروانی پہنتے۔ گرم کپڑوں کا استعمال بہت کم کیا، گھر سے جب بھی باہر نکلتے تو ہاتھ میں چھڑی ضرور ہوتی۔

حجم صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔ فجر کی نماز کے ساتھ ہی چائے پیتے، ناشتے میں روغنی روٹی اور چائے، دوپہر میں چپاتی کھاتے تھے۔ رات کا کھانا جب تک جمع کے دربار سے وابستہ رہے، وہیں ہوتا تھا۔ چار بجے چائے پی کر نماز پڑھتے اور دربار کے لیے تیار ہو جاتے۔ ان کی خوراک اگرچہ کم تھی، تاہم چائے بہت شوق سے پیتے تھے اور وقت پر پیتے تھے۔

حجم وقت کے بہت پابند تھے اور یہی پابندی کھانے پینے کے معاملے میں بھی ملحوظ رکھتے تھے۔ مشاعروں اور ادبی محفلوں میں شرکت کے وقت بھی لوگ انہیں دیکھ کر اپنی گھڑی درست کر لیتے۔ اگر کسی مشاعرے کا وقت دو بجے دن کا ہوتا تو راستہ کا اندازہ کر کے حجم گھر سے روانہ ہو جاتے تاکہ ٹھیک وقت پر مقام مقررہ تک پہنچ جائیں۔ یہ ان کے مزاج کی سادگی اور اصول پر سختی سے عمل پیرا ہونے کا ثبوت تھا، اگرچہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ مشاعرے عموماً وقت پر شروع نہیں ہوتے پھر بھی وہ اپنی روش پر قائم رہے۔ آداب محفل کا انہیں بہت خیال تھا اور شاگردوں کو تاکیدا پابند کرتے کہ محفل میں اس وقت تک ٹھیرنا چاہیے جب تک کہ محفل درخواست نہ ہو۔ جب وہ خود صدر محفل یا صدر مشاعرہ ہوتے تو اس وقت لازماً اختتام محفل تک ٹھیرتے، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کسی اور شاعر کی صدارت میں مشاعرہ ہوتا، تو ایسے وقت بھی حجم اختتام تک بیٹھتے اور شاگردوں کو بھی تاکید تھی کہ دوسرے شعراء کلام سنائیں تو اس وقت ہم تن کوش رہیں تاکہ وہ جو کچھ سنا رہا ہے توجہ سے سن سکیں۔ مشاعرے کے دوران اگر کوئی اٹھ کر چلا جاتا تو بہت خفا ہوتے تھے۔

مشاعروں میں جب ان کے شاگرد کلام سناتے تو وہ داد نہیں دیتے تھے، بلکہ اگر کوئی شعر پسند آجائے تو بس نظر اٹھا کر دیکھ لیتے یا ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آجاتی۔ بہت زیادہ تعریف کے قابل کوئی شعر ہوتا تو صرف ہاتھ آہستہ سے مخصوص انداز میں اٹھا دیتے، یہی تعریف ہوتی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ داد دینے کے معاملے میں وہ کافی بخیل تھے، وہ اپنے ہم عصر شعراء اور اساتذہ سخن کے کلام پر دل کھول کر داد دیتے تھے اور اس داد کے حق دار شہید یار جنگ، میر محمد علی مسرور، علامہ ناصر زید پوری، کمال شطاری، حکیم آشفقہ اور قدردار عریضی جیسے اساتذہ فن ہی تھے۔

شعر کوئی کے لیے عموماً تنہائی کو پسند کرتے۔ گھر میں ہوتے تو دیوان خانے میں فرش پر

بیٹھتے، سامنے قلمدان ہوتا۔ اگر کبھی شاگرد موجود رہتے اور شعر نازل ہوتا تو ایسے وقت میں خاموش ہو جاتے اور شاگردوں کی باتوں میں صرف ہوں ہاں کہہ کر حصہ لیتے۔ جہم کے شاگرد راحت عزتی کا کہنا ہے کہ ایسے وقت ہم سمجھ جاتے کہ حضرت کی طبیعت شعر کوئی پر مائل ہے، چنانچہ ہم کچھ بہانہ بنا کر وہاں سے اٹھ جاتے تاکہ حضرت یکسوئی سے اپنا کلام لکھیں۔ جب شعر کہہ رہے ہوتے تو اس وقت کوئی شاگرد اصلاح کی غرض سے آ جاتا تو کہہ دیتے ”رکھ دو ہم دیکھ لیں گے“ اگر کبھی دیوان خانے کا دروازہ بند رہتا تو شاگرد سمجھ جاتے کہ جہم اس وقت شعر کہہ رہے ہوں گے۔

جس طرح وقت کے پابند تھے اسی طرح خط کا جواب بھی پابندی سے دیتے تھے۔ خط کا جواب نہ دینا بد اخلاقی سمجھتے تھے۔ اگر چہ ضعیفی کے باعث ہاتھ میں رعشہ آ گیا تھا لیکن تحریر اچھی تھی جب تک خود لکھ سکتے تھے، خطوط لکھتے رہے، جب ہاتھ میں قلم پکڑنا بار ہو گیا تو کسی شاگرد سے لکھوایا کرتے لیکن دستخط اپنے ہاتھ سے کرتے۔

جہم کی آواز بلند اور گرجدار تھی۔ شعر تحت میں پڑھتے اور جب کلام سناتے تو ایک ایک لفظ کو اس طرح ادا کرتے گویا لفظ خود بول رہا ہو۔ محفل ہمتن گوش رہتی اور پھر داد سے پوری محفل کو نچ اٹھتی۔

جہم کی اصلاح کا طریقہ بھی انوکھا تھا۔ وہ کبھی شاگرد کے شعر میں ترمیم نہ کرتے بلکہ ایک آدھ لفظ بدل کر ہی شعر کو آسمان پر پہنچا دیتے۔ ساتھ ہی یہ خوبی بھی تھی کہ ہر شاگرد کے کلام میں اس کے ذوق طبع کے مطابق ہی اصلاح دیتے تھے۔ اپنا رنگ کبھی شاگرد کے کلام میں ظاہر نہیں کیا، یہی وجہ تھی کہ ان کے تقریباً تمام شاگرد اپنے رنگ میں ایک دوسرے سے مختلف و منفرد ہیں۔ اپنے شاگردوں سے انہیں بے حد پیار تھا۔ وہ انہیں اپنی اولاد کی طرح چاہتے تھے اور کہا کرتے کہ میرے شاگرد میرے بچے ہیں۔ یہ صرف زبان ہی سے نہیں کہتے بلکہ عملاً بھی انہیں اولاد کی طرح چاہا اور جس طرح ماں باپ اپنی اولاد کی نافرمانی اور گستاخیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، یہی رویہ جہم کا بھی رہا۔ ساتھ ہی اپنے شاگردوں کی دلجوئی کا خیال بھی رہتا تھا۔

کراچی جانے سے قبل جو پور میں ایک طرحی مشاعرہ پڑھنے گئے۔ اس مشاعرے میں ان کی ملاقات بانوسید پوری کے شوہر ڈاکٹر ابوالحسن سے ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنا تعارف کروایا

اور اصرار کیا کہ باؤ نے انہیں یاد کیا ہے اور ملنے کے لیے بے چین ہے۔ چنانچہ وہ اپنی شاگرد سے ملنے جونپور سے کانپور چلے گئے۔

جتم بہت خود دار تھے۔ اگرچہ وہ ایک پرنس کے استاد تھے لیکن پرنس کے ساتھ بھی ان کا رویہ ایسا رہا جیسا کہ ایک استاد کا اپنے شاگرد کے ساتھ ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے اثر و رسوخ کا کبھی ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا، اگرچہ پرنس شجاع نے انہیں ایک مکان کی پیشکش کی تھی جسے جتم نے قبول نہیں کیا اور جب تک حیدرآباد میں رہے، کرایہ کے مکان ہی میں رہے۔

جتم کے اجداد ترک سپاہی تھے۔ بیباکی اور جرأت بھی ان کے مزاج کا خاصہ تھی۔ حق کوئی میں کبھی پس و پیش نہیں کیا جس کے باعث اکثر اوقات خود ان کی ذات کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ لیکن اس نقصان پر بھی انہیں کبھی کچھتاوا نہیں رہا۔ اپنی اس خودداری کے نتیجے میں بالآخر انہیں دربار شجاع سے کنارہ کش بھی ہونا پڑا۔ ڈاکٹر جعفر رضا کے لڑکوں کے اتالیق مقرر ہوئے تو پرانی حویلی سے قلم پٹی تک پیدل جانا کوارا کیا لیکن اپنے اصول اور آئن سے کبھی انحراف نہیں کیا۔

اپنی والدہ کی حیات میں جتم کبھی اپنی دوسری ماں سے ملنے نہیں گئے، نہ ہی کبھی اپنی بہن بانو پروین سے ملے۔ جب بزم وہاں رہتے تو جتم ان سے ملنے وہاں جاتے اور صرف والد سے مل کر آجاتے۔ جتم کی کسی لڑکی کی پیدائش پر ان کی بہن گھر آئیں تو اس کے بعد وہ بھی ان سے ملنے کے لیے ان کے گھر جانے لگے اور جب ان کے شوہر علی رضا کا انتقال ہو گیا تو بہن کو بلا کر اپنے ساتھ ہی رکھ لیا۔

جتم بہت حساس اور نرم دل انسان تھے۔ دوسروں کی تکلیف پر اس طرح تڑپ جاتے جیسے کہ یہ ان کی اپنی تکلیف ہو۔ کشمیر میں لوگ سیر و تفریح کے لیے جاتے ہیں۔ پرنس شجاع کے ساتھ جتم کو بھی ۱۹۴۱ء میں کشمیر جانے کا اتفاق ہوا۔ کشمیر کی حسین وادیوں نے ان کے دل پر جواثر کیا، وہ اپنی جگہ، لیکن اس سے بڑھ کر جو چیز ان کے دل نازک پر اثر انداز ہوئی وہ کشمیریوں کی حالت زار تھی۔ یہ زمانہ کشمیر میں جہالت و فحاش کے عروج کا زمانہ تھا۔ چنانچہ یہ اشعار ان کی انسان دوستی کے مظہر ہیں۔

کشمیر میں کیا شام و سحر کی ہم نے
اک آہ کی جس سمت نظر کی ہم نے

کانٹوں میں کسی کی یوں نہ گذری ہوگی
جس درد سے پھولوں میں بسر کی ہم نے
اصلاح قوم اور حقیقت پسندی ہمیشہ جہم کا شعار رہا۔ عشق رسولؐ اور آل رسولؐ سے سرشار
تھے۔ ان کے کلام سے جا بجا ان کی اس محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مدح اہلبیتؑ پر آتے تو ایک دریا
کی سی روانی ان کے کلام میں آ جاتی۔ تاہم اپنے نظریات میں کبھی غلو نہیں کیا۔ سانحہ کربلا صدیوں
سے موضوع شاعری رہا ہے۔ بین اور بکا پر اکثر شعرا نے اپنا زور قلم دکھایا۔ جہم کی شخصیت کو یہ
اولیت حاصل ہے کہ وہ پیغام حسینیؑ کو اپنے کلام کے ذریعہ لوگوں تک پہنچاتے رہے اور اسوۂ حسنہ
کی پیروی کا درس دیا۔ جہم کے نزدیک مذہب ہی وہ سچا راستہ ہے جس پر چل کر قوم اپنی حالت
سدا سدا رہے، ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے۔ لیکن آج انسان اس حقیقت سے بے خبر ہوتا
جا رہا ہے اس پر انہیں انوس کے ساتھ حیرت بھی ہے، اس لیے قدم قدم پر اپنے پیغامات کے
ذریعہ قوم کو بیدار کرتے رہے۔

کس طرح بدل گیا یہ معیار حیات
کیوں سرد ہوئی گرمی بازار حیات
جس قوم نے سر کی ہم کرب و بلا
اس قوم میں ملتے نہیں آثار حیات

انسان کی عظمت کے نگہبان بھی ہو
مسلم ہو سلامتی کا عنوان بھی ہو
اسلام پیام امن ہے یاد رہے
سنی ہو کہ شیعہ ہو مسلمان بھی ہو
جہم آفندی ایک پُرگو شاعر تھے۔ تقریباً ۶۵ سال تک اردو شعر و ادب کی خدمت کی۔ ہر
صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی اور لاکھوں اشعار کی تعداد میں اپنا سرمایہ شعری، اپنی یادگار چھوڑا ہے
جو ہندوپاک بلکہ سارے عالم میں بکھرا پڑا ہے۔ عمر کے آخری ایام تک بھی جوش، ولولہ اور اردو

سے محبت کا جذبہ کم نہ ہوا۔

تادرا الکلام شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ جہم شاعر گر بھی تھے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بھی تقریباً ڈیڑھ سو (۱۵۰) رہی ہوگی جس کا ذکر خود جہم نے کیا تھا اور آج ان میں بہت سے ایسے ہیں جو خود استاد کے درجہ پر فائز ہیں۔ جہم کی شعری تخلیقات میں رباعیات، قطعات، سلام، مرثیہ، نوحہ، قصیدہ، غزل اور نظمیں شامل ہیں۔ ادبی اور مذہبی مضامین، ناول، غرض ہر شے موجود ہے۔ ان کے منتخب کلام سے پہلے ان اصناف شعری کا سرسری جائزہ بھی ضرور ہے جن پر جہم نے طبع آزمائی کی اور نئی راہیں تلاش کی ہیں۔

رباعی: رباعی کے معنی چار مصرعوں والی نظم ہیں۔ اس کا پہلا دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم تافیہ ہوتا ہے جب کہ تیسرا مصرعہ مختلف التافیہ ہوتا ہے۔ اردو کی دوسری اصناف سخن کی طرح رباعی بھی فارسی کے زیر اثر اردو میں رائج ہوئی لیکن رباعی سے ملتی جلتی صنف ہندوستانی زبان میں بھی دو بیٹی یا ترانہ کی شکل میں رائج تھی۔ دیگر اصناف سخن کی طرح رباعی کے لیے متفرق بحروں کا استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ بحر ہزج ہی رباعی کے لیے مختص ہے۔ اس کے ۲۴ اوزان ہی رباعی کے لیے برتے جاتے رہے ہیں۔ مضامین عموماً داخلی ہوتے ہیں، اخلاقی اور حکیمانہ نکات، تمدنی اور مذہبی موضوعات اس میں نظم کئے جاتے ہیں۔ خیال کی بلندی ضروری ہے۔ چار مصرعوں میں ارتقائی کیفیت اس انداز سے ہو کہ چوتھے مصرعہ میں خیال اپنے کمال کو پہنچے۔

جہم نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ ان کی رباعیوں میں حمدیہ، انشائیہ، منقبتی، رثائی، اخلاقی، فلسفیانہ، حکیمانہ ہر قسم کے مضامین ملتے ہیں۔ جہم نے رباعیات میں اپنی زندگی اور اپنے عہد کو تنقید کیا ہے۔

جہم کی غزل کے مطالعہ کے وقت جب ان کی رباعیات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ چلتا ہے کہ جہم کی فکر غزل کے ساتھ فن رباعی میں بھی کس قدر گہرائی اور گیرائی رکھتی ہے۔ وہ ایک ایسے شاعر تھے جس نے فن سے بھی گہرا ربط رکھا، اور مواد کو بھی وسعت دی۔ یہ تادرا الکلامی کے بغیر کسی شاعر سے ممکن نہیں۔

اخلاص کا زور آزما سکتے ہو
فولاد کے دل میں بھی سما سکتے ہو

کرتے رہو نیکی جو بدی کے بدلے
دشمن کو بھی تم دوست بنا سکتے ہو

بھارت ہے چمن، جان چمن ہیں ہم لوگ
کیا قابلِ شرطِ زیب وطن ہیں ہم لوگ
آپس میں بھی مول تول ہوتا ہے کہیں
اس دیس کے انمول رتن ہیں ہم لوگ

نوحہ: نوحہ کے معنی بین کرنا اور رونا ہیں۔ مرثیہ کے ساتھ ہی نوحہ کا بھی آغاز ہوا۔ نوحہ عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں بین کرنا اور رونا۔ عرب میں یہ طریقہ رائج تھا کہ بڑے آدمیوں کی موت پر غور نہیں جمع ہو کر نوحہ کرتی تھیں۔ نوحہ کی قدامت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ عربی میں متم بن نوریہ اور خنسا کے مرثیوں کو اولیت حاصل ہے۔ ان مرثیوں کے آخری حصہ میں شدت جذبات میں جو گریہ و بکا کے اشعار ملتے ہیں، وہی نوحے کی ذیل میں آتے ہیں۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ فارسی میں نوحہ کو جدا گانہ صنفِ سخن کی حیثیت کب حاصل ہوئی، تاہم اتنا ضروری ہے کہ ”رثا“ کی ذیل میں جو نوحے لکھے گئے ہیں، ان میں دردِ عالم کی چاشنی کے ساتھ ساتھ ادبیت بھی ملتی ہے۔ اردو نوحے کے اولین نمونے قطب شاہی دور میں ملتے ہیں۔ نوحہ میں عہد بہ عہد ترقی ہوتی رہی۔ ابتدائی دور میں زبان کی سادگی، بیہیہ اور مکی طرز بیان ملتا ہے۔ لیکن انقلابِ زمانہ کے اثر سے کوئی شے محفوظ نہیں، اس لیے نوحہ کی زبان میں ادبیت آگئی۔

انیسویں صدی کی آخری دہائیوں اور بیسویں صدی کے رابعِ اول میں جو نوحے لکھے گئے وہ زیادہ تر روایات پر مبنی ہوتے۔ اپنے کلام میں اثر پیدا کرنے بعض شعرا روایات میں غلو کرتے۔ حجم نے نوحہ میں اصلاحی رجحان پیش کیا اور حسینیت اور کردارِ حسینی کی تصویر کشی پر اثر اور کامیاب انداز میں پیش کی ہے۔

سر فروشانِ وفا کی تھیں نگاہیں دیدنی
اٹھ گیا تھا کون سا پردہ شبِ عاشور کو

دو طفل دس ہزار جوانوں سے لڑ گئے
تیروں سے خنجروں سے سنانوں سے لڑ گئے

کیا کیا لڑے ہیں گیسوؤں والوں کو دیکھنا
ہمتِ علی کی گود کے پالوں کو دیکھنا

اب فرات پہ عباس کی وفا دیکھو
کہ تشنگی بھی تھی پانی بھی تھا پیا نہ گیا

جہم نے اپنی شاعری کے ذریعہ امام حسین کے پیغامِ عمل اور جدوجہد کو عام کیا، درد و غم کی
فضا برقرار رکھی، یہ ان کی فنکارانہ عظمت کی دلیل ہے۔ جہم نے اردو کے ساتھ ہندی زبان میں بھی
نوسے کہے ہیں۔ مجبوری و ناامیدی، حزن و ملال، بے چارگی اور ناامیدی کے بیانات کے بجائے
جہم کے کام میں عزم و استقلال، طوفانوں اور چٹانوں سے ٹکرانے کا حوصلہ ملتا ہے۔

بڑھا تھا کفر کہ اسلام کا نشان نہ رہے
تڑپ کے روک لیا دل پہ وار کیا کہنا
مارے گئے ست کی سیوا میں دھندلا رہے ایثار بھٹکوں کو
مکھڑوں پہ لہو کی سرخی سے بڑھ چڑھ کے خوشی کی لالی تھی
سنسار کو سچ کی شکتی سے گھر بار لٹا کر موہ لیا
سودا ہے ذرا اک جو کھم کا جو کھوئے گا سو پائے گا

سلام: سلام وہ مظلوم نذرانہ عقیدت ہے جس میں حضور رسول اکرم، حضرت علی ابن ابی
طالب اور ائمہ طاہرین اور اہلبیت اطہار کے کارنامے بیان کئے جاتے ہیں۔ امام حسین اور آپ
کے اعزہ و انصار کی شجاعت اور شہادت کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ فارسی ادب کے جائزہ سے پتہ چلتا
ہے کہ ایران میں سلام کوئی کا رواج بہت کم رہا لیکن ہندوستانی شعرا نے فارسی میں سلام لکھے،
تاہم اردو نے سلام کوئی کو مستقل صنفِ سخن کا درجہ عطا کیا۔ دکن میں جو ابتدائی دور کے مرثیے ملتے

ہیں ان کی بیعت غزل کی ہے اور سلام بھی غزل ہی کی بیعت میں لکھا جاتا رہا لیکن موضوع کے اعتبار سے سلام اور مرثیہ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ جس کلام کی ردیف میں سلام علیک، سلام مجرتی مرحبا یا صلوات جیسے الفاظ ہوں، وہ سلام ہے اور اس سے جدا صنف مرثیہ۔ اُس زمانے کا سلام حقیقی معنی میں سلام ہی ہوا کرتا۔ شاعر اپنی طرف سے معصومین علیہم السلام کی خدمت میں نذرانہ عقیدت و ہدیہ درود تہنیت پیش کرتا تھا۔

انہیں ودیر نے اپنے مخصوص لب و لہجہ میں سلام کو زیادہ تابدار بنادیا۔ منقبتی اور اخلاقی مضامین کو مدحیہ انداز میں پیش کر کے نئی روش کی بنیاد ڈالی، اس صنف کو ترقی کی ان منزلوں پر پہنچا دیا کہ اب اس میں مزید ترقی کی گنجائش باقی نہ رہی۔ جچم آفندی کی جدت پسندانہ طبعیت سلام کے میدان میں بھی اپنی فکر کے جوہر دکھاتی رہی اور سلام کو بیسویں صدی میں عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ یقیناً جچم وہ پہلے شاعر ہیں جس نے واقعات کر بلا کو پس منظر میں رکھتے ہوئے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق سلام کے مضامین استعمال کئے ہیں۔ امام عالی مقام اور آپ کے انصار کی بے مثال قربانیاں، ان کے عزم و استقلال کو جچم نے جامعیت کے ساتھ پیش کیا ہے تاکہ مایوس و ناامید مصیبت زدہ مسلمانوں کے دل میں احساس بیداری پیدا ہو، اپنے حق کے لیے لڑنے کی امنگ اور حوصلہ پیدا ہو۔ بعد میں ان کے اس انداز کو دیگر شعراء نے بھی اپنایا ہے لیکن اولیت کا شرف جچم ہی کو حاصل ہے۔

ہے علی کی ملک میں قرآن بھی شمشیر بھی
تاکل قول ”مسلمونی“ بھی ہے خیبر گیر بھی

ملتی نہیں جہاں میں علی کی مثال بھی
ہم نے تو یہ سنا تھا خدا بے مثال ہے

قدم نہیں گئے نہ انصار حق کے میدان سے
حسینی پرورش کو ہمار کرتے ہیں

حسین راز حیات آشکار کرتے ہیں

ہر اختیار پہ موت اختیار کرتے ہیں

مرثیہ: اردو شاعری کی پانچ سو سالہ میراث ہے۔ اردو مرثیہ کا آغاز دکن میں ہوا، پھر مرثیہ دکن سے شمالی ہند پہنچا۔ بعض نقادان فن یہ سمجھتے ہیں کہ مرثیہ عربی زبان سے دنیا میں رواج پایا، بعض دیگر اصنافِ سخن کی طرح مرثیہ کو بھی فارسی شاعری کی دین سمجھتے ہیں لیکن مرثیہ اردو زبان کی دین ہے۔ آفاقی شاعری میں اردو زبان کی جانب سے ایک پائیدار، جان دار اور نئی صنفِ سخن کا حسین و جمیل اضافہ ایسے وقت میں ہوا، جب کہ اردو شاعری غزل کی رنگینوں سے سبک تر ہوتی جا رہی تھی۔ میرانیس و مرزا دبیر کے فنکارانہ ہاتھوں نے اسے سنبھال دیا۔ مرثیہ کو ماہرانہ انداز میں نکھارا اور اسے جلا بخشی۔ انیس و دبیر نے صنفِ مرثیہ کو اس انداز سے نکھارا تھا کہ اس میں مزید تبدیلی یا تغیر کی ضرورت باقی نہ رہی۔ انیس نے جزئیات نگاری اور منظر کشی، اس انداز سے کی کہ اس فن میں ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا، ساتھ ہی صاف ستھری زبان اور مخصوص طرزِ ادا، جوان کا خاندانی ورثہ ہے، انیس کا خاص جوہر ہے۔ اسی طرح دبیر کو زبان و بیان پر بڑا عبور حاصل تھا۔ صنعتوں کا استعمال دبیر کے پاس انوکھے انداز میں ملتا ہے۔ دبیر کے کلام کی لفظی خصوصیات میں صناعی، شکوہ الفاظ، تخلیقی مضامین، معنی آفرینی کی موجودگی سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدحیہ نضاء کو بھی برتا ہے۔ انیس و دبیر کے مرثیوں کی گونج سارے ہندوستان میں تھی اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں میں دو طرز کے لکھنے والے پیدا ہوئے، ایک گروہ ان شعرا کا تھا جو بزرگوں کی مقرر کردہ روش کو اپنائے ہوئے تھے اور ایک گروہ ایسا بھی ملتا ہے جس نے روایت کی پابندی سے انحراف کیا اور رثائی شاعری میں تبلیغی انداز کو اپنایا۔ اس گروہ میں جہم آفندی بھی شامل ہیں۔ جہم نے رثائی ادب میں فکری اور تبلیغی رنگ کو اپنایا ہے، ساتھ ہی رثائیت کو بھی برقرار رکھا۔

نظم جہاں بدلنے کا عنوان مرحبا
اسلام کی نجات کا سامان مرحبا

انساں صداقتوں کا نگہبان مرچا
 بندہ خدا کی راہ میں بے جان مرچا
 اپنے اصول چھوڑ گیا غور کے لیے
 اس کا پیام ایک ہے ہر دور کے لیے

کس درجہ دردناک تھا وہ وقت وہ مقام
 خاموش فرط غم سے تھے اہل حرم تمام
 غیرت سے بیکسوں کو نہ تھی طاقت کلام
 بے رحم کر رہے تھے اسیری کا اہتمام
 آواز تھی بلند سکینہ کے بین کی
 مقتل میں ہو رہی تھی یہ مجلس حسین کی

قصیدہ: بیشتر اصناف شاعری عربی اور فارسی سے اردو میں رواج پائی ہیں۔ قصیدہ بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔ قصیدے کے لغوی معنی ”گاڑھے مغز“ کے ہیں۔ ان اشعار میں دقیق مضامین تمام تر زور طبیعت کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔ اس لیے ان کو قصیدہ کہتے ہیں۔ اصطلاحی معنی میں قصیدہ وہ نظم ہے جس کے پہلے دو مصرعہ ہم تافیہ ہوں اور مسلسل نظم کا مصرعہ ثانی بھی اسی تافیہ میں نظم کیا جائے۔ اس کے موضوعات میں تعریف و توصیف، وعظ و نصیحت، مدح و ذم یا مختلف کیفیات و حالات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اشعار کی تعداد کم از کم ہو۔ زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں۔ قصیدہ کو کے لیے اجزائے قصیدہ کی پابندی لازمی ہے۔ تشبیب، گریز، مدح یا جھوم، دعا، خاتمہ۔

اقسام قصیدہ: مدحیہ، ہجوئیہ، بیانیہ، وعظیہ۔ نظم کی طرح قصیدے کے عنوانات بھی لکھے گئے ہیں۔ جدید شعرا نے زیادہ تر اس کی پابندی کی ہے، چنانچہ عزیز لکھنوی نے ”شع حرم“ اور اسماعیل میرٹھی نے ”جریدہ عبرت“ کے عنوان دیئے ہیں۔ تشبیب کے اعتبار سے قصیدوں کی درجہ بندی کی گئی تو بہار کے ذکر پہ ”بہاریہ“ و اردات قلبی کا ذکر ہو تو ”عشقیہ“۔ زمانے کے حالات کا تذکرہ کیا تو ”حالیہ“ اور شاعر نے اپنے کمالات اور بڑائی کا ذکر کیا تو ”فخریہ“ قصیدے کہے گئے۔

حجم کے تمام تر قصیدے مدحیہ ہیں جو حضور سرور کائناتؐ اور ائمہ اطہارؑ کی شان میں کہے گئے ہیں۔ حجم نے اس بات کا خاص اہتمام کیا ہے کہ قصیدے کی جو روایات ہیں، ان کی پوری طرح پابندی کی جائے۔ بلندی فکر، طرزِ ادا، زورِ بیان، مضمونِ آفرینی، صنائعِ بدائع کے مشفقانہ برتاؤ سے حجم کی تادراکلامی اور پختگی ظاہر ہوتی ہے۔ ان کے قصیدوں کی زمین شگفتہ ہے۔ وہ سنگلاخ زمینوں میں نہیں الجھتے، لیکن بحر کی حد تک حجم کے قصیدوں میں اجتہاد ملتا ہے۔

چہرہٴ مہروش ہے ایک سنبلِ مشکِ فامِ دو
حُسنِ بتاں کے دور میں ہے سحرِ ایک شامِ دو
اور بڑھیں گی زہتیں گلشنِ روزگار کی
حُسنِ ازل کو فکر ہے تکرارِ بہار کی
حُسنِ ازل تھا فقط غیرتِ صدِ انجمن
آپ تماشا ہی تھا آپ ہی جلوہ نگار
نمودِ عالم ہو تھی فضا تیرہ و تار
نہاں تھے کسمِ عدم میں چراغِ شمع و شرار

غزل: غزل اردو شاعری کی مقبول ترین صنفِ سخن ہے۔ نظم کی طرح غزل میں شاعر کو یہ آزادی فکر نہیں کہ وہ اپنے خیالات کو مبسوط اور مسلسل نظم کرتا چلا جائے۔ اردو شاعری کی پسندیدہ صنفِ سخن غزل میں محمد تقی سے لے کر حالی کے دور تک ہر شاعر نے اس صنف کی اہمیت کو مانا ہے تاہم حالی کا خیال تھا کہ شعرِ غزل کوئی میں مبالغہ آرائی، حسن و عشق کی داستان، ساقی اور بزم، نشاط کے تذکرے، ہجر و فراق کے قصے بیان کر کے اپنا جی بھلاتے ہیں۔ اگر شاعر چاہے تو اپنے زورِ کلام اور اشعار کے ذریعہ بے حس اور سوئی ہوئی قوم کو جگا سکتا ہے، چنانچہ سرسید، محمد حسین آزاد اور حالی نے موضوعاتی مشاعروں کو رواج دیا اور نظم کے عنوان دیئے جاتے جس پر شعراء اپنا زورِ سخن دکھاتے۔ ان حالات میں کچھ عرصے کے لیے غزل کی روشنی مدہم ضرور ہوئی، تاہم ”آبروئے شاعری“ غزل کا خطاب ہر دور میں برقرار رہا۔ فن کو فرد کی شخصیت سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ شاعر اور فنکار اپنے تجربات زندگی ہی اپنے

فن پارے میں پیش کرتا ہے۔ چنانچہ تحریک آزادی کے ساتھ ساتھ غزل کے موضوعات بھی بدلے۔ اب حسن و عشق کے تذکرے، گل و بلبل کی داستان اور ساقی و میخانے کے تذکرے تو موضوع غزل بنتے رہے لیکن ان کے معنی و مطالب بدلتے گئے اور غزل حالات حاضرہ کا پرتو بنتی گئی۔

آپ گھبرائیں نہیں نظروں کو دھوکا ہو گیا
ایک ہی صورت کے ہوں گے میرا تامل اور آپ
(ثاقب)

زور ہی کیا تھا جنائے باغباں دیکھا کئے
آشیاں اجڑا کیا ہم ناتواں دیکھا کئے
(صفی)

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے
(یاس)

تری خدائی میں ہوتی ہے ہر سحر کی شام
الہی میری سحر کی بھی شام ہو جائے
(احقر)

تجسم جیسے حساس دل شاعر نے اس کوچہ میں قدم رکھا تو غزل کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ تبلیغی اور اصلاحی موضوعات میں ایسے گوشے نکالے کہ ان کی روش اختیار کر کے شاعروں کا ایک کارواں بن گیا۔

غرور بندگی و ہوش بندگی کب تک
جہیں سے سجدہ مستانہ وار پیدا کر
کسی نے بے تکلف بڑھ کے قبضہ کر لیا اپنا
کوئی کہتا رہا یہ میری خاطر جام آتا ہے

جاں نثاروں نے ترے کردیئے جنگل آباد
 خاک اُڑتی تھی شہیدانِ وفا سے پہلے
 بجلیوں کی شوخیوں کو ایک مصرف چاہیے
 آپ کا عشرت کدہ ہے میرے ویرانے کے بعد
 پاؤں سے ان کے نکلتے ہوئے دیکھی ہے زمیں
 ہاتھ سے رکھ بھی نہ پائے تھے جو پیانے کو

ان کا یہ مفکرانہ انداز غزل کے سانچے میں ڈھل کر ابدی صداقت بن جاتا ہے، ایک ایسی صداقت جس میں نئی دنیا تعمیر کرنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ غزل کی حد تک حجم جذبات کے شاعر نہیں بلکہ تخیل کو جذبہ کا پیکر دے کر اس میں تاثر پیدا کرتے ہیں جس سے ان کے اشعار میں ایک نئی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جو جذبات کو براہِ ہیئت نہیں کرتی بلکہ ان کی تہذیب کرتی ہے۔

نہ جانے کس کو پکارا تھا اس کی رحمت نے
 رُپ کے میں نے صدا دی گناہگار آیا
 کچھ ایسے نقش مری سسکی نے چھوڑے ہیں
 غرورِ حسن بھی تھرا گیا جدھر دیکھا
 اک مشت خاک ہی سہی نسبت تو دیکھئے
 کونین میں مقامِ بشر ہے خدا کے بعد

حجم نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ انہیں سامراجی شکست و ریخت کا بخوبی اندازہ تھا۔ قدم قدم پر انہیں انسانیت کی پامالی کے منظر بھی بے چین کر دیتے تھے۔ اس لیے ان کے کلام میں ادب و اخلاق، قربانی اور انسان دوستی کا ذکر اکثر جگہ ملتا ہے۔ ان کی ساری زندگی معاشی پریشانی، رشتہ داروں کی بے اعتنائی، احباب کی ستم ظریفی اور ظلم و ستم سہتے گزاری۔ ”خود داری مزاج“ سے درباری زندگی میں بھی تلخ تجربے ہوئے، یہی سبب ہے کہ ان کے اشعار میں درد و غم کی کسک ہے لیکن فانی کی سی قنوطیت نہیں۔

اسی زمیں کو کبھی آسماں بنا لوں گا
 زمیں کو چھوڑ کے اب آسماں پہ جاؤں کیا
 یہ گت بنا کے جاؤں میں کیا اس کے سامنے
 تخلیق کائنات پہ جس کو غرور تھا
 دردِ دل اپنا کوئی افسانہ باطل نہ تھا
 ہم نے چپ سا دھی نگاہِ اہل عالم دیکھ کر
 خاک ہو کر ہم نشیں اکسیر ہونا ہے مجھے
 کیا کہیں راحت ملے گی خاک ہو جانے کے بعد

اردو غزل کی تاریخ نے جہم کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ شاید اس کا سبب یہ رہا کہ رنائی شاعری ان کی ذات سے اس طرح وابستہ و پیوستہ ہو گئی کہ جہم کے معنی نوحہ و سلام، اور نوحہ و سلام کے معنی جہم آفندی سمجھا جاتا تھا۔ خود جہم نے بھی یہی چیز اپنے لیے باعثِ صداقت و رنجی اور غزلِ نظم اور قصیدے میں جوان کے اجتہاد اور اکتسابات ہیں، ان کی طرف نہ تو کسی کو متوجہ کیا، نہ خود توجہ دی۔ اسی سبب ان کی غزلیات کا مجموعہ بھی شائع نہ ہوسکا۔

جہم فطرتاً غزل کے شاعر تھے لیکن ”شاعرِ اہلیت“ کا خطاب پا کر اپنی زندگیِ مدحتِ اہلیت کے لیے وقف کر دی تو غزل کی طرف زیادہ توجہ نہ دی، اگرچہ ابتدا ہی سے انہیں مشاعرے منعقد کرنے کا شوق رہا ہے۔ یقیناً بے شمار غزلیں کہی ہوں گی لیکن نہ اسے محفوظ رکھا نہ شائع کیا۔ ان کی اسی لاپرواہی کی وجہ سے ان کا بہت سارا کلام یا تو ضائع ہو گیا یا کسی اور شاعر کے نام سے منسوب ہو گیا۔

نظم: اردو شاعری میں نظم ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس میں موضوعاتی شاعری کی جاتی ہے۔ کسی خاص موضوع پر شاعر اپنے خیالات اور تجربات مسلسل و مربوط نظم کرتا ہے۔ مضامین اخلاقی بھی ہو سکتے ہیں، سماجی اور تاریخی بھی۔ موضوع کی قید نہیں، نہ ہیئتِ اعتبار سے کوئی تخصیص ہے کہ نظم صرف دوہیتی ہو یا مربع خمس یا مسدس۔ ردیف و توافیہ کی پابندی ضروری ہے۔ ابتداء سے نظم کے لیے مختلف ہیئتیں استعمال کی جاتی رہیں۔ پہلی مرتبہ سرسید اور حالی نے نظم کے عنوان

مقرر کر کے مشاعروں کا آغاز کیا۔ ۱۸۵۷ء میں غدر کے ہنگاموں کے بعد کرنل ہالرائڈ کے زیر قیادت ”انجمن پنجاب“ کی بنیاد ڈالی۔ سرسید، حالی اور محمد حسین آزاد وغیرہ نے موضوعاتی مشاعروں کا آغاز کیا۔ اس طرح اصلاحی نظم نگاری کا آغاز ہوا۔ جب حالی نے اپنا مسدس ”مدو جزیر اسلام“ لکھا تو اس کی کافی شہرت ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی موضوعاتی نظموں کا رواج چل پڑا جو اصلاح معاشرہ میں کافی مددگار ثابت ہوا۔

ججم آفندی کی نظم نگاری کا آغاز بھی شیعہ کانفرنس کے پلیٹ فارم سے لکھنؤ میں ہوا جہاں ان کی نظم ”دریتیم“ کو کافی مقبولیت ملی۔ کانفرنس کے آٹھویں اجلاس میں جو ۱۹۱۵ء میں ۱۵ تا ۱۷ اکتوبر منعقد ہوا، ججم کی اس نظم کو بار بار سنا گیا اور آخر میں اس کا نیلام ہوا۔ ہر بولی دہندہ نے اپنی بولی کی رقم جمع کروائی۔ اس طرح ۵۶۵۰ روپیے شیعہ یتیم خانہ کو دیئے گئے۔

شاعر کی حیثیت سے اکبر آباد سے مشہور شاعر ججم کی شہرت سارے ہندوستان میں پھیل گئی۔ یہ نظم ”پھولوں کا ہار“ میں شامل ہے۔ یہ مجموعہ کلام ۱۹۱۷ء میں آگرہ سے شائع ہوا جس میں ۱۶ رباعیاں، ۲۲ نظمیں، ۲۰ قصیدے اور ایک شخصی مرثیہ شامل ہے۔ اس مجموعہ کلام میں ایک نظم ”کسان“ کے عنوان سے ملتی ہے۔

یہ نظم اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ ”ترقی پسند تحریک“ سے بہت پہلے بلکہ انقلاب روس سے بھی کچھ پہلے ججم نے اردو شاعری کو محنت کش طبقہ کی طرف متوجہ کیا اور وہ ”کسان“ اور ”مزدور“ جو بعد کے دور میں نعرہ بن گئے، ججم کے لیے بہت پہلے تامل توجہ تھے۔ ان کی شخصیت کا اعتراف کرتے ہوئے کسان کا پیکر نہیں تراشا بلکہ اس کی صفات پیش کی ہیں۔ اگرچہ اقبال کے کلام میں دہقان کا تذکرہ ہے تو جوش نے ”کسان“ میں محنت کش طبقہ کی زندگی کا نقش کھینچا ہے۔ تاہم اولیت ججم آفندی کو حاصل ہے۔ جس نے سب سے پہلے کسان کو بحیثیت ”موضوع شعری“ روشناس کروایا، اسے تاریخ ادب نے یکسر فراموش کر دیا۔ اقبال کی وہ نظمیں جو ۱۹۲۱ء کے بعد لکھی گئیں، ان میں لفظ دہقان استعمال کیا ہے، جب کہ جوش نے ۱۹۲۸ء میں ”کسان“ پر مستقل نظم لکھی۔ یہ تاریخ کی ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے کہ وہ تاج اولیت جو ججم کے سر پر ہونا چاہیے تھا، دوسروں کے حصہ میں آیا۔

ہے حیاتِ نوعِ انسانی تری ہستی کا راز
 کچھ خبر بھی ہے تجھے او بھولے بھالے بے زباں
 ہے ترا مرہونِ منت بادشاہ ہو یا گدا
 ہے ترا ممنونِ احساں پیر ہو یا نوجواں
 تیرا طرزِ زندگانی ہے تصنع سے بری
 تیری باتوں میں نہیں مطلق بناوٹ کا نشان
 تجھ کو الفت ہے مولیٰ سے بھی بچوں کی طرح
 دہر میں قائم ہے تیری ذات سے امن و امان

اک اور مجموعہ کلام ”ستارے“ میں جہم نے ”کسان کی فریاد“ اور ”مزدور کی آواز“ بچوں کے لیے لکھی ہے۔ جہم اس حقیقت سے باخبر تھے کہ آج کے بچے ہی کل قوم کے معمار ہوں گے۔ اس لیے بچپن سے ان کی ذہنی تربیت کرنی چاہیے۔ ”ستارے“ میں شامل نظمیں بچوں کے لیے لکھی گئی تاریخی، سائنسی، اور معلوماتی نظمیں ہیں۔ یہ بات یقیناً قابلِ غور ہے کہ جہم جیسے شاعر نے کس طرح بچوں کی سطح پر آکر ان ہی کے معیار کے مطابق دلچسپ آسان اور جلد سمجھ میں آنے والے انداز میں ہر بات کہی ہے۔ جہم کو اپنے وطن ہندوستان سے بے پناہ محبت تھی جس کا اندازہ ہر جگہ ان کے اشعار سے کیا جاسکتا ہے۔ ”ہندوستان“ ”ہندوستان کا معصوم بچہ“ ”ہندوستان کی لڑکی“ ان سب میں جہم کی وطن سے محبت کا احساس ملتا ہے۔

میں اک اک ہند کے ذرے کو اپنی جان کہتا ہوں
 میں ہر صوبہ سے ہندوستان ہندوستان کہتا ہوں
 میں جو کچھ بھی ہوں جس حالت میں ہوں ہندوستانی ہوں

نجم آفندی پُرگو شاعر تھے۔ ان کی تصانیف جوزیور طبع سے آراستہ ہوئیں، ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ غیر مطبوعہ کلام جو وہ اپنے ساتھ کراچی لے گئے وہاں اس ذخیرہ بے بہا کا انجام کیا ہوا خدا جانے۔ کراچی جانے سے قبل ۴۰۰ غزلیات مرتب کی تھیں کہ شائع کروائیں، لیکن وہ گوشہ گمنامی میں چسپ گئیں۔ ان کا غیر مطبوعہ کلام دستیاب ہو جاتا تو تاریخِ ادب میں ان کی صحیح قدر و منزلت کا تعین آسان ہوتا۔

واصف عابدی سہارنپوری

نجم درخشندہ

بلبل بُتانِ ایماں، گلشنِ مدحت کے پھول عصرِ حاضر کے ”فرزدق“ شاعرِ آلِ رسول
ترجمانِ آگہی اے علم و حکمت کے نقیب تیری فطرت نے تراشے عقل و دانش کے اصول
منزلِ بیدار سے واقف تراکُسنِ خیال راحتِ کونین کا مرکز ترا قلبِ ملول
زیب دینا ہے کہ تجھ کو نقشِ تابندہ کہیں
آسمانِ فکر کا نجم ”درخشندہ“ کہیں

۲۱ دسمبر ۱۹۵۷ء کا دن دنیا نے شیعیت کے لیے ایک درد و کرب کا پیغام لایا تھا۔ اس روز علامہ نجم آفندی نے داعیِ اہل کولیک کہا۔ آپ کی وفات پر ہندوپاک کے علمی و ادبی حلقوں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ شیعہ قوم کا معمار، آلِ رسول کا فدائی، حسینیٹ کا نقیب دنیا سے اٹھ گیا۔ نباضِ عصر کی شمعِ حیات ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔

نجم آفندی کی وفات تاریخِ ادب کا عظیم المیہ ہے۔ موت نے شیعہ قوم سے اس کی متاعِ حیات کو چھین لیا۔ مگر محرابِ عقیدت پر اس کا لکھا ہوا نام نہ مٹا سکی۔ لاکھوں دلوں پر اس کی یادوں کے نفوش چمک رہے ہیں۔ اس کے ادبی کردار نے روشنی کا وہ دریچہ کھول دیا جس سے فکر و شعور کی شعاعیں ابھرتی رہیں گی۔

حضرت نجم آفندی نے اردو ادب کی بقا اور ارتقا کے لیے جو ادبی دستاویز مرتب کی، اس میں سرِ فہرست ان کے انقلابِ آفریں نوے اور وجدِ آفریں سلامِ نظر آتے ہیں۔ وہ تمام عمر شعر و سخن کے ذریعہ رسولِ ولایت کی مدح و ثناء کرتے رہے۔ ان کی سہتِ سفر و واقعاتِ کربلا اور تعلیماتِ حسینی کی نشر و اشاعت سے متعلق رہی۔ حبیب کے عزم کا آئینہ دار یہ بوڑھا مجاہدِ زندگی کے آخری نفس تک نصرت

امام مظلوم کا فریضہ انجام دیتا رہا۔ اور جب اس کا کام پورا ہو گیا، تو اس کا سفر حیات بھی ختم ہو گیا۔

تجملہ آفندی نے ہر صنفِ سخن پر طبع آزمائی کی، نظم و غزل، رباعی، قطعات، نعت، نوے اور سلام پر ان کی فنکارانہ گرفت کا ثبوت ملتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ ان تمام اصنافِ سخن کے گرد ان کی شاعرانہ عظمتوں کے پہاڑ کھڑے ہیں۔ اور ان کی عظیم صلاحیتوں کا ہر آسمان ان گنت ادبی ستاروں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ ہر لمحہ ان کی فکرِ رسالگستانِ ادب میں نئے نئے گل کھلاتی رہی، اور ہر آن ان کا طائرِ خیال شعور و ادراک کی بلندیوں سے گزرتا رہا۔ ان کی تخلیقی قوت فطرت کے رموز و اسرار سے دنیا کو روشناس کراتی رہی۔ ان کے تفکر کی گھٹائیں زمین ادب پر جھوم جھوم کر برستی رہیں۔ صحیفہٴ حکمت کا ان کے دل نازک پر نزل ہوتا رہا۔ اور ان کی حیات بارشِ الہام میں غسل کرتی رہی۔

مجھے حضرت تجملہ آفندی کا غائبانہ تعارف اس وقت سے ہے، جب میری عمر بچپن کی سرحدوں سے نکل کر شباب کی وادی میں داخل ہوئی اور مجھے تجملہ آفندی کے نوے سننے کا اور سمجھنے کا موقع ملا۔ سہارنپور میں چھٹی ساتویں محرم کا جلوس علم برداری بڑی شان و شوکت سے نکلتا ہے۔ ۱۹۴۲ء سے قبل انجمن معین العزاء سہارنپور، ایام عزاء اور جلوس عزاء میں نوہ خوانی کرتی تھی، جن میں حضرت تجملہ آفندی کے نوے کثرت سے پڑھے جاتے تھے۔ میرے دل میں اسی وقت سے حضرت تجملہ آفندی کی عقیدت و محبت کے جذبات پرورش پانے لگے تھے۔ یہ اسی ”ایمان بالغیب“ کا تقاضا ہے کہ میرے قلبی تاثرات نوکِ قلم پر آگئے ہیں۔ اس غائبانہ تعارف کو محکم بنانے میں اس قلمی ملاقات کا بڑا دخل ہے جو قصبہ لکھنوتی، ضلع سہارنپور کے ”جلوسِ عماری“ کے سلسلے میں برادرِ نوازش رضا حسین سکریٹری ”انجمن امامیہ“ قصبہ مذکور کے توسل سے فرمائشی نوحوں کے بارے میں مستقل دو تین سال تک جاری رہی۔ مرحوم کے خطوط میں ایمانی رشتوں اور بزرگانہ شفقتوں کا رنگ جھلکتا تھا۔ میں اور نوازش رضا، مرحوم کی مجاہدانہ زندگی اور مخلصانہ برتاؤ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اور محبت و عقیدت کے جذبات اور شدت کے ساتھ دلوں میں کروٹیں لینے لگے۔ اب جب کہ وہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ فرما چکے ہیں، تو محبت و عقیدت کا یہ فطری تقاضا ہے کہ ان کی شاعری اور ادبی و مذہبی کارناموں سے متعلق کچھ نہ کچھ لکھا جائے اور اس کام کو آگے بڑھایا جائے جس کو وہ قوم کے سپرد کر گئے ہیں۔

امام مظلوم کا فریضہ انجام دیتا رہا۔ اور جب اس کا کام پورا ہو گیا، تو اس کا سفر حیات بھی ختم ہو گیا۔

ججم آفندی نے ہر صنفِ سخن پر طبع آزمائی کی، نظم و غزل، رباعی، قطعات، نعت، نوے اور سلام پر ان کی فنکارانہ گرفت کا ثبوت ملتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ ان تمام اصنافِ سخن کے گرد ان کی شاعرانہ عظمتوں کے پہاڑ کھڑے ہیں۔ اور ان کی عظیم صلاحیتوں کا ہر آسمان ان گنت ادبی ستاروں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ ہر لمحہ ان کی فکرِ رسا گلستانِ ادب میں نئے نئے گل کھلاتی رہی، اور ہر آن ان کا طائرِ خیال شعور و ادراک کی بلندیوں سے گزرتا رہا۔ ان کی تخلیقی قوت فطرت کے رموز و اسرار سے دنیا کو روشناس کراتی رہی۔ ان کے تفکر کی گھنائیں زمین ادب پر جھوم جھوم کر برستی رہیں۔ صحیفہٴ حکمت کا ان کے دل نازک پر نزل ہوتا رہا۔ اور ان کی حیات بارشِ الہام میں غسل کرتی رہی۔

مجھے حضرت ججم آفندی کا غائبانہ تعارف اس وقت سے ہے، جب میری عمر بچپن کی سرحدوں سے نکل کر شباب کی وادی میں داخل ہوئی اور مجھے ججم آفندی کے نوے سننے کا اور سمجھنے کا موقع ملا۔ سہارنپور میں چھٹی ساتویں محرم کا جلوس علم برداری بڑی شان و شوکت سے نکلتا ہے۔ ۱۹۴۷ء سے قبل انجمن معین العزاء سہارنپور، ایام عزاء اور جلوس عزاء میں نوہ خوانی کرتی تھی، جن میں حضرت ججم آفندی کے نوے کثرت سے پڑھے جاتے تھے۔ میرے دل میں اسی وقت سے حضرت ججم آفندی کی عقیدت و محبت کے جذبات پرورش پانے لگے تھے۔ یہ اسی ”ایمان بالغیب“ کا تقاضا ہے کہ میرے قلبی تاثرات نوکِ قلم پر آگئے ہیں۔ اس غائبانہ تعارف کو محکم بنانے میں اس قسمی ملاقات کا بڑا دخل ہے جو قصبہ لکھنوتی، ضلع سہارنپور کے ”جلوسِ عماری“ کے سلسلے میں برادرِ نوازش رضا حسین سکریٹری ”انجمن امامیہ“ قصبہ مذکور کے توسل سے فرمائشی نوحوں کے بارے میں مستقل دو تین سال تک جاری رہی۔ مرحوم کے خطوط میں ایمانی رشتوں اور بزرگانہ شفقتوں کا رنگ جھلکتا تھا۔ میں اور نوازش رضا، مرحوم کی مجاہدانہ زندگی اور مخلصانہ برتاؤ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اور محبت و عقیدت کے جذبات اور شدت کے ساتھ دلوں میں کروٹیں لینے لگے۔ اب جب کہ وہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ فرما چکے ہیں، تو محبت و عقیدت کا یہ فطری تقاضا ہے کہ ان کی شاعری اور ادبی و مذہبی کارناموں سے متعلق کچھ نہ کچھ لکھا جائے اور اس کام کو آگے بڑھایا جائے جس کو وہ قوم کے سپرد کر گئے ہیں۔

حضرت نجم آفندی کا سب سے بڑا کارنامہ اقوام عالم کو ”درساگاہ کربلا“ سے متعارف کرانا ہے۔ ان کے نوے اور سلام، حریت فکر، اور جوشِ عمل کے پیغامبر ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ان کے دوش پر ابو الفضل العباس کا علم ہے اور قوم کو راہِ عزم و ثبات کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں دلوں کو فتح کرنے والی اسلام کی وہ روحانی تلوار ہے جس کو عزائے حسین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس تلوار کی تعریف خود ان کی زبان سے سنئے۔ فرماتے ہیں:

بھر دیا جوشِ عمل اسلام کی تلوار میں
یا حسین ابن علی کا شور ہے جھنکار میں
چونکہ عزائے حسین بقائے اسلام کی ضامن ہے، اس لیے ان کے دعوتی رخ کا دوسرا پہلو ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد ہوتا ہے

چہرہ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پہنچا دو شہیدِ کربلا کے نام کا
فطرتِ اسلام کا روشن چہرہ اور شہیدِ کربلا کے نام کا کلمہ، یہ دونوں جزو، تاریخِ دعوت و عزیمت کو اپنے پہلو میں لیے ہوئے ہیں۔ نجم آفندی اب اس تاریخ کے اُس آخری باب کو سامنے لاتے ہیں جس سے صبرِ حسین کی معراج کا پتہ چلتا ہے:

خیمے سے لانے کو ہیں جھنڈے آخر حسین
نذر کے سامان میں کوئی کمی رہ گئی
رن کو وہ صغیر چلے کود میں شیر کے
لے کے بلائیں ربابِ درپہ کھڑی رہ گئی
یہ وہ بلند منزل ہے جہاں سے شاعرِ اہلیت نے امام مظلوم کی عظمت کا تعارف کراتے ہوئے کربلا کے ننھے شہید کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اور ماں کی ممتا کی منظر کشی کی ہے۔
شاعرِ اہلیت اپنی منزل پہ پہنچ گیا۔ کاش ہم بھی اس کے نقش قدم پر چل کر اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکیں۔



سید معز الدین قادری المملانی

تجم آفندی کی شخصیت اور ان کی شعری خصوصیات

تاریخ اردو ادب کا یہ المیہ ہے کہ بہت سارے شعراء کے حالات نہیں ملتے۔ زندگی میں اس طرف توجہ نہیں کی جاتی لیکن جب ادب کا کوئی طالب علم ان کے حیات و کلام پر تحقیقی مطالعہ کرنا چاہتا ہے تو بہت ساری باتیں قیاسات کے سہارے متعین ہوتی ہیں اور تحقیق کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑتا ہے، جس میں شاعر کی شخصیت سے کم، لیکن محقق کے علم و فضل، ذوق تحقیق و اجتہاد سے زیادہ بحث کی جاتی ہے۔ علمی اسٹیج پر یہ قماشے اتنے عام ہو چکے ہیں کہ کسی ثبوت یا گواہ کی حاجت نہیں۔ اردو کے بہت سارے محقق اس صورت حال سے دوچار ہیں۔ مجھے یہ مناسب معلوم ہوا کہ شاعر کی زندگی کا ایک مختصر خاکہ ضبط تحریر میں آجائے۔ اس لیے کہ کسی بھی شاعر کے تخلیقی کارنامے تک رسائی اس کی شخصیت اور اس کے عہد کے پس منظر کے مطالعہ کے بغیر تحصیل حاصل کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

علامہ تجم مدظلہ بیسویں صدی کے آغاز میں سن شعور کو پہنچ چکے تھے۔ ان کی زندگی کی کہانی زندگی کے سوز و ساز یعنی حدت، حرارت اور حیات سے عبارت ہے۔ بے چینی، کشمکش اور انقلاب سے انہیں قدم قدم پر سامنا کرنا پڑا۔ شعور زیست، مختلف تجربات سے گذر کر پختہ ہوا ہے۔ صرف نظریات کی ہمہ نمی نہیں اور چند بے نام سی تمناؤں کی بازیافت معشوق کے پیکر میں جلوہ گر نہیں ہے، بلکہ ان کے ہاں غور و فکر کی ریاضت ہے۔ دانش و بصیرت کی دولت ہے۔ حیات و کائنات کی وسعتوں، کو عقل و دل کے فاصلوں کو ان کے فکروں نے اپنی جولا نگاہ بنایا ہے۔ وہ

زندگی کے خارزاروں سے الجھتے بھی ہیں، نشیب و فراز، مد و جزر ہر سطح پر ان کے ساتھ ہیں، لیکن ان کی منزلیں اتنی روشن و تابناک ہیں کہ مصائب و آلام زاہد راہ بن جاتے ہیں۔ وہ زندگی سے مایوس نہیں ہوتے، انسانوں سے ناامید نہیں ہوتے، اور کسی راہ فرار یا گریز یا آدرش کو عنوانِ حیات نہیں بناتے، قدم قدم پر دانش مندانہ آگہی، حیات کے سرچشموں سے حیات کا راستہ جوڑتی ہے۔ یقین دہانی کو روایت کے طور پر نہیں، بلکہ ایک فعال اور حساس انسان کے صداقت پر مبنی تجربہ کی اساس پر پیش کرتے ہیں۔ یہ اپنے ماحول کے زبردست نقاد ہیں لیکن اس نقد و نظر کے پیچھے نفرت و تعصب کے بجائے خلوص کے رواں دواں چشمے ہیں۔ آئیے دیکھیں یہ رنگ و نور یہ چمک دمک علامہِ جہم کی زندگی میں کیسے پیدا ہوئی۔ اس کے محرکات کیا ہیں۔

امیر خسرو اور میرزا غالب کی طرح جہم صاحب کے اجداد بھی ترک نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ قطعی طور پر یہ بتانا مشکل ہے کہ ان کے بزرگوں میں کون اور کب منگولیا سے ترک وطن کر کے ہندوستان آئے۔ اور یہاں کس مقام پر سب سے پہلے بود و باش اختیار کی، فتنہ تانار نے جب ایشیائے کوچک اور ممالک اسلامیہ کو تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا۔ تو بہت سارے ذی علم اور صاحب کمال خاندان ہندوستان آئے، اس لیے کہ کوہِ ہمالیہ اس زمانہ میں واقعی ایک زبردست دیوار کی طرح ہندوستان کی حفاظت کر رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ جہم صاحب کے اجداد بھی اسی زمانے میں یہاں آئے ہوں۔ علامہ جہم کے پردادا میرزا محمد ہادی فیض آباد کے محلہ مغل پورہ میں رہتے تھے۔ میرزا محمد ہادی کے تین لڑکے تھے۔ ۱۔ میرزا جعفر علی فتح ۲۔ میرزا نجف علی بلخ اور تیسرے فتح۔ میرزا جعفر علی فتح کا زمانہ واجد علی شاہ کے والد امجد علی شاہ کا زمانہ تھا۔ میرزا فتح سے ان کے قریبی تعلقات بھی تھے۔ اب یہ خاندان فیض آباد سے نکھنؤ منتقل ہو چکا تھا۔ امجد علی شاہ نے میرزا فتح سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ تخت نشین ہو گئے تو انہیں منصب وزارت پر مامور کریں گے۔ نصیر الدین حیدر کے بعد ان کے حقیقی چچا ۸۴۲ھ تک حکومت کرتے رہے۔ ان کے بیٹے امجد علی شاہ ۸۴۲ھ میں ان کے انتقال کے بعد سربراہی کے تحت سلطنت ہوئے۔ میرزا فتح نے اسی سال حج و زیارت کا عزم کر کے زائسفر ٹھیک کر لیا تھا اور بمبئی کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ جب امجد علی شاہ کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے حسب وعدہ میرزا جعفر علی فتح کو منصب وزارت پر مامور

کرنے کے لیے طلب کیا۔ آدمی دوڑائے گئے لیکن اس مرد خدا نے جواب میں کہلوایا کہ میں ایک ایسے بادشاہ کے پاس جا رہا ہوں جس کے آگے آپ بھی سر جھکاتے ہیں۔ میری واپسی کسی صورت میں بھی ممکن نہیں ہے۔ البتہ میں آپ کے لیے دعا کروں گا۔ مجدد علی شاہ نے ایک خطیر رقم بھجوائی، جس سے میرزا فتح نے حرم کے قریب قراہ محلہ میں ایک دو منزلہ مکان بنوایا اور اس کو زائرین حج کے قیام کے لیے وقف کیا۔ نواب عنایت جنگ نے اس مکان کو دیکھا ہے۔ ابن سعود کے زمانہ میں اس مکان کو شہر کی توسیع کے پلان میں شریک کر لیا گیا۔ میرزا فتح حرم مقدس پہنچے اور وہیں کے ہو رہے۔ اس امر کی شہادت آب حیات کی مندرجہ ذیل عبارت سے بھی ملتی ہے، جس کو رام بابو سکینہ نے بھی اپنی تاریخ ادب اردو میں تحیہ دہرا دیا ہے

”عہد مذکور میں چار مرثیہ گو نامی تھی۔ میر ضمیر، میر خلیق، میاں دلگیر، میاں فتح۔ میاں دلگیر کی زبان میں لکنت تھی اس لیے مرثیہ خوانی نہیں کرتے تھے۔ تصنیف میں بھی انہوں نے مرثیت کے دائرے سے قدم نہیں بڑھایا۔ میرزا فتح حج وزارت کو گئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ میر ضمیر اور میر خلیق کے لیے میدان

خالی رہا کہ جولانیاں دکھائیں۔ میرزا فتح کو بروایت علامہ نجم، ناسخ سے غزل میں تلمذ تھا لیکن محمد حسین آزاد اور رام بابو سکینہ نے ان کو ناسخ اور دلگیر دونوں کا شاگرد بتایا ہے۔ میرزا فتح کا کلام اس دور میں بھی بڑے ہی شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ ساتویں محرم کو یہ سلام سننے میں آتا ہے جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے:

سلامی کر بلا میں جب بنا ابن حسن دلہا
اور یہ سلام بھی جس کا مطلع ہے:

کفن پہنے شد مظلوم کے انصار دن میں تھے
سلامی چاند سے وہ چہرے تابندہ کفن میں تھے

میرزا فتح کی ہجرت کے بعد سے ہی میر ضمیر استاد دیر اور میر خلیق والد میر انیس لکھنؤ

۱۔ رام بابو سکینہ تاریخ ادبیات اردو صفحہ ۳۱۹ عشرت پبلشنگ لاہور۔

۲۔ آب حیات مصنف محمد حسین آزاد صفحہ ۳۸۲ گیارہواں ایڈیشن مطبوعہ مبارک علی لاہور۔

کے ادبی افق پر جگمگانے لگے۔ رام بابو سکسینہ میرزا فنیج کی ہجرت کا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔

”اب صرف ضمیر اور خلیق کے واسطے میدان مرثیہ کوئی رہ گیا تھا“

اس جملہ سے میرزا فنیج کے مقام کا بھی تعین ہو جاتا ہے کہ وہ میرزا ضمیر اور میرزا خلیق کے پایہ کے مرثیہ کو سمجھے جاتے تھے۔ میرزا فنیج کا ایک شعر جو انہوں نے مدینہ کی حاضری کے موقع پر کہا تھا، ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

فنیج اگلے برس ہم تھے پیہر کے مدینے میں
کبھی روئے میں زائر تھے کبھی بیت الحزن میں تھے

کعبہ میں لکھا گیا ایک سلام کا مطلع بھی ملاحظہ فرمائیے:-

سلام کعبہ میں حرم میں قلم سے زمزم ٹپک رہا ہے
سر اپنا کعبہ کے سنگ در پر سیاہ پردہ پٹک رہا ہے
میرزا فنیج کے کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن ان کے چھوٹے بھائی میرزا نجف علی بلخ صاحب
اولاد تھے۔ میرزا عباس بلخ ان کے لڑکے کا نام تھا۔ ان کے لڑکے میرزا عاشق حسین بزم ہیں، جو
علامہ نجم آفندی کے والد ہیں۔ میرزا عاشق حسین بزم کی شادی آگرہ کے جس گھرانے میں ہوئی،
وہاں بھی شعر و شاعری کا بڑا عمدہ مذاق پایا جاتا تھا۔ نجم صاحب کے نانا آغا حسین آغا آگرہ کے
رہنے والے تھے۔ ان کے بزرگوں میں آغا حاجی حسن تھے جن کے نام سے آگرہ میں کٹرہ حاجی
حسن مشہور ہے۔ یہیں ان کا گھر تھا۔ یہ مقام پتیل منڈی آگرہ کے پیچھے واقع ہے۔ آغا حسین آغا
کے دو شعر ملاحظہ فرمائیے جو خاصے مشہور بھی ہیں۔

۱۔ کیوں دل جلوں کے لب پہ ہمیشہ نغاں نہ ہو

ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو

۲۔ دیکھیں تو کس طرح انہیں ہوتا نہیں اثر

لو آج نامہ لکھتے ہیں خونِ جگر سے ہم

علامہ نجم کا نام میرزا خلیل حسین ہے، رمضان ۱۳۱۰ء مطابق اپریل ۱۸۹۳ء میں آگرہ میں
پیدا ہوئے۔ مفید عام اسکول آگرہ میں تعلیم پائی۔ یہیں سے مڈل کا امتحان کامیاب کیا۔ اس مدرسہ

کے اہم اساتذہ میں مولانا سلامت اللہ تھے جو اردو فارسی کے جید اساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ راج کمار بیڈ ماسٹر تھے اور انگریزی پڑھاتے تھے۔ نجم صاحب کی مغرب بیزاری اور انگریزی سامراج کے خلاف نفرت کا ختم انہوں نے ہی بویا تھا۔ نجم صاحب اپنی تعلیمی زندگی کا ایک واقعہ سناتے ہیں کہ امیکا پر شاد نامی ایک ہندو لڑکے سے کسی بات پر لڑائی ہو گئی۔ بات اتنی بڑھی کہ ان دونوں کو ہیڈ ماسٹر کے روبرو پیش کر دیا گیا۔ راج کنورجی نے اس طریقہ سے تفہیم کی ”تم دونوں آپس میں لڑنے کے بجائے دونوں مل کر تیسرے کو کیوں نہیں مارتے۔“ نجم صاحب نے اس نصیحت کو اپنی گرہ میں باندھ لیا۔ بچپن کا ایک چھوٹا سا واقعہ نجم صاحب کی زندگی میں بڑے ہی دور رس اثرات کی نشاندہی کرتا ہے۔ جوں جوں شعور ترقی کرتا گیا اور ملک کے حالات مشاہدے میں آتے گئے، اس کی روشنی میں انہیں انگریزوں سے، ان کی تہذیب سے ایک پیرسا ہو گیا۔ ہندو مسلم اتحاد، بدیشی مال کا بایکاٹ، وطن دوستی اور اس سے آگے بڑھ کر سیاسی اور سماجی سطح پر انسانی مساوات، اخوت، سچائی، ایثار اور سلح جوئی کے میلانات ان کی فکر کے مذہبی دھارے کے ساتھ مل کر بین الاقوامی سطح پر انسان دوستی اور بقاء باہم جیسے معیارات ان کی زندگی کا نصب العین بن گئے۔

نجم صاحب نے زمانہ طالب علمی میں اپنے ہم عمر دوستوں کی ایک انجمن بنائی جس کے رہنما اصولوں میں مغرب بیزاری، اور انگریزی تہذیب و معاشرت سے عملاً گریز شامل تھے۔ اس انجمن کے ممبر ایک خاص قسم کی آکھوچی پہنتے تھے تاکہ ایک دوسرے کو آسانی کے ساتھ شناخت کر سکیں۔ انگریزی ناولوں میں اس قسم کی بہت ساری انجمنوں کا حال ملتا ہے جن کے نجم صاحب بڑے ہی دلدادہ تھے۔ یہ خیال اسی مطالعہ سے ان کے دل میں پیدا ہوا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ ان کے ہی ہتھیاروں سے ان کا مقابلہ کیا جائے۔ اس انجمن کے پندرہ بیس رکن بن چکے تھے۔ اس انجمن کے ایک رکن تھے میرزا بادشاہ علی جو نجم صاحب کے قریبی رشتے کے بھائی ہوتے تھے۔ ان کا تقرر اسی زمانے میں محکمہ پولیس میں ہو گیا۔ ان صاحب نے اپنی کارگزاری کے مظاہرہ کے لیے سب سے پہلے اپنے محکمہ کو اس حکومت بیزار انجمن کے بارے میں اطلاع دینی چاہی۔ نجم صاحب نے انہیں سمجھایا، رشتہ کا حوالہ دیا لیکن سب طریقے بیکار ہی ثابت ہوئے۔ ایک دن جب کہ اس انجمن کا اجلاس ہو رہا تھا اور سب ارکان حاضر تھے، کسی نے اس بات کی خبر سب تک

پہنچادی۔ پھر کیا تھا سارے ارکان نے اس انجمن سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کیا اور اٹھ کر چل دیئے۔ وہاں صرف ایک رکن باقی رہ گیا تھا جو ہمارے ان ہی علامہ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

نوجوانی کا یہ واقعہ شباب کی انقلاب پسندی کا آئینہ دار تو ہے ہی، لیکن اس کا انجام بڑا چونکا دینے والا تھا۔ سماجی تعلقات اور دوستی ہمیشہ اصولوں کی جنگ میں مزاحم ہوتے رہے ہیں۔

جیم صاحب محکمہ ریلوے میں بحیثیت کلرک ۱۹۱۳ء میں بمقام دہلی ملازم ہوئے۔ ۱۹۲۵ء تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ مسٹر نیومن ان کے انسر اعلیٰ تھے۔ ایک دن ان کی کھڑ رپوشی پر معترض ہوئے۔ جیم صاحب ان کے اعتراض پر بھڑک اٹھے۔ تلخ کلامی بھی ہوئی۔ سزا کے طور پر ان کا تبادلہ آسنہول کر دیا گیا۔ نتیجہ میں علامہ جیم اس نوکری سے مستعفی ہو گئے اور عمر بھر کسی سرکاری نوکری کا ارادہ نہیں کیا۔ ۱۹۲۵ء کے اواخر میں حیدرآباد آئے۔ ان کی آمد بھی ایک قومی کام کے سلسلہ میں ہوئی تھی۔ آگرہ کے ایک ایسے قبرستان کے قریب کی زمین سرکار کی طرف سے فروخت کی جا رہی تھی جس میں شیعہ اور سنی دونوں اپنے اپنے مرنے والوں کی تدفین کیا کرتے تھے۔ اس زمین کو حاصل کر کے قومی کام کے لیے محفوظ کرنا ضروری سمجھا گیا۔ چنانچہ فراہمی رقم کے لیے حیدرآباد کا سفر پیش آیا تھا۔ ان کے ساتھ حیدر مہدی پیر منیر اور سید کلب عباس سکریٹری شیعہ کانفرنس بھی آئے تھے۔ اس سے پہلے ان کے والدہ میرزا عاشق حسین بزم کئی بار حیدرآباد آچکے تھے اور یہاں ان کے دوستوں میں کئی رئیس موجود تھے۔ نواب شہید یار جنگ اور حکیم محمد عباس ان کو حیدرآباد کے جوئیر پرنس نواب معظم جاہ بہادر شجاع کے دربار میں لے گئے۔ جیم صاحب نے یہاں جو غزل سنائی تھی۔ اس کے تین شعر یہ ہیں۔

کعبہ	و	دیر	سے	پیام	آئے
تیری	جانب	جو	چند	گام	آئے
سن	رہے	ہیں	تمہارا	افسانہ	
کہیں	شاید	ہمارا	نام	آئے	
جیم	صاحب	کو	راستہ	دینا	
مذہب	عشق	کے	امام	آئے	

فائی بدایونی اس زمانہ میں پرنس کے پاس موجود تھے۔ نجم صاحب کو بھی دربار کی حاضری دینی پڑی اور اصرار کے ساتھ ان کو روکا گیا۔ یہ تعلق اصل میں ان کے مستقلاً قیام حیدرآباد کا باعث بنا۔

نجم صاحب نے قرآن اور اردو فارسی کی تعلیم تو اپنے رشتے کے چچا میرزا محمد ہادی سے حاصل کی، البتہ فن شاعری میں اپنے والد میرزا عاشق حسین بزم کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ میرزا عاشق حسین بزم منیر شکوہ آبادی کے شاگرد تھے۔ ۱۲ برس کی عمر سے شعر کہتے ہیں۔ دکن میں قیام کو اتنی مدت گزر چکی ہے کہ اب یہ حیدرآباد ہی کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ نصیر الدین ہاشمی نے ان کا تذکرہ ”دکن میں اردو“ میں ضروری سمجھا۔ لکھتے ہیں:-

”میرزا خلیل حسین آفندی نجم تخلص آگرہ میں تولد ہوئے اور حیدرآباد آکر بس گئے۔ آپ کے خاندان میں چار پشتوں سے شاعری چلی آرہی ہے۔ نجم بارہ سال کی عمر سے شعر گوئی کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے والد محترم بزم آفندی سے فن شاعری میں استفادہ کیا۔ اب کہنہ مشق قادر الکلام شاعر ہیں۔ قدیم مکتب خیال سے آپ کا تعلق ہے مگر اس کے باوجود موجودہ شعروادب کے تقاضوں کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ الفاظ کی بندش، محاورہ کی برجستگی، انداز بیان کی ندرت، مضمون آفرینی، رمزیت اور سوز و گداز آپ کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں نظم و نثر کی کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔“

”آفندی“ سلطنت ترکی کی طرف سے دیا ہوا خطاب ہے جو نجم صاحب کے پردادا کے والد میرزا جعفر علی فتح کو ان کی ان خدمات کی بنا پر دیا گیا تھا جو انہوں نے مکہ معظمہ میں انجام دی تھیں۔ علامہ شبلی نعمانی کو جب حکومت ترکی نے تمنغہ مجیدی عطا کیا تھا، تو ان کے نام کے آگے بھی ”آفندی“ محکمہ ترکی کے سرکاری فرمان میں موجود ہے۔ نجم صاحب کے بیان کے مطابق چونکہ یہ خطاب نسلاً بعد نسل استعمال کے لیے عطا کیا گیا تھا، اس لیے ان کے خاندان کے لوگ اپنے نام کے ساتھ آفندی لکھتے ہیں۔ نجم صاحب نے مدحت الہیہ بیت میں اپنے جگر کو جلایا ہے،

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے سفرنامہ مصر و روم و شام از شبلی نعمانی صفحہ ۱۴۱ مطبوعہ قومی پریس دہلی

اس لیے ان کو شاعرِ اہل بیت کے معزز اسمِ نسبتی سے بھی مشفق کیا گیا ہے۔

خاندانی روایات، مذہبی تعلیم و تربیت، اسلام کی عظیم شخصیتوں کے نقوش قدم کو اپنا راستہ بنانے کی سعی و تمنا نے ان کو کافی متوازن، معتدل مزاج اور بنی نوع انسان کا ہمدرد بنا دیا ہے۔ حجم صاحب کو اردو، فارسی اور انگریزی کے علاوہ ہندی زبان میں بھی درک ہے۔ ان کی ہندی زبان میں بھی تصنیفات ملتی ہیں۔

اس وقت عمر کے ۸۰ سال پورے کر چکے ہیں۔ سماعت میں تھوڑا فرق آ گیا ہے۔ پستہ قد، کول چہرہ، سرخ و سفید رنگ، چہرہ پر ابدن لیکن مضبوط کاٹھی۔ آج کل نحیف و زار ہو گئے ہیں اس کے باوجود چلتے پھرتے ہیں۔ آواز میں رعب اور چہرے پر مسکراہٹ۔ شعر تحت اللفظ سناتے ہیں۔ اور خوب سناتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں بصیرت کی چمک ہے اور سنجیدگی کے نہ جانے کتنے راز پوشیدہ ہیں۔

کشمیر سے کولہو تک ہندوستان کے ظاہر و باطن سے خوب واقف ہیں۔ ہندوستان کا نگری می حضرات کا اگر کوئی گروپ بن سکتا ہے تو اس فہرست میں حجم صاحب کا نام شامل کیا جائے گا۔ گاندھی جی سے کئی بار مل چکے ہیں اور ان کے قدر و اہم بھی ہیں۔ دہلی، لکھنؤ اور حیدرآباد کی ثقہ روایات کا نمونہ ہیں۔ اپنے دماغ سے سوچتے ہیں، اپنے دل سے محسوس کرتے ہیں اور انہیں یہ کہنے کا حق حاصل ہے

میری تلاش راہ پر ہنستے ہیں آج تارِ فطری

شع بنائی جائے گی کل مری گرد راہ کی

ہندو مسلم اتحاد کو ہندوستان کی تشکیل جدید میں ضروری خیال کرتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کے دونوں فرقے سنی اور شیعہ کے مابین کسی بھی قسم کے افتراق کو پسند نہیں کرتے۔ باہمی یگانگت، وسیع الشرب، فراخ دلی اور صفائی قلب کو سماجی آدرش سمجھتے ہیں۔ انہیں سارے بنی نوع انسان سے محبت ہے۔ شخصی اور مذہبی عقاید پر خود سختی کے ساتھ کار بند ہیں، لیکن سیرت و کردار میں کہیں بھی ”ملا پن“ یا ”پندار زہد“ کے نتیجے میں پیدا ہونے والا سوانگ موجود نہیں ہے۔ بردبار، حلیم، خوش خلق اور مصیبتوں میں مسکرا نے والی شخصیت ان کے سارے کلام سے جھلکتی ہے۔ غزل،

قصیدہ، نعت، سلام، منقبت، رباعی، قطعات، غرض سارے اصنافِ سخن میں فکر شعر کرتے ہیں۔
 کانپور کے ایک خاندان میں شادی کی۔ جملہ ۵ لڑکے لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ایک لڑکی اور
 ۴ لڑکے جاتے رہے۔ ان کے فرزند سہیل افندی جو شاعر بھی ہیں۔
 ججم صاحب شعر کی تخلیق کے بارے میں فرماتے ہیں:-

جس عالمِ بالا سے خبر آتی ہے عارف کے دل میں نور بن جاتی ہے
 گر ترکِ ادب نہ ہو تو یہ بھی کہدوں شاعر کی زباں پہ شعر کہلاتی ہے
 خالص فنی نقطہ نظر سے بھی کسی دانشور کی بصیرت، کسی عارف کی یافت اور کسی شاعر کے
 پس پردہ محرکات کا جائزہ لیا جائے تو یہ عجیب و غریب قوت مختلف صورتوں میں جلوہ گر نظر آئے
 گی۔ معلوم ہوا کہ شاعری اکتسابی شے نہیں ہے بلکہ وہی ہے۔
 پروفیسر سید احتشام حسین نے اپنے مضمون اصول تنقید میں ڈاکٹر چرڈن کا ایک قول نقل
 کیا ہے۔

”فنا کو ذہن کی صحت سے اسی قدر تعلق ہے جتنا ڈاکٹر کو جسم کی صحت سے ہوتا
 ہے“
 ججم صاحب فرماتے ہیں:-

لازم ہے کہ ہو ذوقِ طلبِ صحت مند آئیں حیاتِ روز و شب صحت مند
 حکمت کا تقاضا ہے یہ شاعر کے لیے کردار صحیح ہو ادب صحت مند
 ججم صاحب کے ہاں اس صحتِ مندی کا ایک متعین مفہوم موجود ہے جو ان کے مذہبی
 معتقدات، سماجی شعور، اور گہرے مشاہدات کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔ شاعر کی خیالی آوارگی، غیر
 ذمہ داری اور بے کرداری کو وہ ادبی صحتِ مندی کے منافی قرار دیتے ہیں۔ ایک اور جگہ کہتے ہیں:
 تو قوم کی اصلاح پہ آمادہ ہے یا شہرتِ تحریر کا دلدادہ ہے
 نظموں کا یہ انبار مضامین کی پوٹ بکواس ہے جب دل کا ورق سادہ ہے
 ”دل کا سادہ ورق“ اپنی بلاغت کے اعتبار سے بے پناہ معنوی وسعت کا احاطہ کئے

۱۔ شعور تنقید صفحہ ۱۰۶، سبک میل، پبلیکیشنز، لاہور

ہوئے ہے۔ خلوص کا نقد ان، فکری کارنامے کو واقعی ”بکواس“ بنا دیتا ہے۔ یہ خلوص وہی ہے جسے غالب نے ”دل گداختہ“ سے تعبیر کیا ہے اور حائی نے سادگی اور اصلیت سے۔
شاعری کے اسلوب و اظہار پر بھی حجم صاحب کے خیالات نہایت ہی واضح ہیں۔ فرماتے ہیں:

سب فلسفہ حیات کہہ دیتا ہوں اک حرف میں کائنات کہہ دیتا ہوں
شاعر ہوں مجھے دماغ تفصیل کہاں سو بات کی ایک بات کہہ دیتا ہوں
شاعرانہ اظہار کی یہی وہ صلاحیت ہے جو شاعری کو نثر سے ممتاز کرتی ہے۔ اس ایجاز و اختصار کی تہوں میں فنی شعور کے ساتھ ساتھ فکری خلوص بھی موجود ہے، لیکن اس کے باوجود انانیت ان کے ہاں پھلک نہیں پاتی۔ فرماتے ہیں:

آسان ہے اللہ سے منکر ہونا یا معرفتِ نبیؐ سے قاصر ہونا
اس شان سے اپنی شاعری کا اقرار جیسے کہ بڑا فخر ہے شاعر ہونا
لیکن اس کے باوجود انہیں اپنے منصب و مقام کا پورا عرفان ہے فرماتے ہیں:-
شاعر ہوں مذاقِ رنگ و بو کہتا ہے خود دار ہوں طرزِ گفتگو کہتا ہے
اس وقت میں دیتا ہوں نظر کو زحمت جب حُسنِ نگاہِ روبرو کہتا ہے
شاعر کی نگاہ میں اخذ و اکتساب اور ترک و اجتناب کی بڑی اہمیت ہے۔ شاعر کے سامنے موضوعات کی ایک لامتناہی وسیع و عریض دنیا رہتی ہے۔ وہ ہر ذرہ کو موضوع بنا سکتا ہے اور ہر لمحہ کو محفوظ کر سکتا ہے۔ اس کے احساسات اور جذبات کے دھارے بھی متنوع ہو سکتے ہیں، لیکن اہمیت ان شعراء کی ہے جو اپنے موضوعات کے انتخاب میں محتاط ہوں اور کچھ اصول رکھتے ہوں، جن کی روشنی میں وہ جانچ پڑتال بھی کر سکیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں تخیل و جذبات کی سرحدیں ملتی ہیں۔ تخلیق کی فضا بنتی ہے، ماحول کا مطالعہ حیات و کائنات کو اس طرح اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے کہ شاعر کے سامنے فطرت کے رموز بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ حجم صاحب نے ان وادیوں میں برسوں جادہ پیمائی کی ہے۔ حاصل سفر ان کے یہ اشعار ہیں:

ڈوبا ہوا غم میں ہوں ابھرنے کے لیے آئینِ حیاتِ وضع کرنے کے لیے

مرمر کے میں جی رہا ہوں کتنے دن سے ایک تباہل رشک موت مرنے کے لیے

دنیا پہ ستم نفس پہ بیداد کرے بھولے سے نہ اصل اپنی کبھی یاد کرے
جیسے تری تخلیق ہیں یہ رات یہ دن جس طرح سے چاہے نہیں برباد کرے
ان کی مذہبیت، گوشہ گیری یا راہبی کی اسیر نہیں۔ ایک حساس اور فعال انسان کے صحت
مند ذہن کی آئینہ دار ہے، جس کی گرفت سماج پر، حیات اور اس کے متعلقات پر، بلکہ ساری
کائنات پر بے حد مضبوط ہے۔ مایوسی یا نامرادی کے بجائے ایک صحت مند رجائیت ان کے ہاں
ملتی ہے۔ مناظر قدرت میں صبح کا جلوہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جہم صاحب نے اس سے کیا عمدہ
فائدہ اٹھایا ہے:

نعت ایک ایک یاد آسکتی ہے دل میں امید مسکرا سکتی ہے
احسان شناس ہے تو سو غم تیرے اک صبح کی تازگی بھلا سکتی ہے
امن عالم کے خلاف کتنے چٹکیں وہاں کو گذر چکے ہیں۔ ہٹلر اور دوسرے فاشٹ آمرین کو
زمانہ بھلا نہیں سکتا۔ ان کے معنوی جانشین آج بھی دوسرے ناموں کے ساتھ موجود ہیں، لیکن جہم
صاحب کا ایقان دیکھئے فطرتِ انسانی کا کتنا عقیق مطالعہ ہے۔ سادہ و پُرکار انداز میں ساری دنیا
کے انسانوں کے لیے ان کا پیغام اور ان کا آدرش رہتی دنیا تک زندہ رہے گا۔

زخمِ دلِ ناتواں سیو سینے دو جی بھر کے نئے سکوں پیو پینے دو
کوشش بے جا ہے امنِ عالم کے خلاف مفہومِ حیات ہے پیو جینے دو
ان کے بعض تجربے شعری صداقت کے ساتھ ساتھ واقعات کی ایسی عمدہ تصویر پیش
کرتے ہیں کہ بات دل پر نقش ہو جائے۔ چار مصرعوں میں تاریخ کے اس المیہ کو محفوظ کر لیا ہے
ہر سمت نظر میں جوئے خوں آتی ہے سرگزشتہ جہجئے خوں آتی ہے
تہذیب و زباں تجارت و قوم و وطن ان لفظوں سے آج بوائے خوں آتی ہے
شاعر کو اس کے اسباب و علل سے زیادہ غرض نہیں ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے، یہ آپ کا کام
ہے کہ آپ سوچیں۔ ایک لمحہ فکر یہ ہے، ایک چچی تصویر ہے۔ اس کا ذمہ دار وہ انسان ہی کو سمجھتے

ہیں۔ اس اخلاقی بگاڑ کے نتائج کو مناظر قدرت کے ساتھ مربوط کر کے انسان کو سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

یہ صبح کی تازگی یہ آرام کی رات گرمی سورج کی چاندنی کی برسات
سب کے دامن پہ ہیں لہو کی چھٹیخیں انسان نے بگاڑ دی ہے تصویرِ حیات
ان کے رباعیات و قطعات کے موضوعات اتنے متنوع اور دلکش ہیں کہ ہر رباعی اور قطعہ،
اور کوئی نہ کوئی اہم موضوع پاکیزہ زبان اور دلکش اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ ہر رباعی یا قطعہ کو
ایک عنوان بھی دیا گیا ہے۔ ان رباعیات و قطعات میں فکروں کے شاندار تجربے بھی ملتے ہیں اور
استادانہ شانِ سخن کے جلوے بھی۔ ان کو ہم مختصر نظم بھی کہہ سکتے ہیں جو اپنے عنوان سے اس قدر
چست ہے کہ معنوی رابطہ کے لیے کسی خارجی تفہیم کی قطعاً ضرورت نہیں۔ شعری محاسن بھی جا بجا
موتیوں کی طرح سجے سجائے اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ صنعتیں بھی استعمال کی گئی ہیں۔ ان کے
ہاں طنز بھی ملتا ہے لیکن بے حد سنجیدگی کے ساتھ۔ اس کی سطح قطعاً جذباتی نہیں ہے۔ ریاضت فکر
اور اپنے مقصد سے خلوص کی گرمی، ان سنجیدہ اور تکیے انداز کو پیدا کرتی ہے، تلخی مشاہدے کی ہے
لیکن بے حد مہذب، لطفہ اور سنجیدہ۔ فرماتے ہیں:

کس کام کے ہیں یہ بندہ پرور جلے یہ قوم کے چندے سے تو نگر جلے
بھوکے مرتے ہیں کتنے مفلس مجبور ماتم ہے گھروں میں اور باہر جلے
یا یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے:

وہ دین الہی کا سفینہ منبر تطہیر حیات کا قرینہ منبر
اس عہد میں دیکھتا ہوں اللہ اللہ دنیا کی ترقی کا ہے قرینہ منبر
ان کے پاس مزاح کی لطیف چاشنی بھی ملتی ہے، لیکن لب آسا مسکراہٹ سے زیادہ نہیں،
لیکن اس میں طنز ضرور شامل رہتا ہے۔

آج کہلاتی ہے بے راہ روی اسٹائل
اب زمانے کو ہے مرغوب یہی اسٹائل
بات اکھاڑے سے یہ بزم شعراء تک پہنچی۔ شعر بھی ہونے لگے اب تو فری اسٹائل۔ جہم

صاحب بامقصد شاعر ہیں، اپنے ماحول کے عکاس اور نقاد ہیں۔ ان کے آدرش اور اصول بے حد واضح ہیں۔ ان میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ اپنے معاصرین میں اس حیثیت سے منفرد بھی ہیں کہ خاموشی کے ساتھ اپنے مقصد کی شمع روشن کئے اجالوں کے تصور سے مردہ انسانیت کو نئی زندگی بخشنا چاہتے ہیں۔ ان کے پیغام کو مجمل انداز میں ملاحظہ فرمائیے:

وہاں اے دوست کس دل سے دوائے جشن آزادی جہاں انسان ملک و قوم کی تفریق فرمائے
ہمارا قصد بھی ہے یوم آزادی منانے کا اگر ہر ملک میں انسانیت کا راج ہو جائے
ملت بیضا سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ میرے خیال میں اس سے بہتر حل اس
بگڑی ہوئی قوم کے لیے شائد ہی ہو سکے۔ ساری امت کا اس پر اجماع ہے۔ رنگ و نسل، قوم
و وطن اور زبان کی اساس پر اتحاد کے نتائج آج سب کے سامنے ہیں، لیکن اتحاد و اخوت کی جو
اساس اس قطعہ میں پیش کی گئی ہے، اس میں کسی بحث کی گنجائش نہیں ہے:

تاریکیاں ہیں ملتِ بیضا کی تاک میں کچھ قوم کی حیات کا سامان کیجئے
سرکارِ دو جہاں کی محبت کے نام پر آپس کے اختلاف کو قربان کیجئے
بنی نوع انسان کے لیے مذہب کا پیغام بھی ملاحظہ فرمائیے جو بلا امتیاز نسل و رنگ و مذہب
و قوم قابل قبول ہی نہیں ہے، بلکہ اگر اس صداقت کو سام کر دیا جائے تو شاید مستقبل کے کئی ایک
خوفناک مسائل خود بخود حل ہو جائیں۔ فرماتے ہیں:

بنی آدم ہیں سب لیکن یہ کیسی آدمیت ہے فسادوں کے لیے دونوں کی دنیا میں بھی فرصت ہے
لڑائی اختلاف مذہب و ملت پہ کیا معنی جسے کہتے ہیں مذہب وہ محبت ہی محبت ہے
ان کی رباعیات و قطعات، فلسفہ اخلاقیات، عمرانیات، سیاسیات و مذہب کے مختلف
کوششوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود حدود ادب سے خارج نہیں۔ ان کی سب سے
پہلی اہمیت ادبی ہی ہے۔ حجم صاحب کی شاعرانہ شخصیت افکارِ نالیہ کے لباس میں اور بھی جاذب
نظر بن گئی ہے۔ اسرار و افکارِ اردو ادب کے ادبِ نالیہ میں ایک اضافہ ہے جو فن کی لٹافوں اور
زبان کی نزاکتوں سے معمور ہے۔ اور یہ گرتو واقعی تشکیک و تضاد کے اس دور میں سوچنے اور سمجھنے
کی کئی راہیں آسان کر دیتا ہے:

رشتہ بہت ہے نازک تکمیل دوستی کا میں گرتا رہا ہوں آسان زندگی کا
 رہنا بہت ہی کم ہے اس منزل عمل میں ہو دوست ایک ہی کا دشمن نہ ہو کسی کا
 ججم صاحب نے بہت ساری ربا عیات اور قطعات کسانوں، مزدوروں اور مفلس انسانوں
 کے مسائل پر بھی کہی ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ مزدور دوستی اور مادہ پرستی و خدائیزاری کو لازم و ملزوم
 سمجھا جاتا تھا۔ مزدوروں کے اجارہ دار، کسانوں کے نمگسار صرف وہی سمجھے جاتے تھے جو ایک
 خاص نظام فکر کے شیدائی ہوں۔ مذہبی اور روحانی اقدار پر یقین رکھنے والوں کو رجعت پسند اور
 سرمایہ داروں کے ایجنٹ قرار دیا جاتا تھا۔ ججم صاحب کے سامنے ایسی کتنی تحریکیں پیدا ہوئیں اور
 پھر نہ جانے کہاں غائب ہو گئیں، لیکن ججم صاحب اپنی تمام صداقتوں کے ساتھ اپنے مسلک پر
 آج بھی قائم ہیں۔ ججم صاحب مذہب پر روحانیت کا گہرا ایتقان رکھتے ہیں، لیکن شروع سے ان کی
 ہمدردیاں مظلوم انسانوں، بے کس مزدوروں اور مفلس کسانوں کے ساتھ رہی ہیں۔ یہ کوئی تضاد
 نہیں ہے بلکہ قصور سارا ان اصولوں کا ہے اور اس نقطہ نظر کا ہے کہ سماجی نا انصافیاں مذہب کی
 پیدا کردہ ہیں۔ اس مفروضہ کا حقیقت سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ ثبوت میں ججم صاحب کے یہ
 شعر پیش کئے جاسکتے ہیں:

انسان کی جنس خام کہلاتے ہیں تا تباہ احترام کہلاتے ہیں
 سیدھے سچے جبری جفاکش مزدور کیا ظلم ہے یہ عوام کہلاتے ہیں

افلاس پہ مامور نظر آتا ہے مرکز سے بہت دور نظر آتا ہے
 دستور بدل گیا حکومت بدلی مزدور بدستور نظر آتا ہے

جب لطفِ حیات میں کمی پاتا ہے جب شدتِ آرام سے تھک جاتا ہے
 منعم تھے اس وقت بھی بھولے سے کبھی مزدور کی محنت کا خیال آتا ہے

آزاد کو اک قید ہے فغفوری بھی بے بار گراں قبائے دستوری بھی

تو اپنے لیے جگہ معین کر لے دنیا میں غلامی بھی ہے مزدوری بھی

دنیا ہمدرد آج مزدور کی ہے حالت یہی چار سمت جمہور کی ہے
تیرہ سو برس سے کہتے آئے ہیں یہ ہم اب سمجھے ہو تو تم بات ذرا دور کی ہے
کشمیر پر اثر لکھنوی کی ایک اچھی رباعی مشہور ہے:

کشمیر کے مرغزار اللہ اللہ شاداب وہ کوہ سار اللہ اللہ
جنگل کے خموش ہمیں کی بیبت دھڑکا دل جو بار اللہ اللہ
جگم صاحب بھی کشمیر جاتے ہیں۔ کشمیر جنت نظیر اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ ان کے
سامنے وا ہے۔ خوشنما منظر، خوبصورت جھیلیں اور خوشگوار موسم، تخلیقِ شعر کے تمام اسباب مہیا ہیں،
لیکن شاعر کی نظر اہل کشمیر سے صرف نظر نہ کر سکی۔ فرماتے ہیں:

سونا چاندی پگھل رہا ہے تو کیا محلوں میں چراغ بل رہا ہے تو کیا
اہل کشمیر سیر و سیراب نہیں شاہی چشمہ اہل رہا ہے تو کیا
یہ رباعی ۱۹۴۱ء کی ہے جب کہ کشمیر میں افلاس اور جہالت اپنے عروج پر تھے۔ شاعر کے
احساسات کشمیر کے دلکش روز و شب میں الجھ کر نہیں رہ گئے بلکہ شاعر کا سماجی شعور اہل کشمیر کے
حال زار کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ان کی سیر کشمیر، ان کے معیارِ نظر اور انسان دوستی کا واضح ثبوت
ہے۔ فرماتے ہیں:-

کشمیر میں کیا شام و سحر کی ہم نے اک آہ کی جس سمت نظر کی ہم نے
کانٹوں میں کسی کی یوں نہ گزری ہوگی جس درد سے پھولوں میں بسر کی ہم نے
اس قسم کی بیسوں مثالیں جگم صاحب کے حیات و کلام سے پیش کی جاسکتی ہیں۔
جگم صاحب انسانیت اور آدمیت کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔

ان کا تصور انسانیت ملاحظہ فرمائیے:-

بے جا طلب سے زعمِ سخا سے بلند ہے فکرِ حیات و خوفِ قضا سے بلند ہے
مبجود ہے ملک کا تو اے بندہ خدا تیرا مقام شاہ و گدا سے بلند ہے

بندۂ خدا جو تجدد ملائک ہے، اس کو دنیا کے بنائے ہوئے اعتبارات شاہ و گدا سے ممیز کر کے
پستی و بلندی کے مفروضہ امتیازات کی بنیاد بلا دی ہے۔ انسان کا بندۂ خدا ہونا ہی اس کی سب
سے بڑی فضیلت ہے۔ اگر انسان کو اس کا احساس نہیں ہے تو پھر اس کا حال جو ہوتا ہے اسے خود
جسم صاحب کی زبان میں ملاحظہ فرمائیے:-

کیا راہ غرض میں لوٹا جاتا ہے کیا کمتر و نا چیز بنا جاتا ہے
اللہ کے آگے نہیں جھکتا جو سر بندے کے حضور میں جھکا جاتا ہے
جسم صاحب توصیف پیبر گو ادب کی معراج سمجھتے ہیں۔ مقام رسالت کا عرفان ان کے
ایک شعر میں ملاحظہ فرمائیے:-

صورتِ رگِ ازل نے ترے اعتبار پر اک مشقِ خاک تھی جسے انساں بنا دیا
اسرار و افکار میں ان کی بہت ساری رباعیات، جو خاتم رسالت، خیر البشر، فخر انبیاء، سرکار
دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہی گئی ہیں، شامل ہیں۔ اسلام سے ذات رسالت مآب صلی
اللہ علیہ وسلم اور ہدایت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ان کی وابستگی محض روایتی نہیں ہے،
بلکہ شعوری ہے۔ وہ اس کسوٹی پر حیات و کائنات کو پرکھتے ہیں۔ ان کے فکر و خیال اور ادب و فن
میں سارے جلوے اسی نور کے ہیں۔ ان کی وضع داری ہو کہ ان کی خود داری، اسی سرچشمے سے
فیض یاب ہے۔ زمانے کے گرم و سرد نے اس کی اہمیت اور ضرورت کو ان کی نگاہوں میں اور بھی
بڑھا دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

انسان کی عظمت کے نگاہان بھی ہو مسلم ہو سلامتی کا عنوان بھی ہو
اسلام پیام امن ہے یاد رہے سنی ہو کہ شیعہ ہو مسلمان بھی ہو

بھارت ہے چمن جان چمن ہیں ہم لوگ کیا تابلِ شرط و ریب وطن ہیں ہم لوگ
آپس میں بھی مول تول ہوتا ہے کہیں اس دلیں کے انمول رتن ہیں ہم لوگ
ان کا مشاہدہ کس قدر سچا ہے۔ وہ قوم کے زوال کا افسانہ بنا کر ہمتوں کو پست بنانا نہیں
چاہتے، بلکہ قدم قدم پر اس کی بیداری کے سامان فراہم کرتے ہیں۔ صحیح تشخیص کے بغیر علاج کا

تصور محال ہے۔

کس طرح بدل گیا یہ معیارِ حیات کیوں سرد ہوئی گرمی بازارِ حیات
جس قوم نے سر کی مہم کرب و بلا اس قوم میں ملتے نہیں ہیں آثارِ حیات
بھارت کی اکثریت کے سامنے جہم صاحب کی یہ آواز بڑے ہی خلوص کے ساتھ پیش
کرنے کی ضرورت ہے۔ اردو ادب کے لیے جہم صاحب کی ذات مستغنا میں سے ہے۔ ان کی
کوششیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ ایک وقت آئے گا کہ ان کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ سب کو
ہو جائے گا۔ ویسے وہ اپنی تاثیرِ شعر کے بارے میں مطمئن ہیں اور یہ استغنائی کیفیت ہم کو جہم
صاحب سے بہت قریب کر دیتی ہے۔

جب زیرِ زمین سلا کے آئے گا مجھے دو چار قدم میں بھول جائے گا مجھے
اس دن ترا حافظ ہے خدایا اسے دوست جب میرے کسی شعر میں پائے گا مجھے
جہم صاحب نے اردو زبان کی بڑی خدمت کی ہے۔ اس نقطہ نظر سے ان کے کلام کے
تفصیلی جائزے کا یہ موقع نہیں ہے۔ تاہم ان کی چند ایسی رباعیات کو پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں
جس سے اردو کے دامن میں وسعت و تجربے کی مثالیں سامنے آجاتی ہیں۔ ان رباعیات کو اردو اور
ہندی دونوں رسم الخط میں لکھا جاسکتا ہے اور دونوں زبانیں دعویٰ کریں گی کہ یہ میری زبان ہے۔

جب تک میری زباں میں گس ہے سُن لے جب تک بننے پہ تیرا بس ہے سُن لے
سنسار کو سکھ ملا ہے میرے دکھ سے میرے دکھ میں پریم رس ہے سُن لے

سنسار کی ریت ناپی جو کھی سمن مالا کا وہ پھیر وہ انوکھی سمن
ہم جانیں سکھی ہمارا سائیں جانے من کی سمن ہے سب سے چو کھی سمن

ست کی بنی بجائے جاؤ ساتھی سوتی دنیا جگائے جاؤ ساتھی
کتنا بھی ہو بوجھ بھار تھکنے کے نہیں سیوا کی ڈگر پہ گائے جاؤ ساتھی

مایا مائی ہے اور لونا ہے تو سنسار کی ہاٹ میں کھلونا ہے تو
سمجھا ہی نہیں آپ کو مورکھ لو بھی باہر بھیتر تمام سونا ہے تو
جسم صاحب کی ذات گراں مایہ بھی ایک کھلی کتاب کی طرح سامنے ہے۔ یہ آب و رنگ،
یہ روپ و نکھار صرف مطالعہ کی چیز نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ اور مطالبات بھی ہیں۔ وہ کیا ہیں یہ
میں نہیں بتاؤں گا۔ اگر آپ حساس ہیں، باشعور اور حق پرست ہیں تو آپ خود بخود ان آدرشوں کو
اپنائیں گے جنہیں جسم صاحب نے سلیقہ کے ساتھ اسرار و فاکار کی شکل میں آپ کے سامنے پیش
کیا ہے۔

سید معز الدین قادری المصلانی

حیدرآباد اپریل ۱۹۷۷ء



jabir.abbas@yahoo.com

قدرِ عریضی

تعارف نجم آفندی

شاعرِ اہلیت علامہ نجم آفندی کا تعارف کروانا اور ان کی ہمہ گیر و پہلو دار شخصیت کا مکمل جائزہ لینا، جو نئے شیر لانے سے کم نہیں۔ کرم کرنے والا کسی پر اس کی نمود سے کرم کرتا ہے تو کسی پر زمانہ طفولیت سے، کسی پر عالم شباب میں کرم کرتا ہے، تو کسی پر پیرانہ سالی میں۔ شعر و ادب کے میدان میں علامہ نجم کو ہماری ہی سے خالق کائنات کے کرم کا مرکز بن گئے۔ میر انیس کی طرح حضرت نجم کو بھی شاعری ورثے میں ملی۔ جس طرح میر انیس نے کہا تھا

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

پانچویں پشت ہے شہزاد کی مداحی میں

اس دشت کی سیاحی میں ان کے آبا و اجداد کی طویل عمریں بہت چکی ہیں۔ مرزا عاشق حسین بزم آفندی، حضرت نجم کے والد ماجد فن شعر میں اپنے دور کے مسلم الثبوت استاد تھے۔ مرزا عباس تلخ حضرت نجم کے جد اور مرزا نجف علی بلخ جد اعلیٰ تھے۔ علامہ نجم کے نانا مرزا آغا حسین آغا، صاحب دیوان اور قادر الکلام شاعر تھے جن کا شمار چونی کے اساتذہ میں ہوتا تھا۔ موصوف کے یہ دو شعر آج بھی زبان زدِ خاص و عام ہیں۔

کیوں دل جلوں کے لب پہ ہمیشہ فغاں نہ ہو

ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو

دیکھیں کہ کس طرح نہیں ہوتا انہیں اثر

لو آج نامہ لکھتے ہیں خونِ جگر سے ہم

انیس اور اس کی طرح تبلیغ اور تبلیغ بھی اپنے دور کے مایہ ناز مرثیہ نگار اور استاد فن گذرے ہیں۔ حضرت نجم اور ان کے آبا و اجداد کا وطن اکبر آباد (آگرہ) ہے۔ سرزمین آگرہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اردو شاعری کے وہ اساتذہ جن کا شمار انگلیوں پر کیا جاسکتا ہے، اسی خاک سے اٹھے۔ میر تقی میر کا مولد آگرہ ہے۔ نظیر اکبر آبادی آگرے ہی کی امانت ہیں۔ مرزا غالب بھی آگرے ہی میں پیدا ہوئے اور آٹھ سال کی عمر میں دلی آگئے۔ سیماب اکبر آبادی کا وطن بھی آگرہ ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ کئی مشاہیر زمانہ اور اکثر سیاسی قائدین بھی اسی خاک سے اٹھے۔ ابوالفضل اور فیضی کا وطن بھی آگرہ ہے۔ پنڈت موتی لعل نہرو آگرہ ہی میں پیدا ہوئے۔ آگرہ ہی میں دریائے جمنا کے کنارے ”آگر بند“ وہ تاریخی مقام ہے جہاں شری کرشن جی نے محبت کی ہنسی بھائی تھی اور گیتا کی تدوین کی۔ عجائبات عالم کا حسین ترین عجوبہ ”تاج محل“ جو سارے عالم میں حسن کا شکار مانا جاتا ہے، آگرے ہی میں ہے۔ ”آگر بند و تاج محل“ کی طرح آگرے کے شعراء، اوباء اور اہل علم و فن دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ اسی پس منظر میں ادبی دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت نجم کے مجموعہ رباعیات ”اسرار و افکار“ کو دنیا کے اردو ادب کا تاج محل کہا جائے۔ حضرت نجم کی شاعری کی عمر ہمارے بیشتر شعراء کی عمروں سے زائد ہے۔ انہوں نے کم و بیش چھ دہوں سے شعر و ادب اور زبان کی خدمت کے لیے خود کو وقف کر دیا ہے۔ نہ صرف حیدر آباد، بلکہ ہندو پاکستان میں حضرت نجم کے مرثیہ کا پختہ مشق و قادر الکلام شاعر کوئی نظر نہیں آتا۔ حضرت نجم کے شاگردوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے، جن میں کے اکثر خود بھی استاد ہیں۔ حضرت نجم کو ارباب علم و فن کی جانب سے شاعرِ اہلیت کا خطاب دیا گیا ہے۔ یہ وہ گرانقدر خطاب ہے جو عرب کے مشہور شاعر فرزدق کو حاصل تھا۔ بعض ناواقف حضرات، حضرت نجم کو صرف نوحہ نگار، سلام نگار یا مرثیہ نگار کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ چنانچہ مرحوم مخدوم محی الدین نے الیسترینڈ ویکی (Illustrated Weekly) میں چھپے شعراء کے ایک تعارفی مضمون میں علامہ نجم کا تعارف ایک مرثیہ نگار کی حیثیت سے کروایا ہے جو حقیقت سے بعید اور انصاف کے مغائر ہے۔ حضرت نجم نے جملہ اصنافِ سخن کو اپنے کلام سے مالا مال کیا ہے۔ غزل، نعت، منقبت، سلام، مثنوی، قصیدہ رباعی و قطعات کے مسلم الثبوت اساتذہ میں وہ

اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ کوئی صنفِ سخن ایسی نہیں جس میں حضرت جحیم کا کلام موجود نہ ہو۔ یہاں تک کہ آپ کے وسیع میدانِ شعر و فکر میں ترقی پسند شاعری بھی اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ نظم کی طرح آپ نے نشر کو بھی نوازا ہے۔ جس میں ناول، اخلاقی و مذہبی مضامین، تاریخ و تمدن سب ہی شامل ہیں۔ چنانچہ آپ کی ۲۷ کتابیں نظم و نثر کی منظر نام پر آچکی ہیں، اور عوام و خواص میں کافی مقبول بھی ہیں۔

حضرت جحیم نے اپنے زمانہ طالب علمی کے واقعات بیان کرتے ہوئے ایک صحبت میں بتایا کہ جب وہ مفید عام اسکول آگرہ کی چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے، ان کی لڑائی ایک ہم جماعت بندو ستاحی سے ہوئی۔ نوبت مار پیٹ تک پہنچ گئی۔ یہ قضیہ صدر مدرس تک پہنچا۔ دونوں اس بات پر اڑے رہے کہ پہلے تم نے مارا۔ اس بات کو سن کر صدر مدرس نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا کہ ”تم دونوں مل کر تیسرے کو کیوں نہیں مارتے“ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے حضرت جحیم نے کہا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے حریف نے اس جملہ کا کیا مفہوم سمجھا۔ مگر میرے دل پر وہ فقرہ نقش کا لہجہ ہو گیا اور فوراً میرے دل نے آواز دی کہ تیسرے سے مراد انگریز ہے جس کی غلامی کی صعوبتیں ہم برداشت کر رہے ہیں اور اس کو مار بھگانے کی حسرت نہیں کرتے۔ اس واقعہ سے جحیم صاحب کی طفولیت کی فراست، نکتہ دانی اور کمال شعور کا پتہ چلتا ہے۔ جب عقل کی پختگی کا زمانہ آیا تو جحیم صاحب نے ایک سوسائٹی قائم کی جس سے انگریز سامراج کے خلاف پروپیگنڈہ مقصود تھا۔ سوسائٹی کے اراکین کی شناخت کے لیے خاص نمونے کے نقروں کو چھپے بنائے گئے تھے۔ اور مخصوص اشارے بھی مقرر تھے تاکہ اراکین آپس میں بہ آسانی ایک دوسرے کی شناخت کر سکیں۔ اس سوسائٹی کا واحد مقصد انگریز سامراج کے خلاف ہندوستانیوں کو متحد کرنا تھا۔ اس سوسائٹی کے ایک سرگرم رکن حضرت جحیم کے خالہ زاد بھائی بھی تھے جو کچھ عرصہ بعد پولیس کے انسپکٹر بن گئے اور انہوں نے سوسائٹی سے نہ صرف قطع تعلق کر لیا بلکہ یہ بھی کہا کہ بلحاظ فرائض ملازمت وہ اس سوسائٹی کی اطلاع حکومت کو دے دیں گے۔ یہ سن کر تمام ممبر مستعفی ہو گئے اور جحیم صاحب تنہا اس کے رکن رہ گئے۔ ان واقعات سے حضرت جحیم کی جرأت و بے باکی اور احساسِ حب الوطنی کا

اظہار ہوتا ہے۔

حضرت نجم کی پختہ مشق کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہیں یادگار مومن و سیم، منشی امیر اللہ تسلیم کے ساتھ ایک مشاعرے میں کلام سنانے کا اتفاق ہوا۔ حضرت نجم نے اس مشاعرے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ اللہ جب اس زمانے کا خیال آتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں سو برس سے جی رہا ہوں۔ اس واقعہ کے تسلسل کو یوں شروع کیا کہ مشاعرے میں سامعین اور شعراء کی تعداد کافی تھی اور سب حضرت تسلیم کا انتظار کر رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد موصوف، جن کی عمر تھمنا ایک سو سال کی ہوگی اور شاگردوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے تشریف لائے اور مستند صدارت پر متمکن ہو گئے۔ اس مشاعرے میں اس دور کے اساتذہ کو مدعو کیا گیا تھا۔ کئی شعرا نے کلام سنایا۔ آخر میں حضرت تسلیم کی صدارتی غزل ان کے شاگرد نے سنانی کیونکہ بوجہ کبر سنی حضرت تسلیم کے اعضاء و زبان میں رعشہ تھا، اور وہ خود اپنا کلام نہیں سنا سکتے تھے۔ مشاعرے کے اختتام پر شعراء اور سامعین بیٹھے رہے اور سب کی یہ خواہش تھی کہ حضرت تسلیم اپنی زبان سے کم از کم دو شعر سنائیں، لیکن کسی میں جرأت نہ تھی کہ حضرت تسلیم سے ایسی خواہش کر سکیں۔ نجم صاحب نے فرمایا کہ حاضرین مشاعرہ، شعراء اور سامعین کی دلی خواہش کا جب مجھے اندازہ ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ آپ حضرات کو حضرت تسلیم کی زبان سے دو شعر میں سنوا دیتا ہوں۔ اس پر اکثروں نے مسکرا دیا اور بعض ہنس پڑے اور بعض اساتذہ نے فرمایا، میاں تم بچے ہو۔ بڑے بڑوں کا یہ حوصلہ نہیں۔ چپکے بیٹھے رہو۔ میں کہاں چپ ہونے والا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر حضرت تسلیم سے ادباً عرض کیا۔ قبلہ اکثر شعراء و سامعین آپ کی زبان مبارک سے صرف دو شعر سننا چاہتے ہیں اور میری بھی گزارش ہے۔ حضرت تسلیم میری اس درخواست اور دیدہ دلیری پر بہت حیران ہوئے۔ فرمایا میاں صاحبزادے تم کون ہو جو سب کی نیابت کر رہے ہو۔ میں نے جواباً عرض کیا میں نجم آفندی ہوں۔ ارشاد ہوا۔ کون نجم آفندی؟ میں نہیں سمجھا۔ میں نے عرض کیا۔ میں منیر شکوہ آبادی کا پوتا ہوں۔ یہ کہنا ہی تھا کہ حضرت تسلیم تڑپ اٹھے اور فرمایا۔ ضرور سناؤں گا ضرور سناؤں گا۔ منیر جیسے باکمال کے پوتے کی زبان خالی نہیں کی جاسکتی۔ یہ کہہ کر حضرت تسلیم نے کانپتی ہوئی آواز میں دو شعر پڑھے جنہیں حافظہ کمزور

ہو جانے پر بھی میں آج تک نہیں بھول سکا۔

نہ ہوا کم کسی تدبیر سے چکر میرا
جب تھکے پائے جنوں پھر نے لگا سر میرا
جواب باغ میں نرگس کی چشم سے نہ کرو
یہ دیکھنے کی ہیں آنکھیں نظر نہیں آتا

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت منشی منیر مرحوم حضرت نجم کے والد کے استاد بھی تھے اور حضرت نجم کی دادی کے رشتے کے بھائی بھی تھے۔ واقعہ صدر سے نجم صاحب کی بے باکی اور برجستگی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ نجم صاحب کی جوانی کا ایک اور واقعہ خود ان کی زبانی سنئے: ”کانپور میں میرے خالہ زاد بھائی کے مکان کے قریب حضرت ابو مظفر و تار کانپوری مقیم تھے۔ میرے خالہ زاد بھائی نے مجھے ان سے ملا دیا اور کہا کہ یہ میرا چھوٹا بھائی ہے اور شعر بھی کہتا ہے۔ حضرت کی خواہش پر میں نے غزل کا یہ مطلع پڑھا:

یہ سنتا ہوں لحد میں پیتا ہے استخواں کوئی
الہی خیر! کیا زیرِ زمیں ہے آسماں کوئی

مطلع سن کر فرمایا۔ خوب! اور پوری غزل سن کر فرمایا۔ میاں صاحبزادے یہ آپ کی غزل ہے؟ میں نے جواب دیا۔ جی ہاں! پوچھا۔ آپ کس کے شاگرد ہیں۔ میں نے کہا اپنے والد حضرت بزم آفندی کا۔ پوچھا وہ کس کے شاگرد ہیں۔ میں نے کہا۔ منشی سید اسماعیل حسینی منیر شکوہ آبادی کے..... بس تڑپ اٹھے اور بے ساختہ فرمایا کہ تم اس عمر میں اس سے بھی بہتر شعر کہہ سکتے ہو۔ ہمارا تمہارا سلسلہ تلمذ ایک ہی ہے۔ ہم عروج کے شاگرد ہیں اور عروج منیر کے۔ استاد بھائی حضرت ناسخ کے شاگرد تھے۔ اس واقعہ سے نجم صاحب کی شاعرانہ عظمت کا رخ تاباں صاف دکھائی دیتا ہے۔ حضرت نجم نے ایک اور واقعہ بائیس چوبیس سالہ عمر کا یوں بیان کیا کہ حضرت شوکت میرٹھی اپنے دور کے بہت بڑے اساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ موصوف بہت معمر اور نازک مزاج بھی تھے۔ حضرت شوکت کے دو صاحبزادے ندرت اور جدت تھے۔ میں ایک مرتبہ حضرت شوکت سے ملنے کی غرض سے ان کے مکان پر گیا۔ اور ان کے صاحبزادے ندرت

صاحب سے کہا کہ میں اکبر آباد، آگرہ سے آیا ہوں اور حضرت شوکت سے ملنا چاہتا ہوں۔ ندرت صاحب نے بگڑ کر کہا کہ وہ کسی سے نہیں ملتے۔ میں نے کہا کہ میں حضرت شوکت سے مل کر ہی لوٹوں گا۔ آپ ازراہ کرم حضرت سے یہ فرمادیجئے کہ میرے شکوہ آبادی کا پوتہ آپ سے ملنے حاضر ہوا ہے۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد حضرت شوکت اپنے دونوں صاحبزادوں کا سہارا لیے تشریف لے آئے۔ مجھ سے کلام سنا اور خود بھی کلام سنایا۔ اس واقعہ سے حضرت میر شکوہ آبادی کی عظمت و شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اس دور کے باکمال حضرات ایک دوسرے کی کس قدر، قدر و منزلت کیا کرتے تھے۔

ایک اور واقعہ بھی کافی اہمیت رکھتا ہے جس سے جگم صاحب کی حق گوئی اور وضعداری کے جوہر نمایاں ہوتے ہیں۔ راجہ غنفر علی خاں والی اسٹیٹ پنڈراول، مرزا دیر کے فرزند مرزا آج کے نہایت معتقد تھے۔ جو بھی شاعر راجہ صاحب سے ملتا، اس کو وہ مرزا آج کے شاگرد ہو جانے کی ہدایت کرتے اور جب شاعر مرزا آج کا شاگرد ہو جاتا تو ایک اشرفی دی جاتی تھی۔ جگم صاحب بھی، جب ان کی عمر پندرہ سال کی تھی، اپنے والد کے ہمراہ راجہ صاحب سے ملے۔ راجہ صاحب نے جگم صاحب کا کلام سنا اور کہا۔ تم بھی مرزا آج کے شاگرد ہو جاؤ۔ جگم صاحب نے بے ساختہ فرمایا صاحب! میرے گھر کی استادی ہے۔ میں کیوں کسی کا شاگرد بنوں۔ میرے جواب سے راجہ صاحب بے حد متاثر ہوئے اور مجھے بجائے ایک کے دو اشرفیاں عنایت فرمائیں۔ اس واقعہ سے حضرت جگم کی خودداری کی عکاسی ہوتی ہے..... ایک آل انڈیا مشاعرے کا حال بیان کرتے ہوئے جگم صاحب نے فرمایا کہ وہ غازی آباد (یوپی) کے کل بند مشاعرے کے بانی تھے جو چوبیس گھنٹے تک مسلسل جاری رہا۔ اس عظیم الشان مشاعرے میں ہندوستان کے مختلف مقامات کے تقریباً ۳۰ شعراء نے شرکت کی۔ اس مشاعرے کے تعلق سے جگم صاحب کے تاثرات ہیں کہ اس قدر کامیاب مشاعرہ آج تک ان کے دیکھنے میں نہیں آیا۔ مشاعرے کی طرح یہ تھی۔ الہی ترجمان دل نگاہ والپیس ہوتی۔ بڑی ہی معرکتہ آلا اور کامیاب غزلیں سننے میں آئیں۔ بقول حضرت جگم حسب ذیل تین شعر مشاعرے کی داد کا مرکز بنے رہے:

حضرت حافظ پبلی بھیتی کا یہ شعر

محبت کی نمائش کیا، نمائش کی محبت کیا
ریاکاروں میں ہوتی ہوگی رندوں میں نہیں ہوتی
ایک ڈپٹی کلنر صاحب کا یہ شعر، جن کا تخلص مجذوب تھا۔

وہاں ہوتے جہاں دو جگر کا آسمان ہوتا
وہاں بستے جہاں خاکستر دل کی زمیں ہوتی

یاس یگانہ چنگیزی کا یہ شعر

یہ آبِ آتشیں ہے اور یہ دریا خونِ ناحق کا
مگر نفسِ شقی کی پیاس میں تسکیں نہیں ہوتی

واقعات صدر سے جہم کی ادبی صلاحیتوں اور شعری محفلوں کے انعقاد اور احسن اہتمام کا
اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

اب میں شاعرِ اہلیت کے بارے میں اپنی ذاتی معلومات کو مختصراً پیش کرتا ہوں۔ جناب
کاظم علی باغ مرحوم کے پاس قطبی کوڑہ میں ہر ماہ طرچی مشاعرہ ہوا کرتا تھا، جس میں راقم پابندی
سے شریک ہوا کرتا تھا۔ جہم صاحب بھی کبھی کبھی شریک مشاعرہ ہوا کرتے تھے۔ موصوف کی
غزلیں پہلے پہل میں نے وہیں سنیں اور مسالوں میں جہم صاحب سے سلام بھی سننے کا اتفاق ہوا۔
۱۹۶۰ سال پیشتر حکیم آشفقہ صاحب مرحوم نے جہم صاحب کے والد حضرت بزم کے نام سے مجلس
بزم قائم کی، جس میں ہر ہفتہ طرچی مشاعرہ منعقد ہوا کرتا تھا۔ ان مشاعروں میں پابندی راقم
حضرات جہم آفندی، کمال شطاری، ناصر زید پوری، محمد حسین آزاد، سیف حموی، وامق بدایونی، تاج
قریشی، خاور نورانی، عزیم، سعادت نذیر، خورشید جنیدی، تاجم جعفری، شاہد حیدری، طاہر سابدی کے
علاوہ اور بھی شعراء شریک ہوا کرتے تھے۔ کبھی کبھی حضرات حیرت بدایونی، حمید الدین رضا، سعید
شہیدی بھی آجاتے تھے۔ اس ہفتہ وار بزم کی بدولت ایک دوسرے کو بہت قریب سے دیکھنے کا
اتفاق ہوا۔ اس زمانے سے جہم صاحب میں اور مجھ میں یگانگت بڑھتی گئی اور اب ادارہ قدر ادب
کی محافل دو بیتی کے سلسلہ میں ہم ایک جان دو قالب ہو گئے ہیں۔

مندرجہ واقعات وحقائق کی روشنی میں ہم بلاشبہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ علامہ نجم آفندی کو تمام اصنافِ سخن حمد، منقبت، سلام، غزل، نظم، قطعہ، رباعی، قصیدہ، مرثیہ، نوحہ میں ماہرانہ دستگاہ حاصل ہے۔

فن عروض میں جس کو میزان شعر کہا جاتا ہے، علامہ نجم کو قدرتِ کاملہ حاصل ہے۔ اسرار و افکار کے تعلق سے میری پُر خلوص دعا ہے کہ رب کریم اپنے کرم سے علامہ نجم آفندی کی رباعیات و قطعات سے قوم کو حقیقی فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا کرے۔ ہم کو عزم و عمل کی صلاحیتوں سے مالا مال کرتے ہوئے اتحاد و اتفاق کی روح قوم کے جسم میں بھر دے۔

حضرت نجم کو قریب سے دیکھنے کے بعد مجھے اس کا عینِ ایتقین ہے بلکہ حق ایتقین ہوا کہ حضرت نجم کو مبدئِ فیاض سے وہ شعور و احساس عطا ہوا ہے جو صرف بڑے فنکاروں کا حصہ ہے اور بڑے فنکاروں کا تعارفِ طوالت اور مضمون نگار کی صلاحیت کا طالب ہے۔

حضرت نجم کے اجداد نے ماشاء اللہ طویل عمریں پائی ہیں۔ چنانچہ حضرت بزم نے کافی طویل عمر میں رحلت فرمائی۔

میں بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ وہ حضرت نجم کو ان کے والد ماجد کی طرح تادیر علم و ادب کی خدمت کے لیے زندہ و سلامت رکھے۔ آمین

قدِ عرضی

۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء

باغ فریدوں جاہ، حسینی علم روڈ

حیدرآباد ۲



باب سوم

منتخب اشعار

عدد (1130)

کل اشعار

عدد (430)

تجم آفندی کے مقطعوں کا گلدستہ

منتخب اشعار

بہت میکش جہاں دو گھونٹ میں آپے سے باہر تھے کے معلوم ہے ہم نے وہاں آنکھوں سے پی کب تک

آج اردوئے معلیٰ کی اشاعت کے لیے یہ غنیمت ہے کہ جہم نکتہ داں باقی رہا

یہ بھی اک حادثہ اردو کی محبت کا ہے جہم کنج عزلت سے جو باہر نکل آیا ہوں میں

زبان شاعر کمال پہ ہو اگر اے جہم میری نظر میں تعلیٰ کوئی گناہ نہیں

غالب کی طرح معترف میر ہوں میں جہم فیضِ سخن سے جس کے غزل معتبر ہوئی

ہر بندہ اللہ کو اپنا سا نہ سمجھو ایسے بھی ہیں بیٹھے ہیں جو کونین سنبھالے

میں فکر خیر میں ہوں وہ شر کر چکا بہت دشمن بچے گا اب نہ میرے انتقام سے

مصیبت پر مری خوش ہونے والے بھی ہیں دنیا میں بُرا کیا ہے مرا غم دشمنوں کے کام آتا ہے

جو کہنا ہے کہو حق پر کبھی آنچ آ نہیں سکتی کوئی طاقت خلوص فکر کو جھٹلا نہیں سکتی

کیا پوچھتے ہو دیدہ پُرِ نَم کی منزلت بنتے ہیں جِہم دیدہ پُرِ نَم سے آدمی

دنیا سے لگا تھا دل تو بہت اٹھنا ہی پڑا محفل ہی تو ہے

انہیں بھی جِہم دیکھا ناصیہ سامیر کے در پر جواپنے زعم میں آگے ہیں کچھ غالب کی منزل سے

میں اپنے زعمِ بلندی میں مٹ گیا لیکن کبھی نشانہ احساسِ کمتری نہ بنا
ہر ایک در پہ نہ جا جِہم داد کی خاطر کمالِ شعر و سخن کو گداگری نہ بنا

میں خود ہوں مطمئن اے جِہم ادب کی خدمت سے جگہ نہ دے کہیں تاریخِ روزگار مجھے

یہ کسی نے بھی نہ دیکھا آگ پروانہ میں تھی یہ زمانہ دیکھتا ہے آگ میں پروانہ ہے
پرسشِ احوال پر جزِ شکر کچھ کہتے نہیں بوریے پر بھی مزاجِ اہل دل شاہانہ ہے

باطن میں مرادوست ہے ظاہر میں ہے دشمن کہہ دے جو مرے عیب مرے سامنے آگے

ہزاروں قہقہوں میں گم نہ ہو جائے صدا میری اکیلا کیا کروں انسانیت پر فوجِ گر ہو کر
نظر آئے ہمیشہ عیبِ اوروں کے ہنر اپنے نگاہوں نے دغادی عارفِ عیب و ہنر ہو کر
ہنرمندوں کا آپس میں حسد اے جِہم کیا معنی ہنر سے دشمنی رکھتے ہیں یہ ہل ہنر ہو کر

رندوں میں اور بڑھ گیا رحمت کا اعتبار واعظِ ترے بیانِ عذابِ خدا کے بعد
اک مشتِ خاک ہی سہی نسبت تو دیکھئے کونین میں مقامِ بشر ہے خدا کے بعد
کوشش تو جِہم دولتِ دنیا نے کی بہت بھولے سے بھی نعم نہ کہا میں نے لا کے بعد

خود ساختہ ملا کے پیرایہ حکمت نے پرورہ صحت کو بیمار بنا ڈالا
مذہب کے مسائل میں ڈالے ہیں وہ الجھاوے آسان شریعت کو دشوار بنا ڈالا

شریکِ حال تھی عہدِ خزاں میں خود داری زباں پر بھی نہ افسانہ بہار آیا

تمہارے ذوقِ تکلم کا یہ تقاضا ہے تمہاری بزم میں ہر شخص بے زباں ہوتا
برا کہا مجھے دشمن نے خیریت گزری زبانِ دوست کا اک حرف بھی گراں ہوتا

ملا جو مہم کنیں ہم نے چشمِ پوشی کی ہنر جہاں نظر آیا بصدِ نظر دیکھا
مجھے انیس کی عظمت پہ رحم آیا جتم وہ رنگِ چہرہ یومِ انیس پر دیکھا

کوئی تدبیر کیجیے میں نہیں تقدیر کا قائل مری حالت پہ لفظوں میں ترس کھانے سے کیا ہوگا

عشقِ ایثار کا وہ نقطہ آخر ہے جہاں زندگی میں ہے فراقِ تن و جاں ہو جانا

رحم کے قائل ہے اس کا عالم بے چارگی کہہ دیا جس نے بہت کچھ اور سوچا کچھ نہ تھا
فطرتِ انساں پہ جب تک عشق تھا پرتو نکلن جوہرِ انسانیت کو جتمِ خطرہ کچھ نہ تھا

غورِ ظلم لرز جائے جس سے نکرا کے سکون و صبر کا وہ کوہِ سار پیدا کر

کس کو ہے خبر مرطے طے کتنے کئے ہیں اک قطرہ ناپیز نے تعمیرِ گہر تک

کوئی حسین کا ایثار جتم کیا سمجھے کسے ہے وسعتِ مفہومِ کربلا معلوم

فلسفہ منطق سیاست موعظہ حکمت حدیث
 علم و فن کی ہر بلندی پر نظر آئی غزل
 حمد و نعت و منقبت نوحہ قصیدہ مرثیہ
 کتنے عالم اپنے دامن میں اٹھا لائی غزل
 میر و غالب کی غزل ہے جہم و ثاقب کی غزل
 تجھ سے ارض تاج نے کی بزم آرائی غزل

رحمت نے گنہ گاروں کو خود حشر میں ڈھونڈا
 واعظ نے مجھے مار ہی ڈالا تھا ڈرا کے

شع و پنگ غنچہ و گل نغمہ نشاط
 اے بزمِ عیش کھیل یہ سب رات بھر کا ہے
 میرے سوا کسی کو نہیں میری معرفت
 چہ چا جگہ جگہ مرے عیب و ہنر کا ہے

نبض ہستی پر ہے صدیوں سے ہماری انگلیاں
 جب مرض میں ہوگی تبدیلی دوا بدلیں گے ہم
 یہ خیال خام ہے کس کم نظر کج فہم کا
 مسند شاہی سے اپنا بوریا بدلیں گے ہم

بدلا ہے جہم کیا معیار شعر فہمی
 جب سطح شاعری سے نغے نے سر ابھارا

مسخ ہوتے ہیں ارادے بارہا
 کوئی شاید کار فرما اور ہے

سفر تھا کون سا ایسا جو بے تھک نہ ہوا
 بہت بڑا مجھے کرنا ہے اک سفر اے دوست
 رہے گا پوری طرح کامیاب شک نہ ہوا
 اسی کے واسطے سامان آج تک نہ ہوا

آج کچھ اور ہیں تیور مرے دردِ دل کے
 عزمِ محکم ہو تو گر گر کے سنبھلتا ہے بشر
 عرض کرنا ہے تو کر آج کچھ ارشاد نہ کر
 راہِ تدبیر میں اندیشہ افتاد نہ کر
 ایک دن ایک گھڑی ایک نفس کی مہلت
 غمِ دنیا سے جو مل جائے تو برباد نہ کر

درِ زنداں سے بھی دنیا کو سبق دیتے ہیں
دوش پر ہم نے اٹھا رکھا ہے کونین کا بار
نہ محبت کے نہ دولت کے طلب گار ہیں ہم
ہر فضا میں ہمیں رہنا ہے نمایاں ہو کر
ہم نے دنیا سے بگاڑی ہے بہت حق کے لیے
فکر آزاد ہے جس کی وہ گرفتار ہیں ہم
کون کہتا ہے زمانے کے لیے بار ہیں ہم
کم سے کم عزتِ انساں کے تو حقدار ہیں ہم
آج سردار نہیں ہیں تو سرِ دار ہیں ہم
حرفِ حق ہے جو بغاوت تو گناہ گار ہیں ہم

ہستی کوئی ایسی بھی ہے انساں کے سوا اور
منبر سے بہت فصل ہے میدانِ عمل کا
یہ دور جو اے جہم ہے اردو کا مخالف
مذہب کا خدا اور ہے مطلب کا خدا اور
تقریر کے مرد اور ہیں مردانِ ونا اور
اس دور میں اردو کی ہوئی نشو و نما اور

ستمِ شعاروں کے ہاتھوں ہزاروں ظلم ہے
فرشتے رہ گئے خاموش فرطِ حیرت ہے
خیال میں بھی نہ احساس انتقام آیا
وہ راہِ عشق میں انساں کا مقام آیا

مارا ہے کس کے داؤں سے دنیا سے کیا کہوں
میں دوست سے قریب تھا دشمن سے دور تھا

زادہ ایراں ہے تو پروردہ ہندوستان
جہم میرے ہم وطن ہیں غالب و میر و نظیر
یہ دو عالم ماننے ہیں تیری یکتائی غزل
کیوں نہ کرتی میرے در پہ ناسیہ سائی غزل

جہم صاحب کو راستہ دینا
مذہب عشق کے امام آئے

میرے لئے آرام کہاں
مسجد کا امام ہوں نہ منبر کا خطیب

بزمِ انساں میں کہاں سادگی قول و عمل
اک ذرہ نہیں محفوظ اداکاری سے

وہاں تک دین کے ساتھی ہزاروں جہاں تک ہاتھ سے دنیا نہ جائے

عیش کیا سخت سزا دیتا ہے مقصدِ زیست بھلا دیتا ہے
عمر بھر پرورش فکر و نظر ہوتی ہے زندگی پھر بھی اندھیرے میں بسر ہوتی ہے

نہ کس طرح تری رحمت کا آسرا کرتے اگر گناہ نہ کرتے تو اور کیا کرتے
زہے جلال کے شاہوں کو دستِ قدرت نے کیا لحاظ نہ ہم صورتِ گدا کرتے
جو دوستوں پہ بھی چھپ چھپ کے وار کرتے ہیں بھلا وہ کیا کسی دشمن کا سامنا کرتے
بھلے رہے وہ زمانے کے ہم نوا ہو کر خدا کی راہ میں کس کس سے دل بُرا کرتے

فکرِ عصیاں میں گرفتار ہوں پہ فکر بھی ہے میرے اللہ نہ ہو دیکھنے والا کوئی
فطرتِ عشق جو دے ساتھ تو آسکتا ہے ساری دنیا کے مقابلِ تنہا کوئی
سایہ حق میں بھی مل جاتی ہے ناحق کو پناہ کبھی چھپ جاتا ہے پٹوں میں بھی جھونکا کوئی

دشمنی میرا کیا بگاڑے گی دوست بن کر مجھے تباہ کریں

اپنے اپنے بنائے ہیں خدا ہر پرستش میں خود پرستی ہے

عشق کے تصدق انسان بن گیا ہوں زیرِ قدم فرشتے آنکھیں بچھا رہے ہیں

طاقتیں مسّلم ہیں علم و عقل کی لیکن عشق کو تعلق کیا ان پناہ گاہوں سے
جبر کا شکنجہ تھی میری ناتواں گردن موت نے چھڑایا ہے زندگی کی بانہوں سے
فرش پر ہے تخت اس کا عرش پر دماغ اپنا کیا غریب رہتے ہیں دب کے بادشاہوں سے

غزل کو میں نے متانت کی آہ و بھشی غزل کے چہرے پہ ہے میرے التفات کا نور
کیے ہیں شمع غزل سے وہ داغ دل روشن بنا ہے جن کی تجلّی میں مُلک کا دستور

چاندنی میں تم ذرا گھر سے نکل کر دیکھتے تیرے عاشق اور اک میلی سی چادر دیکھتے

جہاں عشق میں جس کو کبھی زوال نہ ہو کمالِ غم سے وہ نصبِ ایشوار پیدا کر

ہر جادۂ منزل میں ہے سجدے کی ادا اور معبد کی فضا اور ہے مقتل کی فضا اور
منبر سے بہت فعل ہے میدانِ عمل کا تقریر کے مرد اور ہیں مردانِ ونا اور

عشق ایثار کا وہ نقطۂ آخر ہے جہاں زندگی میں ہے فراقِ تن و جاں ہو جانا

میں اپنے زعمِ بلندی میں مٹ گیا لیکن کبھی نشانہ احساس کمتری نہ بنا

حق ناشناس مجھ سے ملائے نہیں نظر جس دن سے سامنا مری فکر و نظر کا ہے

آج کچھ اور ہیں تیور مرے دردِ دل کے عرض کرنا ہے تو گر آج کچھ ارشاد نہ کر

علی کنارِ نبیٰ میں نبیٰ ہیں کعبہ میں چمن میں گل ہے تو دامنِ گلستاں میں بہار
سنور رہی تھی یہاں جب کہ عنصری دنیا میں اپنی نور کی دنیا سے دیکھتا تھا بہار
پڑھا دیا جسے دو حرفِ عقلِ کل ٹھہرا بڑھا دیا جسے سدرہ کا کر دیا مختار
گھٹا دیا جسے ابھرا نہ پھر قیامت تک بتوں نے خانہ کعبہ میں پھر نہ پایا بار

سرفروشان وفا کی تھیں نگاہیں دیدنی
ایسے بے پروا کہ جیسے سر ہی شانوں پہ نہیں
شع لے کر روئے اکبر دیکھنے بیٹھی تھی ماں
اٹھ گیا تھا کون سا پردا شب عاشور کو
جنگ پر جب فیصلہ ٹھہرا شب عاشور کو
صبح محشر تک ٹھہرنا تھا شب عاشور کو

سر اُس طرف حسین کا نیزے پہ جلوہ گر
مغرب میں آفتاب ادھر ڈوبتا ہوا

اُس دن سے آج تک یہ حکومت کا زور ہے
ہر سمت یا حسین کا دنیا میں شور ہے

حد ادب پہ صبح قیامت رُکی ہوئی
قدموں پہ عرش و فرش کی گردن جھکی ہوئی

کیا جانے کیسے ارض و سما تھے ملے ہوئے
اللہ ایک دن میں یہ سب معرکے ہوئے

یہ ضعف اور یہ لاشہ جوان بیٹے کا
یہ تیرے دوش پہ کوہ وقار کیا کہنا

تیرہ سو برس سے چہچہ ہیں ان جیوت مرنے والوں کے
ترپے نہیں نجر کے تلے دنیا کو ترپتا چھوڑ گئے

سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسین کی گاڑھی کمائی ہے

موت کو بھی دو قدم ہٹنا پڑا
زندگی میدان میں جب ڈٹ گئی

عزم محکم ہو تو گر گر کے سنبھلتا ہے بشر
راہ تدبیر میں اندیشہ افتاد نہ کر

انہیں پھیلے ہوئے ہاتھوں کو سرگرم عمل کر دو
اندھیرے میں خط تقدیر پر دھوانے سے کیا ہوگا

بشر وہ کیا ہے اگر چاند تک پہنچ نہ سکے زمیں پہ جس کے لئے چاندنی اتر آئی

سب نے اپنے اپنے مقصد کے ہمارے ہیں چاند اپنی اپنی حد میں سب نے چاند تک پرواز کی

دیکھ اے واعظ مرا عرشِ سخن میں ترے منبر پہ جا کر کیا کروں

واعظ کو مبارک درِ توبہ کا سہارا یارب مجھے دنیا سے گناہ گار اٹھالے

دے رہے تھے بے عمل درسِ عمل ہم بھی سب سُن کر سمجھ کر رہ گئے

ایک دن ایک گھڑی ایک نفس کی مہلت غم دنیا سے جو مل جائے تو برباد نہ کر

خبر کیا خانہ بربادوں کی تم کو خدائی ہے خداوندی ہے گھر میں
شبِ غم رنگ لائی جاتے جاتے لگادی آگ دامنِ سحر میں
اہل آنے سے پہلے کچھ نہ سمجھے بہت کچھ تھا حیاتِ مختصر میں

کب تک رہیں گے آخرِ شام و سحر کے شکوے تو جیسے چاہتا ہے شام و سحر بنالے
ہر عیب سے بے مشکل دامن بچالے چلنا جس عیب کی ہوس ہو اس کو ہنر بنالے
پھر دو جہاں بھی تیرے کون و مکاں بھی تیرے اپنی نظر کو بالکل اپنی نظر بنالے

بُرے بھلے میں کوئی خاک امتیاز کرے وہ پیر بن ہوں جو یوسف کو کھوکھو کے ناز کرے
نہ اقتدار دو روزہ پہ کوئی ناز کرے کسے خبر ہے وہ کل کس کو سرفراز کرے
جو سوچتا ہوں وہ دنیا سے کہہ نہیں سکتا خدا کسی کو نہ یوں مبتلائے راز کرے

سکونِ دل سے تمنا ہے ایک سجدہ کی خدا نصیب اگر فرصتِ نماز کرے

ماگی ہے ان سے موت نہ ماگی تھی زندگی دامن کبھی یہ دامنِ سائل نہیں رہا
میں نے لیا ہے قوتِ بازو سے اپنا حق شرمندہ نوازشِ باطل نہیں رہا

تیزگامی پر نہ جا اے رہنمائے کارواں ایسے کتنے کارواں آگے بڑھے اور تھم رہے
نقشِ آب و گل کی ایسی خود سری اچھی نہیں سرکشِ نافہم گردن میں ذرا سا خم رہے

میں یہ کہتا ہوں کہ محفلِ پیرے ساتھ اٹھ جائے گی یہ نہ کہیے تجھ کو محفل سے اٹھ سکتا ہوں میں
مجھ کو واعظِ رشک مسجد کی امامت پر ہو کیا؟ جب نمازِ عشقِ مقل میں پڑھا سکتا ہوں میں
غم کی تاریک راتیں اور تسلی کا پیام شمع کی زحمت نہ کیجیے دل جدا سکتا ہوں میں

نظر والو حقیر و ناتواں ہم ہیں مگر ایسے کہ آج اتنی بڑی دنیا کی نظروں میں کھکتے ہیں
فرشتے گرد بھی ان منزلوں کی پا نہیں سکتے جہاں ہم خاکسارانِ ازل دامن جھکتے ہیں
سراپا جرم ہو کر بھی میں بندہ ہوں وہ خالق ہے کہیں اس طرح کے مضبوط رشتے ٹوٹ سکتے ہیں
کریں کیا بندگانِ وقت حق کہتے جھکتے ہیں گلے میں لفظِ اظہارِ حقیقت کے اکتے ہیں

میں فکرِ خیر میں ہوں وہ شر کر چکا بہت دشمن بچے گا اب نہ مرے انتقام سے

جن کی ہشیاری کے دنیا میں نشانے تھے بہت وہ بھی مارے گئے خود اپنی ہی ہشیاری سے
بزمِ انساں میں کہاں سادگیِ قول و عمل ایک ذرہ نہیں محفوظ ادا کاری سے

تابوت و شامیانہ و قبر و چراغ و گل اللہ آج بھی سرو ساماں سے کام ہے

ہر بندۂ اللہ کو اپنا سا نہ سمجھو ایسے بھی ہیں بیٹھے ہیں جو کونین سنبھالے

یہ کسی نے بھی نہ دیکھا آگ پروانے میں تھی یہ زمانہ دیکھتا تھا آگ میں پروانہ ہے
ساری دنیا اک فریب جلوۂ جانا نہ ہے یہ حرم ہے دور سے نزدیک سے بت خانہ ہے
کچھ ہوا دے دیں اگر بیرون در کی کوششیں گھر جلانے کے لیے حاضر چراغ خانہ ہے

اندازۂ محفل تو مجھے دور سے بھی تھا کچھ اور بھرم کھول دیا پاس بٹھا کے
باطن میں مرا دوست ہے ظاہر میں ہے دشمن کہہ دے جو مرے عیب مرے سامنے آ کے

شع و پتنگ غنچہ و گل نغمۂ نشاط اے بزمِ عیش کھیل یہ سب رات بھر کا ہے

یہ خیال خام ہے کس کم نظر کج فہم کا مسند شاہی سے اپنا بوریا بدلیں گے ہم

میں حریمِ ناز میں در آگیا پردۂ کونین سرکاتا ہوا
جھم کیا رو کے گی یہ دنیا مجھے میں نکل جاؤں گا ٹھکراتا ہوا

مری نظروں میں کتنے حادثے آئے تبسم کے بچائی اور سمیٹی چاند لے جب چاندنی اپنی
زہے قسمت اسی کے ہاتھ سے مارے گئے آخر چھپا رکھی تھی جس نے دوقی میں دشمنی اپنی

نہ جسے نظر نے دیکھا نہ جسے خرد نے جانا یہ جلال و جبر دیکھو اسے مان لے زمانا
مجھے اس روش سے دنیا کی بڑا سکوں ملا ہے مرے غم کو غم نہ سمجھا مرے دل کو دل نہ جانا
میں گزرتو کر رہا ہوں ابھی درگزر سے لیکن مرا ہاتھ ہوگا کاری جو پڑے گا ہاتھ اٹھانا

زبانِ دانِ محبت ہی نہیں تم تمہیں کیا قدر ہو اُردو زبان کی

ہر اک کی لغزشیں دیکھیں ہر اک کو ٹوک دیا مری نگاہ تھی اور مجھ کو دیکھتی نہ رہی
صلہ کچھ اس کے سوا جہم کو نہیں منظور اگر ذریعہٴ عزت یہ شاعری نہ رہی

ہر اک زبان پہ چرچا ہے سرفروشوں کا اہل کے سائے میں کیا زندگی نکھر آئی
کچھ ایسے خاک نشین اہل دل بھی گزرے ہیں اہل بھی آئی سرہانے تو پوچھ کر آئی
یہ دور وہ ہے کہیں سے جواب تک نہ ملا ہر ایک در پہ محبت سلام کر آئی

زندہ دلوں نے بار بار حریفانہ سے دی نجات یہ نہ سنبھالتے اگر ڈوب گئی تھی کائنات

یقین ہے کہ ستارے جگہ سے ہٹ جاتے قدم جو ہم بھی اٹھاتے تو راستا ملتا
حیات و علم و نشاط و صلاح و دانش و مرگ بشر کو اور لباسِ بشر میں کیا ملتا

ایسے ایسے بھی ہیں مردِ اعتبار کھو دیا ظاہر کو باطن کے لئے
جہم دنیا میں بہت سے کام ہیں آدمی درکار ہے جن کے لئے

میں شبِ غم کے طلائم میں اکیلا ہوں مگر آس ہے اک جانی پیچنی ہوئی آواز کی

رحمت کا اعتبار بھی جاتا ہے ہاتھ سے اب کرچکے گناہ تو پروا نہ کیجیے
منہوم زندگی ہے محبت کا ایک دن دو دن کی زندگی پہ بھروسہ نہ کیجیے

آسانیوں کے دور کا حاصل نہ پوچھیے سب کچھ ہے صرف حوصلہ دل نہیں رہا

میرے لبو سے میرا چمن لالہ زار ہے کیا اس سے بڑھ کے اور دلیل بہار ہے
ہم اعتبارِ وقت کی حد سے گزر چکے اب وہ ہیں ان کا وقت ہے اور اعتبار ہے
میں فرشِ میکدہ پہ بھی ہوں مثلِ بوئے گل واعظِ غریب مسند و منبر پہ بار ہے
کچھ کر لیا اسی نے جو یہ سوچ کر اٹھا میری ہے جیت سارے زمانے کی بار ہے

تم خود ہی دیکھ لو گے غمِ زندگی میں ہم ڈوبے ہوئے سے ہیں کہ ڈوبے ہوئے سے ہیں

حقیقتوں کی کسی وقت بھی کمی نہ رہی قصورِ فکر و نظر ہے جو تشنگی نہ رہی
پڑا رہا ہے عداوت پہ عمر بھر پردا مگر نگاہِ محبت کبھی چھپی نہ رہی
کہاں وہ عہدِ گزشتہ کی دوستی اے دوست وہ دشمنی کی شرافت وہ دوستی نہ رہی

دانہ گندم سے ہیں محروم آج پھانکتے تھے کل جو موتی کوٹ کر

دنیا بنا کے لے گا کیا دورِ زندگی میں میں دل بنا رہا ہوں تو دل میں گھر بنالے
کچھ آسمان سے بھی ہے اونچا میرا تخیل تو زیرِ آسمان کچھ دیوار و در بنالے

حجم بہتر ہے تصنع کی دل آویزی سے تلخ لہجہ میں حقیقت کا بیاں ہو جانا

کوئی حسین کا ایثار حجم کیا سمجھے کسے ہے وسعتِ مفہوم کہ بلا معلوم

حجمِ فطرت سے مری ولولہ شعرو ادب میرے ایک ایک نفس میں ہے غزل خواں کوئی

بدلا ہے حجم کیسا معیارِ شعرِ فنی جب سطحِ شاعری سے نغمہ نے سر ابھارا

ناز تسبیح و مصلّا اور ہے زہرِ خنجر ہو جو سجدا اور ہے
سہارا جہم جس کو ہم نہ دیں وہ زور و طاقت کیا وہ مجلس کیا ہے جس مجلس میں رہ جائے کی اپنی
ہماری فکر کا اندازہ دیکھ کر اے جہم فلک سے کیا یہ غزل کی زمیں اُتر آئی
محتاج شرح جو ہو وہ جہم شاعری کیا ہر شعر پر یہ قدغن دنیائے راز ہو جا
اے جہم کتنے اہلِ سخن نے میرے سخن کے چہرے اتارے
مرے منہ سے جھڑتے رہے پھول جہم زباں شاخِ گل سی لچکتی رہی
جہم کتنے ہوں گے عرقی کی طرح نشتر و لا و نعم سجھے ہوئے
کیا ڈھونڈتی ہے جہم نگاہِ سخن شناس ہم اپنے کتبِ شعر میں کھوئے ہوئے سے ہیں
جہم خدا سے آج تک راست معاملات نہیں بندہ در اسی کا ہوں جس نے مجھے جگا دیا
جہم ہر شعر میں ترنم ہے آج شاعر ہے نے نواز ان کا
یوں تو سو بہانے ہیں جہم کچھ نہ کرنے کے قصد ہے تو کر ڈالو آج کل اور اب تب کیا
کسی کو جہم خوشی ہو تمہارے غم سے اگر دعا کرو کہ خدا عمرِ غم دراز کرے

آپ دو آنسو بھی اپنے جہم پی سکتے نہیں پینے والا ڈگڈگا کر زہر بھی پی جائے ہے

کبھی جہم طوفاں اٹھانا بھی ہے کہاں تک یہ آنسو پے جائے

جہم مغرب کی فضا بھی کانپ جاتی ہے کبھی گوشہ مشرق سے وہ پیغام پہنچاتا ہوں میں

جہم تقدیر کی گردش سے میں دبے کا نہیں پست ہمت نہ کرے وقت کی افتاد مجھے

تخلیق کائنات کا عنوان دیکھنا اے جہم ابتداءً محبت کہاں سے ہے
جہم کے سخن میں اب درد ہے قیامت کا پہلے لعل اُگاتا تھا خون اب اگلتا ہے

یہ تو جہم آپ کی ہی ہے وہ دوام شعر کوئی مرے دل پہ چوٹ لگتی ہے صلائے نکتہ داں سے

جہم افراط محبت نے مجھ گم کر دیا میں نے آنکھیں بند کر لیں شدت غم دیکھ کر

اے جہم میں پتلا ہوں رنگ اور تلون کا کس رنگ میں لکھے گی دنیا مرا انسانہ

جہم یہ خندہ جبینی ہر بلائے عشق پر کس تبسم کا خزانہ میرے آب و گل میں ہے

محبت ہے کیوں جہم ہندوستان سے چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

بزم سخن میں آگئے جہم خودی کو چھوڑ کر بن گئے کب سے آدمی زحمت جنوں اتار کے

جتم ہم موحد ہیں ہم پہ کیا اثر ہوتا بے شمار بدلے ہیں رنگ روپ دنیا نے

حقائق ہی رہیں گے جتم میری سعی کا حاصل خیال و خواب میں فکرِ سخن الجھا نہیں سکتی

سوتے سوتے جاگ اٹھی کیفیتِ شعر و سخن جس کسی محفل میں پہنچے جتم ہم ہی ہم رہے

ہم نے منزلت دی ہے جتم نظمِ اردو کو ہر زمین پر ہم نے آسماں اتارا ہے
میں پھیلاتا ہوں نور اے جتم اپنے کچھ عزت سے زمینِ شعر میرے دم قدم سے آسانی ہے

وہ کون ہے اے جتم جو بیخانہ میں آکر ساغر میرے آگے سے حریفانہ اٹھالے

شکستہ پا ہو جب اے جتم یہ ذوق سفر کیا دلیلِ کارواں ہونا تھا گردِ کارواں کیوں ہو

یہ نازِ حُسن مری عاشقی کے دم سے تھے تمھارے دل میں ہوں بولو زباں پہ آؤں کیا

نام تو ساتھ نہ جائے گا خدا حافظ ہے ایک رہ جائے گی دنیا میں امانت میری

شوق کی آگ رُکے گی نہ دبے گی اے دوست اُڑ کے پہنچے گی یہ پروانوں سے پروانوں میں
مدفونوں پر جو شہیدانِ محبت کے ملی مسجدوں میں ہے وہ رونق نہ صنم خانوں میں

پہلو میں برائے نام ہے دل اب درد کا دل میں نام نہیں مومن ہیں مگر ایمان نہیں مسلم ہیں مگر اسلام نہیں

کہیں خود بھی بدلتا ہے زمانہ زبردستی اگر بدلا نہ جائے

وہاں تک دین کے ساتھی ہزاروں جہاں تک ہاتھ سے دنیا نہ جائے

اب اتنی تو ہمت کیے جائے اہل آئے تک ہی جئے جائے

مرا نور دل دیکھ لے گا زمانہ گر جتے برستے شرر دے رہا ہوں

دل کی وسعت اور ہے محفل کی وسعت اور ہے ظلم ہوتا ہے کسی پر یاد آجاتا ہوں میں
کوئی خوش خوش جب نظر آتا ہے قید و بند میں دیکھ کر خود اپنی آزادی کو شرماتا ہوں میں
میری پستی پر نظر کر اپنی ہستی دیکھ کر اے خدائے آب و گل انساں کہلاتا ہوں میں

سخت جانی سے ہے میری اسی دنیا کو گلہ اسی دنیا نے کیا موم سے فواد مجھے
عرض کرتے ہوئے گزرا ہے زمانہ بے سود دی ہے احساس نے اب ہمت ارشاد مجھے
اپنی ہمت کے مطابق ہے ہر انسان کی فکر کوئی ناشاد سمجھتا ہے کوئی شاد مجھے

اعلانِ غریت کا اب اُردو زباں سے ہے پوچھے تو کوئی یہ لب و لہجہ کہاں سے ہے
طفلی میں بے خرد تھا جوانی میں بے حواس میں کیا کہوں گناہ کی منزل کہاں سے ہے
ایک وجہ تسکین ہے طاعت و اطاعت کیا حق ادا نہیں ہوتا حوصلہ نکلتا ہے

سختیاں کرتی گئیں نزدیک مقصد سے مجھے مشکلوں میں دن بہ دن آسانیاں دیکھا کیا

میں جہانِ غم میں رہ کر ہوں الگ غم جہاں سے نہ شریک کارواں ہوں نہ جدا ہوں کارواں سے
انہیں آج سانس لینا بھی ہوا قفس میں مشکل جو ہوا میں پھر رہے تھے کبھی سیرِ آشیاں سے

بجھ چلا تھا دل مرا زادِ سفر کم دیکھ کر
کیا تسلی ہو گئی سرمایہٴ غم دیکھ کر

اک شعلہٴ فانی پر مٹ جائے گا پروانہ
انجام سے غافل ہے آغاز کا دیوانہ
ترتیبِ عناصر میں فرق آ ہی گیا اک دن
آخر یہ قفس رہتا کب تک مرا کاشانہ

اور بھی کوئی مذہب ہے سوا محبت کے
میرا ہے یہی مذہب پوچھتے ہو مذہب کیا

مجھ سے اٹھ سکتا نہیں احسانِ اربابِ کرم
پھول بھی پھینکے جو کوئی آگ ہو جانا ہوں میں

نیشن میرا رہنے دو چن میں آج اگر آئی
نیشن ہی پہ آئے گی چن پر آ نہیں سکتی
خوشی ہو یا ہو غم اک ٹھیس ہے دل کی لطافت پر
سمجھ میں ہر کس و ما کس کے یہ بات آ نہیں سکتی
ہمیشہ دل دکھائے گا خدا کی راہ میں واعظ
یہ رندوں کو بُرا کہنے کی عادت جا نہیں سکتی

جسے وہ یاد فرمائیں کہیں رکتا ہے رو کے سے
زمانہ دیکھتا رہتا ہے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں
ہماری سمت جب اٹھتی ہے تنقیدی نظر کوئی
ہم اپنا زیب ان کا تذکرہ کر کے چھپاتے ہیں

ہم تو ہندوستان والے ہیں کاش ہندوستان ہمارا ہو

جو کہنا ہے کہو حق پر کبھی آج آ نہیں سکتی
کوئی طاقت خلوصِ فکر کو جھٹلا نہیں سکتی

بے نیازی اس قدر کس کام کی
بھولے بھٹکے حال پوچھا کیجیے

سحر آتی ہے جب نزدیک تارے جھللاتے ہیں
یہ ظالم آخری لمحوں پہ اپنے مسکراتے ہیں

خودی ہے بخودی ہے بندگی ہے کفر ہے کیا
کوئی آساں نہ تھا اظہارِ درد و مدعا کرنا
دوا بھی چھوڑ دی میں نے دعا بھی چھوڑ دی میں نے
بڑی مشکل سے کی الفاظ کی صورت گری میں نے

قلق ہے اشکِ ندامت میں ڈوب جانے کا
نیازِ عشق کجا اور نمازِ خوف کجا
بہت بلند ہے ہستی مری مگر اے حجم
ملا نہ خون میں اپنے مزا نہانے کا
ادائے فرض میں ہے فرض سر جھکانے کا
میں ایک ذرہ ہوں ناسخ کے آستانے کا

خاک کے پتلوں پر ہستی ہے زمیں
آساں تک سر اٹھا کر رہ گئے

کیا ستم ہے آدمی راضی ہو اس تقدیر پر
ہم نے دیکھے ہیں یہ منظر زندگی کی دوز میں
دولت دنیا زیادہ آدمیت کم رہے
جو زیادہ سے زیادہ تھے وہ کم سے کم رہے

آج تک تو جیتا ہوں اپنے ہی سہارے پر
چاہتے ہیں یہ کہہ دوں آپ کا سہارا ہے

کسی دن آساں کو ہم بنالیں گے زمیں اپنی
زمیں ان کو مبارک جو زمیں کو آساں سمجھے

غم ہے بہت اے دوست خوشی کم ہے جہاں میں
جو کچھ بھی تری ہمتِ مردانہ اٹھالے

آمد و شد ہر نفس کی دے رہی ہے یہ پیام
حق کو آنا چاہیے باطل کو جانا چاہیے

عمر بھر پرورش فکر و نظر ہوتی ہے
زندگی پھر بھی اندھیرے میں بسر ہوتی ہے

درِ زنداں سے بھی دنیا کو سبق دیتے ہیں
فکر آزاد ہے جس کی وہ گرفتار ہیں ہم

ہر فضا میں ہمیں رہنا ہے نمایاں ہو کر
ہم نے دنیا سے بگاڑی ہے بہت حق کے لیے
آج سردار نہیں ہیں تو سرِ دار ہیں ہم
حرفِ حق ہے جو بغاوت تو گنہگار ہیں ہم

یہ گت بنا کے جاؤں میں کیا اُس کے سامنے
خدا کو میں نے بہ فیضانِ عشق مان لیا
تخلیق کائنات پہ جس کو غرور تھا
خرد زدوں کو دلائل میں سر کھپانا تھا

ہزاروں قہقہوں میں گم نہ ہو جائے صدا میری
دیا کرتا ہے انساں اپنے دل کو بھی فریب ایسا
نظر آئے ہمیشہ عیب و زور کے ہنر اپنے
ہنرمندوں کا آپس میں خداے جہم کیا معنی
اکیلا کیا کروں انسانیت پر فوجہ گر ہو کر
خبر سب کچھ ہے اور بیٹھے ہوئے ہو بے خبر ہو کر
نگاہوں نے دغادی عارفِ عیب و ہنر ہو کر
ہنر سے دشمنی رکھتے ہیں یہ ہل ہنر ہو کر

اک مشتِ خاک ہی سہی نسبت تو دیکھیے
کونین میں مقامِ بشر ہے خدا کے بعد

تمہارے ذوقِ تگم کا یہ تقاضا ہے
بُرا کہا مجھے دشمن نے خیریت گزری
تمہاری بزم میں ہر شخص بے زباں ہوتا
زبانِ دوست کا اک حرف بھی گراں ہوتا

رحم کے قابل ہے اس کا عالم بے چارگی
کہہ دیا جس نے بہت کچھ اور سوچا کچھ نہ تھا

اس بھری دنیا میں اک انساں نظر آتا نہیں
زعمِ کتنا بڑھ گیا انسان کہلانے کے بعد

گلہ ہو شکر ہو تقریر ہو کہ شعرِ جہم
یہ طول ٹھیک نہیں اختصار پیدا کر

کس کو خبر مرحلے طے کتنے کیے ہیں
اک قطرۂ ناچیز نے تعمیرِ گھر تک

کیوں اضافہ کر کے اٹھو جھم بزمِ شعر سے وقت کا مصرف کہیں تحصیل حاصل میں نہ ہو

خدا محفوظ رکھے خود پرستی خود نمائی سے ان آئینوں میں جو منہ دیکھ لے ہو جائے دیوانہ

زمین جب پاؤں سے نکلی تو ہم باز آگئے سر سے کہ ایسے وقتِ بد میں دوش پر بار گراں کیوں ہو

بہت ممنون ہوں احباب کی چشمِ عنایت کا مری کمزوریاں دیکھیں نظر اپنی طرف کم کی
لہو کے گھونٹ پی کر بھی کہیں سیری نہیں ہوتی بھاتی ہے کسی کی تشنگی اک بوندِ شبنم کی
اٹھا کر دہر سے رسمِ محبت اہل دنیا نے اضافہ علم و حکمت میں کیا انسانیت کم کی
عجب کیا شرک کا الزام آئے میرے سجدے پر محبت دل میں ہے اے جھم اک انسانِ اعظم کی

کہتی ہے جسے فکر و نظر نہجِ اہلِ اہلاد رندوں کی زباں میں ہے وہ میخانہِ علی کا
کعبہ میں ولادت ہوئی مسجد میں شہادت اللہ کا گھر بن گیا کا شانہِ علی کا

دیکھ کے انبا کا سست ہے بھسِ سخن مصحفِ معبود پر کوئی نہیں طعنہ زن
عائیتِ اہلِ انا تیری غذائے لطیف آئیے تطہیر کی شان ترا پیر بن

خالی ہیں جامِ نشہ نہ گھٹ جائے میکشو طاقِ ولا سے لاؤ صراحی اتار کے
بڑھ جائے گی کچھ اور بھی کعبہ کی آب و تاب آئیں گے جب قبائے امامت سنوار کے
اک دن یہ ہوں گے دوشِ پیہر پہ جلوہ گر کیوں لائے کوئی عرش سے کرسی اتار کے

رستی ہے لہو بن کر تہذیب کی مے ساقی دنیا کا تمدن ہے ٹوٹا ہوا پیانہ
شیر کے ماتم میں صاحب کی محبت میں روتا ہوا ناقل ہوں ہنستا ہوا دیوانہ

مدح میں ہے جن کی توحید و رسالت ہم زباں شاعری موقوف ان کی مدح پر ہو جائے گی

میں ہوں خلاقِ معانی تری مدحت کے طفیل دُر مضمون سے بھری رہتی ہے دل کی جھولی

میں جسے چاہوں بناؤں اُسے سلطانِ سخن میری تحویل میں ہے ملکِ سخن کی شاہی

پینے کو یہاں ملتی ہے اُس ہاتھ سے واعظ کونین کی طاعت سے گراں جس کی ہے ضربت

کبھی تو مدح اہلِ بیت میں بھی صرف کر واعظ جو طعن و طنز سے مل جائے تجھ کو وقتِ فرصت کا
تہذیبِ لاکھ ہو ہم پر تدارک کچھ نہیں ہوتا نمونہ دیکھ لیجیے آج اسلامی حکومت کا

جب ضرورت اک علی کی پھر ہوئی میدان میں چھ مہینے کا علی مردانہ وار آ ہی گیا

مدحت نہ کی علی کی گر آخری نفس تک یہ مرگِ شاعری ہے اور ضبطِ شاعرانہ
ہر شجرہٴ تصوف اس تک پہنچ رہا ہے لیکن کسی کسی نے یہ بات منصفانہ
مجرم ہوں میں غلو کا قصر اُن کو ہو مبارک ہے دینِ شیخ صاحب اب درسِ ناصحانہ
جب حق کا مسئلہ ہو ڈرتا نہیں کسی سے ورنہ میری روش ہے اکثر مصالحانہ

صحابہ میں یہ تیری منزلت از روئے حکمت تھی بقول بو علی محسوس میں معقول تھا کويا

خورشیدِ پٹ آیا دروازہٴ مغرب سے قانون بدلتا ہے ان کے لئے فطرت کا

نہ تھی تیری حکومت میں ہوا سرمایہ داری کی چراغِ عافیت روشن تھا ہر مزدور کے گھر میں

یہ مطلع نفیس ہے کہ زمزمہ ہے روح کا
دلوں میں بت لئے کرتے ہیں کعبہ کی نگہبانی
یہ طرز نو کی مدح بھی جہاں میں یادگار ہے
تمسخر کر رہے ہیں آذری پندار قدرت سے

علی کعبہ میں ہیں دربار ہے مشکل کشائی کا
مسلمانو چلو موقع ہے قسمت آزمائی کا

علی کی منقبت سے فکر بیگانہ رہی جس کی
تعب ہے جو اس کے مرتبہ کو دوست کم سمجھے
خدا جانے وہ حمد و نعت کا مفہوم کیا سمجھا
شب ہجرت جسے دشمن محمدؐ مصطفیٰ سمجھا

علی کہنا زباں سے کس قدر آسان ہے لیکن
دل انساں تصور کر نہیں سکتا جلالت کا

جمع تھے تا آئی و عرقی ظہیر و انوری
حافظ و سعدی نظامی فرحتی کل رات کو

لگائے پھرتے ہیں قرآن کو جو سینوں سے
اوب نواز نہ ہوتا جو باب علم نبیؐ
خدا سے ربط نہ ہوتا بغیر عترت کے
وہ کاش صرف موزن کے نکتہ داں ہوتے
یہ زور و شور زبان و بیاں کہاں ہوتے
اگر ہزار بھی قرآن درمیاں ہوتے

صف شکن مشکل کشا اہل قلم معمار قوم
عام منبر سے جدا ہے میٹھی منبر کی شان
اللہ اللہ بازوئے زور آزمائے بو تراب
دار پر ہوتی ہے تفسیر ولایے بو تراب

اب نزع کی ہے ساعت اور لب پہ یا علی ہے
مولاً کو جانتے ہیں پہچانتے نہیں ہیں
اب خاک مل گئی خاک در نجف میں
توحید کی ہے محفل بدنام فرقہ بندی
جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ حرف آخری ہے
آنکھوں کا دوش کیا ہے ذہنوں کی منطی ہے
وہ بندگی تھی اور یہ مفہوم بندگی ہے
قرآن کی سورتوں میں اخلاص کی کمی ہے

میخانہ نجف سے جنت میں پہنچتے ہیں کیا جرم ہے محبت جس کی سزا ملی ہے

بشر کو معرفت حاصل نہ ہوگی ذاتِ حیدر کی
علیٰ کو چھوڑ کر قرآن سے ہے ربط بے معنی
نمازیں وقت پر واجب ولا ہر وقت واجب ہے
نہ ہوتی منعم و مزدور کی دنیا میں آویزش
اسی باعث تو پھر کوئی ہوا پیدا نہ کعبہ میں
سمجھ لے آدمی کس طرح منزل آدمی گر کی
اٹھالے وہ ضرورت ہو جسے بے روح پیکر کی
عبادت ہے حقیقت میں ولا آل پیہر کی
جو ارضِ خم پہ دنیا بات سن لیتی پیہر کی
کہ بنی ہی نہیں تھی دوسری کوئی پیہر کی

تری مرضی پہ ہوا رحمت باری کا نزول
ہے ترے دودھ کی تاثیر یہ قومی تعمیر
آئے جبریل امیں عرش سے نہایت لے کر
دست و پاچوم کے عصمت نے لگائی مہندی
ہاشمی تیغوں کے سائے میں دھن گھر سے چلی
باپ کے گھر سے ملا بخشش امت کا جہیز
جادۂ سلح کے زہرِ حسنِ سبز قبا
اذن لے کر ترے کاشانہ میں قرآن اترا
اللہ اللہ ترے خونیں کفن و سبز قبا
یہ وہ رشتہ ہے جہاں بیچ میں تھی وحی خدا
چادر آبیہ تطہیر نے آنچل ڈالا
لافتا کا جو علی باندھ کے آئے سہرا
دھوئیں عالم نے کیا حدِ ادب پر مجرا
تو نے تخلیق کیا ولولہ کرب و بلا

ہر افق پر ہے تری حسنِ عمل کی روشنی
جراتِ مظلوم ہو یا ہمتِ مزدور ہو
تو ہی دنیا کے اندھیرے کا اجالا اے حسین
تو نے کھینچا تھا یہ مستقبل کا خاکا اے حسین

ہمد جہاں میں نور میں شامل نسب میں ایک
تعمیر قوم بت شکنی بخشش و عطا
ہر سانس میں ہو بوئے ولائے ابو تراب
کس طرح کوئی تجھ کو نبی سے جدا کہے
کونین کیوں نہ پھر تجھے دستِ خدا کہے
ابھرے جو نبضِ ڈوب کے یا مرتضیٰ کہے

ججھ سے ہے نام حریت ججھ سے نظام حریت تو ہے امام حریت حر تر ا ایک لشکری

معصوم کی آغوش میں معصوم کو لا کر دیا دولت خدا کے گھر کی تھی دامن نبی کا بھر دیا
نور رسالت سے ہوا نور امامت متحد اس اتحاد حسن نے قوموں کو یکجا کر دیا
زاد سپاہی فلسفی حاکم ولی شاعر ادیب کن مختلف اوصاف کا حق نے تجھے پیکر دیا
اب تک ہیں تیرے نام کے آفاق میں نعرے بلند قدرت نے جوش اسلام کا سب یا علی میں بھر دیا

ید اللہ و لسان اللہ و عین اللہ کو دیکھو حروفِ اولیں سے صاف ہوتا ہے علی پیدا

مدح گر سرمایہ داروں کا نہ شاہوں کا غلام ججم بے زری سہی شاعر ہے تیرا اے حسین

ہے ایک کیفیت میں رواں اپنا کارواں کیوں ججم منقبت کو نہ بانگ درا کہے

نگ ہے اس کا در غیر پہ سجدہ کرنا ججم اک آپ کی سرکار کا شاعر ہے حضور

نغمہ منقبت میں ججم بیچ ہے میرے سامنے حسن بیان فری زور کلام انورِ وحی

بکیف مدح ہوں غالب کا ہمنوا اے ججم کہ باعلی ولی مست و با خدا ہشیار

جوشِ ولا میں ججم میں چھوڑ گیا خود اپنا ساتھ حد مجھے روکتی رہی قوت اختیار کی

رہا محروم دودن بھی جو شغل مدح کوئی سے اُسے اے ججم میں اپنے گناہوں کی سزا سمجھا

نمازِ مدحت پڑھتا ہوں موذت کے مصلے پر دکھا دو حُجَم دنیا کو یہ رتبہ ہے سنخور کا
جگہ فرذوق و دُجَل کی حُجَم کو ملتی قریب طائرِ سدرہ کچھ آشیاں ہوتے
وہ زباں دانِ محبت ہے خدا کے فضل سے حُجَم کا ورثہ ہے اندازِ ثنائے بوتراب
حق یہ ہے کہ سرکارِ نوبت کے سوا حُجَم معیارِ فضیلت کوئی سمجھا نہ علی کا
فصلِ خالق سے مرے افکار میں اشعار میں فلسفہ ہے حُجَم غالب کا زبانِ میر ہے
مصائبِ سینکڑوں ہیں غم ہزاروں مشکلیں لاکھوں تمھارا حُجَم ہے تنہا امامِ جعفر صادق
کچھ دن سے تیری یاد کی محفل اُداس ہے اب چل بے گاہ حُجَم غزلِ خوال ترے بغیر
ہو جو بیگانہ روی سے یہ زمانہ ہے خلاف سب ترے علم میں ہے حُجَم کی آشفٹہ سری
میں حُجَم اپنا فریضہ جانتا ہوں یہ ثنا کوئی مرا مقصد نہیں اظہارِ اپنی قابلیت کا
پندرہ مارہ رجب کی حُجَم دعوت جب ملی اور کچھ دن زندگی کا اعتبار آہی گیا
ہم حُجَم چار روز کے مہمان ہیں مگر رہ جائیں گے یہ شعر و ادب کے تبرکات
رہاے حُجَم کیوں خالی صدارت بزمِ مدحت کی ہمارے بعد کوئی اور قسمت کا دُحی آئے

پڑھتا ہوں میں نمازِ ولا جس پہ رات دن منزل ہے آسمان سے بلند اُس حصیر کی

تفکیک ہوئی تنظیم ہوئی ترتیب ہوئی مکمل ہوئی کیوں ختم نہ ہو پیغامبری سرکارِ دو عالم صل علی

مئے حُب نبی کو واسطہ ہے میری فطرت سے وہ کوئی اور ہوں گے جن کو مل جاتی ہے قسمت سے نگاہ اہل ظاہر میں وہ اُمی تھا مگر ایسا کتابِ زیست میں اصلاح دی ہے دستِ قدرت سے

وہ اک نورِ مجسم تھا مگر اے ابنِ آدم سُن تری سیرت بنانے کو اٹھایا بارِ صورت کا

کیا کام کیا فکر نے مدحِ نبویٰ میں اور آگ لگا دی ہے مری تشنہ لبی میں آزاد ہوں میں وسعتِ عشقِ نبویٰ میں الجھے ہوئے ہیں تنگِ نظر بولہبی میں اک فیصلہ کن شان سے بھیجا ہے خدا نے قرآن بھی تلوار بھی ہے دستِ قویٰ میں نگوینی ہے علم اس کا جو کہلاتا ہے اُمی یہ بات نہ آئے گی کبھی ذہن غبی میں اے جہم میں ہوں شاعرِ دربارِ رسالت کیا شک ہے کسی کو مری تصویر کشی میں

خدا بھی ایک قرآن بھی قبلہ پیبرؐ بھی قیامت ہے کہ پھر ملات کا شیرازہ پریشاں ہے بھلا سکتے نہیں دل اُس کی تحریکِ اخوت کو چراغِ انسان کے احساس کا بے شک فراواں ہے ابھی دنیا کے ہر اک موڑ پر طاقتِ رجزِ خواں ہے دیا تھا اُس نے وہ درسِ مساواتِ رواداری کہ ہر اک قوم میں اب روحِ آزادی کی جولاں ہے

اُسے انسان کے اخلاق کی مکمل کرنی تھی علی آفاق میں پہلا شہر تھا اس کی محنت کا

آنکھیں تو بچا ہی رکھیں ہیں خاکسترِ دل کا فرش کرو ہے عرش بھی جن کے زیرِ قدم وہ فرشِ زمیں پر آتے ہیں

جب مدح پیہر گرنا ہوں وہ زور سخن بڑھ جاتا ہے
اے جہم سلامی دینے کو الفاظ کے لشکر آتے ہیں

قطرہ نے لیس جو تیری محبت میں کروٹیں
یہ نطق کا شرف یہ طہارت زبان کی
سلطان کج کلاہ مقابل نہ ہو سکے
صورت گیر ازل نے ترے اعتبار پر
بطنِ صدف میں کوہِ غلطاں بنا دیا
اک اک حدیثِ دوست کو قرآن بنا دیا
جس کو رئیسِ دواۓ عرفاں بنا دیا
اک مشہدِ خاک تھی جسے انساں بنا دیا

جہم مداح پیہر کی بلندی کو نہ پوچھ
میں سمجھا آدمی کا احسن تقویم ہو جانا
خاک پر بیٹھے تو سر عرش سے جا ملتا ہے
یہی صورت ہے جس پر حق کی صنعت ماز کرتی ہے

فضائے عرش میں اے جہم رہتا ہے دماغ اپنا
فرازِ عرش سے اترے ہیں یہ اشعار کیا کہنا

چار پشتوں سے مجھے حاصل ہے یہ عز و شرف
جہم فطرت ہے مری مدح و ثنائے مصطفیٰ

اگر انساں کو عرفانِ غم شہیر ہو جائے
اگر مثنائے فطرت خود نہ ہو کیونکر یہ ممکن ہے
شعورِ حریت دنیا میں عالم گیر ہو جائے
کسی کا موت کا غم اور عالم گیر ہو جائے

اللہ رے صداقت سادات کے لہو کی
کیسا بھرا پڑا ہے اجڑا ہوا گھرانہ

بندے جنہیں کلام ہے عترت کے باب میں
اقرارِ باللسان کر اے بندہ خدا
دل ہو نہ ہو زباں تو نصیری ضرور تھی
تحقیق کا جنون ہے فکرِ عمل نہیں
اصلاح دے رہے ہیں خدا کی کتاب میں
رکھتا ہے الفتِ شہِ مرداں حجاب میں
جب منہ کھلا کنندہ خیر کے باب میں
کیا ڈھونڈتے ہو کرب و بلا کی کتاب میں

بت لاکھ بھی توڑے کوئی حیدر نہیں ہوتا
یہ شان ہوئی ختم حسین ابن علی پر
ہم کود کے بچوں کو بھی کر دیتے ہیں شامل
آسان ہے قربانی و ایثار پہ تقریر
وہ دوش پیغمبرؐ تو میسر نہیں ہوتا
اب عشق کا سجدہ تہہ خنجر نہیں ہوتا
جب تاملہ قوت لشکر نہیں ہوتا
میدان عمل کچھ سر منبر نہیں ہوتا

پاؤں عابد کا نئی راہ کی تعمیر میں ہے
یہ نہ قرآن میں نہ قرآن کی تفسیر میں ہے
اللہ اللہ یہ اجمال جمال قدرت
جس کی وحدت میں ہو قرآن کا سارا مفہوم
ایک ہی شان عمل ہے وہ حسن ہو کہ حسین
پاؤں وہ پاؤں جو الجھا ہوا زنجیر میں ہے
روح احساس و عمل اسوۂ شہید میں ہے
وسعت کون و مکاں چادرِ تطہیر میں ہے
ایسا نقطہ بھی کوئی کثرت تحریر میں ہے
سلح میں بھی ہے وہی کاٹ جو شمشیر میں ہے

اک ہی گھر چاہیے قرآن و عترت کے لئے
یہ ترا ذوق عبادت اے حسین ابن علی
جرات عبادت تک پہنچے گی کیا عقل بشر
دل پہ ظاہر ہو گئے کیا کیا علی کے مرتبے
تک دل حق سے دنا کر دل کی وسعت کے لئے
زیر خنجر بھی جگہ کر لی عبادت کے لئے
اک نیا موقف بنایا ہے شہادت کے لئے
لفظ اب ملتے نہیں اسرار قدرت کے لئے

جب سے قتلِ سبطِ پیغمبرؐ پہ تکبریں کہیں
عزمِ خالص چاہیے حُر کے ارادے کی قسم
گھٹ گیا اُس دن سے زورِ نعرۂ تکبیر بھی
بڑھ گیا آگے تو پیچھے ہٹ گئی تقدیر بھی

قربان ایسی موت کے جو خود ہو زندگی
پیانہ حیات ہے پیان کر بلا

یہ گریہ نہیں ہے یہ آنسو نہیں ہیں
یہ دادِ وفا ہے جو دی جا رہی ہے

پڑھ کر نمازِ عصر کی شیئر زیرِ تیغ اک عصرِ نو کی خلق میں تعمیر کر گئے

بالا ہی رہی شانِ علی ذہنِ بشر سے مدحت کے ترانے میں بڑا وزن ہے واعظ ہوتا نہ اشارہ جو حسینِ ابنِ علی کا روتے ہیں جو اس دور کے کشتوں کو مسلمان کھلتی نہیں تائید میں کیوں ان کی زبانیں دنیا نے بہت کام لیا فکر و نظر سے اک حرف ہے بھاری تری تسبیحِ گہر سے ہرگز نہ بدلتی شبِ عاشورِ سحر سے وہ آنکھ ملائیں تو میرے دیدہ تر سے دل جن کے چپ جاتے ہیں ماتم کے اثر سے

لا اہلکم کہہ کے مودت جو طلب کی جب میں نے دعا کی تو زیارت کی دعا کی قرآن نے رکھا تاجِ سرِ اہلِ ولا پر اللہ کی رحمت ہے مرے دستِ دعا پر

شیئر کی روداد ہو فطرت کی زباں ہو میدان میں باطل کے لئے جیتِ آخر ہو ہوتی ہے لطافت وہ عجب مدحِ علی کی باز آئیں جو انساں تو فضا مرثیہ خواں ہو قدرت کا یہ منشا تھا کہ اصغر کی زباں ہو منہم پہ جب خلعتِ الفاظ گراں ہو

ہجومِ غم کو ہناتے ہیں یا علی کہہ کر یہ مجلسیں نہیں پہچان ہیں اطاعت کے علی کے ذکر پہ ہو یا خدا کی قدرت پر ہزار وار پہ ہم ایک وار کرتے ہیں یہ ہم حسین سے قول و قرار کرتے ہیں ہم ایک سجدہ بے اختیار کرتے ہیں

اہلِ بیتِ مصطفیٰ سے سیکھ شانِ خواجگی تربیت کی ذہنِ انساں کی غمِ شیئر نے حق کے بندے بھی رہے اور بندہ پرور ہو گئے صاحبِ دل بن گئے جو غم کے خوگر ہو گئے

نگاہوں میں ہے میری بائے بسم اللہ کا نقطہ مجھے اب کیا تکلف ہو غرورِ تکتہ دانی میں

قرآن کی بات کون سمجھتا بجز علیؑ ہر لفظ ہے خزانہ حکمت لیے ہوئے

کس طرح جگہ ملتی اغیار کو اس گھر میں
 شہیز بچالیں گے اسلام کو مٹنے سے
 مولاً کے ناموں میں جبریل بھی ہیں میں بھی
 قرآن ہے بے معنی عترت سے جدا ہو کر
 شہیز سیاست کا وہ قائد اعظم ہے
 دھبہ نہیں آسکتا تطہیر کی چادر میں
 ان کا ہے بڑا حصہ احساسِ پیہر میں
 بس فرق ہے اتنا سا میں در پہ ہوں وہ گھر میں
 جس گھر میں یہ آیا تھا معنی ہیں اسی گھر میں
 تانوں بنا ڈالا ناشور کو دن بھر میں

بلغ پہ نظر پہنچا اے ناظر بے پردا
 کیا جون سے رونق ہے انصارِ حسینیؑ میں
 شاید یہ فرشتوں نے سوچا ہو شبِ ہجرت
 قرآن اسی منزل سے کامل نظر آتا ہے
 رخسارِ شہادت پر اک کل نظر آتا ہے
 انسانِ خلافت کے قابلِ نظر آتا ہے

حق پرستی خود شناسی ہمت و عزم و عمل
 روئے زیبائے پیہر رونق کون و مکاں
 مل کے ان اجزا سے بنتی ہے تولدِ حسینؑ
 رونقِ دوشِ پیہر روئے زیبائے حسینؑ

ضرورت ہے مصلے کی فضا میں قوتِ دل کی
 کلامِ اللہ کی تفسیر ہے ہر فردِ عترت کا
 سفر میں کربلا کے گردشِ تقدیر کیا کرتی
 مسلمان یا علیؑ کہہ نعرہٴ تکبیر سے پہلے
 نظر کر ان کی سیرت پر ذرا تفسیر سے پہلے
 میں آگے بڑھ چکا تھا گردشِ تقدیر سے پہلے

نہیں یہ شان کسی درد کے فسانے کی
 حسینؑ فکرِ شہادت میں خود ہی تھے ورنہ
 عمِ حسینؑ میں قدرت ہے دل بنانے کی
 کسے مجال تھی تیغِ ستم اٹھانے کی

پھر یہودی قصرِ گمنامی سے اُبھرے ہیں مگر
 دینِ اسلام خدا محرومِ خیر گیر ہے

ہم علی والوں نے پرواہی زمانے کی نہ کی مہرباں ہو کر رہا نامہرباں ہو کر رہا

دوا شک نہ بچے جب آنکھوں کا بھرم کیا ہے اٹھا جو نہ ماتم اس ہاتھ میں دم کیا ہے
صدیوں کے برابر تھی ناشور کی اک ساعت اُس دن کے مقابل میں تاریخ ام کیا ہے
بخشنے تو گئے ہوں گے کچھ ہم سے خراباقتی تاریخ مودت کی اسے لوح و قلم کیا ہے
خاموش جو سنتے ہیں عزت کے مصائب کو ان سے یہ کوئی پوچھے ناسید ستم کیا ہے

نا فہم نصیری کی ادا بھاگنی دل کو میں سوچ رہا ہوں کہ یہ دولت کدھر آئی
اب ہم میں نہیں جذبہ انصارِ حسینی اپنی تھی جو منزل ہوئی جاتی ہے پرانی

ہم اہل بیت کے ہیں ایسے ماننے والے کہ جن میں میثم تمار سا دلاور ہے
مباہلہ کی فضا بھی ہے دیدنی اسے دوست اس ایک لفظ میں اس کی ثنا کا دفتر ہے
قلم کے بدلے اٹھالیں گے وقت پر تلوار مجھے یقین ہے یہی عزم ہر سخور ہے

تیرہ سو برس میں ہوئے کیا کیا نہ تغیر کہہ دے کوئی شیر کے ماتم میں کمی ہے
اقوالِ حسینی ہیں عمل غیرِ حسینی یہ دین کے الفاظ میں دنیا جلی ہے
یہ حریت فکر یہ بیداری اقوام اک کوشش تھی حسین ابن علی ہے

دیکھ کر مولا علی کی شخصیت کو بے مثال مسئلہ حل ہو گیا توحید کے اقرار کا

شرف پایا اسی نے دفن کرنے کا پیہر کے جو واقف تھا مقام امتزاج روح و پیکر سے
ہمیں اللہ کے بندوں سے بس اتنا ہی کہنا ہے نبی لائے تھے اپنا جانشین اللہ کے گھر سے

کلتے رہے ہیں ہاتھ بدلتے رہے ہیں دور دم بھر رکے نہ جام ولا کے شراب کے

اب لائیں گے نہ بحث میں ہم کربلا کی جنگ کب تک چلیں گے دور سوال و جواب کے

سویا علی کا لال دو عالم کو جیت کر مٹھی میں کائنات تھی خنجر گلے پہ تھا

دشویوں میں بھی ہے یہ فرض زندگی کا مقصد بلند رکھنا آوازِ یا علی کا
اے کربلا کے خالق عزم و عمل نے تیرے کتنا بڑھا دیا ہے معیار آدمی کا
قرآن حدیث دونوں ہیں ایک ہی زباں کے کیا راز کوئی سمجھے اب ربط معنوی کا

ہاتھ رکتے ہی نہیں ہیں ماتم شیر سے استفادہ کر رہا ہوں موت کی تاخیر سے
جب زباں پر یا علی آتا ہے فرط شوق میں اک سہارا چاہتا ہوں نعرۂ تکبیر سے
اک نہ اک جاخلق میں مجلس نہیں ہوگی ضرور کوئی پل خالی نہیں ہے ماتم شیر سے
میں نے باب العلم کی چوکھٹ کا بوسہ لے لیا لوگ ادھر الجھے رہے قرآن کی تفسیر سے
اک یہ ادنیٰ سی کرامت ہے غم شیر کی آدمی انسان بنتا ہے غم شیر سے
اپنے خوں سے نقشِ لا الہ اللہ لکھتے کیوں حسین کام چل سکتا اگر کچھ کاغذ کی تحریر سے

باز آجاتی اگر امت غم شیر سے نامسلمان کرتے ماتم اور مسلمان دیکھتے
میں زباں پر بھول کر لایا نہ راز معرفت یہ نصیری میرا صبر و ضبط یہاں دیکھتے
اللہ اللہ کہنے والے قرب حق کی شان میں یا علی کہتے تو یہ مشکل بھی آسمان دیکھتے

عاشور کے دن ظہر کو دنیا ہوئی واقف مومن کی نماز اور مجاہد کی دنا سے
شیر کا غم زندگی فکر و نظر ہے ملتا ہے یہاں درسِ عمل اشکِ عزا سے
مجرم ہیں یہ روکے ہوئے ہیں ہر رسالت وحشت جنہیں ہو جاتی ہے ماتم کی صدا سے

تجم آفندی

کے

مقطعوں

کا

گلدستہ

(430) اشعار

مقطعوں کا گلدستہ

تیری مدحت کے جادے پر یہ فکرِ جہنم کی حد ہے حق آگاہی تیری منزل یدِ الٰہی تیرے تیر

تقلید میری ہوتی ہے اہلِ سخن میں جہنم چھایا ہوا دلوں پہ یہ رنگِ کلام ہے

جہنم ہم نے مدحِ اہلِ بیت کے ہر شعر میں فاضلِ طینت کی فطرت کو نمایاں کر دیا

ان کی نعلینِ مبارک میرے سر آنکھوں پہ جہنم تاجداروں سے ہیں برتر کفشِ برادرِ حسین

حاجی ہو کوئی حافظِ قرآن ہو کوئی جہنم کچھ بھی نہیں علی سے محبت اگر نہیں

جہنم تیرہ سو برس سے آج تک قبرِ حسین معبدِ اہلِ وفا ہے سجدہ گاہِ عشق ہے

اک طرف ارضِ نجف اک سمت ارضِ کربلا جہنم لہریں لے رہا ہے کیا مقدر دیکھئے

شعورِ مدحِ بزرگوں کا فیض ہے اے جہنم زہے نصیب یہ اعزازِ خاندانی ہے

ڈوبا ہوا اے جہنم جو ہو عشقِ علی میں دنیا میں اسے کیا خیر سود و زیاں ہو

صلہ میں غلو وہ دیں گے تو جہم کہہ دیں گے تمہارے نقش قدم پر نثار کرتے ہیں
خود پرستی رنہ رنہ حق پرستی بن گئی جہم آخر شاعر آل پیہر ہو گئے
مقدس بانکپن اے جہم میرے تاج مدحت کا کاہ خسروی میں ہے نہ دہیم کیانی میں
اے جہم میں شاعر ہوں سرکار امامت کا نظمیں مری پہنچیں گی دربار پیہر میں
سب کہتے ہیں شاعر ہے دربار حسین کا جہم اپنی حقیقت سے غافل نظر آتا ہے
اے جہم بیٹھتے ہو اب کیا سنبھل سنبھل کر آثار کہہ رہے ہیں اٹھنے کا ہے زمانہ
رفعت ترے کلام کی عرش آشنا ہے جہم کھیلی ہے فکر دہن برق و سحاب میں
اے جہم جہیں ہوتی ہے چوکھٹ پہ نجف کی میں مدح کے عالم میں فلک پر نہیں ہوتا
جہم میں ہوں شاعر بزم حسین ابن علی میرا نغمہ ہے فقط سار حقیقت کے لئے
جہم شاعر ہے حسین ابن علی کے در کا اور دنیا میں نہ منصب ہے نہ جاگیر کوئی
کب دیکھئے طلب ہو دیار حسین سے بیٹھے ہیں جہم نذر دل و جاں لئے ہوئے
جناب جہم یہ عزت گزینیاں کب تک یہ بے نیاز روش چھوڑیے خدا کے لئے

بہرِ نجات جہم کہوں کیوں حسین سے شاعر ہوں اہل بیت کا صورت سوال ہے
اب جلد آستانے پہ اپنے بلائے کب تک جئے یہ جہم گناہگار آپ کا
جہم ہو اگر نسبت اُسوۂ حسین سے ایک شعر مدحت میں خلد کا قبلا ہے
اہل جب چاہے منہ پر مہر کر دے علی کا نام دل پر لکھ گیا ہے
عطا کی میرزائی جہم کو پھر مدح کی نعت کیا ممتاز قدرت نے زبان میر سے پہلے
جہم شاعر ہے علی کا سب سے کمتر ہی سہی نکتہ داں ہو کر سدھارا نکتہ داں ہو کر رہا
بن گئی انسان کا معبد زمین کربلا جہم جب عزم و عمل کی زندگی لائے حسین
مدحت کی جوانی ہے پیری ہی سہی میری احباب نہ یہ سمجھیں اب جہم میں دم کیا ہے
اُردو میں ہے اے جہم مری نغمہ سرائی نغمہ عجمی اور نہ اچھو عربی ہے
اے جہم سوال آئے اگر لطف و کرم کا مولاً کی زباں پر کبھی لاہو نہیں سکتا
اے جہم منقبت ہو اس وقت بھی زباں پر جب نزاع کی ہو ساعت عالم روا روی کا
کربلا کی راہ میں حائل ہیں کنفی مشکلیں جہم پہنچے لڑتے بھڑتے گردشِ تقدیر سے

اسرارِ حقیقت مرے افکار ہیں اے جہم تفسیر مرے شعر کی پوچھو عرفا سے
حسین سے جو عقیدت ہے اہل بند کو جہم فضائے دہر میں اس کا کہیں جواب نہیں
میں ہوں کلیم طور ثنائے علی کا جہم انداز ہیں کلام میں نقشِ دوام کے
جہم کیا معلوم کس کا شعر انھیں آئے پسند مدح اہل بیٹ پر نازش خیال خام ہے
سب سے کم رتبہ ہی لیکن یہ رتبہ کم نہیں جہم بھی تیرے شاخوانوں میں شامل ہے حسین
مدوح ہی واقف مری نیت سے ہیں اے جہم دنیا میں ہے شہرت مری آشفہ سری کی
آئیں جب امام عصرؑ ان سے یہ کہے کوئی جہم زار انتظار دیکھتا چلا گیا
جہم اسلام حقیقی کبھی مٹنے کا نہیں حسنِ بقرہؑ سے ہے نشانِ اسلام
اب اس فضا میں رہنے کو دل چاہتا نہیں اب جہم ترکِ ہند کا سامان کیجئے
میں ہوں وہ جہم درخشاں سپر مدحت کا بغل میں خاکِ دل بے قرار لایا ہوں
جو جہم کو کہنا تھا لمحوں میں وہ کہہ گزرا اب آگے مقدر ہے سمجھو نہ اگر برسوں
شافعِ مطلق ہے تو اور یہ دوائے دردِ دل جہم جلد آنکھوں سے یارب شیعہ کالج دیکھ لے

یہ سکونِ دل کا عالم بے دلی سے کم نہیں جہم بیٹھے کیا ہو کچھ طوفاں اٹھانا چاہیے
اس سے بہتر جہم دنیا میں کوئی تھمہ نہیں دوست بھیجیں دوستوں کو ارمغانِ اتحاد
جہمی کوئی سبق نہ لیا کربلا سے کیا کیوں بے حسی کا قوم پہ الزام آگیا
ہمراہ ہوں اے جہم یہ نوے یہ قصیدے جب ملکِ عدم کے لئے حکمِ سفر آئے
جہم اسی کے فیض سے شاعرِ اہل بیت ہوں دین کے آفتاب کی یہ بھی ہے ذرہ پروری
اے جہم کچھ نہ پوچھو اُس وقت کی حالات تنہا تھے دشمنوں میں جس وقت شاہِ والا
سوئے دیارِ کربلا جب کوئی تافلہ گیا جہم وہ بد نصیب ہیں رہ گئے دل کو مار کے
زحمتِ عزا پہن کر اے جہم گھر سے نکلو بندوستان میں آئی سرکار کی سواری
سُنا ہو اور دیکھا ہو کبھی اہلِ توحہ نے ہمیشہ جہم اس انداز کا نوحہ سناتے ہیں
جہم ہمیں نزع میں صرفِ عزا دیکھ کر موت بھی کچھ دیر کو در پہ ٹھہر جائے گی
وہ سامنے ہے غم کی شبیہ جہم اٹھو وفا پرستی کا منظر دکھایا جاتا ہے
جہاں کو درس دے رہے ہو اُسوۂ حسینی کا بیاض جہم دلفگارِ نوحہ خواں لئے ہوئے

اے جہم یہی اپنی بخشش کے سہارے ہیں زندہ کے دلارے ہیں زندہ کے دلارے ہیں
یہ جہم تیرا شاعر دردِ نہاں کے صدقے دل کو زباں بنا دے سوکھی زباں کے صدقے
جہم اڑ اڑ کر ہماری خاک کے ذرے ہمیں یا نجف لے جائیں گے یا کربلا لے جائیں گے
کیا جان دے کے جہم گیا جانِ مرتضیٰ جب موت میں حیات تھی خنجر گلے پر تھا
تیرا غم تیری محبت جہم کا اسلام ہے اے شہیدِ کربلا تجھ پر سلام اسلام کا
اپنے کو جو چاہے تجھی اُس کو کون نہ چاہے بھارت مانا لوگ منا کر من ہر لیں ہمارا
دوش پر فوجِ حسینؑ کا علم لے کر چلو جہم آؤ بزمِ ماتم میں قلم لے کر چلو
جہم ایک نظر کا خواہاں ہے مرضی جو نہیں یہ بھی نہ سہی دہار میں شامل ہو کہ نہ ہو شاعر ہے یہ تیرا تیرے لئے
ہے جہم کی ہستی کیا اے کرب و بلا والے کس نے تجھے سمجھا ہے کس نے تجھے جانا ہے
یہ دل میں دردِ محبت یہ جہم جوشِ سخن یہ تیرا خامہ ماتم نگار کیا کہنا
یہ دل پہ تیرے صف پہ صف تارے بھی ہیں چاند بھی جہم کی خاطر فقط گردشِ یام ہے
یہ جہم نوحہ گر کا نوحہ قبول کر لے اے مجلسِ عزا میں تشریف لانے والے

جِہم آئے تو اہل دل نے کہا درد یکسر غم تمام آئے

نازم زیارت ہے جِہم ایک مدت سے کس کو اب صدا تو نے ارض کربلا دی ہے

شاعر ہوں اہل بیت کا میں جِہم دلفگار پہچانتے ہیں کشتہ راہِ خدا مجھے

جِہم غرورِ ملت ہے جلوہ طرازِ کرب و بلا ایسا مجاہدِ عالم میں نازِ دو عالم ہوتا ہے

فیضِ مداحی نے لفظوں کو عطا کی زندگی اک حقیقت اک تڑپ ہے جِہم کے اشعار میں

جِہم غنیمت ہے یہ سینہ زنی قوم کی یاد تو اسلاف کی تیغ زنی رہ گئی

کب حضوری میں بلاتے ہیں حسین ابنِ علی دیکھتا ہوں جِہم کب تک گردشِ یام ہے

مزا ملا ہے وہ دل کو تیری ولا کے ثار حیاتِ جِہم کے لمحے بڑھا دیے تو نے

جنت کی سند بن جائے گی اے جِہم ثنائے آلِ نبی نظہیں یہ ہماری پہنچیں گی جب ان کی نئی سرکاروں میں

سرکارِ اہل بیت کا شاعر بنا دیا اب اور جِہم طالعِ بیدار کیا کریں

مرکزِ غمِ حسین کا ہندوستان ہے جِہم آباد پُر بہار یہ ہندوستان رہے

کربلا جانے کا کچھ سماں نظر آتا نہیں جِہم دل پر ایک یہ داغ تمنا بھی سہی

مجھے جہنم کوئی کہا کرے میں بلندِ اوجِ فلک سے ہوں مجھے مدحِ آلِ رسولؐ نے مہ و مہر سے بھی بڑھا دیا

کچھ غور کرو جہنم کے مفہومِ سخن پر دیوانہ سمجھتے ہو تو مرنے کی دنا دو

سنسار کی مایا کوئی نہیں کچھ دو ہے ہیں کچھ نوے ہیں عجی یہی مایا لائے تھے عجی یہی مایا چھوڑ گئے

اسی دھن میں نالے کئے جاؤ عجی یہ نوے ہیں دل کو بلا دینے والے

سنا کر جہنم قصہ کربلا والے شہیدوں کا مسلمانوں کو سمجھا دو مسلمان ایسے ہوتے ہیں

فاطمہؑ کا مہ پارا ہے جگت گرو عجی آج سب کو پیارا ہے جس پہ کل یہ پتا تھی

عجی حسینیؑ کی طرف جھک رہے ہیں دل مصروفِ غور و فکر میں ساری خدائی ہے

رُت بند کی بدلے گی محرم کی بدولت عجی یہ بہار آئے گی ماتم کی بدولت

اس دیس کی آنکھیں بھی عجی پیاسی تھیں حسینیؑ درشن کی بھارت میں اجالا پہنچا ہے کرن میں درس دکھلایا تھا

رہے خالی جو فکرِ منقبت سے ذکرِ مولا سے وہ لمحے زندگی کے جہنم ہم نے رانیکاں سجھے

شہِ دیں کا تصرف ہے یہ نوحہ مرثیہ ورنہ میں جس عالم میں ہوں اے جہنم دنیا کو خبر کیا ہے

حالت ہی جہنم کب تھی نوحہ گری کے قابل ہم چپ ہی ہو چکے تھے دل نے مگر نہ مانا

دیارِ بند کے محبوب ہیں حسین اے جتم محال ہے کہ یہاں غمِ حسین کا نہ رہے

جتم آتے ہیں وہ آہ و لبِ دست بہ سینہ دیکھے تو کوئی شاعرِ سرکار کا عالم

نچی وہ بڑے دل والے تھے دلِ نام سے دھک دھک کرتے ہیں یادان کی ساکریں میں ماتم کی دھک بن جاتی ہے

زیارت کا شرف حاصل ہو جب اے نوحہ خواں تجھ کو فضائے کربلا میں جتم کا نوحہ سنا دینا

اب غلاموں میں وہ گئے نہ گئے جتم آتا یہی ہمارا ہے

پاؤں عابد کے کہاں زنجیر کی ایذا کہاں کربلائے شام تک نالے کیے زنجیر نے

جتم نوحوں کو صداقت کا مرقع کرویل کربلا کے غم نے غم کی دائمی تصویر نے

جہاں میں جتم یہ کرب و بلا کا افسانہ کہا کیا مگر اس شان سے کہا نہ گیا

حضور جتم کو اب کربلا میں بلوالیں اہلِ غریب کی نزدیک آئی جاتی ہے

زمینِ سخنِ آسمان بن گئی ہے وہ گردوں سے اے جتم تارے اُتارے

پیکرِ شاعری میں جتم نورِ حیات آگیا راتِ اہلِ بیت سے جذبہٴ دل سنور گئے

منزلِ شیر تک جتم نہ پہنچیں گے ہم آہ و بکا تک اگر جوشِ ولا رہ گیا

کیا کہتے ہوں گے جہم شہیدانِ کربلا راوِ عمل میں قوم کی رفتار دیکھ کر
دنیا میں وقت جہم کا اچھا گزر گیا مولّا کے غم میں غم تو خوشی میں خوشی رہی
مرجائے جہم مدحِ سرائی میں آپ کی حسرت ہے کام آئے مری جان آپ کے
قدرت ہے اگر جہم تو نوحہ کی زباں میں ہر قوم کو شیر کا پیغام سنا دے
کہاں اشکِ غم اور کہاں قصرِ جہت ہمیں جہم قیت گھٹائے ہوئے ہیں
ہوئے کمالِ سخنور مدحتِ آلِ پیغمبر سے ہمیں اے جہم سب کچھ آگیا اب اور کیا آئے
جنابِ جہم مقصد اور بھی کچھ ہے شہادتِ کمال کمال ہے قوم اور مقصد سے محرم ہوتی جاتی ہے
ابھی جہم کچھ اور نوے سناؤ ذرا قوم کی بے حسی جاری ہے
جہم ہم کو عیشِ فردوسِ تولّا ہے بہت ہم تمنائی نہیں فردوس کی جاگیر کے
جہم کتنے کام مداحانِ اہل بیت کے بے بنائے رنگ لائے بے سنوارے بن گئے
جہم اربابِ غرض نے دل کے ٹکڑے کر دیے زندگی نعمت سہی نعمت سے بھی دل بھر گیا
اے جہم میری فکر کی اللہ رے ہمتیں چاہوں تو بامِ عرش سے تارے اُتار دے

جتم اپنی زندگی ہے وقفِ مدح اہل بیٹ شاعر سرکارِ اہل بیٹ کہلاتے ہیں ہم
انساں حسیت کو سمجھے گا جتم اک دن جوہر نہ یہ ملیں گے دنیا کی خاک چھانے
اے جتم یہی شاید عنوانِ سفارش ہو امید تو ہے اتنی آقا کی تولا سے
کس سے پوچھوں کہ سمجھتے ہیں وہ شاعر اپنا جتم کا نام بھی فہرست میں لکھا دیکھا
قیامت ہیں تجھی کے پُر درد نوے عزا دار کا دل بلا دینے والے
جتم دنیا آل پیغمبر کی دشمن ہی رہی دل پہ کیا کیا داغِ اُمت کے نگہاں لے گئے
میں جتم اپنا فرض سمجھتا ہوں منقلبِ ناداں ہے دل جزا کا جو امیدوار ہو
شاعر ہیں اہل بیٹ رسالتِ پناہ کے اٹھا یہ شورِ جتم جو مجلس میں آگئے
جس در کے فقیروں میں بشر بھی ہیں ملک بھی ہاتھ اپنے وہیں جتم بھی پھیلائے ہوئے ہیں
جتم کہیں ہمارے بعد اہل عزا یہ نہ کہیں جتم کی طرح پھر کوئی نوحہ سرا نہیں ہوا
تھے جتم خوش نصیب کہ ذکرِ حسین پر روجی فداک کہہ کے جہاں سے گزر گئے
جناب جتم یہ عزت گزیناں کب تک یہ بے نیاز روش چھوڑیے خدا کے لئے

اب جلد آستانے پہ اپنے بلائے کب تک جئے یہ جہم گناہگار آپ کا
جہم ہو اگر نسبت اُسوہِ حسینی سے ایک شعر مدحت میں خلد کا قبلا ہے
عطا کی میرزائی جہم کو پھر مدح کی نعمت کیا ممتاز قدرت نے زبانِ میر سے پہلے
ہر ذرۂ وطن کو اے جہم دل بنادو ہندوستان میں آتا تشریف لا رہے ہیں
بھاشا کے ریلے شہدوں میں ڈکھ روپ کہانی کرمل کی محنت پہ سوارت ہو جی یوں کون کسے سمجھاتا ہے
جہم گردوں سر بسجود ہے ستارے بے زباں کس سے پوچھیں تم نے کیا دیکھا شبِ عاشور کو
اب جا کے ہمالہ پر بت سے لے ماتم کی ٹکرائی ہے اس دیش کی فحش دور بلا جس دیس پہ یہ غم چھائے گیا
جہم وہ جانِ وفا ہے وہ ایمانِ وفا یہ علم آتا ہے کس کے خون میں تر دیکھنا
میں جہم ایک ذرہ ہوں تیری رہ گزر کا شاعر ہوں تیرے در کا اے عرشِ آشیانی
خدا ایسا کرے مقبول ہو یہ جہم کا نوحہ پسند آجائے جھ کو یہ محبت کی زباں اکبر
جب آئے حسینی سیوا میں سب ہندو مسلم ایک ہوئے ل جائیں گے جہم دل ہی کبھی جب ان کی نجر پر بات رہی
آرام سے سواے شبِ عاشور کے جاگے لوری تجھے دیتا ہے ترا جہمِ سخنور

مجلس میں ہوش کس کو اے نجم جان و تن کا اُترا ہوا وہ چہرہ، ڈھلکا ہوا وہ منکا
روکو قلم کو نجم سخنور ہے سر بسجودہ جان پیہر
کیا جان دے کے نجم گیا جان مرتضیٰ جب موت میں حیات تھی خنجر گلے پہ تھا
غم حسین میں رونیں گے نجم جی بھر کے کہیں یہ درد دلوں میں چھپائے جاتے ہیں
کچھ نہ پوچھو نجم اس دم برہمی کو نین کی ذبح جب رن میں نبی کی گود کا پالا ہوا
نجمی یہ حسین چوکھٹ ہے یا اے مرادیں ملتی ہیں اس دوار سے بھکشا لے کے چلے
تیرا غم تیری محبت نجم کا اسلام ہے اے شہید کربلا تجھ پر سلام اسلام کا
اس شام کے خیال سے دل کانپتا ہے نجم عاشور کی وہ شام وہ رن بولتا ہوا
اپنے کو جو چاہے نجمی اس کو کون نہ چاہے بھارت مانا سوگ مناکر من ہر لین ہمارا
تقریر کے قربان مقرر کے تصدق اے نجم شکر کا بھرم گھل گیا سارا
کو مشیت خاک سے بھی ہے کم کائنات نجم نقش قدم پہ تیرے تصدق حیات نجم
دنیا کو خوں رلائے گی یہ داستان بہت نوے کہیں گے نجم سے شیریں زباں بہت

پاؤں تھک جائیں تو ہمت کے قدم لے کر چلو تجم آؤ بزمِ ماتم میں قلم لے کر چلو

جب آنکھ سے آنسو ڈھل کر جتنی تن کا گردا دھوتے ہیں جب گھر گھر ماتم ہوتا ہے جب رونے والے روتے ہیں

تجم ایک نظر کا خواہاں ہے مرضی جو نہیں یہ بھی نہ سہی دربار میں مثال ہو کہ نہ ہو شاعر ہے یہ تیرا تیرے لیے

ہے تجم کی ہستی کیا اے کرب و بلا والے کس نے تجھے سمجھا ہے کس نے تجھے جانا ہے

یہ دل میں دردِ محبت یہ تجم جوشِ سخن یہ تیرا خامہ ماتم نگار کیا کہنا

دروپہ تیرے صف بہ صف تارے بھی ہیں چاند بھی تجم کی خاطر فقط گردشِ یام ہے

یہ تجم نوحہ گر کا نوحہ قبول کر لے اے مجلسِ عزا میں تشریف لانے والے

تجم آئے تو اہلِ دل نے کہا دردِ یکسر غم تمام آئے

آنا ہے اس کو یاد جب وہ کاروانِ تشناب ہے تجم کا نوحہ یہی اکے والے مہرِ علقمہ

نازمِ زیارت ہے تجم ایک مدت سے کس کو اب صدا تو نے ارضِ کربلا دی ہے

شاعر ہوں اہلِ بیت کا میں تجمِ دلفگار پہچانتے ہیں کشتہ راوِ خدا مجھے

تجم غرورِ ملت ہے جلوہ طرازِ کرب و بلا ایسا مجاہدِ عالم میں نازِ دو عالم ہوتا ہے

فیضِ مداحی نے لفظوں کو عطا کی زندگی اک حقیقت اک ٹپ سے جہم کے اشعار میں
جہمِ غنیمت ہے یہ سینہ زنی قوم کی یاد تو اسلاف کی تیغ زنی رہ گئی
کب حضوری میں بلا تے ہیں حسینِ مہن علی دیکھتا ہوں جہم کب تک گردشِ یام ہے
کر بلا پہنچے ہزاروں تافلے جہم ہم آنسو بہا کر رہ گئے
مزا ملا ہے وہ دل کو تری ولا کے ثار حیاتِ جہم کے لمحے بڑھا دیے تو نے
جنت کی سند بن جائے گی اے جہمِ ثنائے آلِ نبیؐ نظمیں یہ ہماری پہنچیں گی جب اُن کی جلی مرکاروں میں
سرکارِ اہل بیت کا شاعر بنا دیا اب اور جہم طالعِ بیدار کیا کریں
ان کے تصدق سے جہم قوم ہے سب اہل دل درد ملا اس قدر دامنِ دل بھر گئے
کر بلا جانے کا کچھ ساماں نظر آتا نہیں جہم دل پر ایک یہ داغ تمنا بھی سہی
مجھے جہم کوئی کہا کرے میں بلند اوچِ فلک سے ہوں مجھے مدحِ آلِ رسولؐ نے مہر سے بھی بڑھا دیا
کچھ غور کرو جہم کے مفہومِ سخن پر دیوانہ سمجھتے ہو تو مرنے کی دعا دو
اب اس فضا میں رہنے کو دل چاہتا نہیں اے جہم ترکِ ہند کا سامان کیجیے

اے تجم الٹ جائے گا یہ پردہِ غیبت نکلے گا ادھر تیغِ بکف مرکبِ جُت

تجم کو بھی یاد رکھنا دار و گیر حشر میں اے زمینِ کربلا کے چاند تارو الوداع

سنسار کی مایا کوئی نہیں کچھ دو ہے ہیں کچھ نوے ہیں تجھی یہی مایا لائے تھے تجھی یہی مایا چھوڑ گئے

اسی دُھن میں نالے کیے جاؤ تجھی یہ نوے ہیں دل کو بلا دینے والے

حشر میں انجام کیا ہوتا ہے تجھی دیکھیے پوچھتے ہیں وہ بھی شاعر جن کے کہلاتے رہے

سنا کر تجم قصہ کربلا والے شہیدوں کا مسلمانوں کو سمجھا دو مسلمان ایسے ہوتے ہیں

فاطمہ کا مہ پارہ ہے جگت گرو تجھی آج سب کو پیارا ہے جس پہ کل یہ پتا تھی

تجم کے دل سے نہ آئیں لب پہ نالے یہ اگر کیا جب بے منہ کو آجائے کلیجہ اے حسین

تجھی حسد کی طرف جھک رہے ہیں دل مصروفِ غور و فکر میں ساری خدائی ہے

اس دیس کی آنکھیں بھی تجھی پیاسی تھیں حسینیٰ درشن کی بھارت میں اُجالا پہنچا ہے کربل میں دیں کھلایا تھا

اے تجم دیکھو یہ حق نمائی اللہ اس کے غم کی رسائی

اشکِ عزا کی تہ میں ہے طوفاں چھپا ہوا دنیا میں تجم چشمِ حقیقت نگر نہیں

رہے خالی جو لکڑ منقبت سے ذکرِ مولّا سے وہ لمحے زندگی کے تجم ہم نے رائیگاں سمجھے

ہٹے دیں کا تصرف ہے یہ نوحہ مرثیہ ورنہ میں جس عالم میں ہوں اے تجم دنیا کو خبر کیا ہے

بجھ گیا تھا تجم جب تیر پیہر کا چراغ کیا یونہی ناروں سے روشن چرخ نیلی قام تھا

حالت ہی تجم کب تھی نوحہ گری کے قابل ہم پُپ ہی ہو چکے تھے دل نے مگر نہ مانا

دیارِ ہند کے محبوب ہیں حسین اے تجم محال ہے کہ یہاں غم حسین کا نہ رہے

تجم آتے ہیں وہ آہ بہ لب دست بہ سینہ دیکھے تو کوئی شاعر سرکار کا عالم

تجمی وہ بڑے دل والے تھے دلِ ہام سے دھک دھک کرتے ہیں یادان کی ساکریں میں ماتم کی دھک بن جاتی ہے

ہماری روح بھی تجمی عزا دارِ حسین تھی کھلتے دل میں اس نشتر کو تیرہ سو برس گزرے

زیارت کا شرف حاصل ہو جب اے نوحہ خواں تجھ کو فضائے کربلا میں تجم کا نوحہ سنا دینا

اب غلاموں میں وہ گئے نہ گئے تجم آتا یہی ہمارا ہے

تجم نوحوں کو صداقت کا مرقع کر دیا کربلا کے غم نے غم کی واقعی تصویر نے

جہاں میں تجم یہ کرب و بلا کا افسانہ کہا گیا مگر اس شان سے کہا نہ گیا

حضورِ نجم کو اب کربلا میں بلوائیں اہلِ غریب کی نزدیک آئی جاتی ہے
کوئی اے نجم کہہ دیتا یہ ملت کے خداؤں سے بچا لیتے ہیں یوں کشتی اُمتِ ناخدا ہو کر
زمینِ سخنِ آسمان بن گئی ہے وہ گردوں سے اے نجم تارے اُتارے
پیکرِ شاعری میں نجم نورِ حیات آگیا راتِ اہلِ بیت سے جذبہٴ دل سنور گئے
منزلِ شیرِ تک نجم نہ پہنچیں گے ہم آہ و بکا تک اگر جوشِ ولا رہ گیا
کیا کہتے ہوں گے نجم شہیدانِ کربلا راہِ عمل میں قوم کی رفتار دیکھ کر
دنیا میں وقتِ نجم کا اچھا گزر گیا مولّا کے غم میں غم تو خوشی میں خوشی رہی
مرجائے نجم مدحِ سرائی میں آپ کی حسرت ہے کام آئے مری جان آپ کے
قدرت ہے اگر نجم تو نوے کی زباں میں ہر قوم کو شیر کا پیغام سنا دے
کہاں اشکِ غم اور کہاں قصرِ جنت ہمیں نجم قیمت گھٹائے ہوئے ہیں
رُتِ بند کی بدلے گی محرم کی بدولت تجھی یہ بہار آئے گی ماتم کی بدولت
ہوئے کالِ سخنورِ مدحتِ آلِ پیبر سے ہمیں اے نجم سب کچھ آگیا اب اور کیا آئے

تجہ کوئی سبق نہ لیا کربلا سے کیا کیوں بے حسی کا قوم پہ الزام آگیا
ہمراہ ہوں اے تجم یہ نوے یہ قصیدے جب ملکِ عدم کے لیے حکم سفر آئے
تجم اسی کے فیض سے شاعرِ اہل بیت ہوں دین کے آفتاب کی یہ بھی ہے ذرہ پروری
ہنگامہ ہے اب قتل کا اے تجم دل انگار مولاً ولے خاموش ہیں رن بول رہا ہے
اے تجم کچھ نہ پوچھو اس وقت کی حالات تنہا تھے دشمنوں میں جس وقت شاہِ والا
سوئے دیارِ کربلا جب کوئی تاملہ گیا تجم وہ بد نصیب ہیں رہ گئے دل کو مار کے
زحمتِ عزا پہن کر اے تجم گھر سے نکلے بندوستان میں آنی سرکار کی سواری
شاید یہی دربار میں مقبول ہو تجمی نوہ تو نہیں تامل سرکار ہمارا
اے تجم جہیں ہوتی ہے چوکھٹ پہ نجف کی میں مدح کے عالم میں فلک پر نہیں ہوتا
شعر و سخن میں تجم یہ ہیں بے نیازیاں بیٹھا ہوں اجتہاد کی قوت لیے ہوئے
ابھی تجم کچھ اور نوے سناؤ ذرا قوم کی بے حسی جاری ہے
تجم کہیں ہمارے بعد اہل عزا نہ یہ کہیں تجم کی طرح پھر کوئی نوہ سرا نہیں ہوا

خود پرستی رفتہ رفتہ حق پرستی بن گئی نجم آخر شاعر آل پیبر ہو گئے

یاد علی ہے دل میں دنیا سے جا رہا ہوں اے نجم درحقیقت یہ موت زندگی ہے

بوالیس شاید آتا کر بلا میں موت سے پہلے ابھی اے نجم کچھ امید ہے امیدواری ہے

اب جلد آستانے پہ اپنے بلائے کب تک جینے یہ نجم گنہگار آپ کا

اے نجم کاش مجھ سے اتنا ہی کوئی کہہ دے کس دل سے یہ جسارت کس منہ سے عذر خواہی

نجم اپنی زندگی ہے وقف مدح اہل بیٹ شاعر سرکار اہل بیٹ کہلاتے ہیں ہم

نجم شاعر ہے حسین ابن علی کے در کا اور دنیا میں نہ منصب ہے نہ جاگیر کوئی

صلہ میں خلد وہ دیں گے تو نجم کہہ دیں گے تمہارے نقش قدم پر نثار کرتے ہیں

شاعر ہوں جن کا نجم وہ ہیں وجہ کائنات ممکن ہے تالبد مرا نام و نشان رہے

نجم میں وہ شاعر دربار اہل بیٹ ہوں غم نے چھاننا ہے مجھی کو فرد کمال دیکھ کر

اے نجم مدح آل نبی میں گذاردوں اللہ عمر خضر جو مجھ کو عطا کرے

چار پشتوں سے مجھے حاصل ہے یہ عز و شرف نجم فطرت ہے مری مدح و ثنائے مصطفیٰ

میرے آبا کا شرف ہے میری فطرت کا خمیر نجم صدیوں سے ہے خُر مدح آلِ مصطفیٰ

تیری مدحت ہو تو نظمِ نجم کا کیا پوچھنا نجم ہے اپنی جگہ پر بے حقیقت اے حسین

بن گئی انسان کی معبد زمیں کربلا نجم جب عزمِ عمل کی زندگی لائے حسین

بہت پیام ملیں گے مرے سلام میں نجم نگاہِ غور سے نقاد نے اگر دیکھا

نجم اس میں تصویر بھی بے جا ہے برائی کا غمِ سبطِ پیبر کا جس دل کی امانت ہے

نجم اس کی نذر ہے یہ زلزلہ انگیز نظم جس کی حسرتِ ماک خاموشی تھی طوفاں درکنار

نجم میں ہوں خاک پائے مسند آرائے نبی مدح کی دولت ملی ہے ورثہٴ اجداد سے

سب سے کم رتبہ سہی لیکن یہ رتبہ کم نہیں نجم بھی تیرے ثنائوں میں شامل ہے حسینؑ

میں ہوں کلیمِ طور ثنائے علی کا نجم انداز ہیں کلام میں نقشِ دوام کے

عقیدت ہے مجھے اے نجم پورے خانوادے سے خدا کا شکر ہے میں ہوں ثنائیِ ابوطالب

جب مدحِ پیبر کرتا ہوں وہ نورِ سخن بڑھ جاتا ہے اے نجم سلامی دیئے کو الفاظ کے لشکر آتے ہیں

تمام روشنیاں ہیں انھیں کے نور سے نجم فروغِ ملت بیضا ہیں جعترِ صادق

جگہ فرزدق و دہلی کی نجم کو ملتی قریب طائرِ سدرہ کچھ آشیاں ہوتے
نمازِ مدح پڑھتا ہوں مؤذت کے مصلے پر دکھا دو نجم دنیا کو یہ رتبہ ہے سخنور کا
ہے حضرت ناسخ سے تلمذ کا تسلسل نسبت ہے مجھے نجم بڑے اہل ہنر سے
ہم نے منزلت دی ہے نجمِ نظمِ اردو کو ہر زمین پر ہم نے آسماں اُتارا ہے
سنسار کے بھولے بسروں کو اپدیش نیا مل جاتا ہے ہر سال جو تجھی پیاسوں کا ہم سوگ منایا کرتے ہیں
اے نجم یہی اپنی بخشش کے سہارے ہیں نہیب کے دُلا رہے ہیں نہیب کے دُلا رہے ہیں
جو نیم جاں تھے بھوک سے جو پیاس سے نڈھال اے نجم آج ان کی سیاست ہے لازوال
رخصت طلب ہے نجم کی اب عارضی حیات ستر برس کی عمر میں کچھ کم نہیں یہ بات
بزمِ سخن میں آگئے نجم خودی کو چھوڑ کر بن گئے کب سے آدمی رختِ جنوں اتار کے
نجم ہم موحد ہیں ہم پہ کیا اثر ہوتا بے شمار بدلے ہیں رنگ روپ دنیا نے
مرے قابو میں نہ تھی نجم مرگِ ناگہاں تھیں مقدرِ زیست کی بد نظمیاں دیکھا کیا
نجم اک عمر میں احباب پہ یہ راز کھلا جتنا بدنام تھا میں اتنا گنہ گار نہ تھا

جتم آپ کی ہی ہے وہ دوام شعر کوئی مرے دل پہ چوٹ لگتی ہے صلائے نکتہ داں سے
جتم افراطِ محبت نے مجھے گم کر دیا میں نے آنکھیں بند کر لیں شدتِ غم دیکھ کر
اے جتم میں پتلا ہوں رنگ اور تلون کا کس رنگ میں لکھے گی دنیا مرا افسانہ
جتم یہ خندہ جینی ہر بلائے عشق پر کس تبسم کا خزانہ مرے آب و گل میں ہے
جتم سوچتا ہوں میں کچھ مجھے سکون دے گی چاندنی کی بارش میں یہ ڈھلی ہوئی شب کیا
یوں تو سو بہانے ہیں جتم کچھ نہ کرنے کے قصد ہے تو کر ڈالو آج کل اور اب تب کیا
سوچے گی جتم فطرتِ انساں ہمارے بعد کب تک چراغِ سوزِ محبت بجھا رہا
غزل ہو جتم میری اور زباں اس نغمہ پرور کی مرا ہر لفظ ہونٹوں پر اب پیانا ہو جائے
کبھی جتم طوفان اٹھانا بھی ہے کہاں تک یہ آنسو پئے جائے
بڑھ چلے تھے دل کی منزل سے مگر جتم کچھ آہٹ سی پا کر رہ گئے
سوتے سوتے جاگ اٹھی کیفیتِ شعر و سخن جس کسی محفل میں پہنچے جتم ہم ہی ہم رہے
میں پھیلا نا ہوں نورائے جتم اپنے کنجِ عزالت سے زمینِ شعر مرے دم قدم سے آسمانی ہے

وہ کون ہے اے جہم جو میخانہ میں آکر ساغر مرے آگے سے حریفانہ اٹھالے

کریں گے جہم کیا اردو کے دشمن قدر اردو کی جو پٹھینی سپاہی ہو وہ لشکر کی زباں سمجھے

شکستہ پا ہو جب اے جہم یہ ذوق سفر کیسا دلیل کارواں ہونا تھا گرد کارواں کیوں ہو

جہنم میں جاؤں تو اے جہم رضواں اٹھا کر جہنم کو جنت میں ڈالے

بہت بلند ہے ہستی مری مگر اے جہم میں ایک ذرہ ہوں ناتج کے آستانہ کا

کسی دن جہم کہنا ہے خدائے بندہ پرور سے تری زلف کرم سے لی ہے تاب سرکشی میں نے

ہوا ہے میری بے ربطی سے اے جہم بہت کچھ رابطہ عیب و ہنر میں

چھپاؤں جہم ان سے کس طرح آٹا رچرے کے جو میرے ضبط غم کو دیکھ کر گھبرائے جاتے ہیں

جہم اس کے خلاف جانا ہے جس طرف زندگی کا دھارا ہو

حقائق ہی رہیں گے جہم میری سعی کا حاصل خیال و خواب میں فکرِ سخن الجھا نہیں سکتی

لگا کے جہم محبت میں آخری بازی شعور فکر و نظر کی رقم بھی ہار آیا

محبت ہے کیوں جہم بندوستان سے چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

کسی دن جا ملے گی روح اس بحر حقیقت میں کہاں تک واسطے اے جہم آب و گل کے زنداں سے

خاک نجف سے خاک جہم حزیں ملا دے الفت کی منزلوں میں دو دل ملانے والے

کچھ دن میں تیری یاد کی محفل اداس ہے اب چل بے گا جہم غزل خواں ترے بغیر

حق یہ ہے کہ سرکارِ نبوتؐ کے سوا جہم معیارِ فضیلت کوئی سمجھا نہ علی کا

مصائب سینکڑوں ہیں غم ہزاروں مشکلیں لاکھوں تمھارا جہم ہے تنہا امامِ جعفر صادق

پندرہ ماہِ رجب کی جہم دعوت جب ملی اور کچھ دن زندگی کا اعتبار آ ہی گیا

وہ زباںِ دانِ محبت ہے خدا کے فضل سے جہم کا ورثہ ہے اندازِ ثنائے بوڑاں

ہے حضرتِ ناسخ سے تلمذ کا تسلسل نسبت ہے مجھے جہم بڑے اہل ہنر سے

جنابِ جہم یہ اندازِ مدحت کیا پسند آئے ابھی دنیا کو اندازہ نہیں لطفِ حقیقت کا

رہا محروم دو دن بھی جو شغلِ مدح کوئی سے اسے اے جہم میں اپنے گناہوں کی سزا سمجھا

میں جہم اپنا فریضہ جانتا ہوں یہ ثنا کوئی مرا مقصد نہیں اظہارِ اپنی قابلیت کا

جہمِ اسلامِ حقیقی کبھی مٹنے کا نہیں حسنِ سبزِ قبا سے ہے نشانِ اسلام

فصلِ خالق سے مرے افکار میں اشعار میں فلسفہ ہے جہم غالب کا زباں میر کی ہے

اے جہم سوال آئے اگر لطف و کرم کا مولاً کی زباں پر کبھی ”لا“ ہو نہیں سکتا

مدحت کی جوانی ہے پیری ہی سہی میری احباب نہ یہ سمجھیں اب جہم میں دم کیا ہے

جہم شاعر ہے علی کا سب سے کمتر ہی سہی نکتہ داں ہو کر سدھارا نکتہ داں ہو کر رہا

بن گئی انسان کا معبد زمیں کر بلا جہم جب عزم و عمل کی زندگی لائے حسین

عطا کی میر زائی جہم کو پھر مدح کی نعت کیا ممتاز قدرت نے زباں میر سے پہلے

جناب جہم یہ عزت گزینیاں کب تک یہ بے نیاز روش چھوڑیے خدا کے لیے

جہم شاعر ہے حسین ابن علی کے در کا اور دنیا میں نہ منصب ہے نہ جاگیر کوئی

جہم میں ہوں شاعر بزم حسین ابن علی میرا نغمہ ہے فقط ساز حقیقت کے لیے

شعور مدح بزرگوں کا فیض ہے اے جہم زہے نصیب یہ اعزاز خاندانی ہے

تہلید میری ہوتی ہے اہل سخن میں جہم چھایا ہوا دلوں پہ یہ طرزِ کلام ہے

رنعت ترے کلام کی عرش آشنا ہے نجم کھیلی ہے فکر دامن برق و سحاب میں

کہاں تک یہ مروتِ جہم اک دن حق کے منکر سے خدا لگتی کہو جو دل کو لگ کر تیر ہو جائے

سب کہتے ہیں شاعر ہے دربارِ حسینؑ کا جہم اپنی حقیقت سے غافل نظر آتا ہے

ڈوبا ہوا اے جہم جو ہو عشقِ علیؑ میں دنیا میں اسے کیا خبر سود و زیاں کی

شیر کے غم نے پرکھا ہے شیر کے غم نے سمجھا ہے اے جہم کہیں اس دنیا میں سودا ترے دل کا ہونہ سکا

ان شجائے اول کا ہوں میں بندہ اے جہم تن تنہا بھی ہزاروں کو جو للکار آئے

اسے یارب نہ ہو معلوم حالتِ جہم کے دل کی غمِ اسلام کم ہے اور غمِ دنیا فراواں ہے

اے جہم میں ہوں شاعرِ دربارِ رسالتؐ کیا شک ہے کسی کو مری تصویر کشی میں جہم مداحِ پیہر کی بلندی نہ پوچھ خاک پر بیٹھے تو سر عرش سے جا ملتا ہے

میں اپنے شعر لے کر جہم اس منزل میں کیا جاؤں جہاں قرآن کی ایک ایک آیت ناز کرتی ہے

فضائے عرش میں اے جہم رہتا ہے دماغ اپنا فرازِ عرش سے اترے ہیں یہ اشعار کیا کہنا

جہم میرے ہم وطن ہیں غالب و میر و نظیر کیوں نہ کرتی میرے در پر ناصیہ سائی غزل

کیا پوچھتے ہو دیدہ پر غم کی منزلت بنے ہیں جہم دیدہ پر غم سے آدمی

گزر جاتی ہے اک تازہ قیامتِ جہنم کے دل پر کسی کے لب پہ ارضِ تاج کا جب نام آتا ہے
وہ دور جو اے جہنم تھا اُردو کا مخالف اس دور میں اُردو کی ہوئی نشوونما اور
یہ بھی اک حادثہ اُردو کی محبت کا ہے جہنم کنجِ عزلت سے جو باہر نکل آیا ہوں میں
کیا جہنم فریبِ دل سے بچیں دنیا میں فریبِ دل ہی تو ہے
پرسشِ احوال پر جزوِ شکر کچھ کہتے نہیں بوریے پر بھی مزاجِ ہلِ دل شاہانہ ہے
بے ساختہ زباں پہ درود آ رہا ہے جہنم اک روشنی سی منزلِ فکر و نظر میں ہے
انہیں بھی جہنم دیکھا ناصیہِ سامیر کے در پر جو اپنے زعم میں آگے ہیں کچھ غالب کی منزل سے
جہنم ان کے مری طرح پرستار بہت ہیں بندوں کی خدائی میں جو بندے تھے خدا کے
گلہ ہو شکر ہو تقدیر ہو کہ شعر ہو جہنم یہ طول ٹھیک نہیں انحصار پیدا کر
کس مصیبت میں لطافتِ مری تخیل کی ہے جہنم بے چین ہوں لفظوں کی گرانباری سے
میں خود ہوں مطمئن اے جہنم ادب کی خدمت سے جگہ نہ دے کہیں تاریخِ روزگار مجھے
قصیدہ عرض کچے جہنم شانِ حسن میں کوئی وہ کہتے ہیں غزل ارشاد فرمانے سے کیا ہوگا

یہ اے جہم تم حق پرستوں سے کہہ دو مبارک ہو سودائے خامِ محبت
جہم اس عہد میں بے قدر ہے کیوں جس وفا کوئی اتنا نہیں کہتا کہ خریدار ہیں ہم
خن طرازوں میں تنقید کی غرض سے سہی کلامِ جہم کا بھی ذکر لا کلام آیا
میں جہم حال کا مفہوم سمجھ نہ سکا مری نظر میں گزرتا ہوا زمانہ تھا
ہنرمندوں کا آپس میں حسد اے جہم کیا معنی ہنر سے دشمنی رکھتے ہیں یہ اہل ہنر ہو کر
کوشش تو جہم دولتِ دنیا نے کی بہت بھولے سے بھی نعم نہ کہا میں نے لا کے بعد
شریکِ حال نہ ہوتی جو جہم خودداری ہمارے غم کا فسانہ غمِ جہاں ہوتا
مجھے انیس کی عظمت پر رحم آیا جہم وہ رنگِ پیرۂ یومِ انیس پر دیکھا
عید ہی سہی لیکن میکدے میں ہم نہ تھے جہم ابرِ نوبہار دیکھنا چاہا گیا
جہم بہتر ہے تصنع کی دلاویزی سے تلخ لہجہ میں حقیقت کا بیاں ہو جانا
فطرتِ انساں پہ جب تک عشق کا پرتو نکلن جوہرِ انسانیت کو جہم خطرہ کچھ نہ تھا
جہم فکرِ حبِ حسن میں اک حرفِ آخر اور ہے ہم ٹھہرنے کے نہیں پیغام پہنچانے کے بعد

فرمودہ غالب کے موافق ہوں میں اے جہم جینے کا یقین کس کو ہے آہوں کے اثر تک

وحدت ہماری حاصل نوع بشر ہے جہم وابستہ ہیں جو دامنِ خیر البشر سے ہم

کوئی حسین کا ایثار جہم کیا سمجھے کسے ہے وسعتِ منہوم کربلا معلوم

کبھی یہ سوچتا ہوں جہم میں اشعار پر اپنے چڑھیں گی ان کی نظروں میں یہ آیاتِ جلی کب تک

آج کل سنتے ہیں عجیبی لہن پر ملتی ہے داد یوں زمانہ رخ نہیں کرتا غزل خواں کی طرف

آج اردوئے معلیٰ کی اشاعت کے لیے یہ غنیمت ہے کہ جہم نکتہ داں باقی رہا

بگڑ کر قلم کار قسمت سے جہمی محبت کی بگڑی بنانے چلے ہیں
اشکوں کی رو میں عجیبی دل کا لہو بہا کر غم کی نوازشوں کو رنگیں بنا رہے ہیں

وہی لفظوں کی خوش نظمی وہی ترتیب کے تیور جناب جہم کی نظموں سے رعنائی نہیں جاتی

زبانِ شاعرِ کامل پہ ہو اگر اے جہم مری نظر میں تعلق کوئی گناہ نہیں

کچھ اضافہ کر کے اٹھو جہم بزمِ شعر میں وقت کا مصرف کہیں تحصیل حاصل میں نہ ہو

جہم اس کے خلاف جانا ہے جس طرف زندگی کا دھارا ہو

عجب کیا شرک کا الزام آئے میرے سجدے پر محبت دل میں ہے اے جہم اک انسانِ اعظم کی

نائب کی طرح معترف میر ہوں میں جہم فیضِ سخن سے جس کے غزل معتبر ہوئی

فرد قسمت اس طرف ہوگی ادھر فردِ عمل جہم ظاہر قدرتِ عیب و ہنر ہو جائے گی

حقائق ہی رہیں گے جہم میری فکر کا حاصل خیال و خواب میں فکرِ سخن الجھا نہیں سکتی

جہم فطرت ہے مری ولولہ شعر و ادب میرے ایک ایک نفس میں ہے غزل خواں کوئی

ایسے قلم اٹھانے کی نوبت نہ آئے جہم جس طرح کھینچ لے کوئی تلوار نیام سے

حق ناشناس میرے مخاطب نہیں ہیں جہم خود داریِ سخن کو سخداں سے کام کیا
ہم پہ وقت آیا تو خود داری شریکِ حال تھی جہم اسبابِ غرض دامن کشاں دیکھا کیے

اللہ رے محبت کہ محبت کی فضا میں جہم اس نے کیا ہے مجھے خود میرے حوالے

تقلید میری ہوتی ہے اہلِ سخن میں جہم چھایا ہوا دلوں پہ رنگِ کلام ہے

پچپن برس کے ملکِ سخن پر تصرفات تیری ثنا گری ہے مرے گھر کی کائنات

اے جہم مدح آلِ نبی میں گزار دوں اللہ عمرِ خضر جو مجھ کو عطا کرے

میں جہم نہیں واقف آسائش دنیا سے کچھ نوحہ و ماتم ہی نکلیں گے مرے گھر سے

جہم ہم نکلے جو ارض تاج سے خسرو بے تاج ہو کر رہ گئے

جہم ارباب غرض نے دل کے ٹکڑے کر دیے زندگی نعمت سی نعمت سے بھی دل بھر گیا

میں جہم خود ہی سراپا نیاز ہوں ورنہ مرے کمال کی چوٹ پہ سر جھکا کرتے

راس آئے جناب جہم تنہیں سالک جادہ وفا ہونا

میرزا جہم سے نہ کچھ کہنا چاہے جو کچھ یہ کج کلام کریں

مہر و مہ بھی ہیں جہم دنیا میں آدمی سے مگر یہ بستی ہے
میں غالب و ناسخ کا ہم آواز ہوں اے جہم بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں ہے

جہم یہ نشانی ہے اہل دل کی دنیا میں ہم کو خاص نسبت ہے غم کی بارگاہوں سے

شاعر سمجھ کے جہم کو سمجھے ہیں سادہ دل واقف نہیں ہیں آپ بھی اس کج کلام سے

جہم میں قائل نہیں ہوں انکسار و عجز کا میں ہوں سلطانِ سخن اور فکرِ برحق ہے ندیم

ہم جہم چار روز کے مہمان ہیں مگر رہ جائیں گے یہ شعر و ادب کے تبرکات



غزلیات

195 = کل غزلیات

49 = مطبوعہ غزلیات

146 = غیر مطبوعہ غزلیات

1932 = کل اشعار غزلیات

فہرست غزلیات

شمار	مطلع	تعداد شعر	مطبوعہ	صفحہ نمبر
1	مرادل ہے نقشِ دوامِ محبت	7	//	469
2	کفرِ نعمت ہے غمِ عشق میں فریاد نہ کر	7	//	469
3	مست وہ عیش میں ہیں غم سے گراں بار ہیں ہم	17	//	470
4	ہستی کوئی ایسی بھی ہے انساں کے سوا اور	11	//	470
5	مری نظر میں نہ معیارِ صبح و شام آیا	11	//	471
6	خدا کی یاد کو بھی میکدہ میں آنا تھا	15	//	471
7	بچ ہے کہ وہ قریبِ رگِ جاں ضرور تھا	11	//	472
8	کسی دن داغِ گمراہی رہے گا ان کے سر ہو کر	17	//	473
9	احساسِ التجا بھی نہیں التجا کے بعد	13	//	473
10	ہر ایک دوست کو دشمن کو میں پکار آیا	13	//	474
11	جو اپنے دل کے طوطا کا ترنِ جہاں ہوتا	10	//	475
12	نہ پوچھے غمِ دوراں میں کیا اثر دیکھا	12	//	475
13	زمانے کی فضا میں انقلاب آنے سے کیا ہوگا	10	//	476
14	دے کے دل میں بے قرار دیکھتا چلا گیا	11	//	476
15	کھل گیا جامہٴ ہستی کا گراں ہو جانا	14	//	477
16	خوابِ خوش کہنے ہی کو اپنا تھا اپنا کچھ نہ تھا	12	//	477
17	پھر نہ اٹھا کوئی فتنہ حشر ہو جانے کے بعد	13	//	478
18	جنوں کا جوش دکھالالہ زار پیدا کر	18	//	478
19	پہنچیں گے نہ گمراہ تری راہ گزرتک	17	//	479
20	سوئے اہل بھی جائیں گے اس کڑ و فر سے ہم	19	//	480
21	حدِ گناہ میں آ جاتی ہے نگاہ کبھی	14	//	481

شمار	مطلع	تعداد شعر	مطبوعہ	صفحہ نمبر
22	مجھے کرنا ہے کچھ پروانہ آتش بجاں ہو کر	18	//	482
23	بن گئی قوس قزح جب لے کے انگڑائی غزل	16	//	482
24	دلی جذبات کے برعکس یہ صورت گری کب تک	13	//	483
25	آڑ ہے کعبہ کی سجدہ روئے جاناں کی طرف	13	//	484
26	لٹ لٹا کر تھا جو کچھ وہ بھی کہاں باقی رہا	10	//	484
27	اس قدر ہمدست احساس میں ڈوبا ہوا ہوں	16	//	485
28	کبھی یوں کہیں سر جھکانے چلے ہیں	12	//	486
29	پینگ ان سے بڑھ رہے ہیں وہ دل پہ چھا رہے ہیں	13	//	486
30	کبھی چتون سے وضع کار فرمائی نہیں جاتی	7	//	487
31	راہ رضا میں کہیں مصرف گناہ نہیں	12	//	487
32	سوچتا ہوں مصرف حق سعی باطل میں نہ ہو	11	//	488
33	بھرتو دے موت ذرا عمر کے پیائے کو	9	//	488
34	پھر ادھر دیکھتے چلے جاؤ	10	//	489
35	میرے دل میں جو دل تمہارا ہو	9	//	489
36	سنو گے مجھ سے میری ڈوبتی کشتی کا افسانہ	11	//	490
37	نگاہ دوست کی بے التفاتی رائیگاں کیوں ہو	13	//	490
38	مسلسل قہقہوں سے بے تلافی شدت غم کی	13	//	491
39	کس کرب سے وہ رات قفس میں بسر ہوئی	11	//	491
40	جب میں چاہوں گاشب غم مختصر ہو جائے گی	10	//	492
41	محبت کی نگاہوں کو نظر میں لانا نہیں سکتی	9	//	492
42	بیکسوں کی صفِ ماتم پہ ہے رقصاں کوئی	21	//	493
43	عجب کیا عیش کی غفلت میں سارا دن گزر جائے	7	//	494

شمار	مطلع	تعداد شعر	مطبوعہ	صفحہ
44	کیوں اس کو چھیڑتے ہو شبِ غم کے نام سے	13	//	494
45	زندگی غم میں گزرتی ہے رواداری سے	11	//	495
46	انساں سے لاکھ دور ہوں انساں سے کام ہے	10	//	495
47	شب ہے تمام صبح کا تارِ نظر میں ہے	8	//	496
48	مرتے مرتے اہل دل کیا سختیاں دیکھا کیے	14	//	496
49	اے تکِ نظرِ عشق کے جذبوں کو جگا لے	9	//	497
50	رہتے ہیں دورِ مرحلہ غم سے آدمی	9	غیر مطبوعہ	498
51	دل ہم سے نہ سنبھلا دل ہی تو ہے	6	//	498
52	یہ خودداری ہے یا بیگانگی ہے رنگِ محفل سے	11	//	499
53	صلوٰۃ و صوم سے آئینِ سرکشی نہ بنا	7	//	499
54	مٹی ہے موت بھی قسمت سے شاہکار مجھے	15	//	499
55	زیست کی حد ہے جہاں تک ہمتِ مردانہ ہے	8	//	500
56	خاک کے جو بنے عزم و عمل سے شہدا کے	11	//	501
57	مجھے بھی دل پہ میرے اختیار ہے کہ نہیں	4	//	501
58	موت لائے زندگانی لے گئے	6	//	501
59	میرے نفسِ نفس میں اشارہ سفر کا ہے	11	//	502
60	کیا خبر تھی زندگی کا مددِ عابد لیس گے ہم	6	//	502
61	کچھ عقل نے بگاڑا کچھ عشق نے سنورا	9	//	502
62	نازِ تسبیح و مصلّا اور ہے	8	//	503
63	مرا آغوشِ نظریا دایا	8	//	503
64	نضائے عشق میں لایا گیا ہوں	5	//	504
65	خداوندیاں ہیں ستم رانیاں ہیں	7	//	504

شمار	مطلع	تعداد شعر	غیر مطبوعہ	صفحہ
66	میں نے دیکھا ہے شباب آتا ہوا	7	//	504
67	بچ کے جو طوفانِ غم سے تر گئے	5	//	505
68	دنیا جسے ملتی ہے محبت نہیں ملتی	8	//	505
69	پھر غم و درد کی دھوپ ڈھلنے لگی	9	//	505
70	جھوٹ کو بچ اور بچ کو جھوٹ کر	7	//	506
71	اللہ اللہ اہل دل کی دسترس	9	//	506
72	سنا سب کچھ جو سننا تھا کہا سب کچھ جو کہنا تھا	5	//	506
73	سکونِ دل کی لذت چاہتا ہوں	6	//	507
74	بلا ہے محبت ہماری تمہاری	7	//	507
75	کوئی ڈوبے کوئی ابھر آئے	7	//	507
76	میرے مزاج درد کو روانہ کیجئے	7	//	508
77	کیا اپنا سانس لینا آہیں سی بھر رہے ہیں	6	//	508
78	فکر و دانش آزما کر کیا کروں	8	//	508
79	کچھ ایسی وضع کے دل ایسے غم بھی ہوتے ہیں	7	//	509
80	کیسی خموشی کیسے اشارے	8	//	509
81	خوش رہے خاک چھاننے والا	7	//	509
82	پوچھے کیا ہو جلالِ اُسِ حریمِ ناز کی	11	//	510
83	دنیا سے گزرتا ہے گزرتا نہیں آتا	6	//	510
84	کسے غرض تھی جو ہو کی فضا میں جا ملتا	6	//	511
85	جی رہے ہیں سہل و ممکن کے لئے	6	//	511
86	مجھے بھی دل پہ مرے اختیار ہے کہ نہیں	7	//	511
87	تعمیرِ آدمیت ترکیبِ رنگ و بو ہے	8	//	512

شمار	مطلع	تعداد شعر	غیر مطبوعہ	صفحہ
88	ستم کو مذہب و ملت کا آسرا نہ رہے	6	//	512
89	حال پر بار بار زوال آئے	10	//	512
90	یہ بھی ہے کوئی زندگی کیا یہی کائنات ہے	6	//	513
91	اے درپے سیاست آگاہ راز ہو جا	6	//	513
92	زندہ دلوں نے بار بار بحر فنا سے دی نجات	11	//	513
93	بادِ تلخ کام کیا کرتا	7	//	514
94	جلوے تڑے نظر میں سموئے ہوئے سے ہیں	7	//	514
95	حقیقتوں کی کسی وقت بھی کمی نہ رہی	13	//	515
96	قفص میں جو ہمیں تو بین غم نظر آئی	14	//	515
97	بیٹھے ہو کب سے منہ کو موڑے	7	//	516
98	اسی کے دم قدم سے ہے یہ شانِ زبیری اپنی	7	//	516
99	بہت بڑھ چلی زندگانی ہماری	7	//	517
100	نہ جسے نظر نے دیکھا نہ جسے خرد نے جانا	10	//	517
101	کہوں گا کچھ نہ قلبِ ناتواں کی	9	//	517
102	زمیں بوئے خوں سے مہکتی رہی	10	//	518
103	زخمِ دل زخمِ زباں سب سہم گئے	7	//	518
104	خوب بیٹھے ہیں بکیم سمجھے ہوئے	8	//	519
105	گھر میں خزاں کا دورِ چمن میں بہا رہے	9	//	519
106	وقت کی پرستش کیا آدمی کا مذہب کیا	12	//	519
107	تہنم ہو کہ آنسو چشمِ تریں	8	//	520
108	زورِ سخن سے اک جہاں روزِ نیا بنا دیا	7	//	520
109	عشق تھا حُسنِ کارِ سازان کا	9	//	521

شمار	مطلع	تعداد شعر	غیر مطبوعہ	صفحہ
110	راہِ وفا کے راہی کچھ ہم سفر بنا لے	14	//	521
111	بُرے بھلے میں کوئی خاک امتیاز کرے	15	//	522
112	کیوں اے فضائے درد کہیں دل نہیں رہا	12	//	523
113	موت کی آغوش میں بھی زیست کا دم خم رہے	15	//	523
114	بے حسوں کو درد کی منزل میں لاسکتا ہوں میں	8	//	524
115	غریبوں کی جسارت پر وہ منہ حیرت سے تکتے ہیں	10	//	524
116	نہ گدائی مجھے دے اور نہ سلطانی دے	6	//	525
117	شکستہ ہوش نہیں ہوں شکست پاؤں کیا	10	//	525
118	عشق کو کُسن بنانے کو چلے	7	//	525
119	ان کی آنکھوں میں کھٹکتی ہے یہ دولت میری	9	//	526
120	درد ہے خیال ان کا زندگی ہے خواب ان کا	5	//	526
121	میرے ہونٹوں پر تہسم میرے دل میں بائے ہے	6	//	527
122	حریم ناز کا پردہ اٹھا کے چھوڑ دیا	5	//	527
123	ان کو دیکھا بے خودی سی ہو گئی	6	//	527
124	کہاں ہے محبت کو کیا ہو گیا	10	//	527
125	دردِ دل حاصل نظر پایا	5	//	528
126	ہم دکھائیں گے جو سُن آئے ہو افسانوں میں	10	//	528
127	وہ دور چلے گا تا بہ کجا مئے جس کی تبیل عام نہیں	11	//	529
128	محبت کی وہ آہٹ پا نہ جائے	9	//	529
129	اب اتنی تو ہمت کیے جائے	5	//	530
130	ترے نام کو رہگزر دے رہا ہوں	9	//	530
131	کائناتِ غم کو خاطر میں کہاں لاتا ہوں میں	16	//	530

شمار	مطلع	تعداد شعر	غیر مطبوعہ	صفحہ
132	لب پہ کس کس کا نام آتا ہے	16	//	531
133	کیا سکوں دے گی نئے دور کی روداد مجھے	15	//	532
134	اعلانِ غریت کا اب اردو زباں سے ہے	19	//	532
135	ہونا لفظوں میں ادا عشق کا وہ جوش نہ تھا	10	//	533
136	وہ بھی تھا وقت کہ محفل میں تری بار نہ تھا	11	//	534
137	عشق حسنِ فطرت ہے دل جو یوں کچھلتا ہے	6	//	534
138	مرنے والا مرتے مرتے سختیاں دیکھا کیا	14	//	535
139	یہیں آئے دن رہیں گے جو نسا دبا غباں سے	13	//	535
140	رنگ کچھ سے کچھ ہوا نیرنگ عالم دیکھ کر	8	//	536
141	لائی غفلت مجھے دنیا کی ہوا کھانے کو	7	//	536
142	روتے نہ کئے اور تڑپتے نہ بسر ہو	10	//	537
143	وہ حسن سے بے تابواک عشق میں دیوانہ	15	//	537
144	جس کو سو آسانیاں تھیں وہ بھی کچھ مشکل میں ہے	10	//	538
145	ان کا سکوں تباہ کئے جا رہا ہوں	4	//	538
146	وہ جلوہ گر نہیں تو نگاہوں میں کیا رہے	8	//	539
147	شراب و شعر و نغمہ کے اثر کی یاد آتی ہے	10	//	539
148	بہت ہیں یوں تو پروانے حرم کی شمع سے پوچھو	6	//	539
149	درِ ساقی کلمے اک سجدہ مستانہ ہو جائے	9	//	540
150	حسن ہے ان کا ایک قیامت کیا کہیے	3	//	540
151	ہر حق میں خاموشی حوصلہ کی پستی ہے	4	//	540
152	میرا وہ غم رہا نہ وہ ان کی خوشی رہی	9	//	541
153	کون خدا خدا کرے وقت کا مقتضا نہیں	9	//	541

شمار	مطلع	تعداد شعر	غیر مطبوعہ	صفحہ
154	اُس نظر کی چوکھٹ کھا کر رہ گئے	11	//	541
155	دشمنی سہی لیکن دوست بن کے مارا ہے	13	//	542
156	مسافر ہوں مگر کیا زندگانی پر حکمرانی ہے	8	//	543
157	امید صبح کیوں دل حسرت اثر نہیں	15	//	543
158	تجھ میں ہو اگر جرأت رندانہ اٹھالے	13	//	544
159	نگاہیں میرے پیچانے مراد دینہاں سمجھے	15	//	544
160	کہنے کو حقیقت کی تلخی پتھر سا کلیجا کون کرے	14	//	545
161	طلب کرنا ہے مجھہ ان کا آئین خودی مجھ سے	7	//	546
162	دل وفا کا مزار کیوں نہ رہے	7	//	547
163	راہ پر لانہ سکی گردش یا مٹھے	12	//	547
164	دن گزرتا ہے شب آتی ہے سحر ہوتی ہے	9	//	547
165	نہ اب اہل دل ہیں نہ اب درد والے	10	//	548
166	موت سو بار آئے خاطر میں نہ لانا چاہیے	15	//	548
167	ظالم مری نظر میں محبت کا زہر ہے	5	//	549
168	شباب نام ہے غفلت کی نیند آنے کا	9	//	549
169	بھری دنیا پہ جب ڈالی نگاہ آخری میں نے	13	//	550
170	اسے کیا ہو دماغ خاکساری	8	//	550
171	کعبہ و دیر سے پیام آئے	6	//	551
172	کہہ چکے سب کہہ کے اب کیا کیجئے	7	//	551
173	محبت میں محبت کے تقاضے بھول جاتے ہیں	8	//	551
174	میرے دل میں جو دل تمہارا ہو	11	//	552
175	محبت کم نگاہوں کو نظر میں لانا نہیں سکتی	16	//	552

شمار	مطلع	تعداد شعر	غیر مطبوعہ	صفحہ
176	نور ہے کہ ظلمت ہے عشق کی بلا جانے	12	//	553
177	ہر ایک دوست کو دشمن کو میں پکار آیا	11	//	554
178	عفت قلب کے سوا کچھ بھی نہ تھا گناہ عشق	8	//	554
179	مرے شعر نشتر نثاں اور بھی ہیں	7	//	555
180	انھوں کا زندہ جاوید ہو کر بزمِ امکاں سے	12	//	555
181	جنہیں تم نے خلاف وقت سمجھا بے محل جانا	7	//	555
182	سکرا نہیں سیکھیں قبر کی ٹکا ہوں سے	10	//	556
183	زحمت کریں نہ میرے لئے جلوہ گاہ سے	13	//	556
184	روئے فرزاگی سیاہ کریں	7	//	557
185	ختم دم بھر میں کارہستی ہے	7	//	557
186	رازہستی ہے بتلا ہونا	6	//	558
187	اس کی دنیا کو بُرا کہتا ہے کیا کیا کوئی	17	//	558
188	دل میں رکھ مال جو دل خواہ نہیں	7	//	559
189	مسافر ہوں مگر کیا زندگی پر حکمرانی ہے	8	//	559
190	کسے غرض تھی جو ہو کی فضا میں جالما	7	//	559
191	اسی کے دم قدم سے ہے یہ شانِ رہبری اپنی	7	//	560
192	دیکھوں تو راہِ غم میں کوئی ہم رکاب ہے	13	//	560
193	فریضہ غم الفت نہ کیوں ادا کرتے	17	//	561
194	مدبیر اگر فاتح تقدیر نہیں ہے	17	//	561
195	جیسے میں اے قدموں رستہ سے پھر چلوں گا	9	//	562

منتخب اشعار غزلیات

(268)

بہت میکش جہاں روگھونٹ میں آپے سے باہر تھے کے معلوم ہے ہم نے وہاں آنکھوں سے پی کب تک

آج اردوے معلیٰ کی اشاعت کے لیے یہ غنیمت ہے کہ جہم نکتہ داں باقی رہا

یہ بھی اک حادثہ اردو کی محبت کا ہے جہم کنج عزالت سے جو باہر نکل آیا ہوں میں

زبان شاعر کال پہ ہو اگر اے جہم میری نظر میں تعلیٰ کوئی گناہ نہیں

غالب کی طرح معترف میر ہوں میں جہم فیض سخن سے جس کے غزل معتبر ہوئی

ہر بندہ اللہ کو اپنا سا نہ سمجھو ایسے بھی ہیں بیٹھے ہیں جو کوئین سنبھالے

میں فکر خیر میں ہوں وہ شر کر چکا بہت دشمن بچے گا اب نہ میرے انتقام سے

مصیبت پر مری خوش ہونے والے بھی ہیں دنیا میں بُرا کیا ہے مرا غم دشمنوں کے کام آتا ہے

جو کہنا ہے کہو حق پر کبھی آج نہیں آ سکتی کوئی طاقت خلوص فکر کو جھٹلا نہیں سکتی

کیا پوچھتے ہو دیدہ پر نعم کی منزلت بنتے ہیں جہم دیدہ پر نعم سے آدمی

دنیا سے لگا تھا دل تو بہت اٹھنا ہی پڑا محفل ہی تو ہے

انہیں بھی جہم دیکھا ناصیہ سامیر کے در پر جو اپنے زعم میں آگے ہیں کچھ غالب کی منزل سے

میں اپنے زعم بلندی میں مٹ گیا لیکن کبھی نشانہ احساس کمتری نہ بنا
ہر ایک در پہ نہ جا جہم داد کی خاطر کمال شعر و سخن کو گدا گری نہ بنا

میں خود ہوں مطمئن اے جہم ادب کی خدمت ہے جگہ نہ دے کہیں تاریخ روزگار مجھے

یہ کسی نے بھی نہ دیکھا آگ پروانہ میں تھی یہ زمانہ دیکھتا ہے آگ میں پروانہ ہے
پرسش احوال پر جز شکر کچھ کہتے نہیں بوریے پر بھی مزاج اہل دل شاہانہ ہے

باطن میں مرادوست ہے ظاہر میں ہے دشمن کہہ دے جو مرے عیب مرے سامنے آگے

ہزاروں قہقہوں میں گم نہ ہو جائے صدا میری اکیلا کیا کروں انسانیت پر فوجہ گر ہو کر
نظر آئے ہمیشہ عیب اوروں کے ہنر اپنے نگاہوں نے عنادی عارف عیب و ہنر ہو کر
ہنر مندوں کا آپس میں حسد اے جہم کیا معنی ہنر سے دشمنی رکھتے ہیں یہ اہل ہنر ہو کر

رندوں میں اور بڑھ گیا رحمت کا اعتبار واعظ ترے بیان عذاب خدا کے بعد

اک مشت خاک ہی سہی نسبت تو دیکھئے کونین میں مقامِ بشر ہے خدا کے بعد
کوشش تو جہمِ دولتِ دنیا نے کی بہت بھولے سے بھی نعم نہ کہا میں نے لا کے بعد

خود ساختہ ملا کے پیرایہٴ حکمت نے پرورہٴ صحت کو بیمار بنا ڈالا
مذہب کے مسائل میں ڈالے ہیں وہ الجھاوے آسان شریعت کو دشوار بنا ڈالا

شریکِ حال تھی عہدِ خزاں میں خود داری زباں پر بھی نہ افسانہ بہار آیا

تمہارے ذوقِ تکلم کا یہ تقاضا ہے تمہاری بزم میں ہر شخص بے زباں ہوتا
برا کہا مجھے دشمن نے خیریت گزری زبانِ دوست کا اک حرف بھی گراں ہوتا

ملا جو عیب کہیں ہم نے چشمِ پوشی کی ہنر جہاں نظر آیا بعدِ نظر دیکھا
مجھے انیس کی عظمت پہ رحم آیا جہم وہ رنگِ چہرہ یومِ انیس پر دیکھا

کوئی تدبیر کیجیے میں نہیں تقدیر کا قائل مری حالتِ پلٹنوں میں ترس کھانے سے کیا ہوگا

عشقِ ایثار کا وہ نقطہٴ آخر ہے جہاں زندگی میں ہے فراقِ تن و جاں ہو جانا

رحم کے قابل ہے اس کا عالمِ بے چارگی کہہ دیا جس نے بہت کچھ اور سوچا کچھ نہ تھا
فطرتِ انساں پہ جب تک عشق تھا پرتو نگن جوہرِ انسانیت کو جہمِ خطرہ کچھ نہ تھا

غورِ ظلم لرز جائے جس سے ٹکرا کے سکون و صبر کا وہ کوہسار پیدا کر

کس کو ہے خبر مر حطے طے کتنے کتنے ہیں اک قطرۂ ناچیز نے فقیر گھر تک

کوئی حسین کا ایثار جھم کیا سمجھے کسے ہے وسعت مفہوم کربلا معلوم

فلسفہ منطق سیاست موعظہ حکمت حدیث علم و فن کی ہر بلندی پر نظر آئی غزل
حمد و نعت و منقبت نوحہ قصیدہ مرثیہ کتنے عالم اپنے دامن میں اٹھا لائی غزل
میر و غالب کی غزل ہے جھم و ثاقب کی غزل جھ سے ارض تاج نے کی بزم آرائی غزل

رحمت نے گنہ گاروں کو خود حشر میں ڈھونڈا واعظ نے مجھے مار ہی ڈالا تھا ڈرا کے

شع و پنگ غنچہ و گل نمونہ نشاط اے بزم عیش کھیل یہ سب رات بھر کا ہے
میرے سوا کسی کو نہیں میری معرفت چہ چا جگہ جگہ مرے عیب و ہنر کا ہے

نبض ہستی پر ہے صدیوں سے ہماری انگلیاں جب مرض میں ہوگی تبدیلی دوا بدلیں گے ہم
یہ خیال خام ہے کس کم نظر کج فہم کا مسند شاہی سے اپنا بوریا بدلیں گے ہم

بدلا ہے جھم کیا معیار شعر فہمی جب سطح شاعری سے نغمے نے سرا بھارا

منح ہوتے ہیں ارادے بارہا کوئی شاید کار فرما اور ہے

سفر تھا کون سا ایسا جو بے جھک نہ ہوا رہے گا پوری طرح کامیاب شک نہ ہوا
بہت بڑا مجھے کرنا ہے اک سفر اے دوست اسی کے واسطے سامان آج تک نہ ہوا

آج کچھ اور ہیں تیور مرے دردِ دل کے
عزمِ محکم ہو تو گر گر کے سنبھلتا ہے بشر
ایک دن ایک گھڑی ایک نفس کی مہلت
عرض کرنا ہے تو کر آج کچھ ارشاد نہ کر
راہِ تدبیر میں اندیشہ افتاد نہ کر
غمِ دنیا سے جو مل جائے تو برباد نہ کر

دردِ زنداں سے بھی دنیا کو سبق دیتے ہیں
دوش پر ہم نے اٹھا رکھا ہے کونین کا بار
نہ محبت کے نہ دولت کے طلب گار ہیں ہم
ہر فضا میں ہمیں رہنا ہے نمایاں ہو کر
ہم نے دنیا سے بگاڑی ہے بہت حق کے لیے
فکر آزاد ہے جس کی وہ گرفتار ہیں ہم
کون کہتا ہے زمانے کے لیے بار ہیں ہم
کم سے کم عزتِ انساں کے تو حقدار ہیں ہم
آج سردار نہیں ہیں تو سر دار ہیں ہم
حرفِ حق ہے جو بغاوت تو گناہ گار ہیں ہم

ہستی کوئی ایسی بھی ہے انساں کے سوا اور
منبر سے بہت فصل ہے میدانِ عمل کا
یہ دور جو اے جہم ہے اردو کا مخالف
مذہب کا خدا اور ہے مطلب کا خدا اور
تقریر کے مرد اور ہیں مردانِ ونا اور
اس دور میں اردو کی ہوئی نشو و نما اور

ستمِ شعاروں کے ہاتھوں ہزاروں ظلم ہے
فرشتے رہ گئے خاموش فرطِ حیرت سے
خیال میں بھی نہ احساسِ انتقام آیا
وہ راہِ عشق میں انساں کا مقام آیا

مارا ہے کس کے داؤں سے دنیا سے کیا کہوں
میں دوست سے قریب تھا دشمن سے دور تھا

خبر کیا خانہ بربادوں کی تم کو
شبِ غم رنگ لائی جاتے جاتے
ابل آنے سے پہلے کچھ نہ سمجھے
خدائی ہے خداوندی ہے گھر میں
لگادی آگ دامنِ سحر میں
بہت کچھ تھا حیاتِ مختصر میں

کب تک رہیں گے آخر شام و سحر کے شکوے
ہر عیب سے ہے مشکل دامن بچا کے چلنا
پھر دو جہاں بھی تیرے کون و مکاں بھی تیرے
تو جیسے چاہتا ہے شام و سحر بنالے
جس عیب کی ہوس ہو اس کو ہنر بنالے
اپنی نظر کو بالکل اپنی نظر بنالے

بُرے بھلے میں کوئی خاک امتیاز کرے
نہ اقتدار دو روزہ پہ کوئی ناز کرے
جو سوچتا ہوں وہ دنیا سے کہہ نہیں سکتا
سکونِ دل سے تمنا ہے ایک سجدہ کی
وہ پیر بن ہوں جو یوسف کو کھوکھو کے ناز کرے
کے خبر ہے وہ کل کس کو سرفراز کرے
خدا کسی کو نہ یوں بتلائے راز کرے
خدا نصیب اگر فرصت نماز کرے

مانگی ہے ان سے موت نہ مانگی تھی زندگی
میں نے لیا ہے قوت بازو سے اپنا حق
دامن کبھی یہ دامن سائل نہیں رہا
شرمندہ نوازشِ باطل نہیں رہا

تیز گامی پر نہ جا اے رہنمائے کارواں
نقش آب و گل کی ایسی خود سری اچھی نہیں
یہ کتنے کارواں آگے بڑھے اور تھم رہے
سرکشِ نافہم گردن میں ذرا سا خم رہے

میں یہ کہتا ہوں کہ محفل میرے ساتھ اٹھ جائے گی
مجھ کو واعظِ رشک مسجد کی امامت پر ہو کیا؟
یہ نہ کہیے مجھ کو محفل سے اٹھا سکتا ہوں میں
جب نمازِ عشقِ مفضل میں پڑھا سکتا ہوں میں
شع کی زحمت نہ کیجئے دل بلا سکتا ہوں میں
غم کی یہ تاریک راتیں اور تسلی کا پیام

نظر والو حقیر و ناتواں ہم ہیں مگر ایسے
فرشتے گرد بھی ان منزلوں کی پا نہیں سکتے
کہ آج اتنی بڑی دنیا کی نظروں میں کھٹکتے ہیں
جہاں ہم خاکسارانِ ازل دامن جھٹکتے ہیں
کہیں اس طرح کے مضبوط رشتے ٹوٹ سکتے ہیں
گلے میں لفظِ اظہارِ حقیقت کے اکتکتے ہیں
سراپا جرم ہو کر بھی میں بندہ ہوں وہ خالق ہے
کریں کیا بندگانِ وقت حق کہتے جھجکتے ہیں

میں فکر خیر میں ہوں وہ شر کر چکا بہت دشمن بچے گا اب نہ میرے انتقام سے

جن کی ہشیاری کے دنیا میں نشانے تھے بہت وہ بھی مارے گئے خود اپنی ہی ہشیاری سے
بزمِ انساں میں کہاں سادگی قول و عمل ایک ذرہ نہیں محفوظ ادا کاری سے

تابوت و شامیانہ و قبر و چراغ و گل اللہ آج بھی سرو ساماں سے کام ہے

ہر بندہ اللہ کو اپنا سا نہ سمجھو ایسے بھی ہیں بیٹھے ہیں جو کونین سنبھالے

یہ کسی نے بھی نہ دیکھا آگ پروانے میں تھی یہ زمانہ دیکھتا تھا آگ میں پروانہ ہے
ساری دنیا اک فریب جلوۂ جانا ہے یہ حرم ہے دور سے نزدیک سے بت خانہ ہے
کچھ ہوا دے دیں اگر بیرون در کی کوشش گھر جانے کے لئے حاضر چراغ خانہ ہے

اندازہ محفل تو مجھے دور سے بھی تھا کچھ اور بھرم کھول دیا پاس بٹھا کے
باطن میں مرادوست ہے ظاہر میں ہے دشمن کہہ دے جو مرے عیب مرے سامنے آ کے

شع و پتنگ غنچہ و گل نغمہ نشاط اے بزمِ عیش کھیل یہ سب رات بھر کا ہے

یہ خیال خام ہے کس کم نظر کج فہم کا مسند شاہی سے اپنا بوریا بدلیں گے ہم

میں حریمِ ناز میں در آگیا پردہ کونین سرکاتا ہوا
جسم کیا رو کے گی یہ دنیا مجھے میں نکل جاؤں گا ٹھکراتا ہوا

مری نظروں میں کتنے حادثے آئے تبسم کے بچائی اور سمیٹی چاند نے جب چاندنی اپنی

زہے قسمت اسی کے ہاتھ سے مارے گئے آخر
چھپا رکھی تھی جس نے دوتی میں دشمنی اپنی

نہ جسے نظر نے دیکھا نہ جسے خرد نے جانا
مجھے اس روش سے دنیا کی بڑاسکوں ملا ہے
میں گزر کر رہا ہوں ابھی درگزر سے لیکن
مرے غم کو غم نہ سمجھا مرے دل کو دل نہ جانا
یہ جلال و جبر دیکھو اسے مان لے زما
مرا ہاتھ ہوگا کاری جو پڑے گا ہاتھ اٹھانا

زباں دان محبت ہی نہیں تم
تمہیں کیا قدر ہو اُردو زباں کی

ہراک کی لغزشیں دیکھیں ہراک کو ٹوک دیا
صلہ کچھ اس کے سوا جہم کو نہیں منظور
مری نگاہ تھی اور مجھ کو دیکھتی نہ رہی
اگر ذریعہ عزت یہ شاعری نہ رہی

ہراک زبان پہ چہ چاہے سرفروشی کا
کچھ ایسے خاک نشیں دل بھی گزرے ہیں
یہ دور وہ ہے کہیں سے جواب تک نہ ملا
اہل کے سائے میں کیا زندگی نکھر آئی
اہل بھی آئی سرہانے تو پوچھ کر آئی
ہر ایک در پہ محبت سلام کر آئی

زندہ دلوں نے بار بار کھڑ فنا سے دی نجات
یہ نہ سنبھالتے اگر ڈوب گئی تھی کائنات

یقین ہے کہ ستارے جگہ سے ہٹ جائے
حیات و علم و نشاط و صلاح و دانش و مرگ
قدم جو ہم بھی اٹھاتے تو راستا ملتا
بشر کو اور لباس بشر میں کیا ملتا

ایسے ایسے بھی ہیں مرد اعتبار
کھودیا ظاہر کو باطن کے لئے
جہم دنیا میں بہت سے کام ہیں
آدمی درکار ہے جن کے لئے

میں شب غم کے طلائم میں اکیلا ہوں مگر آس ہے اک جانی پہچانی ہوئی آواز کی

رحمت کا اعتبار بھی جاتا ہے ہاتھ سے اب کرچکے گناہ تو پروا نہ کیجئے
منہوم زندگی ہے محبت کا ایک دن دو دن کی زندگی پہ بھروسہ نہ کیجئے

آسانیوں کے دور کا حاصل نہ پوچھئے سب کچھ ہے صرف حوصلہ دل نہیں رہا

میرے لبوں سے میرا چمن لالہ زار ہے کیا اس سے بڑھ کے اور دلیل بہار ہے
ہم اعتبار وقت کی حد سے گزر چکے اب وہ ہیں ان کا وقت ہے اور اعتبار ہے
میں فرش میکدہ پہ بھی ہوں مثل بوئے گل واعظ غریب مسند و منبر پہ بار ہے
کچھ کر لیا اُسی نے جو یہ سوچ کر اٹھا میری ہے جیت سارے زمانے کی بار ہے

تم خود ہی دیکھ لو گے غم زندگی میں ہم دو بے ہوئے سے ہیں کہ ڈبوئے ہوئے سے ہیں

حقیقتوں کی کسی وقت بھی کمی نہ رہی قصور فکر و نظر ہے جو تشنگی نہ رہی
پڑا رہا ہے عداوت پہ عمر بھر پردا مگر نگاہ محبت کبھی چھپی نہ رہی
کہاں وہ عہد گزشتہ کی دوستی اے دوست وہ دشمنی کی شرافت وہ دوستی نہ رہی

دانہ گندم سے ہیں محروم آج پھانکتے تھے کل جو موتی کوٹ کر

دنیا بنا کے لے گا کیا دور زندگی میں میں دل بنا رہا ہوں تو دل میں گھر بنالے
کچھ آسماں سے بھی ہے اونچا میرا تخیل تو زیر آسماں کچھ دیوار و در بنالے

یہ نازِ حسن مری عاشقی کے دم سے تھے تمہارے دل میں ہوں بولو زباں پہ آؤں کیا

نام تو ساتھ نہ جائے گا خدا حافظ ہے ایک رہ جائے گی دنیا میں امانت میری

شوق کی آگ رُکے گی نہ دے گی اے دوست اڑ کے پہنچے گی یہ پروانوں سے پروانوں میں
مدفونوں پر جو شہیدانِ محبت کے ملی مسجدوں میں ہے وہ رونق نہ صنم خانوں میں

پہلو میں برائے نام ہے دل اب درد کا دل میں نہیں مومن ہیں مگر ایمان نہیں مسلم ہیں مگر اسلام نہیں

کہیں خود بھی بدلتا ہے زمانہ زبردستی اگر بدلا نہ جائے
وہاں تک دین کے ساتھی ہزاروں جہاں تک ہاتھ سے دنیا نہ جائے

اب اتنی تو ہمت کیے جائیے بل آئے تک ہی جیے جائیے

مرزا سوز دل دیکھ لے گا زمانہ گرجتے بدستے شرر دے رہا ہوں

دل کی وسعت اور ہے محفل کی وسعت اور ہے ظلم ہوتا ہے کسی پر یاد آجاتا ہوں میں
کوئی خوش خوش جب نظر آتا ہے قید و بند میں دیکھ کر خود اپنی آزادی کو شرماتا ہوں میں
میری پستی پر نظر کر اپنی ہستی دیکھ کر اے خدائے آب و گل انسان کہلاتا ہوں میں

سخت جانی سے ہے میری اسی دنیا کو گلہ اسی دنیا نے کیا موم سے فولاد مجھے
عرض کرتے ہوئے گزرا ہے زمانہ بے سود دی ہے احساس نے اب ہمتِ ارشاد مجھے
اپنی ہمت کے مطابق ہے ہر انسان کی فکر کوئی ناشاد سمجھتا ہے کوئی شاد مجھے

اعلانِ غربت کا اب اردو زباں سے ہے پوچھے تو کوئی بہ لب و لہجہ کہاں سے ہے
 طفلی میں بے خرد تھا جوانی میں بے حواس میں کیا کہوں گناہ کی منزل کہاں سے ہے
 ایک وجہ تسکین ہے طاعت و اطاعت کیا حق ادا نہیں ہوتا حوصلہ نکلتا ہے

سختیاں کرتی گئیں نزدیک مقصد سے مجھے مشکلوں میں دن بہ دن آسانیاں دیکھا کیا

میں جہانِ غم میں رہ کر ہوں الگ غم جہاں سے نہ شریک کارواں ہوں نہ جدا ہوں کارواں سے
 انہیں آج سانس لینا بھی ہوا قفس میں مشکل جو ہوا میں پھر رہے تھے کبھی سیر آشیاں سے

بجھ چلا تھا دل مرا زانو سفر کم دیکھ کر کیا تسلی ہوگئی سرمایہ غم دیکھ کر

اک شعلہ فانی پر مٹ جائے گا پروانہ انجام سے غافل ہے آغاز کا دیوانہ
 ترتیب عناصر میں فرق آ ہی گیا اک دن آخر میں قفس رہتا کب تک مرا کاشانہ

اور بھی کوئی مذہب ہے سوا محبت کے میرا ہے یہی مذہب پوچھے ہو مذہب کیا

مجھ سے اٹھ سکتا نہیں احسانِ اربابِ کرم پھول بھی پھینکے جو کوئی آگ ہو جانا ہوں میں

نیشن میرا رہنے دو چمن میں آج اگر آئی نشین ہی پہ آئے گی چمن پر آ نہیں سکتی
 خوشی ہو یا غم اک ٹھیس ہے دل کی لطافت پر سمجھ میں ہر کس و ما کس کے یہ بات آ نہیں سکتی
 ہمیشہ دل دکھائے گا خدا کی راہ میں واعظ یہ رندوں کو بُرا کہنے کی عادت جا نہیں سکتی

جیسے وہ یاد فرمائیں کہیں رکتا ہے رو کے سے زمانہ دیکھتا رہتا ہے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں

ہماری سمت جب اٹھتی ہے تنقیدی نظر کوئی ہم اپنا عیب ان کا تذکرہ کر کے چھپاتے ہیں

ہم تو ہندوستان والے ہیں کاش ہندوستان ہمارا ہو

جو کہنا ہے کہو حق پر کبھی آنچ آ نہیں سکتی کوئی طاقت خلوص فکر کو جھٹلا نہیں سکتی

بے نیازی اس قدر کس کام کی بھولے بھٹکے حال پوچھا کیجئے

سحر آتی ہے جب نزدیک نارے جھلملاتے ہیں یہ ظالم آخر لمحوں پہ اپنے مسکراتے ہیں

خودی ہے بخودی ہے بندگی ہے کفر ہے کیا ہے خود بھی چھوڑ دی میں نے دنیا بھی چھوڑ دی میں نے کوئی آساں نہ تھا اظہارِ درد و مدنا کرنا بڑی مشکل سے کی الفاظ کی صورت گری میں نے

قلق ہے اٹکِ ندامت میں ڈوب جانے کا ملا نہ خون میں اپنے مزا نہانے کا نیاز عشق کجا اور نمازِ خوف کجا ادائے فرض میں ہے فرض سر جھکانے کا بہت بلند ہے ہستی مری مگر اے جہم میں ایک ذرہ ہوں ناحق کے آستانے کا

خاک کے پتلوں پر ہنستی ہے زمیں آساں تک سر اٹھا کر رہ گئے

کیا ستم ہے آدمی راضی ہو اس تقدیر پر دوامِ دنیا زیادہ آدمیت کم رہے ہم نے دیکھے ہیں یہ منظر زندگی کی دوڑ میں جو زیادہ سے زیادہ تھے وہ کم سے کم رہے

آج تک تو جیتا ہوں اپنے ہی سہارے پر چاہتے ہیں یہ کہہ دوں آپ کا سہارا ہے

کسی دن آسمان کو ہم بنالیں گے زمیں اپنی زمیں ان کو مبارک جو زمیں کو آسمان سمجھے

غم ہے بہت اے دوست خوشی کم ہے جہاں میں جو کچھ بھی تری ہمتِ مردانہ اٹھالے

آمد و شد ہر نفس کی دے رہی ہے یہ پیام حق کو آنا چاہے باطل کو جانا چاہے

عمر بھر پرورش فکر و نظر ہوتی ہے زندگی پھر بھی اندھیرے میں بسر ہوتی ہے

وطن میں ہیں جیسے کوئی بے وطن ہو کسی پر خدا یہ مصیبت نہ ڈالے

در زنداں سے بھی دنیا کو سبق دیتے ہیں فکر آزاد ہے جس کی وہ گرفتار ہیں ہم
ہر فضا میں ہمیں رہنا ہے نمایاں ہو کر آج سردار نہیں تو سر دار ہیں ہم
ہم نے دنیا سے بگاڑی ہے بہت حق کے لئے حرفِ حق ہے جو بغاوت تو گنہگار ہیں ہم

یہ گت بنا کے جاؤں میں کیا اُس کے سامنے تخلیقِ کائنات پر جس کو غرور تھا
خدا کو میں نے بہ فیضانِ عشق مان لیا خرد زدوں کو دلائل میں سر کھپانا تھا

ہزاروں قہقہوں میں گم نہ ہو جائے صدا میری اکیلا کیا کروں انسانیت پر فوجِ گر ہو کر
دیا کرتا ہے انسان اپنے دل کو بھی فریب ایسا خبر سب کچھ ہے اور بیٹھے ہوئے ہو بے خبر ہو کر
نظر آئے ہمیشہ عیب اوروں کے ہنر اپنے نگاہوں نے دغا دی عارفِ عیب و ہنر ہو کر
ہنر مندوں کا آپس میں حسد اے جھم کیا معنی ہنر سے دشمنی رکھتے ہیں یہ اہل ہنر ہو کر

اک مشہِ خاک ہی سہی نسبت تو دیکھئے کونین میں مقامِ بشر ہے خدا کے بعد

تمہارے ذوقِ تکلم کا یہ تقاضا ہے تمہاری بزم میں ہر شخص بے زباں ہوتا
بُرا کہا مجھے دشمن نے خیریت گزری زبانِ دوست کا اک حرف بھی گراں ہوتا

رحم کے قابل ہے اس عالم بے چارگی کہہ دیا جس نے بہت کچھ اور سوچا کچھ نہ تھا

اس بھری دنیا میں اک انسان نظر آتا نہیں زعم کتنا بڑھ گیا انسان کہلانے کے بعد

گلہ ہو شکر ہو تقریر ہو کہ شعرِ جزم یہ طول ٹھیک نہیں اختصار پیدا کر

کس کو خبر مرحلے طے کتنے کئے ہیں اک قطرہ ناچیز نے تعمیر گھر تک

کیوں اضافہ کر کے اٹھو جزم بزمِ شعر ہے وقت کا مصرف کہیں تحصیل حاصل میں نہ ہو

خدا محفوظ رکھے خود پرستی خود نمائی سے ان آئینوں میں جو منہ دیکھ لے ہو جائے دیوانہ

زمین جب پاؤں سے نکلی تو ہم باز آگئے سر سے کہ ایسے وقت بد میں دوش پر بار گراں کیوں ہو

بہت ممنون ہوں احباب کی چشمِ عنایت کا مری کمزوریاں دیکھیں نظر اپنی طرف کم کی
لبو کے گھونٹ پی کر بھی کہیں سیری نہیں ہوئی بجاتی ہے کسی کی تشنگی اک بوندِ شبنم کی
اٹھا کر دہر سے رسمِ محبت اہل دنیا نے اضافہ علم و حکمت میں کیا انسانیت کم کی
عجب کیا شرک کا الزام آئے میرے بعدے پر محبت دل میں ہے اے جزم اک انسانِ اعظم کی

جر کا شکنجہ تھا میری ناتواں گردن موت نے چھڑایا ہے زندگی کی باہوں سے

فرش پر ہے تخت ان کا عرش پر دماغ اپنا
کیا ہوگا فیصلہ مری ذوق نگاہ کا
کیا فقیر رہتے ہیں دب کے بادشاہوں سے
دنیا کو دیکھتے ہیں سب اپنی نگاہ سے

زندگی بھر ادھر ادھر دیکھا
آدمی سے ہو کیوں نظر نیچی
آج اپنی طرف نگاہ کریں
اپنے اللہ کا گناہ کریں
دشمنی میرا کیا بگاڑے گی
دوست بن کر مجھے تباہ کریں

ناز ہے جا نہ کر بلندی پر
کتنی مہنگی ملے دریغ نہ کر
ہر بلندی کی اصل پستی ہے
پھر بھی عزت کی موت سستی ہے
اپنے اپنے بنالیے ہیں خدا
ہر پرستش میں خود پرستی ہے

حیات و علم و نشاط و ملال و دانش و مرگ
بشر کو اور لباسِ بشر میں کیا ملتا

زہے قسمت اُسی کے ہاتھ سے مارے گئے آخر
چھپا کھٹی تھی جس نے دوستی میں دشمنی اپنی

میں عشق کے تصدق انسان بن گیا ہوں
زیرِ قدم فرشتے آنکھیں بچھا رہے ہیں

ظاہر ہے ایک باب نہاں ایک باب ہے
اپنی خرابیوں پہ کسی نہ نظر نہ کی
یہ کائنات دہر ادھوری کتاب ہے
ایک ایک کہہ رہا ہے زمانہ خراب ہے

نہ کس طرح تری رحمت کا آسرا کرتے
زہے جلال کے شاہوں کو دستِ قدرت نے
اگر گناہ نہ کرتے تو اور کیا کرتے
کیا لحاظ نہ ہم صورتِ گدا کرتے

چشم یہ نشانی ہے اہل دل کی دنیا میں ہم کو خاص نسبت ہے غم کی بارگاہوں سے

میرزا چشم سے نہ کچھ کہنا چاہے جو کچھ یہ کج کلاہ کریں

راس آئے جناب چشم تھیں سالک جادہ وفا ہونا

اشکوں کی روچیں تجھی دل کا لہو بہا کر غم کی نوازشوں کو رنگیں بنا رہے ہیں

میں غالب و ناسخ کا ہم آواز ہوں اے چشم بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں ہے

سہارا چشم جس کو ہم نہ دیں وہ زور و طاقت کیا وہ مجلس کیا ہے جس مجلس میں رہ جائے کی اپنی

میں چشم خود ہی سراپا نیاز ہوں ورنہ مرے کمال کی چوکھٹ پہ سر جھکا کرتے

چشم بہتر ہے تصنع کی دل آویزی سے تلخ لہجے میں حقیقت کا بیاں ہو جانا

کوئی حسین کا ایثار چشم کیا سمجھے کسے ہے وسعت منہوم کر بلا معلوم

چشم فطرت سے مری ولولہ شعر و ادب میرے ایک ایک نفس میں ہے غزل خواں کوئی

بدلا ہے چشم کیسا معیار شعر فنی جب سطح شاعری سے نغمہ نے سر ابھارا

ناز تسبیح و مصلیٰ اور ہے زیر خنجر ہو جو سجدا اور ہے

سہارا چشم جس کو ہم نہ دیں وہ زور و طاقت کیا وہ مجلس کیا ہے جس مجلس میں رہ جائے کی اپنی

ہماری فکر کا اندازہ دیکھ کر اے جہم فلک سے کیا یہ غزل کی زمیں اتر آئی

محتاج شرح جو ہو وہ جہم شاعری کیا ہر شعر پر یہ قدغن دنیائے راز ہو جا

اے جہم کتنے اہل سخن نے میرے سخن کے چہرے اتارے

مرے منہ سے جھرتے رہے پھول جہم زباں شاخ گل سی لچکتی رہی

جہم کتنے ہوں گے عرقی کی طرح نشتر و لا و نعم سجھے ہوئے

کیا ڈھونڈتی ہے جہم نگاہ سخن شناس ہم اپنے کیف شعر میں کھوئے ہوئے سے ہیں

جہم خدا سے آج تک راست معاملات نہیں بندہ در اسی کا ہوں جس نے مجھے جگا دیا

جہم ہر شعر میں ترنم ہے آج شاعری ہے نے نواز ان کا

یوں تو سو بہانے ہیں جہم کچھ نہ کرنے کے قصد ہے تو کرنا آج کل اور اب تب کیا

کسی کو جہم خوشی ہو تمہارے غم سے اگر دعا کرو کہ خدا عمر غم دراز کرے

آپ دو آنسو بھی اپنے جہم پی سکتے نہیں پینے والا ڈگڈگا کر زہر بھی پی جائے ہے

کبھی جہم طوفاں اٹھانا بھی ہے کہاں تک یہ آنسو پئے چائے

جہم مغرب کی فضا بھی کانپ جاتی ہے کبھی کوشہ مشرق سے وہ پیغام پہنچانا ہوں میں

جہم تقدیر کی گردش سے میں دبے کانہیں پست ہمت نہ کرے وقت کی افتاد مجھے

تخلیق کائنات کا عنوان دیکھنا اے جہم ابتدائے محبت کہاں سے ہے

زادہ ایراں ہے تو پروردہ ہندوستان یہ دو عالم مانتے ہیں تیری یکتائی غزل
جہم میرے ہم وطن ہیں غالب و میر و نظیر کیوں نہ کرتی میرے در پر ناسیہ سائی غزل

جہم صاحب کو راستہ دینا مذہب عشق کے امام آئے

میرے لیے آرام کہاں مسجد کا امام ہوں نہ منبر کا خطیب

بزم انساں میں کہاں سادگی قول و عمل ایک ذرہ نہیں محفوظ ادا کاری سے

وہاں تک دین کے ساتھی ہزاروں جہاں تک ہاتھ سے دنیا نہ جائے

عیش کیا سخت سزا دینا ہے مقصد زیت بھلا دینا ہے

عمر بھر پرورش فکر و نظر ہوتی ہے زندگی پھر بھی اندھیرے میں بسر ہوتی ہے

جہم کے سخن میں اب درد ہے قیامت کا پہلے لعل اُگاتا تھا خون اب اُگلتا ہے

یہ تو جہم آپ کی ہی ہے وہ دوام شعر گوئی مرے دل پہ چوٹ لگتی ہے صلائے نکتہ واں سے

غزل کو میں نے متانت کی آہرو بخشی
غزل کے چہرے پہ ہے میرے التفات کا نور
کیے ہیں شمعِ غزل سے وہ داغِ دل روشن
بنا ہے جن کی تجلی میں ملک کا دستور

jabir.abbas@yahoo.com

باب چہارم

غزلیات

1. غزل کوئیں نے متانت کی آبرو بخشی ڈاکٹر سید تقی عابدی
2. آسان شعر و ادب کے نجم جناب اختر انصاری اکبر آبادی
3. نجم آفندی کی غزل کوئی ڈاکٹر سید نواز حسن زیدی
4. نجم آفندی کی غزلیں مختار مہ شین فاطمہ
5. منتخب اشعار غزلیات (268) عدد
6. فہرست غزلیات (195) عدد
7. مطبوعہ غزلیات 1 اہی 49 (49) غزلیات
8. غیر مطبوعہ غزلیات 50 اہی 195 (146) غزلیات

ڈاکٹر سید تقی عابدی

”غزل کو میں نے متانت کی آبرو بخشی“

(جزم)

”لو قطرہ قطرہ“ نجم آفندی کی پچاس غزلوں کا پہلا مجموعہ ہے جو موصوف کے انتقال کے چار سال بعد پرنک محل، ناظم آباد کراچی سے شائع ہوا۔ اس مجموعہ کے پہلے شاعر سید محمد شاکر نے بہت صحیح لکھا ہے کہ ”جہاں تک غزل اور عشقیہ نظموں کا تعلق ہے۔ اس میں بھی آپ کو جو کمال حاصل تھا وہ بھی احاطہ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ اس کے معترف وہی لوگ ہیں جنہوں نے آپ کو بند و پاک کے مشاعروں میں سنا۔ آپ کے عشقیہ مضامین میں بھی اپنے اندر وہی چاشنی ہے جو ایک حساس دل ہی کا خاصہ ہے۔ آپ کی شاعری میں اگر میر کا نشتر ہے، سودا کی شوخیاں ہیں، انیس جیسی روانی ہے تو غالب کی گہرائی بھی اور انداز بیان نہایت ہی سادہ اور معنویت لئے ہوئے ہے۔“

آنکھوں نے جان ڈال کے دل رکھ دیا تھا نام

دل کیا تھا میرے ذوقِ نظر کا شعور تھا

اگرچہ یہ مجموعہ جزم کے انتقال کے بعد منظر عام پر آیا لیکن خود مرحوم کی تحریر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ کوشش ان کی زندگی میں شروع ہو چکی تھی۔ لکھتے ہیں۔ ”احباب کے مسلسل اصرار کے باعث اکثر مشاعروں میں بھی شرکت کرنی پڑی اور غزلیں کہنا پڑیں مگر اس کا کوئی مجموعہ اب تک شائع نہیں ہوا۔ اس صنف کا یہ پہلا مجموعہ ہے۔“

ڈاکٹر بشیر فاطمہ غزلوں کے مجموعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں: ”غزل اپنے ارتقائی منازل میں صرف اپنے موضوعات کا مظہر ہیں۔ یہ سوچا بھی نہ جاسکتا تھا کہ غزل کو کسی اور قالب

میں ڈھالا جاسکتا ہے۔ مرزا غالب نے غزل کے لئے کسی قدر اگ راہ متعین کی تھی لیکن علامہ اقبال نے غزل کو ایک نہایت ترقی یافتہ صنفِ شاعری کی حیثیت عطا کی۔ انھوں نے موضوعات کے تنوع، حقائق کی رنگارنگی کو غزل میں سمو کر یہ بات ثابت کر دی کہ غزل فلسفہٴ خودی، فلسفہٴ عشق و حسن، مضامینِ تصوف اور تمام تر مسائلِ حیات کی ترجمانی کر سکتی ہے۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ غزل غالب اقبال اور فانی کے بعد صرف نجم صاحب کے سہارے ہی سے صدیوں زندہ رہے گی تو بے جا نہ ہوگا۔ نجم صاحب کی غزلیں ان اقدار کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں جن سے اقبال نے غزل کو آشنا کیا، اس نچ کا آئینہ دار ہیں جس کو انقلابیوں نے پسند کیا۔ ان مسائل کو سموئے ہوئے ہے جو ”ادب برائے زندگی“ کا خاصہ ہیں۔ ان کی غزلوں میں اختصار ہے۔ خیال کی گہرائیاں ہیں۔ فکر کی بلندیاں ہیں۔ ان کے کلام میں اعتماد اور یقین ہے۔ “شاید اسی لئے نجم نے کہا تھا:

نجم حیات کا حاصل تلاش کرتا ہوں تبسم سر منزل تلاش کرتا ہوں
وہ بزم جس میں کچھ اہل دماغ بیٹھے ہوں میں سادگی سے وہاں دل تلاش کرتا ہوں

اردو کی زندہ ترین روایت جو قدیم ترین بھی ہے، اردو غزل ہے۔ اردو غزل نے کئی صدیوں میں عروج و زوال کے منظر دیکھے، غیب و فراز کے مقامات دیکھے۔ کیوں کہ سخت جان ہونے کے ساتھ جان جاناں تھی اس لئے کبھی بے جا نہ ہوئی بلکہ زندہ رہی اور زندہ دلوں کی ہی نہیں بلکہ انسردہ اور قنوطیوں کے دل کی دھڑکن بھی بنی رہی۔ غزل کی تاریخ اور داستان لمبی ہے، جس کو ہم صرف نظر کرتے ہوئے اس عدالت کی کچھری میں آتے ہیں جس میں سرسید احمد خان کی سرپرستی میں مشہور غزل گو شاعر غالب کے شاگرد حالی نے غزل پر مقدمہ دیا اور جس کی تفصیل مقدمہ شعر و شاعری میں ثبت ہے۔ اردو غزل کو سخن طعن اور تعریض کا نشانہ بنایا اور اسے عفونت میں سندا اس سے بدتر بتایا اور فوراً اس میں ترمیم اور تبدیلی پر زور دیا۔ اگرچہ اس استغناء کا کوئی خاص اثر اس دور کے حالی کے ہم عصر عظیم شعراءِ داغ، اکبر، امیر، مجروح اور تسلیم وغیرہ پر نہیں پڑا، جنھوں نے اسے نالہ مرغ چمن غرب سمجھ کر توجہ نہ کی لیکن اقبال، حسرت، فانی، شاد، اور نجم نے اس کا خاص اثر لیا، خصوصاً علامہ اقبال نے اس کو اپنی غزل کا جوہر قرار دیا۔ اقبال کی اولین غزلیں داغ کی پیروی میں نظر آتی ہیں جس میں عشق و جذبات کو زبان اور بیان کے

چٹھارے سے خوش ذائقہ بنانے کی کوشش نظر آتی ہے۔ اقبال کے ذیل اشعار اسی لذت کام دہن سے بھرے ہوئے ہیں۔

بھری بزم میں اپنے عاشق کو ناڑا تری آنکھ مستی میں ہشیار کیا تھی

اقبال، لکھنؤ سے نہ دلی سے ہے غرض ہم تو اسیر ہیں خمِ زلفِ کمال کے
لیکن بہت جلد ہی اقبال کا رنگ بدل گیا یہاں تک کہ جن غزلوں کو وہ مستحسن سمجھ رہے
تھے۔ اپنے کلامِ باغِ درا میں جگہ بھی نہ دی اب اقبال حقیقت منتظر کو لباسِ مجاز میں دیکھنے کے
لئے بے تاب تھے۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں
اقبال کے تینوں اردو مجموعوں میں غزلوں کی تعداد 93 ہے جس میں اغلب اشعار پختہ
مضامین سے لبریز ہیں۔ یہاں لہجہ لیا ہے جس کے لئے اقبال کو نئی زبان وضع کرنی پڑی، ایسی
زبان جو غزل کی زبان سے جدا تھی۔ اگرچہ غالب غزل میں نئے لہجہ کا کامیاب تجربہ کر چکے تھے
لیکن اقبال کے لئے یہ نیا چیلنج تھا اور وہ اس میں کامیاب رہے۔

باغِ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں؟
کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر
کب تلک طور پہ در یوزہ گری مثلِ کلیم اپنی ہستی سے عیاں شعلہٴ سینائی کر

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

اگر کج رو ہیں انجم، آسمان تیرا ہے یا میرا مجھے فکرِ جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا
غزل کے زندان میں اقبال نے نئے درپے کھولے لیکن جو لوگ تاریکیوں کے دور کے
پالے ہوئے تھے وہ روشنی سے گھبرانے لگے۔ چاروں طرف سے دبے لفظوں میں بغاوت کی

تحریریں رسالوں کے سادہ اوراق کو سیاہ کرنے لگیں۔ فائی، یگانہ، سیما، حسرت، بحر، وغیرہ نے اسے شاعری ماننے سے انکار کر دیا۔ میر انیس کے نواسے پیارے صاحب رشید، اقبال کی غزل۔ ان کے لہجہ اور زبان میں سن کر منہ تکتے لگے کہ یہ کون سی زبان ہے جو غزل میں لگائی گئی ہے۔ اس دور میں جہم آفندی جو اٹھارہ برس کے سن میں عشقیہ مضمون سے بھری وہی چلک دار زبان کی غزل

چاندنی میں تم ذرا گھر سے نکل کر دیکھتے

قبر ناشق اور اک میلی سی چادر دیکھتے

مشاعرہ میں سنا کر داد و تحسین حاصل کر رہے تھے۔ وہی جہم بہت جلد اس راستہ پر گامزن ہو گئے جس پر اقبال نے فکر و خیال کے بلند تامت شجر سایہ دار لگائے تھے اور اپنی شناخت کے نقوش بھی چھوڑے تھے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جہم کے ان اشعار پر اقبال کے کلام کی چھاپ نہیں۔

سبک خرامی برق و شرر پیدا کر جو رنگزار نہ ہو رنگزار پیدا کر
لہو کا جوش دکھا لالہ زار پیدا کر خزاں کا چیر کے سینہ بہار پیدا کر

کب تک رہیں گے آخر شام و سحر کے شکوے تو جسے چاہتا ہے شام و سحر بنالے
پھر دو جہاں بھی تیرے کون و مکاں بھی تیرے اپنی نظر کو بالکل اپنی نظر بنالے

فرشتے گرد بھی ان منزلوں کی پانہیں سکتے جہاں ہم خاکسارانِ ازل دامن جھکتے ہیں

مجھ کو واعظ رشک مسجد کی امامت پر ہو کیا جب نماز عشق مقل میں پڑھا سکتا ہوں میں

کچھ آسمان سے بھی ہے اونچا میرا تخیل تو زیر آسمان کچھ دیوار و در بنالے

فرشتے رہ گئے خاموش فرط حیرت سے وہ راہ عشق میں انسان کا مقام آیا

کسی دن جہم کہنا ہے خداے بندہ پرور سے تری زائے کرم سے لی ہے تاب سرکشی میں نے
یہ کہاوت کہ ہر مشہور شاعر بڑا نہیں اور ہر بڑا شاعر مشہور نہیں ہوتا، بڑی حد تک صحیح ہے۔
اردو ادب کے تحقیقی مسائل خود اس لئے تحقیق طلب ہیں کہ فن تحقیق عظیم مشکلات سے دوچار
ہے۔ تحقیق کی روش اور سطحی تجزیہ اور پھر اس پر یقین کامل محقق کو حق اور حقیقت تک پہنچنے میں مانع
ہوتا ہے جس کی مثال خود جہم آفندی کے کلام سے لاعلمی ہے۔ ”کلاسیکی اردو شاعری کی تنقید“
مطبوعہ ۱۹۹۱ء کے مولف جناب طارق سعید نے غزل کے ارتقا کے عنوان پر مختلف شاعروں کے
دور کے غزل کو شعرا کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اقبال اور فراق کے ادوار کے تقریباً دو سو غزل کو
شاعروں کے نام فہرست میں شامل کیے ہیں جن میں بعض شعرا مجہول اور معمولی درجے کے ہیں
اور اس طویل فہرست میں جہم آفندی مرحوم کا نام و نشان بھی نہیں، جب کہ جہم آفندی کی غزلوں کا
مجموعہ ”لہو قطرہ قطرہ“ ۱۹۷۹ء میں منظر عام پر آچکا تھا اور جہم آفندی ہندوستان اور پاکستان میں اپنی
غزلیں سنا کر مشاعرے لوٹ چکے تھے۔ آل انڈیا ریڈیو کا منعقدہ یادگاری مشاعرہ جو ۱۹۵۵ء میں
لاکھوں افراد نے سنا اور جس کی پوری روداد رسالہ آجکل میں شائع ہوئی، اسے بھی جہم آفندی ہی
نے اپنی غزلیں سنا کر لوٹ لیا تھا۔ یہ کوئی چھپیں بات نہیں کہ جہم آفندی، فانی بدایونی اور جانشی کے
ساتھ نظام دکن کے فرزند شجیع کے دربار میں بیس سال تک غزل کی نوک پلک سنوارتے رہے اور
پرنس شجیع کے استاد بھی رہے۔ خود جانشی نے اپنی کتاب دربار دربار میں تفصیل سے حالات درج
کیے ہیں کہ پرنس شجیع صرف جہم اور فانی کو اپنا استاد تسلیم کرتے تھے اور ان کی بڑی قدر کرتے
تھے۔ اگرچہ ”لہو قطرہ قطرہ“ میں صرف پچاس غزلیں تھیں اور اب اس ”کائنات نجم“ میں ایک سو
پچانوے سے زیادہ غزلیں موجود ہیں جو اس بات کی گواہ ہیں کہ جہم کا شمار اردو کے عالی ترین غزل
کو شعرا میں ہوتا ہے، اگرچہ زمانہ لاکھ بے اعتنائی کرے، حقیقت سے انکار ممکن نہیں۔

ڈاکٹر ریاض فاطمہ تنصیر نے اپنی کتاب ”علامہ جہم آفندی کی شخصیت اور فن“ میں بہت سچ
کہا ہے کہ ”جہم جیسے شاعر نے جب غزل کے کوچہ میں قدم رکھا تو غزل کو آسمان کی بلندیوں تک
پہنچا دیا۔ تبلیغی اور اصلاحی موضوعات میں ایسے گوشے نکالے کہ ان کی روش اختیار کر کے شاعروں
کا ایک کاروان بن گیا۔ ان کا مفکرانہ انداز غزل کے سانچے میں دھل کے ابدی صداقت بن جاتا

ہے۔ ایک ایسی صداقت جس میں نئی دنیا تعمیر کرنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ جہم نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ انھیں سامراجی شکست و ریخت کا بخوبی اندازہ تھا۔ قدم قدم پر انھیں انسانیت کی پامالی کے منظر بھی بے چین کر دیتے تھے اس لیے ان کے کلام میں ادب و اخلاق، قربانی اور انسان دوستی کا ذکر اکثر جگہ ملتا ہے۔ ان کے اشعار میں درد و غم کی کسک ہے لیکن فانی کی سی قنوطیت نہیں۔ اردو غزل کی تاریخ نے جہم کے ساتھ انصاف نہیں کیا، شاید اس کا سبب یہ رہا کہ رنائی شاعری ان کی ذات سے اس طرح وابستہ اور پیوستہ ہو گئی کہ جہم کے معنی نوحہ و سلام سمجھا جاتا تھا۔

رسالہ ”نگار“ ۱۹۶۵ء جدید شاعری نمبر میں پروفیسر رشید احمد صدیقی نے اقبال کی غزل کوئی پر ریویو کرتے ہوئے لکھا ہے: ”اقبال کی غزلوں میں وہ باتیں نہیں ملتیں جو اردو غزل میں بہت مقبول تھیں، مثلاً رشک و رنابت، فراق و وصال، جسم و جمال کا ذکر، صنائع و بدائع اور زبان کی نمائش جن کے بغیر غزل، غزل نہیں سمجھی جاتی تھی اور جن کو ہمارے بیشتر شعرا اپنا اور اپنے کلام کا بڑا امتیاز سمجھتے تھے۔ اقبال نے اپنی غزلوں میں نام غزل کو شعرا کی طرح نہ زبان رکھی، نہ موضوع، نہ لہجہ، بلکہ ایسی زبان، موضوع اور لہجہ اختیار کیا جن کا غزل سے کوئی ایسا رشتہ نہ تھا، اس کے باوجود ان کی غزلوں میں تنوع و تاثیر، شیرینی اور شائستگی، نزاکت و نغمگی کے علاوہ جو اچھی غزل کے لوازم ہیں وہ دلبری اور تاہری ملتی ہے۔ اقبال کی غزلوں کے سامنے ہم بے ادب یا بے تکلف ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے۔“

ان نکات کا ذکر میں نے اس لیے کیا کہ جہم آفندی کی غزلوں پر اس عبارت کا حرف منطبق ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ پروفیسر رشید احمد صدیقی نے یہ ریویو اقبال کے کلام پر نہیں بلکہ جہم کی غزلوں پر کیا ہے۔ جہم کی غزلوں کا شمار بیسویں صدی کی ان پاکیزہ غزلوں میں ہوتا ہے جس سے فردوس کی خوشبو آتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ان غزلوں کو کوثر و تسنیم کے پاکیزہ پانی سے دھو کر صفحہ قرطاس پر نازل کیا گیا ہے۔ جہم کی غزلوں میں انسان سازی، اقدار عالیہ، کردار سازی، عزت نفس، مساوات، برادری اور اخوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اشعار میں گیرائی کے ساتھ ساتھ فکر و تخیل کی گہرائی موجود ہے۔ جہم حسن بیان سے زیادہ حسن عمل کو اہمیت دیتے ہیں، چنانچہ ان کے

کلام میں واعظ، زاہد، مولوی اور قومی سربراہ اس لیے معقوب ہیں کہ وہ حسن عمل سے خالی ہیں۔
دل میں کر حسن عمل سے روشنی اس اندھیرے کا اُجالا اور ہے

انہیں پھیلے ہوئے ہاتھوں کو سرگرم عمل کر دو اندھیرے میں خط تقدیر پر دھوانے سے کیا ہوگا
یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ بیسویں صدی کے معروف غزل گو شاعر مولانا حسرت موہانی اور
جیم آفندی میں بہت سی قدریں مشترک ہیں، اگرچہ مولانا حسرت موہانی، جیم آفندی سے عمر میں
بڑے تھے۔ حسرت موہانی کی طرح جیم بھی ایک عاشق مزاج شاعر، ایک دل سوز رہنما، ایک
مسلمان جو نماز اور روزہ کا پابند اور ایک حق آگاہ شخصیت تھے۔ جیم، حسرت کی طرح بیک وقت
پکے مسلمان کے ساتھ سوشلسٹ بھی تھے۔ وہ حسرت کی طرح کانگریس سے بھی وابستہ تھے اور
بڑے صاحب کردار و ملندہ شخص تھے۔ جس طرح علامہ سید سلیمان ندوی نے حسرت کو بیسویں
صدی کا ابور ذر غفاری کہا ہے اس لقب کے جیم بھی حق دار نظر آتے ہیں۔

جیم آفندی نے حسرت کی طرح حکومت برطانیہ اور انگریزوں کے خلاف مہم چلائی۔ جیسا
کہ اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں کہ جب کسی ہندو لڑکے سے جھگڑا ہوا اور سکول کے ہیڈ ماسٹر رام
چندر نے کہا کہ تم دونوں مل کر تیسرے کو کیوں نہیں مارتے، اس جملہ کا اثر بارود کے ڈھیر میں
چنگاری سا ہوا اور پھر ساری عمر، انگریزوں کے ظلم و جور کے خلاف احتجاج کرنے میں صرف
کردی۔ چنانچہ انہی دنوں ایک خفیہ انجمن بھی بنائی تھی جو انگریزوں کے خلاف بغاوتی منصوبے
تیار کرتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ حسرت کی طرح جیم بھی کھدر پوش تھے اور اس کھدر پوشی سے بدظن
ہو کر جب جیم کے انگریز عہدہ دار نے ان کا تبادلہ دہلی سے کسی معمولی دور دراز مقام پر کر دیا تو جیم
نے انگریز کی نوکری سے استعفیٰ پیش کر دیا۔

جیم حسرت کی طرح انگریز کو حاکم نہیں بلکہ غاصب سمجھتے تھے اور حسرت کی طرح جیم کو بھی
جیل کی مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ صرف فرق اتنا تھا کہ حسرت کو بامشقت قید ہوئی اور جیم کو بغیر
مشقت کے۔ جیم کی جیل میں لکھی نظموں، رباعیوں اور قطعات کے مجموعہ کو ”شاعر اہل بیت جیل
میں“ عنوان سے ۱۹۳۸ء میں شائع بھی کیا گیا۔

حسرت موہانی نے جیل میں کہا تھا:

ہے مشقِ سخن جاری چٹائی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی
جسم نے جیل سے آواز دی تھی:

دل شاعر تمنا بن گیا ہے سرفروشی کا
تمنا کس کو کہتے ہیں تمنا دیکھنے آؤ
سلاخوں ہی سے آکر جھانک لو ہم درد مندوں کو
تماشا بن نہیں سکتے تماشا دیکھنے آؤ

حسرت کی طرح جسم نے بھی غزل کے لہجے میں غم روزگار اور سیاسی مطالب کو پیش کیا۔ ”شاعر اہل
بیٹ جیل میں“ کتابچہ میں شامل دو غزلوں کے چند اشعار اس کامیاب روش کے گواہ ہیں۔
جنہیں تم نے خلافِ وقت سمجھا ہے محلِ جانا انہیں آہوں سے ممکن ہے ہوا کا رخ بدل جانا
خدا کی شان اُن کو سلح کی کرنی پڑیں باتیں بہت دشوار نکلا میرا باتوں میں بہل جانا
جنابِ جسم ہیں مسند نشین کچھ دن سے زنداں میں تناضائے ادب ہے جانے والے سر کے بل جانا

ارادہ جب اہل ہے انقلاب آنے سے کیا ہوگا نہ بدلے گا یہ دل دنیا بدل جانے سے کیا ہوگا
بھگداند محفل کی فضا میں نے بدل ڈالی اٹھا دو اب مجھے اب میرے اٹھ جانے سے کیا ہوگا
نگاہِ چشم گیس دعوت نہ بن جائے تبسم کی ہم ایسے منچلوں پر آگ برسانے سے کیا ہوگا
اسے سہل انگاری نہ کہیں تو کیا کہیں کہ اس عظیم اردو ادب میں آج تک کوئی جامع کتاب
سہل ممتنع پر موجود نہیں۔ مختلف کتابوں میں چند اشعار سہل ممتنع پر ملتے ہیں لیکن اس عظیم شعر پر جو
آسان طرز بیان میں عمدہ مضمون کی عکاسی کرتا ہے۔ مطالب موجود نہیں۔ اردو کے دو بڑے
شاعر غالب اور انیس کے درمیان اسی موضوع پر چشمک آرائی ہوئی۔ میر انیس نے کہا تھا:

ہے سہل ممتنع وہ کلامِ ادق مرا
برسوں پڑھیں تو یاد نہ ہووے سبق مرا

اس شعر کو غالب نے مہمل کہا اور بتایا کہ سہل کا تضاد ادق ہے اور یہ ممکن نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں میر انیس حق بجانب ہیں۔ سہل اور ادق عربی کے سہ حروفی لفظ ہیں۔ ادق کے معنی باریک اور دقیق بھی ہیں چنانچہ میر انیس فرما رہے ہیں میر اوہ کلام جو باریک اور دقت طلب ہے، وہ میں نے سہل لفظوں میں یوں باندھا ہے کہ دوسرے اس کو باندھ نہیں سکتے۔ ہر بڑے شاعر کے کلام میں سہل متنوع کے اشعار ملتے ہیں۔ جہم کے کچھ شعر دیکھئے۔

جہم کیا رو کے گی یہ دنیا مجھے میں نکل جاؤں گا ٹھکراتا ہوا

اب اتنی تو ہمت کیے جائے اہل آئے تک ہی جیے جائے

خاک کے پتلوں پر ہستی ہے زمیں آسمان تک سر اٹھا کر رہ گئے

اپنے اپنے بنائے ہیں خدا ہر پرستش میں خود پرستی ہے

مسخ ہوتے ہیں ارادے بارہا کوئی شاید کار فرما اور ہے
(حضرت علیؓ کے قول کی عکاسی ہے)

جہم دنیا میں بہت سے کام ہیں آدمی درکار ہے جن کے لئے

رحمت کا اعتبار بھی جاتا ہے ہاتھ سے اب کر چکے گناہ تو پروا نہ کیجئے

نہ کس طرح تری رحمت کا آسرا کرتے اگر گناہ نہ کرتے تو اور کیا کرتے

وہاں تک دین کے ساتھی ہزاروں جہاں تک ہاتھ سے دنیا نہ جائے

دنیا سے لگا تھا دل تو بہت اٹھنا ہی پڑا محفل ہی تو ہے
جسم آفندی نے کہا تھا: ع: درد دل کہہ نہیں سکتا تو غزل کہتا ہوں:

چنانچہ اس درد دل نے جسم سے خوبصورت غزلیں کہلوائیں جس میں اخلاق و کردار کی
تعلیم، عزت نفس کی اہمیت، عظمت انسان، معاملات عشق، تصوف، غم جاناں کم اور غم دوراں زیادہ
کی عکاسی ہے۔ ان مضامین کے ساتھ ساتھ مختلف اصنافِ سخن کے مطالب بھی اس میں رچے
ہوئے ہیں۔ غزل کی ردیف میں جسم کے چند شعر دیکھئے:

فلسفہ، منطق، سیاست، موعظہ، حکمت حدیث علم و فن کی ہر بلندی پر نظر آئی غزل
حمد و نعت و منقبت نوحہ قصیدہ، مرثیہ کتنے عالم اپنے دامن میں اٹھا لائی غزل
میر و غالب کی غزل جسم اور ناقب کی غزل تجھ سے ارض تاج نے کی بزم آرائی غزل
زادیہ ایراں ہے تو پروردہ ہندوستان یہ دو عالم مانتے ہیں تیری یکتائی غزل
جسم میرے ہم وطن ہیں غالب و میر و نظیر کیوں نہ کرتی میرے در پہ ناسیہ سائی غزل
میر تقی میر عشق کے امام ہیں۔ نقبال نے بھی عشق ہی کو سرمایہ حیات کہا ہے اور عقل کو اس
کے مقابل خام اور کمتر بتایا ہے:

بے خطر کود پڑا آتشِ سرمد میں عشق
عقل ہے محو تماشا ئے لبِ بامِ ابھی

جسم آفندی بھی عشق کے عاشق ہیں اور اسے زندگی جاودانہ کا نسخہ بتاتے ہیں۔ یہ عشق
بازاری اور کوٹھے کا عشق کا نہیں، یہ وہ چوما چائی کی چٹخا نہیں جس سے شعرا کے شعری صفرے
بھرے پڑے ہیں بلکہ یہ پاکیزہ مضمون عشق کی قوت اور عشق کی عظمت کا نقیب ہے۔
میں عشق کے تصدق انسان بن گیا ہوں زیرِ قدم فرشتے آنکھیں بچھا رہے ہیں

فطرت عشق جو دے ساتھ تو آسکتا ہے ساری دنیا کے مقابل تنِ تنہا کوئی

طاقتیں مسلم ہیں علم و عقل کی لیکن عشق کو تعلق کیا ان پناہ گاہوں سے

عشق ایثار کا وہ نقطہ آخر ہے جہاں زندگی میں ہے فراقِ تن و جاں ہو جانا

جہاں عشق میں جس کو کبھی زوال نہ ہو کمالِ غم سے وہ نصفِ النہار پیدا کر

جہم صاحب کو راستہ دینا مذہبِ عشق کے امام آئے

خدا کو میں نے بہ فیضانِ عشق مان لیا خرد زدوں کو دلائل میں سر کھپانا تھا

کہیں خود بھی بدلتا ہے زمانہ زبردستی اگر بدلا نہ جائے
اخلاق و کردار سے نمونہ پانے والی قدر کو عزت نفس بھی کہتے ہیں۔ یہ خود داری قناعت تو کھل
اور خودی کی خور کھتی ہے۔ یہ غرور نہیں، تکبر و نخوت نہیں، بلکہ ہر انسان کا حق ہے۔ شاہ و گدا، امیر و
غریب، مزدور و منعم، آقا اور غلام سب عزت نفس کے حق دار ہیں۔ یہ پیام بڑی شاعری میں نظر
آتا ہے۔ جہم جیسا شاعر ان اشعار میں اپنی خودی کا متعارف ہی نہیں، بلکہ دوسرے افراد کی عزت
نفس کا طلب گار بھی ہے۔

نہ محبت کے نہ دولت کے طلب گار ہیں ہم کم سے کم عزتِ انساں کے تو حق دار ہیں ہم
ہر فضا میں ہمیں رہنا ہے نمایاں ہو کر آج سردار نہیں ہیں تو سر دار ہیں ہم
دوش پر ہم نے اٹھا رکھا ہے کونین کا بار کون کہتا ہے زمانے کے لئے بار ہیں ہم

اک مشت خاک ہی سہی نسبت تو دیکھئے کونین میں مقامِ بشر ہے خدا کے بعد

جو کہنا ہے کہو حق پر کبھی آنچ آ نہیں سکتی کوئی طاقت خلوص فکر کو جھٹلا نہیں سکتی

جہم کیا رو کے گی یہ دنیا مجھے میں نکل جاؤں گا ٹھکراتا ہوا

جہاں تک عزت نفس اور شاعر کے جذبات سے مخلوط فخر و مباہات کا سوال ہے، وہاں جہم تعلق میں منفرد ہیں۔ حسب، نسب، کسب، مذہب، وطن، قوم، زبان، اور فکر و خیال پر مطمئن ہی نہیں بلکہ مشکور بھی ہیں۔ طوالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے تعلق کے چند شعر یہاں درج ہیں:

جہم فطرت ہے مری ولولہ شعر و ادب میرے ایک ایک نفس میں ہے غزل خواں کوئی

اے جہم کتنے اہلِ سخن نے میرے سخن کے چر بے اُتارے

جہم مغرب کی فضا بھی کانپ جاتی ہے کبھی گوشہ مشرق سے وہ پیغام پہنچاتا ہوں میں

بہت بلند ہے ہستی مری مگر اے جہم میں اک ذرہ ہوں ناسخ کے آستانہ کا

بچپن برس کے ملک سخن پر تصرفات تیری شاگری ہے مرے گھر کی کائنات

زمین سخن آسمان بن گئی ہے وہ گردوں سے اے جہم تارے اُتارے

جہم کے سخن میں اب درد ہے قیامت کا پہلے لعل اگاتا تھا خون اب اگتا ہے

جہم یہ خندہ جینی ہر بلائے عشق پر کس تبسم کا خزانہ مرے آب و گل میں ہے

سوتے سوتے جاگ اٹھی کیفیت شعر و سخن جس کسی محفل میں پہنچے جہم ہم ہی ہم رہے

کریں گے جہم کیا اردو کے دشمن قدر اردو کی جو پشتی سپاہی ہو وہ لشکر کی زباں سمجھے

میں جہم خود ہی سراپا نیاز ہوں ورنہ مرے کمال کی چوکھٹ پہ سر جھکا کرتے

فضل خالق سے مرے افکار میں اشعار میں فلسفہ ہے جہم غالب کا زبان میر ہے
جہم کو اردو سے بڑی محبت ہے۔ اردو ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ چارپشتوں
سے مدح محمد و آل محمد اسی زبان میں، اس خانوادے کا منصب رہی ہے۔ شاعری کے زیر و بم جہم
کے استخوان بندی میں شامل ہیں۔ دل سے نکلے ہوئے اشعار اردو کے حق میں ملاحظہ کیجئے:

زبان شاعر کمال پہ ہو اگر اے جہم میری نظر میں تعلیٰ کوئی گناہ نہیں

آج اردوئے معلیٰ کی اشاعت کے لئے یہ غنیمت ہے کہ جہم نکتہ داں باقی رہا

یہ بھی اک حادثہ اردو کی محبت کا ہے جہم گنج عزلت سے جو باہر نکل آیا ہوں میں

میں خود ہوں مطمئن اے جہم ادب کی خدمت سے جگہ نہ دے کہیں تاریخ روزگار مجھے

زباں دان محبت ہی نہیں تم تمہیں کیا قدر ہو اردو زباں کی

ہم نے منزلت دی ہے جہم نظم اردو کو ہر زمین شعر پر ہم نے آسماں اتارا ہے

میں پھیلا تا ہوں نور اے جہم اپنے گنج عزلت سے زمین شعر میرے دم قدم سے آسانی ہے

اردو میں ہے جہم مری نغمہ سرائی نغمہ عجمی اور نہ لہجہ عربی ہے

اعلان غربت کا اب اردو زباں سے ہے پوچھے تو کوئی یہ ادب یہ لہجہ کہاں سے ہے

اردو شاعری کا گھسٹا پٹا مضمون بے وفائی ہے۔ جہم کے ہاں یہ مضمون غم جاناں سے زیادہ غم دوراں میں نظر آتا ہے۔ جہم کی بلند شخصیت اور کمال فن کے حاسدوں نے ان کی زندگی دو بھر کر دی تھی۔ خود داری اور قناعت، طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ چا پلوسی، خوشامد اور حکمران نوازی سے نفرت تھی۔ چنانچہ دشمن بہت آسانی کے ساتھ نقصان پہنچا دیتے تھے۔ جہم آفندی اردو ادب کے شاید وہ تنہا شاعر ہیں جو بیس سال سے زیادہ دربار سے منسلک رہے، لیکن کبھی تعریف اور مدح نہ کی۔ جہم کے پاس ایک شعر بھی کسی حکمران کی شان میں نہیں ملے گا۔

مارا ہے کس کے داؤں نے دنیا سے کیا کہوں میں دوست سے قریب تھا دشمن سے دور تھا

کہاں وہ عہد گذشتہ کی دوستی اے دوست وہ دشمنی کی شرافت وہ دوستی نہ رہی

باطن میں مرادوست ہے ظاہر میں ہے دشمن کہہ دے جو مرے عیب مرے سامنے آ کے

مصیبت پر میری خوش ہونے والے بھی ہیں دنیا میں برا کیا ہے مرا غم دشمنوں کے کام آتا ہے

میں فکر خیر میں ہوں وہ شر کر چکا بہت دشمن بچے گا اب نہ مرے انتقام سے

بہت ممنون ہوں احباب کی چشم عنایت کا مری کمزوریاں دیکھیں نظر اپنی طرف کم کی

دشمنی مرا کیا بگاڑے گی دوست بن کر مجھے تباہ کریں

جو دوستوں پہ بھی چھپ کے وار کرتے ہیں بھلا وہ کیا کسی دشمن کا سامنا کرتے

اس تحریر کے اختتام پر ہم مختلف منتخب غزل کے اشعار جو مقصد زیست، آمیزش دین و دنیا، واعظ، خطیب اور مولوی حضرات کے ریاکارانہ رویہ سے متاثر ہو کر لکھے گئے ہیں، جن کا مقصد

آکھی اور انسانی اقدار کو نمایاں کرنا ہے، یہاں نمونیا پیش کئے جا رہے ہیں:
 عمر بھر پرورش فکر و نظر ہوتی ہے زندگی پھر بھی اندھیرے میں بسر ہوتی ہے

عیش کیا سخت سزا دیتا ہے مقصدِ زیست بھلا دیتا ہے

بزمِ انساں میں کہاں سادگی قول و عمل ایک ذرہ نہیں محفوظ ادا کاری سے

میرے لئے آرام کہاں مسجد کا امام ہوں نہ منبر کا خطیب

منبر سے بہت فصل ہے میدانِ عمل کا تقریر کے مرد اور ہیں مردانِ وفا اور
 ہر جادۂ منزل میں ہے سجدے کی ادا اور معبد کی فضا اور ہے مقتل کی فضا اور

زہے جلال کے شاہوں کو دستِ قدرت نے کیا لحاظ نہ ہم صورتِ گدا کرتے

تیزگامی پر نہ جا اے رہنمائے کارواں ایسے لٹنے کا رواں آگے بڑھے اور تھم رہے

بہت بڑا مجھے کرنا ہے اک سفر اے دوست اسی کے واسطے سامانِ آج تک نہ ہوا

یہ خیال خام ہے کس کم نظر کنج فہم کا مسندِ شاہی سے اپنا بوریا بدلیں گے ہم

رحمت نے گنہگاروں کو خود حشر میں ڈھونڈا واعظ نے مجھے مار ہی ڈالا تھا ڈرا کے

رحم کے قابل ہے اس کا عالم بے چارگی کہہ دیا جس نے بہت کچھ اور سوچا کچھ نہ تھا

عجب کیا شرک کا الزام آئے میرے جدے پر محبت دل میں ہے اے جہم اک انسانِ اعظم کی
اٹھا کر دہر سے رسمِ محبت اہل دنیا نے اضافہ علم و حکمت میں کیا انسانیت کم کی

کس کو خبر مر حطے طے کتنے کئے ہیں اک قطرہ ناچیز نے تعمیر گھر تک

یہ گت بنا کے جاؤں میں کیا اُس کے سامنے تخلیقِ کائنات پہ جس کو غرور تھا

اے جہم میں پتا ہوں رنگ اور تلوں کا کس رنگ میں لکھے گی دنیا مرا انسانہ

جہم یہ خندہ جینی ہر بلائے عشق پر کس تبسم کا خزانہ میرے آب و گل میں ہے

ہر ایک در پہ نہ جا جہم داد کی خاطر کمالِ شعر و سخن کو گدا گری نہ بنا

نظر آئے ہمیشہ عیب اوروں کے ہنر اپنے نکاہوں نے دغا دی عارفِ عیب و ہنر ہو کر

دیکھ اے واعظ مرا عرشِ سخن میں ترے منہ پہ جا کر کیا کروں

واعظ کو مبارک درِ توبہ کا سہارا یارب مجھے دنیا سے گناہگار اٹھالے

ہماری فکر کا اندازہ دیکھ کر اے جہم فلک سے کیا یہ غزل کی زمیں اتر آئی

جہم بہتر ہے تصّٰع کی دل آویزی سے تلخ لہجہ میں حقیقت کا بیاں ہو جانا

میں فرشِ میکدہ پہ بھی ہوں مثلِ بوئے گل واعظِ غریب مسند و منبر پہ بار ہے
کچھ ایسے خاک نشیں اہل دل بھی گزرے ہیں اہل بھی آئی سرہانے تو پوچھ کر آئی
ترتیبِ عناصر میں فرق آ ہی گیا اک دن آخر یہ قفس رہتا کب تک مرا کاشانہ
ہم نے دیکھے ہیں یہ منظرِ زندگی کی دوڑ میں جو زیادہ سے زیادہ تھے وہ کم سے کم رہے
کسی دن جا ملے گی روح ایک دن حقیقت میں کہاں تک واسطہ اے جہم آب و گل کے زنداں سے
اے جہم مدح آلِ نبی میں گزار دوں اللہ عمرِ خضر جو مجھ کو عطا کرے
میں جہم نہیں واقفِ آسائشِ دنیا سے کچھ نوحہ و ماتم ہی نکلیں گے مرے گھر سے
جہم ہم نکلے جو ارضِ تاج سے خسرو بے تاج ہو کر رہ گئے
جہم اربابِ غرض نے دل کے ٹکڑے کر دیے زندگی نعمت سہی نعمت سے بھی دل بھر گیا
میں جہم خود ہی سراپا نیاز ہوں ورنہ مرے کمال کی چوکھٹ پہ سر جھکا کرتے
راس آئے جنابِ جہم تہمتیں سالکِ جادو وفا ہوتا
میرزا جہم سے نہ کچھ کہنا چاہے جو کچھ یہ کج کلاہ کریں

مہر و مہ بھی ہیں جہم دنیا میں آدمی سے مگر یہ بہتی ہے
میں غالب و ناسخ کا ہم آواز ہوں اے جہم بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں ہے
جہم یہ نشانی ہے اہل دل کی دنیا میں ہم کو خاص نسبت ہے غم کی بارگاہوں سے
شاعر سمجھ کے جہم کو سمجھے ہیں سادہ دل وائف نہیں ہیں آپ بھی اس کج کلاہ سے
جہم میں قائل نہیں ہوں انکسار و عجز کا میں ہوں سلطانِ سخن اور فکرِ برحق ہے ندیم
ہم جہم چار روز کے مہمان ہیں مگر رہ جائیں گے یہ شعر و ادب کے تبرکات

jabir.abbas@yahoo.com

اختر انصاری اکبر آبادی

آسمانِ شعر و ادب کے نجم

جناب باقر زیدی کا ارشاد ہے کہ یادوں کے دریچوں کو وا کرو، بھولی بسری باتوں کو دہراؤ۔ ریگزارِ سندھ میں رہتے ہوئے بھی ارضِ تاج کو تصورات کی دنیا میں لاؤ اور پھر یہی نہیں ارضِ تاج سے ارضِ دکن پر بلند ڈالو اس لیے کہ جناب ابنِ بزمِ جناب نجم کا مولد اکبر آباد تھا اور مسکن دکن، جناب بزم نے ترک وطن کر کے دکن میں محفلِ جمائی تھی، بیٹا باپ سے کیسے جدا رہتا۔ جناب نجم کو بھی سرزمینِ تاج چھوڑ کر دکن جانا پڑا۔ ان کو وطن چھوڑنا پڑا اور اپنے میاں نظیر نے وطن پر اشرفیوں کی تھیلیاں قربان کر دیں۔ اس لیے کہ شاہوں کے دربار میں سب کچھ تھا مگر وہ تاج محل نہیں تھا جس کا مینارہ صبح کو دیکھنے کے بعد میاں نظیر شام تک شاداں و فرحاں رہتے تھے، دور دور کی بات ہے، زمانے میں تغیرات آتے رہتے ہیں۔ زمین بھی گردش میں رہتی ہے۔ کبھی کبھی راستے بھی بدل دیتی ہے۔ میاں نظیر بھی آج زندہ ہوتے تو نہ معلوم ان پر کیا گزرتی، کہاں جاتے کہاں رہتے کہ زمانہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا۔

”یادیں“ تو پر چھائیاں بن چکی ہیں۔ ان میں تسلسل قائم نہیں رہا۔ تسلسل قائم بھی کیسے رہتا۔ ملکوں کے نام بدل چکے ہیں، ہندوستان اور پاکستان۔ ہم پاکستان میں ہیں اور ارضِ تاج، ہندوستان میں۔ تاج محل کی ٹھنڈی نشلی چاندنی کی یاد بھی اب دھندلا گئی ہے۔ پھر یادوں کو مربوط رکھنے کے لیے دماغ اور جسم کی توانائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اب کہاں، نہ وہ دماغ نہ وہ صحت۔ میں شاعرِ انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی کے دماغ و دل کی توانائی کہاں سے لاؤں، ”چہ نسبت خاک ربا عالم پاک۔“ جوش تو ہماری اُس کھوئی ہوئی عظمت کا روشن مینار ہیں جس

سے ہم اہل قلم پہچانے جاتے ہیں۔ جوش صاحب کے حافظہ صحت کا یہ عالم کہ سب کچھ یاد اور سب کچھ یادوں کی برات میں محفوظ۔ یہاں ایک دلچسپ واقعہ بھی قلم بند کر دیا جائے تو بات آگے بڑھانے میں آسانی ہوگی۔ جوش صاحب کے والد بزرگوار بھی شاعر تھے۔

جوش صاحب خود نو عمری سے ہی مشغلہ شعر فرماتے تھے۔ مگر والد صاحب پر یہ انکشاف اس وقت ہوا جب ایک مشاعرے میں ”سامنا“ ہو گیا۔ جوش صاحب کی عمر اس وقت یہی پندرہ سولہ کا سن ہوگی۔ جوش صاحب کو مشاعرے میں خوب داد ملی اور والد صاحب کو مقابلہ بہت کم۔ آخر خان صاحب ٹھہرے۔ مشاعرے کے بعد گھر پہنچنے پر صحن میں غیظ و غضب کے عالم میں ٹہل رہے تھے کہ جوش صاحب دبے پاؤں گھر میں داخل ہوئے۔ ایک کڑکتی ہوئی آواز آئی۔

”شہیر خاں اوھر آؤ، سنو! آج سے تمہاری شاعری بند، ہم اپنی توہین کو اور انہیں کر سکتے۔“

کسی مشاعرے کی کیفیت کا سراغ تو نہیں ملا مگر اندازہ یہی ہے کہ بزم اور نجم جب بھی کسی مہفل مشاعرہ کی رونق ہوتے ہوں گے تو سامعین کی توجہ کا مرکز نجم ہی بنے ہوں گے۔ حضرت بزم آفندی کی تادر الکلامی برحق، مگر اسی دور میں نوح ناروی اور یاس یگانہ بھی تھے۔ جناب نوح فراموش کر دیے گئے مگر یگانہ آج بھی موضوع گفتگو ہیں۔ بات تو یہ ہے کہ تانہ بخشد خدائے بخشندہ، شگفتہ بیانی کچھ اور کہتی ہے اور تادر الکلامی کچھ اور۔ نجم آفندی کے دل کا گداز، شگفتہ بیانی کا مظہر تھا، اور منفرد انداز بیان، سونے پہ سہاگہ۔

کم و بیش ۳۵، ۳۶ سال کی بات ہے اور وہ بھی اکبر آباد کی۔ رعنا اکبر آبادی سے میرے دیرینہ مراسم تھے۔ جب بھی میں تاج گنج سے شہر آتا تو حضرت رعنا و صبا سے ملاقات ضروری سمجھتا۔ ملاقات اور تجدید ملاقات کے مواقع نکلتے ہی رہتے تھے۔ ایک دن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ میں رعنا صاحب سے ملنے گیا۔ بیٹھک کا دروازہ وا تھا، رعنا صاحب دروازے کے سامنے ہی بیٹھے تھے۔ اچانک رعنا صاحب کھڑے ہو گئے اور کہا نجم صاحب سامنے سے آرہے ہیں، میں نے کہا نجم صاحب یہاں کہاں، وہ تو دکن میں مہفل جمائے ہوئے ہیں۔

یہ فقرہ مکمل ہو رہا تھا کہ السلام علیکم، وعلیکم السلام سے کمرہ گونج اٹھا۔ نجم صاحب کی آواز

خاصی بھاری بھر کم تھی، تعارف ہوا، پہلا تعارف۔ دکن سے وطن آمد کی وجہ معلوم ہوئی کہ آج کمپنی پارک میں مجلس ہے۔ نجم صاحب کو مرثیہ پڑھنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اور نسیم امر وہوی بھی آئے ہوئے ہیں۔ نسیم صاحب کے مرثیے تو سنے تھے، مگر نجم صاحب کا مرثیہ سننا تو درکنار دیکھا بھی پہلی بار تھا، دل نے کہا آج کر بلا والوں کی محفل میں ضرور جاؤ اور نسیم و نجم کا طمطراق دیکھو۔ مرثیہ لکھنا آسان کام تو نہیں ہے۔ لکھنے والا خود تصویر درد بن جاتا ہے۔ چنانچہ ہم کشان کشاں پہنچے، اور گریاں گریاں واپس آئے۔ مرثیہ لکھنا تو مشکل ہے ہی مگر پڑھنا اور بھی زیادہ کارے دارد۔

نچی بات کہتے ڈر لگتا ہے۔ نسیم امر وہوی کچھ اس انداز میں مرثیہ سُنا رہے تھے جیسے کوئی واقعات اور سانحات بیان کر رہا ہو۔ لہجہ بھی ویسا ہی تھا۔ جیسا مرثیہ۔ مگر حضرت نجم کے تیور ہی اور تھے۔ وہ مرثیہ پڑھ رہے تھے۔ لوگ سر دھن رہے تھے۔ جیسے یہ واقعہ آج ہوا ہے۔ مرثیہ میں درد تھا۔ کرب تھا اور وہ خود تصویر درد۔ باتیں پرانی۔ انداز نیا۔ پھر بیان سبحان اللہ۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ نجم صاحب کے مرثیے کا اثر میں کئی دن تک محسوس کرتا رہا۔ کلام اور بیان کی یہ تاثیر کسی کسی کو ملتی ہے۔

جناب نجم سے پہلی ملاقات کے بعد وقفے وقفے سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ گفتگو بھی سُنی، کلام بھی۔ پڑھنے اور سُنانے میں خود اعتمادی کے تیوروں نے لطف دیا۔ یہ اعتماد ذات کا اعتماد ہی نہ تھا بلکہ فن کا اعتماد بھی تھا۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اعتماد ذات کے جوہر جب ہی کھلتے ہیں جب شاعر علم و فن کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔

نجم آفندی نے مرثیے بھی لکھے۔ غزلیں بھی کہیں، نظمیں بھی تصنیف کیں اور نظمیں کے فن کو بھی آزمایا۔ اُن کی زمیبل شاعری میں سب کچھ تھا۔ ہر صنف شعر پر انہیں دسترس حاصل تھی۔ الفاظ کا ذخیرہ بھی اتنا کہ جتنا خرچ کیجیے، بڑھتا ہی جائے۔ علم و آگہی کا یہ عالم کہ بیدار دماغی تحسین و آفریں کہے۔ یہ اگلے وقتوں کے لوگ قیامت ہوتے تھے۔ بلا ہوتے تھے۔ کسی گھر بند نہیں، بلکہ ہر دروا۔

وقت جیسے جیسے گزرتا جاتا ہے، ادب و شعر کی شاخیں پھیلتی جاتی ہیں۔ عصر حاضر میں شاعر کے افکار کے جائزے سے پہلے نظریہ شعر کی بات ہوتی ہے۔ پہلے اسکول تھے۔ دبستان تھے۔

انہیں سے شاعر پہچانا جاتا تھا۔ اب نظریات کی بات ہوتی ہے۔ غمِ جاناں، غمِ دوراں کے علیحدہ علیحدہ تذکرے ہوتے ہیں۔ علیحدہ علیحدہ کسوٹیاں وضع کی جاتی ہیں۔ پہلے وطن اور قوم کی ترجمانی کا تصور سب سے اہم تھا۔ قوم و ملت کی اصلاح کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اگر اقبال علمی قد کی بلندی کے ساتھ نہ آتے تو شاید فرسودہ خیال کہلاتے۔ حالی اور اکبر بڑا کام کر گئے مگر نظریات کے اسیر انہیں کہاں مانتے ہیں، نظریات تو مغرب سے آئے ہیں۔ ان نظریاتی مبلغین کے سامنے وہ مقصدیت کہاں جس کی مسلم قوم کو ضرورت ہے۔ جنابِ نجم کی متعدد نظموں کی روشنی میں یہ فیصلہ غیر حقیقی نہیں ہوگا کہ وہ مزاجِ حالی اور اقبال سے قریب ہیں اور ان کے یہاں ملک و ملت اور وطن اور قوم کا واضح تصور ہے۔ وہ شاعری کے ذریعہ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں، کوئی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ ایسی خدمت جو عظمت کی ضامن ہو۔

نجم صاحب کا تمام کام سامنے نہیں ہے اور اگر جملہ ذخیرہ شعر و ادب پیش نظر بھی ہوتا تو حادثاتِ ارضی و سماوی سے عصرِ حاضر میں آدمی کو اتنی مہلت کہاں کہ سب کچھ پڑھے لکھے۔ نیرنگی زمانہ کا بُرا ہو۔ حالات ایک حساس شاعر کو بیقرار رکھتے ہیں۔ وہ کبھی مرثیہ لکھتا ہے اور کبھی نوحہ، کبھی طنز کرتا ہے اور کبھی تنقید۔ یہ عذر نہیں حقیقت ہے۔ یہ گریز نہیں اظہارِ حال ہے۔ اس کا جواز بھی نجم صاحب کی چند نظموں میں موجود ہے۔ جس میں قوم کی بے راہروی کا شکوہ ہے۔ ماتم ہے۔ دُکھ ہے ملال ہے۔ ملک و ملت کی بقاء اور استقامت کے لیے قوم میں جو جذبہ خلوص و عمل ہونا چاہیے وہ منقود ہے۔ اُس کا دور دور پتہ نہیں۔ حال ایسا کہ مستقبل کا کوئی روشن اشارہ نہیں ملتا، ماضی ایسا جو حال اور مستقبل پر نکتہ چینی ہے کہ کیا تھے اور کیا ہو گئے تم۔ یہ کون کہے، کون سمجھائے کہ ایسا کیوں ہوا۔ آج جو حال ہے، آج جو عالم ہے اُس کا اظہار نجم آفندی کچھ اس طرح کرتے ہیں۔

یہ نقش ہے کہ اُمیدوں پہ جیسے پھر گیا پانی

یہ صورت ہے کہ ارمانوں کی جیسے اُٹ گئی دنیا

شعاعِ مہرِ فطرت کا تبسمِ بن کے آتی ہے
مذاقِ بے محل سے بل رہا ہے سینہ صحرا

وہ عالم ہے جہاں ہو اجتماعِ جسم و جاں مشکل
فقط حدِ نظر پر ہیں زمین و آسمان یک جا
کوئی حائل نہیں فطرت کی ترتیبِ مناظر میں
اب اک ہلِ نظر ہو اور یہ عالم بے حجابی کا
حقیقت بستیوں کی ایسے ویرانوں میں کھلتی ہے
ستارے ڈوبتے ہیں چین سے سویا کرے دنیا
ان اشعار میں طنز بھی ہے اور اظہارِ حقیقت بھی، یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ تاجِ نظر زمین و
آسمان تو یک جا نظر آئیں، مگر مخلوق خدا میں اتحاد نہ ہو۔ بستیاں ایسی جن کا عالم درد دیکھ کر
ستارے ڈوب جائیں مگر بے ضمیری اور بے حجابی اپنے مقام پر رہے۔ اس تمام زیر و بم کو حجم
آفندی نے فطرت کے ساتھ مذاق بے محل کہا ہے، اور اس بے محل مذاق سے آبادی تو کیا سینہ صحرا
بھی بل اٹھا ہے۔ یہ درد مندی اور یہ احساسِ حجم کی شاعری کی ایک ایسی لازوال سچائی ہے، جس
کے سبب وہ ہمیشہ یاد آتے رہیں گے۔

ڈاکٹر سید نواز حسن زیدی

تجم آفندی کی غزل گوئی

تجم آفندی کا تعلق بھی بیسویں صدی سے ہے۔ معروف شعراء کے خانوادے سے تعلق رکھنے کی بنا پر بچپن ہی سے ان کی طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی۔ عجیب اتفاق ہے کہ تجم آفندی جنہوں نے آگے چل کر نوحہ نگاری، قصیدہ نگاری اور سلام نگاری میں نام پیدا کیا، اپنی شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے کرتے ہیں۔ انھوں نے پندرہ برس کی عمر میں اس دور کے معروف غزل گو، شاہ نیاز احمد وارثی کی ایک غزل کی نظمیں کرتے ہوئے شاعری کی ابتدا کی۔ اس نظمیں کا ایک شعر ملاحظہ کیجئے۔

زبے عزو جلا لے بو ترا بے فخر انسانے لے

علی مرتضیٰ مشکل کشائے شیر یزدانے

تجم آفندی اپنے والد بزم آفندی سے اصلاح لیتے رہے اور اٹھارہ برس کی عمر میں انھوں نے سیما ب اکبر آبادی اور دیگر معروف شعراء کی موجودگی میں ایک مشاعرے میں جو غزل پیش کی اس کا مطلع تھا۔

چاندنی میں تم ذرا گھر سے نکل کر دیکھتے لے

قبر عاشق اور اک میلی سی چادر دیکھتے

تجم آفندی کی، غزل سے یہ دلچسپی عمر بھر قائم رہی، اگرچہ بعد ازاں انھوں نے رنائی ادب کو زائد آخرت کے طور پر حرز جاں بنائے رکھا۔ وہ مشاعروں سے زیادہ مذہبی مجالس، محافل،

۱۔ لور الحسن ہاشمی ادب کیا ہے سرفراز قومی پریس، کھٹو س۔ ن۔ ص 70

۲۔ تجم آفندی (خود نوشتہ مشمولہ مجلہ انجم ص 275)

مسالموں اور مقاصدوں میں شرکت کرنا ضروری خیال کرتے تھے۔ بایں وجہ ان کی زندگی میں غزل کا کوئی مجموعہ شائع نہ ہو سکا۔ ان کے ایک خط سے ان کی دوسو کے قریب غیر مطبوعہ غزلوں کا پتہ چلتا ہے۔ حجم آفندی کی غزلوں کا پہلا انتخاب، جس میں صرف پچاس غزلیں شامل ہیں، ان کی وفات کے چار سال بعد ”لہو قطرہ قطرہ“ کے نام سے شائع ہوا۔ گویا غزلوں کی کثیر تعداد اب بھی غیر مطبوعہ ہی ہے۔

گزشتہ صفحات میں بیسویں صدی کے جن غزل گو شعراء کا ذکر کیا گیا ہے، حجم آفندی نے ان کی موجودگی میں اپنی غزل کا چراغ جلائے رکھا۔ انھوں نے اپنی غزل میں جہاں ان شعراء اور اس عہد کے مجموعی رجحان کے اثرات قبول کیے، وہاں اس مقبول صنف سخن میں اپنی منفرد آواز کے ذریعے الگ سے اپنی پہچان بھی کرائی ہے۔ جب کوئی اہم غزل گو کسی سے اثرات قبول کرتا ہے تو اس کو اندھی تقلید نہیں بنے دینا، بلکہ اپنے تجربے کے پیش نظر استفادہ کرتا ہے تاکہ شخصی تجربے کو ذات کی سطح سے بلند کیا جاسکے۔ حجم آفندی کے پاس سلام اور نوے کے حوالے سے ایک ایسی مضبوط اور توانا آواز موجود تھی جسے صدائے احتجاج یا ظلم کے خلاف کلمہ حق کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اہل بیت سے محبت رکھنے کے باعث ایک ایسی محبت موجود تھی جس میں غم کو تقدس حاصل تھا۔ اس تناظر میں انھوں نے شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے عہد کی ملی جلی آوازوں سے استفادہ کیا۔ ان آوازوں میں ایک اہم آواز اقبال کی تھی۔ حجم آفندی کی شعری جہت کے تعین میں حالی اور اقبال کی اصلاحی شاعری کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اردو کی عمومی شعری روایت کی تقلید میں حجم آفندی بھی اپنی شاعری کا آغاز غزل سے کرتے ہیں لیکن قوم کی اصلاح کی خاطر غزل کو سے زیادہ ملتی شاعر کے طور پر اپنی پہچان کراتے ہیں۔ حجم آفندی کی غزل میں بھی ہمیں حالی اور اقبال کی بوباس محسوس ہوتی ہے۔ حجم آفندی نے لہجے اور موضوع، دونوں سطحوں پر اقبال کے اثرات کو قبول کیا جس کی ایک مثال ان کی اس غزل میں دیکھی جاسکتی ہے۔

لہو کا جوش دکھا لالہ زار پیدا کر خزاں کا چیر کے سینہ بہار پیدا کر
سبک خرابی برق و شرار پیدا کر جو رنگدار نہ ہو رنگدار پیدا کر

۱۔ حجم آفندی ”لہو قطرہ قطرہ“ کراچی پرنٹنگ محل، ناظم آباد، ص 276

فضا مخالف سرمایہ دار پیدا کر دل غریب محبت شعار پیدا کر
 نگاہ ناز کی یہ سرد مہریاں تو بہ نگاہ شوق سے برق و شرار پیدا کر
 تصورات کے نقش و نگار کیا ہوں گے تصرفات میں نقش و نگار پیدا کر
 غرور ظلم لرز جائے جس سے ٹکرا کر سکون و صبر کا وہ کوہسار پیدا کر
 جہاں عشق میں جس کو کبھی زوال نہ ہو کمال غم سے وہ نصف النہار پیدا کر

یہ اشعار پڑھ کر جہاں ردیف کے حوالے سے ذہن ”سکوت لالہ و گل سے کلام پیدا کر“ کی طرف منتقل ہوتا ہے، وہاں ایسے موضوعات بھی ابھر کر سامنے آتے ہیں جو اقبال کی شاعری سے مخصوص ہیں۔ اقبال بھی لہو کے جوش کا قائل ہے۔ وہ برق و شرار سے تحریک کی فضا پیدا کرتا ہے۔ اقبال کے ہاں بھی غم ایک بڑی طاقت ہے اور عشق اپنا جہان پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس حوالے سے شین فاطمہ ”لہو قطرہ قطرہ“ کے دیباچے میں لکھتی ہیں۔

”اقبال نے غزل کو ایک نہایت ترقی یافتہ صنف شاعری کی حیثیت عطا کی۔ انھوں نے موضوعات کے تنوع، حقائق کی رنگارنگی کو غزل میں سمو کر یہ بات ثابت کر دی کہ غزل فلسفہ خودی، فلسفہ حسن و عشق، مضامین تصوف اور تمام تر مسائل حیات کی ترجمانی کر سکتی ہے۔ چنانچہ بال جبریل کی غزلیں صحت مند تخیل، جاندار طرز بیان اور توانا فطری جذبات کا مرقع ہیں۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ غزل غالب، اقبال اور فانی کے بعد صرف نجم صاحب کے سہارے ہی سے صدیوں زندہ رہے تو بے جا نہ ہوگا۔“

ان سطور کے آخر میں اگرچہ دیباچہ نگار کی رائے شدید طور پر مبالغہ آمیز نظر آتی ہے، تاہم اس سے ایک بات کا ضرور پتا چلتا ہے کہ نجم نے اقبال کے بنائے ہوئے راستے پر نہ صرف قدم رکھے بلکہ ایک طرح سے غزل میں اقبال ہی کے مشن کو لے کر آگے بڑھے۔

نجم کے عہد میں یاس یگانہ کی انا پرستی نے نجم کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ چنانچہ وہ اس سے صرف اس حد تک متاثر ہوئے کہ اس کی بلند آہنگی کو قبول کر کے اسے اپنی غزل کا حصہ بنایا۔ یگانہ مذہب گریز رویوں پر زیادہ زور دیتا ہے جب کہ نجم آفندی مذہب کو بڑی قوت سمجھتے ہیں۔ نظریاتی

اختلاف کے باوجود وہ یگانہ سے متاثر ہیں۔ اس کی وجہ نظرینے سے زیادہ جہم کا یگانہ سے شخصی تعلق ہو سکتا ہے، جو حیدر آباد میں قیام کے دوران ایک عرصے تک دونوں کے درمیان رہا۔ جہم پر یگانہ کے اثرات کو واضح کرنے سے پہلے یگانہ کا یہ شعر دیکھیں:

سر پھرا دے انساں کا ایسا خط مذہب کیا
سب تیرے سوا کافر آخر اس کا مطلب کیا

اب جہم آفندی کے مندرجہ ذیل اشعار دیکھیں اور اندازہ لگائیں کہ موضوع میں بعد کے باوجود جہم کے اشعار پر یگانہ کا لہجہ کس حد تک اثر انداز ہوا ہے۔

وقت کی پرسش ہے آدمی کا مذہب کیا مدت مہذب کیا قوم نا مہذب کیا
موت کے سوا اب ہے زندگی کا مطلب کیا دل ٹٹولنے والے دل میں رہ گیا اب کیا
یگانہ کا ایک شعر ہے:

اپنی ہستی میں بھی کچھ شک آ پڑا
علم کا سودا بڑا مہنگا پڑا

جہم آفندی کا یہ شعر دیکھئے:

دولت و علم کی منزل میں ہوا ہے اکثر
اپنی ہستی پہ کوئی اور گماں ہو جانا

جہم کے ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غزل میں یگانہ کی انا اور بلند آہنگی سے متاثر ہیں۔ اور وہ ان عناصر کو اپنی غزل میں شامل کر کے دراصل اپنی انا پرستی اور بلند آہنگی کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ جہم کے عہد کے ایک اور بڑے شاعر اکبر الہ آبادی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ اکبر کی شاعری کا بنیادی وصف گہرا طنز ہے۔ جب انھیں اخلاقی پستی دکھائی دیتی ہے تو وہ اپنی حس طنز و مزاح کو کام میں لاتے ہیں اور زندہ رہنے والے اشعار تخلیق کرتے ہیں۔ جہم آفندی اپنی غزلوں میں جب اخلاقی پستی اور زوال کی بات کرتے ہیں تو ان کے ہاں مزاح تو پیدا نہیں

ہونا البتہ اکبر کے طہر کے طور پر تپتے ضرور جھلکنے لگتے ہیں۔

مزاج پوچھ لیا میں نے راو مسجد میں جناب شیخ سے پھر سامنا کہاں ہوتا
تجم کے عہد پر غالب کے اثرات بڑے وسیع اور ہمہ گیر ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس
عہد میں کوئی غزل کہے اور غالب کے اثرات سے پہلو بچالے۔ تجم نے اگرچہ توانی بدل کر
غالب کی فضا سے نکلنے کی شعوری کوشش کی ہے لیکن اس کے باوجود وہ غالب کے اثرات سے
دامن نہیں بچا سکے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ غالب سے بچتے بچتے اقبال کی شعری قلم رو
میں داخل ہو گئے ہیں۔ تجم کی ایک غزل کے چند اشعار دیکھیں۔ تافیہ بدلا ہوا ہے۔ غالب نے
”بیاں اور گماں“ وغیرہ توانی استعمال کیے ہیں۔ اقبال نے بھی اس زمین میں غزل کہی لیکن اقبال
کی غزل دیکھ کر کہیں یہ گمان نہیں گزرتا کہ انھوں نے غالب کی زمین کو استعمال کیا ہے۔ لیکن تجم
کی غزل دیکھ کر فوراً خیال غالب کی طرف جاتا ہے۔ غالب کی غزل کے اشعار دیکھئے:

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور
ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت پختے کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور
اقبال کی غزل کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور
اور اب تجم کے اشعار دیکھئے۔

ہستی کوئی ایسی بھی ہے انسان کے سوا اور مذہب کا خدا اور ہے مطلب کا خدا اور
ہر جادۂ منزل میں ہے سجدے کی ادا اور معبد کی فضا اور ہے مقبل کی فضا اور
منبر سے بہت فصل ہے میدانِ عمل کا تقریر کے مرد اور ہیں مردانِ وفا اور

(”لہو قطرہ قطرہ“ ص 22)

اس منزل میں غالب اور اقبال کے ملے جلے اثرات صاف مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں۔ تجم
آفندی کی ایک اور غزل بھی غالب کے اثرات کو ظاہر کرتی ہے۔ اس میں بھی تجم نے تافیہ بدل کر
غالب کے اثر سے آزاد ہونے کی کوشش کی ہے لیکن غالب کے اثرات جیسے ہر شعر سے چپک کر
رہ گئے ہیں۔ غالب کے اشعار ہیں:

ہے یہاں روئے سخن حسنِ حقیقت کی طرف ہل ظاہر کے لیے ہے وجہ رسوائی غزل
(ابو قطرہ قطرہ) ص 45

اس طرح جہم اپنی ایک رباعی میں فلسفہ غزل میں بیان کرتے ہیں:
رنج و غم سہ نہیں سکتا تو غزل کہتا ہوں جب میں چپ رہ نہیں سکتا تو غزل کہتا ہوں
مری غزلوں سے نکلتا ہے میرے دل کا لہو دردِ دل کہہ نہیں سکتا تو غزل کہتا ہوں
(ابو قطرہ قطرہ) ص 45

جہم آفندی کے ان شعری نظریات سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اپنے حال دل کے
اظہار کے لیے دیگر اصناف کے مقابلے میں غزل ہی کو قابلِ اعتنا سمجھا ہے۔ بنیادی طور پر نوحہ نگار
ہونے کے باعث جہم نے غزلیہ اشعار میں بھی شہادتِ امام کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ان کی غزلوں میں
شہادتِ امام محض بین نہیں، بلکہ اس تاریخی واقعہ کے پائال میں اتر کے ایک تجزیاتی انداز میں
صورتحال کو سمجھنے کا رجحان ملتا ہے۔ وہ ظلم کو ظلم کہنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ انسان کو آزاد دیکھنا چاہتے
ہیں۔ انھوں نے اقبال کی طرح انسان کی خودی اور خود داری کے اثبات پر زور دیا ہے۔ ان کی
روشن خیالی، انسان کی خود داری کے نقوش جگہ جگہ پیدا کرتی نظر آتی ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ
ذیل اشعار ملاحظہ کیجئے:

میں اپنے زعمِ بلندی میں مٹ گیا لیکن	کبھی نشانِ احساسِ کمتری نہ بنا
ہر ایک در پر نہ جا جہمِ داد کی خاطر	کمالِ شعر و سخن کو گدا گری نہ بنا
(غم)	
کمالِ فنِ مرے دستِ طلب سے دور نہ تھا	مگر قبول نہ تھی شرطِ انکسار مجھے
(غم)	
آساں ہی سہی ہم سے خوشامد نہیں ہوتی	دشوار ہے وہ کام جو کرنا نہیں آتا
(غم)	
شریکِ حال تھی عہدِ جنوں میں خود داری	زبان پر بھی نہ افسانہ بہار آیا
(غم)	

حق ناشاس میرے مخاطب نہیں ہیں جہم خود داری سخن کو سخن داں سے کام ہے
(ص 108)

کوشش تو جہم دولت دنیا نے کی بہت بھولے سے بھی ”نعم“ نہ کہا میں نے ”لا“ کے بعد
(غ م)

درج بالا اشعار کی روشنی میں ایک ایسے انسان کا تصور لگا ہوں میں ابھرتا ہے جس میں انا اور خود داری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ایسا انسان جو بلند نشینی کے خواب دیکھتا ہے۔ احساس کمتری کو اپنے نزدیک نہیں پھٹکنے دیتا۔ یہ وہ شخص ہے جو اپنے شعر و سخن اور کمال فن پر بھی کسی سے داد کا طالب نہیں ہے کیونکہ شعر و سخن پر داد طلب کرنے کو وہ بھیک کے مترادف سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر محبوب التفات برتنے میں غرور کا مظاہرہ کرے تو جہم آفندی ایسے التفات کو بھی پسند نہیں کرتے۔

باعث زندگی سہی، میں وہ قبول کیوں کروں ساتھ ہے التفات کے ان کا غرور التفات
(لہو قطرہ قطرہ)

جہم کے اشعار میں شاعرانہ تعلیٰ کی بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ اکثر غزل گو شعراء نے اپنی شاعرانہ عظمت کو بیان کرنے کے لیے تعلیٰ کے اشعار کہے ہیں۔ جہم آفندی نے ان اشعار میں ایک تو روایت کا بھرم رکھا ہے، دوسرے ان میں ان کی افتاد طبع کو بھی خاص داخل رہا ہے۔ اگرچہ شاعرانہ تعلیٰ کی ایک سے زیادہ وجوہ ہو سکتی ہیں مگر ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب کوئی خود دار شاعر یہ دیکھتا ہے کہ اس کی وہ پذیرائی نہیں ہو رہی جس کا وہ مستحق ہے، تو وہ رد عمل میں آکر تعلیٰ کا شکار ہو جاتا ہے۔ جہم آفندی کے ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں اپنے لفظ کی قدر و قیمت کا پوری طرح احساس تھا۔ شاعرانہ تعلیٰ کے حوالے سے جہم کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیے:

سہارا جہم جس کو ہم نہ دیں وہ زور طاقت کیا وہ مجلس کیا ہے جس مجلس میں رہ جائے گی اپنی
حق ناشاس مجھ سے ملاتے نہیں نظر جس دن سے سامنا مری فکر و نظر کا ہے
(لہو قطرہ قطرہ ص 45)

اے جہم کتنے اہل سخن نے میرے سخن کے چہ بے اتارے
(لہو قطرہ قطرہ)

جہم کی غزل میں موضوعات کے تنوع کا اوپر ذکر ہوا۔ جہم نے غزل کے روایتی موضوعات میں بھی یکسانیت سے ہٹ کر بات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ دیکھا جائے تو عشق، غزل کا ایک اہم موضوع رہا ہے۔ اس سلسلے میں دہلی اور لکھنؤ کے شعراء کے ہاں عشق کی الگ الگ کیفیات کار فرما نظر آتی ہیں۔ جہم آفندی کا تصور عشق دبستان دہلی کے شعراء کے مزاج کے قریب ہے۔ وہ درد میں نشاط کی کیفیت پیدا کرتے ہیں اور نشاط میں درد کی، ان کی داستان عشق بے زبان کی زبان سے ادا ہوتی ہے۔ وہ راز کی بات چھپاتے ہیں۔ جب شام غم آتی ہے تو چاند بھی کھلایا ہوا لگتا ہے۔ وہ غم عشق میں فریاد کو کفرانِ نعمت سمجھتے ہیں۔ جہم آفندی عشق کی گہری کیفیتیں بیان نہیں کرتے بلکہ معلوم کیفیتوں تک اپنے آپ کو محدود رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے اشعار کی بُت ایسی ہوتی ہے کہ ان میں ایک تازہ کاری کا احساس موجود رہتا ہے۔ ان کے تصور عشق کے حوالے سے حتمی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ درد مندی ہی دراصل ان کے ہاں عشق کا دوسرا نام ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہ درد مندی غزلوں سے دل کا لہو بن کر نچکے۔ اس حوالے سے جہم کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

مری زندگی سے اب بھی ترافاصلہ بہت ہے مرے دل تک آنے والے میرے درد دل تک آنا
(لہو قطرہ قطرہ) ص 19

کتنے سودے ہو رہے ہیں درد دل کے نام پر کس قدر پچھتا رہا ہوں بات کہہ کر راز کی
کچھ کمی شام غم کے اثر میں نہیں چاند کھلایا گیا رات ڈھلنے لگی
(غ م)

کفرِ نعمت ہے غم عشق میں فریاد نہ کر زیست کی شان یہ ہے موت کو بھی یاد نہ کر
(غ م)

آج کچھ اور ہیں تیور مرے درد دل کے عرض کرنا ہے تو کر، آج کچھ ارشاد نہ کر
(غ م)

ہوا جو ذکرِ محبت کے درد مندوں کا

ہمارا نام بھی شاید برائے نام آیا

(غ م)

کانپ اٹھا میں دیکھ کر دردِ محبت کا اثر
 رو دیا وہ سنگدل بھی مجھ کو سمجھانے کے بعد
 (غم)

ان اشعار کو پڑھ کر ایک اور بات یہ ذہن میں آتی ہے کہ جہمِ دبستانِ دہلی کے ہم مزاج
 ہونے پر بھی کہیں کہیں ان سے مختلف ہیں۔ مثلاً وہ خود سپردگی کے مرحلے سے نہیں گزرتے ہیں۔
 وہ روتے ہیں تو ساتھ ان کا محبوب بھی روتا ہوا نظر آتا ہے۔ ان کا محبوب گوشتِ پوست کا انسان
 ہے۔ وہ جہم کی باتوں پر ردِ عمل ظاہر کرتا ہے اور کبھی مخاطب میں جہمِ آفندی کے تیور بھی دیکھنے والے
 ہوتے ہیں۔

گزشتہ صفحات میں جہمِ آفندی کی غزل پر اقبال کے جن اثرات کا ذکر ہوا، وہ محض زبان
 و بیان کی حد تک تھے۔ نجم کے کلام میں اقبال کی ایک فکری جہت، جس کا تعلق حرکت و عمل سے
 ہے، ایک مستقل حیثیت کے طور پر نظر آتی ہے۔ جہم نے اپنے نوجوانوں، رباعیوں، منقبتوں اور
 سلاموں کی طرح اپنی غزلوں میں بھی درسِ عمل دیا ہے اور طرح طرح سے قوم کے احساسِ خفہ کو
 بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ جہمِ آفندی زندگی کو میدانِ عمل بنانا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عمل
 میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔ دل میں اندھیرا ہو تو حسنِ عمل سے وہاں اجالا ہو سکتا ہے۔ ان کا خیال
 ہے کہ اگر حوصلہ سلامت ہو تو اکیلا آدمی، کارواں ہو کر منزل تک پہنچ جاتا ہے۔
 مثلاً یہ اشعار دیکھئے:

دل میں کر حسنِ عمل سے روشنی اس اندھیرے کا اُجالا اور ہے
 (ابو قطرہ قطرہ) ص 60

موت کو بھی دو قدم ہٹنا پڑا زندگی میدان میں جب ٹٹ گئی
 (ابو قطرہ قطرہ) ص 33

کیا خاکِ مذلت سے ابھرتی نہیں قومیں کیا ڈوب کے نبضوں کو ابھرنا نہیں آتا
 (غم)

عزمِ محکم ہو تو گر گر کے سنبھلتا ہے بشر راہِ تدبیر میں اندیشہ افتاد نہ کر
 (غم)

انہیں پھیلے ہوئے ہاتھوں کو سرگرم عمل کر دو اندھیرے میں خطِ تقدیر پڑھوانے سے کیا ہوگا
(غَم)

درس عمل کی بات کرتے ہوئے نجم آفندی اپنے عہد کی سائنسی رفتار سے بھی کہیں کہیں ہم
آہنگ ہو جاتے ہیں۔ ان کے عہد میں امریکہ اور روس میں چاند تک پہنچنے کی دوڑ لگی ہوئی تھی۔
انہوں نے اپنے مرثیے 'معراج فکر' میں بھی ایک بند چاند کے حوالے سے تحریر کیا ہے۔ اور غزلوں
میں بھی اس طرف اشارے ملتے ہیں۔ یہ سفر بھی ان کے ہاں عمل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔
بشر وہ کیا ہے اگر چاند تک پہنچ نہ سکے زمیں پہ جس کے لیے چاندنی اُتر آئی
(لہو قطرہ قطرہ ص 41)

کرتے رہو تم تابہ قمر جانے کی کوشش جانا ہے مجھے خالقِ صد شمس و قمر تک
(غَم)
سب نے اپنے اپنے مقصد کے بنار کھے ہیں چاند اپنی اپنی حد میں سب نے چاند تک پرواز کی
(غَم)

نجم آفندی نے جب شاعری کا آغاز کیا تو اس وقت ہمارے شاعروں کا ایک پسندیدہ
موضوع سرمایہ اور انہ نظام کی مخالفت کرنا تھا۔ اقبال، جوش اور راشد کے ہاں سرمایہ داری
کے خلاف شدید طنز ملتا ہے۔ نجم آفندی نے بھی محدود سطح پر اس موضوع کو اردو غزل میں بیان
کیا ہے۔

فضا مخالف سرمایہ دار پیدا کر دل غریب محبت شعار پیدا کر
(لہو قطرہ قطرہ ص 11)

غورِ ظلم لرز جائے جس سے ٹکرا کر سکون و صبر کا وہ کوہِ سار پیدا کر
(غَم)

درج بالا موضوعاتی بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نجم آفندی نے زیادہ تر اپنے عہد کے
موضوعات اختیار کیے لیکن روایت کے مکمل شعور کو کہیں بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ کہیں کہیں
انہوں نے روایتی غزل کے پیش پا افتادہ مضامین بھی باندھے لیکن ان میں وہ نیا پہلو تلاش نہ

کر سکے اور تازہ کاری پیدا نہ کر سکے۔ ایسے مضامین میں انھوں نے روایتی شاعری کے کرداروں، مثلاً واعظ، شیخ، رند، زاہد کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

گناہ نشر کئے اُس کے خوب واعظ نے خدا کی راہ میں جس جس کا دل دکھانا تھا
(لہو قطرہ قطرہ) ص 30

دیکھ اے واعظ مرا عرش سخن میں ترے منبر پہ جا کر کیا کروں
(غَم)

سنتا ہوں کہ سیدھے ہیں بہت حضرت واعظ دھوکے میں چلے آئے تھے میخانے کے در تک
(غَم)

واعظ کو مبارک در توبہ کا سہارا یا رب مجھے دنیا سے گنہگار اٹھالے
(غَم)

کہہ دے کوئی واعظ سے کہ یہ سجدہ گزاری محدود نہیں ہے طلب سجدہ و سرتک
دے رہے تھے بے عمل درسی عمل ہم بھی سب سن کر سمجھ کر رہ گئے
(غَم)

تجم آفندی نے ان شعری کرداروں کو خالصتاً روایتی معنوں میں استعمال کیا ہے یعنی واعظ وہی عالم بے عمل، لوگوں کو جہنم سے ڈرا کر اپنا مطلب نکالنے والا، شیخ وہی دوہری شخصیت کا مالک، رند وہی مست مئے خود اور زاہد وہی پارسا جو اپنی پارسائی پر اتنا پھرتا ہے اور دوسرے کو گنہگار تصور کرتا ہے۔

تجم آفندی کی غزل کے یہ ملے جلے رنگ ایک ایسے شاعر کا پتا دیتے ہیں جو بیک وقت قدیم اور جدید کے رویوں کی آمیزش سے ایک ایسا شعری پیکر تخلیق کرتا ہے جو نہ صرف اپنے عہد کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی رجحانات کی عکاسی کرتا ہے بلکہ فنی اور تخلیقی سطح پر فن کی نئی دنیاؤں کا متلاشی بھی ہے۔ یوں کہہ لیجئے کہ تجم کی غزل اسلوب اور موضوع کے اعتبار سے روایت اور اپنے عہد کے اسلوب کا خوبصورت امتزاج ہے۔ انھوں نے اپنی غزل میں وہ سوز و گداز پیدا کیا جس کی جڑیں ان کے رنائی کلام میں موجود ہیں۔ تجم اپنے تخیل اور اسلوب کے زور پر ان جڑوں پر

ایسا شجر سایہ دار استوار کرتے ہیں جو غزل کی فضا میں برگ و بار پیدا کرتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی غزل لطفِ کلام اور اثر کے اعتبار سے انہیں بیسویں صدی کے قابل ذکر غزل گو شعراء میں ایک اہم مقام عطا کرتی ہے۔



jabir.abbas@yahoo.com

محترمہ شمیم فاطمہ

تجھم کی غزلیں

لفظ غزل میں عشق اور وارداتِ عشق، حسن اور جلوہ طرازی حسن، واقعاتِ ہجر، لذتِ وصال، بادہ و ساغر، شراب و شباب اور گریہ و تبسم کے مضامین باندھے جاتے ہیں۔ غزلیات کے علاوہ ریختہ پر بھی کافی توجہ دی جاتی رہی۔ اس کے علاوہ چشم و ابرو، خط و خسا اور نشیب و فراز بدن کا ذکر، غزل کی چاشنی سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح غزل اپنے ارتقائی منازل میں صرف انہی موضوعات کا مظہر رہی۔ انشاء، مصحفی، شیفتہ و ناسخ سب اسی روش پر چلتے رہے۔ اس طرح غزل کی ایک مخصوص ہیئت بن گئی اور غزل اپنی اسی ہیئت کی بنا پر پہچانی جانے لگی۔ اس وقت یہ سوچا بھی نہ جاسکتا تھا کہ غزل کو کسی اور قالب میں بھی ڈھالا جاسکتا ہے۔ اسرارِ کائنات، جام و سہو کی تہ سے نکل کر سطحِ جام تک آسکتے ہیں۔ پرانی روایات اور فرسودہ رواج پر زلفِ محبوب سے خطِ تنبیخ کھینچی جاسکتی ہے، نشیب و فراز بدن کے بجائے نشیب و فراز زندگی سے لوگوں کو آشنا کرایا جاسکتا ہے۔ مرزا غالب نے غزل کے لیے کسی قدر اگ راہ متعین کی تھی۔ لیکن صرف اسی حد تک کہ طرز کے لیے میں عذاب و ثواب، جنت و دوزخ اور حور و نالمان کے تذکرے کرتے رہے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ غالب کے بعد کوئی شاعر اردو غزل کو کسی نئی نچ پر لا کھڑا کرے گا۔ لیکن علامہ اقبال نے غزل کو ایک نہایت ترقی یافتہ صنفِ شاعری کی حیثیت عطا کی۔ انھوں نے موضوعات کے تنوع، حقائق کی رنگارنگی کو غزل میں سمو کر یہ بات ثابت کر دی کہ غزل فلسفہِ خودی، فلسفہِ عشق و حسن، مضامین

تصوف اور تمام تر مسائل حیات کی ترجمانی کر سکتی ہے۔ چنانچہ بال جبریل کی غزلیں صحت مند تخیل، جاندار طرز بیان اور توانا فطری جذبات کا مرقع ہیں۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ غزل، غالب، اقبال اور فانی کے بعد صرف نجم صاحب کے سہارے ہی سے صدیوں زندہ رہے گی، تو بے جا نہ ہوگا۔

نجم صاحب کے ذہنی شعور اور ان کی غزلوں کی ہیئت کے پیش نظر ان کا دور اقبال کے اواخر سے شروع ہو کر جوش اور فیض کے ساتھ چلتے ہوئے احمد فراز، عبید اللہ علیم، کشور ناہید اور فہمیدہ ریاض سے پہلے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں پھر خط و خال محبوب، قشيب و فراز بدن اور عریانیت و فحاشی کے موضوعات ملتے ہیں۔ نجم صاحب کا مجموعہ غزلیات ”لہو قطرہ قطرہ“ صنف غزل میں ایک عظیم اور قیمتی سرمایے کا اضافہ ہے اور ان اقدار کو اپنے اندر سیٹے ہوئے ہے جن سے اقبال نے غزل کو آشنا کیا، اس نچ کا آئینہ دار ہے، جس کو انقلابیوں نے پسند کیا، ان مسائل کو سمجھئے ہوئے ہے، جو ادب برائے زندگی کا خاصہ ہیں۔

نجم صاحب کے یہاں غزل زندگی اور اس کے ماحول کی تمام خصوصیات کو اپنے اندر سمو کر نہایت لطیف انداز میں پائیدار ادب کو جنم دیتی ہے، ان کی غزلوں میں اختصار ہے، خیال کی گہرائیاں ہیں، فکر کی بلندیاں ہیں، یہ غالب کی طرح صرف یہ تمنا کر کے نہیں رہ جاتے کہ

ع: کاش کہ پرے ہوتا عرش سے مکاں اپنا

بلکہ وہ پستی ہمت کے شاکی ہیں۔ ان کے یہاں بلندی کی حد نہیں ملتی کہ

حریف عزم نہ ہوتی جو پستی ہمت

نہ جانے کتنی بلندی پر آشیاں ہوتا

اقبال کی خودی ان کے یہاں خودداری کے روپ میں جلوہ گر ہوتی ہے۔

وہ راہ عشق میں بھی راہ رضا سے ہو کر گزرتے ہیں۔ دل کے تناطم کی ترجمانی کے

لیے وہ نغمہ کے بجائے نوحہ کا انتخاب کرتے ہیں۔
 گزاردوں شبِ غم ایک ہی تبسم میں
 سحر کے رُخ پہ ستارہ سا جگمگاؤں کیا
 شبِ غم نہ ہوگی چراغوں سے روشن
 یہ تارے کدھر جگمگانے چلے ہیں
 لیکن میر کی طرح وہ زود آواز میں فریاد و نغاں نہیں کرتے اور نہ ہی وہ
 ناکامی عشق پر گریہ کناں ہیں۔ اس کے برعکس ان کے کلام میں اعتماد اور یقین
 ہے۔

آئیں گے ضرور وہ ان سے یوں کہے کوئی
 ان کی راہ، جاں نثار دیکھتا چلا گیا
 ان کے نزدیک صرف غزل جلوہ طرازیِ حسن اور وارداتِ عشق کی متحمل
 نہیں ہوتی بلکہ

قصیدہ عرض کیجیے نجمِ شانِ حسن میں کوئی
 وہ کہتے ہیں غزل ارشاد فرمانے سے کیا ہوگا
 مرزا غالب کی واعظ سے درِ میخانہ پر ملاقات ہوتی ہے تو وہ آنکھیں
 پُرا کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس نجم صاحب آنکھیں چرا کر نکل نہیں
 جاتے، بلکہ جناب شیخ کی مزاج پُرسی کرتے ہیں۔

مزاج پوچھ لیا میں نے راہِ مسجد میں
 جناب شیخ سے پھر سامنا کہاں ہوتا

مفت کی پیتے تھے مے اور سمجھتے تھے کہ ہاں
 رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن
 غالب اس انفرادی تجربہ کو زمان و مکان کی حدود سے آزاد کر کے نجم

صاحب یوں آفاقیت عطا کرتے ہیں کہ
 رنگ لائیں گی غلط سرمستیاں ہر دور میں
 لٹتا جائے گا یونہی میخانہ میخانے کے بعد
 علامہ نجم آفندی صاحب جوش کی طرح انقلاب کے بلند و بانگ نعرے
 نہیں لگاتے، نہ ہی چیخ و پکار اور توڑ پھوڑ کا شور مچاتے ہیں، بلکہ وہ صرف دھیمی
 آواز میں پیام انقلاب دیتے ہیں۔
 جناب نجم آفندی نے چھوٹی بحروں میں بھی کامیاب تجربے کئے ہیں۔
 ان کے کام میں ہمیں تصوف کے مضامین بھی ملتے ہیں۔ لیکن وہ تصوف میں
 ڈوب کر نہیں رہ جاتے، حقائق کی نشان دہی کرتے ہیں، نشتریت نہیں۔ اسرار
 حیات و کائنات کا ذکر ضرور کرتے ہیں، لیکن اس میں الجھ کر نہیں رہ جاتے۔
 ان کا یہی دھیمادھیمہ انداز۔ ہلکی آواز میں صدائے انقلاب۔ نرم
 روی سے حقائق کی نشان دہی۔ عشق مگر عقل کی رہنمائی کے ساتھ۔
 پند و نصائح کا دفتر کھول کر نہیں بیٹھ جاتے۔ نہ مشکل قوانی کا انتخاب۔ ان کا یہی
 وہ منفرد اسلوب ہے جو صنف غزل میں انھیں ایک منفرد، ممتاز اور جاوداں مقام
 عطا کرتا ہے۔



مطبوعہ غزلیات

①

مرا دل ہے نقشِ دوامِ محبت
محبت کا منہوم سمجھو نہ سمجھو
بہت کوششیں کیں حرفوں نے اب تک
دو عالم جسے محترم جانتے ہیں
بڑی اس کی قسمت میسر ہو جس کو
مرے واسطے عہدِ مجنوں سے اب تک
یہ اے جہنم تم حق پرستوں سے کہہ دو

مری ہر نظر ہے پیامِ محبت
سنا ہوگا تم نے بھی نامِ محبت
بگڑنے نہ پایا نظامِ محبت
کیا اس نے خود احترامِ محبت
دعائے محبت سلامِ محبت
امانت رہے صبح و شامِ محبت
مبارک ہو سودائے خامِ محبت

②

کفرِ نعمت ہے غمِ عشق میں فریاد نہ کر
دل کی وسعت ہی تمنا کے لیے ہے لیکن
آج کچھ اور ہیں تیور مرے دردِ دل کے
عزمِ محکم ہو تو گر گر کر سنہلتا ہے بشر
دل خود دار کی تو ہیں ہے اے دردِ ستم
ان کی آنکھوں میں ہے رقصاں ابھی پندارِ ستم
ایک دن ایک گھڑی ایک نفس کی مہلت
زورِ تخیل سے پیدا ہی نہ ہو شکلِ عمل

زیست کی شان یہ ہے موت کو بھی یاد نہ کر
ہمتِ دل سے جو کم ہو اسے آباد نہ کر
عرض کرنا ہے تو کر آج کچھ ارشاد نہ کر
راہِ تدبیر میں اندیشہ افتاد نہ کر
کون کم ظرف یہ کہتا ہے کہ بیداد نہ کر
مجھ سے کہتے ہیں کہ گزرے ہوئے دن یاد نہ کر
غمِ دنیا سے جو مل جائے تو برباد نہ کر
فکرِ آزاد کو اتنا بھی اب آزاد نہ کر

3

مست وہ عیش میں ہیں غم سے گر انبار ہیں ہم
 حسن کا زعمِ نظر عشق کا معیار ہیں ہم
 نہ تو مرنے کے نہ جینے کے سزاوار ہیں ہم
 نہ محبت کے نہ دولت کے طلب گار ہیں ہم
 ہم نے تاریک زمانوں کو دکھائے ہیں چراغ
 اتفاقات کے بل پر یہ رعونت یہ غرور
 در زنداں سے بھی دنیا کو سبق دیتے ہیں
 اپنے مستقبلِ روشن کی خبر دینے کو
 دوش پر ہم نے اٹھا رکھا ہے کونین کا بار
 بے تحاشہ ہمیں دعویٰ نہیں آزادی کا
 فیصلہ دور تشدد کا بھی ہو گا اک دن
 ہر فضا میں ہمیں رہنا ہے نمایاں ہو کر
 ہم نے دنیا سے بگاڑی ہے بہت حق کے لیے
 بات کہنا ہے ترے عہد میں کتنا مشکل
 ہم کو معلوم ہیں آئین محبت کی حدود
 سلح مقصود اگر ہے تو یہ جھگڑا کیوں ہو
 جہم اس عہد میں بے قدر ہے کیوں جنسِ وفا

4

ہستی کوئی ایسی بھی ہے انساں کے سوا اور
 ہر جادۂ منزل میں ہے سجدے کی ادا اور
 پھر ٹھہر گیا تافلۂ درد سنا ہے
 اک جرمۂ آخر کی کمی رہ گئی آخر

مذہب کا خدا اور ہے مطلب کا خدا اور
 معبد کی فضا اور ہے مقتل کی فضا اور
 شاید کوئی رستہ میں مری طرح گرا اور
 جتنی وہ پلاتے گئے آنکھوں نے کہا اور

منبر سے بہت فصل ہے میدانِ عمل کا
اللہ گلہ کر کے میں پچھتلیا ہوں کیا کیا
کتنے بھی ہوں کشتے مرضِ حرص و ہوا کے
کیا زیرِ لب اے دوست ہے اظہارِ جسارت
یہ وہم سا ہوتا ہے مجھے دیکھ کے ان کو
دولت کا تو پہلے ہی گنہگار تھا مُعَم
یہ دور جو اے نجم ہے اردو کا مخالف

5

مری نظر میں نہ معیارِ صبح و شام آیا
اسے بھی بھر ہی دیا جب اہلِ جام آیا
عجب نہیں مرے عفوِ خطا کی صورت ہو
یہ لوگ حضرتِ واعظ کو بھولنے کے نہیں
ستمِ شعاروں کے ہاتھوں ہزاروں ظلم ہے
جو پی کے آئے تھے نئے اتر گئے ان کے
فرشتے رہ گئے خاموش فرطِ حیرت سے
شہیدِ عشق وہاں خود پہنچ چکا تھا مگر
کوئی تو دردِ محبت کا چارہ گر ہو گا
ہوا جو ذکرِ محبت کے دردِ مندوں کا
سُخن طرازوں میں تنقید کی غرض سے سہی

6

خدا کی یاد کو بھی میکدہ میں آنا تھا
بھری بہار تھی پھولوں میں آشیانہ تھا
کہا یہ کس نے ہمارا بھی اک زمانہ تھا

تقدیر کے مرد اور ہیں مردانِ ونا اور
جب ختم ہوئی بات کہیں اس نے کہا اور
بیمار کی موت اور ہے مرگِ شہدا اور
حق ہو کہ وہ ناحق ہو ذرا لے تو بڑھا اور
سیرت کا خدا اور ہے صورت کا خدا اور
دولت کی محبت نے گنہگار کیا اور
اس دور میں اردو کی ہوئی نشو و نما اور

ترپ گیا میں جب اس کا زباں پہ نام آیا
کہاں کہاں یہ متاعِ حیات کام آیا
سزا کے واسطے میں ایسا تیز گام آیا
جو میکشوں میں کبھی وقتِ فیض عام آیا
خیال میں بھی نہ احساسِ انتقام آیا
میں اٹھ کے جب درِ ساقی سے تشہ کام آیا
وہ راوِ عشق میں انسان کا مقام آیا
برسمِ دہر ادھر سے ادھر سلام آیا
ہزار بار یہ دل میں خیال خام آیا
ہمارا نام بھی شاید برائے نام آیا
کلامِ جہم کا بھی ذکرِ لا کلام آیا

ہمیں بھی اپنا مصلا الگ بچانا تھا
میں سوچتا ہوں حقیقت تھی یا فسانہ تھا
یہ بات کر کے کچھ اپنا ہی دل دکھانا تھا

پیامِ حق یہ تیغِ ستم سنا تھا
چمن پہ روپ، نشیمن میں دکشی نہ سہی
نگاہ پھیر لی فطرت نے حسن دے کے فقط
اہل نے کی ہے وہ غلت کہ سانس لے نہ سکے
نہ غم کو تھی نہ حوادث کو دشمنی مجھ سے
خدا کو میں نے بھیمانِ عشق مان لیا
گناہ نشر کیے اس کے خوب واعظ نے
ملاں کس کو ہے دشمن نہیں وہ دوست سہی
قدم قدم پہ خطا کی ہے ابنِ آدم ہوں
جو ہار بیٹھے تھے ہمت وہ اب کدھر جاتے
رو وفا میں بڑا بول کوئی کیوں بولے
میں جُرمِ حال کا مفہوم ہی سمجھ نہ سکا

7

بچ ہے کہ وہ قریبِ رگِ جاں ضرور تھا
سجدے میں کل کسی کا سر پُر غرور تھا
مارا ہے کس کے داؤں نے دنیا سے کیا کہوں
آنکھوں نے جان ڈال کے دل رکھ دیا تھا نام
سنتا ہوں منتظر تھیں ہزاروں حقیقتیں
سہو و خطا و دیعتِ فطرت سہی مگر
انھیں جو آب کی باریقامت ہی بن کے ہم
یہ گت بنا کے جاؤں میں کیا اس کے سامنے
سب اقتدار ملتے ہی مصرف میں آگیا
کیا رنگ و روپ آیا ہے کافر کے حسن پر

پاسِ لب سے میں ہی ذرا دور دور تھا
دن پھر گئے تو ردِ عمل بھی ضرور تھا
میں دوست سے قریب تھا دشمن سے دور تھا
دل کیا تھا میرے ذوقِ نظر کا شعور تھا
میں عشرتِ خیال کے شہ میں چور تھا
کہنا یہی پڑے گا ہمارا قصور تھا
جینے کے واسطے ہمیں مرنا ضرور تھا
تخلیق کائنات پہ جس کو غرور تھا
کم ظرف کے دماغ میں جتنا فتور تھا
کتنا مری نگاہِ محبت میں نور تھا

عرفانِ نفس تھا جنہیں ان کا سکوں نہ پوچھ

8

کسی دن داغِ گمراہی رہے گا ان کے سر ہو کر
بضاعت کیا رہے گی مصرفِ نقد و نظر ہو کر
نئی قیدیں بڑھیں منت گزارِ بال و پر ہو کر
سکوں حاصل ہے مجھ کو بندگی میں بھی محبت کی
ہزاروں قہقہوں میں گم نہ ہو جائے صدا میری
وہ کیا جانیں کہ تیرے اور ہیں اب جذبہٴ دل کے
دیا کرتا ہے انسان اپنے دل کو بھی فریب ایسا
نہ پوچھو دہر میں کچلی گئی ہے زندگی کتنی
کبھی عزم و عمل کی طاقتوں میں خم نہیں آیا
خدا معلوم دل سے کیا جواب تلخ ملتا ہے
نظر آئے ہمیشہ عیب اوروں کے ہنر اپنے
دل پر درد کو بے درد دنیا کیا سمجھتی ہے
زمانہ ہو چکا باطل کی افسانہ طرازی کا
اہل ہوگی وہ کیسی جینے والے سوچتے ہوں گے
نہ عزمِ اپنی تھا جن کی قسمت میں نہ منزل تھی
حریفوں کو مبارک ہو برائے نام آزادی
ہنر مندوں کا آپس میں حسد اے جہم کیا معنی

میں کم نصیب اپنی حقیقت سے دور تھا

جو اپنی راہ چلتے ہیں ہمارے راہ پر ہو کر
غنیمت ہے جو کوئی عیب رہ جائے ہنر ہو کر
دوائے دردِ دل آئی عذابِ دردِ سر ہو کر
تمہیں راحت نہیں ملتی خدائے سیم و زر ہو کر
اکیلا کیا کروں انسانیت پر نوحہ گر ہو کر
یہ سمجھے ہیں کہ رہ جائے گا کچھ دن شور شر ہو کر
خبر سب کچھ ہے اور بیٹھے ہوئے ہو بے خبر ہو کر
کہیں بیدست و پا ہو کر کہیں بے بال و پر ہو کر
دکھائی آنکھ دنیا نے بہت زیر و زبر ہو کر
محبت کا پیام آیا ہے محروم اثر ہو کر
لگا ہوں نے دغادی عارفِ عیب و ہنر ہو کر
سب سے گار تھا امنِ عالم کی سپر ہو کر
حقیقت رنگ لائی ہے نوائے کار گر ہو کر
اہل کو ڈھونڈتا ہوں زندگی سے بہرہ ور ہو کر
پڑے ہیں رہ گزر پر کشتگانِ سیم و زر ہو کر
یہ آئی ہے انھیں کے گھر حیات مختصر ہو کر
ہنر سے دشمنی رکھتے ہیں یہ اہل ہنر ہو کر

9

احساسِ التجا بھی نہیں التجا کے بعد
حاصل ہوا یہ سعی دل بتلا کے بعد
تقدیر اُس کی جس کو یہ منزل نصیب ہو

اللہ کیا سکون ملا ہے دعا کے بعد
اے دوست پھر زوال ہے نشو و نما کے بعد
اک شکر کا مقام ہے صبر و رضا کے بعد

یہ میں بھی جانتا ہوں سزا ہے خطا کے بعد
واعظ ترے بیانِ عذابِ خدا کے بعد
دیکھیں گے ایک جلوہ ہوش آزما کے بعد
کس کس کی یاد آئی ہے یادِ خدا کے بعد
دل بچھ گئے ترے دل درد آشنا کے بعد
امید ہی خبر کی نہ رکھ مبتدا کے بعد
لوٹی ہے پچھلے پاؤں ہر اک ارتقاء کے بعد
ہلِ وفا سے پہلے اور اہلِ وفا کے بعد
کونین میں مقامِ بشر ہے خدا کے بعد
بھولے سے بھی نعم نہ کہا میں نے لا کے بعد

کیا اتقنا ہے تیرے کرم کا یہ ہے سوال
رندوں میں اور بڑھ گیا رحمت کا اعتبار
نظریں ہماری جوہرِ قابل ہیں یا نہیں
کتنا خدا سے قرب کچھ اہلِ وفا کو ہے
غم کی فضا میں کوئی نہ آیا بروئے کار
انجامِ سعی فکر و عمل کا خدا پہ چھوڑ
دنیا رسا ہو تا بہ حقیقت مجال ہے
دیکھا ہے کس نے چہرہ ہستی پہ رنگ و روپ
اک مشتِ خاک ہی سہی نسبت تو دیکھیے
کوشش تو جہمِ دولتِ دنیا نے کی بہت

10

کے زبانِ محبت کا اعتبار آیا
حیات و موت کی سرحد پہ رستگار آیا
نکاحِ ناز کا اک قرض تھا اُتار آیا
خیال میں نہ کبھی عیشِ روزگار آیا
قدم بڑھا دیے جس نے وہ ہاتھ مار آیا
زبان پر بھی نہ افسانہ بہار آیا
ترپ کے میں نے صدا دی گنگار آیا
بغیر نام کے ہی میں اُسے پکار آیا
مرے خدا، میں بہت ہاتھ پاؤں مار آیا
مجھے بھی یاد مرا خوابِ خوشگوار آیا
خدا، کا شکر زمانہ تو پُر بہار آیا
خیالِ عہدِ گذشتہ ہزار بار آیا

ہر ایک دوست کو دشمن کو میں پکار آیا
فضائے شوق میں جو اپنے جی کو مار آیا
غورِ عشق میں سر نذر کر دیا میں نے
خود اپنے حسنِ طبیعت کا عیش کیا کم تھا
رو طلب میں بڑی روک تھام تھی لیکن
شریکِ حال تھی عہدِ خزاں میں خود داری
نہ جانے کس کو پکارا تھا اس کی رحمت نے
نئے نئے جو سنے ہر فضا میں نام اس کے
گجا تصورِ حق تہ ملی نہ باطل کی
کسی نے اپنی محبت کا تذکرہ جو کیا
یہ اور بات ہے ہم خود چمن میں رہ نہ سکیں
کبھی مزاجِ ٹولا نہ عصرِ حاضر کا

لگا کے جہم محبت میں آخری بازی شعور فکر و نظر کی رقم بھی ہار آیا

11

جو اپنے دل کے طایم کا ترجمان ہوتا
حریف عزم نہ ہوتی جو پستی ہمت
کبھی تو جا کے خدائی سے بندگی ملتی
تمہارے ذوق تکلم کا یہ تقاضہ ہے
مزاج پوچھ لیا میں نے راہ مسجد میں
گزر رہے ہیں محبت میں دن غنیمت ہے
گناہ اور ہے جبر گناہ ہے کچھ اور
بہار آئی تھی کچھ زخم دل ہرے ہوتے
برا کہا مجھے دشمن نے خیریت گزری
شریک حال نہ ہوتی جو جہم خود داری

زباں پہ جس کی ہے نغمہ وہ نوحہ خواں ہوتا
نہ جانے کتنی بلندی پہ آشیاں ہوتا
برا ہی کیا تھا جو سجدہ نہ درمیاں ہوتا
تمہاری بزم میں ہر شخص بے زباں ہوتا
جناب شیخ سے پھر سامنا کہاں ہوتا
مزاج کرتے جو کوئی مزاج داں ہوتا
جو معترض ہے وہ اے کاش نکتہ داں ہوتا
یہ سوز و ساز کا موسم نہ رائیگاں ہوتا
زبان دوست کا اک حرف بھی گراں ہوتا
ہمارے غم کا فسانہ غم جہاں ہوتا

12

نہ پوچھے غم دوراں میں کیا اثر دیکھا
منازل غم ہستی کو عمر بھر دیکھا
مزاج دوست نے بھولے سے جب ادھر دیکھا
رو رضا میں سہارے بغیر چل نہ سکے
کچھ ایسے نقش مری خستگی نے چھوڑے ہیں
گناہگاروں کے اتنے بڑے سے مجمع میں
قصیدے جن کی زبانوں پہ درد دل کے رہے
خدا بھلا کرے احباب کی نگاہوں کا
عمل کی حد میں وفا کا بڑا مقام یہی
اسے بھی خلقت انسانیت پہ ناز ہوا

خود اپنے حال پہ کس کس کو نوحہ گر دیکھا
مال یہ ہے کہ جیسے بیک نظر دیکھا
نگاہ شوق میں اک حسن جلوہ گر دیکھا
بڑے بڑوں نے مرا ہاتھ چھوڑ کر دیکھا
غور حسن بھی تھرا گیا جدھر دیکھا
خدا کا شکر مجھے اس نے اک نظر دیکھا
انہیں بھی ہم نے گرفتار درد سر دیکھا
ہمارا حال تھا نا دیدنی مگر دیکھا
بیاض عشق میں اک حرف مختصر دیکھا
جب اس نے کون و مکاں دیکھ کر ادھر دیکھا

ملا جو مہم کہیں ہم نے چشم پوشی کی
مجھے انیس کی عظمت پہ رحم آیا جہم
ہنر جہاں نظر آیا بصد نظر دیکھا
وہ رنگ چہرہ یومِ انیس پر دیکھا

13

زمانے کی فضا میں انقلاب آنے سے کیا ہوگا
کبھی جھوٹی تسلی سے کسی کی پیاس بجھتی ہے
انہیں پھیلے ہوئے ہاتھوں کو سرگرم عمل کر دو
کوئی تدبیر کچے میں نہیں تقدیر کا تامل
بھگدند محفل کی فضا میں نے بدل ڈالی
ملے گی کچھ نہ کچھ دیوانگی ہر مرد میدان میں
نگاہِ خشکیں دعوت نہ بن جائے تبسم کی
خدا رکھے یہی زندہ دلی ہوگی سواب بھی ہے
نیشن میں بھی رہ جائے قفس کا دردِ سرشاہد
قصیدہ عرض کچھ جہم شانِ حسن میں کوئی

14

دے کے دل، میں بے قرار دیکھتا چلا گیا
اس کو راہِ عشق پر لے کے آئے بھی تو کیا
چھیننے کی چیز تھا اک میرا عزمِ مستقل
موت نے اُتار لی جب نقابِ زندگی
کیا ضرور تھا کہ وہ غم کی بات پوچھ لے
کائناتِ حسن تھی آئینہ در آئینہ
آئیں گے ضرور وہ ان سے یوں کہے کوئی
زندگی بھی خواب تھا اے خوابِ زندگی
پھر خمارِ غم ہوا غم کو پھر نظر لگی
اپنے غم کا شاہکار دیکھتا چلا گیا
اپنے حسن کی بہار دیکھتا چلا گیا
انقلابِ روزگار دیکھتا چلا گیا
زندگی کا پردہ دار دیکھتا چلا گیا
دو جہاں کا غم نثار دیکھتا چلا گیا
میں بہار در بہار دیکھتا چلا گیا
ان کی راہ جاں نثار دیکھتا چلا گیا
خوشگوار و ناگوار دیکھتا چلا گیا
پھر مجھے ستم شعار دیکھتا چلا گیا

آہ کر رہا تھا جو سانس بھی نہ لے سکا
عید ہی سہی مگر میکدے میں ہم نہ تھے
فیضِ جبر اختیار دیکھتا چلا گیا
جسمِ ابرِ نو بہار دیکھتا چلا گیا

15

کل گیا جامہ ہستی کا گراں ہو جانا
جان لیوا ہے ترا جانِ جہاں ہو جانا
ساتھ دو گے مرا تم بھی کو زبانی ہی سہی
دل کا آئینہ سلامت مجھے منظور نہیں
اس سے کیا صبر کے معیار میں فرق آتا ہے
ہائے وہ مجھ پر زمانے کی نگاہ تنقید
کہیں ان آنکھوں سے باقی ہے حقائق پہ نظر
وقت آنے پہ مجھے دوست بنانا ہی پڑا
کیسا میدانِ عمل دیکھ کے دل بیٹھ گیا
دولت و علم کی منزل میں ہوا ہے اکثر
اپنے اوہام کو الہام سمجھنے والے
عشق ایثار کا وہ نقطہ آخر ہے جہاں
کیسی حسرت سے مری بے عملی نے دیکھا
جسم بہتر ہے تصنع کی دل آویزی سے

16

خوابِ خوش کہنے ہی کو اپنا تھا اپنا کچھ نہ تھا
کون کہتا ہے کہ دنیا میں ہمارا کچھ نہ تھا
ہاتھ خالی اپنی منزل سے چلا سوئے عدم
بات کہنے کی نہیں لیکن حقیقت ہے یہی
ان کی اک کروٹ پہ ہو جاتی ہے دنیا مضطرب
حرفِ آزادی سنا تھا ہم نے سمجھا کچھ نہ تھا
جب تک اپنے فرض کا احساس تھا کیا کچھ نہ تھا
اے مسافر کچھ ترے قبضہ میں تھا یا کچھ نہ تھا
میری ہستی سے جو سب کچھ ہے وہ تھا کچھ نہ تھا
میں ترپتا تھا مگر میرا ترپنا کچھ نہ تھا

کتنے فتنے آج اٹھے ہیں کل یہ جھگڑا کچھ نہ تھا
آپ بھی تھے ہم بھی تھے یہ میرا تیرا کچھ نہ تھا
کہہ دیا جس نے بہت کچھ اور سوچا کچھ نہ تھا
اپنے اوپر وقت جب آیا طریقہ کچھ نہ تھا
میکدے میں ناز تسبیح و مصلّا کچھ نہ تھا
اب تو کہنے کے لیے ان کا ارادہ کچھ نہ تھا
جوہر انسانیت کو حجم خطرہ کچھ نہ تھا

17

رہ گئی خاموش دنیا میرے افسانے کے بعد
کیا کروں گا اب یہ تھکے گھری لٹ جانے کے بعد
زعم کتنا بڑھ گیا انسان کہلانے کے بعد
کتنے پیانے انھیں گے میرے پیانے کے بعد
دیکھنا میری طرف دنیا بدل جانے کے بعد
کیا کہے کوئی ترے ارشاد فرمانے کے بعد
رو دیا وہ سنگدل بھی مجھ کو سمجھانے کے بعد
شع محفل کو بھی نیند آتی ہے پروانے کے بعد
آپ کا عشرت کدہ ہے میرے ویرانے کے بعد
دیکھئے کیا ہو مجھے محفل سے اٹھوانے کے بعد
کیا کہیں راحت ملے گی خاک ہو جانے کے بعد
لٹا جائے گا یونہی میخانہ میخانے کے بعد
ہم ٹھہرنے کے نہیں پیغام پہنچانے کے بعد

18

خزاں کا چیر کے سینہ بہار پیدا کر

پُرسکوں تھی میرے دل کی طرح مسجد کی فضا
دامنِ دولت تھا جب تک دامنِ اغیار میں
رحم کے قابل ہے اس کا عالم بے چارگی
ہم کو کس کس نے نہ سکھلائے طریقے صبر کے
اعترافِ معصیت تھی میکشی کے ساتھ ساتھ
سو ارادے تھے عمل کے حوصلہ کو کیا کریں
فطرتِ انساں پہ جب تک عشق تھا پرتو نکلن

پھر نہ اٹھا کوئی فتنہ حشر ہو جانے کے بعد
وہ تسلی دینے آئے ہیں ستم ڈھانے کے بعد
اس بھری دنیا میں اک انساں نظر آتا نہیں
میکدے میں مجھ پہ جو ہنستے ہیں ان کو کیا خبر
میری پیشانی پہ اک بل بھی نہ آئے گا نظر
کل گئی تیری زباں ذوقِ سماعت اب کہاں
کانپ اٹھا میں دیکھ کر دردِ محبت کا اثر
تم کہاں تک جاگ سکتے ہو سحر ہونے کو ہے
بجلیوں کی شوخیوں کو ایک مصرف چاہیے
رنگ محفل اب کسی فنکار کے بس کا نہیں
خاک ہو کر ہم نشیں اکسیر ہونا ہے مجھے
رنگ لائیں گی غلط سرمستیاں ہر دور میں
حجم فکرِ حب میں اک حرفِ آخر اور ہے

جنوں کا جوش دکھا لالہ زار پیدا کر

سُک خرمی برق و شرار پیدا کر
 فضا مخالف سرمایہ دار پیدا کر
 قدیم زاویہ فکر سے جہاں کو نہ دیکھ
 غرور بندگی و ہوش بندگی کب تک
 نگاہ ناز کی یہ سرد مہریاں توبہ
 نئی حیات ہو عہد حیات کا حاصل
 تصورات کے نقش و نگار کیا ہوں گے
 غرور ظلم لرز جائے جس سے نکرا کے
 نظر سے غمزہ نہ جھٹکے زباں پہ آہ نہ ہو
 ہزار رنج اٹھا لے یہ بار غم نہ اٹھا
 جہان عشق میں جس کو کبھی زوال نہ ہو
 جو بڑھتے بڑھتے اک احساس کتری بن جائے
 مجھے ہو فتح کیا امید اس کو بیم و شکست
 وہ جنگ کی کہ لب زخم پر ہنسی بھی نہ ہو
 حکومتوں کے بھی جھک جائیں سر ترے آگے
 جو پھانس بن کے رگِ دل کی روح کہلائے
 گلہ ہو شکر ہو تقریر ہو کہ شعر ہو جھم

پہنچیں گے نہ گمراہ تری راہ گزر تک
 کیا ذکر ہے نشہ کا تری بزم میں ساقی
 کیوں آگئے تم ہر کس و ناکس کی نظر میں
 سُننا ہوں کہ سیدھے ہیں بہت حضرت واعظ
 مارے گئے کچھ یوں بھی غم عشق کے رہو

قسمت کے سکندر ہیں پلٹ آئیں جو گھر تک
 چہرے بھی اُتر جائیں گے آثارِ سحر تک
 کیا نور تھا رخ پر مری پاکیزہ نظر تک
 دھوکے میں چلے آئے تھے میخانہ کے در تک
 پہنچی نہ کسی تانلہ والے کو خبر تک

اُبھریں گے کبھی جادۂ تقدیس کے دھبے
ناکامِ ازل پوچھتا پھرتا ہے ہر اک سے
اک شب تو محبت کی عبادت میں گزر جائے
کرتے رہو تم تا بہ قمر جانے کی کوشش
ہم کیا ہیں میسر نہیں موسیٰ کو تحمل
کہہ دے کوئی واعظ سے کہ یہ سجدہ گزاری
اک پل میں بھی ہے معرفتِ حُسن کا امکان
اللہ رے اس کی غلہ ناز کی قوت
کس کو ہے خبر مرحلے طے کتنے کئے ہیں
دل اپنا جلاتا ہوں شبِ غم تو یہ غم ہے
اللہ میں کب سے پاس دیوارِ پڑا ہوں
فرمودۂ غالب کے موافق ہوں میں اسے ختم

20

سوئے اہل بھی جائیں گے اس کز و فر سے ہم
آج اپنے ہی چمن میں ہیں بے بال و پر سے ہم
میدان میں سر بلند تھے تیغ و تبر سے ہم
کیا جانے اتحاد ہو یا اور افتراق!
تم نے ہنر کو عیب سے بدتر بنادیا
بیگانہ دردِ سر سے ہے وہ دردِ دل کجا
بخشا ہے ظرفِ دیکھ کے فطرت نے دردِ دل
تاریکیوں میں روشنیاں پھیلتی گئیں
اُٹھ جائے روئے حسن سے پردہِ حجاب کا
رات آگئی یہ بچ میں کس تیرہ بخت کی

گیتی بھی تھر تھرائے گی گزرے جدھر سے ہم
اللہ کھریں رہ کے بھی باہر ہیں گھر سے ہم
زندیاں میں سر نہ چھوڑیں گے دیوار و در سے ہم
جس دن ادھر سے آپ آئیں اور ادھر سے ہم
کچھ عیب بھی کیا تو کریں گے ہنر سے ہم
کھٹکا یہ ہے الجھ نہ پڑیں چارہ گر سے ہم
لائے نہیں اٹھا کے کسی رہ گزر سے ہم
کتنے چراغِ جل گئے گزرے جدھر سے ہم
باتیں کریں گے عشق کے پیغامبر سے ہم
بیدار ہو چکے تھے پیامِ سحر سے ہم

راس آئیں شاید ان کو یہ ہنگامہ سازیاں
 تم نے تو خوب راہ میں کانٹے بچھائے ہیں
 طوفان یہ تھمے تو ملے فرصتِ عمل
 جینا ہمارا مرگِ مسلسل سے کم نہیں
 کیا بال و پر ہیں قوتِ پرواز کے بغیر
 جوشِ عمل بڑھا بھی تو اتنی زباں کھلی
 وہ بھی ہیں چل پڑے جوستاروں کی راہ پر
 کیا بیچ میں سے بات کٹی ہے نہ پوچھئے
 وحدت ہماری حاصلِ نوعِ بشر ہے حتم

21

حدِ گناہ میں آجاتی ہے نگاہِ کبھی
 وہ اقتدار سہی ناگہاں نصیب نہ ہو
 سنوارے لب کے نئے سرے جب چمنِ فطرت
 ٹھٹک کے رہ گئے نا آشنائے راہِ وفا
 ہے بالِ بال گنہگار خود میں کہہ دوں گا
 شعورِ خیر سے امکانِ شر ہوا معلوم
 بشر نے رازِ حقیقت کیا ہے کیا معلوم
 بہت زمانے سے تھا ذوقِ کارفرمائی
 ہر آدمی سے میں حق بات کہتے ڈرتا ہوں
 بہت سے ایسے فسانے تو سنتے آئے تھے
 بچا ہوں وار سے دشمن کے بارہا لیکن
 جو دردِ عشق ترا حاملِ حیات نہیں
 غضبِ کیا مری آنکھوں میں ڈال دیں آنکھیں

منزل کو جا رہے تھے اس شور و شر سے ہم
 بیچ کے چل رہے ہیں شعورِ نظر سے ہم
 بیٹھے ہیں ہارِ مان کے فکروِ نظر سے ہم
 اس حال میں بھی جیتے ہیں مرنے کے ڈر سے ہم
 کس درجہ دیدہ زیب ہوئے بال و پر سے ہم
 زنداں کوئی ملے تو بدلتے ہیں گھر سے ہم
 اور آپ چاہتے ہیں کہ باز آئیں سر سے ہم
 کچھ کہہ رہے تھے زندگیِ مختصر سے ہم
 وابستہ ہیں جو دامنِ خیر البشر سے ہم

بشر سے ہوتے ہیں کتنے گناہ نا معلوم
 رہے گا دل پہ بھی کچھ اقتدار کیا معلوم
 بہار کس کی ہو کس کی خزاں خدا معلوم
 رستے نہ وہ جنہیں اپنا مقام تھا معلوم
 کریں گے جبرِ مشیت سے اور کیا معلوم
 خردِ زدوں کو یہ قدرت کے کھیل کیا معلوم
 تمام فکر و نظر اور تمام نا معلوم
 چلو تمہارا بھی معیار ہو گیا معلوم
 یہ حق ہوا ہے فرشتوں کو بھی بُرا معلوم
 بدل ہی جائے گی دنیا یہ کس کو تھا معلوم
 ابھی اہل کو ہیں رستے ہزارہا معلوم
 سوال ہے تری ہستی جواب نا معلوم
 پلائیں گے مجھے کتنی شراب کیا معلوم

کوئی حسین کا ایثار جہم کیا سمجھے کسے ہے وسعتِ مفہوم کر بلا معلوم

22

مجھے کرنا ہے کچھ پروانہ آتش بجاں ہو کر
کہیں ہوتی ہے احسانوں کی گنتی مہرباں ہو کر
گرا ہو سعی برحق میں صدفِ ناتواں ہو کر
بہت اڑتے ہوئے دیکھے ہیں دامنِ دھجیاں ہو کر
رہے صدیوں کسی کے در پہ سبکِ آستاں ہو کر
ہوئی ہو ابتداء جس کی عذابِ ناگہاں ہو کر
کشش ہے خاک کی یا بے نیازی خاکساری کی
کوئی حق کا دھنی اٹھے تو باطل تھم نہیں سکتا
زہے جوشِ عمل کچھ ہنسنے والے کر لیے پیدا
سلامت ہمت منزل نہ دے گا ساتھ لڑ کوئی
گنہ کیا سر پہ لیتے آزماتے کس کی رحمت کو
امیدِ عافیت کیا کیا پھلی پھولی ارے توبہ
اُلٹ پھیراں کی قدرت کے سمجھ ہی میں نہیں آئے
دل بیگانہ ہمت کو یارب کیا کرے کوئی
نہ ٹکڑ لے سکی کوئی مرے شوقِ شہادت سے
عجب کیا دم نکل جاتا جو کم ظرفوں کا سنتے ہی
گری جب آشیاں پر ہم نے تب بجلی کو پہچانا
یہ دن چڑھتا ہوا پھولوں کے یہ اترے ہوئے چہرے

23

بن گئی قوسِ قزح جب لے کے انگڑائی غزل
فلسفہ، منطق، سیاست، موعظہ، حکمت، حدیث
فکر کے ظلمت کدہ میں روشنی لائی غزل
علم و فن کی ہر بلندی پر نظر آئی غزل

حمد و نعت و منقبت، نوحہ، قصیدہ، مرثیہ
 رزم میں بھی کارفرما بزم میں بھی نغمہ کار
 جوہر فرہاد و مجنوں نکل دُن کا رنگ و روپ
 اللہ اللہ دامنِ پیغمبری تک دسترس
 میر و غالب کی غزل ہے جہم و ثاقب کی غزل
 زادہ ایراں ہے تو پروردہ ہندوستان
 ابتدائے آفرینش سے یہی ہوتا رہا
 مسکرائی فطرت غم درد نے تعظیم دی
 ہے یہاں روئے سخن حسنِ حقیقت کی طرف
 لگ گئے تہذیب کی رنگینوں میں چار چاند
 حضرت سودا الجھ کر شوخیوں میں رہ گئے
 یہ غزل گو سب سے پہلا صلاح دیواں ہوا
 کوئی اس کو اپنے منصب سے ہٹا سکتا نہیں
 جہم میرے ہموطن ہیں غالب و میر و نظیر

24

دلی جذبات کے برعکس یہ صورت گری کب تک
 رہے گا نامکمل یہ نظامِ دلیری کب تک
 فقیر اللہ کے سمجھے ہوئے تھے اس حقیقت کو
 کسی دن یہ پہیلی بوجھنی ہے حضرت دل سے
 عمل کی راہ سے بھی ربط ہے کچھ عزم منزل کو
 اہل کی نیند بھی میں سو گیا پھر چوکنا کیسا
 کبھی تو ایک سجدہ اس کا ہنستے کھیلتے کر لیں
 بہت میکش جہاں دو گھونٹ میں آپے سے باہر تھے

بنامِ زندگی آخر فریبِ زندگی کب تک
 خدایا تیری دنیا میں محبتِ اجنبی کب تک
 سرِ انساں پہ ٹھیرے گی کلاہِ خسروی کب تک
 پرانی عقل میں اور اپنی دولت میں کمی کب تک
 خیال و خواب کے ماحول میں آوارگی کب تک
 نہ جانے وقت کے احساس نے آواز دی کب تک
 خدا کی یاد میں یہ بندگی بے چارگی کب تک
 کسے معلوم ہے ہم نے کہاں آنکھوں سے پی کب تک

نہ غش کی بے شعوری ہے نہ غفلت خواب راحت کی
سر منبر نظر تھی دل تھا سجدے میں محبت کے
محبت کر رہی تھی درد کی پیغمبری کب سے
فرشتہ ہوں کوئی جو درد سمجھوں گا نہ دشمن کا
کبھی یہ سوچتا ہوں جہنم میں اشعار پر اپنے

شعور زیست میں یہ وقت کی عارت گری کب تک
خدا معلوم واعظ نے کہانی سی کہی کب تک
محبت سے بچانا جان اپنی آدمی کب تک
بھلا انسان سے انسان کی بے گاہی کب تک
چڑھیں گی ان کی نظروں میں یہ آیات جلی کب تک

25

آڑ ہے کعبہ کی سجدہ روئے جاناں کی طرف
جاؤں گا اس بزم میں نا خواندہ مہماں ہی سہی
ایک طوفان محبت ہوں میں رکتا ہوں کہیں
عیش کی راتیں مبارک دل حلاؤ یا چراغ
آئینہ کا سامنا ہوتے ہی تیور ہنس دیے
عزم خالص چاہیے تدبیر منزل کے لیے
سیکھ لے نا آشنا میری نظر سے اضطراب
وسعت ہمت سلامت رنج مشکل مل گیا
گرتی پڑتی آرہی ہے جس طرف جاتے ہو تم
اے محبت رہنما بن اے وفا تقدیم کر
منہ اندھرے کس طرف دیکھوں شب غم دیکھنا
پوچھنا تھا چھپنے والے سے جو مل جانا کہیں
آج کل سنتے ہیں عجیبی لحن پر ملتی ہے داد

فطرتا انسان کا دل جھکتا ہے انساں کی طرف
غور سے دیکھیں گے وہ نا خواندہ مہماں کی طرف
کیا سمجھ کر انگلیاں اٹھتی ہیں طوفاں کی طرف
میں خط مشرق میں ہوں صبح درخشاں کی طرف
کہہ دیا کیا دیکھ کر جاناں نے جاناں کی طرف
پاؤں میداں کی طرف اٹھیں کہ زنداں کی طرف
موج رقصاں کی طرف آموچ رقصاں کی طرف
میں نے پہلو بھی نہ بدلا عیش آساں کی طرف
دیکھتے کیا ہو نگاہ پابجولاں کی طرف
لے چلا ہوں آفت دل آفت جاں کی طرف
شمع گریاں کی طرف یا صبح خنداں کی طرف
آپ بندو کی طرف ہیں یا مسلمان کی طرف
یوں زمانہ رخ نہیں کرتا غزل خواں کی طرف

26

اُٹ کھا کر تھا جو کچھ وہ بھی کہاں باقی رہا
اس بہارِ جانستاں میں پوچھتا پھرتا ہوں میں
خاطی و باغی سہی اللہ کا بندہ تو ہوں

میں اک اس کی بے نیازی کا نشاں باقی رہا
کیا چمن میں کوئی میرا ہم زباں باقی رہا
یہ تو رشتہ میرے اس کے درمیاں باقی رہا

جا و بچا مدح کرنے تک وہ دشمن تھا مرا
ان کے آگے سب وفا کی داستاں گم ہو گئی
جہل کی ضد پر زبان عقل و دانش تھم گئی
زندگی کے سب بلند آہنگ دعوے رہ گئے
میں نے یوں راہ طلب کی سختیوں سے جنگ کی
ہم دکھا دیں گے تصرف ہو کسی معصوم کا
آج اُردوئے معلیٰ کی اشاعت کے لیے

عیب جوئی جب سے کی دشمن کہاں باقی رہا
ہر زباں پر ایک حرفِ الاماں باقی رہا
اک سکوتِ حق جوابِ جاہلاں باقی رہا
زیر لب اک احتجاجِ ناتواں باقی رہا
میرا جذبہ کارواں در کارواں باقی رہا
آدمیت کا اگر نام و نشان باقی رہا
یہ غنیمت ہے کہ نجمِ نکتہ داں باقی رہا

اس قدر شدتِ احساس میں ڈوبا ہوں میں
ہوں بُرا دیدہ ہستی میں کہ اچھا ہوں میں
حل کیے میں نے ہزاروں ہی مسائل لیکن
عرصہ حشر ہوئی جاتی ہے دنیا یارب
مجھ پہ اللہ کے بندوں ہی نے توڑے ہیں ستم
ہمت افزا ہو کوئی یہ مرا ماحول نہیں
میری بگڑی ہوئی رفتار پہ ہے ان کی نظر
اللہ اللہ یہ ہے میری بُرائی کا وقار
زلزلہ خُشک سمجھتے ہیں گنہگار مجھے
میکدہ میں مرے ساتھی بھی تھے ہمدرد بھی تھے
درسِ حکمت نے بتایا مجھے اک مُشرِ غبار
خود پرستی کو گنہگار سمجھنے والے
یہ نہ بھولے سے بھی سمجھا کوئی قسمت کا دھنی
ابھی دیکھا ہے کہاں ولولہ صبر و سکون
چھ سا مظلوم زمانے میں نہ ہوگا کوئی

آہ دشمن بھی جو کرتا ہے تڑپتا ہوں میں
آج تک خالقِ ہستی کو گوارا ہوں میں
سر پہ موت آگئی جب زیست کو سمجھا ہوں میں
کوئی اتنا نہیں کہتا کہ شناسا ہوں میں
میں یہ کہتا رہا اللہ کا بندہ ہوں میں
آپ ہی اپنے ارادوں کا سہارا ہوں میں
ہوش اڑتے ہیں ذرا بھی جو سنبھلتا ہوں میں
اچھے اچھوں کی ٹکا ہوں میں کھلتا ہوں میں
اور گنہگار سمجھتے ہیں فرشتہ ہوں میں
جب سے مسجد میں ٹھکانا ہے اکیلا ہوں میں
دل کی وسعت کا اشارہ ہے کہ دریا ہوں میں
یہ نہ سمجھے کہ گنہگار خود اپنا ہوں میں
اتفاقات کی دنیا کا نمونہ ہوں میں
کثرتِ غم نے یہ سمجھا ہے کہ تنہا ہوں میں
کارفرمائے محبت تن تنہا ہوں میں

یہ بھی اک حادثہ اردو کی محبت کا ہے جہم کج عزلت سے جو باہر نکل آیا ہوں میں

28

کبھی یوں کہیں سر جھکانے چلے ہیں
ستائے ہوئے ہیں ستانے چلے ہیں
کسی کی نظر میں سانے چلے ہیں
وہ کہہ دیں جفا کو وفا کی کسوٹی
شبِ غم نہ ہوگی چراغوں سے روشن
کہاں کی قیامت قیامت یہی ہے
وہ پہلے محبت کی صورت بنالیں
کبھاتے ہیں کیوں مجھ کو دنیا کے جلوے
کہیں نامِ دوزخ سُن آئے ہیں واعظ
نہ دیکھیں گے پھر کر مسافر عدم کے
چمن کے دُلا رہے تھے یہ غنچہ و گل
گبڑ کر قلمکارِ قسمت سے تجھی

29

پینگ ان سے بڑھ رہے ہیں وہ دل پہ چھا رہے ہیں
بے خود ہے ساری محفل محفل پہ چھا رہے ہیں
آئیں تو سہی کہ میں ان کو زندگی بنالوں
جیسے میں اُلٹے قدموں رستہ سے پھر چلوں گا
دیکھی ہے ہم نے دنیا رازِ کرم نہ پوچھو
کیا سانس اکھڑ رہی ہے کیا دم الٹ رہا ہے
اک نقشِ آب و گل کو جلوہ بنا دیا ہے
کوئی خودی سمجھ لے یا بے خودی سمجھ لے

امید کی فضا میں جھولا جھار ہے ہیں
خاموش ہیں زبانیں دل گنگنا رہے ہیں
جو میری موت بن کر تشریف لار ہے ہیں
راہِ وفا کے ڈرے آنکھیں دکھا رہے ہیں
صبر آزما چکے اب جبرِ آزار ہے ہیں
ہم شامِ زندگی کا اک گیت گار ہے ہیں
اے حسن کے تماشے ہم دل بڑھا رہے ہیں
دنیا خراب کر کے اک گھر بنا رہے ہیں

میرے سکونِ غم پر اب حسن مضطرب ہے
اُس عیش کے تصدق انسان بن گیا ہوں
میں سوچتا تھا دل ہی اس سمت بڑھ رہا ہے
اشکوں کی رو میں جچی دل کا لہو بہا کر
خود داریوں کے صدقہ جلوے بنا رہے ہیں
زیرِ قدم فرشتے آنکھیں بچھا رہے ہیں
میں دیکھتا ہوں وہ بھی نزدیک آرہے ہیں
غم کی نوازشوں کو رنگیں بنا رہے ہیں

30

کبھی چتون سے وضع کار فرمائی نہیں جاتی
بچا کر گوشہ دامن گزر جا دور ہستی سے
ہزاروں کار پروازانِ قدرت ہیں مگر پھر بھی
سخنور کو ہے تنہائی میں بھی لطفِ غزل خوانی
میسر ہے زمانہ بھر کی ہمدردی و دلچسپی
جھکا جاتا ہے اک انسان کے آگے باقی قدرت
وہی لفظوں کی خوش نظمی وہی ترتیب کے طور
نضائے درد میں بھی شانِ درائی نہیں جاتی
لپٹ جاتی ہے دامن سے تو رسوائی نہیں جاتی
خدائے یکہ و تنہا کی یکتائی نہیں جاتی
منکر ہو تو محفل میں بھی تنہائی نہیں جاتی
کسی منزل میں نادانوں کی دانائی نہیں جاتی
غرورِ آدمیت کی جبین سائی نہیں جاتی
جنابِ حتم کی نظموں سے رعنائی نہیں جاتی

31

راہِ رضا میں کہیں مصرفِ گناہ نہیں
براہِ راست یہ مانا کہ رسم و راہ نہیں
خدا کا شکر ہے حالِ تباہ پر اپنے
شعورِ نطق سے میں اپنی ہی پناہ میں ہوں
اُٹھے جہاں سے تو ایسا بھی کفرِ نعمت کیا
مبارک اہلِ حسد کو گناہ بے لذت
مری نگاہ نے کی دور دور کی تنقید
خدا شرفِ عزم و عمل نصیب کرے
تری نگاہ میں ہیں اس کا شکر کراے دوست
نمودِ حُسن پہ سوار میں نے دل سے کہا
سفرِ طویل تھا دامن پہ گردِ راہ نہیں
تری طرف تو ہے جھج پر اگر نگاہ نہیں
تمہارے حدِ تصور تلک تباہ نہیں
پناہ ڈھونڈنے والوں ہی کو پناہ نہیں
تماشا ختم ہوا اور زبان پہ واہ نہیں
گناہ بھی تو بہ اندازہ گناہ نہیں
قریب ہوں مگر اپنی طرف نگاہ نہیں
کلاہ کج ہو یہ معیارِ کج کلاہ نہیں
تری نگاہ کی تخلیق مہر و ماہ نہیں
مقامِ شکر ہے ظالم مقامِ آہ نہیں

گر ادیا نہ بلندی نے ان کو یہ کہہ کر
زبان شاعر کمال پہ ہو اگر اے جہم

جہاں پناہ ہیں انسانیت پناہ نہیں
مری نظر میں تعلیٰ کوئی گناہ نہیں

32

سوچتا ہوں مصرفِ حق سعی باطل میں نہو
اے مسافر اس طرح گم عیش حاصل میں نہو

شورِ طوفاں سر پہ ہے اور آنکھ کھلتی ہی نہیں
ڈھونڈتا پھرتا ہے کیا دیر و حرم میں بے خبر

درد و غم کا جن بھی کچھ عیش کے نغموں میں ہے
روئے لیلیٰ دیکھ لو لے تیرا دل محمل سہی

کشکش ہے مشکلوں کی نازش انسانیت
جتنی چاہیں اُن ترانی وقت کے بندے کریں

دیکھئے نیچی نگاہوں نے کیا دل کا سوال
سب سے بڑھ کر نقشِ انساں کی بلندی ہے یہی

کچھ اضافہ کر کے اٹھو جہم بزمِ شعر میں
وقت کا مصرف کہیں تحصیل حاصل میں نہو

کوئی جذبہ میرے دل کا آپ کے دل میں نہو
تیری منزل دور ہے تو خوابِ منزل میں نہو

یوں کوئی سویا ہوا آغوشِ ساحل میں نہو
دیکھ ان کا گھر کسی ٹوٹے ہوئے دل میں نہو

بیکسوں کا خون شاملِ رنگِ محفل میں نہو
کوئی تیرے وہم کی مخلوق محمل میں نہو

محرمِ انسانیت ہے وہ جو مشکل میں نہو
جب کوئی اللہ کا بندہ مقابل میں نہو

بدنمائی ہے جو غیرتِ چشمِ سائل میں نہو
جس کا حق مارا گیا وہ فکرِ باطل میں نہو

وقت کا مصرف کہیں تحصیل حاصل میں نہو

33

بھر تو دے موت ذرا عمر کے پیانے کو
دشمن جاں ہی سہی رہبرِ منزل نہ سہی

غمِ غلط ہوتے تھے میخانے میں کل کی ہے یہ بات
دستِ ہمت کی ہے تو بین دنا کیا کرنا

پاؤں سے ان کے نکلتے ہوئے دیکھی ہے زمیں
راہِ تدبیر میں حائل ہو تو کعبہ ڈھا دیں

کوشش ضبط نے چہرے کی بدل دی رنگت
اب یہ قسمت کہ رہوں ذوقِ عمل سے محروم

وقت لکھے گا لبو سے مرے انساں کو
روشنی موت دکھاتی رہی پروانے کو

موجِ غم آج بہالے گئی میخانے کو
عار سمجھا کیا تھلید بدلوانے کو

ہاتھ سے رکھ بھی نہ پائے تھے جو پیانے کو
آج سینے سے لگائے ہیں جو بُت خانے کو

کس نے روکا تھاتم کر کے تڑپ جانے کو
سر پہ آنکھوں پہ رکھا آپ کے فرمانے کو

کچھ جنوں نے بھی تماٹائے خبر دیکھ لیا کتنے دیوانے بنے دیکھ کے دیوانے کو

34

پھر ادھر دیکھتے چلے جاؤ بے خبر دیکھتے چلے جاؤ
عرش سے اس طرف ملیں گے قدم فرش پر دیکھتے چلے جاؤ
تم پہ صدقہ ہزارہا نظریں اک نظر دیکھتے چلے جاؤ
تاب معراج بال و پر میں نہیں بال و پر دیکھتے چلے جاؤ
ظلم سہتے ہیں کچھ نہیں کہتے در گذر دیکھتے چلے جاؤ
تم پہ نظریں ہیں دونوں عالم کی تم ادھر دیکھتے چلے جاؤ
ہم غریبوں کا پوچھنا کیسا خوش ہیں گر دیکھتے چلے جاؤ
دل ملے ہیں پڑے ہوئے بھی کہیں رہ گذر دیکھتے چلے جاؤ
در بدر کر کے ڈھونڈتے ہو مجھے در بدر دیکھتے چلے جاؤ
واقعاتِ حیات بس کے نہیں عمر بھر دیکھتے چلے جاؤ

35

میرے دل میں جو دل تمہارا ہو دل سے دل کو بڑا سہارا ہو
بات ہی اور ہے اشارے کی بات کیوں ہو کوئی اشارا ہو
اس نے الٹی ہیں محفلیں اکثر جس کو بیگانگی نے مارا ہو
دل ہے دل کا جہاں سوال آئے وہ ہمارا ہو یا تمہارا ہو
ہم ہیں اس بے گناہ کے قاتل جو گنہ گار کا سہارا ہو
اُس کا عہدِ حیات کیا جس نے وقت کٹنے کو دن گزارا ہو
میرے در پر ذرا اُتر آئے میری قسمت کا جو ستارا ہو
آج میری طرف ہے روئے سخن اب کسے بے رُخی گوارا ہو
جسم اُس کے خلاف جانا ہے جس طرف زندگی کا دھارا ہو

36

سُمو گئے مجھ سے میری ڈوبتی کشتی کا انسانہ
 رہے گا حشر تک رندوں میں اک ذوقِ حریفانہ
 کسی میکش سے کیا الجھوں نہیں یہ شانِ رندانہ
 خبر کیا تھی کہ یہ تمہید ہوگی گھپ اندھیرے کی
 خدا محفوظ رکھے خود پرستی خود نمائی سے
 سنائی میں نے جس جس کو کہانی اپنے عصیاں کی
 اب اس سے بڑھ کے ہوگی کیا قیامت ان کے جلوے کی
 جو سر لے کر حکومت تھی تو سر دیکر فراغت تھی
 بڑے ہمدرد ہیں احباب تدبیریں بتاتے ہیں
 بھیا نک ہے بہر پہلو اگر ملتی نہیں دنیا
 مری نظروں نے تو لے ہیں بہت شہکارِ فطرت کے

37

نگاہِ دوست کی بے التفاتی رائیگاں کیوں ہو
 نہا کرخوں میں بھی ٹھنڈا کوئی آتش بجاں کیوں ہو
 ستم مجھ پر کئے جاؤ ستم میرے سر آنکھوں پر
 زمیں جب پاؤں سے نکلی تو ہم باز آگئے سر سے
 عزورِ حسن ہوتا ہے مگر ایسا نہیں ہوتا
 بڑا دھوکہ ہے فطرت کے نظامِ حسن میں ورنہ
 کہاں جاتے ہو منہ پھیرے مری آنکھوں کو تڑپا کر
 طلب کرتا ہے سجدہ ان کا آئینِ خودی مجھ سے
 براہِ راست دل لے لو براہِ راست جاں لے لو
 تمہیں کو ہو مبارک یہ خدائی یہ خدا بینی
 ہنسی آنے لگی رونے کے بدلے اپنی حالت پر

گناہوں کے تالیم میں بھی تیور تھے ملوکا نہ
 اٹھا کر اپنے سر پر کون لے جاتا ہے میخانہ
 نظر ساقی پہ رکھتا ہوں باندازِ حریفانہ
 بظاہر شمع روشن دیکھ کر آیا تھا پروانہ
 ان آئینوں میں جو منہ دیکھ لے ہو جائے دیوانہ
 نگاہیں اس کی کہتی تھیں یہی ہے میرا انسانہ
 نظر بازوں میں پیدا ہو گئے اندازِ جانانہ
 کہاں وہ نزدِ میداں اب کہاں وہ کھیل مردانہ
 محبت میں کہیں چلتے ہیں آئینِ حکیمانہ
 جو لے جائے تو ہو جاتی ہے ہر کروٹ عروسانہ
 ترے حسنِ مکمل کا مری آنکھیں ہیں پیانہ

چمن ہی وہ نہیں پر آستان ہی آستان کیوں ہو
دلیل کارواں ہونا تھا گردِ کارواں کیوں ہو

38

دماغوں کی فضا بدلی ہوا لگتے ہی پرچم کی
شہیدانِ وفا کے غم سے قیمت بڑھ گئی غم کی
بلا دیتی ہے دل انسان کا نبضوں کی ادھم کی
مری کمزوریاں دیکھیں نظر اپنی طرف کم کی
بدل دی عشق کے بندوں نے صورتِ نظمِ عالم کی
خدا رکھے محبت ہے شرافتِ نسلِ آدم کی
بجھاتی ہے کسی کی تشنگی اک بوندِ شبنم کی
اضافہ علم و حکمت میں کیا انسانیت کم کی
وہ سجدہ کیا غلاموں کی طرح گردن اگر خم کی
اب ان سے کیا کہوں کیوں روشنی آنکھوں کی مدھم کی
نہ آیا نورِ پیشانی پہ قسمت بھی اگر چمکی
انہیں بھی ہم نے دیکھا آخری اک سانسِ غم کی
محبت دل میں ہے اے جھم اک انسانِ اعظم کی

یہ صورت ہے کہ برگ و بار پہچانے نہیں جاتے
شکستہ پا ہو جب اے جھم یہ ذوقِ سفر کیسا

مسلل قہقہوں سے ہے تلافی شدتِ غم کی
مری نظروں میں اب کیا قدر ہو عیشِ دو عالم کی
وہ کیا جانیں حقیقت اپنے سرکشِ عہدِ محکم کی
بہت ممنون ہوں احباب کی چشمِ عنایت کا
خدائی کر گئے کچھ اہل دل انسان کے پیکر میں
منا سکتے نہیں وہ دشمنی سے میرا یہ جذبہ
لہو کے گھونٹ پی کر بھی کہیں سیری نہیں ہوتی
اٹھا کر دہر سے رسمِ محبت اہل دنیا نے
شعورِ عشق کا اک ناز ہے یہ ناسیہ سانی
نگاہیں میری کہلاتی ہیں نظارے تو ان کے ہیں
تک ظرفوں پہ کچھ جتنی نہیں فطرت کی فیاضی
جو زندہ دل تھے ہنستے کھیلتے جن کی گزرتی تھی
عجب کیا شرک کا الزام آئے میرے سجدے پر

39

جس کی سحر بہار کی پہلی سحر ہوئی
کیا وقت آگیا کہ وفا دردِ سر ہوئی
ہم قید ہو گئے تو چمن کی خبر ہوئی
ہوتی نہ تھی یہ غم کی اہانت مگر ہوئی
میں دور ہٹ گیا تو وہ نزدیک تر ہوئی
اب کس امید پر ہوسِ بال و پر ہوئی

کس کرب سے وہ رات قفس میں بسر ہوئی
دنیا کو دیکھتا ہوں کدھر سے کدھر ہوئی
نغمہ کی صبح و شام غزل کس کے دم سے تھی
فطرت کا جبر تھا مرا اظہارِ دردِ دل
دنیا کے ہیر پھیر سے بچنا محال تھا
دیکھا چمن کا رنگ بھی سیرِ چمن بھی کی

کیسی اسیر مسئلہ خیر و شر ہوئی
اچھی گناہگار تماشہ نظر ہوئی
کب تک بڑھے گی بات بہت درگزر ہوئی
جتنی بھی دیر یاد خدا میں بسر ہوئی
فیضِ حق سے جس کے غزل معتبر ہوئی

40

جب اٹھے گی چشم بے پروا سحر ہو جائے گی
جب سین گے تب زمانے کو خبر ہو جائے گی
ہم اسی دھوکے میں تھے زیر و زبر ہو جائے گی
ظالم و مظلوم دونوں کی بسر ہو جائے گی
کل یہی دنیا بعنوان دگر ہو جائے گی
روح بحر و بر خلاف بحر و بر ہو جائے گی
جاودانی زندگی ہوگی اگر ہو جائے گی
حسرت پرواز جس دن بال و پر ہو جائے گی
دردِ دل کی چارہ سازی دردِ سر ہو جائے گی
حجمِ ظاہر قدرتِ عیب و ہنر ہو جائے گی

41

یہ بجلی ہر خس و خاشاک سے لکڑی نہیں سکتی
کوئی طاقت خلوص فکر کو جھٹلا نہیں سکتی
کوئی عالم ہو میری آدمیت جا نہیں سکتی
وہ چاہیں لاکھ چہرے پر متانت آ نہیں سکتی
ابھی ناقص ہے دشمن کو اگر ترپا نہیں سکتی
مری خود داری ایسی ویسی ٹھوکر کھا نہیں سکتی

انسانیت پر رحم نہ کھاؤں تو کیا کروں
نادیدنی تھے کتنے مناظر نہ پوچھیے
داؤِ ستم بھی دی ہے ستم بھی اٹھائے ہیں
کیا مطمئن تھے ذکرِ عذاب و ثواب سے
غائب کی طرح معترفِ میر ہوں میں حتم

جب میں چاہوں گا شبِ غم مختصر ہو جائے گی
چین اٹھا جس دن دعا جان اثر ہو جائے گی
ہم پہ وقت آیا مگر دنیا نے کروٹ بھی نہ لی
موجِ بیدردی پہ تکیہ ہو کہ موجِ درد پر
آج کی دنیا کو میں اپنا بنا کر کیا کروں
حسن کے تیور پہ اک بل ڈال دے گا عشق اگر
زندگی مشکل تو ہے ان کے مریضِ عشق کی
ہم دکھادیں گے نشیمن ہم سے کتنی دور ہے
آشربِ درد ہو جا ورنہ اے ناز آفریں
فردِ قسمت اس طرف ہوگی ادھر فردِ عمل

محبت کم نکاہوں کو نظر میں لا نہیں سکتی
جو کہنا ہے کہو حق پر کبھی آج آ نہیں سکتی
گرا کر عرش سے بھی حسن بے پروا نے دیکھا ہے
متانت آپکی ہے ان کے لہجہ ان کی باتوں میں
نہ سمجھو دوست کی حد تک کمال اپنی محبت کا
گر ہوں رُو قبلہ جب بھی ٹھوکر میں نے کھائی ہے

کوئی نیکی بھی ایسے وقت آڑے آ نہیں سکتی
نشین ہی پہ آئے گی چمن پر آ نہیں سکتی
خیال و خواب میں فکرِ سخن الجھا نہیں سکتی

کبھی تیر نگاہِ ناز خالی جا نہیں سکتا
نشین میرا رہنے دو چمن پر آج گر آئی
حقائق ہی رہیں گے جہم میری فکر کا حاصل

42

انقلاب آئے گا پھر گردشِ دوراں کوئی
میرا دشمن نہیں نزدیکِ رگِ جاں کوئی
یوں کھا ہوگا نہ آبادِ گلستاں کوئی
آندھیاں تیز ہیں ٹھہرے گا نہ ایواں کوئی
چشمِ ظاہر سے نہاں ہے کہیں انساں کوئی
آج میت پہ ہے انگشتِ بدنداں کوئی
ہو گیا بڑھ کے اگر دست و گریباں کوئی
نہتِ قصر کوئی رونقِ زنداں کوئی
درپے دل ہے کوئی درپے جاناں کوئی
اپنے حالات و خیالات کا مہماں کوئی
پردہِ غیب سے ہوگا جو نمایاں کوئی
میری ہمت پہ ہے کیوں چاکِ گریباں کوئی
لے گیا ساتھ غرورِ سروساماں کوئی
یوں نہ ہو جائے بُرے وقت میں ارزاں کوئی
مسندِ عیش پہ ہے طفلِ دبستاں کوئی
سر کہیں پھوڑ نہ لے بندہٴ احساں کوئی
دو ہی باتوں میں نہ ہو جائے پشیمان کوئی
روک لے کیسے خیالات کا طوفاں کوئی

بیکسوں کی صفِ ماتم پہ ہے رقصاں کوئی
کیا ڈرائے گا مجھے موت کا عنوان کوئی
چشمِ عبرت ہے نہ ہے دیدہٴ گریاں کوئی
چل پڑی موجِ ہوا زلزلہٴ ساماں کوئی
اس تلاطم پہ ہے دنیا کا توازن قائم
کل نہ سمجھا کہ ہے خطرے میں وطن کی عزت
حشر ہے کاتبِ تقدیر بشر کیا ہوگا
ہنس چکے تو سنی ہے یہی تاریخِ اُمم
دیکھئے کس کو حقیقت کی حدیں ملتی ہیں
شکر لازم ہے جو دو چار گھڑی بھی رہ جائے
صورتیں جبر و تشدد کی اُتر جائیں گی
غم سے بھی لطف اٹھاتا ہوں مسرت کی طرح
ٹوٹ کر مجھ کو قناعتِ سروساماں پہ نہ کی
لے گئی ایک نظر حال بھی مستقبل بھی
پاؤں پھیلے ہوئے ہیں وسعتِ آزادی میں
جان کا روگ ہے یہ خلوتِ ہستی کیا ہے
کتنے شکوے مجھے کرنے ہیں مزے لے لیکر
نیند آنے کی ہے امید نہ موت آنے کی

وہ نہ چاہیں گے تو کیا حال نہ بدلے گا کبھی
داغ روشن ہیں غریبوں کا لہو جلتا ہے
جسمِ فطرت سے مری ولولہ شعر و ادب
ان کے بس کا ہے مرا خواب پریشاں کوئی
نہ چہراناں ہے کہیں اور نہ شبستاں کوئی
میرے ایک ایک نفس میں ہے غزل خواں کوئی

43

عجب کیا عیش کی غفلت میں سارا دن گزر جائے
کسی نے بے تکلف بڑھ کے قبضہ کر لیا اپنا
مصیبت پر مری خوش ہونے والے بھی ہیں دنیا میں
شعور درد دل رکھتے ہیں یہ خاصانِ دولت بھی
بدل دیتی ہے دنیا مختلف مفہوم و معنی میں
ابھی اک زلزلہ ہوگا شریکِ رقص سے خانہ
گزر جاتی ہے اک تازہ قیامتِ جحیم کے دل پر
کہ ہوش اس دور میں اکثر قریب شام آتا ہے
کوئی کہتا رہا یہ تیری خاطر جام آتا ہے
برا کیا ہے مرا غم دشمنوں کے کام آتا ہے
ترپ جاتے ہیں جب ذکرِ صلائے عام آتا ہے
جب آتا ہے ادھر سے ایک ہی پیغام آتا ہے
ابھی تو جام بے اندیشہ انجام آتا ہے
کسی کے لب پر ارضِ تاج کا جب نام آتا ہے

44

کیوں اس کو چھیڑتے ہو شبِ غم کے نام سے
تقدیمِ انقلاب کی خاطر بڑے بڑے
اے دوست یہ شریعتِ انساں میں کفر ہے
میں نظم و ضبطِ زیست کا تائل نہیں مگر
گیتی کو زلزلہ ہے لرزتی ہے کائنات
غمنوار بن کے آئے تھے اللہ رے سلوک
دیکھے تو کوئی شکل مرے ہم صغیر کی
سجدے میں اک تصور بے جا سہی مگر
میں فکرِ خیر میں ہوں وہ شر کر چکا بہت
میرے حدودِ ذکر میں اے طاہرِ ہوس
وہ بدنصیب دل جو دھڑکتا ہے شام سے
گھبرا کے اٹھ کھڑے ہوئے اپنے مقام سے
دھوکہ نہ دے کسی کو محبت کے نام سے
مرنا بھی چاہتا ہوں بڑے اہتمام سے
سر کے ہیں کس کے پاؤں وفا کے مقام سے
بات اور بڑھ گئی سخنِ ناتمام سے
چہرہ اتر گیا ہے محبت کے نام سے
آگے میں بڑھ گیا ہوں بہت پیش امام سے
دشمن بچے گا اب نہ مرے انتقام سے
پر بجل اٹھیں گے گرمی زورِ کلام سے

تہا تھا میں گناہ کے اقسام سیکروں
بس حاصلِ کلام رہے مدنائے دل
ایسے قلم اٹھانے کی نوبت نہ آئے جہم
کوشش تو کی نکل نہ سکا اژدہام سے
اتنا ہی واسطہ ہے خدا کے کلام سے
جس طرح کھینچ لے کوئی تلوار نیام سے

45

زندگی غم میں گزرتی ہے رواداری سے
نہند کلیوں کی اڑی آنکھ کھلی سبزے کی
جن کی ہشیاری کے دنیا میں نشانے تھے بہت
بزمِ انساں میں کہاں سادگی قول و عمل
سوچ لو یہ بھی ذرا بات بگڑ جاتی ہے
آپ اظہارِ عداوت میں تکلف نہ کریں
عہدِ غفلت میں دلوں کی یہ کشاکش تھی کہاں
حالِ دل حضرتِ واعظ کا تو معلوم نہیں
مجھ کو فرصت ہے کہاں اے خلشِ صوم و صلوٰۃ
صفیں دوزخ و جنت کی خدا ساز سہی
کس مصیبت میں لطافت مری تخیل کی ہے

46

انساں سے لاکھ دور ہوں انساں سے کام ہے
دل کو لگے گی ان کے تو سمجھیں گے سوزِ غم
کیوں کیجئے تصور نا ممکن و محال
ممکن ہے کامِ گردشِ دوراں کو مجھ سے ہو
وہ منزلِ حیات میں ہے تنگِ اہلِ دل
غیظوں کو اک تبسمِ موبوم کے لیے
اک دن اسے بھی قربِ رگِ جان سے کام ہے
فی الحال سوزِ شمعِ فروزاں سے کام ہے
جب تک فضائے عالمِ امکاں سے کام ہے
میری بلا کو گردشِ دوراں سے کام ہے
جس دل کو اپنے درد کے درماں سے کام ہے
کتنا عظیم صبحِ درخشاں سے کام ہے

پہلے مجھے خود اپنے گریباں سے کام ہے
کب تک تمہیں بہارِ گلستاں سے کام ہے
اللہ آج بھی سروساماں سے کام ہے
خود داریِ سخن کو سخداں سے کام ہے

دستِ عدو بڑھا بھی تو رسوا کرے گا کیا
میرا ہے تجربہ کہ ٹھہرتی ہے کم بہار
تابوت و شامیانہ و قبر و چراغ و گل
حق ناشاس میرے مخاطب نہیں ہیں جہم

47

اک سانس مجھ میں ایک چراغِ سحر میں ہے
وہ آگ اور ہے جو غمِ معتبر میں ہے
اک عمر ہوگئی کہ ارادہ سفر میں ہے
تنہا ہوں اور ساری خدائی نظر میں ہے
دل بجھ گیا تو خیر میں لذت نہ شرم میں ہے
کیسی انوکھی ریت تمہارے نگر میں ہے
حق کا شعور ورنہ مزاجِ بشر میں ہے
اک روشنی سی منزلِ فکر و نظر میں ہے

شب ہے تمام صبح کا تارا نظر میں ہے
محدود جستجو تری برق و شرر میں ہے
ہمت نہیں تو بیٹھ رہو پاؤں توڑ کے
یہ میرا صبر و ضبط یہ ماحولِ عیش و غم
دل مرکبِ حیات ہے ہر اعتبار سے
یہ دیں گھر بنا کے بھی پردیس ہی رہا
یہ اور بات ہے کہ ہو ماحول ہی غلط
بے ساختہ زباں پر درود آرہا ہے جہم

48

چارہ گر بنائیں نگاہیں رازداں دیکھا کیے
ہل گئے طبقے نہیں کے آسماں دیکھا کیے
کاروانِ گرد و گردِ کارواں دیکھا کیے
دو نگہباں تھے کہ میرا آشیانہ دیکھا کیے
دیر تک ہم اپنے قدموں کے نشاں دیکھا کیے
دیکھنی تھی سست رفتار خزاں دیکھا کیے
اہلِ دل اہلِ نظر اہلِ زباں دیکھا کیے
نا تو اں یہ مصرفِ تاب و تو اں دیکھا کیے
دو قدم پر تھا متاعِ دو جہاں دیکھا کیے

مرتے مارتے اہلِ دل کیا سختیاں دیکھا کیے
لوگنیں نظروں سے نظریں دل سے دل ٹکرا گیا
پست ہمت زندگی بھر زندگی کی دوڑ میں
باغباں بھی فکر میں تھا گھات میں صیاد بھی
پھر نہو گمراہ کوئی راہِ رو اس فکر میں
چار دن گلشن میں پرواز بہاراں دیکھ کر
دل مئے نظریں ہوئیں رخصت زبائیں کٹ گئیں
حق پرستوں کو کچلتے ہی رہے قابو پرست
دیکھتیں آنکھیں ذرا فرقِ من و تورہ گیا

ان پہ رحمت جو چمن میں شاخ گل کی آڑ سے
پست ہمت کیا پہنچتے منزل مقصود تک
یہ وہی بجلی گری ہے آشیاں پر ہم جسے
ہم پہ وقت آیا تو خود داری شریک حال تھی

ایک بجلی آشیاں در آشیاں دیکھا کیے
راہ و منزل کو جو طوفاں درمیاں دیکھا کیے
رقص میں اکثر قریب آشیاں دیکھا کیے
حجم ارباب غرض دامن کشاں دیکھا کیے

49

اے تنگ نظر عشق کے جذبوں کو جگالے
کافر تری آنکھیں ہیں مئے حسن سے مخمور
دنیا سے اٹھے جاتے ہیں ارباب محبت
ممنون ہوں کس کس کا میں اک زیست کی خاطر
گرتے مجھے دیکھا کیے اللہ کے بندے
دنیا کے تلاطم سے مجھے ربط ہے اتنا
واعظ کو مبارک در توبہ کا سہارا
ہر بندہ اللہ کو اپنا سا نہ سمجھو
اللہ رے محبت کو محبت کی فضا میں

سوتے ہیں ترے دل کے اندھیرے میں اُجالے
تھوڑی سی محبت کی شراب اور ملا لے
فطرت کہیں توفیق محبت نہ اٹھالے
ہر ذرہ کو موقع ہے کہ احسان جتا لے
میں رہ گیا کہتا ہوا اللہ بچالے
بیٹھا ہوں روایات محبت کو سنبھالے
یارب مجھے دنیا سے گنہگار اٹھالے
ایسے بھی ہیں بیٹھے ہیں جو کونین سنبھالے
حجم اس نے کیا ہے مجھے خود میرے حوالے

○

jabir.abbas@yahoo.com

غیر مطبوعہ غزلیات

(50)

رہتے ہیں دور مرحلہ غم سے آدمی آگے کہاں ملیں گے تمہیں ہم سے آدمی
معدوم سی ہے قیس کی فرہاد کی مثال گزرے بہت زمانہ میں رستم سے آدمی
یہ سن کے راستے کے اٹھائے ہیں سنگ و شست اس شہر میں ہیں شعلہ و شبنم سے آدمی
کیوں آتشِ حسد کی فضا میں ہیں جاں بلب کیا ربط چاہتے ہیں جہنم سے آدمی
واعظ کسی شہیدِ محبت کا فیض ہے مانوس ہو گیا جو غم و ہم سے آدمی
کیا کیا فریب دے کے پچھاڑا غرور نے کن کن بلندیوں سے گرے دم سے آدمی
باطن میں پست اور ہیں ظاہر میں سر بلند یہ چشم اعتبار میں مدہم سے آدمی
بھیجا گیا حرمِ کدہ زشت و خوب میں گھبرا گیا تھا ایک ہی عالم سے آدمی
کیا پوچھتے ہو دیدہ پر نعم کی منزلت بنتے ہیں جہم دیدہ پر نعم سے آدمی

(51)

دل ہم سے نہ سنبھلا دل ہی تو ہے آساں نہ ہوئی مشکل ہی تو ہے
منزل کوئی ان کی اور نہیں منزل کی طلب منزل ہی تو ہے
سو ہم نے وفا کے وار کئے بے نل نہ ہوا تامل ہی تو ہے
دنیا سے لگا تھا دل تو بہت اٹھنا ہی پڑا محفل ہی تو ہے
طوفان کو ہٹا کر پار اُتر دو ہاتھ پہ وہ ساحل ہی تو ہے

کیا جھم فریب دل سے بچیں دنیا میں فریب دل ہی تو ہے

(52)

یہ خود داری ہے یا بیگانگی ہے رنگِ محفل سے
اہل اپنی سی کر کے بٹ گئی آخر مقابل سے
کسی صورت انھیں اپنے ستم کی داد لینی ہے
سر منزل پہنچ کر ان کو دم لینا مبارک ہو
وطن میں دوست کیسے کوئی دشمن بھی نہیں شاید
کہیں احساسِ حق گوئی پہ بھی پانی نہ بھر جائے
نظارہ اس کی قسمت میں ہے لیائے حقیقت کا
تعیین کی حدیں توڑیں ہیں انکسرت ہمت نے
کہیں آساں تھا اس ہنگامہ ہستی میں نیند آنا
کسے اس کی خبر تھی ان کو آزادی میں ترسین گے
انھیں بھی جھم دیکھا ناصیہ سامیر کے در پر

(53)

صلوٰۃ و صوم سے آئین سرکشی نہ بنا
تجھے مکارمِ اخلاق آدمی کی قسم
میں اپنے زعمِ بلندی میں مٹ گیا لیکن
عمل سے پہلے عطا کر خیال کی قوت
بڑی نوازشِ فطرت ہے روحِ زندہ دلی
دکھائے کون خدا کو یہ عہدِ خونخواری
ہر ایک درپہ نہ جا جھم داد کی خاطر

(54)

مٹی ہے موت بھی قسمت سے شاہکار مجھے کہ تیز کرنی پڑی خود چھری کی دھار مجھے

خبر تو دل سے ملی ہے ہزار بار مجھے
مظاہرے تو ہیں دونوں طرف محبت کے
کمال فن مرے دستِ طلب سے دور نہ تھا
خدا کا شکر ہے دشمن سے خود عوض نہ لیا
وہ اپنا روپ ہی جی بھر کے دیکھ لیں کچھ دن
یہ کائنات بجز انتظار کچھ بھی نہیں
مزاج دوست نے مرضی پہ اپنی ڈھال لیا
یہ اور کیا ہے جو فطرت کا احتجاج نہیں
مرے بدن پہ ٹھہرتا نہیں لباسِ ریا
بدل نہ جائے گا میرے لیے نظامِ چن
ہوا شعورِ محبت کا انتخابِ آخر
کبھی یہ فیص بھی ہوتا ہے خاکساری کا
خدا نہ ہوگا کوئی خاصہ خدا ہوگا
میں خود ہوں مطمئن اے جہمِ ادب کی خدمت سے

(55)

زیست کی حد ہے جہاں تک ہمت مردانہ ہے
ختم کہیں بھرپور ہے خالی کہیں پیانہ ہے
ساری دُنیا اک فریبِ جلوہٴ جانانہ ہے
وقت کا میری طرح اُن کو بھی ہے شکوہ مگر
یہ کسی نے بھی نہ دیکھا آگ پروانے میں تھی
کچھ ہوا دیدیں اگر پیروں در کی کوششیں
تشنگی شوقِ منزل تک سلامت لے کے جا
پرسشِ احوال پر جو شکر کچھ کہتے نہیں

آدمی تاریخ ہے اور آدمی افسانہ ہے
تو کہاں سوئی ہوئی اے جرأتِ رندانہ ہے
یہ حرم ہے دور سے نزدیک سے بت خانہ ہے
میرے شکوہ کا ذرا انداز ہے باکانہ ہے
یہ زمانہ دیکھتا ہے آگ میں پروانہ ہے
گھر جلانے کے لیے حاضر چراغِ خانہ ہے
ہوشیار اے راہِ رو ہر موڑ پر میخانہ ہے
بورے پر بھی مزاجِ اہل دل شاہانہ ہے

(56)

خاکے جو بنے عزم و عمل سے شہدا کے
وہ اہل نہ ہوں گے کبھی میدان ونا کے
اندازہ محفل تو مجھے دور سے بھی تھا
ہم حق کے طلب گار ہیں سائل تو نہیں ہیں
گزری ہے نسیم سحری صحن چمن سے
اچھا تو ہے کتنوں کو تباہی سے بچا یا
وہ ٹرب ہے مرکز سے یہ مرکز سے ہے دوری
باطن میں مرا دوست ہے ظاہر میں ہے دشمن
رحمت نے گنہگاروں کو خود حشر میں ڈھونڈا
جہنم اُن کے میری طرح پرستار بہت ہیں

(57)

مجھے بھی دل پہ میرے اختیار ہے کہ نہیں
بلند ہوں گے کہاں تک لہو کے فوارے
اسی اصول پہ تسکین خواہشات کو دے
میں سوچتا ہوں مقامِ عمل میں جہنم ابھی

(58)

موت لائے زندگانی لے گئے
ہو گیا خاموش جس کے سامنے
دل ملا تھا ان سے ان کو دے دیا
لے گئی اس در پہ دنیا دردِ دل
غم بھی اک دھوکا تھا راہِ عشق میں
جہنم چپ بیٹھا ہوں ان کی یاد میں

(59)

میرے نفس نفس میں اشارہ سفر کا ہے
مقصد سرورِ دل کا نہ کیفِ نظر کا ہے
کتنی دراز میری شبِ غم ہے اے خدا
اک اک قدم پہ عشق میں سجدہ گزار ہوں
کھوئے ہوئے ہیں اپنے ہی پندارِ حسن میں
سر پھوڑ لوں قفس سے یہ جی چاہتا ہے آج
حق ناشناس مجھ سے ملاتے نہیں نظر
چاہے تو حسن میں بھی نکالے ہزار عیب
شع و پتنگ غنچہ و گلِ نغمہ نشاط
میرے سوا کسی کو نہیں میری معرفت
دنیا کے زشت و خوب ہیں میری نظر میں جہنم

(60)

کیا خبر تھی زندگی کا مدعا بدلیں گے ہم
فرض ہے کیا روندتے جانا گل و گلزار کو
شورشِ مزدور ہے بے حجبِ سرمایہ غلط
نبضِ ہستی پر ہے صدیوں سے ہماری انگلیاں
یہ خیال خام ہے کس کم نظر کج فہم کا
پیروی میں ہے سیاست، پر سیاست ہوگی جہنم

(61)

کچھ عقل نے بگاڑا کچھ عشق نے سنوارا
تو بہنِ عشق برحق میں نے نہ کی گوارا
شب صبح تک گزاری دن شام تک گزارا
دنیا نے میری خاطر کیا کیا نہ روپ دھارا

دم بھر سکوں نہ پایا احساسِ زندگی سے
اک وہ بھی بے کسی کا عالم تھا زندگی میں
یوسف کہا جو تم کو تو چیں بہ جیں ہوئے کیوں
کیا کیا مقابلے تھے فرزاگی سے میری
کیا عشق کی فضا میں زعمِ فرد کی ہستی
بدلا ہے حجم کیسا معیارِ شعرِ فہمی

(62)

نازِ تیغ و مصلّا اور ہے
مسخ ہوتے ہیں ارادے بار بار
کل ہمیں ہم تھے وہ دنیا اور تھی
دل میں کر حسنِ عمل سے روشنی
کج روی تعلیم ہے ماحول کی
ختم ہے دم بھر میں یہ بازی گری
ڈرتے ڈرتے میں خدا کہہ دوں مگر
حجم کہہ سُن کر بہت کچھ کر لیا

(63)

مرا آغوشِ نظر یاد آیا
آنکھ ہنگامہ محشر میں کھلی
غیرتِ عشق بھی ہاتھوں سے گئی
اب ملاتے نہیں دنیا سے نظر
آپ کے در پہ ملا سر اپنا
ہوش ہستی پہ ہوا جوشِ کرم
آج بیٹھے ہیں وہ شمشیرِ بکف

جلوۂ دوست کو گھر یاد آیا
فتنۂ راہ گزر یاد آیا
دل اگر بارِ دگر یاد آیا
کوئی گستاخِ نظر یاد آیا
سجدہ یاد آیا تو سر یاد آیا
دل ادھر درد ادھر یاد آیا
کس گنہگار کا سر یاد آیا

تجم یہ فکر ہے نذر غالبِ غائبِ خستہ جگر یاد آیا

(64)

فضائے عشق میں لایا گیا ہوں دو عالم سے نکلویا گیا ہوں
مری دل بستگی دنیا سے دیکھو کہ جیسے بارہا آیا گیا ہوں
دوا دے کر تھکے جب چارہ فرما دعائیں دے کے بہلایا گیا ہوں
خوشی بھی اک تڑپ تھی درد و غم بھی بہر تقدیر تڑپایا گیا ہوں
نہ سمجھا تجم جب میں راز ہستی محبت دے کے سمجھایا گیا ہوں

(65)

خداوندیاں ہیں ستم رانیاں ہیں یہی بندہ پرور جہاں بانیاں ہیں
میں آسائشِ دل کا پیغامبر تھا نہ ہونے سے میرے تن آسائیاں ہیں
مسرت کی محفل بھی دیکھی ہے ہم نے حکایاتِ غم کی فراوانیاں ہیں
امیدیں تھیں کیا مجھ کو معصومیت کی گناہوں پہ دنیا کو حیرانیاں ہیں
دماغوں کی اے کاش ہوتی رسائی جہاں تک زبانوں کی جولانیاں ہیں
محبت کے ارماں وفا کی انگلیں یہ معصوم بچوں کی نادانیاں ہیں
بہت تجم اہلِ سخن ہم نے دیکھے خوش الحانیاں ہیں خوش الحانیاں ہیں

(66)

میں نے دیکھا ہے شباب آتا ہوا کائناتِ حسن ٹھکراتا ہوا
دلوں عالم کی نگاہیں کٹ گئیں تو کہاں جاتا ہے شرماتا ہوا
آستان پیدا کروں گا آستان ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتا ہوا
شکر ہے آتا ہے اب تیرا خیال کچھ نہ کچھ ارشاد فرماتا ہوا
حادثے کیا کیا مری نظروں میں ہیں دل سے دل دیکھا ہے ٹکراتا ہوا
میں حریمِ ناز میں در آگیا پردہ کونین سرکاتا ہوا
تجم کیا روکے گی یہ دنیا مجھے میں نکل جاؤں گا ٹھکراتا ہوا

(67)

بچ کے جو طوفان غم سے تر گئے ناخدا کیسا خدا سے پھر گئے
اپنے کانوں تک دھمک پہنچی نہیں کیا بلندی ہوگی جس سے گر گئے
جی رہے ہیں کچھ شہیدانِ وفا بچ گئی انسانیت دل پھر گئے
ذہن مشکل کی طرف جانا نہیں کس قدر آسانیوں میں گھر گئے
جسم اب دونوں ہیں آوارہ وطن دیس سے اردو گئی شاعر گئے

(68)

دنیا جسے ملتی ہے محبت نہیں ملتی باطل کے سہارے سے حقیقت نہیں ملتی
کیا کیا نہ ملے قدرت و حکمت کے خزانے انسان کو مگر نبضِ مشیت نہیں ملتی
ہستی کے گزرگاہ کے بے درد مسافر رستے میں پڑی درد کی دولت نہیں ملتی
اُٹتی ہی نہیں حسن پہ میری نکتہ شوق جب تک نغمہ ناز سے دعوت نہیں ملتی
تم خواب میں موجود تصور میں ہو حاضر احساسِ نظر کو کبھی راحت نہیں ملتی
میں جان وفا اور وہ دشمن ہیں وفا کے انسان سے انسان کی فطرت نہیں ملتی
کیا دل میں تلاطم ہو تو کیا خون میں گرمی ہزار وفا سرد ہے قیمت نہیں ملتی
دنیا کی نظر دیکھ کے روپوش ہیں جلوے کھوئی ہوئی اللہ کی قدرت نہیں ملتی

(69)

پھر غم و درد کی دھوپ ڈھلنے لگی پھر خیالات کی دو بدلنے لگی
عاشقی دور حاضر میں پہننے کی کیا سن رہے ہیں خرد پاؤں چلنے لگی
تم تو چپ ہو گئے ذکرِ غم چھیڑ کر بات میں بات آخر نکلنے لگی
رحم کیجئے محبت کے احساس پر آبروے وفا خوں اگانے لگی
کچھ کمی شامِ غم کے اثر میں نہیں چاند کھلا گیا رات ڈھلنے لگی
کوئی نیکی ضرور آئے کلیم ہوش واپس ہوئے نبض چلنے لگی
میری دیوانگی کی ادا دیکھ کر ان کی فرزاگی ہاتھ ملنے لگی

سوئے غم سے مرا دل سلگتا رہا آگ دکھلاتے ہی شمع جلنے لگی
آج داؤنخن پر ہیں چیں بر جبین جہم اب ان کو ہر بات کھلنے لگی

70

جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ کر گھر میں بھر لے ساری دنیا لوٹ کر
اپنے آئینہ پہ نازاں ہے فلک رہ گیا تھا اک نظر میں ٹوٹ کر
کس قدر ہے سازو سامانِ حیات جی گئے خوفِ خدا سے چھوٹ کر
پشیم ظاہر ہی سے دنیا کو نہ دیکھ رہ نہ جانیں دل کی آنکھیں پھوٹ کر
دانہ گندم سے ہیں محروم آج پھانکتے تھے کل جو موتی کوٹ کر
ہم سے پہلے بارہا جو لٹ چکے آج اکڑتے پھر رہے ہیں لوٹ کر
جہم اب دنیا فضا پر بار ہے کاش گر جانا یہ تارا ٹوٹ کر

71

اللہ اللہ اہل دل کی دستیں ظلم کے طوفاں کی چھاتی پھٹ گئی
حاصلِ حکمت ہیں اب خوزیریاں علم جب حد سے بڑھا مت گھٹ گئی
موت کو بھی دو قدم ہٹنا پڑا زندگی میدان میں جب ڈٹ گئی
لٹ رہا تھا دردِ دل روزِ ازل تم کہاں تھے جب یہ دولت بٹ گئی
چاند بھی نکلا تو گہنایا ہوا ہم یہ سمجھے تھے کہ بدلی چھٹ گئی
بڑھتے بڑھتے دردِ ملت بڑھ گیا گھٹتے گھٹتے آدمیت گھٹ گئی
میں چراغِ عقل روشن کرچکا اب نظر میری طرف سے بٹ گئی
مرحبا اے رشتہ لطف و کرم بات جیسے درمیاں سے کٹ گئی
جہم فیضِ ناامیدی دیکھنا غم گیا کھٹکا گیا آہٹ گئی

72

نسب کچھ جو سننا تھا کہا سب کچھ جو کہنا تھا وہ دنیا سے بگڑنا کیوں جسے دنیا میں رہنا تھا
اسیرِ ظلم نے فطرت بدل دی موم و آہن کی وہی لوہے کی ہتھکڑیاں وہی پھولوں کا گہنا تھا

یہ بہتر تھا کہ پیدا ہی نہ ہوتا کوشہ دل میں
بہت سے کام تھے دنیا میں کرنے کے جو کر جاتے
ہوئے احباب رخصتِ جہم اپنا درد دل کہہ کر
کسی نے کچھ نہ پوچھا ہم سے کچھ ہم کو بھی کہنا تھا

(73)

سکون دل کی لذت چاہتا ہوں
حکومت کی محبت دشمنوں کو
سیاست کا اندھیرا چھاربا ہے
انہیں یہ پاؤں پھیلانا مبارک
بہت کیا چاہتا ہوں آدمی سے
گئے جہم اہل دل دنیا سے کتنے
فقیری میں یہ دولت چاہتا ہوں
محبت کی حکومت چاہتا ہوں
ذرا نور صداقت چاہتا ہوں
کہیں میں بھی سکونت چاہتا ہوں
ذرا سی آدمیت چاہتا ہوں
بس اب میں بھی اجازت چاہتا ہوں

(74)

بلا ہے محبت ہماری تمہاری
جفا کا نیا کس نے مسلک نکالا
لے کس طرح بے نگاہیں ملائے
اٹھالو کہ رہنے دو اپنے دو عالم
تمہارے لیے دل بنایا ہے ہم نے
سنجھل جاؤ تم بھی کہ ہم بک چکے ہیں
کہاں جہم اب عارفِ حسن کوئی
یہ دوزخ ہے جنت ہماری تمہاری
وفا تھی شریعت ہماری تمہاری
زمانہ کو فرصت ہماری تمہاری
رہے گی محبت ہماری تمہاری
اب آگے ہے قسمت ہماری تمہاری
محبت ہے قیمت ہماری تمہاری
نظر ہے غنیمت ہماری تمہاری

(75)

کوئی ڈوبے کوئی اُبھر آئے
یوں بھی حسنِ عمل چھپاتے ہیں
دل پہ احساں ہے نشترِ غم کا
خاک و خوں میں نہا کے میدان سے
وہ دعا دے کے پار اتر آئے
جیسے کوئی گناہ کر آئے
نقشِ انسانیت اُبھر آئے
کتنے جانناز بن سنور آئے

کچھ اصول حیات ذہن میں تھے منبروں پر بیان کر آئے
فکر برحق سے جاوداں کردے جب ترا عہد مختصر آئے
دیکھ لی شان رہنمائی کی جہم خود ہی نہ راہ پر آئے

76

میرے مزاج درد کو رسوا نہ کیجئے آنا نہیں یقین تو پوچھا نہ کیجئے
للہ یہ نوازش بے جا نہ کیجئے میری نگاہ سے مجھے دیکھا نہ کیجئے
رحمت کا اعتبار بھی جاتا ہے ہاتھ سے اب کرچکے گناہ تو پروا نہ کیجئے
یہ درد دل سے جنگ یہ غم سے مقابلہ فطرت سے بات بات پہ جھگڑا نہ کیجئے
جس نے سمجھ کی بات کہی دل پہ چوٹ لی آتا ہے دل میں بات کو سمجھا نہ کیجئے
منہوم زندگی ہے محبت کا ایک دن دو دن کی زندگی پہ بھروسا نہ کیجئے
کہدوئے زمانے کی ترچھی نظر سے جہم ہم آپ جارہے ہیں تقاضا نہ کیجئے

77

کیا اپنا سانس لینا آہیں سی بھر رہے ہیں دن غم میں کیا گزرتے ہم خود گزر رہے ہیں
تاتم رہے الہی خود داری محبت تم یاد آرہے ہو ہم یاد کر رہے ہیں
ہستی کسی کے غم میں برباد کر رہا ہوں مٹی کھ رہی ہے ڈڑے سنور رہے ہیں
فکر و نظر میں کتنا دلچسپ فاصلہ ہے دیکھا تو جی رہے ہیں سوچا تو مر رہے ہیں
کیا ہم سے پوچھتے ہو اس دل کی سادگی کو یہ ان کے دل سے پوچھو جو رنگ بھر رہے ہیں
اے جہم گارہا ہے میری غزل وہ ظالم نغموں کی بانسری سے نالے گذر رہے ہیں

78

فکر و دانش آزما کر کیا کروں اک بلا دنیا پہ لا کر کیا کروں
میرا غم بھی میرے قابو کا نہیں فطرتا آنسو بہا کر کیا کروں
اپنے دل کو دل بنا کر کیا کروں تیرے دل کو دل بنا کر کیا کروں
جس کی ہو بنیاد میری منہلسی اس در دولت پہ جا کر کیا کروں

جاگنے والے ابھی جاگے نہیں
بندگی بے چارگی سی ہوگئی
دیکھ اے واعظ مرا عرشِ سخن
حجم خود ہوں میں بہارِ جاوداں
سونے والوں کو جگا کر کیا کروں
بندہ پرور سرجھکا کر کیا کروں
میں ترے منبر پہ جا کر کیا کروں
پھر گلوں پر خار کھا کر کیا کروں

(79)

کچھ ایسی وضع کے دل ایسے غم بھی ہوتے ہیں
شمار ان کا نہ زندوں میں ہے نہ مردوں میں
بنایا جاتا ہے کعبہ کے سامنے کعبہ
ستم کی چھائی ہے بدلی لہو بدستا ہے
خراب جلوۂ ظاہر تجھے خبر کیا ہے
انہیں بھی شوق ہے معصومیت کے جامہ کا
جنابِ حجم یہ شعر آفرینیاں کب تک
ہم اپنے حال پہ بے آنسوؤں کے روتے ہیں
وہ کم نصیب جو پاتے ہیں کچھ نہ کچھ کھوتے ہیں
خدا پرست یہ سجدے کہاں ڈبوتے ہیں
زمانہ جاگ اٹھا ہم مزے میں سوتے ہیں
گناہگار بہت بے گناہ ہوتے ہیں
سنا ہے دامنِ فطرت کے عیب دھوتے ہیں
بہت سے آپ کے ساتھی لحد میں سوتے ہیں

(80)

کیسی خموشی کیسے اشارے
سیکھے نہیں تم احساں کرنا
بارے ہوئے تو بارے ہوئے تھے
اللہ اب تک جینا نہ آیا
منشا کسی کا حکمت کسی کی
کتنے ہی ڈوبے کتنے ہی اُبھرے
ہاں ہاں بڑھے جا تنہا مسافر
اے حجم کتنے اہلِ سخن نے
حق کہہ گئے ہم بانگے
مرتے نہیں ہم تلوار مارے
جیتے ہوئے بھی آخر میں ہارے
راتیں بھی کاٹیں دن بھی گزارے
الزام مجھ پر سارے کے سارے
بیٹھے رہے ہیں دریا کنارے
اپنے بھروسے اپنے سہارے
میرے سخن کے چہرے اُتارے

(81)

خوش رہے خاک چھاننے والا
میرا ہر عیب جاننے والا

ہاتھ دھو کر بھی مطمئن نہ ہوا
چپ ہیں بڑھ بڑھ کے بولنے والے
جان پہچان کر بھی ہو انجان
جنبش لب کہاں سے لاتا ہے
رو پڑے ایک دن خدا نہ کرے
جاگتا ہے کہ سو رہا ہے جھم
خون ناحق میں سانے والا
مرنا جی میں ٹھانے والا
تم سے اچھا نہ جاننے والا
جیت کر ہار ماننے والا
غم میں ہنسنے کی ٹھانے والا
چادر ماہ تاننے والا

(82)

پوچھتے کیا ہو حالات اُس حریم ناز کی
عشق اک منزل ہے معیارِ نیاز و ناز کی
میں شبِ غم کے طاعن میں اکیلا ہوں مگر
آخری سانس ہیں لب پروردِ دل آتا نہیں
کتنے سودے ہو رہے ہیں دردِ دل کے نام پر
رکھ دیا ہے زندگی کس نے سکونِ دل کا نام
آج تک ہیں میری فریادیں فضا میں بے اثر
وقت سے آخر کو دو دو ہاتھ ہو کر ہی رہی
سب نے اپنے اپنے مقصد کے بنارکھے ہیں چاند
یوں سمجھ میں آ نہیں سکتا شعورِ زندگی
جھم فنِ شعر پر کیا منحصر ہے انقلاب
میرے دل کو منزلت حاصل نئے انداز کی
موت یہ سرکش کی ہے اور زندگی سر باز کی
آس ہے اک جانی پہچانی ہوئی آواز کی
ہے ابھی تک جستجو پیرایہ آواز کی
کس قدر پچھتا رہا ہوں بات کہہ کر راز کی
یہ بھی کوئی زندگی ہے موت کے انداز کی
ایسی ناکامی اور اتنی زندگی آواز کی
ابتدا میں ہم نے ہر شوخی نظر انداز کی
اپنی اپنی حد میں سب نے چاند تک پرواز کی
موت دیکھی ہی نہیں تم نے کسی جاں باز کی
اب ہے دنیا میں محبت بھی نئے انداز کی

(83)

دنیا سے گزرتا ہے گزرتا نہیں آتا
آساں ہی سہی ہم سے خوشامد نہیں ہوتی
میدان میں نکھرتی ہے دلایروں کی جوانی
کیا خاکِ مذلت سے ابھرتی نہیں قومیں
جس کے لیے جیتے ہیں وہ مرنا نہیں آتا
دشوار ہے وہ کام جو کرنا نہیں آتا
ہر آئینہ خانہ میں سنوارنا نہیں آتا
کیا ڈوب کے نبضوں کو ابھرنا نہیں آتا

اس وہم میں ہیں طاقت امروز کے مالک
سنتا ہوں کہ انساں سے بہت ڈرتے ہیں اے جہنم

84

کسے غرض تھی جو ہو کی نفا میں جا ملتا
یقین ہے کہ ستارے جگہ سے ہٹ جاتے
ترے خیال میں ہوتی فدا بھی جان اگر
سکون قلب کوئی رہ گزر کی چیز نہیں
حیات و علم و نشاط و ملال و دانش و مرگ
ستم ہی تھا جو کہیں معرفت میں کھو جاتے

85

جی رہے ہیں سہل و ممکن کے لیے
ایسے ایسے بھی ہیں مرد اعتبار
اب تو جنت ہم پہ واجب ہو گئی
کیسے کیسے عزم محکم دل میں ہیں
ہائے وہ طفلی وہ عہد بے شعور
جہنم دنیا میں بہت سے کام ہیں

86

مجھے بھی دل پہ مرے اختیار ہے کہ نہیں
چمن کے سینچنے والے ذرا نگاہ تو کر
بلند ہوں گے کہاں تک لہو کے فوارے
ہر انتظار ہے کیا زندگی سے وابستہ
یہ عیش پر ہے بھروسہ یہ غم سے بے ربطی
اسی اصول پہ تسکین خواہشات کو دے

کوئی خیال کا پروردگار ہے کہ نہیں
نمود غنچہ و گل ہو نہار ہے کہ نہیں
زمین پر کوئی سجدہ گزار ہے کہ نہیں
کسی کو موت کا بھی انتظار ہے کہ نہیں
نظر میں گردش لیل و نہار ہے کہ نہیں
خزاں کسی کی کسی کی بہار ہے کہ نہیں

میں سوچتا ہوں مقامِ عمل میں جہم ابھی بہت ہیں عزم کوئی استوار ہے کہ نہیں

(87)

تہذیبِ آدمیت یا آگ یا لہو ہے
اب کچھ مری ضرورت موضوع گفتگو ہے
دنیا کی ابتدا سے یہ نظم جستجو ہے
میں ہوں تری نظر میں میری نظر میں تو ہے
ذوقِ گناہ تجھ میں کیا قوت نمو ہے
وہ اور کچھ ہیں جن پر تکلیف شست و شو ہے
ملت کی عافیت ہے مذہب کی آبرو ہے
اردو ہمارے گھر کا اندازِ گفتگو ہے

فقیرِ آدمیت ترکیبِ رنگ و بو ہے
جب کھو گیا تو ڈھونڈا جب ہٹ گیا تو پوچھا
دنیا بنا رہے ہیں عقبی خراب کر کے
اتجھے ہوں یا بُرے ہوں دونوں نہیں رہیں گے
عمرِ رواں سے آگے پاتا ہوں تیری منزل
میں پاک دامنی کے دعویٰ سے ہوں مبرا
ان پر نظر نہ رکھوں جن کی ضمانتوں میں
ہم نے شرف دیا ہے اے جہم اس زباں کو

(88)

ستم کو مذہب و ملت کا آسرا نہ رہے
زمانہ آج فراموش و درگزر کردے
بساطِ عجز سے اٹھ کر ہے عزمِ مستحکم
شکستہ پائی بھی تھی کارواں کی میری بھی
منا سکے گا کہاں تک نشانِ گمراہی
میں آپ گھونٹ دوں اپنی سنخوری کا گلا

جہاں میں اب تو جہاں ہم رہیں خدا نہ رہے
ترا گناہ جو تجھ کو پکارتا نہ رہے
یہ دیکھ لے کہیں پہلو کوئی دبا نہ رہے
وہ کارواں نہ رہے وہ شکستہ پا نہ رہے
کہیں کہیں ترا نقشِ قدم پڑا نہ رہے
روش جو فکر کی اے جہم غامیانہ رہے

(89)

حال پر بارہا زوال آئے
تنگ دل منہ پھرا کے میدان سے
دل کی پاکیزگی ارے توبہ
دور تک آدمی نہیں ملتا
اب وہ اپنا ہو یا مقابل کا

نہ مگر وقتِ عرضِ حال آئے
کیسی اچھی اہل کو نال آئے
یادِ دشمن بھی بے ملال آئے
آدمیت کا جب سوال آئے
شکر ہے ہم لہو میں لال آئے

مردہ دل دل سنبھالتے ہی رہے
ساعتوں میں بھی جو گئے نہ گئے
آنکھ میں آنکھ ڈالنا کیسا
اس کی محفل ہے اس کا میداں ہے
جسم بیٹھے ہیں پاؤں توڑ کے یوں
جیسے دنیا کو دیکھ بھال آئے

90

یہ بھی ہے کوئی زندگی کیا یہی کائنات ہے
میرے ہی جیسے آدمی سجدہ گزار ہر طرف
ہائے وہ شام بے خودی ہائے وہ جام بے خودی
جان پہ کھیل جا فقط کھیل ہے ایک سانس کا
ان کی تو نگری سے ہے سب کو نیاز کا شرف
آج بدل گئی جگہ اپنی ہی چال ڈھال ہے

91

اے درپے سیاست آگاہ راز ہو جا
کیا میری بندگی اور کیا تیری بے نیازی
پستی کے خرمنوں میں شعلے بھڑک رہے ہیں
اللہ کا کوئی حق گردن پہ رہ نہ جائے
وحدت سے تو بھی کر لے اک اور شان پیدا
محتاج شرح جو ہو وہ جسم شاعری کیا

92

زندہ دلوں نے بارہا بحر فنا سے دی نجات
کہتے ہیں وہ فضول ہیں آپ کے سب توقعات
اس کو خبر نہیں ابھی میری حیاتِ عشق کی
یہ نہ سنبھالتے اگر ڈوب گئی تھی کائنات
ان کا خدا بھلا کرے چھین لی میرے منہ کی بات
موت سمجھ رہی ہے یہ خاک میں مل گئی حیات

آگیا دل وجود میں جمع ہوئیں جب ایک جا
فرش زمیں پہ ہم نشیں فرش ہے بورے کا بھی
حسن ہو یا وہ عشق ہو ہے کوئی واجب الوجود
دیکھ رہے ہیں یوں مجھے وقت کے اعتبار پر
کون مجھے یہ لے چا شوق کی راہ راست پر
زیت حرام ہوگئی دیکھیے اور کیا کریں
باعث زندگی سہی میں وہ قبول کیوں کروں
جس کی عطا تھی زندگی جہم اسی کے در پہ تھا

حسن کی کچھ تجلیاں عشق کی کچھ خصوصیات
اب تو بہت ہی بڑھ چلا حوصلہ تکلفات
مجھ کو یقین کیوں نہ ہو خود ہوں شریک ممکنات
جیسے انھیں کے ہاتھ ہے آج نظام کائنات
کل گئی غم کی چاندنی دھل گئے سب توہمات
عقل کی یہ جسارتیں فکر کے یہ تصرفات
ساتھ ہے التفات کے ان کا غرور التفات
جتنی بڑھیں عنایتیں اور بڑھے مطالبات

93

بادۂ تلخ کام کیا کرتا
دل کی گہرائیوں میں جانا تھا
دورئ منزل و سفر تو بہ
رو دیے بے بسی پہ دشمن کی
یہ مداوائے درد دل تو نہیں
ترکِ صوم و صلوٰۃ کی ٹھہری
بیش و کم ہے نظامِ فطرت جہم

نغمہ سے قیام کیا کرتا
عالمانہ کلام کیا کرتا
غرض چند گام کیا کرتا
جذبہٴ انتقام کیا کرتا
میں دعا اور سلام کیا کرتا
اور میں بے امام کیا کرتا
آدمی نظام کیا کرتا

94

جلوے ترے نظر میں سموئے ہوئے سے ہیں
کیا پوچھتے ہو عشق کی ناکامیوں کا درد
ہنگامہٴ مجاز و حقیقت ہے ہر طرف
آنکھوں کا اتہام ہے آنکھیں کہاں ہیں اب
تم خود ہی دیکھ لو گے غمِ زندگی میں ہم
اور اقل گل سے کس نے یہ کی دعوتِ نظر

مجھ کو جو پا گئے ہیں تو کھوئے ہوئے سے ہیں
روئے اگر نہیں ہیں تو روئے ہوئے سے ہیں
اک ہم ہی دردِ عشق میں سوئے ہوئے سے ہیں
دھبے گناہ دید کے دھوئے ہوئے سے ہیں
ڈوبے ہوئے سے ہیں کہ ڈوبئے ہوئے سے ہیں
شبنم کے آنسوؤں میں بھگوئے ہوئے سے ہیں

کیا ڈھونڈتی ہے جہم نگاہِ سخن شناس ہم اپنے کیفِ شعر میں کھوئے ہوئے سے ہیں

95

حقیقتوں کی کسی وقت بھی کمی نہ رہی ہوئی تھی خاک سے پاک اور خاک بھی نہ رہی پڑا رہا ہے عداوت پہ عمر بھر پردہ کہاں وہ عہدِ گزشتہ کی دوستی اے دوست کچھ ان کا رحم و کرم بھی ہے ذمہ دار اس کا ہمیشہ موت کے بعد اہلِ دل کو پہچانا چھپا رکھے ہیں زمانے سے کتنے عیب اپنے زمانہ ہوتا موافق تو کیا نہ کچھ کرتے مری جگہ ہے یہ دنیا کا آئینہ خانہ پڑا جو وقت تو مرحوم کہہ دیا دل کو ہنسی خوشی کا یہ کیسا گناہ بے لذت ہر اک کی لغزشیں دیکھیں ہر اک کو ٹوک دیا صلہ کچھ اس کے سوا جہم کو نہیں منظور

قصورِ فکر و نظر ہے جو تھگی نہ رہی وہ مشیتِ خاک جو مفہومِ آدمی نہ رہی مگر نگاہِ محبت کبھی چھپی نہ رہی وہ دشمنی کی شرافت وہ دشمنی نہ رہی نگاہ میں کوئی ہستی گناہ کی نہ رہی وہ کون تھا جسے دنیا پکارتی نہ رہی خدا کی شانِ حقیقت بھی گفتمی نہ رہی دلِ غریب میں جذبات کی کمی نہ رہی جو دیدنی تھی وہ صورت بھی دیدنی نہ رہی یہ کس زبان سے کہہ دیں کہ زندگی نہ رہی خوشی خوشی نہ رہی جب ہنسی ہنسی نہ رہی مری نگاہ تھی اور مجھ کو دیکھتی نہ رہی اگر ذریعہِ عزت یہ شاعری نہ رہی

96

قفص میں جو ہمیں توہینِ غم نظر آئی ہزار مرحلوں سے زندگی گزر آئی بلائے عشق ہزاروں کی جان پر آئی ہر اک زبان پہ چرچا ہے سرفروشوں کا عذاب ہوگئی راہِ ثواب ارے توبہ کوئی بچا نہ زمانے میں جبرِ فطرت سے کچھ ایسے خاک نشیں اہلِ دل بھی گزرے ہیں

وہ درد اٹھا ہے کہ پھر دل کی چوٹ ابھر آئی قدم اکھڑ گئے جب راہِ راست پر آئی نجاتِ خلق کی اک آرزو نہ بر آئی اہل کے سائے میں کیا زندگی نکھر آئی ہزار بار طبیعت گناہ پر آئی لبِ وفا پہ بھی اک آہِ مختصر آئی اہل بھی آئی سرہانے تو پوچھ کر آئی

باب پنجم

رباعیات

(591) عدد

jabir.abbas@yahoo.com

فہرست رباعیات

صفحہ نمبر	تعداد	عنوانات	شمار
568	(2) عدد	حمدیہ رباعیات	-1
569	(31) عدد	نعتیہ رباعیات	-2
574	(99) عدد	منقبتی رباعیات	-3
587	(2) عدد	قرآنی رباعیات	-4
588	(9) عدد	غذیری رباعیات	-5
590	(26) عدد	ولائی رباعیات	-6
594	(7) عدد	عزائی رباعیات	-7
596	(3) عدد	رباعیات مبالغہ	-8
597	(10) عدد	عشقیہ رباعیات	-9
599	(89) عدد	فکری رباعیات	-10
611	(93) عدد	قومی رباعیات	-11
623	(72) عدد	اخلاقی رباعیات	-12
633	(28) عدد	سماجی رباعیات	-13
637	(12) عدد	رباعیات واعظ	-14
639	(26) عدد	متفرق رباعیات	-15
643	(29) عدد	رباعیات شاعر	-16
647	(49) عدد	ذاتی رباعیات	-17
654	(4) عدد	فارسی رباعیات	-18
	(591) عدد	کل رباعیات:	

حمد یہ رباعیات

(1)

کیا حسن و ضیاء سورۃ الحمد میں ہے روح دوسرا سورۃ الحمد میں ہے
لائے گا کہاں سے حمد کرنے والا جو حمد خدا سورۃ الحمد میں ہے

(2)

توحید کا ربط کیا سخن دانی سے مرعوب ہوں جلووں کی فراوانی سے
کوشش وہ سمجھنے کی ترے کیوں کرتا عرفاں ہے ترا جسے حیرانی سے



منتقبتی رباعیات

(1)

جلوہ سے ہوا عالمِ امکاں آباد عالم نے کہا جلوہ جاناں آباد
پیدا جو ہوئے خانہ کعبہ میں علی کعبہ نے کہا خانہ احساں آباد

(2)

کس شان سے دامنِ رسالت میں کھلا ایسا کوئی گل نہ باغِ جنت میں کھلا
نامہدیٰ دیں علیؑ کی خوشبو نکلی جو پھول بھی گلشنِ امامت میں کھلا

(3)

اللہ کے گھر میں آنے والا آیا دیوار کو در بنانے والا آیا
کہہ دو اصحابِ کہف سے جاگ اٹھیں سوئی دنیا جگانے والا آیا

(4)

دنیا میں خدا کا دین لانے والا قرآن کا وہ حسین لانے والا
اللہ کے گھر سے ڈھونڈ کر لاتا ہے سب سے پہلا یقین لانے والا

(5)

کیا بازوئے مصطفیٰؐ نے پائیں آنکھیں مولودِ خدا شناسِ حق ہیں آنکھیں
دیکھی تو نبیؐ کی پہلے صورت دیکھی اسلام کی روشنی میں کھولیں آنکھیں

(6)

ہر جان و دل علیؑ مہ عید ہوا سنتے ہیں یہ دورِ قابلِ دید ہوا
پتی پتی نہ کیوں ہو جنت بہ بغل کھاتے ہی یہ گل بہارِ توحید ہوا

(7)

ہے امن و اماں کا گھر وطن کی صورت دنیا میں ہے جنت کے چمن کی صورت
اسلام کو دامن میں علیؑ نے اپنے پالا ہے حسینؑ اور حسنؑ کی صورت

(8)

دین و دنیا میں کار فرمائی لی بندوں میں خدا سے شان یکتائی لی
آمد سے نبیؑ کی یا علیؑ حق چونکا تم آئے کہ اسلام نے انگڑائی لی

(9)

بے پردہ ہوئی کلی کلی کی خوشبو اللہ کے آیات جلی کی خوشبو
ایمان کا جب غنچہ ہے داغ کھلا پتی پتی میں تھی علیؑ کی خوشبو

(10)

دنیا کو یہ آفتاب دینے والا فردوس کو یہ شباب دینے والا
وہ کون ہے اور اگر یہ اللہ نہیں اٹھے تو کوئی جواب دینے والا

(11)

انصاف سے دل کو تھام لیتے ہیں نبیؑ حق کے لفظوں سے کام لیتے ہیں نبیؑ
آیا جب سامنے فضیلت کا سوال آخر کو علیؑ کا نام لیتے ہیں نبیؑ

(12)

واعظ مجھے معلوم ہے جویر تیرا کیا دور ہے فردوس میں ہو گھر تیرا
کوڑ کی ہے تشنگی تو لے یہ بھی سہی ساقی میرا ہے اور کوڑ تیرا

(13)

دنیا میں کہاں علیؑ سا انسان پیدا ہوش آتے ہی کیا کیا ہوئے سماں پیدا
پہلے یہی مادر نے خبر دی ہوگی کعبہ میں ہوئے تھے تم مری جاں پیدا

(14)

جو پھول کھلا تیری محبت میں کھلا دنیا میں کھلا کہ باغ جنت میں کھلا
کعبہ کے چمن سے جا کے لے آئے نبیؑ اسلام کا گل علیؑ کی صورت میں کھلا

(15)

ہوتی ہے جو کچھ اس کی رضا دیتا ہے کیا جائے کیا لیتا ہے کیا دیتا ہے
پیدا ہوتا ہے اپنا کعبہ میں امام بندے لیتے ہیں اور خدا دیتا ہے

(16)

توصیفِ علی کسی کا مقدور نہیں اس باب میں بحث ہم کو منظور نہیں
خود وجہ خدا نقشِ خدا کہتے ہیں نزدیک نصیریت سے ہیں دور نہیں

(17)

میخانہ وحدت سے منگالے کوئی یا پھر مرا ظرف آزمالے ساقی
اب ساقی کوڑھ چھی ہیں نظریں ساغر میرے آگے سے اٹھالے ساقی

(18)

کوئی تو خفی کوئی علی کہتا ہے مولد ہے مرا یہ ہر ولی کہتا ہے
سنتے نہیں تم یہ ہے سماعت کا تصور غنچہ کھلتے ہی یا علی کہتا ہے

(19)

وہ صوم و صلوٰۃ کی ہے منزل ساقی گرم صم ہیں جہاں زاہدوں کے دل ساقی
ہو حق ہے یہاں جشن ہے بیداری ہے رندانِ بلا کی ہے یہ محفل ساقی

(20)

سر جھکتے ہیں سب کے سر بلند اتنا ہے حیراں ہے زمانہ فتح مند اتنا ہے
اللہ نے نام دے دیا ہے اپنا بندہ ہے مگر اس کو پسند اتنا ہے

(21)

ہر قوم کی نظروں میں گرامی ہیں علی اک عام برادری کے حامی ہیں علی
اس وقت کا اتحاد ہے اس کا گواہ دنیا میں اخوت کے پیامی ہیں علی

(22)

دیتی ہے حدیث یہ گواہی ساقی ہے ذکر ترا یاد الہی ساقی
اب کیا دے گا کوئی نصیری کا جواب ایمان کا حافظ ہے خدا ہی ساقی

(23)

غافل سُن جائیں باخبر کی باتیں بے کار ہیں سب ادھر ادھر کی باتیں
مولودِ حرمِ نبیؐ کی آغوش میں ہے بندے پوچھیں خدا کے گھر کی باتیں

(24)

سُن آئے ہیں خود نبیؐ وحی کی آواز معمرہ عرش پر علیؑ کی آواز
رکتے نہیں گوشِ ہوشِ مومن اے جہم دل کی دھڑکن میں ہے کسی کی آواز

(25)

مولودِ علیؑ سا جب کہ پائے کعبہ پھر نور سے کیوں نہ جگمگائے کعبہ
اللہ یہ اہتمامِ مہمانی دوست صدیوں پہلے پڑی بنائے کعبہ

(26)

وہ کون و مکاں کا راز ایجاد آیا وہ مالکِ عزتِ خدا داد آیا
لاریبِ خدا نہیں وہ لیکن بخدا بھولے ہوئے بندوں کو خدا یاد آیا

(27)

دل میرا امامِ ازلی کہتا ہے سچشمہٴ آیاتِ جلی کہتا ہے
اس وقت کی کشمکش نہ پوچھو مجھ سے جب کوئی خدا کوئی علیؑ کہتا ہے

(28)

حق کے چہرے پہ جگمگاہٹ آئی دیوار میں در کھلنے کی آہٹ آئی
آنے والے کی شانِ اللہ اللہ کعبہ کے لبوں پہ مسکراہٹ آئی

(29)

الفاظ نے کونین کی پہنائی لی معنی نے اجازتِ پذیرائی لی
پیدا جو لسانِ حق ہوا کعبہ میں اسلام کے پیغام نے انگڑائی لی

(30)

انسان سمجھ سکے گا کیا شانِ علیؑ ہے نفسِ خدا خطابِ شلایں علیؑ
پورا قرآن لے کے آئے ہیں مگر جبریلؑ کو حاصل نہیں عرفانِ علیؑ

(31)

کرتا ہے قوی ، دل کو خیال حیدر
بدر و احد و خندق و خیر کی قسم
تاریخ ہے محروم مثال حیدر
قدرت کا جلال ہے جلال حیدر

(32)

شمشیر تری جنبش ابدو ے نبی
ظاہر ہے محمدؐ کی شجاعت تجھ سے
تھی تیری سپر حلقہ گیسوئے نبی
اے صلی علی قوت بازو ے نبی

(33)

لے کر وہ دولت کا سہارا اتر
اللہ رے زہراؑ کی عبادت کا شرف
پاکر ید قدرت کا اشارا اتر
تشیع بنانے کو ستارہ اتر

(34)

دل راز حیات پاکیا ہے ساقی
رندوں کے سب اختلاف مٹ جائیں گے
اک جام خودی منا گیا ہے ساقی
شہزادہ سلح آگیا ہے ساقی

(35)

پھر تحفہ صد زخم جگر لیتا ہوں
یاد آتا ہے جب اسوہ زیبائے حسن
اک صبر کی سل سینہ پہ دھرتا ہوں
میں اہل جفا سے سلح کر لیتا ہوں

(36)

آخر پھر وقت ناؤ نوش آہی گیا
لہ پھر اک جام عطا کر ساقی
وہ سبز قبا زلف بدوش آہی گیا
صدقہ ہونے کو اس پہ ہوش آہی گیا

(37)

یہ فکر و نظر کا کیا محل ہے ساقی
پیتا ہوں مئے ولا بتقریب حسن
واعظ کے دماغ میں خلل ہے ساقی
واللہ یہ احسن عمل ہے ساقی

(38)

کعبہ کی قسم جادہ حق ملتا ہے
ہر دور میں ہوتی ہے عزائے شہیز
منہوم غم و رنج و قلق ملتا ہے
ہر قوم کے انساں کو سبق ملتا ہے

(39)

مسلم سمجھیں حسین کا ہے جو مقام ہر قول و عمل ہے اک الہی پیغام
ایثار اسی کا ہے نظام اخلاق کردار اسی کا ہے متاع اسلام

(40)

کاشانہ دل کو جگمگا دیتا ہے پروانہ تحریت بنا دیتا ہے
یہ نام حسین ایک مظلوم کا نام بنیاد حکومت کو بلا دیتا ہے

(41)

شاہدہ شہر قین کہنا ہی پڑا اسلام کے دل کا چین کہنا ہی پڑا
دنیا نے بہت کلمہ حق ضبط کیا پھر چیخ کے یا حسین کہنا ہی پڑا

(42)

اسلام کے پیشوا امام جعفر ایمان کے رہنما امام جعفر
اک سجدہ مفرد کی حسرت ہے مجھے مل جائے جو نقش پا امام جعفر

(43)

وہ عارف خلک و تر امام جعفر ایمان کے راہبر امام جعفر
ارباب تصوف کو ہے نسبت ایسی ہر دل میں ہیں جلوہ گر امام جعفر

(44)

اے صلی علی شان امام جعفر سب کو نہیں عرفان امام جعفر
پہنچے گی کہاں تک نظر اہل زمیں تا عرش ہے ایوان امام جعفر

(45)

دل موسیٰ کاظم ترا شیدائی ہے اسلام نے تجھ سے تازگی پائی ہے
موسیٰ کو سر طور تھی جلوہ کی تلاش جلوہ تری نظروں کا تماشا ہے

(46)

دنیا میں غم عشق ہے ہم سے قائم ہم ہیں غم عشق کے کرم سے قائم
اس مقصد کونین کا دم بھرتے ہیں کونین ہیں جس کے دم قدم سے قائم

(47)

کاشانہ قلب میں اترنے والا فطرت کے حدود سے گزرنے والا
میں ہوں خاموش بے زباں ہے مرا دل آخر یہ ہے کون بات کرنے والا

(48)

کتنے میکش ہیں آزمائے ساقی منہ پر ہیں بہت فقاب ڈالے ساقی
تکوار کی نوک سے الٹ دے پردے آجا مرے ذوالفقار والے ساقی

(49)

منزل پہ ہے اب رقصِ رگ جاں دیکھو اکھڑی ہوئی سانسوں کو غزل خواں دیکھو
ہے جشنِ ولادتِ امامِ آئز دیکھو مری آنکھوں میں چراغاں دیکھو

(50)

مہدی کے ظہور حق کی ساعت ہوگی انسان کی صورت میں مشیت ہوگی
دیدار کا مسئلہ بجا ہے لیکن کچھ حشر سے پہلے یہ قیامت ہوگی

(51)

دنیا پہ نئی شان سے چھائے گی نماز ہر آنکھ میں ہر دل میں سمائے گی نماز
سمجھے گا امامت کو زمانہ اس دن جس دن یہ نبوت کو پڑھائے گی نماز

(52)

مشکل ہے دو آتشہ تو بلکی ہی سہی رنگیں نہ سہی شراب سادی ہی سہی
مینائے ظہور مانگئے آئے تھے خزانہ غیبت کی گلابی ہی سہی

(53)

افسانہ درد تشنگاں آپہنچا تا گنگ و جنم یہ کارواں آپہنچا
عباس کے ہاتھوں کا سہار لے کر اسلام کہاں تھا اور کہاں آپہنچا

(54)

ہنامِ خدا نبی کی خوبو والا حمزہ کی طرح سے زور بازو والا
دونوں عالم ہیں دونوں زلفوں کے اسیر کس گھر کا چراغ ہے یہ گیسو والا

(55)

دنیا کو یہ حال زار معلوم نہیں ایسا کوئی غم زدوں میں مغموم نہیں
اولاد نہ تھی جو کرتیں بھائی پہ فدا کٹھوم کی طرح کوئی مظلوم نہیں

(56)

اے صل علیٰ رتبہ اُم کٹھوم اسرارِ خدا بشر کو ہوں کیا معلوم
معصوموں کی فہرست میں شامل بھی نہیں اور اس پہ یہ عالم ہے کہ بالکل معصوم

(57)

تلوار کا رخ پسند کرنے والے کونین کو درد مند کرنے والے
ہر عہد میں سر جھکیں گے چوکھٹ پہ تری انسان کو سر بلند کرنے والے

(58)

یہ راہِ خدا میں کد و کاوش تیری وہ حیرت ہر نگاہ کوشش تیری
اسلام پہ اے حسینؑ یہ واجب ہے کرتا رہے تاحشر پرستش تیری

(59)

مظلوم کا غم چین کہاں لیتا ہے کیا کیا عوض ضبطِ فغاں لیتا ہے
سینوں سے تڑپ کے دل نکل آتے ہیں جب صبرِ حسینؑ چٹکیاں لیتا ہے

(60)

کیا شورِ فغاں جہانِ اسلام میں ہے تاثیرِ عجبِ حسینؑ کے نام میں ہے
یہ لطف ہے راہِ حق میں جان بازی کا دنیا بے چین اور وہ آرام میں ہے

(61)

ایسا کوئی درد آشنا پھر نہ ملا دنیا کو شہید کر بلا پھر نہ ملا
لاکھوں گزرے حسینؑ اے بیتِ نبیؐ جیسا ترا حسینؑ تھا پھر نہ ملا

(62)

رہتے جو بڑے ہوئے ہیں گھٹ جائیں گے نا اہل جگہ چھوڑ کے بٹ جائیں گے
جس روز وہ غیبت کا حجاب اٹھے گا چہروں سے بہت نقاب الٹ جائیں گے

(63)

حق کی قوت سے کام لینا ہوگا ہم دیتے ہیں جو پیام لینا ہوگا
گرتا ہوا یوں کوئی نہ سنبھلا اب تک دنیا کو علی کا نام لینا ہوگا

(64)

کس وہم حیات میں ہے محروم حیات وابستہ ظہور سے ہے مقسوم حیات
جس دن وہ تیسرے حیات آئے گا اس روز بدل جائے گا مفہوم حیات

(65)

وہ حاصل انتظام آنے ہی کو ہے وہ مصلح روزگار آنے ہی کو ہے
ہیں قوم میں کچھ اس کے سپاہی تیار اب وارث ذوالفقار آنے ہی کو ہے

(66)

ملت ہے بہت مرتبہ دان عباس معلوم بھی ہے عزت و شان عباس
ایثار بھی ہے وفا بھی خود داری بھی کیا صرف علم ہی ہے نشان عباس

(67)

دنیا میں نیا جہاں بسالے آجا آجا خضرا کے بسنے والے آجا
منظور ہے قتل عام حاضر ہیں یہ سر تلوار لیے عبا سنبھالے آجا

(68)

پہلو میں کسی کے دل رہا ہے دیکھو اک نور سے نور مل رہا ہے دیکھو
آغوشِ نبیٰ میں مسکراتے ہیں حسین دیکھو وہ پھول کل رہا ہے دیکھو

(69)

جو میری طرح علی کا دم بھرتا ہے کس عالم حیرت میں بسر کرتا ہے
اللہ تو کہنے کا نہیں ہوش میں ہوں بندہ کہتے ہوئے بھی جی ڈرتا ہے

(70)

کس نے جز ختم مرسلین پہچانا ہم نے تم نے کبھی کہیں پہچانا
مولّا کو خدا کہا نصیری نے اگر اتنی سی خطا ہے کہ نہیں پہچانا

(71)

میں تو لا سے عبادت کا بھرم رکھتا ہوں درد دل سوز جگر دیدہٴ غم رکھتا ہوں
دل کی قوت کے لیے ذکر خدا سے پہلے یا علی کہہ کے مصلے پہ قدم رکھتا ہوں

(72)

کرتا ہوا ورد یا علی جاؤں گا مرنا کیا میں اور جی جاؤں گا
دشمن مجھے زہر دے کے دیکھے تو ذرا ساقی ترا نام لے کے پی جاؤں گا

(73)

ہر دور میں حیدرؑی رہے ہیں ساقی تیری ہی ولا میں جی رہے ہیں ساقی
نشہ کبھی دم بھر کو اترنے نہ دیا چودہ سو برس سے پی رہے ہیں ساقی

(74)

دنیا سے بعد زندہ دلی اٹھتا ہوں غم کیا ہے مجھے خوشی خوشی اٹھتا ہوں
محفل یہ فضائل کی ہے اے موت ٹھہر میں ذکر علیؑ سن کے ابھی اٹھتا ہوں

(75)

بندوں پہ خدا کا فضل کیا کیا نہ ہوا رتبہ یہ بجز علیؑ کسی کا نہ ہوا
اعزاز بہت ملے رسولوں کو مگر کعبہ میں کوئی رسول پیدا نہ ہوا

(76)

میں اور ترا واقف اسرار بنوں کیوں عشق میں یا علی خطا کار بنوں
تو عین خدا ہے کیا یہ رتبہ کم ہے کیوں تجھ کو خدا کہہ کے گنہگار بنوں

(77)

سب عید کے دن بُرے بھلے ملتے ہیں کیا کیا جھک جھک کے من چلے ملتے ہیں
بے جا ہے تو درگزر کریں گے مولّا ہم آج نصیری سے گلے ملتے ہیں

(78)

تھا ایک ضرور ناؤ کھینے والا ہے نام محمدؐ کوئی لینے والا
اللہ ہے بے نیاز الفاظ و صدا یہ کون تھا گُن کا حکم دینے والا

(79)

دیوار کا منشا ہے کہ در سے آئیں جانیں کہ بشر کسی کے گھر سے آئیں
اے بنتِ اسد شق ہے جدارِ کعبہ گھر جس کا ہے وہ چاہے جدھر سے آئیں

(80)

پڑھتا ہوا اللہ کا فرمان آیا یہ کون نبیؐ کا جان پہچان آیا
قرآن اترا ہے جن پہ ان سے پوچھو پہلے کس کی زباں پہ قرآن آیا

(81)

گرتی ہوئی عظمت کو سنبھالا جس نے لکھوا لیا قدرت سے قبلا جس نے
کعبہ اس کا ہے کعبہ والا اس کا احنام کے قبضہ سے نکالا جس نے

(82)

دنیا میں علیؑ نئی سحر لائے ہیں قرآن کی زبانِ معتبر لائے ہیں
جبریل کے آنے سے بہت دن پہلے بھائی کی رسالت کی خبر لائے ہیں

(83)

اس دور کا ساغر بھی ہرا ہو ساقی صہبائے مودت سے بھرا ہو ساقی
مے جام میں آپکی ہو جب موت آئے سینہ پہ مگر جام دھرا ہو ساقی

(84)

آغوشِ نبیؐ میں مسند آرا ہیں حسن اے مصحفِ حسن پہلا پارا ہیں حسن
کیا سمجھے گا ان کی قدر و قیمت کوئی زہرا کے تبسم کا سہارا ہیں حسن

(85)

ہے عینِ شباب پر و نورِ غیبت دینے کو ہے لو چراغِ طورِ غیبت
غیبت سے نہ کیوں ہوگا ظہورِ جلوہ جلوہ سے ہوا ہے جب ظہورِ غیبت

(86)

نشہ کی جو تکمیل ضرور ہو جائے ساقی کی نقاب اٹھے حضوری ہو جائے
گلِ میکدہ جہان پر قبضہ کر لیں غیبت کی جو مے آج ظہوری ہو جائے

(87)

کثرت ہو گلوں کی تو چمن بنتا ہے کتنے حرفوں سے اک سخن بنتا ہے
مولّا کا مرے نام ہے کس درجہ حسین سو خوبیوں سے لفظ حسن بنتا ہے

(88)

ہم شانِ حسین کوئی گذرا ہی نہیں امت نے مقام اس کا سمجھا ہی نہیں
اُڑے وہ نہ آتا تو یہ عالم ہوتا جیسے کبھی اسلام کہیں تھا ہی نہیں

(89)

خطرہ میں تھی ہر مردِ خدا کی محنت اربابِ نظر کی عقلا کی محنت
ایثار کی تکمیل نہ کرتے جو حسین بے سود تھی سارے نبیّا کی محنت

(90)

سب نے اپنی جہیں جھٹائی ہوتی جب تک ہر ایک کے رسائی ہوتی
آجاتے جو اس پریم نگری میں کہیں بھارت میں حسین کی خدائی ہوتی

(91)

ہم سے ہے ولا کا آستانہ قائم ہر باغ و بہار و آشیانہ قائم
ذرہ ذرہ ہے زیرِ بارِ احسان اپنے قائم سے ہے زمانہ قائم

(92)

دنیا کو رہ راست پہ لانا ہے ضرور بگڑا ہوا دستور بنانا ہے ضرور
یہ دور عبوری ہے ٹھہرنے کا نہیں اک مصلحِ اخلاق کو آنا ہے ضرور

(93)

میں چھوڑ کے فرش بے خودی اٹھتا ہوں طوفان کی طرح کبھی کبھی اٹھتا ہوں
بے جان بنا دیتی ہے جب مردہ دلی عباس کا نام لے کے جی اٹھتا ہوں

(94)

فورِ تشنّہ لبی کی ونا کو فتح کیا علم بدوش اٹھا کر بلا کو فتح کیا
جلال و قوّتِ عباس پوچھتے کیا ہو فرات کیا ہے فراتِ وفا کو فتح کیا

قرآنی رباعیات

(1)

انسان کا ذریعہ نجات آہی گیا منشور خدائے کائنات آہی گیا
تبلیغ تھی ناتمام قرآن کے بغیر وہ آخر دستور حیات آہی گیا

(2)

تفسیر غلط کا جب مزا آئے گا خود صاحب تفسیر چلا آئے گا
منبر کی بلندیوں پہ گھٹ جائیں گے دم قرآن جو بولتا ہوا آئے گا



غدیری رباعیات

(1)

باقی نہ رہا سروں میں سودا ساقی آ دیکھ خلافت کا تماشا ساقی
نشہ کیسا خمار آنکھوں میں نہیں اب آنکھ ملائی نہیں دنیا ساقی

(2)

اظہارِ حقیقت میں جری ہوں ساقی اربابِ نفاق سے بری ہوں ساقی
نغمہ ہے ولا کا اور غدیری لہجہ میں فصلِ خدا سے حیدرٹی ہوں ساقی

(3)

یہ دھوپ رسالت کے مہ و انجم پر شدتِ موسم کی اور ہم پر تم پر
اچھی درقبلہ سے وہ بلع کی گھٹا واللہ یہ برے گی غدیرِ خم پر

(4)

ساقی کے تبسم کی فضا لائیں گے تھوڑی سی بھلا شراب کیا لائیں گے
جس روز پہنچ گئے ہم ایسے میکش اے دشتِ غدیرِ خم اٹھا لائیں گے

(5)

چودہ سو برس گزر گئے ہیں جب سے دن کالے ہیں دشمنوں میں کس کس ڈھب سے
یہ طولِ حیات ہے یہ ہے آبِ حیات میں جامِ غدیرِ پی رہا ہوں کب سے

(6)

رندانِ خوش انجام کے پیارے ساقی اے میری امیدوں کے سہارے ساقی
پہنچا دے کوئی لہرِ حضوری میں تری بیٹھا ہوں غدیر کے کنارے ساقی

(7)

کب سے ہم دل کو ہیں تھامے ساقی کعبہ والے غدیر والے ساقی
سر پھوڑنے دے اذن جو سجدہ کا نہیں رندوں کے بھی کچھ ناز اٹھالے ساقی

(8)

کیا کہہ گئے تھے رسولؐ بطحا والے معنی پہنارہے ہیں دنیا والے
اولیٰؑ سمجھے مگر نہ سمجھے پھر بھی سمجھے مولّا کی شان مولّا والے

(9)

بھر دے گائے ولا سے بل تھل ساقی لتوا دے گا بہارِ اول ساقی
ہیں خمِ غدیرؑ پر اکٹھے سب رند جنگل میں منا رہا ہے منگل ساقی



ولائی رباعیات

(1)

تیری ہی ولا کا ہے سہارا ساقی میخوار کو تشنگی نے مارا ساقی
اب غم سے بھی بھرتی نہیں نیت مری اک جام ملے ترا اتارا ساقی

(2)

بستر در حیدر سے اٹھائے نہ کبھی ہٹ کر اس در سے سر جھکائے نہ کبھی
ہم دیکھنے والے ہیں ان انسانوں کے قدسی بھی نگاہ میں سمائے نہ کبھی

(3)

مولّا کو ربط ہے دل درد آشنا کے ساتھ ہم یوں ہیں ساتھ جیسے ہو بندہ خدا کے ساتھ
اوروں پہ بھی شفیق سہی اس کا غم ہے کیا اہل ولا کی بات ہے اہل ولا کے ساتھ

(4)

کیا جانے نصیری کو یہ کیا یاد آیا کس کا غم و مدعا یاد آیا
اللہ رے تاثیر مئے حُبِ علی دو گھونٹ پئے تھے کہ خدا یاد آیا

(5)

جذبہ کوئی غلط ابھرتا ہی نہیں بے ذکر علی پہ دل ٹھہرتا ہی نہیں
اُٹھتی ہے نگاہ غیر کیوں میری طرف میں اور کسی کی مدح کرتا ہی نہیں

(6)

مست مئے الفت کو شرابی سمجھے نافل دل رنگیں کو گلابی سمجھے
اللہ رے اوا شناسی اہل ولا ملتے ہی نگاہ بو ترابی سمجھے

(7)

دانا ئی سے نسبت ہو کہ نادانی سے مرعوب ہوں جلووں کی فراوانی سے
کوشش میں سمجھنے کی ترے کیوں کرنا حاصل ہے بہت کچھ مجھے حیرانی سے

(8)

نشہ میں ولا کے غرق رہنے والے نادانوں کے طعن و طنز سہنے والے
اک دن انھیں مرنا بھی اسی نام پہ ہے جیتے رہیں یا حسین کہنے والے

(9)

انسان ہوتا ہے غم اٹھانے سے بلند تمکین سلف کا بھید پانے سے بلند
جن کو ہے ولایت راکب دوش نبی ہو جاتے ہیں وقت اور زمانے سے بلند

(10)

ذرہ ایک ایک آفتابی ہو جائے جس پھول کو حکم دوں گلابی ہو جائے
مداح کو آنکھ اٹھا کے دیکھے تو کوئی لڑ جائے نظر تو بوتلابی ہو جائے

(11)

پوچھو نہ مری دل کی لگی کا عالم ایسا دیکھا ہے کم کسی کا عالم
میں عالم منقبت سے نکلا نہ کبھی ملکات کا ہو کہ بہمنی کا عالم

(12)

جذبات محبت کی تجارت سے گزر اے دوست نہ آئینِ مودت سے گزر
توفیق ولا ہی کوثر و جنت ہے کوثر کا خیال چھوڑ جنت سے گزر

(13)

سمجھے ہی نہیں ہمیں زمانے والے جیتے رہیں عقل کے خزانے والے
ہم بات میں بات کیوں کریں گے پیدا ہم لوگ ہیں دل سے دل بنانے والے

(14)

قرآن و حدیث کا تقاضا کیا ہے یہ اجر رسالت کا اشارہ کیا ہے
دعویٰ ہو تو لا کا مبارک تم کو پہلے یہ سمجھ لو کہ ”تولا“ کیا ہے

(15)

زہر کوئی جز فکر خدا ساز نہ لے ہاں قرض کسی کے طرز و انداز نہ لے
آتا ہے ترا علی سا مافوق بشر جبریل بھی دے تو پر پرواز نہ لے

(16)

زہد تجھے معلوم ہے کیا کام آئے اس راہ میں کون رہنما کام آئے
ممکن ہے ترا داغ جہیں ہو بیکار شاید مرا نقش کف پا کام آئے

(17)

دل کو غم شیر میں کستا ہوا جا ایثار کے گل کدوں میں بستا ہوا جا
اے دوست! یہ موت کیا بگاڑے گی ترا تو ہر حیات بن برستا ہوا جا

(18)

یوں دور کیا غم کا بھیاں ہم نے ساحل پہ لگا دیا تھا میلا ہم نے
اللہ رے افراط مے کب علی پینے سے بچی تو رنگ کھیا ہم نے

(19)

سرمایہ نازش دلا دے ساقی اک عمر کی مدت کا صلا دے ساقی
سب شاعروں کی آنکھ بچا کر کہہ دوں اپنی بھونٹی مجھے پلا دے ساقی

(20)

مستانہ وار آوارہ نگاہوں کی نہ پوچھ دوزخ میں نکلتی ہوئی راہوں کی نہ پوچھ
تو اپنے ثوابوں کو گنے جا زہد ہم رند ہیں رندوں کے گناہوں کو نہ پوچھ

(21)

مے پی ہوش و حواس کھو دے زہد لے جام میں نیکیاں ڈبو دے زہد
یہ کیف ثواب میں نہ آئے گا کبھی ایک روز گناہ کر کے رو دے زہد

(22)

پیانہ آفتاب دے کر سو جا جامزدہ صد عذاب دے کر سو جا
سونا تو ہے تا صبح قیامت ظالم تھوڑی سی مجھے شراب دے کر سو جا

(23)

اچھا یہ گناہ کا قرینہ ٹھہرا اس گھاٹ پہ اب مے کا سفینہ ٹھہرا
جائز ہے حرام شے بھی جینے کے لیے پینے کی رہی کہ پی کے جینا ٹھہرا

(24)

زائد مجھے معلوم ہے نیت تیری نیت ہے گنہ گار شریعت تیری
دوزخ جنت کا فیصلہ ہونے تک دوزخ میری اور جنت تیری

(25)

بھردے ساقی ضرور بھر دے ساقی تاریک فضا ہے نور بھردے ساقی
شیشہ رکھ دے نقاب چہرہ سے اٹھا ساغر میں مئے طہور بھردے ساقی

(26)

دامن پھر بے خودی کا چھونا ساقی پھر ہوش کی رہزنی نے لونا ساقی
بے کیفی سے ہے دست طلب میں ریشہ بھردے بھردے کہ جام ٹونا ساقی

○

عزائی رباعیات

(1)

وہ دین الہی کا سفینہ منبرِ تطہیر حیات کا قرینہ منبر
اس عہد میں دیکھتا ہوں اللہ اللہ دنیا کی ترقی کا ہے زینہ منبر

(2)

سکتہ میں ہوں توتِ لسانی کی طرح دل بچھ گیا مرحوم جوانی کی طرح
کیا ذکرِ مصائب پہ ندامت ہے مجھے احباب نے سن لیا کہانی کی طرح

(3)

کیونکر قدرت کا مدعا سمجھے گا بے ذکرِ غمِ حسین کیا سمجھے گا
اسلام کا مشکل ہے سمجھنا اے دوست سمجھے گا غلط اگر خدا سمجھے گا

(4)

میں نے بخدا یہ غم کا عالم دیکھا کس کس کو نہ بادیدہ پر غم دیکھا
ہندو تو ہیں صدیوں سے عزادار حسین انگریز کو کرتے ہوئے ماتم دیکھا

(5)

سب سے عظیم حسنِ عمل ہے غمِ حسین کتنی مخالفت ہو اٹل ہے غمِ حسین
اس غم کے ساتھ فکر و نظر بھی جو ہو نصیب ہر عقدہ حیات کا حل ہے غمِ حسین

(6)

معمورۂ عرش تک گیا نورِ حیات اے صلیٰ علیٰ جلوہ گرِ طورِ حیات
ترمیم نہ کر سکا پھر اس میں کوئی شیرِ بنا گئے جو دستورِ حیات

(7)

بے درد بھی درد مند ہو سکتا ہے ایثار یہ کارمند ہو سکتا ہے
شیرِ کے اسوہ سے کوئی لے تو سبق انسان کتنا بلند ہو سکتا ہے



jabir.abbas@yahoo.com

رباعیاتِ مبالغہ

(1)

کتنے عالم میں صاحبِ دل نکلے ہنگامہ دو جہاں کا حاصل نکلے
قدرت نے بھری بزم میں ڈالی جو نظر کل پانچ مبالغہ کے قابل نکلے

(2)

کونین کو اعزاز دکھائے نہ گئے اسلام پہ حق ان کے جتائے نہ گئے
تم کہتے ہو اہل بیت اور بھی تھے دورانِ مبالغہ میں لائے نہ گئے

(3)

کیا حق کی مخالفت میں خرسند ہوئے حقدار ملاحتوں کو وہ چند ہوئے
عزت کے ہر اک شرف پہ کی بحث فضول آیت سے مبالغہ کی دم بند ہوئے



عشقیہ رباعیات

(1)

ہوتی ہے بُری دل کی لگی کیا جانو یہ من کی پریت مکھ کی ہنسی کیا جانو
ساجن کی ابھی نگاہ دیکھی ہی نہیں یہ پیت کی ریت تم سکھی کیا جانو

(2)

مے اپنے پریم کے اشارے کی پلا کھینچی ہوئی راوی کے کنارے کی پلا
آ دل کے حرم کدہ میں پرگھٹ ہو جا لا مہر و وفا کے گوردوارے کی پلا

(3)

ہو حق میں گزرنے کا کہیں طور بھی ہے یہ دور حیات کا کوئی دور بھی ہے
دخل اپنا ہے مسجد میں نہ میخانہ میں ایسی کوئی دلچسپ جگہ اور بھی ہے

(4)

کب جائزہ دیر و حرم لیتا ہوں ہستی کی خبر تا بہ عدم لیتا ہوں
انسان ہوں یہ خیال آ جاتا ہے تھک جاتا ہوں اور عرش پہ دم لیتا ہوں

(5)

زاہد کو ہے جام کی نہ مینا کی خبر کیا جانے غریب روزِ فردا کی خبر
تم تو آئے ہو ایسے گھبرائے ہوئے جیسے لائے ہو ختم دنیا کی خبر

(6)

نقہ میں خودی کے جھومتے جائیں گے جائیں گے تو بے کبے سنے جائیں گے
بیٹھے تو اٹھانے سے ہم اٹھنے کے نہیں روکا جو کسی نہ تو چلے جائیں گے

فکری رباعیات

(1)

اے فکر کے داغ روشنی دھیمی کر اے شمع دماغ روشنی دھیمی کر
اک شب تو سکون سے گزر جانے دے دانش کے چراغ روشنی دھیمی کر

(2)

آنکھوں میں یہ اشکوں کی نمی کیا معنی پوری محفل میں برہمی کیا معنی
آثارِ حیات میں کمی ہونے دو احساسِ حیات میں کمی کیا معنی

(3)

زخمِ دل ناتواں سیو سینے دو جی بھر کے مئے کشوں پیو پینے دو
کوشش بیجا ہے امنِ عالم کے خلاف مفہومِ حیات ہے جیو جینے دو

(4)

اے روحِ تصورات اب ساتھ نہ چھوڑ اے جانِ تصورات اب ساتھ نہ چھوڑ
اب کچھ آنکھوں سے اٹھ چلے ہیں پردے اے روشنیِ حیات اب ساتھ نہ چھوڑ

(5)

یہ صبح کی نازگی یہ آرام کی رات گرمی سورج کی چاندنی کی برسات
سب کے دامن پہ ہیں لبو کی چھینٹیں انسان نے بگاڑ دی ہے تصویرِ حیات

(6)

دنیا ہمدرد آج مزدور کی ہے حالت یہی چار سمت جمہور کی ہے
تیرہ سو برس سے کہتے آئے ہیں ہم اب سمجھے ہو تم بات ذرا دور کی ہے

(7)

دنیا سے نہ غم اور نہ خوشی لے کے چلے اک ولولہ پردہ دری لے کے چلے
کوئی تو گناہ لے گیا کوئی ثواب ہم اپنا شعور آگہی لے کے چلے

(8)

ذرات کو چھانتے چلے جاتے ہیں اسرار کو جانتے چلے جاتے ہیں
منہ سے نہ کہیں دل سے یہ منکر شاہد اللہ کو مانتے چلے جاتے ہیں

(9)

پہنچیں گے نہ عقل دور رس تک معنی ڈھونڈے گا نہ تو بانگِ جرس تک معنی
اللہ ابھی تو قیظ بے معنی ہے مل جائیں گے آخری نفس تک معنی

(10)

اپنی طاقت کا بھید پائے ہوئے ہے طاقت کے خدا سے کو لگائے ہوئے ہے
نا قابلِ تقسیم وہ ذرہ جس میں لاکھوں کی اہل منہ کو چھپائے ہوئے ہے

(11)

اسلام ہے عالم میں نشانِ تہذیب قرآن ہے معنی و بیانِ تہذیب
عترت سے ہے (تہذیبِ مودت) قائم تہذیب ہے یہ روحِ رواںِ تہذیب

(12)

مصرف ہیں نئے نئے زمانوں کے لیے موضوعِ جداءِ جداءِ فسانوں کے لیے
قرآن ضعیفوں کے لیے اُترا ہے یورپ کی فلاسفی جوانوں کے لیے

(13)

کیا کہتے ہو اس بات کا امکان نہیں جیسے مجھے آپ اپنی پہچان نہیں
کیوں بار نہیں اٹھا سکے گا غم کا کیا دل میں خدا نخواستہ جان نہیں

(14)

آثار میں شانِ کبریائی تو نہیں در پر کوئی حرفِ جبہ سائی تو نہیں
بے مال و کمال و علمِ انساں تو رہا صد شکر کہ دعویِٰ خدائی تو نہیں

(15)

حق جس کا بھی او ظلم کے بانی نہ دیا دو روز کا لطف زندگانی نہ دیا
کیا کیجئے گلہ یہ ہے وہ دنیا جس میں انسانوں کو انسانوں نے پانی نہ دیا

(16)

سمجھیں گے وہی جو ہیں سخداں غزل کیونکر نہ ہو سربلند ایوان غزل
اصناف میں جب نیا اضافہ ہوگا بڑھ جائے گی اک دلیل احسان غزل

(17)

ہر فکر سے ہر غم سے نجات اپنی ہے موت اپنی ہے فرصتِ حیات اپنی ہے
تو حاصل کائنات خود ہے اے دوست کیا سوچ رہا ہے کائنات اپنی ہے

(18)

قدرت کا نظام ہے عنان گیر حیات ممکن نہیں حد سے بڑھ کے تدبیر حیات
آئے گی ضرور وقت پر آئے گی ڈرتے ہو اہل سے یہ ہے تحقیر حیات

(19)

کچھ یہ بھی خبر ہے تجھ کو مغرور حیات تاریک ہوا ہے کس قدر نور حیات
آنے ہی کو ہے تیغ بکف صاحبِ عصر اب غور سے دیکھ اپنا دستور حیات

(20)

سب فلسفہ حیات کہہ دیتا ہوں اک حرف میں کائنات کہہ دیتا ہوں
شاعر ہوں مجھے دماغ تفصیل کہاں سببات کی ایک بات کہہ دیتا ہوں

(21)

دامن بھی ہے مجلس میں بھگونے کے لیے آپیں بھی ہیں اشکوں میں سمونے کے لیے
یہ واقعہ عظیم اے اہلِ عزا کیا حُسنِ طلب ہے صرف رونے کے لیے

(22)

آلام کا سامنا کرو گے کہ نہیں ممت سے کبھی وفا کرو گے کہ نہیں
اے مجلسِ حاضری کے حاضر باشو کچھ حق نمک ادا کرو گے کہ نہیں

(23)

یہ مرکز درس کم سوادوں کا نہیں ماخذ کمزور اعتقادوں کا نہیں
مجلس مولد ہے جرأت و ہمت کا معیار یہ منتوں مرادوں کا نہیں

(24)

کیا ارض فرات جگمگا دینی تھی ذرات کو خون سے جلا دینی تھی
قربانی شیر کو سمجھے کیا ہو کیا خاک میں تاثیر شفا دینی تھی

(25)

ایثار کی روشنی میں آنکھیں نہ کھلیں ہمت کی مصوری میں آنکھیں نہ کھلیں
گہوارہ بے شیر پہ روئے تو بہت گہوارہ زندگی میں آنکھیں نہ کھلیں

(26)

مفہوم عزا جاننے والے کم ہیں! احسان کو گردانے والے کم ہیں
شیر! ترے ماننے والے ہیں بہت لیکن ترے پہچاننے والے کم ہیں

(27)

بے شک وہ نجات ہو جاتے ہیں ہاں نازش کائنات ہو جاتے ہیں
راز غم شیر سمجھ لے جو کوئی آنسو آب حیات ہو جاتے ہیں

(28)

دعویٰ تو بہت ہے طینت فاضل کا دریا ہے پتہ نہیں ساحل کا
تو فاتح خیبر ہی علی کو سمجھا وہ فاتح اعظم ہے دماغ و دل کا

(29)

اسلام کا یہ نظام دستوری دیکھ یہ عہد قدیم و طرز جمہوری دیکھ
ہے آج کی اشتراکیت پر نازاں سلمان کی کورزی و مزدوری دیکھ

(30)

مایوس شفا کو آسرا دیتے ہیں آیات کو تعویذ بنا دیتے ہیں
ہشیار تو لیتے نہیں قرآن سے سبق بے ہوش کو قرآن کی ہوا دیتے ہیں

(31)

دل خیر سے استوار اتنا بھی نہیں دانندہ روزگار اتنا بھی نہیں
وعدہ پہ ہے انسان کے بھروسہ جتنا اللہ پہ اعتبار اتنا بھی نہیں

(32)

انسان کی عظمت کے نگہبان بھی ہو مسلم ہو سلامتی کا عنوان بھی ہو
اسلام پیام امن ہے یاد رہے سنی ہو کہ شیعہ ہو مسلمان بھی ہو

(33)

اب شغل بجز نفس پرستی کیا ہے خود پست بنے ہیں ورنہ ہستی کیا ہے
انسان محمدؐ مٹتی سے گزرے کیا کہتے ہو انسان کی ہستی کیا ہے

(34)

وہ عقل و خرد کے مسکوں میں نہ ملیں ہاں فکر و نظر کے مرحلوں میں نہ ملیں
خوش باشوں میں ہو چکی بہت ان کی تلاش اب شرط سہی جو دل جلوں میں نہ ملیں

(35)

آنکھیں کرلو خراب پڑھتے پڑھتے تفسیر و فقہ کے باب پڑھتے پڑھتے
جب حسن عمل نہیں تو حاصل کیا ہے ہو جاؤ جو خود کتاب پڑھتے پڑھتے

(36)

دنیا کا یہ نقشہ نظر آتا ہے مجھے کچھ رنگ بدلتا نظر آتا ہے مجھے
نزدیک ہو یا دور ہو طوفان کوئی بڑھتا ہوا سایہ نظر آتا ہے مجھے

(37)

ماتے رہے نظروں کو سہارے کتنے جتے رہے روشنی کے دھارے کتنے
کب کا جاگا ہوا تھا نیند آہی گئی تارے کرتے رہے اشارے کتنے

(38)

دل کے آئینہ پر جلا کون کرے یوں عشق کو عالم آشنا کون کرے
کہتا نہیں حق کوئی اتنا الحق کیسا اب دار و رس کا سامنا کون کرے

(39)

میں ذات و صفات ہی نہ سمجھا اب تک سیدھی سی یہ بات ہی نہ سمجھا اب تک
کیا سمجھوں گا عید اور محرم کے رموز مفہوم حیات ہی نہ سمجھا اب تک

(40)

ہر بات سے ایک بات پیدا ہوگی ہر ذرہ سے کائنات پیدا ہوگی
دل موت کی تقدیم سے ڈرتا کیوں ہے ہر موت سے اک حیات پیدا ہوگی

(41)

آسائش صبح و شام لے لیتی ہے سب کیف و سرور جام لے لیتی ہے
دنیا بے فیض دل کی دشمن کیوں ہو فطرت خود انتقام لے لیتی ہے

(42)

دل رنج و الم میں ہو سراپا راضی دو دن کی مسافرت میں کیا ناراضی
دنیا سے نہ کر تارک دنیا نعمت بندے راضی تو میرا مولاً راضی

(43)

نعمت ایک ایک یاد آسکتی ہے دل میں اُمید مسکرا سکتی ہے
احسان شاس ہے تو سو غم تیرے اک صبح کی تازگی بھلا سکتی ہے

(44)

کون اپنے ضمیر کی خبر لیتا ہے مشکل سے کوئی یہ درد سر لیتا ہے
اس دور میں جذبہ صداقت اکثر بچوں کی زباں سے بات کر لیتا ہے

(45)

انساں ابھی کیا کیا نہ ستم ڈھائے گا ہمت ہے تو چاند تک پہنچ جائے گا
فتنوں سے زمین ہو چکی ہے معمور اب جا کے وہاں فساد پھیلانے گا

(46)

بچا ہے اگر اپنا ہی اپنا غم ہے کر خدمتِ خلق دم میں جب تک دم ہے
دیکھا نہیں خار و گل سے شبنم کا سلوک شبنم سے بھی کیا تیری بضاعت کم ہے

(47)

رہو اک بار لڑکھڑائے جیسے آہٹ کوئی بیخودی میں آئے جیسے
ٹوٹا مرا دل تو ان کو محسوس ہوا شیشہ کا گلاس ٹوٹ جائے جیسے

(48)

انسانوں کا آپس میں جھگڑنا کیسا بیکار کی الجھنوں میں پڑنا کیسا
سب کے لیے رہ گزر ہے دنیا اے دوست حیراں ہوں کہ رہ گزر پہ لڑنا کیسا

(49)

مانا کہ بہت علم کی برسات ہوئی محروم عمل رہے تو کیا بات ہوئی
ہم کو یہ تلقین ہے کہ ہمیں کچھ نہ ہوئے دنیا میں ہزار دن ہوئے رات ہوئی

(50)

عے خوار تو ہیں سہو و خطا کے گھر میں واعظ کو سکون نہیں خدا کے گھر میں
ہے تابیل رحم بد نصیبی اس کی جو دور ہو درماں سے دوا کے گھر میں

(51)

کیوں ہوش و خرد سے کوئی بیگانہ ہے لازم ہے یہ فکر کیا بنے کیا نہ بنے
تاریخ جو بن گئے بشر تھے وہ بھی ہمت کا تصور تھا جو انسانہ بنے

(52)

جب لطفِ حیات میں کمی پاتا ہے جب شدتِ آرام سے تھک جاتا ہے
منعم تھے اس وقت بھی بھولے سے کبھی مزدور کی محنت کا خیال آتا ہے

(53)

احساسِ جگا کے جیسے خوشبو جائے یا ہاتھ سے دل بدل کے پہلو جائے
وہ تجھ سے مصافحہ کی لذت اے دوست جیسے کوئی چاند کی کرن چھو جائے

(54)

بارے ہوئے ہیں تجھ سے زمانے والے حیراں ہیں تری تھاہ نہ پانے والے
رفتار سے ہے گردشِ دوراں ناجز شاباش ہوا کے رخ پہ جانے والے

(55)

اعمال کے بعد کام اک اور بھی کر تمکین حیات و موت کا طور بھی کر
خواہان ثواب! اس میں اک راز بھی ہے عاشور کے اعمال پہ کچھ غور بھی کر

(56)

معنی کی یہ اعجاز نمائی یارب لفظوں نے بھی زباں کہاں سے پائی یارب
تو کام و دہن صوت و صدا سے ہے بری یہ گن کی صدا کہاں سے آئی یارب

(57)

کیا درونے پھر قدم کو لغزش دی ہے کیا پھر انہیں تکلیف نوازش دی ہے
سنتا ہوں کہ عرش مل گیا ہے ان کا کیوں پردہ دل کسی نے جنبش دی ہے

(58)

تو ہے تری ذات ہے تو کچھ اور بھی ہے سیدھی سی یہ بات ہے تو کچھ اور بھی ہے
اپنی ہستی میں ڈھونڈ راز ہستی حساس حیات ہے تو کچھ اور بھی ہے

(59)

منہ تو نے چراتے ہوئے دیکھا ہی نہیں آنکھیں تو دکھاتے ہوئے دیکھا ہی نہیں
آئے ہوئے دیکھا ہے ابھی دولت کو بے پاؤں کے جاتے ہوئے دیکھا ہی نہیں

(60)

فطرت میں گناہ ہے کہ شامل ہے ابھی دل پر ہو کچھ اختیار مشکل ہے ابھی
بجلی پہ حکومت ہے ہوا پر قبضہ انسان مگر جبر کا تامل ہے ابھی

(61)

گذری ہوئی محفلوں کو رونے ہی کو ہیں یہ سچ ہے کہ ہیں مگر نہ ہونے ہی کو ہیں
سن لو کچھ ہم سے زندگی کی باتیں آنکھوں میں ہے نیند ہم بھی سونے ہی کو ہیں

(62)

اسرار حیات سر پکتے ہیں یہیں کیا دونوں جہاں کے دل دھڑکتے ہیں یہیں
تاروں کی ہنسی تو دیکھ او برق جمال جیسے تارے فقط چمکتے ہیں یہیں

(63)

ناکامیِ تدبیر کا وسواس نہ ہو کتنی دشواریاں ہوں پر یاس نہ ہو
میدانِ عمل میں پاؤں اس طرح جما آتے رہیں زلزلے اور احساس نہ ہو

(64)

دل ہے تو نماز بھی ہے روزا بھی قبول دنیا بھی قبول ترکِ دنیا بھی قبول
بے درد کا جینا ہے نہ مرنا برحق دل میں ہے اگر درد اشارہ بھی قبول

(65)

معیاد کی تکمیل بہر طور کرو یاں فلسفہٴ حیات پر غور کرو
ہم جاتے ہیں پھر کھلے گا بابِ زندان کچھ دن ابھی انتظار تم اور کرو

(66)

مرکز سے نظامِ ہوش مٹ جائے گا ہر سلسلہٴ خیال کٹ جائے گا
ہاتھوں کی لکیروں پہ کہاں جاتا ہے پردہ اُلٹا تو دل الٹ جائے گا

(67)

افسانہ بے دارِ دلی چھوڑ گئے آوازہ درد پروری چھوڑ گئے
دل والوں پہ کچھ اہل کا قابو نہ چلا مرنے کو چلے تو زندگی چھوڑ گئے

(68)

تکمیلِ عمِ حیات ہوگی کہ نہیں آزادی ہے جہات ہوگی کہ نہیں
تم دوسری دنیا کی سناتے ہو خبر دنیا سے کبھی نجات ہوگی کہ نہیں

(69)

مرکز کی طرف سب جزوکل جائیں گے اسرارِ نبود و بود کھل جائیں گے
یہ چاند یہ سورج یہ ستارے یہ زمیں شبنم کی طرح فضا میں گھل جائیں گے

(70)

ہاں اپنے گناہوں سے جُھل جائے گی ہاں بحرِ کرم کے متصل جائے گی
کیا جانیے خاک ہوئے ستارے کتنے دنیا بھی اُسی خاک میں مل جائے گی

(71)

وہ حسن کہ خود حسن بھی دیوانہ ہو تیور ایسے کہ جن کا افسانہ ہو
بھٹکا ہوا دنیا میں فرشتہ جیسے حیران ہو ماحول سے بیگانہ ہو

(72)

تو کیا کرے اے مظاہر بے دردی قدرت نے تری آنکھ قیامت کردی
پہلے تو شبِ غم کی سیاہی گھولی پھر آتشِ تابناک انجم بھردی

(73)

بننے کی نہیں کبھی جو دم میں دم ہیں دو طرح کی مشکلیں ہیں دوہرے غم ہیں
ہے تیز مزاج وہ نگارِ نازک اور خیر سے بد دماغ شاعر ہم ہیں

(74)

دل میں طوفان دم کہاں لیتا ہے منزل کس رخ پہ کارواں لیتا ہے
ذرہ ذرہ ہے اک حیاتِ بے تاب رگ رگ میں یہ کون چٹکیاں لیتا ہے

(75)

سوتے سے جگائے گی جو تقدیر تجھے قدرت کر لے گی جب بغل گیر تجھے
کیا خواب عدم ہے اور کیا خواب وجود مل جائے گی وہ خواب کی تعبیر تجھے

(76)

کم ہوتے ہیں ایسے جنہیں غم ہوتا ہے یہ اور ستم بعد ستم ہوتا ہے
انساں کو جہالت سے بچائے اللہ اس درد کا احساس بھی کم ہوتا ہے

(77)

کیا کج نگاہ عارفانہ لے کر چلتا ہے مجھے ساتھ زمانہ لے کر
دم بھر جو تردد میں قدم رکھتا ہے قسمت بڑھتی ہے تازیانہ لے کر

(78)

وہ حسن کی زینت جسے درکار نہ ہو سجدہ سے جہاں نگاہ کو غار نہ ہو
اندھیر یہ کیا ہے اے نظامِ فطرت ایسے قالب میں روح بیدار نہ ہو

(79)

دنیا میں بہت گزر گئے ہیں ایسے
شیریں بھی ہو مختصر بھی ہو دور حیات
کیا پوچھتے ہو کہ جی رہے ہیں کیسے
اچھی طرح گایا ہوا نغمہ جیسے

(80)

دے کر یہ دماغ و دل نمایاں کرنا
فطرت سے تعجب ہے یہ سب کچھ کر کے
علم و حکمت کو زیرِ فرماں کرنا
انسان کو پھر خاک سے یکساں کرنا

(81)

انسان کی زندگی کو شرماتے ہیں
پھولوں میں نہ جھگڑا ہے کوئی اور نہ فساد
خوش خوش آتے ہیں خوش چلے جاتے ہیں
کھلتے ہیں مہک دیتے ہیں مرجھاتے ہیں

(82)

اٹھا ہے نظر سے آن پر دا جیسے
اے صبح محبت یہ تری شادابی
دیکھا ہے نیا نیا تماشا جیسے
تخلیق ہوئی ہے آج دنیا جیسے

(83)

دنیا تصویر خوف بن جاتی ہے
دنیا میں اگرچہ روز آتی ہے اہل
ہروار پہ کانپتی ہے تھراتی ہے
دنیا کو نئی سی شے نظر آتی ہے

(84)

بے رنج بہت خوشی کے لمحے کم ہیں
اربابِ حواس و ہوش کا ذکر نہیں
کیسی دنیا میں یا الہی ہم ہیں
بچوں کے لیے بھی چھوٹے غم ہیں

(85)

کب تک یہ سلوک بے محابا مجھ سے
جنت کے سکون کی خبر دیتے ہو
کب تک یہ مذاق ذکر فردا مجھ سے
انساں ہو تو پوچھو غم دنیا مجھ سے

(86)

بے حسنِ عمل ہے یہ تمنائے بہشت
ہے میری تمھاری آرزو میں یہ فرق
کہتے ہیں کہ دنیا میں اُتر آئے بہشت
میں کہتا ہوں دنیا ہی نہ بن جائے بہشت

(87)

سجے ہیں چمن میں جگمگاتے ہوئے پھول ہر ذوق نظر کو آزماتے ہوئے پھول
جب توڑنے اٹھتا ہوں یہ آتا ہے خیال کچھ کہہ نہ اٹھیں یہ مسکراتے ہوئے پھول

(88)

نعت ایک ایک یاد آسکتی ہے دل میں امید مسکرا سکتی ہے
احسان شناس ہے تو سو غم تیرے اک صبح کی تازگی بھلا سکتی ہے

(89)

امید غلط عالم انسانی سے دو روز کے عیش تن آسانی سے
دنیا کا ہے ابتدا سے دستور یہی ہے سو کا بھلا ایک کی قربانی سے



قومی رباعیات

(1)

شیر نے راہ حق میں کیا کیا نہ دیا ہم نے ہی ثبوت کچھ ولا کا نہ دیا
کاندھا جو خرچ کو دیا بھی تو کیا جب بھائی نے بھائی کو سہارا نہ دیا

(2)

دو اشک بہا کے شاد و سرور ہے تُو افسوس کہ منزل سے بہت دور ہے تُو
ماتم کے لیے ہاتھ ہیں آزاد مگر شیر کی پیروی سے مجبور ہے تُو

(3)

آقا سے جہانداری و دارائی لے دامن پھیلا کے شانِ یکتائی لے
عباس کی طرح زورِ احساس دکھا میدانِ عمل میں آ کے انگڑائی لے

(4)

اے مومنِ غم طرازِ ماشا اللہ اے مردِ زمانہ سازِ ماشا اللہ
مخصوص ہے صدر میں امیروں کی جگہ مجلس میں بھی امتیازِ ماشا اللہ

(5)

ملت میں کمی نہیں عزاداروں کی بیشک ہے یہی شانِ وفا داروں کی
اپنی مجلس میں دیکھ اے معتمِ وقت کتنی تعداد ہوگی ناداروں کی

(6)

کیوں قوم کے اوبار کی ہو ان کو خبر جن کو نہیں شبہاتِ نجاست سے مفر
کیا ڈوبتی ناؤ کو اُبھاریں گے بھلا جو حوض میں ڈوبے رہیں چوئیس پہر

(7)

طوفان میں اشکوں کے اُبھرنا سیکھو ماتم کی جلالت میں سنورنا سیکھو
ہاں اے غم شیر میں جینے والو جینا تمہیں آتا ہے تو مرنا سیکھو

(8)

بیدرد بھی درد مند ہو سکتا ہے ایثار پہ کار بند ہو سکتا ہے
شیر کے اُسوہ سے کوئی لے تو سبق انسان سر بلند ہو سکتا ہے

(9)

تکلیف میں دم کسی کا بھرنا کیسا غفلت میں کوئی نفس گزرنا کیسا
ہر سانس میں ہو وردِ زباں نامِ علی یہ وقت پڑے پہ یاد کرنا کیسا

(10)

ناکامیِ تدبیر کا وسوسا نہ ہو چتون کبھی آماجگہ یاس نہ ہو
میدانِ عمل میں پاؤں اس طرح جما آجائے قیامت بھی تو احساس نہ ہو

(11)

سجادہ پہ سب گناہ لے جاتا ہے سجدوں سے معاملات کئے جاتا ہے
اے خلقِ خدا پہ ظلم کرنے والے کس منہ سے خدا کے سامنے جاتا ہے

(12)

دولت ہے بدستور ستم ڈھائے ہوئے بیٹھے ہیں غریب رنج و غم کھائے ہوئے
دنیا میں جگہ میں کھڑے ہونے کی کچھ لوگ پڑے ہیں پاؤں پھیلائے ہوئے

(13)

دولت یونہی دنیا کی ہوا کھاتی ہے آتی ہے کہیں سے اور کہیں جاتی ہے
میرے تو نصیب کا دیا بچھ ہی گیا کو تیرے چراغ کی بھی تھڑاتی ہے

(14)

افلاس پہ مامور نظر آتا ہے مرکز سے بہت دور نظر آتا ہے
دستور بدل گیا حکومت بدلی مزدور بدستور نظر آتا ہے

(15)

انسان کی جس خام کہلاتے ہیں ناقابل احترام کہلاتے ہیں
سیدھے سچے جری جفا کش مزدور کیا ظلم ہے یہ عوام کہلاتے ہیں

(16)

تو قوم کی اصلاح پہ آمادہ ہے یا شہرت تحریر کا دلدادہ ہے
نغموں کا یہ انبار مضامین کی پوٹ بکواس ہے جب دل کا ورق سادہ ہے

(17)

الفاظِ عمل تک پہنچتے اے کاش اب تک ہے وہی جدید نوحوں کی تلاش
اب سب سے دیر کی صفِ ماتم پر یا قوم کی تنظیم ہو یا قوم کی لاش

(18)

کس کام کے ہیں یہ بندہ پرور جلے یہ قوم کے جلے سے تو نگر جلے
بھوکے مرتے ہیں کتنے مفلس و مجبور ماتم ہے گھروں میں اور باہر جلے

(19)

صدیوں سے مصیبت میں گرفتار ہیں ہم حق ہے کہ مساوات کے حقدار ہیں ہم
بے جا ہے یہ توڑ پھوڑ لیکن اے دوست مزدور نہیں وطن کے معمار ہیں ہم

(20)

غفلت میں اگرچہ قوم سوتی ہے ابھی ساقی تیرا نام لے کے روتی ہے ابھی
گردش میں تیرا جام ولا ہے اب تک پوجا تیری تلوار کی ہوتی ہے ابھی

(21)

یہ شانِ ولا اے دل نا کام نہیں اب تک بھی انوث کی روش نام نہیں
عزت سے محبت کا ہے دعویٰ لیکن آپس میں محبت کا کہیں نام نہیں

(22)

پھر ذاتِ عاجزی کا پابند ہوا پھر عیب خوشامد کا بُر مند ہوا
پھر لے کے چلی غرض کسی کے درپر ایک اور اضافہ خداوند ہوا

(23)

مجلس کو نہ اک نقشِ سادہ سمجھو منہمِ عزا کو بالارادہ سمجھو
منت کا جو پہنا ہے کلاوہ تم نے مولیٰ کی اطاعت کا قلابہ سمجھو

(24)

مجلس میں گئے بزمِ فضائل دیکھی سو بار مسالہ کی محفل دیکھی
جس درد کی منزل میں ہوا اپنا گذر بیدردی ذاتیات شامل دیکھی

(25)

کیوں نہ ہستی کسی عنوان چڑھے نخوت کی بلندی پہ نہ انسان چڑھے
اے میرے علم بدوش یہ مانگ دُعا سایہ میں علم کے قوم پروان چڑھے

(26)

افطار و سحر کے وقت کچھ کھا لیتا تاویل سے احباب کو سمجھا لیتا
دولت ہوتی اگر تو اُجرت دے کر روزہ کسی مزدور سے رکھوا لیتا

(27)

سب شرع کے حکم قابلِ غور نہیں کیا دور یہ غور و فکر کا دور نہیں
تیرے لیے بس نماز روزہ کے سوا اے دوست فروعِ دین کچھ اور نہیں

(28)

آپس کے تعلقاتِ مذہب میں نہیں شاید یہ تصوراتِ مذہب میں نہیں
تیرے لیے ہے نماز و روزہ مذہب دنیا کے معاملاتِ مذہب میں نہیں

(29)

دل بھی ہو اصول پر ذرا مشکل ہے دل چار طرف ہے اور آخر دل ہے
اتنی تو ہمیں بھی عدل سے ہے نسبت عدل اپنے اصولِ دین میں شامل ہے

(30)

علم و دولت کے بت سجا رکھے ہیں سرِ سجدہ نالحق میں جھکا رکھے ہیں
ملت کو ہے کیا خدائے واحد سے غرض اُس نے دو خدا بنا رکھے ہیں

(31)

آرایشِ صورت و قیافہ کرلو تیار کوئی اور لفافہ کرلو
ہر ایک گناہ نو کی تکمیل کے بعد سامانِ تقدس میں اضافہ کرلو

(32)

تقلید ہوئی نہ حشرِ سامانوں کی سرباز و نظر بلند انسانوں کی
انصارِ حسین کی روش پر نہ چلے راہیں پامال کیں عزا خانوں کی

(33)

اشعار پہ واہ واہ کرنا ہے ہمیں افسانہ غم پہ آہ کرنا ہے ہمیں
مجلس کا ہوا کبھی نہ مقصد پورا مجلس سے فقط نباہ کرنا ہے ہمیں

(34)

گھر کے قصوں میں وقت کھویا کچھ دیر پھر ذکرِ حسین سُن کے رویا کچھ دیر
مجلس میں گزر گئی بہر حال اچھی جاگا کچھ دیر اور سویا کچھ دیر

(35)

ایمان غم کر بلا پہ لائے ہوئے ہیں انصار اگرچہ دل پہ چھائے ہوئے ہیں
وہ خلعتِ زینتِ موت کو دے کے گئے ہم زینت کو بھی موت بنائے ہوئے ہیں

(36)

جذبات بلند ہیں نہ احساسِ قوی ایسی نسبت اور ایسی بیگانہ روی
کس زعم پہ اپنے کو سمجھتا ہے تو وابستہ ”خانوادہ“ مرتضوی

(37)

جب قوم پہ وقت آپڑے مشکل کا ایثار دکھا حسینیوں کے دل کا
دنیا پہ کھلے گی یہ حقیقت اُس دن تو مرد ہے طوفان کا یا ساحل کا

(38)

اب صاحبِ دل کہاں قرینے والے طوفان بھی لے گئے سفینے والے
مرنے جینے کی رسم جاری ہے فقط مرنے والے رہے نہ جینے والے

(39)

کیا مالکِ اشتر نے جھنجھوڑی ہیں صفیں ہر جنگ میں صاف کر کے چھوڑی ہیں صفیں
تیرے لیے ہے نفس کا میدانِ جہاد کچھ تو نے برائیوں کی توڑی ہیں صفیں

(40)

ہر گوشہٴ قلب میں لیے وسعتِ خیر حساس نگاہوں سے کرو دین کی سیر
پھر ہو وہی عزم و استقامت حاصل پھر قوم میں پیدا ہوں ”سعید“ اور ”زہیر“

(41)

ٹھہریں نہ ہوا کے آگینے پہ قدم دم بھر نہ رکیں فلک کے سینے پہ قدم
لے نامِ علی اور سرِ عرش پہنچ رکھ کر مہِ خورشید کے زینے پہ قدم

(42)

ہر فکر و نظر میں انقلاب آتا ہے تشبیہ و تمثیل کا باب آتا ہے
اس وقت بھی تجھ کو یاد آتی نہیں موت جب وقتِ غروبِ آفتاب آتا ہے

(43)

کس طرح بدل گیا یہ معیارِ حیات کیوں سرد ہوئی گرمیِ بازارِ حیات
جس قوم نے سر کی مہمِ کرب و بلا اس قوم میں ملتے نہیں آثارِ حیات

(44)

شیرِ کا دردِ دل سنا ہے تجھے سوتی ہوئی دنیا کو جگانا ہے تجھے
تو آپ ہی انسان ابھی تک نہ بنا انسان کو انسان بنانا ہے تجھے

(45)

سنیٹلے گی نہ اپنی حالتِ زار کبھی چونکیں گے نہ غفلت سے عزادار کبھی
شیرِ سے درسِ غیر قوموں نے لیا قربانیاں جاتی نہیں بے کار کبھی

(46)

محفل میں نشہ مے تولّٰ کا چڑھا خیر کی خبر سُن کے درود اور پڑھا
راہیں کیا کیا علی کی سیرت سے ملیں دلِ نعرۂ صلوات سے آگے نہ بڑھا

(47)

کس دن کے لیے راہِ محبت پہ چلا سانچے میں نہ تو صبر و قناعت کے ڈھلا
اپنی تنخواہ کی کمی پر شکوہ افلاس پہ اہلیت کے صلی علی

(48)

اٹھا نہ قدمِ عمل کا بڑھنے کے لیے ہمت کی بلندیوں پہ چڑھنے کے لیے
مولّا کا ہر اک معرکہ علم و عمل سنتے رہے ہم درود پڑھنے کے لیے

(49)

آنکھوں میں تری زبان پر صلی علی جذبہ کوئی ان حدوں سے آگے نہ چلا
اللہ وہی قوم ہو سب سے پیچھے جس قوم میں ہو معرکہ کرب و بلا

(50)

کس برتنے پہ حیدری تو کہلاتا ہے اپنی ہستی میں کیا جھلک پاتا ہے
تیرا دل بھی نہیں ہے تیرے بس میں مغرب سے وہ آفتاب پلاتا ہے

(51)

آقا سے جہانداری و دارائی لے دامن پھیلا کے شانِ یکتائی لے
عباس کی طرح زورِ احساس دکھا میدانِ عمل میں آ کے انگریزی لے

(52)

ساکن ہو دلوں میں نہ تکلّد کی طرح مذموم نہ بن لفظِ تنقّر کی طرح
آفاق میں حریت کو بدنام نہ کر آزادی کی سانس لے مگر حرّ کی طرح

(53)

ہاں سرّ خفی نصّ جلی کہہ کے اُلٹ اے صاحبِ زور ازلی کہہ کے اُلٹ
کیا صرف کتابوں کے اُلٹا ہے ورق دنیا کا ورق بھی یا علی کہہ کے اُلٹ

(54)

اے سینہ شگاف غم اُٹھانے والے اے درد بدل قدم اُٹھانے والے
آلودہ خونِ حق شعاری تو نہیں یہ ہاتھ جو ہیں علم اُٹھانے والے

(55)

عباس کے نام کا اٹھاتے ہیں علم کھاتے ہیں اُسی جری کی ہر بار قسم
اتنا تو سبق اُس کی شہادت سے لیا اس سے بڑھ کر اب اور کیا کرتے ہم

(56)

ایسی ہے نہ قیصر کی نہ غفور کی شب سرمایہ پرست کی نہ مزدور کی شب
احساس ہو قوم میں تو دن پھیر نہ دے ہجرت کی یہ رات اور یہ عاشور کی شب

(57)

ایسا تھا کہاں شمع سر طور کا دن جلوہ سے قریب کا ہویا دور کا دن
وہ ٹھوکریں کھائی پھرے تاریکی میں جس قوم کے ورثہ میں ہو عاشور کا دن

(58)

منعم ہے تو یہ آتش افلاس بجھا اٹھ اپنی غریب قوم کی پیاس بجھا
تو شمع جلاتا ہے عزا خانوں میں للہ نہ اپنی شمع احساس بجھا

(59)

مجلس واجب ہے، تم پہ ماتم واجب بر حال میں شیر کا ہے غم واجب
شیر نے سرد کیے بچایا ہے جسے اس قوم کی خدمت ہے بہت کم واجب

(60)

کوشہ میں وہ دولت کا خزانہ دیکھو ماتھے پہ وہ علم کے پسینہ دیکھو
ہے ان کے خلاف شان ماتم کرنا حلقہ سے الگ دست بسینہ دیکھو

(61)

حکیم نیاز و نذر کر لیتے ہیں اس راہ میں قرض بیشتر لیتے ہیں
بھوکوں کو نوالہ نہیں ملتا لیکن سب پیٹ بھرے ہی پیٹ بھر لیتے ہیں

(62)

یوں حال غریبوں کا سدھر سکتا ہے ڈوبا ہوا حوصلہ ابھر سکتا ہے
منعم ہے تو کر قوم کی عسرت کا علاج حصہ مجلس کا پیٹ بھر سکتا ہے

(63)

کیا پھرتا ہے دامن کو سنبالے بندے تقدیس کی آغوش کے پالے بندے
بندہ ہے تو اللہ کے بندوں کو نہ بھول اللہ کی یاد کرنے والے بندے

(64)

افطار کے سامان سے مطبخ بھر جائے جو زیر گلو جائے وہ اقمہ تر جائے
ہوتی نہیں ایسے روزہ داروں کو خبر فاقہ سے اگر کوئی پڑوسی مرجائے

(65)

حیرت ابھی واقف اسرار نہیں تفسیر موڈت سے خبردار نہیں
مانا شب عاشورا میں بیدار ہے تو بیداری کے مفہوم میں بیدار نہیں

(66)

مفہوم شہادت کو بھلا دے ملت مجلس کو بھی اک رسم بنادے ملت
تقریر کا آج کوئی معیار نہیں منبر پہ جسے چاہے بٹھادے ملت

(67)

رکتے ہیں بھلا ہمتِ کمال والے منجھار میں سب کود پڑے دل والے
جیسے کوئی زندگی کے دن گنتا ہے لہریں گننے کھڑے ہیں ساحل والے

(68)

دل میں ترے درد کی بھی لے ہے کہ نہیں کردار میں ملتی ہے کوئی شے کہ نہیں
ہے حبِ علی سفینہ نوح مگر تیری بھی سفینہ میں جگہ ہے کہ نہیں

(69)

آنسو تو بہت آنکھ کے پیانے میں کیا رنگ ہے زندگی کے افسانے میں
دل بھی ترا پاک ہے، زباں بھی طاہر یہ دیکھ کے پاؤں رکھ عزا خانے میں

(70)

حسرت ہے اگر تجھے یہ ادراک نہیں جامہ کی بساط کیا جو دل پاک نہیں
تو رونق منبر ہو کہ ہو خاک نشین کردار ہے اصل چیز پوشاک نہیں

(71)

ہے رفعتِ نفس کا سبب بیداری زیبا ہے پر اس طرح سے کب بیداری
دل میں زرویم لب پہ اللہ غنی اے نالِ بت سازی و شب بیداری

(72)

اچھی سحری لذیذ تر افطاری ہر روز ہو عیشِ صوم کی تیاری
احکامِ شریعت جو سمجھنے بھی نہ دے ایسی دولت سے ہے بھلی ناداری

(73)

زندہ قوموں کے یوں نشان ملتے ہیں ابھرے ہوئے نقشِ رفتگاں ملتے ہیں
یوں ذکرِ علیؑ کا اہلِ عالم سے کرو سب چیخ اٹھیں علیؑ کہاں ملتے ہیں

(74)

ہم نے مانا ابھی سویرا ہے بہت غفلت کی نوازشوں نے گھیرا ہے بہت
اٹھ حسنِ عمل کی شمع روشن لے کر جانا ہے جدھر تجھے اندھیرا ہے بہت

(75)

ہستی کی نمود کچھ تماشا تو نہیں تو ایک ہی اللہ کا بندہ تو نہیں
کس کس کے حقوق تجھ پہ ہیں غور تو کر دنیا میں ترا وجود تنہا تو نہیں

(76)

جو خدمتِ خلقِ عمر بھر کر کے گیا تکلیفِ محبت میں بسر کر کے گیا
اُس کے لیے ہے موت بھی پیغامِ حیات وہ معرکہٴ حیات بسر کر کے گیا

(77)

تو زورِ حیات آزمانے کا نہیں یوں بزمِ عمل میں بارِ پانے کا نہیں
قویں حق مانگتی ہیں شمشیرِ بکف تجھ کو یارا زباں بلانے کا نہیں

(78)

جب تک مری زباں میں گس ہے سن لے جب تک سننے پہ تیرا بس ہے سن لے
سنسار کو سکھ ملا ہے میرے دکھ سے میرے دکھ میں پریم رس ہے سن لے

(79)

اب تک وہی نچھری و صیادی ہے اب تک وہی تفرقوں کی ناشادی ہے
باتیں تو بہت کچھ ہیں عمل ہے محدود اس دور میں تقریر کی آزادی ہے

(80)

ملت پہ عجیب بے حسی طاری ہے کیا نام کی زندگی و بیداری ہے
ہم سایہ ہیں یوں مفلسی و بے خبری فاقے ہیں کہیں اور کہیں افطاری ہے

(81)

ایمان کی بہار لے کے عید آئی ہے روزوں کا نکھار لے کے عید آئی ہے
نا محرم از عید تیری خاطر اک قرض کا بار لے کے عید آئی ہے

(82)

ہر ذرے سے اک سحاب پیدا کر دے ہر قطرہ سے آفتاب پیدا کر دے
آقا ہے تیرا حسین سا مردِ عمل جب چاہے تو انقلاب پیدا کر دے

(83)

شیر نے راہِ حق میں کیا کیا نہ دیا ہم نے ہی ثبوت کچھ ولا کا نہ دیا
کاندھا جو ضریح کو دیا بھی تو کیا جب بھائی نے بھائی کو سہارا نہ دیا

(84)

اک خواب و خیال کوڑا آشی ہے جذبات کا مدوجزر ہنگامی ہے
مجلس سے نکل کے رخ کدھر ہے یہ دیکھ غافل ابھی تشنگی میں کچھ خامی ہے

(85)

مانا کہ دماغ عقل برساتا ہے ہمت سے زمیں زیرِ تلگیں لاتا ہے
میرے لیے اے کارکنانِ قدرت دل لاؤ جو تاج و تخت ٹھکراتا ہے

(86)

اک حسرت ہے پناہ پیدا کر لے آنکھیں نہ سہی نگاہ پیدا کر لے
غافل عذر شکستہ پائی کیسا بے پاؤں کے چل وہ راہ پیدا کر لے

(87)

جینا ہے تو مرجانے کا آہنگ رہے حق کے لیے باطل سے سدا جنگ رہے
جادہ ہو وفا کا عشق ہو راہ نما دو روز کی زندگی ہے ست سنگ رہے

(88)

اعجاز نہیں حضور رس ہو جانا آوارہ جادہ ہوس ہو جانا
تو بال ہما تو ہے پر اتنا سُن لے آساں ہے بہت پرگس ہو جانا

(89)

رکتے ہیں کہیں ہمتِ کامل والے منجد حار میں سب کود پڑے دل والے
جیسے کوئی زندگی کے دن گنتا ہو لہریں گنتے کھڑے ہیں ساحل والے

(90)

زردار تکلف کے سوا کیا جانیں مزدور کی زیت کا مزا کیا جانیں
کھانا پینا نظامِ اوقات پہ ہے جو پیٹ بھرے ہیں اشتہا کیا جانیں

(91)

نادان ہے جو مفلسی کا غم کھاتا ہے سُن میرا مشاہدہ جو فرماتا ہے
دولت آتی ہے جب کسی کے گھر میں شیطان آتا ہے اور خدا جاتا ہے

(92)

اب اور ہی نقشا نظر آتا ہے مجھے کچھ رنگ بدلتا نظر آتا ہے مجھے
نزدیک ہو یا دور ہو طوفان کوئی بڑھتا ہوا سایا نظر آتا ہے مجھے

(93)

ہنگامہ بیدار دلی چھوڑ گئے آوازہ درد پروری چھوڑ گئے
دل والوں پہ کچھ اہل کا قابو نہ چلا مرنے کو چلے تو زندگی چھوڑ گئے



بشر وہ کیا ہے اگر چاند تک پہنچ نہ سکے
یہ دور وہ ہے کہیں سے جواب تک نہ ملا
کے گلہ ہے حریفوں کی مسکراہٹ کا
خدا ہی خیر کرے بے ضرر جہالت کا
کے نصیب ہے مقتل کا آئینہ خانہ
زبے سلیقہ فطرت جہاں بھی آئی ہے
ہماری فکر کا انداز دیکھ کر اے جہنم

زمیں پہ جس کے لیے چاندنی اتر آئی
ہر ایک در پہ محبت سلام کر آئی
ہمیں تو خود بھی ہنسی اپنے حال پر آئی
بشر کے علم کی تلوار باڑھ پر آئی
وہ بچپلوں کی جوانی تھی بن سنور آئی
نوید امن بہ تقریب شور و شر آئی
فلک سے کیا یہ غزل کی زمیں اتر آئی

(97)

بیٹھے ہو کب سے منہ کو موڑے
سوئے ہوئے سے جاگے ہوئے ہیں
کون بلا تھی آس نہ ٹوٹی
آپ کی کرپا بھی ہے نرالی
پریم کا بندھن ٹوٹے کیوں کر
دل کو نہ سمجھو مفت کا سودا
جہنم یہ اچھی پریم کتھا ہے

نام بڑا اور درشن تھوڑے
کون جگائے کون جھنجھوڑے
اس کی گلی میں پاؤں بھی توڑے
دل ہیں کہ جیسے پکے پھوڑے
جان چڑھالیں ہاتھ تو چھوڑے
کس نے اپنے ہاتھ مروڑے
دل کے پھپھولے اور نہ پھوڑے

(98)

اسی کے دم قدم سے ہے یہ شانِ رہبری اپنی
مری نظروں میں کتنے حادثے آئے تبسم کے
بدلنا ہی پڑا ہم کو بساطِ دہر کا نقشہ
زبے قسمت اسی کے ہاتھ سے مارے گئے آخر
کبھی ترمیم کر لیتے ہیں احکامِ شریعت میں
ادھر بھی دیکھ لینا اک نظر دورِ سحر والو
سہارا جہنم جس کو ہم نہ دیں وہ زور و طاقت کیا

کہاں گم ہوگئی وہ شانِ زندگی اپنی
بچائی اور سمیٹی چاند نے جب چاندنی اپنی
یہ سمجھے تھے بدل جائے گی حالت آپ ہی اپنی
چھپا رکھی تھی جس نے دوستی میں دشمنی اپنی
ابھی حدِ نا خدائی ہے خدا کی بندگی اپنی
چراغِ صبح لے کر جا رہا ہے روشنی اپنی
وہ مجلس کیا ہے جس مجلس میں رہ جائے کی اپنی

99

بہت بڑھ چلی زندگانی ہماری
 محبت نے روکا وفا نے سنبھالا
 نہ سمجھے وہ دردِ محبت ہمارا
 دو عالم تصدق ترے چشمِ غم پر
 محبت میں روتے ہیں اور جی رہے ہیں
 یہ چتون مبارک یہ تیور سلامت
 حکومت ہے جن کی یہ نجم ان سے کہہ دو
 کہاں رہ گئی تو جوانی ہماری
 فرشتوں نے کی پاسبانی ہماری
 ہمیں تک رہی مہربانی ہماری
 سنی ہے کسی سے کہانی ہماری
 یہ دل اور یہ سخت جانی ہماری
 اسی روپ میں تھی جوانی ہماری
 کبھی تھی یہ دنیائے فانی ہماری

100

نہ جسے نظر نے دیکھا نہ جسے خرد نے جانا
 مجھے اس روش سے دنیا کی بڑا سکون ملا ہے
 میں ہزار ظلم سہہ کر بھی وفا کا درس دوں گا
 جو زمانہ کی روش پر ابھی ناز کر رہے ہیں
 انھیں اپنے دل سے بڑھ کر مرے دل کی قدر ہوتی
 میں گزرتو کر رہا ہوں ابھی درگزر سے لیکن
 مری زندگی سے اب بھی ترافصلہ بہت ہے
 یہ بہت بلند منزل ہے میرے شعورِ غم کی
 مجھے آرزوئے نغمہ نہ غمِ تلاشِ مطرب
 دل اہل معرفت کو ہے سخنِ عزیز میرا
 یہ جلال و جبر دیکھو اسے مان لے زمانا
 مرے غم کو غم نہ سمجھا مرے دل کو دل نہ جانا
 مرے عشق پر ہے واجب تمہیں آدمی بنانا
 وہ پلٹ کے دیکھتے ہیں تو بدل گیا زمانا
 کبھی زندگی میں ہوتا جو نصیب چوٹ کھانا
 مرا ہاتھ ہوگا کاری جو پڑے گا ہاتھ اٹھانا
 مرے دل تک آنے والے مرے دردِ دل تک آنا
 کبھی مسکرا کے رونا بھی رو کے مسکراتا
 مرے عشقِ معتبر کا ہے نفسِ نفسِ ترانا
 مجھے مسندِ صدارت پہ جگہ نہ دے زمانا

101

کہوں گا کچھ نہ قلبِ ناتواں کی
 کہاں کی رہ گزر منزل کہاں کی
 چن کی آبرو محفوظ رہتی
 یہ منزل ہے فریبِ دوستاں کی
 چھٹی جاتی ہیں نبضیں کارواں کی
 لٹا دیتے جو دولتِ آشیان کی

ابھی ربطِ جبین و آستاں کیا
 انھیں آیا نہ طرزِ بندگی بھی
 گزرتی ہے یہ جس پر اس سے پوچھو
 زباں دانِ محبت ہی نہیں تم
 فقیر رہ گزر کا پوچھنا کیا
 مکاں میری نظر میں کیا سائے
 یہ سجدہ بھی کڑی ہے درمیاں کی
 خدائی اور خداوندی کہاں کی
 قیامت ہے خموشی نکتہ داں کی
 تمہیں کیا قدر ہو اردو زباں کی
 زمیں زیرِ قدم ہے کل جہاں کی
 میں وسعت دیکھتا ہوں لامکاں کی

102

زمیں بوئے خوں سے مہکتی رہی
 زبانوں سے اغماض کرتے رہے
 بہت کام انسان نے بے جا کیے
 قوانینِ فطرت نہ بدلے گئے
 بہت حکمتوں سے سنوارا مگر
 صداقت کی آنکھیں بھی جھپکی نہیں
 قدمِ جادۂ زہد ہی پر رہے
 وہ فکرِ سخن کا نشین گیا
 مسیحا نفس بن گیا آدمی
 مرے منہ سے جھڑتے رہے پھولِ جہم
 ستاروں کی چھاتی دھڑکتی رہی
 نگاہوں میں دنیا کھلتی رہی
 بہت عقلِ انساں جھپکتی رہی
 خرد زور کر کر کے تھکتی رہی
 نگاہوں سے وحشت ٹپکتی رہی
 سیاست کی بجلی چمکتی رہی
 نظرِ دشمنوں کی بہکتی رہی
 کہ بائیل نہ تھی اور چپکتی رہی
 مگر آدمیت سسکتی رہی
 زباں شاخ گل سی لچکتی رہی

103

زخمِ دل زخمِ زباں سب سہہ گئے
 آپ کی دریا دلی بھی دیکھ لی
 دے رہے تھے بے عمل درسِ عمل
 بے زبانی بھی زباں بن کر رہی
 حرفِ حق برداشت کے قابل نہ تھا
 وقت کے مارے ہوئے چپ رہ گئے
 کتنے دریا آنسوؤں میں بہہ گئے
 ہم بھی سب سن کر سمجھ کر رہ گئے
 کچھ نہ کہنا تھا مگر کچھ کہہ گئے
 کتنی چوٹیں تھیں جو ناحق سہہ گئے

غفلت امروز کے سیلاب میں کل کے سارے کارنامے بہہ گئے
جہم ہم نکلے جو ارض تاج سے خسرو بے تاج ہو کر رہ گئے

104

خوب بیٹھے ہیں بہم سجھے ہوئے ہم کو تم اور تم کو ہم سجھے ہوئے
ناسمجھ بھی ہیں یہ غم سجھے ہوئے امتیاز بیش و کم سجھے ہوئے
دیر تک وہ بیٹھ کر سمجھا گئے دیر سے بیٹھے ہیں ہم سجھے ہوئے
جادۂ خیر البشر سے دور ہیں مسلک خیر الامم سجھے ہوئے
اللہ آدمی کی بے بسی جی رہا ہے غم کو غم سجھے ہوئے
وہ براہ فخر ہیں اہل دول کیا تجارت کو کرم سجھے ہوئے
وہ زیادہ سے زیادہ ہوں اگر جن کو تم ہو کم سے کم سجھے ہوئے
جہم کتنے ہوں گے عرقی کی طرح نشتر لا و نعم سجھے ہوئے

105

گھر میں خزاں کا دور چمن میں بہار ہے اب اے دل غیور تجھے اختیار ہے
میرے لہو سے میرا چمن لالہ زار ہے کیا اس سے بڑھ کے اور دلیل بہار ہے
ہم اعتبار وقت کی حد سے گزر چکے اب وہ ہیں ان کا وقت ہے اور اعتبار ہے
یارب حسین پھولوں کی غنچوں کی خیر ہو سنتے ہیں باغیاں کو غرور بہار ہے
یہ سوچتے ہیں عیش جنہیں راس آگیا باقی خدا کے بندوں کو غم ساز گار ہے
میں فرش میکدہ پہ بھی ہوں مثل بوئے گل واعظ غریب مند و متبر پہ مار ہے
کچھ کر لیا اسی نے جو یہ سوچ کر اٹھا میری ہے جیت سارے زمانے کی ہار ہے
کچھ دل پہ جبر کرنے کی نادت بھی ڈال لیں کل ہو نہ ہو جو آج انھیں اختیار ہے
درکار شت و شو میں ہو کتنا لہو ابھی کیا جانے ان کے دل میں کہاں تک غبار ہے

106

وقت کی پرستش کیا آدمی کا مذہب کیا ملت مہذب کیا قوم نا مہذب کیا

موت کے سوا اب ہے زندگی کا مطلب کیا
 نظم اگر ہے عالم کا بے شعور ہاتھوں میں
 کچھ نضا بدلنے دو بے بسی کو نلنے دو
 اپنی زندگی کو جو زندگی سمجھتے ہیں
 ہیں بڑے بڑے دعوے اب تو مہربانی کے
 اور بھی کوئی مذہب ہے سوا محبت کے
 کچھ مری خموشی سے فائدہ اٹھا لیجئے
 جان بھی نہیں اپنی اور کون اپنا ہو
 اک نگاہ میں آخر کیسی عذر خواہی تھی
 جہم سوچتا ہوں میں کچھ مجھے سکوں دے گی
 یوں تو سو بہانے ہیں جہم کچھ نہ کرنے کے

دل ٹٹولنے والے دل میں رہ گیا اب کیا
 فطرت منظم کیوں جلوہ مرتب کیا
 یاد آنے جائیں گے پھر گناہ کے ڈھب کیا
 وہ غریب سمجھیں گے زندگی کا مطلب کیا
 جی گئے تو دیکھیں گے مر گئے تو مطلب کیا
 میرا ہے یہی مذہب پوچھتے ہو مذہب کیا
 آپ کو بھی آتے ہیں بات چیت کے ڈھب کیا
 میرے پاس ہے اب کیا میرے پاس تھا جب کیا
 دل میں تھے گلے کتنے ختم ہو گئے سب کیا
 چاندنی کی بارش میں یہ دھلی ہوئی شب کیا
 قصد ہے تو کر ڈالوں آج کل اور اب تب کیا

107

تبسم ہو کہ آنسو چشم تر میں
 جہاں وسعت ہوئی فکر و نظر میں
 محبت کے جہاں معبد بنے ہیں
 غرور کارواں سے کوئی کہہ دے
 خبر کیا خانہ بربادوں کی تم کو
 شب غم رنگ لائی جاتے جاتے
 جفا ہو اپنی حد پر یا وفا ہو
 اہل آنے سے پہلے کچھ نہ سمجھے

ہم ہی ہم ہیں زمانے کی نظر میں
 ہمارے کچھ اور آنسو چشم تر میں
 ہمارا خون ہے دیوار و در میں
 بہت مارے پڑے ہیں رہ گزر میں
 خدائی ہے خداوندی ہے گھر میں
 لگادی آگ دامنِ سحر میں
 بہت کم ہے محبت کی نظر میں
 بہت کچھ تھا حیاتِ مختصر میں

108

زورِ سخن سے اک جہاں روز بنا دیا
 پاؤں تلے سے ناگہاں کیسی زمیں نکل گئی

میں نے ہی خود ہزار بار اپنا غرور ڈھا دیا
 کس کو مارا ہے تھے تم کس نے تمہیں مٹا دیا

ان کے چراغ مہر و مہمہ میرے بغیر کچھ نہیں
شانہ بلا زمیں ملی کانپ گئے دماغ و دل
نظم حیات ہے یونہیں سلسلہ حیات میں
سختی راہ ایک تھی میرے تمہارے واسطے
جسم خدا سے آج تک راست معاملت نہیں
رواق آب و رنگ ہے میری نگاہ کا دیا
عمر ستم دراز ہو آج مجھے جگا دیا
مجھ کو کسی سے کیا ملا میں نے کسی کو کیا دیا
جس کا تھا دل بڑھا ہوا اس نے قدم بڑھا دیا
بندہ در اسی کا ہوں جس نے مجھے جگا دیا

109

عشق تھا حسن کار ساز ان کا
بے نیازی سے یوں بھلا بیٹھے
نالہ نالہ جنوں دل میرا
کیا تصور بھی ان کے بس کا نہیں
آپ بنتی نہیں حقیقت بھی
چپ ہوں لیکن یہ خامشی کب تک
عشق اس دن سے کفر کہلایا
دل بہت اہل دل کے توڑے ہیں
جسم ہر شعر میں ترنم ہے
آج کہہ دیں گے ان سے راز ان کا
جیسے تم تھے جواب ناز ان کا
نغمہ نغمہ سکون ساز ان کا
آئینہ لا شب دراز ان کا
مرحبا فتنہ مجاز ان کا
ہر کلی تھی چمن میں راز ان کا
جب سے میں ہوں شریک ناز ان کا
کیا فسانہ ہے جاگداز ان کا
آج شاعر ہے نے نواز ان کا

110

راہ وفا کے راہی کچھ ہم سفر بنالے
میں تو یہ چاہتا ہوں اپنا اسے بنالوں
جادے کی جستجو کیا کیسی تلاش رہبر
دنیا بنا کے لے گا کیا دور زندگی میں
یہ زشت و خوب دونوں مجبور زندگی ہیں
دنیا کے معرکوں میں فاتح رہے گا اکثر
کچھ آسماں سے بھی ہے اونچا میرا تخیل
مشکل یہ مرحلہ ہے آسماں مگر بنالے
یوں ہی سہی وہ مجھ کو اپنا اگر بنالے
منزل کر اک معین اک رہ گزر بنالے
میں دل بنا رہا ہوں تو دل میں گھر بنالے
تو اپنی ہر نظر کو لطیف نظر بنالے
ذہنی لطافتوں کو تیغ و سپر بنالے
تو زیر آسماں کچھ دیوار و در بنالے

جملے مسرتوں کے چاروں طرف سے ہوں گے
 کب تک رہیں گے آخر شام و سحر کے شکوے
 ہر عیب سے ہے مشکل دامن بچا کے چلنا
 پھر دو جہاں بھی تیرے کون و مکاں بھی تیرے
 تن میں بھی چاہتا ہے من کا اگر اجالا
 اتنا تو زندگی پر ہے اختیار تجھ کو
 اے جہم ہر جگہ کچھ درکار ہے سلیقہ
 اے غم نواز غم کو پائیدہ تر بنالے
 تو جیسے چاہتا ہے شام و سحر بنالے
 جس عیب کی ہوس ہو اس کو ہنر بنالے
 اپنی نظر کو بالکل اپنی نظر بنالے
 داغوں کو اپنے دل کے شمس و قمر بنالے
 آسان تر بنالے دشوار تر بنالے
 زنداں میں بھی ہو کچھ دن رہنا تو گھر بنالے

111

بُرے بھلے میں کوئی خاک امتیاز کرے
 نہ اقتدار دو روزہ پہ کوئی ناز کرے
 خدا جو احمر مصیبت سے سرفراز کرے
 کھڑا ہوں آئینہ خانہ میں ہاتھ پھیلائے
 ہر انقلاب کا ساتھی ہر اقتدار کا دوست
 جو سوچتا ہوں وہ دنیا سے کہہ نہیں سکتا
 کہیں نہ دل کی طہارت میں فرق آجائے
 وہ زور ہے کہ پنپتی نہیں حقیقت بھی
 خدا کے بندوں کا بندہ ہے جو خدا کا نہیں
 جو ایک آنچ محبت کو سہم نہیں سکتا
 کسی میں جان ہے جو ٹوک دے مشیت کو
 سکون دل سے تمنا ہے ایک سجدہ کی
 اٹھوں گا اپنے ہی بل پر اگر اٹھا زندہ
 کسی کو جہم خوشی ہو تمہارے غم سے اگر
 وہ پیرمیں ہوں جو یوسف کو کھوکھو کے ناز کرے
 کسے خبر ہے وہ کل کس کو سرفراز کرے
 غریب عشق نہ کیوں درد دل پہ ناز کرے
 جہاں میں کیا کوئی دست طلب دراز کرے
 تغیرات کا غم کیوں زمانہ ناز کرے
 خدا کسی کو نہ یوں مبتلائے راز کرے
 نظر نہ جانب گل کوئی پاکباز کرے
 بجا ہے ناز اگر فتنہ مجاز کرے
 بہت غرور نہ پروردہ نیاز کرے
 وہ کیوں زبان سے تفسیر سوز و سہا کرے
 کرم اگر غم عصیاں پہ غم نواز کرے
 خدا نصیب اگر فرصت نماز کرے
 نہ میرے حال پہ احسان چارہ ساز کرے
 دعا کرو کہ خدا عمر غم دراز کرے

112

کیوں اے فضائے درد کہیں دل نہیں رہا
دل مرکبِ جمال کے قابل نہیں رہا
سجدہ بھی اب تو ان کے مرے درمیاں نہیں
میں نے عمل کی راہ میں ناکامیاں کیں
ہر سر پہ ایک تاجِ رعونت ہے جلوہ گر
پہنچا رو طلب میں وہ منزل پہ بے تکاں
کیا مسکرا کے موت کی دیتے ہو تم خبر
وہ کاروانِ عشق سے کس دن الگ رہے
ماگی ہے ان سے موت نہ ماگی تھی زندگی
آسانیوں کے دور کا حاصل نہ پوچھئے
میں نے لیا ہے قوت بازو سے اپنا حق
گمراہ بھی ہوں جہم تو ہوں معرفت کے ساتھ

113

موت کی آغوش میں بھی زیست کا دم خم رہے
حسن کی عظمت اسی میں ہے کہ عہدِ غم رہے
زندگی یہ ہے کہ میرے بعد میرا غم رہے
کیا خبر کتنے ابھی آئیں گے ایسے آج کل
تیز گامی پر نہ جا اے رہنمائے کارواں
نقشِ آب و گل کی ایسی خود سری اچھی نہیں
میرے غم پر اس کا طرِ اس کا تبسم سب درست
زندگی کی راہ میں کتنا جھومِ شوق تھا
کیا ستم ہے آدمی راضی ہو اس تقدیر پر

کروٹوں پر کروٹیں لے دم میں جب تک دم رہے
ناقیامت کشنگانِ عشق کا ماتم رہے
رہتی دنیا تک دل بیدار و چشمِ غم رہے
آج تم ہی تم سہی کل تک تو ہم ہی ہم رہے
ایسے کتنے کارواں آگے بڑھے اور تھم رہے
سرکشِ نافہم گردن میں ذرا سا خم رہے
جھوٹ ہی کہدے کوئی ہم غم سے ماحرم رہے
پاشستہ چل پڑے ہمت شکستہ تھم رہے
دولت دنیا زیادہ آدمیت کم رہے

دیکھیے کب تک نظامِ غافیت برہم رہے
شمعِ دانش گل چراغِ زندگی مدہم رہے
واہ کیا ادھ بیچ میں اربابِ ہمت تھم رہے
جو زیادہ سے زیادہ تھے وہ کم سے کم رہے
دامنِ دولت پہ جو قطرے لبو کے جم رہے
جس کسی محفل میں پہنچے تجم ہم ہی ہم رہے

114

ضدِ پہ آجاؤں تو دل سے دل بنا سکتا ہوں میں
یہ نہ کہیے تجھ کو محفل سے اٹھا سکتا ہوں میں
آدمی ہوں کفر پر ایمان لا سکتا ہوں میں
جب نمازِ عشقِ مقل میں پڑھا سکتا ہوں میں
شیع کی زحمت نہ کیجئے دل جلا سکتا ہوں میں
موت کے احساس میں بھی مسکرا سکتا ہوں میں
جس کی منزل ڈھونڈ سکتا ہوں نہ پاسکتا ہوں میں
تجم ہر بزمِ سخن میں جگمگا سکتا ہوں میں

115

کن کمزور سینوں میں بھی شاید دل دھڑکتے ہیں
گلے میں لفظِ اظہارِ حقیقت کے اکتاتے ہیں
وہ مے نوشوں میں ہیں کم ظرف جو پی کر بکتے ہیں
کہ آج اتنی بڑی دنیا کی نظروں میں کھٹکتے ہیں
مرا صبر و تحمل دیکھتے ہیں اور بھڑکتے ہیں
کے معلوم کن سینوں میں انگارے دہکتے ہیں
جہاں ہم خاکسارانِ ازل دامن جھٹکتے ہیں

ذہنِ انسانی ہے رقصاں منزلِ ایجاد میں
مجھ سے یہ بھی چاہتا ہے عہدِ روشن آپ کا
رہروؤں کو امتیازِ جادہ و منزل نہیں
ہم نے دیکھے ہیں یہ منظرِ زندگی کی دوڑ میں
وہ ہمیشہ لے کے ابھرے اک پیامِ انقلاب
سوتے سوتے جاگ اٹھی کیفیتِ شعر و سخن

بے حسوں کو درد کی منزل میں لا سکتا ہوں میں
میں یہ کہتا ہوں کہ محفل میرے ساتھ اٹھ جائے گی
لاکھوں پروانے ہیں دنیا میں چراغِ دیر کے
مجھ کو واعظِ رشکِ مسجد کی امامت پر ہو کیا؟
غم کی یہ تاریک راتیں اور تسلی کا پیام
زیست کے احساس میں ہے مسکراہٹ آپ کی
اس کو اپنے خانہ دل میں بلالوں تو سہی
روشنی یکساں ہے میری عرش ہو یا فرش ہو

غریبوں کی جسارت پر وہ منہ حیرت سے تکتے ہیں
کریں کیا بندگانِ وقت حق کہتے جھجکتے ہیں
مزا ہے بے پے کہنے کا حق سوباتِ ناحق ہو
نظر والو حقیر و ناتواں ہم ہیں مگر ایسے
مخالف بھی مزے لیتے ہیں کیا کیا میری ہمت کے
بظاہر حاصلِ محفل تبسم ہی تبسم ہے
فرشتے گرد بھی ان منزلوں کی پا نہیں سکتے

بہت کم ہیں محبت کی روش کے جاننے والے
 سراپا جرم ہو کر بھی میں بندہ ہوں وہ خالق ہے
 ستم ہے جہم اپنے غم کو طشت ازبام کر دینا
 جو سر کے بل نہیں چلتے انہیں کے پاؤں ٹھکتے ہیں
 کہیں اس طرح کے مضبوط رشتے ٹوٹ سکتے ہیں
 ہم اپنا درد دل کہتے نہیں ہیں یہ کر تو سکتے ہیں

116

نہ گدائی مجھے دے اور نہ سلطانی دے
 کن کی آواز پہ کیا جلد لیا میں نے وجود
 ہم سے دیوانوں کو جتنی ہیں ادائیں ایسی
 عشق کی فطرت فیاض سے کچھ دور نہیں
 دست و بازو ستم مرد ہوئے جاتے ہیں
 دینے والے تو خدائی مجھے دے سکتا ہے
 فتنہ گر اک نگہ ناز کی قربانی دے
 اور کچھ دے کہ نہ دے دادِ سخن دانی دے
 یوں ترا شوق جسے چاک گریبانی دے
 مجھ کو غم تم کو مرے غم کی پریشانی دے
 کوئی مظلوم ترس کھا کے گرانجانی دے
 اک ذرا بڑھ کے محبت کی جہانبانی دے

117

شکستہ ہوش نہیں ہوں شکست پاؤں کیا
 نظر خود ان کی ہے بچی نظر ملاؤں کیا
 جی ہے دیر سے پندار حسن کی محفل
 یہ سن رہا ہوں کہ آفاق میں تمہیں تم ہو
 یہ ناز حسن مری عاشقی کے دم سے تھے
 زبانِ شوق کھلی ہے مزاجِ دوست بحال
 سوائے غم نہ دیا کچھ تمہارے جلوے نے
 مرا صحیفہ اعمال دیکھنے والے
 گذاردوں شبِ غم ایک ہی تبسم میں
 بجانِ عشق نئی زندگی کی فکر میں ہوں
 اہل پہ ناز ہے کہیے اہل تک آؤں کیا
 فریب حسن سلامت میں دل دکھاؤں کیا
 غرورِ عشق کا قصہ کوئی سناؤں کیا
 میں اپنی مسمیٰ بیجا کو بھول جاؤں کیا
 تمہارے دل میں ہوں بولوزبان تک آؤں کیا
 کسی حسین تمنا کے گیت گاؤں کیا
 یہ سوچتا ہوں تکلف سے مسکراؤں کیا
 ترے حضور میں ذوقِ گناہ لاؤں کیا
 سحر کے رخ پہ ستارہ سا جگمگاؤں کیا
 تری نظر کی بگاڑی ہوئی بناؤں کیا

118

عشق کو حسن بنانے کو چلے
 لے تری راہ پہ آنے کو چلے

کارواں آپ ہی منزل تو نہیں
تم بھی گھر جاؤ کہ وقت آخر ہے
جس جگہ ہوتی ہے دنیا مدہوش
حشر کا نام سن آئے ہیں کہیں
آشیاں بنتے ہیں آتی ہے بہار
قابلِ درد کہاں دل میرا
عمر گزری ہے زمانے کو چلے
ہم بھی اب اپنے ٹھکانے کو چلے
ہم وہاں ہوش میں آنے کو چلے
کچھ مرے دوست ڈرانے کو چلے
اک قفس ہم بھی بنانے کو چلے
کیوں گنہگار بنانے کو چلے

119

ان کی آنکھوں میں کھلتی ہے یہ دولت میری
حسن ہے میرا خدا عشق شریعت میری
موت کہلائی شہادت مرے سر دینے سے
کرچکا وضعِ غم عشق کے اسیں و اصول
ہے جو اک حال میں عالم ترے جلوہ کی قسم
دل کا کیا ذکر ہے دنیا سمٹ آتی لیکن
میں بنانا ہوں حسین دیکھ کے سر دینے کو
نام تو ساتھ نہ جائے گا خدا حافظ ہے
بارہا پھر میں عشق میں دیکھا ہے تجھے

120

درد ہے خیال ان کا زندگی ہے خواب ان کا
گھونٹ خود لہو کے ہم پی کے رہ گئے ورنہ
حسن بے تماشا بھی کیا کوئی تماشا ہے
آج میرے شانوں پر منتشر وہ گیسو ہیں
عشق کا خمار اپنا کلفتِ خمار اپنی
عشق حسنِ فطرت ہوں مجھ سے لہو خواب ان کا
خون دل سے بھر دیتے ساغرِ شراب ان کا
ان کے دیکھنے والے دیکھتے ہیں خواب ان کا
آج خواب ناز ان کا آج نازِ خواب ان کا
حسن کی شراب ان کی نغمہ شراب ان کا

121

میرے ہونٹوں پر تبسم میرے دل میں ہائے ہے
 ہونہ صبح قیامت جانے والے ہم بھی ہیں
 جان لب پر آپکی ہے اب گئی اور اب گئی
 شاید ان کے درد کی سب منزلیں طے ہو گئیں
 اے شہید عشق ہو تیری طرح سب کو نصیب
 آپ دو آنسو بھی اپنے جھم پی سکتے نہیں
 مجھ سے اپنا حال جانے کیسے دیکھا جائے ہے
 بڑھ رہی ہے شام غم دیکھیں کہاں تک جائے ہے
 دیکھئے کب تک ہمارا آنے والا آئے ہے
 دل ہے اب ٹھہرا ہوا سینہ میں دم گھبرائے ہے
 موت کیسی موت جس سے زندگی شرمائے ہے
 پینے والا ڈگڈگا کر زہر بھی پی جائے ہے

122

حریم ناز کا پردہ اٹھا کے چھوڑ دیا
 مجھے نزاکت ہستی پر چھاننے والے نے
 چلے تھے دامن دل تھام کر سنبھل نہ سکے
 بتوں نے کی تھی مری سمت بھی نگاہ کرم
 ہمیں سے جھم امید ثواب کیا کونا
 نظر جو مجھ سے ملی مسکرا کے چھوڑ دیا
 فضائے عشق میں قیدی بنا کے چھوڑ دیا
 تری نگاہ کے مرکز پہ آ کے چھوڑ دیا
 مگر خدا کا گنہگار پا کے چھوڑ دیا
 ہمیں گناہ کی منزل میں لا کے چھوڑ دیا

123

ان کو دیکھا بے خودی سی ہوگئی
 ہم سے پہلے تھا نظام عاشقی
 آہ کی دل نے وہ جلوہ دیکھ کر
 عشق آئینہ تھا ان کے حسن کا
 ہم نے کافر سے ملائی تھی نگاہ
 کس کو سمجھائیں محبت کا اثر
 موت اپنی زندگی سی ہوگئی
 ہم جو آئے برہمی سے ہوگئی
 پھر فضا میں خاموشی سی ہوگئی
 اپنی صورت اجنبی سی ہوگئی
 ہر طرف پھر بے خودی سی ہوگئی
 زندگی میں چاندنی سی ہوگئی

124

کہاں ہے محبت کو کیا ہوگیا
 وہ دھڑکن بھی اب دل کی باقی نہیں
 تقاضائے فطرت کو کیا ہوگیا
 گناہوں کی دولت کو کیا ہوگیا

دھواں دل سے نکلا ہے نغمے کجا
مجھے بت پرستی پہ حیرت ہے خود
وہ محشر میں لیں گے حسابِ کرم
ستم ہے کہ تابِ کرم بھی نہیں
تماشائے تکرار جلوہ ہے کیوں
صلہ ہے محبت کا بارغِ جناں
سبقِ شکر کا جب سے تم دے گئے
لبوں پر اب آہیں مچلنے لگیں

یہ سازِ حقیقت کو کیا ہو گیا
نظر کی لطافت کو کیا ہو گیا
یہ چشمِ عنایت کو کیا ہو گیا
کیلجے کی طاقت کو کیا ہو گیا
اداکارِ قدرت کو کیا ہو گیا
خداوندِ نعمت کو کیا ہو گیا
زبانِ شکایت کو کیا ہو گیا
غرورِ محبت کو کیا ہو گیا

125

دردِ دل حاصلِ نظر پایا
ہم نے دلِ زندگی سے بھر پایا
غم سے کچھ ہو چلی تھی دلچسپی
یہ زمانہ بھی مختصر پایا
ان کے جلوہ کا شور سنتے تھے
ان کے جلوہ کو اک نظر پایا
کوئی حد ہی نہیں ہے منزل کی
ان کی منزل کو رہ گزر پایا
ہائے معصومِ زندگی میری
عمر بھر میں خراب کر پایا

126

ہم دکھائیں گے جو سن آئے ہوا سنوں میں
تم سمجھتے ہو فقط حسن کے ایوانوں میں
اتنے مجرمِ نظر آئیں گے نہ زندانوں میں
شوق کی آگ رُکے گی نہ دبے گی اے دوست
قیمتی عمرِ ابد سے ہے گذر جائے اگر
مدفنوں پر جو شہیدانِ محبت کے ملی
کوئی محروم رہے اب نہیں ساقی کو غرض
کیا منائے گی ہم ایسوں کو زمانہ کی روش

حق کی قوت ہے اگر سوختہ سامانوں میں
زیست اک اور بھی ہے عشق کے میدانوں میں
جتنے آزاد گنہگار ہیں ایوانوں میں
اڑ کے پہنچے گی یہ پروانوں سے پروانوں میں
ایک ساعت بھی محبت کے زباں دانوں میں
مسجدوں میں ہے وہ رونق نہ صنم خانوں میں
جتنی میخانوں میں تھی آگئی پیمانوں میں
نام لکھا ہوا ہے کب سے گراں جانوں میں

بس کسی کا نہ چلا موج ہوا کے آگے
روئے گی چشم تماشا کہ ہنسے گی اے جہم

127

وہ دور چلے گا تا بہ کجائے جس کی سبیل عام نہیں
یہ اور ہے کیا اے دوست اگر انصاف کا قتل عام نہیں
پہلو میں برائے نام ہے دل ب درد کا دل میں نام نہیں
باقی نہ رہے جب ضبط کی حد اک چیخ نکل ہی جاتی ہے
کل ہاتھ میں خالی عام تھا اک ب قبضہ ہے میخانے پر
جس نام کے بل پر جیتے تھے وہ چھین لیا کامی نے
ایسے بھی تو مرنے والے تھے جو آج کے دن تک جیتے رہے
کیا ہم سے چھپائے بیٹھے ہوا نظہار کی ساعت آنے دو
معیار عمل سمجھے ہی نہیں تم دل کی روش کیا سمجھو گے
کچھ خون جگر سے لکھنا ہے مجھ کو ابھی لوح گیتی پر
اے جہم جلال معنی ہے الفاظ کے حسن صورت میں

128

محبت کی وہ آہٹ پا نہ جائے
تری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دی ہیں
کہیں خود بھی بدلتا ہے زمانہ
حقیقی موت یہ ہے زندگی کی
محبت راہ چلتے ٹوکتی ہے
وہاں تک دین کے ساتھی ہزاروں
میں اسید کرم پر جی رہا ہوں
کہاں ہم درد دل لے کر چلے ہیں

اداؤں میں تکلف آ نہ جائے
کریں کیا جب تجھے دیکھا نہ جائے
زبردستی اگر بدلا نہ جائے
ترپ ہو دل میں اور ترپا نہ جائے
کسی دن زد میں تو بھی آ نہ جائے
جہاں تک ہاتھ سے دنیا نہ جائے
یہ دھوکا ہے تو یہ دھوکا نہ جائے
مزاج درد دل پوچھا نہ جائے

جوانی جھم صاحب کی جوانی اڑتی جھومتی پھر آ نہ جائے

129

اب اتنی تو ہمت کیے جائے اہل آئے تک ہی جئے جائے
غریبوں کے گھر بھی چمکتا ہے چاند ادھر بھی اجالا کئے جائے
بہر حال ہے میکدہ میکدہ جب آہی گئے تو پئے جائے
ابھی دل ہے پہلو میں اپنی جگہ نگاہوں کو دھوکے دیئے جائے
کبھی جھم طوفان اٹھانا بھی ہے کہاں تک یہ آنسو پئے جائے

130

ترے نام کو رہنمائی دے رہا ہوں یہ دنیا ترے نام پر دے رہا ہوں
مرا ہم سفر ہے پیامِ محبت ستارے ستارے خبر دے رہا ہوں
زمین تا زمین پاؤں پھیلانے والو میں دشمن کو بھی دل میں گھر دے رہا ہوں
وہ سمجھیں گے کیا لذتیں دردِ دل کی کسے زحمت دردِ سر دے رہا ہوں
کہاں تک نہ روئیں مرے حالِ دل پر میں غم ان کے احساس بھر دے رہا ہوں
مرا سوزِ دل دیکھ لے گا زمانہ گر جتے بدستے شر دے رہا ہوں
محبت کی حد میں جو تم ہو سو ہم ہیں یہ جذبہ نظر در نظر دے رہا ہوں
دلوں کی کشاکش میں میدانِ لوں گا نہ سر لے رہا ہوں نہ سردے رہا ہوں
یہاں جو ہے اپنی خبر جانتا ہے میں اے جھم اپنی خبر دے رہا ہوں

131

کائناتِ غم کو خاطر میں کہاں لاتا ہوں میں پھول سا دل ہے مگر آہن سے ٹکراتا ہوں میں
اب فتابِ چہرہ فطرتِ الٹو اتا ہوں میں سجدہ گاہ فکر میں بڑھتا چلا جاتا ہوں میں
اپنی ہستی سے کبھی وہ منزلت پاتا ہوں میں زندگی کو موت کو دہنوں کو ٹھکراتا ہوں میں
مجھ سے اٹھ سکتا نہیں احسانِ اربابِ کرم پھول بھی چھینکے جو کوئی آگ ہو جاتا ہوں میں
دل کی وسعت اور ہے محفل کی وسعت اور ہے بیٹھ جاتا ہوں جہاں کچھ بھی جگہ پاتا ہوں میں

ذہنِ انسانی پہ قبضہ میری مظلومی کا ہے
 اپنا دل اپنی زباں اپنی نظر اپنا ضمیر
 کل سے کتنے زندگی کے دور بدلے آج تک
 جادۂ شمشیر ہو زنداں ہو یا دار و رکن
 مشغلے اتنے ہیں تیرے یاد رکھنے کے لیے
 کوئی خوش خوش جب نظر آتا ہے قید و بند میں
 جب مرے منہوم کو دنیا سمجھتی ہی نہیں
 کلامِ حق ہوں غرور دوست دشمن کے لیے
 کج روی کی چل نہیں سکتی صداقت کے خلاف
 میری پستی پر نظر کر اپنی ہستی دیکھ کر
 جہم مغرب کی فضا بھی کانپ جاتی ہے کبھی

132

لب پہ کس کس کا نام آتا ہے
 وقت کا جب پیام آتا ہے
 ہر نفس تیز گام آتا ہے
 منزلیں راستے سے ہٹ جائیں
 پھر مبارز طلب ہوا غمِ عشق
 فرش پر ان کے خاکساروں کو
 ذکر اہل کمال پر چپ ہوں
 کل ہی ٹھکرا چکے ہیں ہم جس کو
 ہے کوئی راہ روکنے والا
 دیکھئے کب تری عدالت کا
 موت کی نیند سونے والا ہوں

ایک ہی نام کام آتا ہے
 زندگی میں ہر اک نظام آتا ہے
 کوئی ان کا پیام آتا ہے
 کاروانِ عوام آتا ہے
 دیکھئے کون کام آتا ہے
 عرش سے بھی سلام آتا ہے
 لب پہ اپنا ہی نام آتا ہے
 پھر لبالب وہ جام آتا ہے
 دل سے دل کو پیام آتا ہے
 فیصلہ بے نیام آتا ہے
 وقتِ عیش دوام آتا ہے

مری جانا ہوں جب تکلف سے جینے والوں میں نام آتا ہے
 ہوشیار اے رین صحن چن دانہ آتا ہے دام آتا ہے
 کتنا گہرا ہے کس قدر خالی میرے جسے کا جام آتا ہے
 رخصت اے مسد حیات و نشاط موت کا نام حجام آتا ہے
 جحیم کو دیکھ کر یہ کس نے کہا شاعر تلخ کام آتا ہے

133

کیا سکوں دے گی نئے دور کی روداد مجھے ہے تباہی گل و گلشن کی ابھی یاد مجھے
 پتہ پتہ نظر آنے لگا صیاد مجھے واہ کیا خوب کیا قید سے آزاد مجھے
 راس آئی ہے بہت آپ کی بیداد مجھے اسی منزل میں تو آیا ہے خدا یاد مجھے
 شکر ہے ہوش تو ہے کچھ مجھے بربادی کا تم تو آپے میں نہیں دیکھ کے برباد مجھے
 زندگی غیر کے احسان سے منظور نہیں آج لے لوں جو ملے مرگِ خدا داد مجھے
 درد دل پر یہ ملا ان کی سیاست سے جواب مطمئن کر نہ سکی آپ کی روداد مجھے
 سخت جانی سے ہے میری اسی دنیا کو گلہ اسی دنیا نے کیا موم سے فولاد مجھے
 مشتبہ میرا تبسم مرا گریہ مخدوش یہ وفا کی یہ محبت کی ملی داد مجھے
 اپنی ہمت کے مطابق ہے ہر انسان کی فکر کوئی ناشاد سمجھتا ہے کوئی شاد مجھے
 عرض کرتے ہوئے گزرا ہے زمانہ بے سود دی ہے احساں نے اب ہمت ارشاد مجھے
 خیر گزری نہ کھلی وعظ و نصیحت کو زباں آگئی اپنے گناہوں کی فضا یاد مجھے
 ظلم ہے قوت بازو کے سہارے پہ ادھر ہے ادھر صبر کی توفیق خدا داد مجھے
 ذہنِ عالم پہ شہادت ابھی قبضہ دے گی ذہنِ قائل میں کیا ہے ابھی آباد مجھے
 میں چمن میں بھی رجز پڑھتا ہوا آیا تھا لالہ و گل نے سکھائی ہے یہ فریاد مجھے
 جحیم تقدیر کی گردش سے میں دبنے کا نہیں پست ہمت نہ کرے وقت کی افتاد مجھے

134

اعلانِ غیریت کا اب اُردو زباں سے ہے پوچھے تو کوئی یہ لب و لہجہ کہاں سے ہے

سمجھو نہ یہ مقابلہ اک نیم جاں سے ہے
سامانِ زندگی سے نہ تابِ فواں سے ہے
اک دل ہی میرے پاس متاعِ جہاں سے ہے
سنتا ہوں کچھ خلش انہیں طرزِ بیاں سے ہے
کیا زندگی مراد اسی این و آں سے ہے
کثرتِ سہی گلوں کی چمن بولتا نہیں
طفلی میں بے خرد تھا جوانی میں بے حواس
پستی سے بے نیاز بلندی پہ یہ غرور
شامل تو کارواں ہیں ہوں اب اور کیا کہوں
فطرت کا مقتضا ہے یہ اظہارِ دردِ دل
اب تک ہوا نہ تاملِ ذوقِ بندگی
ان کی خزاں میں دیکھئے کس کی بہار ہو
یہ میرا امتحاں ہے کہ خود اس کا امتحاں
زیرِ قدمِ زمیں سے توقع نہیں یہاں
حیرت سے دیکھتے ہیں خداوندِ ظلم و جور
اے دوست اس فضا میں حقائق سے ہوشیار
دنیا مجھے ضعیف سمجھ کر نہ ہوں دلیر
تخلیقِ کائنات کا عنوان دیکھنا

135

ہونا لفظوں میں ادا عشق کا وہ جوش نہ تھا
کیا اُگے گا کسی بے کسی کی لحد پر سبزہ
جام کیا جام تھا ساقی نے جو بھر کر نہ دیا
کس کی آواز نے اے خوابِ گراں چونکایا
میں ترے حسن کا آئینہ تھا بے ہوش نہ تھا
خاک میں جوش کہاں خون میں وہ جوش نہ تھا
ڈگڈگا کر نہ پیا جس نے وہ سے نوش نہ تھا
درو دیوار بتاتے ہیں مجھے ہوش نہ تھا

شکر ہے تابہ لحد ان کی امانت لایا
تری آواز تو کرتی ہے عدم کو موجود
فطرت حسن ہے اقرار محبت لینا
تری طاعت میں اطاعت کا ہوا حق نہ ادا
پاگئے عشق کے دامن میں حیات جاوید
ہائے کب حضرت اخضر نے غزل کہوائی
حق ہے دنیا جو یہ کہتی ہے سبکدوش نہ تھا
تو بھی خاموش تھا گر میں ہمہ تن کوش نہ تھا
آج خاموش سہی کل تو وہ خاموش نہ تھا
تھا میں ناکام پر احکام فراموش نہ تھا
اہل باطن کے لیے موت کا آغوش نہ تھا
جسم جب فرط الم سے مجھے کچھ ہوش نہ تھا

136

وہ بھی تھا وقت کہ محفل میں تری بار نہ تھا
تادم نزع مجھے یاد یہ اقرار نہ تھا
دل کی تقدیر کہ یہ سلج پہ تیار نہ تھا
شام کے بھولے ہوئے صبح شب غم آئے
سوی گل کس کی پُر از شوق نگاہیں نہ لگیں
کرب تھا موت کا خمیازہ صبح آناز
جی دھڑکتا ہے اسیران چمن ہی سے ہوں
میری کشتی تھی خیالات کے طوفانوں میں
راہ اب دیکھتے کیا شام لحد تھی سر پر
خود کشی سہل تھی پر نفس کشی کام آئی
جسم اک عمر میں احباب پہ یہ راز کھلا
حشر میں تو کوئی کہہ دے کہ گنہگار نہ تھا
موت جب آئی تو سمجھا کہ میں بیمار نہ تھا
غم اک آزار سہی درپے آزار نہ تھا
صبح وہ صبح قیامت تھی کہ بیمار نہ تھا
کون گل گشت چمن کر کے گنہگار نہ تھا
شام انجام کی تصویر تھی بیمار نہ تھا
آج سنتے ہیں قفس رونق دیوار نہ تھا
تری رحمت نہ سنبھالے تو گنہگار نہ تھا
دن ڈھلے تک تو کوئی دل کا خریدار نہ تھا
یعنی میں خون بہا کر بھی گناہ گار نہ تھا
جتنا بدنام تھا میں اتنا گنہگار نہ تھا

137

عشق حسن فطرت ہے دل جو یوں پگھلتا ہے
ہر طرح بہار آئے دل کہیں بہلتا ہے
یہ جو درد الفت سے آتی ہے صدا پیہم
جادۂ حقیقت سے پاؤں آشنا کیا ہوں
اپنی روشنی میں آپ مثل شمع جلتا ہے
جوش گل ارے تو بہ خون سا اُبلتا ہے
موت سے کوئی اپنی زندگی بدلتا ہے
دل کی جب یہ حالت ہے مصلحت پہ ملتا ہے

ایک وجہ تسکین ہے طاعت و اطاعت کیا
 جہنم کے سخن میں اب درد ہے قیامت کا
 حق ادا نہیں ہوتا حوصلہ نکلتا ہے
 پہلے لعل اُگاتا تھا خون اب اگلتا ہے

138

مرنے والا مرتے مرتے سختیاں دیکھا کیا
 عالم تخیل کی بے ربطیاں دیکھا کیا
 میں انہیں آنکھوں سے حسن بے نشاں دیکھا کیا
 کرلیا صیاد کو پابند فکرِ صید نے
 دل کوئی پہلو میں تڑپا تھا کہ میں دیوانہ وار
 کاروانِ رنگ و بوئے گل کی مٹی کی خراب
 سختیاں کرتی گئیں نزدیک مقصد سے مجھے
 وسعتِ ہمت نے رکھا ہر کس و ما کس سے غیر
 ہو گیا وقتِ مناسب نیک و بد پیش نظر
 امتحانِ ذوقِ نظر کا تھا نمونہ عیب و حسن
 ہر قدم پہلا قدم تھا منزلِ تسلیم میں
 وسعتِ دنیا سے باہر تھا مرا ذوقِ نظر
 مجھ کو لے ڈوبا کہاں دنیائے فانی کا شباب
 میرے تابو میں نہ تھی اے جہنم مرگِ ناگہاں

139

یہیں آئے دن رہیں گے جو نساؤ باغباں سے
 میں جہانِ غم میں رہ کر ہوں الگ غم جہاں سے
 وہ ستم نصیب لے گا ترا نام کس زباں سے
 ہے عبث فضول دعویٰ مجھے جسمِ ناتواں پر
 کبھی محو خوابِ طفلی کبھی بے خودی جوانی
 تو قفس میں جا رہوں گا میں نکل کے آشیں سے
 نہ شریکِ کارواں ہوں نہ جدا ہوں کارواں سے
 جو اماں طلب ہوا ہو کبھی دورِ آساں سے
 وہ زمین میں صرف ہوگا جو بچے گا آساں سے
 مری زندگی کی یارب ہوئی ابتدا کہاں سے

مجھے ہر طرف سے یکساں نظر آرہی ہے منزل
مری بے بسی نے دے دی کبھی آہ کی اجازت
یہ بہار باغِ جنت کی ہوس پہ ہے تعجب
وہ شبابِ خواب پیکر پہ جہاں کی بدگمانی
انہیں آج سانس لینا بھی ہوا قفس میں مشکل
یہ نمونے جوشِ گل کے میں چمن سے پوچھتا ہوں
یہ سکونِ دل کا عالم کہ گمان بے دلی پر
یہ تو جہمِ آپ کی ہی ہے وہ دوامِ شعر کوئی

140

رنگ کچھ سے کچھ ہوا نہ رنگِ عالم دیکھ کر
بجھ چلا تھا دل مرا زادِ سفر کم دیکھ کر
گریہ غیر اختیاری ہو کہ اٹک دلو خواہ
نام اُسی کا زندگی ہے گر تو ہوگی موت کیا
یہ بھی تھا تقدیر میں دشمن سے آنکھیں جھک گئیں
جی اٹھی مردہ دلوں کی حسرتِ پامال بھی
رہ گئے وہ بچ میں جی چھوڑ کر اہل ہوس
جہمِ افراطِ محبت نے مجھے گم کر دیا

141

لائی غفلت مجھے دنیا کی ہوا کھانے کو
یاد رکھے گا زمانہ مرے افسانے کو
شوقِ واجب نے کیا عشق میں انجامِ بخیر
منحصر تھا حدِ فانوس پہ جلنا مرنا
فتنہ دہر لحد میں نہیں سونے دیتے
دل بڑھا صحنِ دو عالم سے نکلوانے کو
جی رہا ہوں کسی امید پہ مرجانے کو
لوگ سمجھیں کہ اہل لائی تھی مروانے کو
آتشِ شوق نہ کافی ہوئی پروانے کو
حشر سے پہلے ہی موجود ہیں چونکانے کو

کارنامے کہیں مٹتے ہیں وفا کیشوں کے
جہم ہر سانس ہے ممنون نضائے بنگال
کیوں وہ اٹھے ہیں نشانِ قبر کے مٹونے کو
اور پُر درد بنایا مرے افسانے کو

142

روتے نہ کئے اور تڑپتے نہ بسر ہو
تاجِ نظر خارِ بیاباں گلِ تر ہو
اب حشر ہو فتنہ کوئی بیدار اگر ہو
نیرنگِ طبع ہو کہ نیرنگِ نظر ہو
اب منزلِ مقصود ہو یا راہِ گزر ہو
دم لے مری آنکھوں میں ذرا برقی تجلی
عشق اک نگاہِ لطف میں تھا آپ سے باہر
اے سالکِ بدست مرے دل سے خردار
ہے جوہرِ قابل میں نہاں سہو و خطا بھی
آغوشِ لحد میں بھی نہیں راحتِ کامل

143

وہ حسن سے بے تابو اک عشق میں دیوانہ
اللہ رے تری وسعت اے نعمتِ مستانہ
کچھ حد ہے تجلی کی اے جلوۂ جانا نہ
قسمت نے کیا مجھ کو کیا راز سے افسانہ
اک شعلہ فانی پر مٹ جائے گا پروانہ
بے لطف سے بیٹھے ہیں کچھ دادورسن والے
ترتیبِ عناصر میں فرق آہی گیا اک دن
میں کان لگائے ہوں اک شوق کے عالم میں
یہ جذبہ الفت بھی اک قسم جنوں کا!

دو پیلرِ رخصاں ہیں یا شعلہ و پروانہ
دو حرف میں پنہاں تھا کونین کا افسانہ
معمور ہے آبادی معمور ہے ویرانہ
تھا عظیم الہی میں اک دن مرا کاشانہ
انجام سے غافل ہے آغاز کا دیوانہ
اے عشق وفا پیشہ اک لغزشِ مستانہ
آخر یہ قفس رہتا کب تک مرا کاشانہ
ساکت ہے نضا بالکل خاموش ہے ویرانہ
دنیاۓ تمدن کا ایک فعلِ حکیمانہ

خود حسن چمکتا ہے فطرت کی شعاعوں میں
مظلوم کی آہوں میں بیکس کی نگاہوں میں
یہ حکمت آب و گل یہ فطرت رنگ و بو
باہر ہوں تری حد سے اے فلسفہ دنیا
اس سروخوشی سے اک پھول بھی ہے بہتر
اے جہم میں پُتلا ہوں رنگ اور تلوں کا

اسباب نمائش ہیں کیوں آئینہ و شانہ
اے نفسِ شقی دیکھا قدرت کا ستم خانہ
انداز ملوکانہ سامانِ فقیرانہ
سو راز پہ بھاری ہے اب بھی مرا افسانہ
یہ خندہ بے معنی یہ گریہ مستانہ
کس رنگ میں لکھے گی دنیا مری افسانہ

144

جس کو سوا آسمانیاں تھیں وہ بھی کچھ مشکل میں ہے
جذبہ دردِ محبت کو مسلسل دیکھ کر
ذبح کرتا ہے مجھے روتا ہے میرے حال پر
بندگی کا حق بتاتا ہوں خداوندی کو میں
یاد کر ظالم مرے دل کا تڑپنا یاد کر
سعی حاصل میں بھی اک لذت ہے دودن چار دن
مرحبا ذوقِ اسیری قدرتِ فکر و نظر
یہ دعا مانگی مرے دل میں نہ ہو کچھ انقلاب
دوسری دنیا سے کیوں آئے پیامِ زندگی
جہم یہ خندہ جینی ہر بلائے عشق پر

میں سمجھتا ہوں تمہارا دل بھی میرے دل میں ہے
پوچھتا پھرتا ہوں دنیا کون سی منزل میں ہے
میری فطرت بھی خدا رکھے میرے قاتل میں ہے
ہاتھ پھیلانے کا دھبہ دامنِ سائل میں ہے
حیرتِ جلوہ کا سنا تری محفل میں ہے
پوچھئے ہم سے مزا جو سعیِ لا حاصل میں ہے
دبے بائیں جس کو دیکھا تیرا آب و گل میں ہے
انقلابِ دہرِ شمالِ انقلابِ دل میں ہے
روح اپنی کوششیں آزادیِ کامل میں ہے
کس تبسم کا خزانہ میرے لب و گل میں ہے

145

ان کا سکوں تباہ کئے جا رہا ہوں میں
دنیا بھی آرہی مرے بعد راہ پر
بندوں سے بے تکان ملاتا ہوا نگاہ
کتی ہے کفرِ عشق کی نازش نہ پوچھئے

اپنی طرف نگاہ کئے جا رہا ہوں میں
دنیا کو گردِ راہ کئے جا رہا ہوں میں
اللہ کے گناہ کئے جا رہا ہوں میں
اسلام کو گواہ کئے جا رہا ہوں میں

146

وہ جلوہ گر نہیں تو نگاہوں میں کیا رہے
وہ دن بھی تھے کہ آپ مرے ہم نواز ہے
خود باغباں نے ضد میں اُجاڑے ہیں آشیاں
ہم رند ہیں مجالِ تقرب کہاں ہمیں
ذوقِ طلب یہ ہے جو حضوری نہ ہو نصیب
اے دوست یہ شعورِ محبت کا فرض ہے
دنیا میں اہل شر نے جو روکی عمل کی راہ
سوچے گی جہنمِ فطرت انساں ہمارے بعد

147

شراب و شعرو نغمہ کے اثر کی یاد آتی ہے
وہ جلوہ اب کہاں اس جلوہ گر کی یاد آتی ہے
تری محفل میں اربابِ سخن کی نغمہ کاری ہے
عدو کیا لطف اٹھائیں گے مری آشفتمہ حالی سے
وطن میں ناروا ہے فتنہ و شر کا تصور بھی
زباں پر آ کے جس نے دو دلوں میں تفرق ڈالا
بڑھے جاتے ہیں حد سے محفلِ عشرت کے ہنگامے
ترپ جاتا ہوں اس نیرنگیِ تنظیمِ فطرت پر
خبر کیا تھی کہ ہوگا یوں کبھی احساسِ تنہائی
تصور بھی چمن کا زہر ہوتا ہے نگاہوں کو

148

بہت ہیں یوں تو پروانے حرم کی شمع سے پوچھو
سکونِ دل کے دو پہلو ہیں اور دونوں معطل ہیں
ابھی کس کس کے سینے میں چراغِ دیر چلتا ہے
نہ میرا زور چلتا ہے نہ ان کا زور چلتا ہے

زمانے سے شکایت کیا موافق ہو مخالف ہو
سکوں سے دو گھڑی رہنا نہیں اس کے مقدر میں
نہ رونا آئے کیوں کر حال نا کام محبت پر
یہ وہ منزل ہے جس میں حسن کا بھی بس نہیں چلتا

149

در ساقی کھلے اک سجدہ مستانہ ہو جائے
نگاہیں میری ان کی لڑکیں ہیں خیر ہو یا رب
محبت جبر کرتی ہے نہ حسن اصرار کرتا ہے
ہجوم نا امیدی بڑھ چلا ہے چیخ اٹھوں گا
اجازت ہو تو میں دنیا میں کوڑ کی بنا ڈالوں
کمی ہے حسن منزل میں مرے نور محبت کی
کوئی پوچھے تمہاری بے نیازی چاہتی کیا ہے
جناب شیخ مسجد کی ذرا مشکل ہے آبادی
غزل ہو چم میری اور زباں اس نغمہ پرور کی

150

حسن ہے ان کا ایک قیامت راز قیامت کیا کہیے
اب نہ تھیں گے آنکھ سے آنسو چھیننے والے چھیل گئے
آنکھ ملانا کھیل نہیں ہے نام محبت کیا لیجے

151

امر حق میں خاموشی حوصلہ کی پستی ہے
جس کے گوشے گوشے سے زندگی برستی ہے
پستی ہو یا رفعت ہو دنیا ہو یا جنت ہو
آب و گل کے عنصر میں یہ تضادِ فطرت ہے

اب خدا پرستی کیا مصلحت پرستی ہے
ایک جنس مہنگی ہے ایک جنس سستی ہے
آدمی کی رفق ہے آدمی کی ہستی ہے
عندلیب نالہ کش گل خموش ہستی ہے

152

میرا وہ غم رہا نہ وہ ان کی خوشی رہی
دیکھا کئے بہت مجھے ترچھی نگاہ سے
جب لے کے دردِ عشق ہم آئے تو دن پھرے
اپنا خیال آتے ہی اک حشر آگیا
دل میں تو ہے وہ شلبدِ مقصود جلوہ گر
سر کر لیا تھا ہم نے محبت کا معرکہ
دیکھا تو آج ہے وہی غم رہنمائے دل
فتنے اٹھے بہت ہمیں جنبش نہ دے سکے
مجھی رہی نہ خواہیں بخرو نیاز کی

دونوں کے دل بدل گئے دنیا وہی رہی
کچھ روز دوستی کے لیے دشمنی رہی
برسوں یہ کائنات معطل پڑی رہی
جب تک ترا خیال رہا خامشی رہی
آنکھیں بھی دیکھ لیں گی اگر زندگی رہی
اللہ جانتا ہے تمہاری کمی رہی
سنتا ہوں مدقوں مرے غم پر ہنسی رہی
بیٹھے رہے نموش قیامت کھڑی رہی
ہم زد پہ تھے مگر یہ بلا دور ہی رہی

153

کون خدا خدا کرے وقت کا مقتضا نہیں
سب کوگماں ہے وہ نظرِ دادِ طلب ہمیں سے ہے
ان کی بساطِ عیش پر میرے لیے جگہ نہ تھی
آئینہ خیال پر پھر کوئی ابر غم اٹھا
ان کو سکون کیوں نہ ہو مجھ کو جنوں کیوں نہ ہو
میرے لیے یہ فیضِ عشق سارا جہاں نموش ہے
شمعِ جمال تو بھی کیا طور کے ساتھ بجھ گئی
داغِ وفا تو رہ گئے دامنِ کائنات پر
تو ہی خدائے دل سہی کیسے کہوں کہ دل میں آ

وقت پڑے تو پوچھنا کوئی خدا ہے یا نہیں
روئے سخن ہے ہر طرف یہ کوئی دیکھتا نہیں
کوئی یہ ان سے پوچھتا دل میں جگہ ہے یا نہیں
رات ابھی سے ہوگئی دن تو ابھی ڈھلا نہیں
ان کی جفا جفا تو ہے مری وفا وفا نہیں
دل کی زبان کل گئی اب کوئی بولتا نہیں
اب کبھی شوقِ دید میں آگ لگے گی یا نہیں
یوں نہ منا سکو گے تم جیسے کبھی میں تھا نہیں
دل میں سوائے غم ہے کیا غم ترے کام کا نہیں

154

اُس نظر کی چوٹ کھا کر رہ گئے
واہ کیا مرنے چلے تھے بے اہل

ہم ہی تھے جو مسکرا کر رہ گئے
زندگی سے ہاتھ اٹھا کر رہ گئے

جانے والے ان کی منزل کے بہت
ان کی سچ دھج کا نہ نکلا ایک بھی
ہم کہاں تکلیف خود بنی کہاں
کیا قیامت ہے تمھاری سادگی
پاک بازان ازل پر رحمتیں
ہم ہی اچھے دل کی دل میں رہ گئی
آستاں نزدیک تھا ہم دور تھے
خاک کے پتلوں پر ہنستی ہے زمیں
بڑھ چلے تھے دل کی منزل سے مگر

155

دشمنی سہی لیکن دوست بن کے مارا ہے
زیست کو بنایا ہے موت کو سنوارا ہے
ہے یہی ہمیشہ سے لین دین دنیا کا
سب ہی مرد میدان ہیں رزم گاہ عالم میں
تم براہ آزادی سانس لے نہیں سکتے
موت سے گزرنا کیا زندگی گزار آئے
ایک دن مجھے تم نے بھول کر پکارا تھا
اپنے اپنے موقع پر سب ہی کہہ گزرتے ہیں
آج تک تو جیتا ہوں اپنے ہی سہارے پر
خاک ڈالنے والے تو بجھا نہیں سکتے
پستی و بلندی میں سب کے کام آیا ہوں
حکمت بشر تو بہ خود بشر نہیں سمجھے
ہم نے منزلت دی ہے جہم نظم اردو کو

اپنے سر چڑھانے کو میرا بوجھ اتارا ہے
جب سے آدمیت کا ہم نے روپ دھارا ہے
کل یہ سب ہمارا تھا آج سب تمھارا ہے
جیت اسی کی ہے جس نے بڑھ کے ہاتھ مارا ہے
کل ہزار شکوے تھے آج سب گوارا ہے
زندگی تلاطم تھی موت اک کنارہ ہے
جب سے آج تک میں نے بار بار پکارا ہے
کیا تمھیں نے کچھ کہہ کر کوئی تیر مارا ہے
چاہتے ہیں یہ کہہ دوں آپ کا سہارا ہے
دل ہمارے سینہ میں مستقل شرارہ ہے
فرش نے صدا دی ہے عرش نے پکارا ہے
ہار کر بھی جیتا ہے جیت کر بھی ہارا ہے
ہر زمین پر ہم نے آساں اتارا ہے

156

مسافر ہوں مگر کیا زندگی پر حکمرانی ہے
جب ان کے دل سے کچھ آواز آئے گی تو چنکیں گے
نہ ہم ہیں اب نہ تم ہو کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا
ابھی کیسے بھلا دوں گا میں اپنے دل کی بربادی
وہ مردہ دل جنیں گے خاک جن کا یہ عقیدہ ہو
محبت کا فسانہ ختم کیا ہوگا قیامت میں
جوانی آئی جان آئی غم آیا موت آتی ہے
میں پھیلاتا ہوں نورائے حتم اپنے کچھ عزت سے

157

امید صبح کیوں دل حسرت اثر نہیں
دنیا ہے تنگ دل میرا مد نظر نہیں
آیا سوال مرگ تو دیکھوں گا ان کی خند
اب دل کو چاہیے ترے جلوہ پہ اعتبار
دیکھے گی کائنات جو ہم اٹھ کھڑے ہوئے
جائز سہی نوازش کونین کے لیے
دنیا کو فکر مفت کرم داشتن ہے کیوں
کیسی سحر میں رات اک اپنی بنا تو لوں
توبہ کے توڑنے کا تکلف نہ پوچھیے
دشمن بٹھا دیا ہے کوئی اپنی راہ میں
آنکھوں کا احتجاج کہ اک بار اور بھی
شاید مری دعا میں نہ ہو مستی دعا
کیا کہہ کہ اپنی حسن سے میں آنکھ پھیر لوں

کیا وہ خدائے شب ہے خدائے سحر نہیں
جو زندگی میں آج نہیں عمر بھر نہیں
ہاں سب کے نام پر ہے مرے نام پر نہیں
ہم کہہ چکے مجال فریب نظر نہیں
کروٹ بدل رہے ہیں کسی کو خبر نہیں
محتاج یک نظر مرا ذوق نظر نہیں
کرلوں گا خود گناہ فرشتہ اگر نہیں
یوں لاکھ بار بھی اگر آئے سحر نہیں
توبہ کا ڈر ہے آج سے پینے کا ڈر نہیں
آواز کس طرف سے یہ آئی ادھر نہیں
جلوہ کا انکسار کہ بارِ دگر نہیں
کس منہ سے یہ کہوں کہ دعا میں اثر نہیں
دنیا کو دیکھنا تو گناہ نظر نہیں

چلنے کا قصہ ہے تو زمین آسمان کیا
شاید چراغ سوزِ محبت کا بجھ گیا
کیوں درگزر کروں جو کوئی رگور نہیں
اندھیر ہے کسی کو کسی کی خبر نہیں

158

جھ میں ہو اگر جرأتِ رندانہ اٹھالے
ممکن ہے کہ ہم سا کوئی دیوانہ اٹھالے
جب دل غمِ امروز سے دیوانہ اٹھالے
اے دوست بس اب مسندِ شاہانہ اٹھالے
میخانہ سے اٹھ جاؤں اگر ہوش میں رہ کر
دشمن کے لیے تحفہ جاں لے کے چلا ہوں
میں مملکتِ حسن کا سلطان بنادوں
کاشانہ پہ ہو بار تو جیسے کا مزا کیا
اب دل میرے ہاتھوں پہ سنبھلتا نہیں مجھ سے
رستہ میں کہیں ہوش و خرد کھوئے ہیں میں نے
یا حسرتِ پیانہ میں ساقی کی طرف دیکھ
غم ہے بہت اے دوست خوشی کم ہے جہاں میں
وہ کون ہے اے جھم جو میخانہ میں آکر

159

نگاہیں میری پہچانے مرا دردِ نہاں سبھے
قفص کو جو قفس اور آشیاں کو آشیاں سبھے
پسینہ کو بھی اپنے جوہرِ تاب و تواں سبھے
جوابِ عرضِ مطلب پر نہیں سبھے نہ ہاں سبھے
ارادے دیکھ کر میرے بلائے ناگہاں سبھے
مسلل زندگی کی سختیوں نے کروٹیں بدلیں سبھے
کبھی تو کوئی دشمن ہی محبت کی زباں سبھے
چمن والے سہی رنگِ چمن لیکن کہاں سبھے
بہت سبھے ہمارے خون کو جو رائیگاں سبھے
زباں دانِ محبت کیا سیاست کی زباں سبھے
اکیلے دم کو یہ اہلِ زمانہ کارواں سبھے
جواں مردِ محبت موت کی اٹھکھیلیاں سبھے

کسی دن آسمان کو ہم بنالیں گے زمیں اپنی
یہی شانِ قناعت ہے تو باز آئے قناعت سے
میں صورت دیکھتا ہوں سب کی اپنا درد دل کہہ کر
سلامت ہمتِ غم آڑ لی ہے کج کلاہی کی
وہ کیا جانیں محبت میں بلائے رشک شامل ہے
ملے ایسا تو کوئی سننے والا قصہ غم کا
یہ سجدے لینے والے اتفاقاتِ بلندی سے
یہی ذوقِ سفر ہے کیا یہی کیا شوقِ منزل ہے
کریں گے حتم کیا اردو کے دشمنِ قدر اردو کی

زمیں ان کو مبارک جو زمیں کو آسمان سجھے
کوئی بے خانماں کیوں کر قفس کو آشیاں سجھے
بھری محفل میں یارب کوئی تو کہہ دے کہ ہاں سجھے
کہہ دل پر آفتیں آئیں ابھی دنیا جواں سجھے
ابھی اپنا ہی غم سجھے ہیں میرا غم کہاں سجھے
نظر میری سی ہو میرا سادل میری زباں سجھے
بڑے انسان ہیں انسان کی عظمت کہاں سجھے
جہاں تھک کر زمیں پر گر گئے آرام جاں سجھے
جو پشیمانی سپاہی ہو وہ لشکر کی زباں سجھے

160

کہنے کو حقیقت کی تلخی پتھر سا کلیجا کون کرے
ناحق کی تو چوٹیں بلی تھیں حق بات کو کون کرے
دنیا میں نظر بھی حسن بھی ہے یہ ہمت بے جا کو کرے
دل دے کے تو سودے ہوتے ہیں سودے کے یہ سودا کون کرے
احباب کو اپنا کون کہے اغیار کو اپنا کون کرے
اس آتی جاتی دنیا میں یہ اپنا پرالیا کون کرے
بیٹھے تو سہی ہیں مرنے کو مرنے کی تمنا کون کرے
اے گرمی محفل، محفل سے اٹھنے کا ارادہ کون کرے
منظور ہو کیوں خود داری کو اظہارِ مسرت غم کی جگہ
دل کی تو گرہ کھلتی ہی نہیں آنکھوں سے اشارا کون کرے
اربابِ کرم کی منزل سے سجدوں کے قضاے ہوتے ہیں
اللہ کو سجدہ جب نہ ہوا انسان کو سجدہ کون کرے
گمراہ سہی اے ذوقِ سفر بڑھتے تو چلے ہی جاتے ہیں

اب راہ پہ قسمت آہی گئی اب راہ کی پروا کون کرے
 اخلاص و عمل میں ربط نہیں ایثار سے دل بیگانہ ہے
 اسلام ہی جب پلے میں نہ ہو پھر کفر سے جھگڑا کون کرے
 ممکن ہو تمہاری خاطر ہو فریاد سے توبہ کر لینا
 احساس تو اپنے بس کا نہیں احساس سے توبہ کون کرے
 جلوے بھی جھلک دیتے ہیں مگر جب دیکھنے والی آنکھیں ہوں
 دنیا میں اُجالا تم نے کیا آنکھوں میں اُجالا کون کرے
 اس نشر گہہ عالم میں کہیں پیغام صداقت ہو تو کوئی
 معنی ہیں الگ مفہوم جدا لفظوں پہ بھروسا کون کرے
 امید تعاون کس سے کریں پھر جذبہ دل سو جائے گا
 اک موج اُچی ہے دریا میں اس موج کو دریا کون کرے
 کیا ذوق نظر کی تسلیں ہو ان چلتے پھرتے جلوؤں میں
 پہلو میں ہمارے دل ہے مگر شلیانِ تمنا کون کرے
 اب حسنِ طلب کا لطف نہیں اب دادِ طلب ملتی ہے کہاں
 سچے بھی کوئی آنکھوں کی زباں نظروں سے تقاضا کون کرے

161

طلب کرتا ہے سجدہ ان کا انہیں خودی مجھ سے
 غرورِ حسن ہوتا ہے مگر ایسا نہیں ہوتا
 بڑا دھوکا ہے فطرت کے نظامِ حسن میں ورنہ
 خدا ناکردہ کوئی اپنا دشمن آپ ہو جائے
 براہِ راست دل لے لو براہِ راست جاں لے لو
 ہنسی آنے لگی رونے کے بدلے اپنی حالت پر
 شکستہ پا ہو جب اے حُجْم یہ ذوقِ سفر کیسا
 میں کہتا ہوں کہ سجدہ میرے ان کے درمیاں کیوں ہو
 بلندی آسمان تک ہو بلندی آسمان کیوں ہو
 تم ایسے خوش خیالوں پر محبت کا گماں کیوں ہو
 یہ کس بل ہے یہ تیور ہیں تو پھر دنیا جواں کیوں ہو
 محبت میں کوئی میرے تمہارے درمیاں کیوں ہو
 یہ خمیازہ محبت کا نصیب دشمنان کیوں ہو
 دلیل کارواں ہونا تھا گرد کارواں کیوں ہو

162

دل وفا کا مزار کیوں نہ رہے خواب گاہ بہار کیوں نہ رہے
ذوق غم استوار کیوں نہ رہے میری جیت ان کی ہار کیوں نہ رہے
داغ دل شعلہ زار کیوں نہ رہے تم جہاں ہو بہار کیوں نہ رہے
شوخی حکمت بشر توبہ روح فطرت پہ بار کیوں نہ رہے
تم ہی مالک سہی زمانے کے ہم میں اور تم میں پیار کیوں نہ رہے
دوستی میں نزاکتیں ہیں بہت دشمنی پائیدار کیوں نہ رہے
زندگی میں سکون نہیں ملتا موت کا انتظار کیوں نہ رہے

163

راہ پر لانہ سکی گردش ایام مجھے جھوٹ کہتا ہوں تو منزل پہ نہ ہو شام مجھے
دیکھ اے ذوق نظر برق تجا تو نہیں نظر آتا ہے کوئی لرزہ برانداز مجھے
میری خاطر ابھی زنجیر نے کھولی ہے لباب ابھی خنجر سے ملے گا ترا پیغام مجھے
کر کے توبہ تری رحمت کا تعین کردوں کچھ مناسب نظر آتا نہیں یہ کام مجھے
میری ہی سمت ہیں اب شام و سحر کی نظریں کہ بانی ہے نئی صبح نئی شام مجھے
میں ترے نام کی تسبیح پڑھا کرتا ہوں سننے والے دیے دیتے ہیں ترا نام مجھے
خود پرستی ہے وہ شاید کہ خود آگاہی ہے حق پرستوں نے دیا ہے کوئی الزام مجھے
کرم عام کی جنت مجھے منظور نہیں آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے کرم عام مجھے
صبح روشن ہے درخشاں تو یقین ہے مشکل آج برسوں میں نگاہوں سے بڑا کام مجھے
جب تک انداز ہوس شامل پرواز نہ تھا نہ تو دانہ نظر آیا نہ کہیں دام مجھے
جن کے اقبال کا سورج ہی نہ ہوتا تھا غروب نظر آتے ہیں وہ خورشید لب بام مجھے
ان کے بگڑے ہوئے تیور میرا دکھا ہوا دل چم اچھا نظر آتا نہیں انجام مجھے

164

دن گزرتا ہے شب آتی ہے سحر ہوتی ہے جی رہا ہوں تو بہر حال بسر ہوتی ہے

عمر بھر پرورش فکر و نظر ہوتی ہے
کچھ غریبوں کی شب ایسی ہی بسر ہوتی ہے
کس قیامت کی کشاکش ہے دور ہے پہ نہ پوچھ
یہ نہ کہنا پڑے اک دن شبِ عشرت والو
غیرتِ عشق کے تیور ہی کہے دیتے ہیں
سوچتا کیا ہے شبِ غم بھی گزر جائے گی
دل زندہ کہیں لیتا ہے کسی کا احسان
انقلاب آتے ہیں تشکیل توازن کے لیے

زندگی پھر بھی اندھیرے میں بسر ہوتی ہے
گھر میں اندھیر زمانے میں سحر ہوتی ہے
نہ ادھر ہوتی ہے دنیا نہ ادھر ہوتی ہے
ہائے ایسی بھی زمانہ میں سحر ہوتی ہے
یہ نہ پوچھے کوئی کس طرح بسر ہوتی ہے
دیکھتا کیا ہے گھڑی بھر میں سحر ہوتی ہے
مہرباں موت ہی ہوتی ہے اگر ہوتی ہے
وحدت امن جہاں زیرو زبر ہوتی ہے

165

نہ اب ہل دل ہیں نہ اب درد والے
اب اس پر بھی ہے غیرتِ عشقِ راضی
بدلتا نہیں ہے مزاجِ محبت
سنا ہے تمہیں سے تمہیں مانگتے ہیں
محبت میں ہے یہ نزاکت کا پہلو
کوئی جان لے کر بھی اب دل نہ دے گا
کسی کی بڑی کاوشوں کے ثمر میں
وطن میں ہیں جیسے کوئی بے وطن ہو
یہاں دل ہی دل ہیں اور انسردگی ہے
جہنم میں جاؤں تو اے جہمِ رضواں

محبت کے مالک محبت اٹھالے
ہمارا نہ بن ہم کو اپنا بنالے
جفا آزما لے وفا آزما لے
بڑے بے جگر ہیں طلب کرنے والے
ہمیں کر گئے ہیں تمہارے حوالے
کہاں دل کے بدلے میں دل دینے والے
یہ گر ہیں دلوں کی زبانوں کے چھالے
کسی پر خدا یہ مصیبت نہ ڈالے
کہیں ایک دل ہو تو سو دل سنبھالے
اٹھا کر جہنم کو جنت میں ڈالے

166

موت سو بار آئے خاطر میں نہ لانا چاہیے
جس طرح چاہیں زمانہ کو بدل دیں ہل دل
آو دل کے مسئلہ کا حل بتادیں ہم تمہیں

مرتے مرتے زندگی کا گیت گانا چاہیے
پست ہمت ہیں جنہیں اگا زمانا چاہیے
بات کرتے ہو تو پہلے مسکرانا چاہیے

توڑ کر دستِ ہوس ایندھن بنانا چاہیے
 بے خودی کیسی خودی کا رنگ لانا چاہیے
 کون کہتا ہے ہوا کے رخ پہ جانا چاہیے
 امنِ عالم کی فضا کو مسکرانا چاہیے
 ایک شب کی شب تو پھولوں میں بسانا چاہیے
 آپ اپنی داد دے کر دل بڑھانا چاہیے
 آج موجودات کو اپنا بنانا چاہیے
 موت سے دواک قدم آگے ہی جانا چاہیے
 بیٹھے اٹھنے کا سب ہی کو ٹھکانہ چاہیے
 زلزلہ کوئی زمینِ دل پہ آنا چاہیے
 اپنے دل میں اپنی آنکھوں میں سجانا چاہیے
 حق کو آنا چاہیے باطل کو جانا چاہیے

167

مجھ سے نظر ملا جو محبت کا ڈر نہیں
 ذلت کی زندگی مجھے مد نظر نہیں
 کروٹ بدل رہا ہے زمانہ سحر نہیں
 قیدی کی طرح گھر جو نہیں ہے تو گھر نہیں
 سجدہ مجھے قبول نہیں ہے کہ سر نہیں

168

حوادث کو تابو نہیں جگانے کا
 ملانہ خون میں اپنے مزا نہانے کا
 بہت بلند ہے معیار آزمانے کا
 مزا ملا ہے ہوا پر مکاں بنانے کا

جنگ کے سامان کی ہولی جانا چاہیے
 خستگی عشق کی رسم کہن بدلیں گے ہم
 زندگی یہ ہے جد ہر ہم ہوں ہوا اس رخ کی ہو
 سر اٹھا کر جلوہ زار ایشیا سے ہر طرف
 اس قدر بے کیف اگر گزری تو کیا گزری حیات
 رشک دشمن کیا بلا ہے شاد باش دوست کیا
 سوچتا ہوں حسنِ عشوہ کا رسے کھا کر فریب
 فرض ہے حفظِ مراتب عزتِ نفسِ حیات
 پاؤں پھیلانا ہے تہذیب و تمدن کے خلاف
 ہلکی ہلکی تھکیاں کیسی ہوائے لطف کی
 وسعتِ کونین کم ہے اپنی ہستی کے لیے
 آمد و شد ہر نفس کی دے رہی ہے یہ پیام

ظالم مری نظر میں محبت کا زہر ہے
 عزت کی موت مانگنے والا ہوں عشق سے
 اوسمتِ عیش نیند کے مارے ابھی نہ اٹھ
 آزادی خیال نہ آزادی عمل
 مجھ پر نگاہ دیر و حرم اٹھ رہی ہے جہنم

شباب نام ہے غفلت کی نیند آنے کا
 تعلق ہے اہکِ ندامت میں ڈوب جانے کا
 نمودِ عشق کو دار و رسن سے کیا نسبت
 دل حریص ہے مایوسیوں کے نرغہ میں

جگہ ملے کہیں سجدہ کی سرگزاروں کو
عدم سے جانب ہستی چمن سے سوئے قفس
نیازِ عشق کجا اور نمازِ خوف کجا
میں زادِ راہ سے محروم اور سفرِ درپیش
بہت بلند ہے ہستی مری مگر اے نجم
قفس کا تنگ ہے دامن نہ آشیانے کا
ہر انتظام میں ہے ذل آنے جانے کا
ادائے فرض میں ہے فرق سر جھکانے کا
اہل کو ہوش کب آیا مرے جگانے کا
میں ایک ذرہ ہوں ناتخ کے آستانے کا

169

بھری دنیا یہ جب ڈالی نگاہِ آخری میں نے
ازل میں لے لیا پورا متاعِ بندگی میں نے
لیا ہے نذرِ جاں دے کر مقامِ آگہی میں نے
کہیں دیکھا نہ اتمامِ صراطِ بندگی میں نے
وفا کا اعتراف اُس نے زباں سے کر لیا آخر
خودی ہے بخودی ہے بندگی ہے کفر ہے کیا ہے
نہ پہنچا ایک بھی منعم مقامِ کامیابی تک
ہنسی آئی مجھے خود یہ دورگی دیکھ کر اپنی
خدا رکھے یہ واعظ بے عمل اچھا مقرر ہے
مجھی کو میری بربادی کا وہ اہرام دیتے ہیں
صدائے عشق آئی حسن کی نازِ آفرینی پر
کوئی آساں نہ تھا اظہارِ درد و مدعا کرنا
کسی دن نجم کہنا ہے خدائے بندہ پرور سے
تو سوچا کس لیے دودن کو یہ تکلیف کی میں نے
محبت اس سے کیا مانگی خدائی مانگ لی میں نے
زمانہ چیخ اٹھا کچھ کہہ کے جب چپ ساہلی میں نے
الہی اک نظر میں ساری دنیا دیکھ لی میں نے
محبت کی بڑی مضبوط گتھی کھول دی میں نے
دوا بھی چھوڑ دی میں نے دعا بھی چھوڑ دی میں نے
لے لیے ہیں امتحاں کتنے بے نیسِ مفلسی میں نے
کبھی زور آزمایا اور کبھی فریاد کی میں نے
کہانی سی کہی اس نے کہانی سی سنی میں نے
چھپا رکھی تھی جیسے دوستی میں دشمنی میں نے
ترے قدموں پہ رکھی تھی کلاہِ خسروی میں نے
بڑی مشکل سے کی الفاظ کی مورت گری میں نے
ترے لطف و کرم سے لی ہے تابِ کرشمی میں نے

170

اسے کیا ہو دماغِ خاکساری
سحر بھی آئے گی بزمِ طرب کی
مری ایذا پسندی کچھ نہ پوچھو
جو آلودہ ہے خاکِ سیم و زر میں
کچھ آنسو جمع کرلو رات بھر میں
جگہ کر لی دل بیداد گر میں

وہ مل جائیں کبھی میں پوچھ بیٹھوں
عمل ساری حقیقت کھول دے گا
یہ آزادی یہ آزادی کا جلوہ
ہمارا سا سکون دل کہاں ہے
ہوا ہے میری بے ربطی سے اے جہنم
یہ کب تک جنگ ہوگی خیر و شر میں
چھپا ہوں اعتباراتِ نظر میں
چراغِ شام ہے مفلس کے گھر میں
بڑی الجھن ہے اربابِ خبر میں
بہت کچھ رابطہ عیب و ہنر میں

171

کعبہ و دیر سے پیام آئے
لب پہ مستی میں تیرا نام اے
عشق کا معرکہ معاذ اللہ
پھر مجھے آرزوئے زیست ہوئی
یوں بسر کر جہانِ فانی میں
پھر دکھاتی ہے ان کو قدرتِ حسن
تیری جانب جو چند گام آئے
ہوش اتنا کہ نا تمام آئے
کیسے کیسے جوان کام آئے
پھر ترے لب پہ میرا نام آئے
صبحِ رخصت نہ ہو کہ شام آئے
پھر کوئی خوش نصیب کام آئے

172

کہہ چکے سب کہہ کے اب کیا کیجئے
موت آئیگی یہ غم کیا کیجئے
درد لیجئے دل کا سودا کیجئے
اک اچنتی سی غریبوں پر نظر
جان و دل دے کر بھی سستی ہے یہ جنس
میرے دل سے کام لیں گے تاکجا
بے نیازی اس قدر کس کام کی
کچھ نہ کہنے کی تمنا کیجئے
پہلے ماتم زندگی کا کیجئے
وہ ازل کا عہد پورا کیجئے
کام کچھ تو رابو مولا کیجئے
کچھ غمِ عشق اور مہنگا کیجئے
اپنے دل میں درد پیدا کیجئے
بھولے بھٹکے حال پوچھا کیجئے

173

محبت میں محبت کے ققائے بھول جاتے ہیں
سحر آتی ہے جب نزدیک تارے جھلملاتے ہیں
ہم ان کو یاد کیا کرتے وہ خود ہی یاد آتے ہیں
یہ ظالم آخری لمحوں پہ اپنے مسکراتے ہیں

جنہیں توفیق دیتی ہے فدا کاری محبت کی
جسے وہ یاد فرمائیں کہیں رکتا ہے روکے سے
ہماری سمت جب اُٹھتی ہے تنقیدی نظر کوئی
محبت کا ہے کیا معیار اس کا فیصلہ کیا ہو
بہتر سردے ہیں ایک دن میں سرگزاروں نے
چھپاؤں جھم ان سے کس طرح آثار چہرے کے
وہ اپنی زندگی دے کر بھی دل سے دل بناتے ہیں
زمانہ دیکھتا رہتا ہے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں
ہم اپنا عیب ان کا تذکرہ کر کے چھپاتے ہیں
کچھن کے غم میں روتے ہیں کچھن کی دھن میں گاتے ہیں
بڑی مشکل سے انساں عشق پر ایمان لاتے ہیں
جو میرے ضبط غم کو دیکھ کر گھبرائے جاتے ہیں

174

میرے دل میں جو دل تمہارا ہو
اس نے الٹی ہیں محفلیں اکثر
بات ہی اور ہے اشارے کی
مجھ سا خوددار اور یہ وحشت
دل ہے دل کا جہاں سوال آئے
آج میری طرف ہے روئے سخن
ہم ہیں اس بیگناہ کے تامل
اس کا عہد حیات کیا جس نے
میرے در پر ذرا اُتر آئے
ہم تو ہندوستان والے ہیں
جھم اس کے خلاف جانا ہے
دل سے دل کو بڑا سہارا ہو
جس کو بیگانگی نے مارا ہو
بات کیوں ہو کوئی اشارا ہو
جیسے تم نے مجھے پکارا ہو
وہ ہمارا ہو یا تمہارا ہو
اب کے بے رخی گوارا ہو
جو گنہگار کا سہارا ہو
وقت لئے کو دن گذارا ہو
میری قسمت کا جو ستارا ہو
کاش ہندوستان ہمارا ہو
جس طرح زندگی کا دھارا ہو

175

محبت کم نگاہوں کو نظر میں لا نہیں سکتی
جو کہنا ہے کہو حق پر کبھی آنچ آ نہیں سکتی
گرا کر عرش سے بھی حسن بے پروا نے دیکھا ہے
متانت آپکی ہے ان کے لہجے ان کی باتوں میں
یہ بجلی ہر خس و خاشاک سے ٹکرا نہیں سکتی
کوئی طاقت خلوص فکر کو جھٹلا نہیں سکتی
کوئی عالم ہو میری آدمیت جا نہیں سکتی
وہ چاہیں لاکھ چہروں پر متانت آ نہیں سکتی

نہ ہوں فکر و نظر جب تک محبت کی بلندی پر
 نہ سمجھو دوست کی حد تک کمال اپنی محبت کا
 حیات چند روزہ لے تو آئی مجھ کو منزل تک
 میں دنیا سے بچا کر اپنے دل کو حق بجانب ہوں
 کبھی تیر نگاہ ناز خالی جا نہیں سکتا
 نشیمن میرا رہنے دو چمن میں آج اگر آئی
 خوشی ہو یا غم اک ٹھیس ہے دل کی لطافت پر
 گراہوں روئے بلبل جب بھی ٹھوکر میں نے کھائی ہے
 ہمیشہ دل دکھائے گا خدا کی راہ میں واعظ
 کرم پران کے آجاتے ہیں آنسو میری آنکھوں میں
 محبت کے عوض ان سے محبت بھی نہ چاہوں گا
 حقائق ہی رہیں گے حتم میری سعی کا حاصل

176

نور ہے کہ ظلمت ہے عشق کی بلا جانے
 حسن جلوہ آرا کی ندرتیں وہی جانے
 کوئی کچھ نہیں کہتا آپ کے تغافل کو
 امن کے محافظ بھی ضبط کر نہیں پاتے
 اٹھ گئے ہیں محفل سے کیسے کیسے دل والے
 وقت کا تقاضا ہے دوش دیجیے کس کو
 سب کو مل نہیں سکتا عشق دوست کا منصب
 ہم بنانے والے ہیں ہم بگاڑنے والے
 مجھ کو خود نہیں ہے جب اپنی معرفت حاصل
 اعتبار حق ہو یا اعتبار ناحق ہو

شع کے اُجالے میں سور ہے ہیں پروانے
 عشق ایک جذبہ ہے ان گنت ہیں افسانے
 دوست آئے ہیں اب تک سب ہمیں کو سمجھانے
 جب کبھی چمک اٹھے درد و غم کے پیانے
 مڑ کے بھی نہیں دیکھا مائیں دنیائے
 ہے کمی حقائق کی بڑھ چلے ہیں افسانے
 دل ڈبوئے ہیں کتنے شوق بے محابانے
 کیا کہیں برستے ہیں آسمان سے ویرانے
 میں گلہ کروں کس سے کون مجھ کو پہچانے
 آج تک جایا ہے اعتبار فردانے

آپ اپنی صورت پر خلق کر کے انسان کو
جسم ہم موحد ہیں ہم پہ کیا اثر ہوتا
عشق کی بنا ڈالی حسن کار فرمانے
بے شمار بدلے ہیں رنگ روپ دنیا نے

177

ہر ایک دوست کو دشمن کو میں پکار آیا
فضائے شوق میں جو اپنے جی کو مار آیا
غور عشق میں سر نذر کر دیا میں نے
خود اپنے حسن طبیعت کا عیش کیا کم تھا
رو طلب میں بڑی روک تھام تھی لیکن
شریک حال تھی عہد خزاں میں خود داری
نہ جانے کس کو پکارا تھا اس کی رحمت نے
نئے نئے جوئے ہر فضا میں نام اس کے
کجا تصور حق نہ ملی نہ باطل کی
لگا کے جسم محبت میں آخری بازی
کسی نے اپنی محبت کا تذکرہ جو کیا

178

عفت قلب کے سوا کچھ بھی نہ تھا گناہ عشق
دل ہو کہ چشم شوق ہو ہیں یہی کردگار حسن
عہد حیات سربسر عالم انتظار ہے
رد ہیں لب بھی قفس میں سانپ کے ساتھ ساتھ
پھر وہی ہم ہیں اور وہی رہگزر فنا کی خاک
حیرت حسن کچھ نہ پوچھ عالم عشق کیا کہوں
اپنی ہوئی نہ کوئی شے منظر کائنات میں
بزم خن میں آگئے جسم خودی کو چھوڑ کر
عقل نے جاننے لیے ذہن گناہ گار کے
تم ہو نمونہ حسین قدرت کردگار کے
ہل خرد بھی ہیں اسیر وحشت انتظار کے
بواہوسوں کا ذکر کیا رہ گئے تھک کے ہار کے
رنگ بہت بدل چکے پر ہیں اسی غبار کے
خاک لحد پہ دیکھ کر نقش جبین یار کے
دل پر کچھ اختیار تھا رہ گئے دل کو مار کے
بن گئے کب سے آدمی رخت جنوں اُتار کے

179

مرے شعر نشتر نشاں اور بھی ہیں
زر و سیم سے تھیلیاں بھرنے والے
ہمیشہ ادھر ہی نہ برسیں گے بادل
ہمیں اک نہیں دور مقصد سے اپنے
ابھی ایک ہی لی ہے دنیا نے کروٹ
تمہیں اپنا بحرِ کرم ہو مبارک
محبت ہے کیوں جہم ہندوستان سے
ترے نام کی چنگیاں اور بھی ہیں
قضاۓ تاب و تواں اور بھی ہیں
زمیں اور بھی بستیاں اور بھی ہیں
زمانہ میں بے ربطیاں اور بھی ہیں
غریبوں کی شہ زوریاں اور بھی ہیں
جہاں ہم ہیں پیاسے وہاں اور بھی ہیں
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

180

انھوں گا زندہ جاوید ہو کر بزمِ امکاں سے
خدا محفوظ رکھے چارہ گر کے بارِ احسان سے
یہ محرومِ تحفگی منہ جو تکتے ہیں پشماں سے
توازن کر رہا ہوں اپنے دردِ عشقِ پنہاں سے
جئے تا حشر پر اٹھنا ہے اک دن بزمِ امکاں سے
بھروسہ کر خدا پر ناخدا وہ بھی تو انساں تھے
رہے گی قبر پر بھی حشر تک نعم البدل ہو کر
خدا جانے نظر کس بد نظر کی لگ گئی دل کو
تصور ہی میں ہو جاتا سکونِ نافیت حاصل
سنا تھا بے سروسامانیاں مرغوب ہیں ان کی
دلِ ذوق آشنا دیکھیں کہاں سے پھول چننا ہے
کسی دن جا ملے گی روح اس بحرِ حقیقت میں
بڑی جمعیت خاطر ہے اس خواب پریشاں سے
وہ کیا جانے نہیں ہے درد سے نسبت کدواں سے
جو بس چلتا تولدِ ت چھین لیتے ہشتم حیراں سے
نعم دیر و حرم لے کر مسلماناں مسلماناں سے
قیامت ہے جو پیاس انساں بجھائے آبِ حیاں سے
سلامت لے گئے جو اپنی کشتی بچ طوفاں سے
اُواسی ساتھ لے آئے ہیں ہم اسبابِ زنداں سے
زمانہ چونک اٹھا تھا اختلاطِ درد و درماں سے
کوئی تصویر بن جاتی جو تخیل پریشاں سے
میں گھبرا کر نکل آیا طلسمِ ساز و ساماں سے
بہارِ عارضی سے یا بہارِ باغِ رضواں سے
کہاں تک واسطہ اے جہم آب و گل کے زنداں سے

181

جنہیں تم نے خلافِ وقت سمجھا بے محل جانا
انہیں آہوں سے ممکن ہے ہوا کا رخ بدل جانا

کوئی جنت سے جانا ہے گلستاں سے نکل جانا
ضیا پاشی سے مشکل ہے مری چتون کا بل جانا
بہت دشوار نکلا میرا باتوں میں بہل جانا
یونہی اسے جانے والے موت بھی آئے تو نکل جانا
محبت کے ترانوں کا مرے لفظوں میں دھل جانا
تقاضائے ادب ہے جانے والے سر کے بھل جانا

182

داغ سرکشی لے لی ہم نے کجکلاہوں سے
ہم نے دل بنائے ہیں آنسوؤں سے آہوں سے
عشق کو تعلق کیا ان پناہ گاہوں سے
دیکھتے چلے جاؤ اجنبی نگاہوں سے
موت نے چھڑایا ہے زندگی کی بانہوں سے
خود بچالیا مجھ کو مبتذل گناہوں سے
کیا فقیر رہتے ہیں دب کے بادشاہوں سے
حکم انقلاب آیا ان کی قتل گاہوں سے
ان کی راہ ملتی ہے بے شمار راہوں سے
ہم کو خاص نسبت ہے غم کی بارگاہوں سے

183

میں آپ آرہا ہوں محبت کی راہ سے
آتی ہے کس کے خون کی بو قتل گاہ سے
جو کچھ بھی ہو پلٹ کے نہ آئیں گے راہ سے
نبی ہے شمع آج مری گرد راہ سے
یہ چوٹ کس کے دل پہ لگی لا الہ سے

جہنم کے سے تیور ہوں تو ہم جنت کو ٹھکرا دیں
ستاروں کی بلندی اپنی پستی دیکھتا ہوں میں
خدا کی شان اُن کو سلح کی کرنی پڑیں باتیں
مبارک منہ صیاد و ترکِ زحمت زنداں
قیامت تک اداکارِ محبت یاد رکھیں گے
جنابِ جحیم ہیں مسند نشین کچھ دن سے زنداں میں

مسکراہٹیں سیکھیں قہر کی نگاہوں سے
کیا کہیں محبت کا راز کم نگاہوں سے
طاقتیں مسلم ہیں علم و عقل کی لیکن
اپنی معرفت کا ہم ایک دن سبق دیں گے
جبر کا شکوہ تھا میری ناتواں گردن پر
اس کے حق کا مجرم ہوں یہ بھی اس کی رحمت ہے
فرش پر ہے تخت ان کا عرش پر دماغ اپنا
زندگی کا بھی جن کو حق دیا نہ دنیا نے
سارے مسئلے حل ہیں مسلکِ محبت میں
جحیم یہ نشانی ہے اہل دل کی دنیا میں

زحمت کریں نہ میرے لیے جلوہ گاہ سے
بالچل ہے زندگی میں غم بے پناہ سے
جب چل کھڑے ہوئے ہیں تری جلوہ گاہ سے
کل ذوقِ جہنم کا اڑایا گیا مذاق
ہم بھی خدا پرست ہیں تم بھی خدا پرست

کیا ہوگا فیصلہ مری ذوق نگاہ کا
تھا مئے کا تذکرہ تو بہت مئے کہیں نہ تھی
ہر انقلاب دہر ہے تمہید انقلاب
کیا سخت باز پرس ہے میدانِ حشر کی
ہو زندگی دراز مرے ذکرِ خیر کی
فطرت بھی اپنے فرض سے غافل ہے کس قدر
اے دوست طے نہ ہوں گی حقائق کی منزلیں
شاعر سمجھے کے جہم کو سمجھے ہیں سادہ دل

184

روئے فرزاگی سیاہ کریں دل دیوانگی میں راہ کریں
زندگی بھر ادھر ادھر دیکھا آج اپنی طرف نگاہ کریں
غم میں توفیق وہ تبسم کی کیوں تماشائے اشک و آہ کریں
آؤ دونوں برے بھلے مل کر جس طرح ہو سکے نباہ کریں
آدمی سے ہو کیوں نظر نیچی اپنے اللہ کا گناہ کریں
دشمنی میرا کیا بگاڑے گی دوست بن کر مجھے تباہ کریں
میرزا جہم سے نہ کچھ کہنا چاہے جو کچھ یہ کجگاہ کریں

185

ختم دم بھر میں کارِ ہستی ہے کیا اہل کی درازِ دقتی ہے
ناز بے جا نہ کر بلندی پر ہر بلندی کی اصل پستی ہے
کل ہمیں کچھ جنونِ ہستی تھا آج انہیں کچھ غرورِ ہستی ہے
کتنی مہنگی ملے دریغ نہ کر پھر بھی عزت کی موت سستی ہے
اپنے اپنے بنا لیے ہیں خدا ہر پرستش میں خود پرستی ہے
موت کا ایک دن ہے اک ساعت زندگی رات دن برستی ہے

مہرومہ بھی ہیں جہم دنیا میں آدمی سے مگر یہ ہستی ہے

186

راز ہستی ہے مبتلا ہونا کہیں بندہ کہیں خدا ہونا
ہائے آسانیاں نہ ہونے کی کیسا دشوار ہو گیا ہونا
نہ ہوئے کچھ جو سوچتے ہی رہے درد ہونا ہے یا دوا ہونا
پشیم احباب میں بھی کھٹکا ہوں کیا بُرا تھا مرا بھلا ہونا
آدمیت بغیر دنیا میں ہائے وہ آدمی نما ہونا
راس آئے جناب جہم تمہیں ساک جادۂ وفا ہونا

187

اس کی دنیا کو برا کہتا ہے کیا کیا کوئی
دشمنوں سے کرے کس بات کا شکوہ کوئی
کار فرما نہ ہو جو طاقت یکتا کوئی
کل کی بات سچائی تھی یہ محفل ہم نے
ہم نشیں سلسلہ عیش نہ ٹوٹے ان کا
سینکڑوں فتنے اٹھائے اسی دنیا کے لیے
فکرِ عصیاں میں گرفتار ہوں پہ فکر بھی ہے
خواہش امن بجا امن کی کوشش برحق
ان کی رفتار کے انداز خدا خیر کرے
مل گئے آج مقدر سے جناب واعظ
نظر آتی نہیں فطرت کے خزانہ میں کمی
فطرت عشق جو دے ساتھ تو آسکتا ہے
سایہ حق میں بھی مل جاتی ہے ناحق کو پناہ
دوستوں سے بھی یہ ہر وقت کا خطرہ ہے مجھے

خیر ایسی ہی بنادے کہیں دنیا کوئی
دوستوں میں مرا درد نہ سمجھا کوئی
کس سے ترک کرے اپنا ارادہ کوئی
آج محفل میں نہیں پوچھنے والا کوئی
کیا قباحت ہے اگر دل کہیں ٹوٹا کوئی
لے گیا سر پہ اٹھا کر نہ یہ دنیا کوئی
میرے اللہ نہ ہو دیکھنے والا کوئی
جب ضرورت ہو اٹھا دیجئے جگڑا کوئی
جیسے دیکھا ہے نہ گرتا نہ نہلتا کوئی
ہم نے دیکھا نہ تھا دنیا میں فرشتا کوئی
پاس کیا خاک بجھائے لب دریا کوئی
ساری دنیا کے مقابل تنہا کوئی
کبھی چھپ جاتا ہے بچوں میں بھی جھوٹا کوئی
میرے دشمن سے نہ لے لے مرا بدلا کوئی

حرف حق کے لیے درکار ہے ہمت ورنہ
 رحم اے جذبہ خود دار جنے گا کب تک
 کیا سمجھتا نہیں فطرت کا تقاضا کوئی
 اپنے کاندھے پہ لیے اپنا جنازا کوئی

188

دل میں رکھ حال جو دل خواہ نہیں
 اپنے حق میں ہیں حق آگاہ بہت
 یہ تماشاۓ سرِ راہ نہیں
 میرے حق سے کوئی آگاہ نہیں
 بدگمانی کا گنہگار نہ بن
 راہ گم کردہ ہوں گمراہ نہیں
 زندگی ہے عمل و حسنِ عمل
 زندگی آہ نہیں واہ نہیں
 اپنے ہم جنس کے آگے بھی نہ جھک
 تیری منطق میں جو اللہ نہیں
 درد ہے درد کسی دل میں بھی ہو
 تو اسی راز سے آگاہ نہیں
 کس حکومت کے ہوا خواہ ہو جہم
 جہم جب اپنے ہی ہوا خواہ نہیں

189

مسافر ہوں مگر کیا زندگی پر حکمرانی ہے
 محبت میری رگ رگ میں شرابِ ارغوانی ہے
 تھہر جاؤں تو باقی ہے گزر جاؤں تو فانی ہے
 کہاں کا نشہ ہے میرا نشہ جاودانی ہے
 جوانی آئی جاں آئی غم آیا موت آئی ہے
 ابھی کیا جانیے کس کس سے طاقت آزمائی ہے
 غلط پڑتی ہیں درد و غم کی بھٹکانی ہوئی نظریں
 براہ راست جب دیکھے کوئی دنیا سہانی ہے
 میں پچھتاتا ہوں کیا کیا اپنا غم کہہ کر زمانہ سے
 سنا تا ہوں جسے کہتا ہے میری ہی کہانی ہے
 گمانِ بد غلط راہ طلب کے ذرہ ذرہ پر
 قدم کیوں کرائیں اپنے ہی دل سے بدگمانی ہے
 محبت میں نہ جینے کا ارادہ ہے نہ مرنے کا
 مزارِ درد سے بگڑا ہوا انداز پرشش ہے
 کہیں ایسا نہ ہو کہہ دوں تمہاری مہربانی ہے

190

کے غرض تھی جو ہو کی فضا میں جامتا
 یقین ہے کہ ستارے جگہ سے ہٹ جاتے
 تلاش کوئی نہ کرتا اگر خدا ملتا
 قدم جو ہم بھی اٹھاتے تو راستا ملتا
 ترے خیال میں ہوتی ذرا بھی جان اگر
 ترا خیال کبھی تو عمل سے جا ملتا

ابھی تلاش میں اب تک ہے ذہن انسانی
سکونِ قلب کوئی رہ گزر کی چیز نہیں
حیات و علم و نشاط و ملال و دانش و مرگ
ستم ہی تھا جو کہیں معرفت میں کھو جاتے

کسی طرح سے وہ کھویا ہوا سرا ملتا
اٹھا کے لے ہی نہ آتے اگر پڑا ملتا
بشر کو اور لباسِ بشر میں کیا ملتا
جنابِ جحیم کہاں آپ کا پتا ملتا

191

اسی کے دم قدم سے ہے یہ شانِ رہبری اپنی
مری نظروں میں کتنے حادثے آئے تبسم کے
بدلتا ہی پڑا ہم کو بساطِ دہر کا نقشہ
زبے قسمت اُسی کے ہاتھ سے مارے گئے آخر
کبھی ترمیم کر لیتے ہیں احکامِ شریعت میں
اوسر بھی دیکھ لینا اک نظر دور بحر والو
سہارا جحیم جس کو ہم نہ دیں وہ زور و طاقت کیا

کہاں گم ہو گئی وہ شاہِ راہِ زندگی اپنی
بچائی اور سمیٹی چاند نے جب چاندنی اپنی
یہ سمجھے تھے بدل جائے گی حالت آپ ہی اپنی
چھپا رکھی تھی جس نے دوستی میں دشمنی اپنی
ابھی ورنہ خدائی ہے خدا کی بندگی اپنی
چراغِ صبح لے کر جا رہا ہے روشنی اپنی
وہ مجلس کیا ہے جس مجلس میں رہ جائے گی اپنی

192

دیکھوں تو راہِ غم میں کوئی ہم رکاب ہے
ظاہر ہے ایک باب نہاں ایک باب ہے
یہ ظاہری سکونِ روشِ اضطراب ہے
اپنی خرابیوں پہ کسی کی نظر نہیں
جب دل کا تھا شبابِ محبت کا دور تھا
پیدا ہوئے زمانہِ مردہ پرست میں
کچھ اور بڑھ چلوں وہ اگر مطمئن نہیں
میں اب کسی عذاب کے قابل رہوں گا کیا
وہ بھی تھے خواب کو جو حقیقت بنا گئے
دیکھو تو ان کو دے کے نوید سکون مرگ

کچھ دوست کہہ رہے تھے یہ کارِ ثواب ہے
یہ کائناتِ دہر ادھوری کتاب ہے
اک انقلاب اور پس انقلاب ہے
ایک ایک کہہ رہا ہے زمانہ خراب ہے
اس دور میں دماغِ بشر کا شباب ہے
نا کام زندگی تھی اہل کامیاب ہے
اب تک تو صبر ان کے ستم کا جواب ہے
ہر اک گناہ اپنی جگہ خود عذاب ہے
ہم زندگی کو خواب ہی سمجھیں تو خواب ہے
جن کی حیات اک ہمہ تن اضطراب ہے

تم جس کو افتدار سمجھ کر ہو بے حواس
یارب میں زندگی کے عطیہ کو کیا کہوں
سو جس نے کامیابی کی راہیں بتائی ہیں
یہ عالم خیال میں تعمیر خواب ہے
درپیش ایک ایک نفس کا حساب ہے
وہ ایک میری کوششِ ناکامیاب ہے

193

فریضہ غم الفت نہ کیوں ادا کرتے
جو دردِ عشق میں دل کو نہ مبتلا کرتے
نہ کس طرح تری رحمت کا آسرا کرتے
جو ناتواں ہیں وہ گر کر نہیں اٹھا کرتے
حرم کی شمعِ فروزاں ہیں بت کدہ میں سہی
دنا پہ کیوں دل خود دار ہو گیا راضی
ابھی بہت ہیں یہ دو چار آخری سانسیں
ترے کرم کی ہے بنیادِ مفلسی جن کی
خدا کا شکر کہ دل ہی نہیں رہا ورنہ
جب اہل درد سے قربانیاں طلب ہوتیں
عجیب شان کی ہے انتہا پسندی بھی
زبے جلال کہ شاہوں کو دستِ قدرت نے
مزہ تھا جب سر منزل غرور منزل کا
اگر وہ داد نہ دیتے نیازِ مندی کی
جو دوتوں پہ بھی چھپ چھپ کے وار کرتے ہیں
بھلے رہے وہ زمانہ میں ہم نوا ہو کر
میں جھم خود ہی سراپا نیاز ہوں ورنہ

یہ کچھ نماز نہیں ہے جسے قضا کرتے
کسے خبر ہے کہ ہم حال اپنا کیا کرتے
اگر گناہ نہ کرتے تو اور کیا کرتے
خیال خام یہ رہتا تو جی کے کیا کرتے
یہاں پہنچ تو گئے ہم خدا خدا کرتے
ستم ہے شرم جو آئی کہا دنا کرتے
خدا نخواستہ کیوں ترکِ مدعا کرتے
وہ کیوں ترے در دولت پہ التجا کرتے
ترے سلوک پہ دل سے یوں ہی اٹھا کرتے
ہم اپنے خونِ تمنا سے ابتدا کرتے
کہیں تو اپنے ستم کی وہ انتہا کرتے
کیا لحاظ نہ ہم صورتِ گدا کرتے
ہمارے نقشِ قدم کو نہ رہنما کرتے
تو ہم غرورِ محبت پہ الکفا کرتے
بھلا وہ کیا کسی دشمن کا سامنا کرتے
خدا کی راہ میں کس کس سے دل بُرا کرتے
مرے کمال کی چوکھٹ پہ سر جھکا کرتے

194

تدبیر اگر فاتحِ تقدیر نہیں ہے
انسان بجز پیکرِ تصویر نہیں ہے

کیا اب بھی کوئی دور ہے آزادی کا
میں سر بکریاں ہوں تو تنہا ہے زمانہ
یوں ہار کے رفتار زمانہ سے نہ بیٹھو
ان کا تب اعمال فرشتوں سے کہے کون
اب نیند ہے عزت کی نہ بیداری ہمت
کیوں آئندہ کے سامنے اس روپ میں آیا
آنچ آتے ہی الزام کی دل ہو گیا پانی
مل جائے تو اس وضع سے دنیا کو نہ بر تو
دل کہتا ہے کچھ اور نظر اور زبان اور
ہاتھ اٹھے ہیں کھلتی نہیں آواز دعا میں
اک حشر بھی اٹھا نہیں رفتار عمل سے
اکسیر نہ کہنا مری خاکستر دل کو
الفاظ بھی آزاد ہیں انداز بھی آزاد
دل موم بناؤں غم ہستی میں کہ فولاد
بہل تمہیں کر دیتا ہے کیوں لفظ محبت
میں غالب و ناسخ کا ہم آواز ہوں اے جہم

(195)

جیسے میں اے قدموں رستہ سے پھر چلوں گا
دیکھی ہے ہم نے دنیا راز کرم نہ پوچھو
کیا سانس اکھڑ رہی ہے کیا دم الٹ رہا ہے
اک نقش آب و گل کو جلوہ بنا دیا ہے
کوئی خودی سمجھ لے یا بیخودی سمجھ لے
میرے سکون غم پر اب کس مضطرب ہے

راہ وفا کے ڈرے آنکھیں دکھا رہے ہیں
صبر آزما چکے اب جبر آزما رہے ہیں
ہم شام زندگی کا اک گیت گا رہے ہیں
اے حسن کے تماشے ہم دل بڑھا رہے ہیں
دنیا خراب کر کے اک گھر بنا رہے ہیں
خود داریوں کے صدقے جلوے بنا رہے ہیں

میں عشق کے تصدق انسان بن گیا ہوں زیر قدم فرشتے آنکھیں بچھا رہے ہیں
میں سوچتا ہوں دل ہی اس سمت بڑھ رہا ہے میں دیکھتا ہوں وہ بھی نزدیک آرہے ہیں
اشکوں کی رو میں بچی دل کا لہو بہا کر
غم کی نوازشوں کو رنگیں بنا رہے ہیں



jabir.abbas@yahoo.com

نعتیہ رباعیات

(1)

ہے نور محمدی سراپا باقی دنیا فانی ہے وہ دنیا باقی
بندوں کا بھی محبوب خدا کا بھی حبیب اب اور دو عالم میں رہا کیا باقی

(2)

حاصل تھی جسے نام و نسب کی معراج جس کے لیے تھی رحمت رب کی معراج
کیا پوچھتے ہو نعت کو شاعر کا مقام توصیف پیہر ہے ادب کی معراج

(3)

مفہوم رسول عربی ہیں احمدؐ ملکی مدنی مطلبی ہیں احمدؐ
گذرے ہیں ہزار آدم و عالم بھی اگر ہر آدم و عالم کے نبی ہیں احمدؐ

(4)

محفوظ ہے اسلام رسول عربی اے صلی علی نام رسول عربی
ہر دور میں اخلاق کی تکمیل ہوا سرمایہ پیغام رسول عربی

(5)

کیا حسن کا معیار لیے آئے رسولؐ کس کس کو نصیب ہے تو لائے رسولؐ
ہے وحدہ لا شریک بھی میرا شریک اُحدیت کی حد میں ہے وہ شیدائے رسولؐ

(6)

موزوں تھے سب انبیاء بنوت کے لیے مخصوص محمدؐ تھے ہدایت کے لیے
مطلوب ہیں بندوں کے خدا کے محبوب ایسا تو رسولؐ ہو رسالت کے لیے

(7)

بیکار یہ جسم و روح کی بحث ہے آج سر پر مرے آتما کے ازل سے ہے یہ تاج
کیا اُس کے لیے عرش پہ جانے کا سوال جب فرش پہ حاصل ہو مقامِ معراج

(8)

قدرت سے ملی ہے چشمِ پنا اے دوست تو نے کبھی دیکھا کبھی سمجھا اے دوست
یہ کون ہیں بھاگتے ہیں دنیا کی طرف دینداروں سے بھاگتی ہے دنیا اے دوست

(9)

کتنا ہی حسین ہو خیالِ سرورؐ سمجھے گا نہ تو صورتِ حالِ سرورؐ
اللہ جمیل ہے اگر یاد تجھے اس آئینہ میں دیکھ جمالِ سرورؐ

(10)

پابوس نہ کیوں ہوں بحرِ ختمِ رسلؐ حیران ہو جب فکرِ بشر ختمِ رسلؐ
اب تیرے مقام کا تعین کیا ہو جنت ہے تری راہِ گزَر ختمِ رسلؐ

(11)

دنیا میں نہ تھی شئی کوئی شایانِ رسولؐ سمجھیں گے وہی جن کو ہے عرفانِ رسولؐ
اللہ کا ہے کوئی محل اور نہ مقام یہ عرشِ حقیقت میں ہے ایوانِ رسولؐ

(12)

ایوانِ رسولؐ کا ہے کلّوا طیبہ کس میں ہے یہ دم کبے ہمارا طیبہ
آخر یہ زمیں پر کہیں رہتے سہتے جنت سے انہیں کے لیے آیا طیبہ

(13)

وہ سرِ خفیٰ نصِ جلی کی معراج اس شان کی تھی کہاں کسی کی معراج
حاصل اُسے عرش پر بھی تھی فرش پر بھی کیوں بحث میں لاتے ہو نبیؐ کی معراج

(14)

زور اپنا جو دکھائیں محمدؐ والے کونین سے لکرائیں محمدؐ والے
یہ عالم امکاں ہے مسلم لیکن ممکن نہیں مٹ جائیں محمدؐ والے

(15)

آدم مابین آب و گل تھے جب سے روشن تھی فضا نور حبیب رب سے
اپنی ہستی سے بے خبر آدم زاد کیا جانے کہ ہے ذات محمدؐ کب سے

(16)

شاہان جہاں کی کجکلاہی نہ چلی یاں ایک کی بھی جہاں پناہی نہ چلی
اللہ رے فقر مصطفیٰ کے تیور ان کے آگے کسی کی شاہی نہ چلی

(17)

احساسِ حیات کو جگانے والا حکمت کے حدود کو بڑھانے والا
کتنے پیغمبروں کے بعد آیا ہے انسان کو انسان بنانے والا

(18)

رفعت کا وہ کس فضا میں محتاج رہا جس کے سر پر ازل سے یہ تاج رہا
معراج سر عرش ہے کیوں بحث طلب وہ فرش پہ بھی صاحبِ معراج رہا

(19)

یوں پہلے پہل تو سامنا کیا کرتا چپ چاپ خدا کا نور دیکھا کرتا
جس راہ سے لے گئی حلیمہ اُس کو میں ہوتا تو ہر قدم پہ سجدہ کرتا

(20)

روشن گر کائنات ممکن آیا تکمیلِ نوازشات کا سن آیا
کعبہ آواز دے خلیل حق کو جس دن کی دعا مانگی تھی وہ دن آیا

(21)

دنیا میں پیہروں کا سلطان آیا انسان کی عظمت کا نگہبان آیا
سیرت ایسی بدل دیا نظم جہاں صورت ایسی کہ جس پہ قرآن آیا

(22)

خدمت یہ کسی نبیٰ ولی سے نہ ہوئی وابستہ کسی پیہری سے نہ ہوئی
کامل تھے سبھی مگر محمدؐ کے سوا اخلاق کی مکمل کسی سے نہ ہوئی

(23)

مدہم تھا چراغِ روشنی پوری کی تعمیرِ نجاتِ آدمی پوری کی
اللہ رے پیغمبرِ خاتم کا کمال ہر ایک پیہر کی کمی پوری کی

(24)

اُس حلقہٴ اربابِ ولا میں ہوتے انصار میں ہوتے رفقا میں ہوتے
سنّتے ہیں کہ ہر نبیٰ کو حسرت یہ رہی ہم اُمتِ محبوبِ خدا میں ہوتے

(25)

اے خیر بشر کشفِ اسرارِ حیات تیری ہی تجلیاں ہیں انوارِ حیات
انسان ہیں اپنی کوششوں کی حد میں آزادِ حیات اور گرفتارِ حیات

(26)

مکمل نمودِ کبریائی نہ ہوئی پوری غرض جلوہ نمائی نہ ہوئی
تو ذکرِ احد میں شانِ دیکھ احمدؐ کی یہ وہ ہیں بغیر ان کے خدائی نہ ہوئی

(27)

ہر چیخنے والا جو نبیٰ ہو جائے پیغامِ خدا کا دل لگی ہو جائے
بے ختم نبوت پہ نبوت کی ہوس کم ہے یہ شرف کہ آدمی ہو جائے

(28)

ہنگامہ زیت میں کمی کیا معنی مرجھائی ہوئی دل کی کلی کیا معنی
الفت میں نبی کی دل اگر زندہ ہے یہ موت کی شکل زندگی کیا معنی

(29)

ساقی مجھے مست مئے وحدت کر دے تقدیم رسالت کے لیے شہر دے
طیبہ میں پہنچنے کا ہے ارماں دل کو فاراں پہ جو چمکی تھی وہ بجلی بھر دے

(30)

ممکن نہیں اور کوئی جذبہ بھر دو ترک الفت پہ دل کو مائل کر دو
اب تک مجھے یاد ہے کسی کا کہنا اس ہاتھ پہ چاند اس پہ سورج دہر دو

(31)

عاشق ہے خدا انہیں بنایا جب سے یوسف بھی حسین نہیں حبیب رب سے
ایسا نفاس ہو تو ایسا نقشِ نقشِ اول ہے اور بہتر سب سے



اخلاقی رباعیات

(1)

پتھر کا جگر ہو ظلم سہنے کے لیے حق کی خاطر تباہ رہنے کے لیے
منہ بھی بے زبان بھی ہے منہ میں لیکن دل چاہیے دل کی بات کہنے کے لیے

(2)

کیا نامِ خدا بہ ہذوہد کہتے ہیں کہتے ہیں تو بے حساب وحد کہتے ہیں
بھولے سے کسی کی خود بھی کرتے ہیں مدد دن رات جو یا علی مدد کہتے ہیں

(3)

حق بات پہ اڑ کے بیٹھ بوذر کی طرح اٹھ شیر صفت مالکِ اشتر کی طرح
سرمایہ پرستوں کی خوشامد میں نہ رہ دولت کو دنا نہ دے گداگر کی طرح

(4)

بھولے سے کبھی عقل کے ناخن لیتا تاریخ نہ قصہ کی طرح سُں لیتا
دولت کی ہوا سے دور رہ کراے کاش سلمان کی طرح ٹوکری بُن لیتا

(5)

احسان نہ لے کسی کا ناداری میں فرق آتا ہے کیا شانِ وفاداری میں
سرمایہ پرستوں کے طریقوں پہ نہ جا کیوں فکرِ نمائش ہے عزاداری میں

(6)

ہر جذبہٴ غیرت سے اثر لیتا ہوں خود دار ہوں کب یہ درد سر لیتا ہوں
نیچی نہیں اس کے ایک بندہ سے نگاہ اللہ کے سو گناہ کر لیتا ہوں

(7)

اے نقطہ اتحادِ روح و پیکر ہیں تجھ میں حیاتِ ابدی کے جوہر
جینا جو نفس کے آنے جانے تک ہے ایسے جینے سے ہے نہ جینا بہتر

(8)

جو نفس کے خیر خواہ ہو جاتے ہیں اپنے لیے خوش نگاہ ہو جاتے ہیں
انفال کا ذکر کیا یہ دنیا وہ ہے الفاظ جہاں گناہ ہو جاتے ہیں

(9)

ہر لمحہ نئی ہوا میں بھرتے دیکھا ہر گام پہ ہوش سے گزرتے دیکھا
دنیا کا مالِ سم عیاذُ باللہ اچھے اچھوں کو رقص کرتے دیکھا

(10)

مفلس کی ریاضتوں میں کیا رکھا ہے افلاس نے علم کو دبا رکھا ہے
دیکھا مذہب کے نمگساروں میں بھی سب نے دولت کو سرچڑھا رکھا ہے

(11)

دنیا کی چراگاہ سے راحت کی نوید مذہب کے گھٹا ٹوپ سے عزت کی نوید
ہوجہل کے ساتھ جوڑ دولت کا اگر ہر بزم سے ملتی ہے صدارت کی نوید

(12)

کیسے کیسے ورقِ دلوں کے اُلٹے اُلٹے، واللہ اور اچھے اُلٹے
اے لمحہ آزمائش و دورِ عمل کن کن چہروں سے تو نے پردے اُلٹے

(13)

جو سب کا ہے مالک یہ پیام اُس کا ہے عزتِ غرباء کی احترام اُس کا ہے
سرکش! یہ امانت میں خیانت کیسی ہاتھ اپنے سہی مگر سلام اُس کا ہے

(14)

مظلوم کی کچھ آئینہ داری تو کرو ایثار کے سلسلے کو جاری تو کرو
رونے کا ثواب بھی ملے گا بیشک اشکوں سے چمن کی آبیاری تو کرو

(15)

کیا ہے جو کہیں حق بہ زباں جاری ہے شیر کے حق کا کوئی اقراری ہے
اقوال حسینی ہیں عمل ہے کچھ اور اے دوست! میں کیا کہوں یہ غداری ہے

(16)

یہ آئینہ دل میں کدورت کیسی مذموم خیالات کی دعوت کیسی
جس دل میں تو لا کی جگہ ہو غافل اس میں کوئی ناروا بضاعت کیسی

(17)

بڑھتی چلتی جو سوز دل کی کو ہے آنکھوں میں تلاش و جستجو کی صو ہے
تنظیم حیات کا سلیقہ ہے اگر انسان کا ہر نفس حیات نو ہے

(18)

بیجا ہے گناہوں پہ طراے بھرنا فطرت پہ اک الزام کا چہرہ دھرنا
انسان و گناہ میں تعلق برحق مصیبت ہے ترا ترک تعلق کرنا

(19)

کیا کچھ نگاہ عارفانہ لے کر چلتا ہے مجھے ساتھ زمانہ لے کر
دم بھر جو تردد میں قدم رکھتا ہے قسمت بڑھتی ہے تازیانہ لے کر

(20)

ہر سمت نظر میں بجوئے خوں آتی ہے سرگشتہ جستجوئے خوں آتی ہے
تہذیب و زباں تجارت و قوم و وطن ان لفظوں سے آج بجوئے خوں آتی ہے

(21)

دولت کے نشہ میں یہ دریدہ دہنی آساں ہے غریبوں کی تجھے دل شکنی
اے پیرو دین حق یہ مسلک تیرا جیسے کہ ہے بیگانہ خلق حسنی

(22)

اے لذتِ بل آتی میں کھونے والے اذکارِ سلف پہ شاد ہونے والے
فاتحہ سے ہیں دن بھر کے پڑوسی کتنے اے رات کو پیٹ بھر کے سونے والے

(23)

اک خطرہ ہے پناہ ایماں کے لیے اک نشتر مستقل رگ جاں کے لیے
اپنوں میں نہ نکریم نہ غیروں میں گذر افلاس بڑا جرم ہے انساں کے لیے

(24)

یوں بات نہ اب تلخ نوائی سے بدل اے دوست نہ طرزِ دلربائی سے بدل
تقدیر سے آگیا زمانہ تیرا لے تُو ہی بُرائی کو بھلائی سے بدل

(25)

اخلاقِ حسینٰی سے سروکار بھی ہو دنیا کی نمایاںوں سے بے زار بھی ہو
دولت سے ہے بے نیاز جو مردِ عمل مزدور بھی ہو اور عزا دار بھی ہو

(26)

دنیا میں غمِ حیات لایا ہوں میں ہر زخمِ جگر پہ مسکریا ہوں میں
جو موتِ حیات جاوداں بنی ہے اُس موت کی جستجو میں آیا ہوں میں

(27)

ساحل پہ ہیں کچھ ناؤ ڈبوئے والے طوفان میں کچھ ہیں جان کھونے والے
ہنسنے والوں کا دل بڑھانے کے لیے مل جاتے ہیں ہر عہد میں رونے والے

(28)

کس زعم نے ہے دماغ گھیرا تیرا منہ کس نے ہے آشتی سے پھیرا تیرا
دنیا اے بے خبر کسی کی نہ ہوئی دنیا میں بہت ہوا ہے میرا تیرا

(29)

کرنے کا ہے جو کام بہر طور کرو کردار کی تربیت پہ بھی غور کرو
پھر ہم بھی کہیں گے یہ باواز بلند تعلیم کا معیار بلند اور کرو

(30)

ہم عہد کے نعمات سناتے ہی رہے واعظ کی زباں پہ وعظ آتے ہی رہے
دم بھر بھی نہ رفتارِ زمانہ ٹھہری ہم کیا ہیں سب اپنی اپنی گاتے ہی رہے

(31)

یہ رشک و حسد کی رو میں کیا چاہتے ہو سمجھا تھا میں کچھ اپنا بھلا چاہتے ہو
چڑھنے کی فلک پر نہیں کرتے کوشش مجھ کو بھی زمیں پہ کھینچنا چاہتے ہو

(32)

ہو جائے گا معدوم یہ غم ہے شاید فانی ہے یہ روح یہ الم ہے شاید
ہر قطرہ شبنم ہے فضا میں محفوظ شبنم سے بھی ہستی تری کم ہے شاید

(33)

نشر ہمدیوں کے سہتے نہ پھرو ہر موج ہوا کے ساتھ بہتے نہ پھرو
بندے ہو کسی کے اس کا احساس رہے ایک ایک سے دل کا درد کہتے نہ پھرو

(34)

کیا راہ غرض میں لوٹنا جاتا ہے کیا کمتر و ناچیز بنا جاتا ہے
اللہ کے آگے نہیں جھکتا جو سر بندے کے حضور میں جھکا جاتا ہے

(35)

دنیا کی مری نظر میں کیا ہستی ہے ویرانہ کی ممنون ہے جو ہستی ہے
آخر میں نظر اٹھا کے دیکھوں کس کو ہر قصر بلند کی بنا پستی ہے

(36)

واجب ہے ہر ایک اہل زر کی دعوت احباب و عزیز ذی اثر کی دعوت
نادار غریبوں کے لیے ماہ صیام افطار کی دعوت نہ سحر کی دعوت

(37)

بادل کی طرح گر جنے والے دیکھے ہتھیار بدن پہ سجنے والے دیکھے
چپ چاپ عمل کے گرم میدانوں میں اپنی ہستی کو تجنے والے دیکھے

(38)

انساں ہے تو فطرت سے یہ دولت لے لے سرمایہ ایثار و محبت لے لے
خوشبو دیتے ہیں نیک و بد کو یکساں پھولوں سے مزاج کی لطافت لے لے

(39)

تقریر ہو کچھ غلط خیالی ہی تھی اظہارِ کمال بے کمالی ہی تھی
دیوانہ بھی ہو تو صدرِ محفل کردو کیسہ پُر ہے دماغ خالی ہی تھی

(40)

تقدیر نظام ہوش برہم کردے ممکن ہو تو زندگی کے دن کم کردے
سیرت کا ہے کیا سوال صورت دیکھو جیسے کوئی عصیاں کو مجسم کردے

(41)

انسان کی زندگی کو شرماتے ہیں خوش خوش آتے ہیں خوش چلے جاتے ہیں
پھولوں میں نہ جھگڑا ہے کوئی اور نہ فساد کھلتے ہیں مہک دیتے ہیں مرجھاتے ہیں

(42)

چھٹی ہوئی دھوپ دم میں ڈھل جاتی ہے گردوں کی طرح نظر بدل جاتی ہے
تیری ہی زمیں ہے جیسے اس طرح نہ چل یہ پاؤں سے بھی کبھی نکل جاتی ہے

(43)

آئیں نہ مری سمت مسافر نظریں تسکین کے احسان سے تناصر نظریں
دل اور کسی طرف نظر اور کہیں میں نے دیکھی ہیں غیر حاضر نظریں

(44)

دل ہو تو سکون دل کا عالم بھی ہے ہو عین ہوں تو بزمِ ماتم بھی ہے
ہم خود ہوں جہنمی تو کیا اس کا علاج جنت بھی ہے دنیا میں جہنم بھی ہے

(45)

بلبل رودادِ غم سناتے ہی رہے غنچہ کچھ کہہ کے مسکراتے ہی رہے
دم بھر بھی نہ رفتارِ زمانہ ٹھہری ہم کیا ہیں سب اپنی اپنی گاتے ہی رہے

(46)

کیوں ساتھ ہر ایک پیشرو کے ہو لے پاس خاطر سے کس لیے منہ کھولے
چہرہ پہ شکستگی لبوں پر دل ہو الفاظ ادا زباں سے ہوں دل بولے

(47)

پندار نہیں علم و یقین کی زینت ملبوس نہیں دین میں کی زینت
کیا چیز ہے انکسار اللہ اللہ ہر سجدہ برحق ہے جہن کی زینت

(48)

وقف کا سرمایہ کیا سہو و خطا کا مال ہے کیا کسی بیدرد حق نا آشنا کا مال ہے
اے مسلمان دستِ ناحق سے بچانا ہے ضرور ایک پیسہ بھی اگر ہے تو خدا کا مال ہے

(49)

سوتے ہوئے جذبہ کو جگا کر دیکھو نیکی سے بدی کا دل ہلا کر دیکھو
پھر بھول کے بھی وہ سر اٹھانے کا نہیں دشمن پہ یہ وار آزما کر دیکھو

(50)

انسان ہے خود ہی چارہ سار اپنے لیے دل میں ہے اگر تو ہے گداز اپنے لیے
اللہ کو کیا نماز روزہ کا ثواب اپنے لیے روزہ ہے نماز اپنے لیے

(51)

انساں کو بہت گرا رہا ہے انساں ٹھہرو دم بھر اک آرہا ہے انساں
وہ روپ بھی دیکھ لے گی دنیا اک دن جس روپ میں جگمگا رہا ہے انساں

(52)

احساس کا انداز بدل جائے گا گرنا ہوا معیار سنبھل جائے گا
سمجھے گا تو زندگی کا مقصد اس وقت جب دل سے ترے انا نکل جائے گا

(53)

آغاز اچھا ہو جس کا انجام اچھا انساں ہے وہی اے دل ناکام اچھا
مشہور ہے بد اچھا ہے بدنام بُرا ہم کہتے ہیں بد اچھا نہ بدنام اچھا

(54)

خوددار کسی کا آسرا لیتے ہیں دوگام میں کارواں کو جا لیتے ہیں
کس نے یہ کہا جگہ نہیں محفل میں ہمت کے قدم جگہ بنا لیتے ہیں

(55)

خاکسترِ سیم و زر جمیں سے نہ اٹھا احساں کوئی دور سے قریں سے نہ اٹھا
رکھ دستِ طلبِ فضائے عالم سے بلند تارے بھی پڑے ہوں تو زمیں سے نہ اٹھا

(56)

ناداں ہیں جو اس زعم میں کھو جاتے ہیں مرتے ہوئے زندگی کو رو جاتے ہیں
ہو دامنِ دولت میں ولادت تیری ایسے بہت اتفاق ہو جاتے ہیں

(57)

دولت سے ہم احتراز فرما نہ سکے قابو میں تھے ہاتھ اور سر کا نہ سکے
سب خاک میں مل گیا قناعت کا غرور جب پاؤں پہ گر پڑی تو ٹھکرا نہ سکے

(58)

ہر گام پہ تیوریاں بدلتا ہوا جا سر پائے غرور سے کچلتا ہوا جا
ہے ایک گڑھا قبر کا منزل تیری چلتا ہوا جا تو کہ مچلتا ہوا جا

(59)

تھم جا کہ ہے اس راہ سے پھر نا بھی تجھے دریا میں ہے ڈوبنا بھی ترنا بھی تجھے
نخوت نے بلند کر دیا ہے جتنا اتنی ہی بلندی سے ہے گرنا بھی تجھے

(60)

منہ گریہ حسرت سے نہ دھل جائے کہیں یہ وقت نہ شمع گل جائے کہیں
او بسترِ عیش پر اکڑنے والے کس خواب میں ہے آنکھ نہ کھل جائے کہیں

(61)

افلاس ہے یہ نام گناہوں کے لیے بھکی ہوئی زندگی کی راہوں کے لیے
دیکھا یہ تمول کی فضا کا عالم جیسے یہ جگہ وقف ہے آہوں کے لیے

(62)

ہر چند کہ ہے تاک میں صیاد ابھی باقی ہے یہ نعمتِ خدا داو ابھی
آواز بھی قید ہیں نکاہیں بھی اسیر صد شکر کہ احساس ہے آزاد ابھی

(63)

لطفِ غمِ زندگی تجھے کیا معلوم کس چیز کی ہے کمی تجھے کیا معلوم
منعم تری تخلیق ہوئی تھی جس وقت فطرت کس دھن من تھی تجھے کیا معلوم

(64)

اس داد و دہش کو مختشم سمجھا ہے سمجھا ہے بہت اگر تو کم سمجھا ہے
ہم نے دیکھے ہیں بے شمار اہل کرم تو اپنی تجارت کو کرم سمجھا ہے

(65)

قرأت کی یہ ہنگامہ طرازی کیسی یہ شانِ نماز اور نمازی کیسی
سربجہ میں گردن پہ دو عالم کے حقوق اللہ رے یہ شعبہ بازی کیسی

(66)

آثار میں شانِ کبریائی تو نہیں در پر کوئی صرف جبہ سائی تو نہیں
بے مال و کمال و علم انسان تو رہا صد شکر کہ دعویٰ خدائی تو نہیں

(67)

اک اک سے گرفتار بلا مانگ چکے عالم کے طبیعوں سے شفا مانگ چکے
مدیر کے بندوں کو دعا کب سوچھی جب ہمارے زمانے سے دوا مانگ چکے

(68)

تبدیل فضاۓ بزمِ عالم نہ کرو اس جنتِ ارضی کو جہنم نہ کرو
مہمان ہو مہمان کی حد سے نہ بڑھو دنیا کا نظام امن برہم نہ کرو

(69)

نافیہوں سے کیا دست و گریباں ہونا دنیا میں بہر حال یہ سماں ہونا
نا اہلوں کی پرورش ہے دنیا کا اصول ہر جوہر قابل کو ہے قرباں ہونا

(70)

فطرت کردے گی تجھ کو عریاں اک دن ہو جائے گا ظاہرِ غمِ پنہاں اک دن
دریا میں ڈبو دے گا اگر اپنا گناہ ساحل پہ بہا لائے گا طوفاں اک دن

(71)

تصویر کی طرح سامنے آئیں گے الفاظ تک فضا میں لہرائیں گے
تاریکی میں جس قدر ہوئے ہیں اعمال اک دن سب روشنی میں آجائیں گے

(72)

دولت کی فضا میں خاک راہی کب تک انسان کی یہ ذلت و خواری کب تک
مسمودِ ازل کو منہ دکھانا ہے کبھی قبلہ کے خلاف سرگزری کب تک



jabir.abbas@yahoo.com

سماجی ربا عیات

(1)

مایا مائی ہے اور لونا ہے تو سنسار کی ہاٹ میں کھلونا ہے تو
سمجھا ہی نہیں آپ کو مورکھ لو بھی باہر بھیتر تمام سونا ہے تو

(2)

دنیا پہ ستم نفس پہ بیداد کرے بھولے سے نہ اصل اپنی کبھی یاد کرے
جیسے تری تخلیق ہیں یہ رات یہ دن جس طرح سے چاہے انہیں برباد کرے

(3)

ہے قابل اعتنا نہ بیداد نہ داد اے جہم خلاف شان ہوگی فریاد
ہوتے ہیں نئے ستم تو کیا اس کا گلہ کرتی ہے ضرورت زمانہ ایجاد

(4)

ست کی بنی بجائے جاؤ ساتھی سوتی دنیا جگائے جاؤ ساتھی
کتنا بھی ہو بوجھ بھار تھکنے کا نہیں سیوا کی ڈگر پہ گائے جاؤ ساتھی

(5)

جس پر جو کچھ پڑے گی سہم جائے گا مجبور فنا کی رو میں بہ جائے گا
کیا بند میں اتحاد ہوگا نہ کہیں بدنام فساد ہوکے رہ جائے گا

(6)

راضی تو نہ ہونا تھا مگر راضی ہیں جتنے تھے خلاف اہل نظر راضی ہیں
ٹڈی دل کے مقابلہ کی خاطر سب مشترکہ دفاع پر راضی ہیں

(7)

بھارت کو بہر حال سنورنا ہے ضرور عزت کے منازل میں ابھرنا ہے ضرور
ہنگاموں سے جاتا ہے حکومت کا وقار ایوان میں ضبط نفس کرنا ہے ضرور

(8)

کر مشق فصاحت و بلاغت اے دوست مل جائے گی کرسی صدارت اے دوست
مدیر کی فکر بے محل ہے بالکل تقریر کی آج ہے حکومت اے دوست

(9)

زر ہو تو خرید لے کہ دشوار نہیں یہ عہد تجارت ہے خبردار نہیں
اعزاز خطابات شرافت شہرت ہے کوئی شئی جو سر بازار نہیں

(10)

کیا تجھ کو حقائق سے یہ بیزاری ہے رفتار میں گفتار میں عیاری ہے
دنیا کو فلم سمجھ رہا ہے شاید کیا تیرا کمال بھی ادا کاری ہے

(11)

یہ زعم حکومت ہے پُرانا دھوکا پھر جذبہ ارباب ولا کو ٹوکا
بغداد نے ”یک ہزار وی سال“ کے بعد پھر زائر شیر کا رستہ روکا

(12)

فطرت کردگی تجھ کو عریاں اک دن ہو جائے گا ظاہر غم پنہاں اک دن
دریا میں ڈبو دے گا اگر اپنا گناہ ساحل پہ بہا لائے گا طوفاں اک دن

(13)

اس کے لیے ہیں ایک سپید اور سیاہ آئی اب فطرت پہ کبھی آہ نہ واہ
مرجھا گئے کچھ پھول چمن میں کھل کر یا ہو گئی دنیا میں کوئی قوم تباہ

(14)

حل ہو گئیں ساری مشکلیں کیا کہنا ٹوٹیں وہ جمود کی سلیں کیا کہنا
ہڑتال فساد ٹوٹ مار آگ لہو یہ کس عمل کی منزلیں کیا کہنا

(15)

آزاد کو اک قید ہے فغفوری بھی ہے بار گراں قبائے دستوری بھی
تو اپنے لیے جگہ معین کر لے دنیا میں غلامی بھی ہے مزدوری بھی

(16)

یوں بھی منزل کی راہ لی جاتی ہے کس فکر میں ہے دھوپ ڈھلی جاتی ہے
پچھے ہٹنے کی حد ہے کوئی کہ نہیں دنیا آگے بڑھی چلی جاتی ہے

(17)

ہر دور میں سلح و آشتی کا مفہوم پاکیزہ سلیس زندگی کا مفہوم
مسلم ہو تو ہے اس کی حفاظت واجب اسلام میں ہے سلامتی کا مفہوم

(18)

جیتا ہوں کہ جیسے کوئی مجبور حیات دینا نہیں روشنی مجھے نور حیات
میں جس کی حفاظت کے لیے آیا تھا میں نے ہی بگاڑا ہے وہ دستور حیات

(19)

تحقید حیات کر کے جینا ہے مجھے اس نقش میں رنگ بھر کے جینا ہے مجھے
جی کر مرنا مرے حریفوں کے لیے میں اور بشر ہوں مر کے جینا ہے مجھے

(20)

یہ آٹھ پہر رحمت رب کیا کہنا یہ صبح عجم شام عرب کیا کہنا
کیا خوب ہوا آج قرآن السعدین نو روز کا دن قدر کی شب کیا کہنا

(21)

اے دامن دولت و امارت کے پلے زیبا ہے غریب سے اگر بچ کے چلے
مزدور کی منتشر ہیں آپیں جس میں جب جانیں کہ اس فضا میں تو سانس نہ لے

(22)

ہر ذرہ کا دعویٰ کہ ہوں بھارت کا شباب ہر موج ترقی کی ہوائیں بیتاب
اللہ کرے کہ سچ یہ افسانے ہوں ہے گردن راوی پہ عذاب اور ثواب

(23)

بھارت ہے چمن جان چمن ہیں ہم لوگ کیا تابل شرط و ریب وطن ہیں ہم لوگ
آپس میں بھی مول تول ہوتا ہے کہیں اس دیس کے انمول رتن ہیں ہم لوگ

(24)

دل کوئی نہ اپنی چشم نم سا دیکھا احساس مسرت کو بھی غم سا دیکھا
کچھ چھوٹیڑیاں جلی ہوئیں کچھ لاشیں یہ ہم نے تماشاۓ اہنا دیکھا

(25)

مزدور کی زحمتوں سے نسبت بھی نہ ہو محنت کیسی خیال محنت بھی نہ ہو
اُن کا حق کیا ہے دواتِ دنیا پر جن کو کبھی سوچنے کی زحمت بھی نہ ہو

(26)

دنیا میں بزرگی کا نشان ہے عورت ہے تابل تعظیم جہاں ہے عورت
شاعر سلطان فلسفی پیغمبر بچے ہیں سب اُس کے نور ماں ہے عورت

(27)

دل تیرا مساوات سے گھرا ہی گیا غیروں کے اصول کا اثر چھا ہی گیا
اے گانگریس اے ہند کی منظورِ نظر تجھ کو بھی حکومت کا نشہ آ ہی گیا

(28)

کس جگہ غیرت کے جذبے کھو گئے سُن رہے ہیں شیر دل یا سو گئے
پنتھ کہتے ہیں کہ اس تحریک سے اہل یوپی بدعتیہ ہو گئے



رباعیاتِ واعظ

(1)

دل میں بھی نماز جلوہ گر ہے کہ نہیں روزہ کی حقیقت پہ نظر ہے کہ نہیں
اللہ کے حق کی فکر رکھنے والے بندوں کے حقوق کی خبر ہے کہ نہیں

(2)

کیا تجھ کو امیرِ مومنین سے نسبت پہلے پیدا تو کر کہیں سے نسبت
جو کھائے ہیں عمر بھر وہ ایسا تھا امیر تجھ کو بھی ہے کچھ نانِ جویں سے نسبت

(3)

تو قیس صفت دل کا قوی ہے کہ نہیں کیوں پیروِ مسلم جری ہے کہ نہیں
دنیا کو پیامِ کربلا دیتا ہے سچ کہہ مولانا کا اپیلچی ہے کہ نہیں

(4)

الفاظ میں کربلند ایوانِ عمل آواز کے لحن میں رہے شانِ عمل
تقریر میں چاہے جتنا آگے بڑھ جا مجلس میں تو ہوتا نہیں میدانِ عمل

(5)

عالم ہے تو قرآن پہ عالم بھی ہو خاکِ درِ اہلبیت منزل بھی ہو
اے دوست تری عبا قبا کے نیچے اللہ کرے درد بھرا دل بھی ہو

(6)

قول اور عمل میں مطلقاً میل نہیں عقبی کے منڈھے چڑھے یہ وہ بیل نہیں
لفزش ہے قدم میں کیا قدم رکھتے ہو منبر ہے رسولؐ کا کوئی کھیل نہیں

(7)

ذی علم خوشامدی بھی دیکھے ہم نے ملت کے مہنت جی بھی دیکھے ہم نے
دربار کے شاعر تو بہت ہیں لیکن دربار کے مولوی بھی دیکھے ہم نے

(8)

آدرسِ عمل کے وار کر سامنے آ دل والوں کے دل شکار کر سامنے آ
واعظ تری تبلیغ سر آنکھوں پہ مگر چہرہ سے نقاب اُتار کر سامنے آ

(9)

دل میں بنیاد دردِ دل محکم ہو شیر کا غم بھی، قوم کا بھی غم ہو
اب ایسے بشر کو ڈھونڈتی ہیں آنکھیں انسان زیادہ ہو وہ، عالم ہو

(10)

افلاس سے بے رخی تنہا سے لگاؤ لانے کو ہے رنگ یہ بگاڑ اور بناؤ
کمزور عقیدتیں سنبھالیں سب تک یہ گھیر عمامے کا عبا کا پھیلاؤ

(11)

کاندھے پہ عبا فرق پہ عمامہ ہے دل میں حرص و ہوا کا ہنگامہ ہے
جھ سے تو ہے اک جاہل مطلق اچھا جب علم ترا فریب کا جامہ ہے

(12)

آساں تھا بہت تارائی قرآن ہونا مسجد کی صفوف میں نمایاں ہونا
اک عمر گزر گئی یہ کوشش کرتے اب تک آیا نہیں مسلمان ہونا



متفرق رباعیات

- (1) کیوں کر نہ کریں ہم احترامِ غالبؔ کچھ کم ہے یہ حاصلِ کلامِ غالبؔ
دنیا کے ہر اک ملک ہر اک ملت میں تبلیغ ہے اردو کی بنامِ غالبؔ
- (2) مدت سے ہیں ہم مدح سرائے غالبؔ دل میں ہے ہر اہل دل کے جائے غالبؔ
یورپ میں بھی ہے آج ہماری تقلید پہنچی ہے کہاں کہاں نوائے غالبؔ
- (3) کشمیر میں کیا شام و سحر کی ہم نے اک آہ کی جس سمت نظر کی ہم نے
کانٹوں میں کسی کی یوں نہ گزری ہوگی جس درد سے پھولوں میں بسر کی ہم نے
- (4) ہے تیرے عروج میں بھی پستی کشمیرؔ تکلیف بھی راحت بھی ہے سستی کشمیرؔ
جنگل ترا فردوس ہے بستی دوزخ اعراف ہے گویا تری مستی کشمیرؔ
- (5) چاندی سونا لگھل رہا ہے تو کیا محلوں میں چراغ جل رہا ہے تو کیا
اہل کشمیر سیر و سراب نہیں شاہی چشمہ اُبل رہا ہے تو کیا
- (6) افلاس کی طرح کوئی شے عام نہیں جنت سہی کشمیر پہ آرام نہیں
آنکھوں میں نشاط ہے زبانوں پہ نشاط اور دل میں کہیں نشاط کا نام نہیں

(7)

پھولوں کے جگہ جگہ نشیمن دیکھے کشمیر کے جنگلوں میں گلشن دیکھے
پھوٹی ہوئی انسانوں کی قسمت دیکھی ٹوٹے ہوئے شاعروں کے مدفن دیکھے

(8)

ٹھہر ٹھہر کہ دو عالم بلائے دیتی ہے ترے لبوں پہ نہیں تیرے اختیار کی لے
نشاط میں کہیں سامانِ غم نہ ہو جائے بدل گئی ترے نغمہ سے آبتار کی لے

(9)

اے عزتِ حور ہم بھی کشمیر میں ہیں سنتے ہیں حضور ہم بھی کشمیر میں ہیں
جب تم ہی نہیں تو کچھ نگاہوں میں نہیں کشمیر سے دور ہم بھی کشمیر میں ہیں

(10)

پھولوں کا چمن میں آشیانہ کردے اللہ حقیقت کو فسانہ کردے
انسان کے ہاتھوں اسے برباد نہ کر کشمیر کو فردوس روانہ کردے

(11)

کشتی ٹہراؤ دردِ ظاہر کر لیں شکرِ نعمت ادا مسافر کر لیں
ممنون ہیں دعوتِ نظر کی آنکھیں کشمیر کو اک سلامِ آخر کر لیں

(12)

ہیں برف کے تودے کہ گھلے جاتے ہیں پھولوں کو لگے ہیں پر اڑے جاتے ہیں
فطرت بھی تو کشمیر کی گرویدہ ہے چشمے ہیں کہ پاؤں پوجتے جاتے ہیں

(13)

غم سب سے بڑا ہے کارِ سازِ احساس ہر ایک نہیں واقفِ دازِ احساس
جس نے کبھی دل پہ چوٹ کھائی ہی نہ ہو کیا جانے وہ لطفِ دل گدازِ احساس

(14)

فطرت کی ہے سب زندہ دلی تیرے لیے دنیا میں ہے سب شگفتگی تیرے لیے
دن کو کھلتے ہیں پھول تیری خاطر شب کو رہتی ہے چاندنی تیرے لیے

(15)

پھر صبح نہ ہو وہ شام آئے کوئی یوں میری طرف مستِ خرام آئے کوئی
جس طرح ستارے سے ستارے کی طرف لپٹا ہوا نور میں پیام آئے کوئی

(16)

منزل کا سراغ پالیا خوب ہوا بڑھ کر اگلوں کو جالیا خوب ہوا
قربان ترے لطف و کرم کے یارب چلتے پھرتے اٹھا لیا خوب ہوا

(17)

بندے ہی سہی آن مگر کیوں ٹوٹے ان کی ضد تھی یہ کچھ تو منہ سے پھوٹے
بات اُن کی رہی اور نجات اپنی ہوئی مرنے کی دعا مانگ کے سستے چھوٹے

(18)

ہر وادی عیش سے گذر لیتا ہوں بے دور شراب جام بھر لیتا ہوں
افلاس بھی وجہ پارسائی نہ ہوا تخیل میں سو گناہ کر لیتا ہوں

(19)

یوں بھی جیتے ہیں جن کا دل گردہ ہے ہے اپنے لیے تو زندگی مردہ ہے
دنیا کی نگاہ میں ساؤں کیوں کر بالیدہ ہے روح جسم افسردہ ہے

(20)

تخیل میں ہر نگ و دو روز آیا ہمراہ لیے خوشی کی رُو روز آیا
کرار کی ظاہری خلافت کے طفیل اتنوم کا تاج پہنے نو روز آیا

(21)

یہ عیشِ نظر بہشتِ ارضی ساقی موجِ اُشرو مئے گرامی ساقی
دل بھر کے پلا کہ قلبِ پنجاب میں ہوں ستلج سے گذر گئی ہے کشتی ساقی

(22)

دنیا کو دوائے درد و آلام ملے جذبہ کو سکون دل کو آرام ملے
کیا بات ہے اس فضاے جالندھر کی کافر کو جہاں پیامِ اسلام ملے

(23)

اللہ رہے نگہبانِ پنجاب ہے حدِ نظر پہ کاروانِ پنجاب
ہاں بند کے سر پہ تاج رکھو گے تمہیں شاباش ہے اے زندہ دلاںِ پنجاب

(24)

اک عالمِ طور عالمِ غش دیکھا مسجد کیا ایک حسنِ دلکش دیکھا
دل نے سرمایہٴ تجلی پایا آنکھوں نے مرے خوابِ مراکش دیکھا

(25)

سانچے میں محبت کے ڈھلا ہے اسلام غم خانوں میں گھنٹیوں پلا ہے اسلام
حاصل ہے ایروں پہ فضیلت ہم کو ہم ایسے غریبوں میں پلا ہے اسلام

(26)

دنیا کو ادب سکھانے اسلام آیا قرآن لیے خدا کے پیغام آیا
ہم نے جو نہ کی قدر اٹھائی ذلت اگلوں نے جو سمجھا تو انھیں کام آیا



رباعیاتِ شاعر

(1)

کچھ اور ہے اربابِ نظر کی فہرست دنیا نے بنا رکھی ہے گھر کی فہرست
دعوتِ بن جا یہاں فرزدق بن جا کس نے دیکھی ہے اُن کے در کی فہرست

(2)

دنیاۓ ادب میں اک بھرم رکھتا ہے مذہب کا الم قوم کا غم رکھتا ہے
تو خود بھی نظر آتا ہے کاغذ پہ کہیں جس وقت کہ ہاتھ سے قلم رکھتا ہے

(3)

قوت سے ترے سخن کی انکار نہیں مذاہن میں ہمسر کوئی زہار نہیں
اشعار میں ہے درسِ عمل بھی لیکن اس درس کا مظہر ترا کردار نہیں

(4)

نا اہلوں کی وہ عزیز ہستی شہرت معیوب سہاروں سے ہُستی شہرت
اپنائے گا کیوں جویرِ قابل کوئی یہ شعرو ادب کا ننگِ سستی شہرت

(5)

جب عالم بالا سے خبر آتی ہے عارف کے دل میں نور بن جاتی ہے
گر ترک ادب نہ ہو تو یہ بھی کہدوں شاعر کی زباں یہ شعر کہلاتی ہے

(6)

افکار کی کھیتیاں ہری ہیں مجھ سے اسرار نے جھولیاں بھری ہیں مجھ سے
شاہوں کو شکست دی ہے خود داری نے شاعر ہوں حکومتیں ڈری ہیں مجھ سے

(7)

حیرت ہے اگر پھول ہو خوشبو کے خلاف شانہ کی روایات ہوں گیسو کے خلاف
دنیا کی ذرا ستم ظریفی دیکھو اردو ہی میں گفتگو ہے اردو کے خلاف

(8)

الفاظ و معانی کا چمن یاد آیا اردو کی غزل کا بانگین یاد آیا
اپنی ہستی کی قدر محسوس ہوئی جب مشغلہ شعر و سخن یاد آیا

(9)

شاعر ہوں و مرا طرز سخن ہے آزاد حق کوئی کی دھن میں فکر و فن ہے آزاد
آزادی ہے کیا خوب کہ آپس ہی میں لڑنے کو ہر اک ننگ وطن ہے آزاد

(10)

لازم ہے کہ ہو ذوق طلب صحت مند آئین حیات روز و شب صحت مند
حکمت کا تقاضا ہے یہ شاعر کے لیے کردار صحیح ہو ادب صحت مند

(11)

ہو یا نہ ہو کوئی منتظر آؤں گا دنیا کے جگانے پہ مصر آؤں گا
جس کا شاعر ہوں اس کو آنا ہے ابھی میں بخت حق کے ساتھ پھر آؤں گا

(12)

شاعر کیا اپنی شان دکھاتا ہے مطرب انماض کس سے فرماتا ہے
ہم آپ ہی درد دل کریں گے موزوں رونا گانا کسے نہیں آتا ہے

(13)

چندار میں اپنے مست و خر سند سہی غالب کا جگر میر کا دلبد سہی
تخیل کے ہذیان کو قرآن نہ سمجھ دنیائے ادب کا تو خداوند سہی

(14)

آسان ہے اللہ سے منکر ہونا یا معرفت نبیؐ سے قاصر ہونا
اس شان سے اپنی شاعری کا اقرار جیسے کہ بڑا فخر ہے شاعر ہونا

(15)

شاعر ہوں مذاق رنگ و بو کہتا ہے خود دار ہوں طرز گفتگو کہتا ہے
اُس وقت میں دینا ہوں نظر کو زحمت جب حسن نگاہ رو برو کہتا ہے

(16)

مشہور جہاں میں خوش نگاہی ہے مری شاعر ہوں حسین کا یہ شاہی ہے مری
کفر و بدعت کے بل نکالے جس نے اُس کے صدق میں کجگاہی ہے مری

(17)

منظور ہے اے حسین کس کی خاطر تو اور نگاہ ظاہری کی خاطر
اک نظم سکون روح شاعر کے لیے اک گیت رباب زندگی کی خاطر

(18)

میدانِ عمل میں کوئی تاصر سجھے غائب کوئی تو کوئی حاضر سجھے
اب داور محشر سے بھی حسن ظن ہے شاید وہ بھی غریب شاعر سجھے

(19)

سکھ کی بنی بجائے جاؤ ساجن جاتی دنیا ہے گائے جاؤ ساجن
کیسے دن کے رات کا ہے آنا جانا چوری چوری ہی آئے جاؤ ساجن

(20)

الفاظ کا ہو اثر نہ کیوں کر باطل اعمال ہیں سب میرے مقرر باطل
تصنیف صحیح اور مصنف ہے غلط آواز مری حق میں سراسر باطل

(21)

ذہنوں کی بلندی سے اتر جائیں گی مانند عذاب درد سر جائیں گی
باقی رہ جائے گا مرا عہدِ سخن دنیا سے حکومتیں گزر جائیں گی

(22)

شاعر ہے تہہ دل جو زباں رکھتا ہے بنیادِ حیات جاوداں رکھتا ہے
جذباتِ صحیح پیش کردے اپنے اتنی ہمت کوئی کہاں رکھتا ہے

(23)

کونل نے بھی حشر اٹھا دیا ہے ہمدِ احساس کو تھر تھرا دیا ہے ہمدِ فریاد کناں ہے کسی شاعر کی یہ روح دنیا نے جسے بھلا دیا ہے ہمدِ

(24)

یہ لُحْن یہ آواز ترانہ صورتِ بکھرے ہوئے بال والہانہ صورت پیدا نہ کرے گا دلِ شاعر ہرگز یہ تیرا فریبِ شاعرانہ صورت

(25)

ہاں خیر سے فرصت ہی من و تو کی نہیں میں نے تو کسی کی راہ بھی روکی نہیں دنیا میں ہوں میں ایک ہی شاعر یعنی اس تنگ ستارہ میں جگہ دو کی نہیں

(26)

وہ کیف وہ آہنگِ خدا ساز کہاں وہ قلب کی تسکین کا انداز کہاں تخیل کی شعر میں لطافت کیسی الفاظ کہاں روح کی آواز کہاں

(27)

دیوان لیے بغل میں کیا پھرتا ہے ایک ایک کے در پہ کیوں پڑا پھرتا ہے سلطانِ سخن ہے تو گدائی کیسی کیوں داد کی بھیک مانگتا پھرتا ہے

(28)

اک خاک نشین ہوں بو ترابی ہوں میں اُٹھوں تو دلیل کامیابی ہوں میں شاعر ہوں حسین کا یہ نسبت ہے مری دُنیا سُن لے کہ انقلابی ہوں میں

(29)

احساس کو قوتِ نمو دیتا ہوں لفظوں کو مجالِ گفتگو دیتا ہوں شاعر ہوں مرے دم سے ہے یہ جوشِ حیات میں قوم بنا کے آبرو دیتا ہوں



ذاتی رباعیات

(1)

کچھ شعر جو منقبت میں کہلاتا ہے کس خواب سے اپنے دل کو بہلاتا ہے
موزوں تیرے کردار پہ ہے یہ خطاب تو شاعر اہل بیٹ کہلاتا ہے

(2)

کیوں جام شرابِ ارغوانی مانگوں کیوں میں دو دن کی زندگانی مانگوں
مل جائے کہیں جو میرا بانکا ساقی میدان کی موت لوں جوانی مانگوں

(3)

خود نفس پہ اپنے ظلم ڈھاؤں نہ کہیں میں وردِ دعا سے ہاتھ اٹھاؤں نہ کہیں
معبود مجھے دولتِ دنیا سے بچا منہ بومِ حیات بھول جاؤں نہ کہیں

(4)

ڈوبا ہوا ہوں غم میں ابھرنے کے لیے آئینِ حیات وضع کرنے کے لیے
مرمر کے جی رہا ہوں کتنے دن سے اک قابلِ رشک موت مرنے کے لیے

(5)

جب زیرِ زمیں سلا کے آئے گا مجھے دو چار قدم میں بھول جائے گا مجھے
اس دن ترا حافظ ہے خدا ہی اے دوست جب میرے کسی شعر میں پائے گا مجھے

(6)

شاعر ہوں مجھے ملا ہے شاعر کا نصیب دوری ہے مسرت سے بہت غم ہے قریب
میرے لیے آرام کہاں دنیا میں مسجد کا امام ہوں نہ منبر کا خطیب

(7)

آثارِ فنا کو دیکھتا رہتا ہوں رفتارِ بقا کو دیکھتا رہتا ہوں
اک دن ہوں قفس توڑ کے اڑنے والا دنیا کی ہوا کو دیکھتا رہتا ہوں

(8)

برباد ہوں پر دیارِ آباد کا ہوں ممنونِ طبیعتِ خدا داد کا ہوں
اے جہمِ زبانِ میرِ میری ہے زباں بلبل جو میں باغِ اکبرِ آباد کا ہوں

(9)

ارمان ہوں لیکن نہ ٹکھنے والا دل ہوں نہ کبھی مگر بہلنے والا
ہستی ہے مثالِ شمعِ میری اے جہم دن کو خاموش شب کو جلنے والا

(10)

کردیں ہمدردِ آشیانہ خالی غنچواروں سے ہو جائے زمانہ خالی
آنسو تسکین دیتے رہتے ہیں مجھے ہوتا نہیں فطرت کا خزانہ خالی

(11)

ہر عیب سے پاک زندگی ہو جائے ایثار کی دل میں روشنی ہو جائے
ہوتی ہے خدا دوست بشر کی خواہش دشمن سے بھی میری دوستی ہو جائے

(12)

عصیاں ہو کہ ہو ثواب پی لیتا ہوں ملتی ہے تو ہے حساب پی لیتا ہوں
کھانا نہیں حق کسی کا بھولے چوکے دانستہ مگر شراب پی لیتا ہوں

(13)

آئی ہے خبرِ جشن کی چلنا ہے مجھے یا شاہِ بخت کہہ کے سنبھلنا ہے مجھے
جکڑا ہوا میں ضعف کی زنجیر میں ہوں اس قید کو توڑ کر نکلنا ہے مجھے

(14)

سو طرح کے غم میں مبتلا رہتا ہوں خود اپنا مزاج پوچھتا رہتا ہوں
چہرے سے کھلے غبارِ خاطر کیوں کر خوش وضعِ لباس میں چھپا رہتا ہوں

(15)

میری خلقت ہے غم اٹھانے کے لیے احباب کے ظلم بھول جانے کے لیے
دشمن کی تلاش کس لیے ہے اے دوست موجود ہوں میں فریب کھانے کے لیے

(16)

مجبور نہ محکوم نظر آتا ہوں رنجور نہ مغموم نظر آتا ہوں
پلے پہ ہو دنیا تو بڑا ظالم ہوں تنہا ہوں تو مظلوم نظر آتا ہوں

(17)

پہلو نہ بدل مجھے ڈبونے کے لیے ہر روز نئی فضا میں کھونے کے لیے
اے نفس تھر کہ خاکساری تیری دھوکہ تو نہیں بلند ہونے کے لیے

(18)

آنکھوں کی زباں سے بولتا رہتا ہوں خاموش نظر میں تولتا رہتا ہوں
کچھ لے کے گزر رہا ہے یادے کے مجھے ہر لمحہ کا دل ٹولتا رہتا ہوں

(19)

ہے رفعت نفس دردمندی میری پندار نہ جان خود پسندی میری
کیوں سطح محبت پہ نہ آئی دنیا پستی کا قصور ہے بلندی میری

(20)

غم کا چہرہ خوشی کا نازہ ہوں میں تقدیر کا ایک شکار تازہ ہوں میں
اس شان اس اہتمام ظاہر پہ نہ جا پھولوں میں چھپا ہوا جنازہ ہوں میں

(21)

سب جھومتے ہیں سخن کی تاثیر یہ ہے شاعر ہوں علی کے در کا تقدیر یہ ہے
یہ میرے گلے میں بار پھولوں کا نہیں میں اک سگ آستان ہوں زنجیر یہ ہے

(22)

احساں ہو کسی کا کیوں گوارا مجھ کو اب دے نہ سکے گا کوئی دھوکا مجھ کو
برہم سی نظر آتی ہے دنیا مجھ سے اچھا ہے بری نظر سے دیکھا مجھ کو

(23)

کثرت کہیں پائی کہیں قلت پائی کیا چیز یہاں حسبِ ضرورت پائی
اک سانس کا کھیل ہے بس اب دنیا میں دم بھر میں خدا چاہے تو فرصت پائی

(24)

بیگانہ غم ہو کس کا دل گردہ ہے بے نعمت دردِ زندگی مردہ ہے
دنیا کی نگاہ میں ساؤں کیوں کر بالیدہ ہے روحِ جسمِ افسردہ ہے

(25)

مصروفِ غم در بدری ہیں اے دوست باندھے ہوئے رختِ سفری ہیں اے دوست
بجھتی ہوئی شمعیں تو بہت دیکھ چکے اب ہم بھی چراغِ سحری ہیں اے دوست

(26)

ہنگامہ ہستی میں سہم جاؤں گا اک دن اسی شور و غل میں سو جاؤں گا
میں جس نے بتائیں سینکڑوں کو راہیں بچوں کی طرح بھیڑ میں کھو جاؤں گا

(27)

کہتا ہے تو بے ہوس نام نہ کہہ ہر شعر کو اللہ کا پیغام نہ کہہ
جو کچھ ہے ترے دماغِ فاسد کا نچوڑ اوستِ غرور اس کو الہام نہ کہہ

(28)

بزمِ مدحت میں دیکھیں بھالیں گے مجھے خود اٹھ کے وہ پاس اپنے بٹھالیں گے مجھے
مے پی کے والا کی لڑکھڑائوں کا اگر موجود ہیں جبریلِ سنجالیں گے مجھے

(29)

میں اک حقیر شاعرِ بزمِ غدیر ہوں کشکول درِ بغل ہوں حضورِ امیر ہوں
اے دوست ایسی ویسی فقیری نہیں مری سب سے بڑے امیر کے در کا فقیر ہوں

(30)

پینا دیکھو مرا پانا دیکھو لغزش کا یہاں نہیں ٹھکانہ دیکھو
چودہ سو برس ہیں اور چودہ معصوم دیکھو مرا معصوم زمانہ دیکھو

(31)

جائز نہ کبھی کبر و ریا کو سمجھا برحق نہ کسی اہل خطا کو سمجھا
انسان کو انساں کے سوا کیا سمجھوں جب غیر خدا نہ میں خدا کو سمجھا

(32)

عصیاں کے حدود میں نکل جاتا ہوں اپنی ہستی سے چال چل جاتا ہوں
فطرت مری نہیں بدلتی مجھ سے فطرت سے کبھی میں خود بدل جاتا ہوں

(33)

اے خالق حسن دل سنہلنے کا نہیں تحقیق کے پھندے سے نکلنے کا نہیں
مٹی کی حقیقت کو نمایاں کر دے مٹی کے کھلونوں سے بہلنے کا نہیں

(34)

اقرار گناہ سے کبھی عار نہیں ہوں مست شراب مست پندار نہیں
زاہد کی نجات میں ذرا شک ہے مجھے بندہ ہے خدا کا اور گناہگار نہیں

(35)

ہونے کو ہے کیا عذاب حاصل کے سوا تعبیر غلط پردہ حائل کے سوا
مجھ پر تو عذاب آخرت آج بھی ہے کچھ اور نہیں دوری منزل کے سوا

(36)

یہ ولولہ مزاج عالی کیا ہے یہ سلسلہ غلط خیالی کیا ہے
کس وہم میں ہیں مجھے ماننے والے مجھ میں اب چیز مٹنے والی کیا ہے

(37)

سمٹی ہوئی کائنات ہستی دیکھی سیال نگاہوں میں تسلی دیکھی
بڑھتے بڑھتے نظر نظر میں ڈوبی اس کی آنکھوں میں روح اپنی دیکھی

(38)

تیرا بندہ ہوں کج کلاہی کی قسم گن گاتا ہوں تیرے داؤ خواہی کی قسم
سکہ میرا ہے اور خطبہ تیرا قلم سخن کی بادشاہی کی قسم

(39)

الفاظ کے پیکر میں سلایا ہی نہیں پانی انسان کے لب تک آیا ہی نہیں
کیوں سوز بنا ہے مرے ساز دل میں نغمہ جو کسی زباں نے گایا ہی نہیں

(40)

اے داور کائنات و دارائے جہاں اک لطف نظر ادھر بھی آتائے جہاں
امید پہ میں دل کو بچا لیتا ہوں جب رات سمیٹتی ہے اجزائے جہاں

(41)

آسائشِ تن میں نہیں حصہ میرا ناکام ہے دل دماغ رسوا میرا
اب روح کہیں اُس کا نہ کر دے انکار اللہ سے باقی ہے جو رشتہ میرا

(42)

پر شوق نگاہوں کو بدل بھی ڈالا دنیا تری آرزو کو مل بھی ڈالا
ہر بار نیا وجود دینا ہی پڑا تخیل میں سو بار کچل بھی ڈالا

(43)

ہاں میر صفت مزاج والا ہوں میں کل کے غالب تھے آج والا ہوں میں
اردو مرے دیس کی زباں ہے پیارے معلوم ہے ارض تاج والا ہوں میں

(44)

تمہید نشاط جاودانی لے جا ناکام روح کامرانی لے جا
آخر کو اُتر گیا جوانی کا نشہ لے مجھ سے مرے دل کی جوانی لے جا

(45)

جلوہ کی لطافت میں سمو جاتا ہوں سر تا بقدم سکون ہو جاتا ہوں
اے کیف تمام اے نشاط کامل میں تجھ سے نظر ملا کے سو جاتا ہوں

(46)

دنیا تیرے ستم کی ہستی کیا ہے دو لفظ ہیں بیش و کم کی ہستی کیا ہے
میں چیخ رہا ہوں اپنے احساس کو خود میں خالقِ غم ہوں غم کی ہستی کیا ہے

(47)

دل کو دلی نہ لکھنؤ نے مارا اپنے ہی چمن کے رنگ و بو نے مارا
ہر لفظ میں ہے میر کے اشعار کا درد کس کے انداز گفتگو نے مارا

(48)

دنیا تیری ہزار پہلو بدلے بدلی ہے کبھی اور نہ مری خو بدلے
تیرا ہی دیا ہوا ہے احساسِ خودی میں تجھ سے بدل جاؤں اگر تو بدلے

(49)

دیکھا دنیا کو اور ڈٹ کر دیکھا جاتے جاتے پٹ پٹ کر دیکھا
منہوم نہ سمجھا دل دیوانہ مزاج نزدیک پہنچ کے دور ہٹ کر دیکھا

فارسی رباعیات

(1)

لفف و کرم خاص کہ ساقی بخود دارد نہ یکی مثال در غیب و شہود
از مدح نیک و آل باہوش شدیم این طرفہ شراب است ز مینائے وجود

(2)

در قصر نشیند کہ سر رہگذرے دل نیست چودلدار شود بے خبرے
تعبیر بجا کنند از خواب و خیال آن عشق بنا شد کہ ندارد اثرے

(3)

از حد بگذشت خود نمائی تو کجاست درہجہ ظلم است خدائی تو کجاست
انسان شدہ مغرور مثال فرعون اے مامک مُلکِ کبریائی تو کجاست

(4)

دارد چہ عجب بہار این منزل ما صد شکر آں قرار گیرد دل ما
باشد کہ بارض کربلا جذب شود از شہر مدینہ است آب و گل ما

باب ششم

قطعات

(498) عدد

jabir.abbas@yahoo.com

فہرست

شمار	عنوانات	تعداد	صفحہ نمبر
-1	حمدیہ قطعہ	(1) عدد	658
-2	نعتیہ قطعات	(3) عدد	659
-3	منقبتی قطعات	(103) عدد	660
-4	اخلاقی قطعات	(25) عدد	674
-5	قومی قطعات	(71) عدد	678
-6	قطعات واعظ	(11) عدد	688
-7	ذاتی قطعات	(33) عدد	690
-8	قرآنی قطعات	(3) عدد	695
-9	عزائی قطعات	(7) عدد	696
-10	فکری قطعات	(26) عدد	698
-11	قطعات شاعر	(8) عدد	702
-12	ولائی قطعات	(12) عدد	704
-13	سماجی قطعات	(146) عدد	706
-14	غدریہ قطعات	(7) عدد	725
-15	اقصویٰ قطعات	(2) عدد	726
-16	فارسی قطعات	(2) عدد	727
-17	متفرق قطعات	(40) عدد	728
	کل قطعات	498 عدد	

حمدیہ قطعہ

(1)

آنکھیں ہیں مَحْ خواب ستارے بلند ہیں ہے گُل جہاں پہ رات کا پردہ پڑا ہوا
میں تیرے سامنے ہوں کرم کا امیدوار شاہوں کے در ہیں بند ترا در کھٹلا ہوا

نعتیہ قطعات

(1)

یا مصطفیٰ نظامِ تن و جاں بنا دیا تخلیقِ کائنات کا عنوان بنا دیا
صورتِ گرِ ازل نے ترے اعتبار پر اک مشیتِ خاک تھی جسے انساں بنا دیا

(2)

محبت میں محبت کے قفاے رنگ لاتے ہیں ہم ان کو یاد کیا کرتے نبیؐ خود یاد آتے ہیں
ہماری سمت جب اُٹھتی ہے تنقیدی نظر کوئی ہم اپنا عیب ان کا تذکرہ کر کے چھپاتے ہیں

(3)

دنیا میں ہے آوازہ قرآن کی فصاحت کا انساں کوئی کیا سمجھے اندازِ مشیت کا
موضوع یہ نازک ہے میں کیسے زباں کھولوں معراجِ سنادے گی لہجہ اب قدرت کا

منقبتی رباعیات

(1)

در دولت وہ پیہر کا ہو یا خانہ حق
غیر کا دخل ہو یہ اس کو گوار نہ ہوا
اور بیٹی بھی کوئی سرور عالم کی نہ تھی
اسی باعث کوئی پھر کعبہ میں پیدا نہ ہوا

(2)

اذن کے طالب ہیں اس کے در پر آ کر عرش سے
کس قدر ہمت طلب جبریل کا ہر گام ہے
دوپہر کی دھوپ میں ہے میرے جذبہ کا یہ رنگ
مدح کرتا ہوں تو کہتا ہوں سہانی شام ہے

(3)

ولادت کی مسرت سے فضا نغور ہے ساقی
تری محفل کا ہر ذرہ چراغ طور ہے ساقی
میں اک ذرہ سے بھی کم ہوں مگر تیری عنایت سے
مرے چہرہ پہ بھی کچھ میکشی کا نور ہے ساقی

(4)

علی کو حق ملا کونین کی فرمانروائی کا
حکومت کی مگر پہلو بچا کر کبریائی کا
وہ بندہ ہے دکھا دو علم و دولت کے غلاموں کو
خدا اہلا کے بھی دعویٰ نہیں کرتا خدائی کا

(5)

تولا کی ہوا کیسی سرور انگیز ہے ساقی
جواہر خیز و گوہر ریز و گوہر بیز ہے ساقی
مجھے ڈر ہے کہ تا آئی نہ اس مصرع پہ کہہ اٹھے
بہت پی لی ہے اس نے آج نشہ تیز ہے ساقی

(6)

مدحِ علی میں درد کی صورت گری ملی
مولّا کا نام جب کبھی آیا زبان پر
دنیا کو جو نصیب نہیں وہ خوشی ملی
ہر بار مجھ کو ایک نئی زندگی ملی

(7)

خلوصِ مدح سے یہ حاصل فکر و نظر لوں گا
میں ہوں اس فاتحِ اعظم کا بندہ کیا سمجھتے ہو
یہاں راحت سے گزرے گی وہاں جنت میں گھروں گا
علی کا نام لے کر دونوں عالم فتح کروں گا

(8)

لگائے پھرتے ہیں قرآن کو جو سینوں سے
خدا سے ربط نہ ہوتا بغیرِ حبِ علی
وہ کاش حرفِ مودت کے نکتہ داں ہوتے
اگر ہزار بھی قرآن درمیان ہوتے

(9)

خدا ہوتے تو پھر انسانیت کو فخر ہی کیا تھا
خدا کا شکر ہے انسانِ کامل ہی علیؑ تھے
بڑی تسکین دل ہوتی ہے شہِ لافقا کہہ کر
نصیری نے مزا ہی کھو دیا تھا سب خدا کہہ کر

(10)

خدا کے ہاتھ سے تخریب بھی تعمیر ہوتی ہے
یہ سنتے ہیں شگاف اک پڑ گیا دیوارِ کعبہ میں
چمن سے گاہت گل چاک کر کے پیر بن نکلی
ای دن نہ سے مستقبل کے سورج کی کرن نکلی

(11)

ہر وقت یا علی کا نغمہ زبان پر ہے
اک اک نفس میں قرآن میں ختم کر رہا ہوں
توفیق کیا ہے میری دنیا کو کیا خبر ہے
مولّا کا نام نامی قرآن مختصر ہے

(12)

ذاتِ والائے علی ہے حُسن جس کا نام ہے
نیک و بد سب جانتے ہیں وہ ہیں آقا ہم غلام
عشق اُس کی ذات سے ایمان ہے اسلام ہے
بچ میں اب کتابِ اعمال کا کیا کام ہے

(13)

بنائے کعبہ پڑی اہتمام کی خاطر
یہ احترام یہ خاطر خدا کو تھی منظور
ولادتِ شہِ نالی مقام کی خاطر
پیروں نے بنایا امام کی خاطر

(14)

گرے اعنام پیٹانی کے بل حیدر کی آمد سے ہوا رخصت خدائی دور وہ دور عبوری تھا
بہت سجدے لیے تھے آدمی سے جاہلیت میں بتوں سے بھی تو اک سجدہ کرا لینا ضروری تھا

(15)

ترے میلاد کی محفل میں نوشا نوش ہے ساقی قیامت کا تناطم ہے غضب کا جوش ہے ساقی
خدا وہ کہہ رہا ہے تجھ کو میں خاموش سنتا ہوں نصیری ہوش کھو بیٹھا مجھے کچھ ہوش ہے ساقی

(16)

خدارا آج جی بھر کر پلا نو روز ہے ساقی بلا نوشوں کی ہوج حق پر نہ جانو روز ہے ساقی
کوئی دشمن نہیں بہکا ہوا اک دوست ہے اپنا نصیری کی بھی خاطر کر ذرا نو روز ہے ساقی

(17)

جب غیروں کا تھا قبضہ وہ وقت گیا ساقی میخانے میں اب ہر سو اک شور ہے یا ساقی
ہے صبح ازل یہ دن رندوں کی شریعت میں ہر روز پرانا ہے نو روز نیا ساقی

(18)

بہت ہلکی سی اس وقت مئے نوشوں کو دے ساقی مسلمان کو بہر صورت عقیدت اس سے ہے ساقی
پھڑک جاتا ہوں میں داد و دانش کی کار سازی پر جب اس منزل میں کافر بولتے ہیں تیری بے ساقی

(19)

یہ کیا علاج دل بیقرار کرتے ہیں وہ کون ہیں جو فضائل شمار کرتے ہیں
علی کے ذکر پہ ہو یا خدا کی قدرت پر ہم ایک سجدہ بے اختیار کرتے ہیں

(20)

اگرچہ ذرہ ذرہ ہے علی کا جاننے والا ہر اک اہل بصیرت ہے جلالت ماننے والا
ازل سے تا بد اتنی بڑی دنیا کی محفل میں ہمہمیز کے سوا کوئی نہیں پہچاننے والا

(21)

کونین جھومتے ہیں مسرت کے جوش میں کس درجہ اہتمام سے شادی کسی کی ہے
میں کہہ رہا تھا یہ کہ صدا آئی غیب سے بیٹا خدا کے گھر کا ہے بیٹی نبی کی ہے

(22)

آخری نفس تک بھی اس کا ہی سہارا ہے جس نے دردِ دل دے کر نفس کو سنوارا ہے
موت سے گزرنا کیا زندگی گزار آئے زندگی تلاطم تھی موت اک اشارا ہے

(23)

تیرا اک اک لفظ ہے عین شریعت یا علی ہے ترا اک اک نفس روح طریقت یا علی
با عمل عالم ہوں یا ہو صوفی درد آزما تجھ سے دونوں خانوادوں کو ہے بیعت یا علی

(24)

مربوط نبوت سے امامت ہے بلا فصل پیکر سے یو نہیں روح کو قربت ہے بلا فصل
اس طرح بلا فصل خلافت ہے علی کی جس شان سے گن اور مشیت ہے بلا فصل

(25)

خدا صفات و پیہر نظیر ہو نہ گیا کوئی علی کے سوا دنگیر ہو نہ گیا
نبیؐ کے بعد بہت سے امیر بن بیٹھے کوئی امیر جناب امیرؐ ہو نہ گیا

(26)

عشق نے سر رکھ دیا قدموں پہ منزل دیکھ کر احسن نے دل دیدیا انسانِ کامل دیکھ کر
یا علی تھے یا محمدؐ چودھویں معصوم تک امیر خالق تھم گیا تحصیل حاصل دیکھ کر

(27)

دونوں عالمِ مجو حیرت تھے یہ منزل دیکھ کر ایک ہی انداز کا ہر صدرِ محفل دیکھ کر
یا علی تھے یا نبیؐ تھے، چودھویں معصوم تک امیر خالق تھم گیا تحصیل حاصل دیکھ کر

(28)

سِرِّ خفی کا چلہ نصِ جلی کا چلہ اُترا ہے عرشِ حق سے حق کے ولی کا چلہ
مولائی جمع ہیں سب جج ہو رہا ہے شاید کعبہ بنا ہوا ہے مولا علی کا چلہ

(29)

ایسی کے نصیب ہے نسبت کسی کے ساتھ چچا نہیں کسی بھی نبی و ولی کے ساتھ
مولا کو نامِ پاک سے ہے ربط اس قدر جیسے یہ لفظ خلق ہوا ہے علی کے ساتھ

(30)

نمودِ دائرہ ماسوا کسی نے کہا بنائے خلقتِ ارض و سما کسی نے کہا
نصیریوں پہ ہے الزام کیا خدا کے لیے کسی نے نفسِ خدا اور خدا کسی نے کہا

(31)

رابطِ مستحکم ہے اللہ و نبیؐ کے نام سے واسطہ ایسا نہیں ہوتا کسی کے نام سے
کچھ بھی ہو لیکن مجھے اک بات کہنی ہے ضرور حل ہوئی ہے میری ہر مشکل علیؑ کے نام سے

(32)

بیٹے کی جگہ ملا علیؑ سا بھائی بیٹی کی ضرورت تھی پیہر کے لیے
خالق کی مشیت میں یہ گذرا ہوگا سر چاہیے تظہیر کی چادر کے لیے

(33)

امینِ وحی طلب گارِ اذن ہوتے ہیں یہ عزو شان ہے زہراً کے آستانے کی
ہوا حسین سے بیعت طلب یزید اچیں کبھی بدلتی ہے یوں بھی ہوا زمانے کی
وجودِ حضرت جنت سے اس کو ہے انکار جسے غرض ہو موذت سے ہاتھ اٹھانے کی

(34)

اس سے بنیادِ مجالس کا ہوا استحکام غمِ شیر کی تبلیغ میں کی عمر تمام
صنفِ نسواں میں نہ ہوتے ہیں پیہر نہ امام ورنہ کچھ دور نہ تھا اس سے امامت کا مقام

(35)

زینبؑ و کلثومؑ اور حسنینؑ سے لختِ جگر خانہ پُر نور میں اسلام ہی اسلام ہے
کم نہیں از روئے فطرت باپ کا غم بھی مگر اس سے بڑھ کر دل میں در و ملت اسلام ہے
حجم جس کے مدح گستر ہوں خدا اور مصطفیٰؐ اُس کی مدحت میں زباں کھلنا بھی مشکل کام ہے

(36)

پیکرِ معصومیتِ اسلام کا دلِ فاطمہؑ کائناتِ آدم و عالم کا حاصلِ فاطمہؑ
خود رسول اللہ بھی تشریف فرما تھے مگر منزلِ تظہیر میں تھی صدرِ محفلِ فاطمہؑ

(37)

کیا جلالت کا شرف فاطمہ زہرا کو ملا
مدح میں خوف سے تھراتی ہے فکرِ شاعر
غنیچہ کون و مکاں اس کے تصدق میں کھلا
نام لینے سے لرزتا ہے دل اہل ولا

(38)

فاطمہ اسلام کی پیغمبری کا نام ہے
ایسی بیٹی ہے کہ خود تعظیم کرتے ہیں رسول
صفتِ نسواں میں وہی پیغمبرِ اسلام ہے
کوئی کہہ سکتا ہے دنیا میں یہ مسلک عام ہے

(39)

فاطمہ کا دردِ دل ہے زندگی اسلام کی
پوچھنا ہے کوئی گوشہ مدح اہل بیت کا
جو نہ سمجھے اُس کا معیار عقیدت خام ہے
مجھ کو جبریل امیں سے اک ذرا سا کام ہے
دیدنی قولِ نبی میں ہے مقام اس لفظ کا
ہم موذت کہتے ہیں لفظِ محبت عام ہے

(40)

بے اُس کے در پہ کہاں عام خادموں کی جگہ
مباہلہ کی فضا بھی ہے دیدنی اے دوست
جہاں بلال ہے سلمان ہے ابوذر ہے
اس ایک لفظ میں اس کی ثنا کا دفتر ہے
شریک وہ بھی ہے ملت کی رہ نمائی میں
خدا کے اذن سے حاضر ہوئے ہیں روحِ امیں
خلیلِ فخر یہ اسلام کا مقدر ہے
قیامِ پھر بھی پئے اذن اس کے در پر ہے

(41)

کوئی کہدے یہاں اس کے فضائل کا نتیجہ ہے
کتاب اللہ سے اُس کا تقابل کیا کرے کوئی
غلط ثابت کروں گا میں اُسے یہ میرا ذمہ ہے
وہ ہے اُم الکتاب اور فاطمہ اُم الائمہ ہے

(42)

فاطمہ کے لاڈلوں کا یہ لڑکپن دیکھنا
اللہ اللہ کس قدر دنیا پڑا سجدے کو طول
پیٹھ پر آ بیٹھے سجدہ میں جو پیغمبر گئے
کھیل بھی ان کے عبادت میں اضافہ کر گئے

(43)

کتابوں میں ہو مدحت یا زمانہ کی زباں پر ہو
کتاب اللہ سے اس کا تقابل کیا کرے کوئی
خدا شاہِ فضائل کا یہ اُس کے ایک شمع ہے
وہ ہے اُم الکتاب اور فاطمہ ام الائمہ ہے

(44)

یہ عروسی اور یہ شادی تھا خدا کا انتخاب فاطمہ بنت نبیؐ مولودِ کعبہؐ بو تراب
ذرہ ذرہ، پتہ پتہ، غنچہ غنچہ، پھول پھول کہہ رہے تھے آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

(45)

نبیؐ کے بعد عجب دورِ انقلاب ہوا ہر ایک امر حقیقت خیال و خواب ہوا
سب انتخابِ خلافت میں اُن کو بھول گئے مہملہ کے لیے جن کا انتخاب ہوا

(46)

تو لا شعورِ دوامِ حسن ہے یہ ہر اہلِ دل کا نظامِ حسن ہے
مری جنگ یا صلح جو کچھ ہے جس سے بنامِ حسین اور بنامِ حسن ہے

(47)

حسینِ عالمِ انسانیت کے مایہ ناز شعورِ فکر میں ہے قوم کی حیات کا راز
کبھی تو سمجھیں گے مفہومِ مجلس و ماتم شہیدِ کرب و بلا تیرے غم کی عمر دراز

(48)

ولولہ حیات میں روح رواں حسین ہیں درد کی کائنات میں جانِ جہاں حسین ہیں
فکر و نظر کی شب میں ہے ان کے ہی دم سے چاندنی عزم و عمل کی صبح پر نورِ نشان حسین ہیں

(49)

نیزہ جانتاں پہ بھی درسِ کلامِ حق دیا مصحفِ کردگار کا حسن بیاں حسین ہے
عرش سے بھی بلند تھی اس کی صلوٰۃ زیرِ تن شورِ صلوٰۃ ہے حسین زورِ اذان حسین ہے
اب بھی علمِ بدوش ہے قوتِ بازوے حسین راہِ خدا کا آج بھی نام و نشان حسین ہے
نورِ نظرِ علیؑ کا ہے لختِ جگرِ بتوں کا جانِ و دلِ رسولؐ کا راحتِ جاں حسین ہے

(50)

حسین ابنِ علیؑ اے نورِ وحدتِ روحِ یکتائی ترے اطوار میں روحِ ازل کی کارِ فرمائی
ترے دم سے غریبوں کی زباں پر حرفِ حق آیا تیرے تیور سے مظلوموں کے دعوے میں توانائی

(51)

وہ سبطِ نبیٰ حق کا ولی ہے اسلام وہ مرکزِ آیاتِ جلی ہے اسلام
اسلام کو پوچھے جو زمانہ اے دوست کہدے کہ حسین ابنِ علی ہے اسلام

(52)

درِ نجف پہ سنا ہوں نعمۂ ارنی مجھے بھی حسرتِ آوازِ لن ترانی ہے
یہ کربلائے وفا جس میں سورجے ہیں حسین یہی زمینِ محبت کی راجِ دہانی ہے

(53)

اہلِ دل گنوار ہے تھے اپنی اپنی قوم کے وہ شہیدانِ وفا جن سے ہے قومی زینِ وزین
یک بیک محفل میں سنا سا طاری ہو گیا اک اب خاموش سے آواز آئی ”یا حسین“

(54)

فہمِ انسانی سے بالا تر ہے معیارِ حسین خالقِ عزت سے پوچھو عزتِ کارِ حسین
کردگارِ حسن کی نازِ آفرینی دیکھنا دو امام اور اک نبیٰ ہے نازِ بردارِ حسین

(55)

سرِ برِ شانِ خدا ہے ذاتِ والاۓ حسین سیکڑوں ہیں طاقتیں زیرِ کفِ پائے حسین
ساری دنیا ہو گئی شخصی حکومت کے خاف پھر کہاں اُس کا ٹھکانہ جس کو ٹھکرائے حسین

(56)

اک طرف بابِ نجف، اک سمت دربارِ حسین یہ ہے سرکارِ علی اور وہ ہے سرکارِ حسین
دامِ آزادی میں دنیا مجھ کو لاسکتی نہیں میں گرفتارِ علی ہوں میں گرفتارِ حسین

(57)

تیری منزل کیا سمجھ سکتی ہے دنیا اے حسین ہے تو ہی ابناءِ نا میں جلوہ فرما اے حسین
پاؤں پھیلائے علی و فاطمہ کی کود میں تو رسولِ اللہ کی زلفوں سے کھلیا اے حسین

(58)

تج کے پانی سے کھیتی ظلم کی پھٹک جائے گی نبضِ بدعت چلتے چلتے خوف سے رُک جائے گی
کفر کو تو سرنگوں ہونا ہی ہے پیشِ حسین گردنِ اسلام بھی احسان سے جھٹک جائے گی

(59)

بڑھ چلوں گا کچھ خس و خاشاک ہو جانے کے بعد گرمی سوزِ والا سے چاک ہو جانے کے بعد
اب نجف کے کارواں کی گرد بنتا ہے مجھے اک نئی خدمت ملے گی خاک ہو جانے کے بعد

(60)

ساکنِ دیر اک بشر پوچھ رہا تھا کل یہ بات کون ہے جس کی ذات سے کعبہ کی زیب و زین ہے
کرتے رہے کچھ اہل علم دل کے ورق الٹ پلٹ میری زباں پہ نام تھا میں نے کہا حسین ہے

(61)

انسانیت کو مطلعِ انوار کر دیا ہر قوم کو حسین نے بیدار کر دیا
اشکوں کی نذر لاتے ہیں اپنے بھی غیر بھی کس کس کو اے حسینِ عزا دار کر دیا

(62)

رہبری کرتے ہوئے بڑھ چیلوں پر سر دیکھے پھر زمانہ میں نہ اس شان کے رہبر دیکھے
قائل آتے ہوئے ڈرتے تھے قریب شہر کس نے ایسے کسی مظلوم کے تیور دیکھے

(63)

تیرا نفس مطمئن قرآن کا دل ہے حسین مقصدِ خلقت ترے سجدہ کا حاصل ہے حسین
کیا جب ہے آخری اک ترا سجدہ دیکھ کر کوئی کہہ اٹھتا کہ تو سجدہ کے قائل ہے حسین

(64)

خدا کے ڈھونڈھنے والے تجھے خدا نہ ملا مجھے حسین ملے انسان دوسرا نہ ملا
کچھ ان کے عشق میں مل جائے تو عجب کیا ہے صلہ عبادتِ مویہم کا ملا نہ ملا

(65)

دل ہے پہلو میں تو سمجھو عزت کا حسین ہر فضا میں روشنی دیتے ہیں انوار حسین
اس کے بندوں میں مسلمانانِ عالم ہی نہیں غیر مسلم بھی ہزاروں ہیں پرستار حسین

(66)

عمِ حسین نے بخشا دلوں کو سوز و گداز درِ حسین سے کیا کیا نہیں ملے اعزاز
تمام اہلِ تصوف ہیں اس کے حلقہِ بگوش کوئی غریب نواز ان میں ہو کہ بندہ نواز

(67)

یہ اہتمام تھا کس مردِ حق نما کے لیے خدا کے بندے ذرا غور کر خدا کے لیے
حسین کو جو ملے حق سے باپ ماں بھائی نہ مرٹھا کے لیے تھے نہ مصطفیٰ کے لیے

(68)

اُسوۂ شہید نے باطل کو حیراں کر دیا چہرۂ اسلام کو مہرِ درخشاں کر دیا
حق کہو آلِ پیغمبر کا کہ دین حق کہو جس کو دنیا نے چھپایا تھا نمایاں کر دیا

(69)

ذکرِ حسین سے یہ قرار و قیام ہے اسلام کے پیام کی تبلیغ عام ہے
بیجا نہیں ہے دینِ حسین کیسے اگر کلمہ حسین کا ہے محمد کا نام ہے

(70)

وہ اہل دل نہ کیوں کر ناراض علم و عمل ٹھہرے فدا انسانیت کے جان و دل اس حق پرستی پر
میسر اب کہاں دنیا کو ایسا مصلحِ اعظم تہ خنجر گلا ہو انگلیاں ہوں نبضِ ہستی پر

(71)

شہیدِ ظلم کیجے بلا دیئے تو نے حسین درد کے دریا بہا دیئے تو نے
ہر اک ذرہ بے حس میں اک تڑپ بھر دی مانعِ وضع کئے دل بنا دیئے تو نے

(72)

اللہ اللہ یہ سعادت یہ شرف یہ امتیاز چار اماموں کی ولادت سے رجب ہے سرفراز
شکر کے سجدے میں خم ہے اوجِ گردوں پر ہلال آؤ اس کے ساتھ ہی پڑھ لیں موڈت کی نماز

(73)

یارب وہ آستانِ جلالت نصیب ہو لوحِ جبین کو پھر وہی قربت نصیب ہو
اچھا ہے ایک زاہد شبِ زندہ دار سے وہ جس کو خواب میں بھی زیارت نصیب ہو

(74)

اگر حسین نہ تخلیق کر بلا کرتے یہ حوصلے یہ عزائم یہ دل کہاں ہوتے
خدا سے ربط نہ ہوتا بغیر ذکرِ حسین اگر ہزار بھی قرآن درمیاں ہوتے

(75)

کوئی کچھ بھی کہہ کے اپنے دل کو سمجھائے حسین
جس کا ماتم نام رکھ چھوڑا ہے یہ ماتم نہیں
اے علی و فاطمہ کی گود کے پالے حسین
تیرا ڈکاک بج رہا ہے کربلا والے حسین

(76)

تحقیق اہل علم میں ہے عرش بارگاہ
تیرے مقام تک کوئی پہنچا نہ اے حسین
تخیل اہل فکر میں انسانیت پناہ
واللہ یہ مفکر و عالم ہیں گردِ راہ

(77)

سرائیل دل کا جھکتا ہے اسی جانب جدھر حق ہے
خدا کا شکر ہے شامل ہیں ہم جس کے غلاموں میں
امام موسیٰ کاظم کا ہر انسان پر حق ہے
وہی اکاظمین العیظ کی تفسیر برحق ہے

(78)

نبیاً خلق ہوئے تیری تولا کے لیے
تیرے بابا نے ترا نام جو موسیٰ رکھا
لمحہ فکر ہے وارفتہ دنیا کے لیے
فخر ہے تا بہ ابد حضرت موسیٰ کے لیے

(79)

ولادت سے امام عصر کی ہیں دو جہاں روشن
غریبوں کے عریضے بھی اسید دست بوسی میں
سرت کا اثر یکساں ہے دشت و در پہ شہروں پر
چلے جاتے ہیں ہشتے بولتے دریا کی لہروں پر

(80)

تیری ہی آمد پہ قومی منزلت کا حصر ہے
ناکمل ہے نظام زندگی تیرے بغیر
تو رکس اہل دل سے تو امام عصر ہے
ہر عبادت تیری فرقت میں نماز قصر ہے

(81)

گردش میں عدو ہوں گے اور دور میں پیانہ
جب ہوگا جلوس اس کا اورنگِ خلافت پر
آباد تو ہونے دو ساقی سے یہ میخانہ
اس روز بڑھادیں گے پیاسوں کا عزا خانہ

(82)

امام عصر دنیا ایک طوفانی سمندر ہے
قیامت آنے والی ہے یہ پروا ہونہ ہو لیکن
مگر طوفان میں کشتی کھینے والے اب بھی جیتے ہیں
تری قدموں کی آہٹ لینے والے اب بھی جیتے ہیں

(83)

تمہیں تمام تمہیں وجہ قیام روح و پیکر ہو تم اک راز خدا ہو راز کا اظہار کیونکر ہو
تمہیں ہو عالم باطن تمہیں ہو جلوے ظاہر تمہیں پردے کے اندر ہو تمہیں پردے کے باہر ہو

(84)

ولادت اس کی برحق ہے ظہور اس کا مقرر ہے کہ اس کی ذات سے دنیا کا مستقبل مقدر ہے
یہ شانِ ورثہ داری کس کو عالم میں میسر ہے نظر کرنا کی زبیرا کا دل ذہن پیہر ہے

(85)

تیرا مقام فقر ہے اجمالِ حیدری تیرا متاعِ نازِ حسینیٰ غضنفری
آئین سازِ سروئی دو جہاں ہے تو اللہ تیرے دل میں ہے احساسِ کمتری

(86)

عباسِ مزاجِ شرف و معنیِ عظمت اجمالِ مشیت ہے تیری شانِ جلالت
تو ہے وہ بشر جس نے حدیں توڑ کے رکھ دیں سنتے تھے کہ محدود ہے انسان کی طاقت

(87)

صبر سے وضع کیا اس نے اسیری کا مزاج شکر سے کر کے بلند اپنے مصائب کا نظام
اس کے ایثار پہ حیران ہے عقلِ بشری کم نہیں شانِ شہادت سے اسیری کا مقام

(88)

اے شریعت کے پرستار شجاعت کے دہنی نازشِ ملتِ اسلامِ اولیں قرنی
ماں کی خدمت کا یہ جنت سے بھی بڑھ کر ہے بدل کہ رسالت کو پسند آیا نرّا حسنِ عمل

(89)

عباس کی مثال علی کے سوا کہاں چہرہ بھی نورِ بارِ علم بھی ہے ضوِ نشان
اس منصبِ جلیل کے قابل تھا اور کون شیر کے ہاتھ میں تھیں حیدر کی انگلیاں
صورت وہ تھی کہ حسن تھا یوسف کا دم بخود قوت یہ تھی کہ شیر کی جیسے کھانیاں

(90)

دنیا اسے کیا سمجھے یہ روزِ اہم کیا ہے عشرہ کے مقابل میں تاریخِ اُمم کیا ہے
عباس کی مٹھی میں ہے قوم کا مستقبل اسلام کی عزت ہے کاندھے پہ علم کیا ہے

(91)

بہت مشکل والا کا راستہ ہے کہ اس دعوے کی شاہد کر بلا ہے
خبر بھی ہے تجھے ہمنامِ عباس کہ ساتھ اس نام کے شرطِ وفا ہے

(92)

زورِ وفا سے خلق کو حیران کر گئے کاپے فلک یہ تیغِ سنبالے جدھر گئے
آبِ رواں سے ناخن پا بھی نہ تر کیا عباسِ بحرِ خوں میں گلے تک اتر گئے

(93)

حیدری نشاں جس نے دوش پر سنبالا ہے کیا بلند منزل ہے کیا بلند و بالا ہے
چھاگئی ہے یوں ہیبت بازوے حسین کی جیسے آج دریا کا رخ بدلنے والا ہے

(94)

منکر سے معجزہ کے یہ میرا سوال ہے اب معجزہ کے حق میں ترا کیا خیال ہے
عباس نے محال کو ممکن بنا دیا دریا سے تشنہ کام پلٹنا محال ہے

(95)

دل ترا بغاوت پر مائل نظر آتا ہے اس طرح ترا چٹنا مشکل نظر آتا ہے
سجدے کر اسی رخ پر اے کشتی بے ساحل عباس کے قبضہ میں ساحل نظر آتا ہے

(96)

زندگی کا تاج سرِ انسانیت کا دل بنے آخری قربانی و ایثار کی منزل بنے
خالقِ کل نے جو کی بزمِ جہاں آراستہ کر بلا والے مجاہدِ نہایتِ محفل بنے

(97)

کیا ذکرِ جنگِ سلحِ حسن کی ہوئی یہ قدر مسلم کچھ ایسے ہیں جنہیں یہ بھی نہیں پسند
ان کے لیے سوالِ نہیں سلح و جنگ کا دراصل اہلیت کی ہستی نہیں پسند

(98)

پہنچا کہاں کہاں تک یہ دردِ دل ہمارا کس کس نے کربلا کے غم کا لیا سہارا
اصغر کی مدح کر کے انگریز ایک شاعر عنوانِ نظم رکھے ”معصوموں کا ستارا“

(99)

پیر متاعِ شریعت کی بن گئی زیئرت بچا کے دینِ محمدؐ کی زندگی زیئرت
اب اس سے بڑھ کے امامت کا فرض کیا ہوگا کبھی حسینؑ محافظ رہے کبھی زیئرت

(100)

خدا کا حکم تھا ہو جاؤ صادقین کے ساتھ یہی سبیل ہے اوہام سے رہائی کی
بشر تھے عالمِ فکر و نظر میں کھوئے ہوئے مباہلہ نے صداقت کی رہنمائی کی

(101)

مظاہرہ تھا یہ واجبِ ضرور واجب تھا نمودِ جلوہٗ خیر الامور واجب تھا
زمینِ کرب و بلا پر جہادِ قائم سے شجاعتِ حسنٰ کا ظہور واجب تھا

(102)

سبطِ نبیؐ کے گھر کی تنویر ہے سکیئہ ساداتِ ہاشمی کی توقیر ہے سکیئہ
اس شان پر نہ کیوں ہوں اہلِ حرمِ تصدق زہراؑ کے بچنے کی تصویر ہے سکیئہ

(103)

کھلیں انسان کی آنکھیں ذہنیت میں انقلاب آیا افق پر عالمِ انسانیت کا آفتاب آیا
دلہن کی طرح تاسم نے سنوارا حق کے مقصد کو اسی کے دم سے معیارِ شہادت پر شباب آیا

اخلاقی قطعات

(1)

مولّا کا استغاثہ ہے ترے حافظہ میں مجلس کی حاضری سے منبر کی آگہی سے
یہ قول بھی سنا ہے سلطانِ کربلا کا عزّت کی موت اچھی ذلت کی زندگی سے

(2)

غلط روی کا سلامت روی میں نام نہ لے غرور و نخوت و نفسانیت کا نام نہ لے
ہم اُس کو بازِ انسانیت سمجھتے ہیں جو اقتدار پہ دشمن سے انتقام نہ لے

(3)

نازشِ خلقت فروغِ آدمیت بن گیا کاروانِ خلق میں وجہِ فضیلت بن گیا
احسنِ تقویم کا خلعت تو پہلے ہی سے تھا علمِ آدم کے لیے تاجِ خلافت بن گیا

(4)

غم سوا ہوگا اگر دیدہ دل باز رہا اب وہ اگلا سا نہ انجام نہ آغاز رہا
دوستی عہدِ گزشتہ کی نہ پوچھیں احباب دشمنی میں بھی شرافت کا اک انداز رہا

(5)

نماز دیکھ کسی شخص کی نہ روزہ دیکھ تو ارتباط نہ بندہ کا اور خدا کا دیکھ
میرِ متقیوں کا یہ قول ذہن میں رکھ معاملات میں آپس کے زہر و تقویٰ دیکھ

(6)

تہذیب عمل ہے آخرت کی کھیتی
جھ کو ہیں جب اپنے چار آنسو بھی عزیز
بے خون جگر بڑھ نہیں سکتی اے دوست
یہ نیل منڈھے چڑھ نہیں سکتی اے دوست

(7)

جب پلٹتے ہیں متاع آب و گل کے سوکار
اس یقیں پر یہ بھی سب ہر پھر کے آئیں گے ضرور
دفن کر کے پیکر بے روح اک انسان کا
ڈرہ ڈرہ دیکھتا ہے مڑ کے گورستان کا

(8)

اپنے کردار کا انجام ہے یہ سود و زیاں
بحر و ہم نے خریدے تھے ابھی کل کی ہے بات
انقلابات سے غیروں کو سروکار نہیں
آج ہم بکتے ہیں اور کوئی خریدار نہیں

(9)

وہاں کیا ذکر کے قابل ہے دل اپنا دماغ اپنا
یہاں اپنی بھری محفل بھی ہے مریوں تاریکی
جہاں جامِ سفالی سے بھی بدتر ہو لیاغ اپنا
کچھ اہل دل خلا میں بھی جا آئے چراغ اپنا

(10)

بے عمل انسان تو ایک مہرہ بے زور ہے
صفحہ گیتی پہ کچھ اپنا نوشتہ چھوڑنا
پہلی بازی میں بساطِ دہر کی پٹ جائے گا
ورنہ اک دن صورتِ حرفِ غلط مٹ جائے گا

(11)

دل سے برسوں کے تعلق کو بھلا دیتی ہے
کچھ خبر ہے تجھے اک جنش لب ایک نظر
لفظِ اخلاص کی محفل سے اٹھا دیتی ہے
دوست کو دوست سے بیگانہ بنا دیتی ہے

(12)

تابِ گویائی کہاں حق بات سننا شاق ہے
بے تکلف اپنی لغزش کا جو کر لے اعتراف ہے
جس کو دیکھو کجروی میں شہرہ آفاق ہے
آج کس انسان میں اتنی جرأتِ اخلاق ہے

(13)

اس دور میں کون سوچتا ہے
اک عام اصول بن گیا ہے
کیا کرنا ہے اور کیا نہ کرنا
جدہ کرنا وفا نہ کرنا

(14)

لحہ عیش غم و درد میں ڈھل جاتا ہے وار تقدیر کا تدبیر پہ چل جاتا ہے
اپنی املاک سمجھ کر سرو ساماں کو نہ دیکھ وقت کے ساتھ ہی ماحول بدل جاتا ہے

(15)

ہوس کی راہ پہ میں دل سے ہارتا ہی رہا غلط روی پہ یہ ظالم اُبھارتا ہی رہا
کسی صدا پہ نہ کی مڑ کے اک نظر میں نے مرا ضمیر مسلسل پکارتا ہی رہا

(16)

ہر چند ہر اک سانس ہے انعام خدا کا یاد آئے نہ آرام میں پیغام خدا کا
توہین عبادت ہے عبادت یہ نہیں ہے نازل ہو کوئی خوف تو لیں نام خدا کا

(17)

کر رہا ہے کب سے ہمت آزمائی آدمی غور سے دیکھے یہ شان ارتقائی آدمی
حکمت و جرأت سے ہومعمور جس کا دل دماغ اس بھری دنیا میں کہلائے خلائی آدمی

(18)

رشتہ بہت ہے نازک تکمیل دوستی کا میں گر بتا رہا ہوں آسان زندگی کا
رہنا بہت ہی کم ہے اس منزل عمل میں ہو دوست ایک ہی کا دشمن نہ ہو کسی کا

(19)

بے فکر و نظر آنکھوں ہی آنکھوں کئی رات ایسا نہ ہو دن باتوں ہی باتوں میں گزر جائے
سب کھوپکا اے دوست ضمیر اپنا بچالے انسان ہے زندہ ابھی انسان نہ مر جائے

(20)

ہم ہی اچھے ہیں کہ خوش رہتے ہیں ہر عالم میں ہم کس دو عملی میں ہیں اے دل واعظان محترم
عید ادھر آئی ادھر رخصت ہوا ماو صیام اس کے آنے کی خوشی ہے اس کے جانے کا ہے غم

(21)

توہمات کی صورت کشی سے ڈرتے ہیں بلا سے دیو سے جن سے پری سے ڈرتے ہیں
جہاں میں ایسے ہی انساں ملیں گے کثرت سے کہ جو خدا کے سوا ہر کسی سے ڈرتے ہیں

(22)

زمیں بوئے خوں سے مہکتی رہی ستاروں کی چھاتی دھڑکتی رہی
میجا نفس بن گیا آدمی مگر آدمیت سکتی رہی

(23)

خوب کہہ سن کے رنگ دیکھ لیا کیا زباں پر اب اپنا حال آئے
دور تک آدمی نہیں ملتا آدمیت کا جب سوال آئے

(24)

رفتار دیکھتے ہیں فدا کاریوں کی ہم اب وہ غرور وجہ تسلّی نہیں رہا
میدانِ کارزار میں آجائیں عورتیں جب کوئی مرد قوم میں باقی نہیں رہا

(25)

جب فیصلہ زمانِ ماضی ہوگا اللہ بڑے بڑوں کا تاضی ہوگا
تو آج ہو رزق مختصر پر راضی تھوڑے سے عمل پہ کل وہ راضی ہوگا

قومی قطعات

(1)

نعمت حاصل مبارک جان حاصل تک بھی جا جس کے مدفن کی ہے دھن اس مردِ کامل تک بھی جا
کربلا سے اور آگے منزل شیر ہے کربلا تک جانے والے اُس کی منزل تک بھی جا

(2)

نمودِ قوت نانِ شیر دیکھتے ہیں کمالِ شوق سے یہ داروگیر دیکھتے ہیں
غمِ حسین بھی یارب کوئی تماشہ ہے غریب کرتے ہیں ماتم امیر دیکھتے ہیں

(3)

کیا یہ ہے زندگی کا نصب العین یہ ہے تقلیدِ سید کونین
دل دکھاتے رہو غریبوں کا اور کہتے رہو ”حسین“ ”حسین“

(4)

عمل سے رہ گیا محروم ذوق آگہی کیونکر ترے دل نے غلط کوئی کی بے ربطی ہی کیونکر
زباں کچھ اور کہتی ہے روش کچھ اور ہے تیری لسانِ اللہ سے وابستگی باقی رہی کیونکر

(5)

تو نیاز و نذر کی تکمیل میں ہے مبتلا ہے مراہوں مقبوض میں تیری دولت کی بقا
جی رہا ہے تو ضرورت سے سوا آرام میں مرنے والے مَر رہے ہیں بے دوا اور بے غذا

(6)

جھ سے روزہ چاہتا ہے چشمِ تر کا اہتمام
سب عبادت سب ریاضت بے مزہ ہو جائے گی
نفس کی تہذیب پاکیزہ نظر کا اہتمام
ذہن میں رکھا جو افطار و سحر کا اہتمام

(7)

آنسوؤں کا جو قضا ہو تو بھر دے بل تھل
چند لفظوں میں یہ ہے اُسوۃ انصار حسین
کربلا والوں کے ایثار کا مقصد نہ بدل
وہمیت فکر و نظر حوصلہ عزم و عمل

(8)

دیکھ لوں میں جاگتی آنکھوں شباب دردِ دل
آگیا جانکاہِ نظرہ میں نصابِ دینیات
درد کا طوفان بن اے اضطرابِ دردِ دل
چونک اٹھ لالہ ملت کے نصابِ دردِ دل

(9)

ہے سپردِ اہل علم ایک بابِ دینیات
دیکھئے نا اتفاقی کا نتیجہ دیکھئے
ایسی نگرانی میں یہ حال خرابِ دینیات
آگیا آپس کے جھگڑے میں نصابِ دینیات

(10)

فریب کار نمائندگانِ ملت نے
غرض کی آڑ میں ملائے بے حقیقت نے
تباہ کی ہیں جہاں میں شریعتیں کتنی
چٹپٹا چٹپٹا کے رکھی ہیں حقیقتیں کتنی

(11)

تیرا دولت پہ ہے قبضہ تو مبارک ہو تجھے
مجھ سے دولت کے طلب گار یہ نکتہ سن لے
جھ پہ قبضہ نہ کہیں اپنا جمائے دولت
گھر میں آجائے مگر دل میں نہ آئے دولت

(12)

نہ جانے کس قدر فتنے اٹھا کر زندگانی میں
کوئی میرے ثقلے ہونے پہ شک کر ہی نہیں سکتا
نظر آتا ہوں کتنا خوش فریب کامرانی میں
بہت سے عیب چھپ جاتے ہیں ٹوپی شہروانی میں

(13)

کردارِ ائمہ کی جھلک بھی تو نہیں
ناپید ہے خلقِ حسین اور عزمِ حسین
ملتِ روتی ہے آج تک جن کے لیے
مجلس کی بنا ہوئی تھی اس دن کے لیے

(14)

یہ بلندی ہو مبارک اے جوانِ سر بلند اے زمینِ درد و غم کے آسمانِ سر بلند
اک ذرا کردار کی اپنے بلندی دیکھ لے پھر اٹھا عباؑ غازی کا نشانِ سر بلند

(15)

گھر کے قصوں میں وقت کھویا کچھ دیر پھر ذکرِ حسین کر کے رویا کچھ دیر
مجلس میں گزر گئی بہر حال اچھی جاگا کچھ دیر اور سویا کچھ دیر

(16)

بزمِ فلک کے آئینہ داروں سے ڈر گئے فطرت کے چند کارگزاروں سے ڈر گئے
سب حال بندگی و عقیدت کا کھل گیا کتنے خدا کے بندے ستاروں سے ڈر گئے

(17)

گا! حفاظت زنجیرِ وسم و زر میں نہیں غلامِ ہم بھی ہیں اُس کے یہ فصلِ داور ہے
دیا ہے ہم نے موڈت لقبِ زراہِ اب ہماری زیتِ محبت کی زندگی پر ہے
ہم اہلیت کے ہیں ایسے ماننے والے کہ جن میں میثمِ تمار سا دلاور ہے
قلم کے بدلے اٹھالیں گے وقت پر تلوار مجھے یقیں ہے یہی عزمِ ہر سخن ور ہے

(18)

کوئی ہم نامِ محمدؐ کوئی ہم نامِ علیؑ دل میں دردمندتِ اسلام ان کا سائیں
یہ برائے نامِ نسبت ہوگئی حاصل تو کیا نام ان کے سے ہیں لیکن کام ان کا سائیں

(19)

ہر جگہ ہے اہلِ دولت کے لیے سماں الگ نذر کے موقع پر بھی بچھتا ہے دستِ خواں الگ
یوں غریبوں سے یہ ہر منزل میں رہتے ہیں جدا جیسے قبلہ ہے ہیروں کا الگ قرآن الگ

(20)

نگاہِ وقت کا کیا اعتبار کرتے ہیں حریف کیوں ہوس کارزار کرتے ہیں
علیؑ کا نام ہی کافی ہے سن رکھے دنیا ہزار وار پہ ہم ایک وار کرتے ہیں

(21)

کیا اختلال ذہنیت چارہ گر میں ہے مدت سے مبتلا وہ اسی دردِ سر میں ہے
سارے جہاں کے واسطے ہیں چارہ سازیاں اُس کی خبر نہیں ہے جو بیمار گھر میں ہے

(22)

مجلس کے جو ختم پر پلٹتے دیکھا حضار کو ٹولیوں میں جُتے دیکھا
تعریف کسی کی اور کسی پر تعریض خالی باتوں میں وقت کُتے دیکھا

(23)

تزکیہ نفس کا ہے ماحصلِ صوم و صلوٰۃ سونے والوں کو یہ پیغام ہے بیداری کا
یوں گلے مل لیے رسماً تو نتیجہ معلوم عید ہے عہدِ محبت کا رواداری کا

(24)

مجلسوں سے قوم کی تنظیم ہونی چاہیے کچھ تو حالِ زار کی ترمیم ہونی چاہیے
مقصدِ شیر کی تفہیم ہونی چاہیے عام اب مظلوم کی تعلیم ہونی چاہیے

(25)

تاریکیاں ہیں ممت بیضا کی تاک میں کچھ قوم کی حیات کا سامان کیجئے
سرکارِ دو جہاں کی محبت کے نام پر آپس کے اختلاف کو قربان کیجئے

(26)

کتنے ہوں گے دعویدارِ اسلام کے دوسروں کے غم کو غم سمجھے ہوئے
جادۂ خیر البشر سے دور ہیں مسلکِ خیرِ الامم سمجھے ہوئے

(27)

گذاری ہے کبھی اس شان سے بھی زندگی میں نے دیا ہے اہل دنیا کو شعورِ حق دہی میں نے
فضائے عالم امن و اماں کا پوچھنا کیا ہے تہِ شمشیر بھی حق سے نہ کی پہلو جہی میں نے

(28)

قدم اٹھائیے ناکامیوں سے ڈرنا کیا شکست و فتح کے قصے ہزار ہوتے ہیں
شمار ان کا نہ زندوں میں ہے نہ مردوں میں وہ کم نصیب جو پاتے ہیں کچھ نہ کھوتے ہیں

(29)

ہم اہل نہ تھے اس منزل کے خود اپنی حقیقت دیکھ چکے
گفتار سیاست خوب سنی رفتار سیاست دیکھ چکے
کیا دیں گے سہارا غیروں کو جب اپنے مسائل حل نہ ہوئے
تقریر کا حاصل دیکھ لیا تدبیر کی قوت دیکھ چکے

(30)

ملت کا تقاضا ہے کہ ہستی سے گذر جا
میرے لیے جینا ہے تو اپنے لیے مر جا
دریا سے تجھے پار اُترنا ہے بہر حال
طوفان کے کاندھے پہ قدم رکھ کے اُتر جا

(31)

عزم و استقلال و ہمت چاہیے
آدمی دریا کا رخ بھی موڑ دے
موت برحق ہے تو کوئی حق پرست
موت سے پہلے ہی کیوں جی چھوڑ دے

(32)

جو بات تھی ترے اسلاف میں وہ بات نہیں
بُرا نہ مان مسلمان کے یہ صفات نہیں
تو چلتی پھرتی ہوئی ایک لاش ہے اسے دوست
حیات ہے مگر اسلام کی حیات نہیں

(33)

کیا خبر تھی زندگی کا مدعا بدلیں گے ہم
اپنا جادہ اپنی منزل بارہا بدلیں گے ہم
حق سے بیگانہ بنادے گا غم دنیا ہمیں
ہر نئی کڑوٹ پہ قسمت کی خدا بدلیں گے ہم

(34)

بچے بچے کی نظر ہے چاند پر
چاندنی سے ہر مکاں معمور ہے
یہ نہ سمجھا کوئی انسان آج تک
کس قدر نزدیک کتنی دور ہے

(35)

کون سے دن کے لیے ہیں یہ حکایات قدیم
جگمگاتے ہوئے فانوسوں میں آیات قدیم
لے کے پہنچے انہیں میدانِ عمل تک اغیار
ہم سناتے رہے دنیا کو روایات قدیم

(36)

یہ اختلافِ لسانی پہ دو بدو کیسی
جو بول چال میں ہے فرق دل تو ایک رہیں
عزیز ہے اگر اپنی زباں کا عزو و تار
زبان پاک رہے اور خیال نیک رہیں

(37)

بجلی کی کڑک تھی جن کی آواز بادل کی طرح گرج رہے تھے
وہ آج ہیں رقص میں جو کل تک ہتھیار بدن پہ سج رہے تھے

(38)

کامیابی کا یہ انداز یہ عنوان نہیں اپنی گزری ہوئی ناکامیوں کو یاد نہ کر
عزم محکم ہو تو گرگر کے سنبھلتا ہے بشر راہ تدبیر میں اندیشہ افتاد نہ کر

(39)

یہ اہل عقلی مسلم کے لیے زیبا نہیں ہوتا خلوص قلب اس عنوان سے پیدا نہیں ہوتا
حقیقت ہے یہی کوئی برا مانے بھلا مانے جو معمولات میں حاکم ہو وہ روزہ نہیں ہوتا

(40)

ایک صف میں نظر آجائیں جو ہنگام نماز عصر حاضر میں یہ اسلام کا سمجھو اعجاز
شرط مسجد نہیں مسجد سے نکل کر دیکھو کسی محفل میں ہیں یکجا کبھی محمود و یاز

(41)

اسلام کا شعار ہے تنظیم اتحاد اخلاق کا شعور ہے تکریم اتحاد
وہ فرض پنجگانہ ہو یا ہو صلوة عید ملتی ہے ہر نماز سے تعلیم اتحاد

(42)

نام کس کا اتحاد ملت اسلام ہے ہم سے پوچھو وہ حسین ابن علی کا نام ہے
جو غم شیر میں ہیں ان کو اس کا غم نہیں زندگی کی صبح ہے یا زندگی کی شام ہے

(43)

بغیر سعی کہاں دل کا مدعا ملتا خیال و خواب کی سرگشتگی میں کیا ملتا
ترے خیال میں ہوتی ذرا بھی جان اگر کہیں تو بڑھ کے عمل کی حدوں سے جا ملتا

(44)

ایک اور ایک دو بھی ہوتے ہیں ایک اور ایک مل کے گیارہ بھی
جن کو قدرت نے دی ہے عقل سلیم ان کو کافی ہے اک اشارہ بھی

(45)

ضرورت ہے محبت کی سبق نفرت کا پڑھتی ہے کہیں دنیا میں کوئی قوم یوں پروان چڑھتی ہے
یہ مصرف علم کا ہے اور یہ عالم نوجوانوں کا تعصب بڑھ رہا ہے جس قدر تعلیم بڑھتی ہے

(46)

اچھا ہے نہیں گر ہوس طفل و علم اندھیر ہے یہ دوات و خامہ بھی نہ ہو
آواز ہے کیا اُس کی اثر کیا اس کا جس قوم کا ایک روز نامہ بھی نہ ہو

(47)

جس قوم نے سر کی مہم کرب و بلا اس قوم میں ملتے نہیں آثار حیات
وہ ٹھوکریں کھاتی پھرے تاریکی میں جس قوم کے ورثے میں ہو عاشور کا دن

(48)

کردار پہ اپنے رکھ نگاہ تنقید خود اپنے لیے شاہد عینی ہو جا
تو مجلس و ماتم میں حسین ہے ضرور ہر رنگ میں اے دوست حسینی ہو جا

(49)

کیا ترے ذوق ستم نے جوش پیدا کر دیا رنگ تسلیم و رضا کچھ اور گہرا کر دیا
ایک اشک غم تھا اب تک جذبہ بے اختیار جس نے اپنا خون شامل کر کے دریا کر دیا

(50)

پھر وہی تیور قیامت خیز دکھانے لگے پھر زمین و آسمان بیت سے تھرانے لگے
یہ اقلیت ہماری یہ فدا کاروں کی بھیڑ کیا فرشتے قید ہونے کے لیے آنے لگے

(51)

بڑھا کر جادۂ مہر و وفا کی آبرو آیا تعالٰی اللہ پیدل سندھ سے تاکھنؤ آیا
تو لائی مسافر تجھ کو طی ارض ممکن تھا تری خاک قدم آنکھوں پہ کس رستہ سے تو آیا

(52)

وہی انسانہ دل دوز پھر دہرانے والے ہیں سخن کا شعر کا نغمہ کا طوفاں لانے والے ہیں
جگہ ہو صدر میں خالی در زنداں کھلا رکھے حکومت کو خبر کر دو کہ ہم آنے والے ہیں

(53)

عالم غیرت اسیری بے سرو سامانیاں زیت کی دشواریاں ہیں موت کی آسانیاں
امتحان کچھ اور باقی ہو تو حاضر ہم بھی ہیں پانچ جانوں کی تو اب تک دے چکے قربانیاں

(54)

عمر کم عزم زیادہ ہے یہ دکھلا جانا کہیں آلام و مصائب سے نہ گھبرا جانا
اپنی جانب سے کمی آئے نہ قربانی میں ہم اگر جیل میں مرجائیں تو تم آ جانا

(55)

لے بڑھائے درد کی الفاظ کو مدھم کرو وا عمل کی قوتوں سے دیدہ عالم کرو
وقت ہے یہ کام کا تقریر کا موقع نہیں آدمی بھیجو زیادہ اور باتیں کم کرو

(56)

نجم دل والوں کی شان امتیازی دیکھنا درس اہل بیت کی جلوہ طرازی دیکھنا
جیل بھی گھر بن گیا ہے وسعت اخلاق سے اہل فیض آباد کی مہماں نوازی دیکھنا

(57)

موت سو بار آئے خاطر میں نہ لانا چاہیے مرتے مرتے زندگی کا گیت گانا چاہیے
جس طرح چاہیں زمانہ کو بدل دیں اہل دل پست ہمت ہیں جنہیں اگلا زمانا چاہیے

(58)

بہر خدا نہ جیل رکھیں قدم ابھی مردانِ حق پرست میں باقی ہے دم ابھی
کیوں اتنی مضطرب ہیں کنیرانِ سیدہ کہہ دے یہ ان سے کوئی زندہ ہیں ہم ابھی

(59)

روتے ہیں جیل میں بھی مظلوم کربلا پر ایثار کی خوشی میں یہ غم بھی کر رہے ہیں
یہ دن کی ہے مشقت وہ شب کا ہے فریضہ چلی بھی پیٹے ہیں ماتم بھی کر رہے ہیں

(60)

ہوئی نہ فتح میسر تو قوم سن رکھے براہ راست ارادہ نہیں ہے آنے کا
عجب نہیں جو اہل کھول دے درمقصود قفس میں ہو کے بھی رستہ ہے آشیانے کا

(61)

مرحبا اے خطہ فیروز پور ہر جتھے میں شان ہے سیلاب کی
اللہ اللہ یہ تری دریا دلی زندہ باد اے آبرو پنجاب کی

(62)

کیا دے گی وہ نگاہ ستم آفری ہمیں رکھنا ہے اپنی قوتِ حق پر یقین ہمیں
یوں خوابِ سلح دیکھ کے کچھ دن جئے تو کیا امید سلح تادمِ آخر نہیں ہمیں

(63)

دل میں رہ جائے گی پھر کوئی نہ کوئی کاوش حق و باطل میں کہیں سلح ہوا کرتی ہے
موت کے درد سے بدتر ہے جو مانگے سے ملے زندگی قوتِ بازو سے ملا کرتی ہے

(64)

یہ خوشنما عمارت یہ نقشِ ساحرانہ تہذیبِ آدمی کا فکری نگار خانہ
دنیا کی دولتیں سب گرجاتی ہیں نظر سے جس وقت دیکھتا ہوں یہ علم کا خزانہ

(65)

جب اپنی منفعت ہر ہر برائی بر ملا جائز کوئی پوچھے ہوا کیوں کر یہ امر ماروا جائز
جہاں سے کل اٹھا ہے مردمِ افرونگ کا قبضہ اسی تجارت میں کتنے آج تک قبضے ہیں ماجاز

(66)

دردوں کو بھی یہ حیاں صفتِ شرمائے جاتا ہے جبینِ آدمیت پر پسینہ آئے جاتا ہے
یہ کیسی پیاسِ خونخواری کی ہے سیری نہیں ہوتی یہ کیسی بھوک ہے انساں کو انساں کھائے جاتا ہے

(67)

یہ مشکل ہے کہ دل میں کچھ ہمارا درد لے جائیں سوائے شکر یہ لے جائیں گے کیا دیکھنے والے
ہم اپنی دھن میں بیٹھے ہیں وزیر ہوں کہ لیڈر ہوں بہت آئے اور آئیں گے تماشا دیکھنے والے

(68)

نوائے درد وہ نا مہرباں نہ روک سکا زمیں نہ روک سکی آسماں نہ روک سکا
دہن پہ مہر لگائی قلم پہ بندش کی مگر کوئی مرے دل کی زباں نہ روک سکا

(69)

عزت سے آبرو سے بٹھائے گئے ہیں ہم چھ بار اس دیار میں آئے گئے ہیں ہم
دو چار سال تک یہ نہ آنے کی ہے سزا قیدی بنا کے شان سے لائے گئے ہیں ہم

(70)

نہ دیکھی اور نہ قید ایسی سنی ہم نے فسانوں میں کمی آنے نہ پائی کچھ حکومت کے خزانوں میں
زہے حسن تدبیر گھر ہی مظلوموں کو زنداں تھے کہ دورات ایک دن پابند رکھا ہے مکانوں میں

(71)

دے کے یہ دولت کوئی لیتا ہے ناداری کہیں یوں بھی ممکن ہے بھلا ترکِ وفاداری کہیں
جب ہلڈیٹ شامل جن کے آبِ گل میں ہے وہ مسلمان چھوڑ سکتے ہیں عزاداری کہیں

jabir.abbas@yahoo.com

قطعاتِ واعظ

(1)

یہ عمامہ، یہ عبا، یہ اوج منبر پر نشست
پہلے اتنا دیکھ لیجئے پاؤں اس قابل بھی ہیں
یہ سمجھنا ہے غلط جیسے کہ بے گھر پر نشست
یہ نشست منبری ہے قوم کے سر پر نشست

(2)

راہ و منزل سے بے خبر آئے درو ملت کے چارہ گر آئے
کچھ اصول حیات ذہن میں تھے منبروں پر بیان کر آئے
درو ملت کے چارہ گر آئے

(3)

سلام میں سبقت اور پھر غریبوں پر نظر اٹھا کے نہیں دیکھتے کسی کی طرف
غرور علم کا عالم! ارے معاذ اللہ کہ جیسے دوش پہ رکھی ہے درسگاہ نجف

(4)

جزو تن اچھی سے بھی اچھی غذا زینب تن بہتر سے بھی بہتر لباس
ذکر لب پر فقر اہل بیت کا مرحبا اے واعظ معنی شناس

(5)

خدمت میں جو وارد ہو کوئی صاحب دولت تعظیم کو بڑھتا ہے عمامہ بھی عبا بھی
تعظیم کا کیا ذکر ہے پہلو بھی نہ بدلیں آجائے اگر صورتِ مفلس میں خدا بھی

(6)

مرحبا محراب و منبر احتشام شرع کی صورت گری ہے اس کا نام
یہ ترا منصب، یہ دوہری زندگی مقتدی ہے گھر میں مسجد میں امام

(7)

خود ساختہ مُلا کے پیرایہ حکمت نے پروردہ صحت کو بیمار بنا ڈالا
مذہب کے مسائل میں ڈالے ہیں وہ الجھاوے آساں شریعت کو دستور بنا ڈالا

(8)

بلا کو کی روش تقلید چنگیزی نہیں جائز سکونِ عافیت میں فتنہ انگیزی نہیں جائز
خدا جانے روا رکھتے ہیں کیونکر مذہبی قاید کسی مذہب کسی ملت میں خوزیزی نہیں جائز

(9)

اکثر مطالبات کونالے ہوئے تو ہوں مرضی پہ اپنی شرع کو ڈھالے ہوئے تو ہوں
اٹھتا نہیں ہے بارِ تقدس اگر تو کیا عمامہ و عبا کو سنبھالے ہوئے تو ہوں

(10)

علم و عمل کی دنیا کیسی بدل گئی ہے کردار بھی نئے ہیں رفتار بھی نئی ہے
اللہ کس نظر سے یہ انقلاب دیکھیں سرمایہ دار آگے اور پیچھے مولوی ہے

(11)

اے عزت و اقتدار ظاہر کے غلام نسبت ہے تجھے علی سے بیشک لاریب
کس فخر سے ذکر اس کی مزدوری کا اُس کے لیے فخر اور تیرے لیے عیب

ذاتی قطعات

(1)

فریبِ نفس میں کھویا ہوا میں خود نکلا
مُتاعِ نیک سے نا آشنا میں خود نکلا
بُرا جو ڈھونڈنے اٹھا کبیر کی مانند
تو کائنات میں سب سے بُرا میں خود نکلا

(2)

تختِ نزع بہر حال کہوں گا اے دوست
ایسے موقع پہ نہ خاموش رہوں گا اے دوست
اُس کے مفہوم کی دوں گا نہ جھٹک بھی میں تجھے
آخری سانس میں جو شعر کہوں گا اے دوست

(3)

یہی خطا ہے اسے تو خطا سمجھ نہ سچھ
نہ اہل کبر سے ہوں اور نہ خود پسند ہوں میں
تجھے غرور جو ہے اپنی بے نیازی کا
مجھے بھی ماز ہے تیرا نیاز مند ہوں میں

(4)

مجھے تو آخری ساعت سے بھی کچھ کام لینا ہے
بگاڑوں زندگی سے کیوں فریبِ زندگی کہہ کر
سناؤں گا میں اپنی موت کو بھی نغمہٴ مدحت
گذرتے وقت کو بھی روک لوں گا یا غلطی کہہ کر

(5)

جو کچھ بھی محبت میں محبت کا خدا دے
جینے کے ادارے ہیں نہ مرنے کے ارادے
اے حسن کسی کو تو وفاؤں کا صلا دے
میرے سے بہت ہیں مجھے اپنا سا بنا دے
تو خود بھی ہے کھویا ہوا اے صلابِ جلوہ
کچھ خیر ہے پردے تو نگاہوں کے اٹھا دے

(6)

آشیاں بنتے ہیں آئی ہے بہار
اک قفسِ ہم بھی بنانے کو چلے
تقابلِ درد کہاں دل میرا
کیوں گنہگار بنانے کو چلے

(7)

تقریب میں شادی کی امید کرم برحق
میں دونوں گھرانوں کا شاعر ہوں میں لے لوں گا
کرار کے در سے بھی بی بی کے پدر سے بھی
انعام ادھر سے بھی انعام ادھر سے بھی

(8)

اپنی ہستی میں کبھی وہ منزلت پاتا ہوں میں
مجھ سے اٹھ سکتا نہیں احسانِ ارباب کرم
زندگی کیا موت کیا دونوں کو ٹھکراتا ہوں میں
پھول بھی پھینکے جو کوئی آگ ہو جاتا ہوں میں

(9)

ترپتے رہتے ہیں جو صبح و شام حاضر ہیں
یہ سر کہیں نہیں جھکتے اس ایک در کے سوا
نگاہِ لطف کے سب تشہ کام حاضر ہیں
سلام لیجیے مولاً غلام حاضر ہیں

(10)

یہ بہتر تھا کہ پیدا ہی نہ ہوتا کوشہ دل میں
ہوئے احباب رخصت اپنا اپنا درد دل کہہ کر
خیال اظہار غم کا جس کو آنسو بن کے بہنا تھا
کسی نے کچھ نہ پوچھا ہم سے کچھ ہم کو بھی کہنا تھا

(11)

موت برحق ہے مجھے سمجھا رہی ہے بار بار
ایک بار آئی زلیخا کی جوانی لوٹ کر
یہ پیامِ نظمِ فطرت لا رہی ہے بار بار
میری بیماری پلٹ کر آرہی ہے بار بار

(12)

اب نہ وہ انساں نہ وہ منظر نہ وہ عالم رہے
کیا ستم ہے آدمی راضی ہو اس تقدیر پر
اہل دل کے واسطے اے دوست غم ہی غم رہے
دولت دنیا زیادہ اہمیت کم رہے

(13)

سخت جانی سے مری ہے اسی دنیا کو گلہ
زندگی غیر کے احسان سے منظور نہیں
اسی دنیا نے کیا موم سے فولاد مجھے
آج لے لوں جو ملے مرگِ خدا داو مجھے

(14)

ترا ذوقِ جستجو ہے عیشِ پستی کی طرف
جھ کو ہے میرے سخن کی رہبری سے کیا گلہ
رخ ہے میری آگہی کا غم پرستی کی طرف
میں تجھے لے جا رہا ہوں راز ہستی کی طرف

(15)

وقف کر کے جان و دل قربان جانے کے لیے سب سے باز آیا انھیں اپنا بنانے کے لیے
میرے موٹا کوخبر ہے میرے دل کے حال کی میں نصیری ہی سہی سارے زمانے کے لیے

(16)

وطن کے عشق میں ڈوبا ہوا آتش بجاں ہوں میں وطن ہے مرے ہر اک گوشہ دل میں جہاں ہوں میں
مری نظروں میں جذباتِ محبت رقص کرتے ہیں مری رگ رگ سے آتی ہے صدا ہندوستان ہوں میں

(17)

حکومت اور نہ دولت چاہتا ہوں سلوک آدمیت چاہتا ہوں
انھیں یہ پاؤں پھیلا نا مبارک کہیں میں بھی سکونت چاہتا ہوں

(18)

محبت کی تبلیغ مسلک ہے میرا خیالات کو بال و پر دے رہا ہوں
پیامِ سخن کی بلندی نہ پوچھو ستارے ستارے خبر دے رہا ہوں

(19)

انقلابات کا نشانہ ہوں مصرفِ گردشِ زمانہ ہوں
جھ سے وابستگی اور اس پہ یہ غم تو حقیقت ہے میں فسانہ ہوں

(20)

غورِ شوق میں دھونی رما کے بیٹھ گیا ادب کی راہ سے آیا اور آ کے بیٹھ گیا
نصیب اس کے جو دنیا کا عیش ٹھکرا کر حسینِ نیکری سے دل لگا کے بیٹھ گیا

(21)

رنج و غم سہہ نہیں سکتا تو غزل کہتا ہوں جب میں چپ رہ نہیں سکتا تو غزل کہتا ہوں
میری غزلوں سے چمکتا ہے مرے دل کا لہو دردِ دل کہہ نہیں سکتا تو غزل کہتا ہوں

(22)

زندگی میں کب تک ہیں سختیاں نہیں معلوم کب نگاہِ فطرت ہو مہرباں نہیں معلوم
برق و باد واقف ہیں موسمِ خزاں واقف کیا بہار کو میرا آشاں نہیں معلوم

(23)

سرمایہ طراز شعر و حکمت ہم ہیں کھولی ہیں سخنوری کی راہیں ہم نے
سرمایہ پرستوں کی حقیقت کیا ہے دیکھی ہیں بڑے بڑوں کی نبضیں ہم نے

(24)

گناہگار سہی حق شعار ہوں مولّا نگاہ لطف کا امیدوار ہوں مولّا
غریب ہو کے شرف ہے مجھے امیروں پر غم حسین کا سرمایہ دار ہوں مولّا

(25)

وہ جس پر یا علی کندہ ہے میرا جام ہے ساقی مری تقدیر میں نو روز کا انعام ہے ساقی
یہی مسحف یہی عترت یہی نغمہ یہی نعرہ زمیں سے آسمان تک ایک ہی تو نام ہے ساقی

(26)

محبت کے تڑپتے برق پاروں میں تمہیں دیکھا ان اشکوں کے روپہلی آبشاروں میں تمہیں دیکھا
خوشی میں دور تھے مولّا مصیبت میں قریب آئے غزاں میں تم نے تسلیں دی بہاروں میں تمہیں دیکھا

(27)

لی فضائل آلِ نبیؐ کے سایہ میں جہاں علم و ادب کو یہ وسعتِ الفاظ
یہ سب حسین کے ایثار کا تصدق ہے غزل میں دردِ قصیدے ہیں شوکتِ الفاظ

(28)

فکر شاعر کا ہو کیا اس سے بلند اور مقام مدحت آلِ پیغمبرؐ ہے اور اللہ کا نام
جہم میں کیوں نہ ہوں وابستہ دلمانِ علی میرا مسلک ہے محبت و محبت کا لام

(29)

تخصیص امیری و فقری نہ رہی کرنے یہ غریبوں کی مدارات آیا
یکساں ہوئیں نعماتِ الہی تقسیم اسلام لیے عدل و مساوات آیا

(30)

کس لطف سے فرماتے ہیں تو چپ کیوں ہے شیریں دہنوں میں ہے سنائی میری
ہوتی ہیں یہ تقدیر کی باتیں اے جہم بھاتی ہے انہیں تلخ نوائی میری

(31)

بولوں جو میں کچھ زبان پکڑے دنیا بیداد ہو داد کے عوض میں حاصل
چپ ہوں تو ہوں شکوہ سنج احباب اے حتم کویم مشکل و گر گلویم مشکل

(32)

ہستی ہیں یا بسورتی ہیں کلیاں موجیں لڑتی ہیں یا گلے ملتی ہیں
اتنی بھی خبر نہیں خبر کیا ہے تجھے فطرت کی حدیں حتم کے ملتی ہیں

(33)

ہے طالبِ فرائض کردگار اور طالبِ ہیں سنن کے مصطفیٰ
طالبِ نان و نمک اہل و عیال نفسِ اتارہ ہے طالبِ عیش کا
ہیں فرشتے طالبِ صدقِ عمل اور ہے شیطان کا کچھ مدنا
روح کی طالب ہے مرگِ منتظر جسم کی طالب لحد ہے بر ملا

یہ طلب اور یہ تقاضے جس سے ہوں
صبح کیا اُس کی اور اُس کی شام کیا

قرآنی قطعات

(1)

تمیں پاروں سے فصاحت کا وہ دریا بہ گیا ہر فصیح عصر خاموشی سے تیور سہہ گیا
سیدھے سادے لفظ و معنی کی جلالت دیکھ کر فلسفہ قرآن کا منہ دیکھتا ہی رہ گیا

(2)

قرآن کی تعلیم کا یہ طور ہے کوئی آیات کی تشریح کا بھی دور ہے کوئی
تو صرف تلاوت کی ہی خدمت پہ ہے مامور مفہوم سمجھنے کے لیے اور ہے کوئی

(3)

دیکھو تو ہے قرآن میں سب کچھ موجود حکمت بھی شریعت بھی سیاست بھی ہے
اللہ نے بھیجا ہے مکمل تقانون ہے دین بھی دنیا کی حقیقت بھی ہے

عزائی قطعات

(1)

یہ شدتِ غم دنیا تجھے مبارک ہو کے خبر کوئی بے چین ہے کہ چین سے ہے
ہمارے آگے حقیقت نہیں کسی غم کی کہ ربط و ضبط ہمارا غم حسین سے ہے

(2)

بیگانہ اس فضا سے جو ہیں ان کو کیا خبر آواز سن رہے ہیں فقط شور و شین کی
جس کی کوئی مثال نہیں کائنات میں اک ایسی درس گاہ ہے مجلس حسین کی

(3)

سب سے عظیم حسنِ عمل ہے غم حسین کتنی مخالفت ہو اٹل ہے غم حسین
اس غم کے ساتھ فکر و نظر بھی جو ہو غیب پر عقدہ حیات کا حل ہے غم حسین

(4)

اب عہد مختصر ہو کہ ہو زندگی دراز دو دو ہیں جب مرے غم ہستی کے چارہ ساز
ذکرِ خدا بھی کرتا ہوں مدح حسین بھی یہ بھی مری نماز ہے وہ بھی مری نماز

(5)

گناہ گار اطاعت گزار حاضر ہیں غریب قوم محبت شعار حاضر ہیں
سجا کے لائے ہیں سینوں میں داغ ماتم کے غم حسین کے سراپے دار حاضر ہیں

(6)

بندو بھی ہیں غمخوار حسین ابن علی کے کب اس کے غم و درد کا بادل نہیں گرجا
بھارت کی زمیں مجلس و ماتم کا ہے مرکز سب اس کے عزا دار ہیں راجا ہوں کہ پرچا

(7)

حیراں ہوں مری شانِ مودت پہ فرشتے ہر آہ مرے دل کی تولا کا نشان ہو
لے جاؤں گا محشر میں پئے نذرِ پیہر غم پرچمِ عباس کے سایہ میں جواں ہو

فکری قطعات

(1)

ہر قوم کو ہے دعوتِ فہم و ادراک
اخلاق کا معیار سمجھنا ہے اگر
ہر دور میں ہے غور طلب فکرِ حسین
آ مجلس غم میں اور سُن ذکرِ حسین

(2)

چٹائیوں کے چنگاموں میں تدبیر سکون فرماتی ہے
اے دوست مقامِ نبوت ہے اس موت سے ڈرنا ہے انسان
دین ہے غموں سے فرصت بھی اور دشمنی جاں کھلاتی ہے
جو گود میں اپنی انساں کو بچوں کی طرح لے جاتی ہے

(3)

میں غمیر گناہ سے بخشش کا آسرا
حد گناہ مکرِ ثنائے امیرِ شام
دوزخ کی آگ سے طلبِ راحت جناں
فرمانِ کلنا کی اذیت سے نیم جاں
فرعون کی مدد سے رسائیِ کلیم تک
پیرِ پٹ کے بدلے اک جہشی روح کارواں

(4)

دل میں خون بھی خون میں جوش بھی ہے
کیا سانس کا مول تول معلوم نہیں
پھر خیر ہے یہ عالم خاموش بھی ہے
خالی جاتی ہے سانس کچھ ہوش بھی ہے

(5)

جائزہ لے وقت کا ایک ایک پل کی فکر کر
موت کو تو اک دن آنا ہے آئینگی ضرور
آج کا دن تیری پیشی میں ہے کل کی فکر کر
موت کی کیا فکر ہے حسنِ عمل کی فکر کر

(6)

مرثیہ کو عیش کی باتوں سے کیا ہے واسطہ
ابتدائی لغزشیں تھیں ساقی نامہ اور بہار
اپنی تعریفوں کی خواہش میں یہ شامت آگئی
رفتہ رفتہ رقص و موسیقی کی نوبت آگئی

(7)

موضوع کی تلاش ہے قطعات کے لیے
گرمی کا زور چاہیے برسات کے لیے
ماتا ہے یوں مسبب الاسباب کا پتہ
لازم ہے اک سبب ہو ہر اک بات کے لیے

(8)

دبے جارہے ہیں حقائق بھی جن میں
عمل کی بھی اے کاش ہوتی رسائی
حکایات کی وہ فراوانیاں ہیں
جہاں تک دماغوں کی جولانیاں ہیں

(9)

یہی انسان ہے جس کا چنانچہ ہوش مدہم ہے
اگر ہو جستجوئے علم کی توفیق کیا کہنا
یہی انسان اسرار خداوندی کا محرم ہے
کتاہیں ہوں اور آنکھیں ہوں تو عمر خضر بھی کم ہے

(10)

نیت امروز و فردا تا کجا
ختم ہے دم بھر میں کار زندگی
چار دن امروز و فردا اور ہے
ایک دو سانسوں کا رشتا اور ہے

(11)

ہم ہیں قدرت کے اک اشارے تک
زندگی ایک لہر ہے اے دوست
وقت کے آخری سہارے تک
اس کنارے سے اس کنارے تک

(12)

علم و حکمت کی حدیں انسان پاسکتا نہیں
چور لے جاتے ہیں جس کو وہ بضاعت اور ہے
رستم دستاں بھی طاقت آزما سکتا نہیں
یہ وہ دولت ہے جسے کوئی چرا سکتا نہیں

(13)

معنی عرفان و مفہوم بصیرت علم ہے
سیم و زر کی دولتوں کے پہرہ داروں سے کہو
کارزار دہر میں انساں کی قوت علم ہے
خرچ کرنے سے جو بڑھتی ہے وہ دولت علم ہے

(14)

سفر تھا کون سا ایسا جو بے جھجک نہ ہوا رہے گا پوری طرح کامیاب شک نہ ہوا
بہت بڑا مجھے کرنا ہے اک سفر اے دوست اسی کے واسطے سامان آج تک نہ ہوا

(15)

مخالف کو نہیں معلوم امر حق کی ابجد تک یہاں ہے معرفت محسوس سے معقول کی حد تک
سمجھ جائے گی دنیا جب غنی کا شیر آئے گا خدا والی خلافت ہے محمدؐ سے محمدؐ تک

(16)

عید اپنے اہتمام سے آئی گذر گئی دنیا میں کر کے جلوہ نمائی گذر گئی
دل کو اگر سکون نہ ہوا آج کل سہی اے دوست کیا خدا کی خدائی گذر گئی

(17)

طور سینا ہے جو سینہ علم سے معمور ہے ہر شریعت ہر طریقت کا یہی دستور ہے
مال و زرتاروں کا ورثہ ہے اے دنیا طلب علم ورثہ نبیؐ کا ہے خدا کا نور ہے

(18)

ارسطو نے کہا رونا ہمیں بزدل بناتا ہے خدا ملتا ہے رونے سے کبیرا کی یہ ہے بانی
دل حساس دیکھا فرق حکمت اور محبت کا کہیں ہے مادی فطرت کہیں جذبہ ہے روحانی

(19)

مناسکے گا کہاں تک نشانِ گمراہی کہیں کہیں ترا نقش قدم پڑا نہ رہے
زمانہ آج فراموش و در گذر کردے ترا گناہ جو مجھ کو پکارتا نہ رہے

(20)

بیجا طلب سے زعمِ سخا سے بلند ہے فکرِ حیات و خوفِ قضا سے بلند ہے
مُسجود ہے ملک کا تو اے بندہ خدا تیرا مقام شاہ و گدا سے بلند ہے

(21)

نظمِ حیات ہے یہی سلسلہ حیات میں وقت نے ہر آگہی فکر سا رہنما دیا
سختی راہ ایک تھی میرے تمہارے واسطے جس کا تقادل بڑھا ہوا اس نے قدم بڑھا دیا

(22)

وہ پختہ کار جو عزمِ صمیم رکھتے ہیں کسی فضا میں بھی بیدل نہیں ہوا کرتے
ابھی بہت ہیں یہ دو چار آخری سانسیں خدا نخواستہ کیوں ترک مدعا کرتے

(23)

بقا ہے کس کو فقیری ہو یا امیری ہو نہ بوریئے کی حقیقت ہے کچھ نہ کرسی کی
رہا مزاج نہ کوئی مزاج داں باقی جب آکے پیکِ اہل نے مزاج پر سی کی

(24)

رمضاں کی ہے کس قدر عظمت ان سے کہنا ہے جو نہیں آگاہ
ہر مہینہ کو ہم سے نسبت ہے یہ مہینہ مگر ہے شہرِ اللہ

(25)

کیا موت زندگی کے ستارے چمک گئے مولاً مری نگاہوں سے پردے سرک گئے
مدہوش ہی سہی مگر اتنا تو یاد ہے تم ہاتھ تھام کر مرا منزل تلک گئے

(26)

بہت اونچا بہت اونچا ابھی انساں کو جانا ہے دماغوں کی عمل داری ہے حکمت کا زمانا ہے
فسادِ ارض کی رفتار سے ہم نے تو یہ سمجھا جبینِ ماہ پہ بھی خون کا ٹیکہ لگنا ہے

قطعاتِ شاعر

(1)

وہ احترامِ ادب کا وہ لطفِ سخن گیا وہ یادگارِ عہدِ سلفِ بانگین گیا
اس دور کے مشاعرے اللہ کی پناہ شاعر اب ایک آلہ تفریح بن گیا

(2)

جس دور سے گزر کے ہم آئے ہیں ہم نشیں نشتر ہے آج حافظے میں اس کی یاد بھی
اس دور میں سنا ہے تغزل کے ساتھ ساتھ ملتی ہے شاعروں کو ترنم کی داد بھی

(3)

تھے مکارمِ اخلاق آدمی کی قسم کسی حقیرِ تمنا کو زندگی نہ بنا
کسی کے درپہ نہ جا چم داد کی خاطر کمالِ شعر و سخن کو گداگری نہ بنا

(4)

دعوتوں کا وہ تسلسل ہے کہ خالق کی پناہ خواب و خور اپنی خوشی سے امر مشکل ہو گیا
حضرت سائل کا مصرع یاد آتا ہے مجھے شعر کہنا جیلہ روزی سائل ہو گیا

(5)

آج کہلاتی ہے بے راہ رویِ اسٹائل اب زمانے کو ہے مرغوب یہی اسٹائل
بات اکھاڑے سے یہ بزمِ شعرا تک پہنچی شعر بھی ہونے لگے اب تو فنی اسٹائل

(6)

محفل کا لطف کیا ہے جو شور و شغب نہیں شاعر کو کسرِ شان کا احساس بھی نہیں
جی بھر کے کہتے بے ادبی کے مظاہرے اس دور کا مشاعرہ بزمِ ادب نہیں

سائل: نواب سراج الدین احمد خاں

(7)

شاعر کوئی بے مدحت حیدر نہیں ہوتا ہر سیفِ زباں صاحبِ جوہر نہیں ہوتا
حق بات پہ ہم کرتے ہیں دل کھول کے تعریف کم ظرف کوئی ہیئہ حیدر نہیں ہوتا
پروا نہیں دنیا کی محبانِ عظمیٰ کو ملتے ہیں وہاں باغِ یہاں گر نہیں ہوتا
قرآن سے بے فیض ہیں کتنے ہی مسلمان اک حرفِ موذت بھی میسر نہیں ہوتا

(8)

کچھ ترنم کچھ تمسخر کی روشِ درکار ہے آج ہلِ ذوق کو سنجیدگی سے عار ہے
اور سب کچھ ہو چکا اس دورِ ناہموار میں رقص بھی کرنے لگے شاعر تو بیڑا پار ہے

jabir.abbas@yahoo.com

ولائی قطعات

(1)

محبت پر بنا رکھی ہے جس نے بزم ہستی کی
سمجھتا ہے ہر دل مسلمان اس حقیقت کو
موڈت ہے اگر جاری رہے نغمہ موڈت کا
یہ مدحت اور موڈت ہے اگر امید جنت میں

کوئی اس کا بھی ہو محبوب فطرت کا تقاضا ہے
محبت اس کی عزت سے تو لا در تو لا ہے
کوئی سنتا نہیں سنتا اب اس کا سوچنا کیا ہے
یہ درد دل نہیں ہے جھم درد دل کا سودا ہے

(2)

ہائے وہ جام تو لا کہ لندہا نے والے
پاؤں کٹتے تھے جب اس سمت کا رخ کرنے پر

یاد رکھیں گے یہ ہمت بھی زمانے والے
سے کے بل جاتے رہے میکدے جانے والے

(3)

صوم و صلوٰۃ والے مری جتجو کریں
ڈوبا ہوا ہوں بادہ خم غدیر میں

سب میکدہ میں میری طرح ہاؤ ہو کریں
دامن نچوڑ دوں تو فرشتے وضو کریں

(4)

جان ہے کیا عشق مو لا میں بچانے کے لیے
اے تو لا کے سمندر اے غدیر درد دل

میری ہستی درس ہوگی اک زمانے کے لیے
میں سہارا چاہتا ہوں ڈوب جانے کے لیے

(5)

علی کے نام کا رندوں میں بھی اثر دیکھا
میں ہاؤ ہوئے نصیری میں ہو گیا شامل

زبان اہل تصوف پہ جلوہ گر دیکھا
بہت گناہ تھے یہ بھی گناہ کر دیکھا

(6)

پوچھے کوئی خلوص کے جذبے کدھر گئے مولّا کا نام آتے ہی دل جیسے مر گئے
رجعت کا دن بھی اہل ولا کی نظر میں ہے ابھرا جو آفتاب تو چہرے اتر گئے

(7)

ڈرتا نہیں وہ سر کہ جینے سے وقت کی ساقی کے درپہ چودہ جو صدیاں گزار دے
اترے جو سر بھی تن سے تو آئے گی یہ صدا یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

(8)

وہ کافر ہے جسے پینے سے کچھ انکار ہو ساقی جسے توفیق ہے وہ میرا حصہ دار ہو ساقی
ابھی میں چارہ صد سالہ تقریب مسرت میں گلا رکھتا ہوں موج مے اگر تلوار ہو ساقی

(9)

عشق حسین سے نہ اگر ابتدا کرے نااہل ہے جو بیت عشق خدا کرے
مسلم رہے گا کتنی نمازیں قضا ہی کافر ہے جو نماز موت قضا کرے

(10)

ایسا تو سر بلند نہیں ہے کسی کا نام اس نام سے بلند ہے پیغمبری کا نام
اس وقت دوسروں سے تو سل سہی مگر مشکل کا وقت آئے تو لیا علی کا نام

(11)

گردن بینا میں ہیں کچھ ہاتھ ڈالے اک طرف کچھ ہیں تسبیح و مصلّا کو سنبالے اک طرف
مشق سجدوں کی کہیں ہے دور ساغر ہے کہیں خانقاہی اک طرف میخانے والے اک طرف

(12)

وقف کر کے جان و دل قربان جانے کے لیے سب سے باز آیا اسے اپنا بنانے کے لیے
یہ غدیرِ خم کے میکش کو ہے ساقی سے امید روٹھ جاؤں گا تو آئے گا منانے کے لیے



سماجی قطعات

(1)

اٹھاتا ہوں قلم جب میں کسی تحریر کی خاطر
دل اپنا تھام کر مولہ کا دامن تھام لیتا ہوں
زباں جب کھولتا ہوں بزم میں تقریر کی خاطر
جب ایسا وقت نازک ہو علی کا نام لیتا ہوں

(2)

اپنے مسکن کو بنایا بارگاہِ اصغرؑ
آپ کے فرزند جن کا نام نامی بو تراب
میر سلطاں علی نے کی ہے یہ صورت گری
جو ولائے اہلبیتِ مصطفیٰ میں تھے جری
اس کے حق میں وقف کر کے یہ مکان و جایاد
اور فکر و غور اگر کرتے نوشتِ انتخاب
پاگئے کچھ اور اربابِ ولا میں برتری
اس سے بہتر نام ہوتا بارگاہِ بو تراب

(3)

اس مہینہ میں حکمِ خدا سے ہوتی ہے
یہ سیدہ کا مہینہ ہے اس کے صدقے میں
بتوں و رضیہ و مرضیہ کی سالگرہ
مبارک آپ کو ہو سیدہ کی سالگرہ

(4)

خوشی پر غم کا نرغہ ہے خوشی فریاد کرتی ہے
منائے جارہے ہیں یومِ مولہ تیرے دشمن کے
یہ کسی زندگی ہے زندگی فریاد کرتی ہے
جسم سے دوستوں کی بے بسی فریاد کرتی ہے

(5)

موجیں دکھا رہا ہے گنگ و جمن کا سگم
پی جائیں جامِ الفت پیاسے کہاں ہیں آنکیں
اب کیا جاسکیں گے طعنوں کی آگ والے
دل کی لگی بجھانے اٹھے پرآگ والے

(6)

تو جہاں میں عیشِ جنت پائے جا ذکرِ دوزخ سے ہمیں دھمکائے جائے
رات دن سودا کیے جا کفر سے رات دن ایمان کے گن گائے جائے

(7)

مذہب کے بھی چپو کا سہارا لوں گا اپنے مطلب کی ناؤ کھینے کے لیے
اے دوست یہ لین دین آسان نہیں سب کچھ دے دوں گا ووٹ لینے کے لیے

(8)

اوسر شرمندہ تاثیر تقریریں نہیں ہوتیں یہاں ہر شئی کی قیمت رات دن چڑھتی ہی جاتی ہے
کیے جاتے ہیں جس نیازی سے نظم و ضبط کے وعدے گرانی بھی اُسی رفتار سے بڑھتی ہی جاتی ہے

(9)

کیا غلط تصور ہے حریت کا بھارت میں عقل کیا کہیں تھک کر سو گئی ہے کچھ دن سے
زر زمیں زن پہلے تھے فساد کا باعث اب زبان بھی شامل ہو گئی ہے کچھ دن سے

(10)

بنی آدم ہیں سب لیکن یہ کیسی آدمیت ہے فسادوں کے لیے دودن کی دنیا میں بھی فرصت ہے
لڑائی اختلافِ مذہب و ملت پہ کیا معنی؟ جسے کہتے ہیں مذہب وہ محبت ہی محبت ہے

(11)

تجارت بڑھتی جاتی ہے محبت گھٹی جاتی ہے خدا کے منتخب مرکز سے دنیا بُتی جاتی ہے
جہاں بھی سلسلہ ہے فرقہ وارانہ فسادوں کا وہاں اپنی چھری سے اپنی گردن کٹتی جاتی ہے

(12)

مطالبات کا دریا چڑھا ہوا ہے بہت ہوئی ہیں ملک میں کتنی دیاستیں تعمیر
یہی رہے گا زبان و بیاں کا پاس اگر نہ جانے کتنی زبانیں ابھی ہوں دامن گیر

(13)

نکلا ہے فتح کرنے پہاڑوں کو تانلہ یہ بھی ضرور عزم و عمل کا نشان ہے
عزم و عمل کی راہ میں ”بھاوے“ کو دیکھیے دل فتح کر رہے ہیں یہ پیری میں جان ہے

(14)

بشر کو ایسی طاقت پہ ناز کیا معنی کہاں سے آئی یہ طاقت خدا کے حکم بغیر
ہر اک ذرہ اطاعت میں ہے کمر بستہ وہ جس دیار کو چاہے بنادے غار دیر

(15)

وقت کے ہاتھ نے کیا خوب یہ الٹا ہے ورق طالب علم بھی دیتے ہیں سیاست کا سبق
اب وہ تعمیر کا اقدام کہ تخریب کا ہو ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق

(16)

خود کشی قتل فسادات الہی توبہ یہ ہیں آزادی کے دن رات الہی توبہ
کل جو امیدیں تھیں آج ان پہ ہنسی آتی ہے وہ خیالات یہ حالات الہی توبہ

(17)

سوتیر ہے نزول بلا تک پڑے ہوئے آنکھیں کھلیں جو وقت کے تیر کڑے ہوئے
ارباب حل و عقد کی منزل نہ پوچھیے بیٹھے سب آکے باتیں ہوئیں اٹھ کھڑے ہوئے

(18)

کیا مستقل مزاج حکومت ہے واہ واہ تعریف کا مقام ہے بے ریب و اشتباہ
نازک ہے ہر لحاظ سے یہ دور حاضرہ اتنے مطالبے ہیں کہ اللہ کی پناہ

(19)

بے انتہا ہے زیت کا بگڑا ہوا نظام ان کا قصور کیا ہے جو بے چین ہیں عوام
چاروں طرف سے ایک ہی آواز ہے بلند کب ہوگی قیمتوں میں اضافہ کی روک تھام

(20)

وسعت ہے جن کے قلب میں جو ہیں نظر بلند ان کا وقار ہوتا ہے شام و سحر بلند
حق بات کہہ کے سب کی نگاہوں پہ چڑھ گئے کیوں ہوں نہ پھر جہاں میں ”چرن سنگھ“ سر بلند

۱۔ مراد آباد کے فساد پر اسمبلی میں چرن سنگھ کی حق کوئی کا واقعہ سن کر

(21)

اچھا ہے دل میں آپ کے ہے درد وینام سب چاہتے ہیں جنگ کی ہو جائے روک تھام
اپنے وطن کے حال زبوں پر بھی اک نظر اتنی تو فکر کیجئے کھائیں گے کیا عوام

(22)

کسی پرچہ میں دیکھی اک خبر جس کا یہ مطلب ہے غریبوں کی پریشانی سے کچھ مطلب نہیں ہوگا
اضافہ خوردنی اشیاء میں چاہے جتنا ہو جائے مگر موٹر کی قیمت میں اضافہ اب نہیں ہوگا

(23)

جدھر اٹھائیے نظریں زباں کا جھگڑا ہے غرض یہ ہے کہ حکومت ہمارے ساتھ چلے
مطالبہ کا مگر یہ عجیب ہے انداز زبان چل نہیں سکتی اگر تو ہاتھ چلے

(24)

خود کشی قتل کوئی حادثہ سیر و سفر زیست محفوظ گھروں کی ہے نہ بازاروں کی
صبح ہی صبح یہ ہے ذوق نظر کی دعوت سرخیاں خون ہوئی جاتی ہیں اخباروں کی

(25)

زخمِ دل ناتواں سیو سینے کو جی بھر کے مئے سکوں پیو پیئے دو
کوشش بیجا ہے امنِ عالم کے خلاف منہمِ حیات ہے ”جیو جینے دو“

(26)

سرکار یہ آزادی جمہور نہیں ہے دستور بہ اندازہ دستور نہیں ہے
اس دور میں رکشا کا چلانا بھی ہے مشکل رکشا ہی ہماری تمہیں منظور نہیں ہے

(27)

سیم و زر کے جھاڑ سے منہ موڑ لیں کیوں نہ ہر قیمت پہ رشہ جوڑ لیں
تاک میں ہیں اچھے اچھے پاکباز ڈال ہاتھ آئے تو ڈالر توڑ لیں

(28)

اچھا نہیں ہے روز نیا راگ چھیڑنا بیجا ہے اتحاد کے مشرب سے دشمنی
بھارت خدا کے ماننے والوں کا ملک ہے تحریک ریڈ گارڈ ہے مذہب سے دشمنی

(29)

اختلاف مذہبی کے باوجود ملک کی تنظیم کو سب ایک ہیں
اپنے بھارت کی حفاظت کے لیے سارے مذہب اہل مذہب ایک ہیں

(30)

مالک ہے کوئی میرا اتنی خبر نہیں ہے کتنے ہیں مجھ پہ احساں کیا مانتا نہیں ہوں
میرا گناہ سمجھے دنیا کہ بے گناہی میں جانتا ہوں اس کو پہچانتا نہیں ہوں

(31)

مانا کہ رابطہ ہے مجھے سارے جہاں کے ساتھ سن لو کہ یہ میرا دل ہے ہمیشہ زبان کے ساتھ
سارا جہاں حسین مرقع سہی مگر ہندوستان کی بات ہے ہندوستان کے ساتھ

(32)

کیا حادثوں کا زور ہے اللہ کی پناہ کل تک جو تھا سکون میسر نہیں ہے آج
انسان ہی مخالف انسانیت نہیں فطرت بھی کائنات پہ چین برچیں ہے آج

(33)

فکر کی زور آوری میں علم کے پندار میں اپنی اپنی بانسری ہے اپنا اپنا راگ ہے
ایک شعلہ بن کے رہ جائے نہ یہ دنیا کہیں جذبہ حب وطن کیا ہے بھڑکتی آگ ہے

(34)

غلط کاری غلط کاری کا بدلہ ہو تو کیا حاصل غلط انسان اپنے نفس کی تسکین کرتے ہیں
بڑے ماداں ہیں جو قانون اپنے ہاتھ میں لے کر خود اپنے ملک کے قانون کی توہین کرتے ہیں

(35)

اسیر جنگ لو ممبا کے قتل ہونے سے جسے بھی دیکھے ہے اس ہیبت کے خلاف
جو غیر ملک سے رکھتے ہیں اتنی ہمدردی فساد گھر کا بھی روکیں ذرا قصور معاف

(36)

ہمت و عزم تو ہے سعی کا امکان تو ہے عزت نفس ہے محفوظ یہ ایقان تو ہے
آپ سے زاویہ فکر جدا ہے میرا بینک بیلنس نہیں تن میں مگر جان تو ہے

(37)

عمل کی جگہ انجمن سازیاں ہیں کھلونے بناتے ہیں بہلانے والے
مدوا ہے اتنا غریبوں کی خاطر ترس کھا رہے ہیں ترس کھانے والے

(38)

لاکھ فرقے ہوں خدا ایک ہے پیغمبر ایک ایک قرآن کی تزیل کا اقراری ہوں
ایک قبلہ کی طرف سب کی پڑھاتا ہوں نماز وزن توحید سے کونین پہ میں بھاری ہوں

(39)

جو وطن کا دوست ہو اہل وطن کا نمکسار فرقہ وارانہ تعصب سے ہو جس کے دل کو عار
وہ جوان قوم جس کا حسن ہو انسانیت زندگی اس کی عروسی موت ہے اس کا سنگسار

(40)

دولت برطانیہ بھی مضطرب امریکہ بھی ہے پریشاں روس بھی
رفتہ رفتہ ساری دنیا کے لیے ایک خطرہ بن گیا لاؤس بھی

(41)

دل مانتا نہیں کہ نہ تائید ان کی ہو جن کو ہے اپنی جان سے پیارا مطالبہ
انصاف کی یہ بات ہے سکھ حق پہ ہیں اگر ان کا مطالبہ ہے ہمارا مطالبہ

(42)

دنیا کو اعتراف پڑوسی کے حق کا ہے اس حد پہ آکے ختم ہے بیگانگی کی بات
سب کو پسند آئے نہ آئے یہ مشورہ دل کو ضرور لگتی ہے نبودی کی بات

(43)

عمریں ہوئیں ہیں جن کی زروسیم میں بسر دیکھو تو ایسے درد کے ماروں کی خودکشی
کسی موڑ پر یہ آج غذائی سوال ہے حیرت میں ڈالتی ہے سناروں کی خودکشی

(44)

انداز تو سوال کا ایسا بُرا نہیں اللہ جانتا ہے اثر اُن پہ ہو نہ ہو
بیٹھے رہو کے بعد ہے دہلی چلو کی دوڑ اس کا جواب خیر سے ”آگے بڑھو“ نہ ہو

(45)

کس درجہ بدنما ہے بنارس کا واقعہ اچھا کیا سلوک یہ علم و ہنر کے ساتھ
تاریخ میں رہے گا لطیفہ کی شانے قدر اساتذہ بھی گٹھی قدر زر کے ساتھ

(46)

کسی سے پر چا پلوسی اور کسی پر رعب کی بارش یہی اس دور کے کچھ لیڈروں کی رہنمائی ہے
حکومت اور پبلک میں بنے ہیں واسطہ لیکن کہیں ہے بندگی ان کی کہیں ان کی خدائی ہے

(47)

کیپ ٹاؤن سے یہ آئی ہے خبر کل ”سیاست“ میں اسے دیکھا گیا
یہ سنا ہے اک جواں لڑکی کا دل اک جواں تقدیر بوڑھا پا گیا

(48)

ہر حکومت کے لیے وجہ سعادت بن جائے ملک والوں کے لیے عین ضرورت بن جائے
حال کل جائے جو سازش کا تو بدعت ظہرے کامیابی جو میسر ہو تو رحمت بن جائے

(49)

سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ ماجرائے خطاب کوئی خلاف ہو یا کوئی ہمنوائے خطاب
وہاں خطاب کی داد دہش کے کیا معنی جہاں مخالف دستور ہو عطاءے خطاب

(50)

ہنظرابی دور میں ہے ہر حکومت کا نظام دیکھئے کب تک رہے تنظیم کہنہ کا قیام
نوجوانوں کا یہی رجحان ہے اب ہر طرف روس کو تسلیم کیجیے امریکہ کو ہو سلام

(51)

اک مسلمان روس میں اسلام کا بدخواہ ہے علم قرآن کو مضر کہتا ہے کیا گمراہ ہے
کام اس خود کام کا جو کچھ ہے ظاہر ہے مگر واہ رے جبر مشیت نام عبداللہ ہے

(52)

نظم نظرت ہے یہی کچھ عیب ہوتا ہے ضرور ہر فضا میں حسن کی صورت گری کے ساتھ ساتھ
یہ تعصب کی نگاہوں میں ہے سوعیوں کا عیب لفظ مسلم بھی ہے یونیورسٹی کے ساتھ ساتھ

(53)

دوگانہ عید کا ملبوس نو چہرے پہ تابانی گلے مانا مسرت میں یہ سب کچھ سر برحق ہے
کوئی ماحول ہو سرمایہ داری ہو کہ مزدوری اگر پاکیزگی ہے نفس میں بھی عید برحق ہے

(54)

صدر جمہوری ہو کوئی شاہ ہو یا ہو وزیر ہم غریبوں کی طرح آرام سے سوتا نہیں
حکمران ہوتی ہے خود اس پر سیاست وقت کی درحقیقت وہ کسی پر حکمران ہوتا نہیں

(55)

دل میں کیا درد تھا کیا جذبہ ہمدردی تھا جب تلک خیر سے بگڑے ہوئے حالات رہے
آج بیگانہ پستی ہے بلندی جن کی وہ بھی کل تک یہی کہتے تھے مساوات رہے

(56)

کتنے تانہ کتنی تحریکیں ہیں کتنا اختلاف اپنے بھارت کی زمیں ہے آج کل دشت مصاف
مستقل ہے صوبہ داری مسئلوں کا سلسلہ یہ ترقی کے نہیں آثار گستاخی معاف

(57)

خلوص کی ترے اقدام میں کمی تو نہیں خیال و خواب میں تدبیر برتری تو نہیں
جو ملک و قوم کی خدمت کو کھینچتی ہے تجھے وہ زہد باد کے نعروں کی دکاشی تو نہیں

(58)

دنیاۓ محبت میں ہے جلوہ نما بھارت دینا ہے زمانہ کو پیغام وفا بھارت
بے مصرف و نا واجب الزام نہ دے کوئی ہو جائے اگر برہم بھارت ہے مہا بھارت

(59)

وہاں اے دوست کسی دل سے روا ہے جس آزادی جہاں انسان ملک و قوم کی تفریق فرمائے
ہمارا قصد بھی ہے یوم آزادی منانے کا اگر ہر ملک میں انسانیت کا راج ہو جائے

(60)

یہودی بھی یہاں ہیں پارسی بھی ہیں مسیحی بھی ہر اک فرقہ اسی بھارت میں میٹھی نیند سوتا ہے
یہ ارباب نظر میں مسئلہ ہے غور کے قابل تصادم جب بھی ہوتا ہے مسلمانوں سے ہوتا ہے

(61)

ہاتھ کیا آتا ہے تقریر کے ایوانوں سے بات بنتی نہیں تحریر سے عنوانوں سے
درس و تدریس بہت اور عمل ہے مفقود کام چلتا نہیں ان کاغذی انسانوں سے

(62)

وہ کیسی سر زمین ہے جس میں یوں دن رات ڈھلتے ہیں فقط دعوؤں کی حد تک شرع کے احکام چلتے ہیں
جہاں با ضابطہ ہے احترام کعبہ و زمزم وہیں سے رقص و موسیقی کے بھی چشمے اُبلتے ہیں

(63)

کتنے بھارت میں ہوئے سال کے اندر یہ فساد بیسی جائے گی مسلسل اقلیت کب تک
اب تو ارباب حکومت کوئی تدبیر کریں منتخب لفظوں میں تبلیغ و ہدایت کب تک

(64)

بہنئی تک آنے جانے میں کشش اک یہ بھی ہے حسن فطرت رونما ہوتا ہے کس کس ٹھاٹ سے
محو ہو جاتی ہیں سب طول سفر کی زنجمتیں ریل گاڑی جب گذرتی ہے گھنڈا لگاٹ سے

(65)

یہ فکر و نظر کی دنیا ہے عنوان بدلتے رہتے ہیں سب زور یہاں امکان پہ ہے امکان بدلتے رہتے ہیں
امکان کا بھی چلتا نہیں بس عنوان دھرا رہ جاتا ہے دنیا سے بڑی اک طاقت فرمان بدلتے رہتے ہیں

(66)

بھارت کی زندگی میں وہی انتشار ہے جب دیکھتے فساد ہی بروئے کار ہے
درکار شست و شو کو ہے کتنا لہو بھی اے چارہ گردلوں میں کہاں تک غبار ہے

(67)

یہ عیش پر ہے بھروسہ یہ غم سے بے ربطی نظر میں گردش میل و نہار ہے کہ نہیں
اسی اصول پہ تسکین خواہشات کو دو خزاں کسی کی، کسی کی بہار ہے کہ نہیں

(68)

یاد ہے عہد گذشتہ بھی ہمیں آپ کا بھی عہد زیر غور ہے
سوچتے ہیں فیصلہ ہوتا نہیں تاہل تعریف کس کا دور ہے

(69)

ان اہل اقتدار سے کہنا ہے یہ ہمیں چمے ہوئے ہیں شوق میں جو اپنی سیٹ سے
اس شغل سے ملے کبھی فرصت تو سوچئے فرصت ملے گی دلیں کو کب مار پیٹ سے

(70)

اس مرتبہ ہوا ہے نئی شان سے درود لائے کہیں نہ کوئی خرابی مرن برت
اب سلسلہ چھڑے گا سوال و جواب کا میدان میں آگیا ہے جوانی مرن برت

(71)

جسارت گرچہ یہ ترک ادب معلوم ہوتی ہے نکل جاتی ہے منہ سے بات جب معلوم ہوتی ہے
کسی کا اشتیاق خود نمائی ہے مری ہستی بظاہر اک عطاء ہے سبب معلوم ہوتی ہے

(72)

ہندو پاکستان کا مل بل کے عنوان دفاع یہ نئی تجویز ہے چون و چرا دلچسپ ہے
جو مدیر ہیں مخالف اس نئی تجویز کے ان میں ”بخشی جی“ کا لہجہ بھی ذرا دلچسپ ہے

(73)

مرحبا ڈاکٹروں اور حکیموں کا وجود پردہ بن جاتے ہیں اکثر یہ گنہگاری کا
شکر کی جا ہے کہ ماہ رمضان آتے ہی مل گیا سربلک رخصت بیماری کا

(74)

جھ سے ہے رشتہ اخوت کا اگر بے حسی میں رہ نہ جائے ٹوٹ کر
دانہ گندم سے ہیں محروم آج پھاٹکتے تھے کل جو مولیٰ کوٹ کر

(75)

بہت برا ہے یہ شیوہ منافقت ہے یہ کہ دوستی کی ردا میں ہو دشمنی لپٹی
کواکر کا بیاں قابل ستائش ہے کہی وہ بات کہ رکھتی نہیں لگی لپٹی

۱۔ کواکر: ہندوستانی قائد

(76)

جھوٹ سچ سے قوم کو بھڑکائے جا مورکھوں سے لیڈری منوائے جا
اپنے دامن پر بھی چھینٹ آنے نہ دے دوسروں کو خون میں رگوائے جا

(77)

ابھی اس دور میں ایسے بھی کچھ انساں ہیں ورنہ ہمارا حال کچھ ہوتا کسی کے چوٹ کیا لگتی
خدا کی شان کتنے راست کو حق آشنا نکلتے کے امید یہ تھی کوئی کہہ دے گا خدا لگتی

(78)

وطن سے عشق ہو انسانیت سے انساں سے نصیب ہوتا ہے جو کچھ بھی جس کے بھاگ میں ہے
اگر یقین نہ ہو بھاوے سے پوچھئے جا کر عجیب لطف محبت کی دوڑ بھاگ میں ہے

(79)

کچھ رنگ شروانی پہ ہوں کا پڑ گیا جیسے برجیں ہوا تھا کہ شرمائی نظر
دیکھا جو میں نے غور سے اے دوست کیا کہوں دھبے ملے گناہوں کے دامن پہ کس قدر

(80)

ہمیں تو خیر سے تیغیر بھی تھی نزولہ بھی کسے خبر کدھر آیا کدھر گیا رمضان
وہ ڈاکٹر کی عنایت ہو یا طبیب کی ہو خدا کا شکر بہ عزت گذر گیا رمضان

(81)

ہر چیز کی ہے نقل ہر اک شئی میں ملاوٹ دنیا میں ہے کیا صنعت و حرفت کی ترقی
ہر فکر و نظر کے لیے ہے غور کے قابل یہ علم کی کثرت ہے جہالت کی ترقی

(82)

وہی سمجھیں گے اس اہرام اس تنقید کا مقصد جو اس کی بات کو کچھ بات کی تہ تک سمجھتے ہیں
یہ بدعنوانیاں ایران کی دیمک سہی لیکن بہت فساد امریکہ کو بھی دیمک سمجھتے ہیں

(83)

اتحادی گیت اردو ہی میں گائے جائیں گے مثل ماضی شان ہوگی حال و استقبال کی
دے جزائے خیر اس اردو کے حامی کو خدا کس قدر سندر تھی یہ تقریر سندر لال کی

(84)

بھوک ہڑتال ایسا نسخہ ہاتھ آیا ہے ہمیں جو ہر اک آب و ہوا میں کارکن ہے بے عدیل
حق ہو یا ناحق ہو اپنی بات منوا لیجیے ہر مرضی کی ہے دوا ایک دعوے کی دیل

(85)

قمار بازی ہو ناناوتی کے کیس میں بھی جوے کی بات کہاں سے کہاں پہ آنکھری
کہا تھا کیا اسی دن کے لیے یہ شاعر نے کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

(86)

اہل زر جو ہیں انہیں زر کار جامہ چاہیے لیڈروں کو سوٹ واعظ کو عمامہ چاہیے
ہم سے تم کیا پوچھتے ہو عید کے دن بھی ہمیں ایک نامہ دوست کا اک روز نامہ چاہیے

(87)

جتنی زمیں دبائی برہی خلق کی نمود اس طرح گرم و سرد جہاں کو سموتے ہیں
دعوت قبول کر لی ہے چواین لائی نے کچھ بانڈاق آدمی معلوم ہوتے ہیں

(88)

رخصت ہے اب قدامت ہر سانس آخری ہے بے چین ہے تمدن تہذیب رو رہی ہے
کچھ بڑھ گیا ہے خطرہ بوڑھوں کی آمد و کا ہر لہجوں نے اپنی ٹوپی اتار لی ہے

(89)

وہیں تحریک ترک اسلحہ بھی وہیں ہے قوت بزم کی نمائش
فضائے امن کیا پیدا کرے گی یہ دھمکی اور ہم غم کی نمائش

(90)

محبت اتحاد و قوم کا جذبہ ہے بنیادی دنا مانگو محبت کی بڑھے بھارت کی آبادی
تعبص فتنہ انگیزی گرانی ہوگی جب رخصت منایا جائے گا اُس دن حقیقی جشن آزادی

(91)

کوئی ہے پوچھنے والا وطن میں یہاں ہے موت کتنے مر رہے ہیں
ذرا گھر میں بھی تو چل پھر کے دیکھیں جو دنیا بھر کا دورہ کر رہے ہیں

(92)

بات ہو اختلاف آرا تک نہ کہ لفظوں کی گرم بازاری
کس قدر بڑھ چلی ہے بھارت میں ”واک آؤٹ“ کی تیز رفتاری

(93)

میری طرف سے کہہ دے کوئی یہ ان سے جا کر کرتے ہیں جو ملاوٹ اشیائے خوردنی میں
سنگین جرم ہے یہ ہلکا اسے نہ سمجھیں اس کا شمار بھی ہے بھارت کی دشمنی میں

(94)

تا گا جو محبت کا کبھی ٹوٹ گیا دم بھر میں بنی بات بگڑ جائے گی
پہلے تو ہے جوڑنا ہی مشکل اے دوست اور جو بھی گیا تو گانٹھ پڑ جائے گی

(95)

چپراسی کا لفظ آج مطبوع نہیں اس عہدے کو معتبر کہا جائے گا
کیا اردو زبان کی عزت افزائی ہے چپراسی پیامبر کہا جائے گا

(96)

اہل جہاں نے آج گھٹادی ہے قدر زر ڈوبے ہوئے اگرچہ ہیں دولت کی چاہ میں
اُن کا ہے قول جن کا توکل خدا پہ ہے بے قدر ہے ازل سے ہماری نگاہ میں

(97)

فطرت ہی آدمی کی ہے صورت گر وطن دل کو نہ کیوں عزیز ہو ہر منظر وطن
تکلیف بھی اگر ہو تو آرام ہی سمجھ بھارت کی سرزمین ہے تری مادر وطن

(98)

ہر مرض کی ہے دوا ایک اکیلا نسخہ بو علی سینا بھی لکھ سکتے نہ ایسا نسخہ
جاہو بے جا ہونکل آتا ہے ہر کام اے دوست بھوک ہڑتال کا ہاتھ آیا ہے اچھا نسخہ

(99)

بہت آساں ہے جلتی دھوپ کو برسات کہہ دینا ضرورت ہو اگر جائز ہے دن کو رات کہہ دینا
بشر وہ غیر معمولی بشر ہے جس کا شیوہ ہو سیاست کی فضا میں رہ کے سچی بات کہہ دینا

(100)

مشہور ہے تمدن و تہذیب میں جو ملک تعریف کیا کرے کوئی اُس کے نظام کی
بد نام کر رہا ہے وہ انسانیت کا نام اب تک نہ جگ بند ہوئی وینام کی

(101)

عقل سے انسان کوسوں دور ہے اپنے عہدے پر اگر مغرور ہے
اب وہ چپراسی ہو کوئی یا وزیر کام کی اہمیت جو لے مزدور ہے

(102)

نشہ دولت کا اُتر جائے تو جنت ہو جائے ظلم کی آگ ٹھہر جائے تو جنت ہو جائے
میرے سر آنکھوں پہ جنت کی توقع لیکن یہی دنیا جو سنور جائے تو جنت ہو جائے

(103)

کیسا بدل گیا ہے بڑے بھائی کا مزاج مشکل انہیں زبان کی ہے روک ٹوک بھی
پھرتے تھے ننگے پاؤں ابھی کل کی بات ہے جوتی بھی اب ہے پاؤں میں جوتی میں ٹوک بھی

(104)

آسائش وطن کی ہر اک کو جستجو ہے جائیں گے کیوں یہاں سے یہ کیسی گفتگو ہے
ایچھے ہوں یا بُرے ہوں دونوں نہیں رہیں گے اب اتحاد ہی میں اس گھر کی آمد ہے

(105)

ترقی کا سبق بھارت کی پہلک پڑھتی جاتی ہے سیاست اس کی دنیا کی نظر پر چڑھتی جاتی ہے
نکل جائے گی اک دن دھڑ میں ہر ملک سے آگے گرانی بڑھ گئی ہے بڑھ رہی ہے بڑھتی جاتی ہے

(106)

کردیتا ہے انسان اک انسان کو قتل لغزش کبھی ایسی بھی ہوا کرتی ہے
اُس قوم کے سنگ و سخت دل کو دیکھو جو دوسری قوم کو فنا کرتی ہے

(107)

تحریک لے کے آئے ہیں گورا بہت نئی جمہوریت ہو اور جماعت نہ ہو کوئی
انتا بڑھا خلوص تو آئے گا وہ بھی دن پابند حکم سب ہوں حکومت نہ ہو کوئی

(108)

اقبال نے کیا ہے جو محکم یقیں کا ذکر سونفرا کا آج وہی ہے اصول کار
امید کو یقیں سے بدلتے ہیں اس طرح دستور بن گیا ہے یہاں قبل اقتدار

(109)

قدرتاً حصہ ہے دونوں کا برابر ملک میں لاکھ بیگانہ کوئی سمجھے یہ جب بھی ایک ہیں
غیر کا ہے قول اس کو مارک کر لیجئے ذرا ”مارک“ فرماتے ہیں اردو اور ہندی ایک ہیں

(110)

اخبار پڑھ کے مجھ سے یہ اک دوست نے کہا کس سے کہیں کہ کوئی علاج اس کا کیجئے
بڑھتی ہی جا رہی ہے یہ تعداد خود کشی جی چاہتا ہے اپنا گلا گھونٹ لیجئے

(111)

یوں دماغ و دل میں سب کچھ ہے خدا کے فضل سے ولولے پرواز کے ہیں حوصلے تیزی کے ہیں
واقعہ یہ ہے ابھی آزادی کمال نہیں پہلے تھے انگریز کے قیدی اب انگریزی کے ہیں

(112)

ہر اک فضا میں گنگار بیش و کم ٹھہرے رہے یہ حال تو سینوں میں کیسے دم ٹھہرے
نوازشوں کا تسلسل ارے خدا کی پناہ کہیں فساد ہوا ذمہ دار ہم ٹھہرے

(113)

کس طرح مٹے بند سے یہ فرق پرستی تقریر ہی تقریر ہے تدبیر نہیں ہے
حق بھی ہے زبانوں پہ تو اس کا ہے یہ عالم الفاظ ہی الفاظ ہیں تاثیر نہیں ہے

(114)

ان کا یہ دور عیش سلامت بیٹھے ہیں ہم سے کیوں منہ موڑ کے
یہ تو کچھ ایسی بات ہے جیسے نام بڑا اور درشن تھوڑے

(115)

ذہنی ترقیوں کا یہ عنوان ہے دوستو یہ کانگریس کا فتح نمایاں ہے دوستو
ذاکر حسین ہو گئے جمہوریہ کے صدر اب اتحاد ملک درخشاں ہے دوستو

(116)

بھارت تمھارا دیس ہے اے طالبان علم سن لو ذرا جو میری گزارش کا ہے نچوڑ
ایسا ہے اپنے دیس میں تخریب کا عمل جیسے خود اپنے گھر میں کرے کوئی توڑ پھوڑ

(117)

کیسی خموشی کیسے اشارے ہم حق کہیں گے ہانکے پکارے
سیکھے نہیں تم احساں کرنا مرتے نہیں ہم تلوار مارے

(118)

قوم ہو اگر زندہ فرد فرد زندہ ہے اہل دل کو دنیا میں اور چاہیے اب کیا
اپنی زندگی کو جو زندگی سمجھتے ہیں وہ غریب سمجھیں گے زندگی کا مطلب کیا

(119)

تقریر و نغمہ کاری و تئین و روشنی وابستہ کیا انھیں سے شعور حیات ہے
جمہوریت کا جشن ہی ہوتا رہا تو کیا جمہور کو سکون بھی کچھ ہو تو بات ہے

(120)

بمبئی حرف محبت کا بھی مصرف ہے کہیں ایک طوفان تجارت عمل و قول میں ہے
دم گھٹا جاتا ہے اس داد و ستد سے میرا سانس لینا بھی تو مشکل ترے ماحول میں ہے

(121)

مطرب بزم سیاست کچھ خبر بھی ہے تجھے غم کے راکوں کی ہے کثرت زندگی کے ساز پر
کیا اثر اُٹا ترے انداز فن کاری کا ہے فتنے بڑھتے جارہے ہیں امن کی آواز پر

(122)

زہے بنیاد تقسیم لسانی سب اپنا اپنا حق جتلا رہے ہیں
کہیں اک دن برس جائیں نہ کھل کر اکالی دلی کے بادل چھا رہے ہیں

(123)

اپنی اپنی ہر ایک کہہ جائے گا ہر ضرب نئی سامعہ سہہ جائے گا
مٹ جائیں گی ساری اشتراکی قدریں اسلام کا اشتراک رہ جائے گا

(124)

کتنے ہیں وہ فسانے جو بن گئے حقیقت کتنی حقیقتوں کو رسوا کیا خدا نے
دنیا سمجھ رہی ہے یہ روس امریکہ بس دو حقیقتیں ہیں باقی ہیں سب فسانے

(125)

نوںہالوں کے لیے یہ درس کی تنظیم ہے علم کی حد تک فقط افہام ہے تفہیم ہے
ترہیت اک لفظ بے مفہوم ہے اس دور میں جس طرف بھی دیکھیے تعلیم ہی تعلیم ہے

(126)

مال حاضر تھا جان حاضر تھی ختم لیکن یہ سلسلہ نہ ہوا
وہ خریدار تھے ضمیر کے بھی میرا ان کا معاملہ نہ ہوا

(127)

مخاز جنگ ہو، اے ہم وطن یا سلح کی منزل وقار اپنا ہو جس میں وہ رہے پیش نظر صورت
حقیقت کیا ہے زر کی، جان بھی قربان کر دیں گے وطن کی لاج رکھتے ہیں بہر قیمت بہر صورت

(128)

جس دل پہ محبت کی ہو چھاپ اچھا ہے دنیا اچھی ہے تو جو آپ اچھا ہے
سو بات کی ایک بات سن رکھ اے دوست جھگڑا ہے بُرا میل ملاپ اچھا ہے

(129)

فطرت کے نظام سے ہے کتنا غافل دو روز کی زندگی پہ پھولا ہوا ہے
انسان کو قتل کرنے والا انسان کیسا اپنی اصل کو بھولا ہوا ہے

(130)

کیا ہے انسان اک انسان کو قتل لغزش کبھی ایسی بھی ہوا کرتی ہے
اس قوم کے سنگ و سخت دل کو دیکھ جو دوسری قوم کو فنا کرتی ہے

(131)

بے انتہا ہے زیست کا بگڑا ہوا نظام ان کا قصور کیا ہے جو بے چین ہیں عوام
کب ہوگی قیمتوں میں اضافہ کی روک تھام چاروں طرف سے ایک ہی آواز ہے بلند

(132)

یہ سنتے ہیں۔ کیا پر نام گاندھی جی نے قاتل کو رہے گی بند کی تاریخ میں یہ داستاں باقی
سلام اس کو نہ سمجھو قوم کے منہ پر طمانچہ ہے قرینہ ہے کہ صدیوں تک رہے جس کا نشان باقی

(133)

کیوں کر نہ ارتباط وفا کے چلن سے ہو انسان وہ کیا جسے نہ محبت وطن سے ہو
عزت رہے وطن کی محبت ہے اس کا نام وہ جنگ ہو کہ سلح مگر بائکپن سے ہو

(134)

جو لوگ سیم و زر کے مہروں سے کھیلتے ہیں مل جل کے وقت کی اب گاڑی ڈھکیلتے ہیں
لاکھوں کا کر رہے تھے دل کھول کر جو سودا دوکانیں بند کر کے اب تاش کھیلتے ہیں

(135)

فطرت ہی آدمی کی ہے صورت گر وطن دل کو نہ کیوں عزیز ہو منظر وطن
تکلیف بھی اگر ہو تو آرام ہی سمجھ بھارت کی سرزمین ہے تری مادر وطن

(136)

متاع حال قرباں کر کے مستقبل بنانا ہے بڑی مل چل ہے دنیا میں بڑا نازک زمانہ ہے
تفکر سے تدبیر سے قلم سے زور سے زر سے کسی صورت بھی ہو بھارت کی عزت کو بچانا ہے

(137)

کیوں کر نہ کرے ناز و فصاحت اردو سرمایہ صد عزت و حرمت اردو
بندی کی محاسن اور عربی کا اہلال رکھتی ہے عجب طرح کی شوکت اردو

(138)

ارمان ہو لیکن نہ نکلنے والا دل ہو نہ کبھی مگر بچنے والا
ہستی ہے مثال شمع میری اے جھم دن کو خاموش شب کو جلنے والا

(139)

حیرت ہے اگر پھول ہو خوشبو کے خلاف شانہ کی روایات ہوں گیہو کے خلاف
دنیا کی ذرا ستم ظریفی دیکھو اردو ہی میں گفتگو ہے اردو کے خلاف

(140)

کر مشقِ طاقت و فصاحت اے دوست مل جائے گا منصبِ سیاست اے دوست
مذہب کا ذکر بے محل ہے بالکل تقریر کی ہے آج حکومت اے دوست

(141)

اب بھی ہیں دنیا میں مذہب سینکڑوں مرنے جینے کو خدا کے نام پر
دیدنی ہے انتخاب ریڈگارڈ پہلا حملہ مذہبِ اسلام پر

(142)

اللہ کے وجودِ ذی جود کا عقیدہ سنتے ہیں ہو رہا ہے سارے جہاں سے رخصت
یہ سب صحیح لیکن اتنا تو ہم کہیں گے آخر میں سب کے ہوگا ہندوستان سے رخصت

(143)

اچھی چلی ہے نکتہ منہ کے خلاف بات انسانیت کی دشمن جاں ہے یہ بد صفات
بھارت میں دن اک ایسا بھی آئے خدا کرے کرسی کے اور عہدہ کے نکتہ سے ہونجات

(144)

تشدّد کے رستہ سے حق مانگتے ہیں عوامی افق کی یہ بیداریاں ہیں
حکومت سے غیروں کی آزاد ہو کر گرفتاریاں ہی گرفتاریاں ہیں

(145)

خاص ہستیاں ہیں دو اس جہانِ فانی میں اک طیبِ جسمانی اک طیبِ روحانی
کسی قدر اہم ہوں گی ذمہ داریاں ان کی جن کی سرپرستی میں ہے مزاجِ انسانی

(146)

سلح کر لیتے ہیں یوں بھی صاحبانِ علم دو میں تمہیں قبلہ کہوں اور تم مجھے قبلہ کہو
یوں سمجھ لیجے اسے اک فارسی کی ہے مش من ترا حاجی گویم تو مرا حاجی گو



غدیری قطعات

(1)

بدنام میگسار ہوں برنا و پیر میں اتنی پلا نہ جلسہ عید امیر میں
ساقی کسی کو نشہ میں دل مانتا نہیں دونوں جہاں کہیں نہ ڈبودوں غدیر میں

(2)

بلغ کو رہبر ہمہ گیری بنا دیا بنیاد کائنات امیری بنا دیا
اس لہن اُس زبان اُس آیت کے میں نثار قرآن کی لے کو جس نے غدیری بنا دیا

(3)

معلوم تو ہوگا تجھے ہم رندوں کا عالم غم اپنے لیے سال میں سوروز ہے ساقی
ہو تیری اجازت تو عزا دار حسینئ بس بول لیں کچھ آج کہ نو روز ہے ساقی

(4)

سرِ تقویم پر ہے تاج یا نو روز ہے ساقی غدیری میکشوں کا مدعا نو روز ہے ساقی
یہی تو دن ہے تیری ظاہری مسند نشینی کا جیہی تو سال کا فرمازا نو روز ہے ساقی

(5)

سکون دل کے لیے کچھ پیام آجائے کبھی زباں پہ ہمارا بھی نام آجائے
غلام جمع ہیں در پر سلام کی خاطر خدا کرے کہ جواب سلام آجائے

(6)

تکلفہ مثل گل چہرے ہیں آثار حسینئ میں خوشی کیونکر نہ ہوگی آج سرکار حسینئ میں
کہاں جانا ہے راہ راست میں تجھ کو بتانا ہوں غدیری جشن ہے اے دوست و بہار حسینئ میں

(7)

تقسیم جو ہونے لگی صہبائے غدیر سینوں میں حسد کے آبلے بیٹھ گئے
قرآن بھی نہ پھر حلق سے نیچے اترا جو پی نہ سکے ان کے گلے بیٹھ گئے



تصوفی قطعات

(1)

وہ راہِ محبت میں جانکاحیاں کیں ہم ایسے فقیروں نے بھی شاہیاں کیں
اسی دل سے عہدِ جوانی گزارا اسی ٹوٹے پیالے پہ جم جاہیاں کیں

(2)

انسانیت میں پاک ضمیری کا لطف ہے مغلوب ہو جو نفس تو پیری کا لطف ہے
عمامہ و عبا میں نہ احرام میں ہے فقر دل بھی فقیر ہو تو فقیری کا لطف ہے

فارسی قطعات

(1)

از دیستانِ حق دیرِ آمد بزبانِ قلم صریحِ آمد
ساقیا جامہائے نور بیار بادۂ پیائے انعکاسِ آمد

(2)

دمِ عیسیٰ نمود اختیارِ موسیٰ کاظم جمالِ یوسفی آئینہ دارِ موسیٰ کاظم
فدا گزارِ ابراہیم صدقے صبرِ ایوبی جلالِ موسیٰ عمران نثارِ موسیٰ کاظم

متفرق قطعات

(1)

انہیں غم کدہ کربلا کے سجدہ گزار
یہ راز تو نے بتایا ہے اہل عالم کو
شعور فکر نے غیروں پہ بھی کیا یہ اثر
سنی سنائی نہیں بات آنکھوں دیکھی ہے
خصوصیات بہت کچھ تیرے کلام کی ہیں
ترے کلام سے اردو زباں کا وزن بڑھا
ترا کلام ہے یا مرثیت کے میل و نہار
نہ ہو یہ درد جو دل میں تو زندگی بے کار
کہ گوشے گوشے میں انسان ہو گئے بے دار
کہ ہندوؤں کو بھی دیکھا گیا ہے سینہ فگار
ترے کلام سے پیدا ہوئے وہ نقش و نگار
محاورات کا کیجا لگا دیا انبار

(2)

قدر دانی جس کو کہتے ہیں اسی کا نام ہے
کیا تعجب ہے صدا دے قوم کو تیر انہیں
ویدنی ہوگا یہ دن حسنِ عمل کے زور کا
جشن صد سالہ مبارک ڈاکٹر یگور کا

(3)

چادر گل سے سجیں قبریں امیر و داغ کی
دیکھ لو دونوں کے مدفن کیا انہیں اور کیا دیر
قدر داں ہے قوم پر کر بھی پھولوں میں تلے
”برمزار ما غریبان نے چراغ نے گلے“

(4)

جو اہل دل ہیں سمجھتے ہیں وہ مقام انہیں
حسینیت کی خدمت انہیں نے کی ہے
یہ فن مرثیہ کوئی میں اہتمام انہیں
رہے گا تا بہ قیامت بلند نام انہیں

(5)

ہر قلب میں ہے عزت و تکریم مساوات
اس راز محبت سے نہ تھا ایک بھی واقف
ہر قوم ہے اب حامی تعلیم مساوات
اسلام نے کی خلق میں تقدیم مساوات

(6)

واجب ہے مسلمان پہ تعظیم مساوات قرآن نے دی ہے ہمیں تعلیم مساوات
بنیاد محبت ہے یہی نقطہ محبوب کیوں مرکز اسلام نہ ہو میم مساوات

(7)

کیا مسافر نوازیاں کی ہیں رہیں احباب اپنے شاد آباد
گھر ہے یہ منتوں مرادوں کا اور آباد ہو مراد آباد

(8)

سب ہیں اس جگ میں جیتے جی کے کارن ہم پیت نہ کرتے تھے اسی کے کارن
آئی ہے اہل ساتھ لیے جاتی ہے ساجن سے بگڑ گئی سکھی کے کارن

(9)

سنسار کی ریت ناپی جوکھی سمرن مالا کا وہ پھیر وہ انوکھی سمرن
ہم جانیں سکھی ہمارا سائیں جانے من کی سمرن ہے سب سے چوکھی سمرن

(10)

ٹھہر ٹھہر کے دو عالم بلائے دیتی ہے ترے لیوں پہ نہیں تیرے اختیار کی لے
نشاط میں کہیں سامان غم نہ ہو جائے بدل گئی ترے نغمہ سے آبتار کی لے

(11)

مجھے نزاکت ہستی بڑھانے والے نے فضائے عشق میں قیدی بنا کے چھوڑ دیا
بتوں نے کی تھی مری سمت بھی نگاہ کرم مگر خدا کا گنہ گار پا کے چھوڑ دیا

(12)

بہت ٹھوکریں کھائیں گے کھانے والے محبت کی دولت کو ٹھکرانے والے
اسی باغ کے پھول ہیں کیا دعا دیں سلامت رہیں آگ بھڑکانے والے

(13)

لشکِ حسرت متصل بہتے رہے اور غم بالائے غم سہتے رہے
اک مزے کی نیند لے لی آپ نے جب تلک ہم دردِ دل کہتے رہے

(14)

حقیقتیں ہیں یہ دونوں خیال و خواب نہیں تمہارے حسن مرے عشق کا جواب نہیں
غمِ فراق میں بھی ہے سکون کا عالم ہمیں یہ پاس وفا ہے کہ اضطراب نہیں

(15)

وہم کی صورت گری کا سلسلہ بڑھتا رہا زندگی گھٹی رہی اور راستہ بڑھتا رہا
معنی مولاً میں جتنی جستجو ہے سود کی فصل اتنا منزل بے فصل کا بڑھتا رہا

(16)

رواں تھا راہ غلط پر جو تافلہ نہ رہا جو غاصبوں نے کیا تھا معاملہ نہ رہا
ازل کا سلسلہ منتخب رہا قائم وہ خانہ ساز خلافت کا سلسلہ نہ رہا

(17)

حجاز سے ہوئی رخصت عراق کو چھوڑا پناہ ترک میں آئی عرب سے منہ موڑا
ملا نہ کوئی جنازہ اٹھانے والا بھی کہاں خلافتِ ماحق نے جا کے دم توڑا

(18)

قبرِ مومن سے خدا رکھے نکلتا ہے وہ نور چار جانب ہے تولا کی فضا پھیلی ہوئی
کیوں ہمارے کچ مرقد میں سمٹ آئے نہ خلد اس زمیں پر جب ہے خاک کربلا پھیلی ہوئی

(19)

سراجِ ملت تھا بنے افرادِ ملت میں وہ محنت کی ولا کے دائرہ کی زیب و زینت میں
جہی تو میر مومن مومنوں میں میر کہلائے ہیر المومنین کے خاص خادم ہیں حقیقت میں

(20)

زہے مدارجِ نور الہدیٰ وہ شاہِ چراغ بہت چراغ جلتے اور بہت چراغ بجھے
جو دے گئے تھے ہمیں ہے وہ زندگی باقی مگر ہے ان کے چراغوں کی روشنی باقی

(21)

ہر ذہن میں روشن ہے پیامِ غالب ہر دل میں ہے آج احرامِ غالب
ہم کو بھی یہ فخر ہے کہ اس دور میں ہیں جس دور نے سمجھا ہے مقامِ غالب

(22)

چشمہ کی طرف صبح ابلتی ہوئی دیکھی سورج کی کرن برف پہ جلتی ہوئی دیکھی
 مشرق کے مسافر نے جہاں آنکھ دکھائی چاندی سی پہاڑوں پہ پگھلتی ہوئی دیکھی

(23)

دور تجھ سے جلوہ جانانہ کشمیر ہے مسلم کشمیر تو بیگانہ کشمیر ہے
 وہ کہاں شامِ نشاط و صبحِ شالیمار میں جو ترے احساس میں افسانہ کشمیر ہے

(24)

پھولوں کے جگہ جگہ نشین دیکھے کشمیر کے جنگلوں میں گلشن دیکھے
 پھوٹی ہوئی انسانوں کی قسمت دیکھی ٹوٹے ہوئے شاعروں کے مدن دیکھے

(25)

ہم تو ہیں کاش تم بھی آ جاؤ ہر نظر حسنِ افریں ہو جائے
 ہائے کشمیر و جنت کشمیر آشیانہ یہیں کہیں ہو جائے

(26)

کچھ یاد ہے کشمیر میں سبزہ پہ لب جو ساغر میں بھری تھی مئے انگور بہاوی
 اتنا کسی انسان نے پیا ہوگا نہ پانی جتنی مجھے کانٹہ تری آنکھوں نے پیادی

(27)

بہارِ خطہ کشمیر اے معاذ اللہ گلوں کا ایسا خزانہ کہیں نہیں دیکھا
 نظر کو جان بچاتے ہوئے یہیں پایا زمیں کو لعل اگتے ہوئے یہیں دیکھا

(28)

تائید جو بندوؤں نے فرمائی ہے ممنون ہر ایک حق کا شیدائی ہے
 کل پریم کی مٹھرا میں بجی تھی بنسی آج اس کی صداے بازگشت آئی ہے

(29)

پُچن پُچن لیے دنیا نے جواہر ریزے کیا کیا نہ دُرِ بیش بہا ہات آئے
عالم ہوا اخلاق حسن سے معمور اسلام کے ساتھ عدل و مساوات آئے

(30)

اک ساکن دیر نے پوچھا مجھ سے تہذیبِ نبیؐ کے کچھ نشان ملتے ہیں
اسلام بہت خوب ہے مذہب لیکن اے دوست مسلمان کہاں ملتے ہیں

31

یہ خوشنما عمارت یہ نقشِ ساحرانہ سلام لیجئے مولّا غلام حاضر ہیں
دنیا کی دولتیں سب گرجاتی ہیں نظر سے جس وقت دیکھتا ہوں یہ علم کا خزانہ

32

توجہات کے سبب تشنہ کام حاضر ہیں سلام لیجئے مولّا غلام حاضر ہیں
بصد نیاز حضورِ امام حاضر ہیں اسی امید میں یہ سال بھر گزار ہے

33

وہ اس انداز سے نکلے کہ لاکھوں انگلیاں اٹھیں ہلالِ عیدِ آخر کیوں کسی معشوق سے کم ہو
کرے اغماض پھر کیوں کر نہ وہ صورت دکھانے میں جو صرف شوقِ دنیا ہو جو محوِ دیدِ عالم ہو

34

ان کو ستم کشانِ زمانہ سے کیا غرض ہے معمور کو عیدِ فقط مال و زر کی عید
میں رو دیا تھا دیکھ کے کپڑے پھٹے ہوئے دیکھی ہے جہم میں نے کسی بے پردہ کی عید

35

چلے بل کے دونوں سال نو کی پیشوائی کو فدائی کا گمریس کے یگ کی محفل کے مستانے
خدا رکھے یہ اندازِ محبت کس نے دیکھے تھے انھیں سکھایا دیا کس نے گلے ملنا خدا جانے
خدا میں تو ہے سب قدرت و گر نہ جہم حق یہ ہے کہاں زمار کا ڈورا کہاں تسبیح کے دانے

36

جب کبھی خانہ اللہ میں دیکھا کرے سر بہ سجدہ کوئی دو چار ہی انسان نکلے
ہم سمجھتے تھے مسلمان بہت کم ہیں یہاں عید کے دن تو مسلمان ہی مسلمان نکلے

37

اواہوتا نہیں جب فرض تو سنت سے کیا حاصل یہ صاحب وضع ناحق سر پہ اتنا بار لیتے ہیں
اُترتی ہی نہیں پتلون جن کی ایک لہجہ کو وہ کیوں کر عید کے دن نکریں دو مار لیتے ہیں

38

عزت سے آبرو سے بٹھائے گئے ہیں ہم چھ بار اس دیار میں آئے گئے ہیں ہم
دو چار سال تک یہ نہ آنے کی ہے سزا قیدی بنا کے شان سے لائے گئے ہیں ہم

39

نہ دیکھی اور نہ قید ایسی سنی ہم نے فسانوں میں کی آنے نہ پائی کچھ حکومت کے خزانوں میں
زبے حُسنِ تدبیر گھر ہی مظلوموں کو زنداں تھے کہ دو رات ایک دن پابند رکھا ہے مکاناتوں

40

دے کے یہ دولت کوئی لیتا ہے ناداری کہیں یوں بھی ممکن ہے بھلا ترکِ وفا داری کہیں
حُبِ اہلیت شامل جن کے آب و گل میں ہے وہ مسلمان چھوڑ سکتے ہیں عزا داری کہیں

باب ہفتم

نعت

- 1. حجم افندی کی نعت نگاری ڈاکٹر سید قتی عابدی
- 2. منتخب نعتیہ اشعار (33) عدد
- 3. فہرست نعت (16) عدد

ڈاکٹر سید تقی عابدی

نجم آفندی کی نعت نگاری

یہ بھی بڑے تعجب کی بات ہے کہ جناب تحسین فراقی نے اپنے تحقیقی عمدہ مضمون ”جدید اردو نعت کوئی“ ایک جائزہ جولنت نمبر شام و سحر 1982ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ تقریباً پچاس سے زیادہ اردو کے نعت گو شعرا کا تذکرہ کیا لیکن علامہ نجم آفندی کا نام تک نہیں لیا جبکہ نجم آفندی کے ہزار سے زیادہ عمدہ نعتیہ اشعار ان کے کلام میں بکھرے ہوئے ہیں جن سے کم و بیش سبھی پرستار ان رسالت واقف ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ان کی بیشتر نعتیں جن کی مجموعی تعداد سولہ ہے، غیر مطبوعہ ہیں لیکن ان کے نعتیہ اشعار اور نعتیں ہمیشہ محافل میلاد کی رونق بنی رہیں اور بعض اشعار زبان زد عام بھی رہے۔ راقم نے نجم آفندی کا تمام تر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام ”کائنات نجم“ میں جمع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ کائنات نجم، نجم آفندی کی حیات، شخصیت، فن اور مجموعہ کلام مطبوعہ و غیر مطبوعہ کی دستاویزی حیثیت رکھتی ہے جس میں نجم کے صد ہا نعتیہ اشعار، (31) اکتیس نعتیہ رباعیات، چار نعتیہ قطعات اور سولہ نعتیں شامل ہیں جو نجم کی ستر (70) برس ریاضت کی کمائی ہیں۔ ڈاکٹر سید نواز حسن زیدی نے اپنی کتاب نجم آفندی فکر و فن میں نعتیہ رباعیات کے ذیل میں بہت صحیح لکھا کہ ”نجم آفندی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنی کسی رباعی میں بھی ایسی بات پیش نہیں کی جو قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو۔ ان کے نزدیک عقیدت کا معیار یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے مسئلہ معیارات کو سامنے رکھ کر حضور کی مدح کی جائے اور صحیح روایات کو بنیاد بنایا جائے نہ کہ محض عقیدت اور جذبات میں حضور سے ایسی باتیں منسوب کی جائیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور کے بارے میں ان کی رباعیات کسی نہ کسی

آیت قرآنی کی وضاحت کر رہی ہیں۔ جہم آفندی نے شامل نبوی کے بیان کے بجائے، آپ کی سیرت اور اسوہ پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے۔ جہم نے جہاں حضورؐ سے اپنی بے پناہ عقیدت کا اظہار کیا ہے، وہاں مسلمانوں کو ایک ایسا راستہ بھی دکھایا ہے جس پر چل کر وہ دین و دنیا کی بھلائی حاصل کر سکتے ہیں اور آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔“

اس مضمون میں ہم صرف چند نمونہ کے اشعار بغیر کسی تشریح و تبصرہ کے پیش کر رہے ہیں، تاکہ ہر کس بقدر ہمت خود اس سے فیض یاب ہو سکے لیکن جہم کا نعتیہ شاعری میں مقام متعین کرنے میں دقت نہیں ہوگی۔ جہم آفندی کا شمار صفِ اول کے جدید اردو نعت گوئی کے شعرا حائے، اکبر، اقبال، ظفر علی خاں، حفیظ جالندھری، احسان دانش، حفیظ تائب، عبدالعزیز خالد وغیرہ میں ہوتا ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ نظام حیدرآباد کے صدر المہام (وزیر اعظم) مہاراجہ کشن پرشاد جن کی نعتوں کا مجموعہ ”ہدیہ شاد“ ان کی زندگی میں شائع ہو چکا تھا، کسی شخصی محفل میں نعت سنا رہے تھے۔ کسی منچلے نوجوان نے مہاراجہ کو مخاطب کر کے پوچھا۔ مہاراجہ کیا آپ مسلمان ہو گئے ہیں جو ایسی عقیدت سے بھری نعت سنا رہے ہیں۔ مہاراجہ نے اس نوجوان کو مخاطب کر کے فوراً جواب دیا۔ تو خدا پرشاد ہے میں کشن پرشاد ہوں۔ پھر مزید کہا کہ حضورؐ کے اخلاق حسنہ اور انسانیت پر احسانات نے مجھے اس بات پر وادار کیا کہ میں حضورؐ کی توصیف و تعریف میں نعت کہوں۔ یقیناً غیر مسلم نعت گو یوں نے سرکارِ کائنات کو اخلاق و کردار کا عظیم نمونہ اور انسان سازی کا عالی ترین قالب سمجھ کر نعتیہ مضامین کی ہر دور اور ہر موسم میں فصل اُگائی ہے۔ آج کے پُر آشوب دور میں جہاں اسلامی اقدار کو منہ و کمانہ کی بین الاقوامی تحریک جاری ہے حضورؐ کی ذات مقدس کو بھی غلط بیانی اور دروغ گوئی کے ذریعہ جارحیت کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ حضورؐ کو (معاذ اللہ) ایک جاہل حکمران کے روپ میں پیش کیا جا رہا ہے جس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار اس لیے ہے کہ قرآن اگر مورد قبول نہ ہوگا تو تلوار سے سر اُتار جائے گا۔ چنانچہ اس دور میں ایسی نعتوں کی ضرورت اس لیے بھی ضروری ہو گئی ہے کہ ظلمتِ کفر و نفاق کو چراغِ مصطفویؐ سے دور کیا جاسکے۔

حجم کے درجنوں نعتیہ اشعار ان مضامین پر موجود ہیں۔ اس موقع پر ہم کچھ اشعار پیش کرتے ہیں۔

دو عالم پر ہے قبضہ اہم مختار کیا کہنا ترا قرآن کیا کہنا تری تلوار کیا کہنا
وہی ہے صحنِ مسجد اور وہی قصرِ حکومت ہے خدائے پاک کے گھر میں ترا دربار کیا کہنا

اک فیصلہ کن شان سے بھیجا ہے خدا نے قرآن بھی تلوار بھی ہے دستِ قوی میں

خدا کے گھر میں اُس نے فقر کی مسند پہ شاہی کی جہادِ زندگی میں کون ایسا مردِ میداں ہے

مجاہد کر دیا خوں خوار خوں آشام قوموں کو خدا کی راہ میں مصرف کیا اُس نے شجاعت کا
انسانیت، انسان سازی اور مکارمِ الاخلاق پر اشعار دیکھئے:

خدمتِ یہ کسی نبیؐ ولی سے نہ ہوئی وابستہ کسی پیہری سے نہ ہوئی
کامل تھے سبھی مگر محمدؐ کے ہوا اخلاق کی جھگیل کسی سے نہ ہوئی

احساسِ حیات کو جگانے والا حکمت کے حدود کو بڑھانے والا
کتنے پیغمبروں کے بعد آیا ہے انسان کو انسان بنانے والا

دنیا میں پیہروں کا سلطان آیا انسان کی عظمت کا گنجِ بیاں آیا
سیرتِ ایسی بدل دیا نظم جہاں صورتِ ایسی کہ جس پہ قرآن آیا

صورتِ گرِ ازل نے ترے اعتبار پر اک مشہِ خاک تھی جسے انسان بنا دیا
کہتی ہے ذہنیت یہ حجاز و عراق کی تیرا ہی کام تھا کہ مسلمان بنا دیا

وہ اک نور مجسم تھا مگر اے ابنِ آدم سُن
ظہور اس کا نہ تھا تقسیم ملک و مال کی خاطر
اُسے انسان کے اخلاق کی تکمیل کرنی تھی
تری سیرت بنانے کو اٹھایا بار صورت کا
اُسے دنیا میں جوہر بائنا تھا آدمیت کا
علیٰ آفاق میں پہلا ثمر تھا اس کی محنت کا

تگوار اٹھی دستِ دنا دونوں میں ہے ثانی حق کی رضا
جو دینِ خدا کی دشمن تھی ہر بات پہ جس سے جنگ ہوئی
مسجد کی روشِ میدان میں بھی سرکارِ دو عالم صل علی
اک دن وہی دنیا چیخ اُٹھی سرکارِ دو عالم صل علی

میں سمجھا آدمی کا احسن تقویم ہو جانا
ترے اُسوہ نے کی اخلاق کی تکمیل دنیا میں
یہی صورت ہے جس پر حق کی صنعت ماز کرتی ہے
اسی معراج پر انسان کی عظمت ماز کرتی ہے

انسان کے خاکی پیکر میں اب شائع ہوتا ہے
جو دونوں جہاں کے مالک ہیں وہ بھی بدل کر آتے ہیں

دیا جس پر خطر صحرا میں درسِ معرفت اُس نے
بہت حیران تھی دنیا اس اندازِ حکومت پر
وہی تہذیب کا اخلاق کا پہلا دبستاں ہے
کوئی قصرِ حکومت ہے نہ حاجب ہے نہ درباں ہے

ہر دور میں اخلاق کی تکمیل ہوا
سرمایہ پیغامِ رسولِ عربیؐ

شرع کا ہر مسئلہ ہے علم و حکمت کو قبول
فطرتِ انسانیت ہے ہم کو نوائے مصطفیٰؐ

تکمل کر دیا انسان کا دستورِ حیات اُس نے
رسولِ آخری ہے حرفِ آخر لے کے آیا ہے

کیا آدم کو پیدا جس خدا نے اس کا کیا کہنا
یہ وہ انسانِ اعظم ہے شکستِ فاش دی جس نے
مگر مجھ کو محبت ہے خدائے آدمیت سے
حکومت کی محبت سے محبت کی حکومت سے

بنی آدم ازل سے تابد ممنون احساں ہیں اسی نے آدمیت دی ہے ورنہ آدمی کیا ہے

مذموم تمدن کے صنم توڑے ہیں اس نے اک اور اضافہ یہ کیا بت شکنی میں
نعت درحقیقت حدیث دل ہے۔ واردات قلبی کا صفحہ قرطاس پر مظاہرہ ہے۔ عرقی کے شعر کے
مصدق تلوار کی دھار پر سفر ہوتے ہوئے بھی سیر گلشن فردوس ہے۔ جس کا جتنا قلبی اثر ہوگا، نعت
اتنی ہی با اثر ہوگی۔ نعت کی تنقید کے معنی، گہل نعت یعنی شعر کو نوک خار تنقید سے تتر بتر کرنا صحیح
نہیں۔ اگر کسی نے اپنے کو حسان دوراں یا حسان مثل کہا ہے تو یہ تعلیٰ ہے اور خوبصورت تعلیٰ
ہے۔ اُس میں خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔ غالب کے چہیتے شاگرد مہدی مجروح نے بھی اپنی
خوبصورت نعت کے مقطع میں کہا ہے۔

مدحت رنج ہے دن رات مجروح یہ اردو میں ہے تجہانِ محمدؐ
بعض لوگوں نے شاعر دربار رسالتؐ پر اعتراض کیا۔ لیکن حضورؐ کا دربار آج بھی سجا ہوا ہے ورنہ
لاکھوں افراد نذرانہ عقیدت لے کر مدینہ نہ جاتے اور ہر وہ شخص جو اس دربار میں حاضری دے گا
وہ اپنے کو شاعر دربار رسالتؐ کہنے کا حق دار ہے۔ رند اور زاہد، صوفی اور مفتی کی لے میں فرق ہے
اور جہمؐ اور دوسرے نجوم آسمان رسالتؐ، شاعر دربار رسالتؐ ہی ہیں۔

طلب یکساں ہے لیکن فرق یہ ہے رند و زاہد میں کوئی تشنگی نہیں مالہ کش کوئی غزل خواں ہے

اے جہمؐ میں ہوں شاعر دربار رسالتؐ کیا شک ہے کسی کو میری تصویر کشی میں

فضائے عرش میں اے جہمؐ رہتا ہے دماغ اپنا فراز عرش سے اترے ہیں یہ اشعار کیا کہنا

چارپشتوں سے مجھے حاصل ہے یہ عز و شرف جہمؐ فطرت ہے مری مدح و ثنائے مصطفیٰؐ
میرے آباء کا شرف ہے میری فطرت کا خیر جہمؐ صدیوں سے ہے فخر مدح آل مصطفیٰؐ

جب مدح پیبرؐ کرتا ہوں وہ زورِ سخن بڑھ جاتا ہے اے جہمِ سلامی دینے کو الفاظ کے لشکر آتے ہیں

جہمِ مداح پیبرؐ کی بلندی کو نہ پوچھ خاک پر بیٹھے تو سرِ عرش سے جالمتا ہے
میں اپنے شعر لے کر جہمِ اس منزل میں کیا جاؤں جہاں قرآن کی ایک ایک آیت ناز کرتی ہے

تا عرش یہ نغمے جائیں گے سکانِ فلک دہرائیں گے کہنے دو مجھے اے جہم ابھی سرکارِ دو عالم صل علیٰ

اُسے یارب نہ ہو معلوم حالتِ جہم کے دل کی غمِ اسلام کم ہے اور غمِ دوراں فراواں ہے
صرف مقطعوں ہی میں نہیں بلکہ نعتوں کے بہتے زلال میں بھی جہم کے احساسات بحر و
انکسار اور تعلیٰ کے لؤل نظر آتے ہیں۔ یہ طرزِ بیان صرف اور صرف مدحتِ نبویؐ کے لطفِ خاص
سے عطا ہوتا ہے جیسا کہ خود کہتے ہیں:

قطرہ نے لیں جو تیری محبت میں کروٹیں بطنِ صدف میں کوہِ غلطاں بنادیا
یہ نطق کا شرف یہ طہارتِ زبان کی اک اک حدیثِ دوست کو قرآن بنادیا
سلطانِ کج کلاہ مقابل نہ ہو سکے جس کو رئیسِ دولتِ عرفاں بنا دیا
ایک اور نعت کا مطلع اور زیبِ مطلع کا انداز دیکھئے۔

کیا کام کیا فکر نے مدحِ نبویؐ میں اور آگ لگادی ہے مری تشنہ لبی میں
آزاد ہوں میں وسعتِ عشقِ نبویؐ میں الجھے ہوئے ہیں تنگِ نظر بولہبی میں
وصلِ ابدی میں ہے نہ سحرِ ازلی میں احساس جو ہے عشقِ محمدؐ کی خودی میں
اسلام دینِ فطرت ہے اور پیامبرِ اسلام فطرت کا مکمل نمونہ۔ اسلامی اقدار اس زمانے

میں دنیا میں رونما ہوئے جب دنیا مساوات، امن اور شائقی، استعمار اور جمہوریت سے آشنا نہ تھی
یعنی فلسفہ اور ان کی کتابوں میں اس کا تذکرہ تو تھا لیکن کوئی انھیں رو بہ عمل لانے کی قدرت اور
جرات نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ یہ ذاتِ ختمی مرتبت تھی جس نے غربت کو مٹانے، زرو زمین کو آفتا اور
غلام کے درمیان تقسیم کرنے، امن اور صلح کے پیغامات کو سراسر گیتی پھیلانے اور پیغامِ برادری

انسانوں کے درمیان خصوصاً ملت اسلامیہ کے افراد کے درمیان اتحاد پر زور دیا۔ حجم کی نعمتوں میں یہ مضامین بکھرے ہوئے ہیں۔ غریبوں اور غربت کے متعلق چند شعر دیکھئے۔

غریب قوم بن کر بن گیا ڈھارس غریبوں کی ہر خلق ہو کر بھیس بدلا اُس نے غربت کا

اسی کی حق پناہی سے ہوا ہے دسترس اتنا کہ آج افلاس کا ہاتھ اور دولت کا گریباں ہے

بہت دولت لٹائی جس کے ہاتھوں نے غریبوں میں مگر ہونے دیا دامن کو آلودہ نہ دولت سے

تجھے دولت حکومت عیش سب دیتی رہی دنیا مگر دنیا میں باقی ہے ترا انکار کیا کہنا
دنیا کے امن کے لیے کیا کوئی دوسری ہستی ایسی ہے جس نے صرف دفاعی جنگ کی اور
مدینہ جیسے شہر میں دوسری اقلیتوں کے ساتھ انسانیت کا سلوک برقرار رکھا۔

رحمت عالم خلاف امن جاسکتا نہیں تھی دفاعی جنگ ہر جنگ و جدال مصطفیٰؐ

ابھی انسان سمجھا ہی نہیں تجویز امن اُس کی ابھی دنیا کے ہر اک موڑ پر طاقت رجز خواں ہے

جہاں میں سب سے پہلے تو پیام امن لایا تھا مساوات و محبت کے علم بردار کیا کہنا
مساوات اور برادری خصوصاً ملت اسلامیہ کے فرقوں کے درمیان اتحاد پر حجم نے بڑے
عمدہ اشعار نعت نگاری میں شامل کیے ہیں۔

نوع بشر کو نظم مساوات سونپ کر ہر درد اختلاف کا درماں بنادیا

دیا تھا اس نے وہ درس مساواتِ روا داری کہ ہر اک قوم میں اب روح آزادی کی جولاں ہے
کیا تقویٰ کو شامل اس نے تہذیب و تمدن میں یہ نعمت گر نہیں تو منعم و مزدور یکساں ہے
اُسی خواںِ کرم کی ریزہ خوار اقوام عالم ہیں اُسی کا اک عطیہ اشتراکی درد درماں ہے

خدا بھی ایک ہے قرآن بھی قبلہ پیہر بھی
 بھلا سکتے نہیں دل اس کی تحریک اخوت کو
 اخوت کی بنا ڈالی اُسی نے بزم ہستی میں
 جو عالم گیر پیغام اخوت لے کے آیا تھا
 قیامت ہے کہ پھر ملت کا شیرازہ پریشاں ہے
 چراغ انسان کے احساس کا بے شک فراواں ہے
 کسے معلوم تھا انسانیت کا کیا تقاضا ہے
 اُسی کی قوم ہے محروم احساس اخوت سے
 شاعری کی دوسری اصناف کی طرح نعت کے اظہار اور ابلاغ میں وسعت فکری کو بڑا
 دخل ہے۔ علامہ اقبال کے نعتیہ اشعار میں غضب کا خلوص ہے جس کی جھلک علامہ نجم آفندی کے
 کلام میں بھی نظر آتی ہے۔

اُسے کرنا تھا رشتہ عبد کا معبود سے محکم
 کہ اُس کو علم تھا انسان کی کمزوری فطرت کا

خالق کی مشیت پہ بھی کر ہی لیا قبضہ
 تفریق پہ کس نے مجھے مامور کیا ہے
 کیا آگئی انسان خدا ساز کے جی میں
 کیوں فرق کروں عشق خدا عشق نبی میں

خبر کیا تجھ کو تعلیم محمد مصطفیٰ کیا ہے
 یہ حُسن احتیاط ایک امتزاج دین و دنیا ہے

رباعی

آدم مابین آب و گل تھے جب سے
 اپنی ہستی سے بے خبر آدم زاد
 روشن تھی نضا نور حبیب رب سے
 کیا جانے کہ ہے ذات محمد کب سے
 حضور اکرم کی تعلیمات سے بہرہ مند ہونے کے بجائے بعض لوگ فروعی اور غیر ضروری
 مسائل میں اپنی پوری توانائی صرف کر دیتے ہیں۔ معراج روحانی اور جسمانی کے مباحث، نوری یا
 خاکی ہونے کی بحث، فلسفہ اور دین و دنیا کے معمولی مسائل وغیرہ۔ نجم کے چند اشعار ان کی پوری
 ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔

کچھ خبر بھی ہے تجھے نان و نمک کے سائل
 بھلک کر رہ گئے رستہ میں ستر اُطی بقراطی
 اُس کے کوچہ میں گدائی سے خدا ملتا ہے
 تیری چوکھٹ پہ سجدے کر کے حکمت ماز کرتی ہے

نہ چھیڑو مجھ معراج روحانی و جسمانی دکھاؤ آئینہ جویائے حق کو اس کی سیرت کا

یہ نطق کا شرف یہ طہارت زبان کی اک اک حدیث دوست کو قرآن بنادیا

میان آب و گل تھا آدمی جب وہ پیبرؐ تھا مشیت ہی میں تھا اسلام وہ جب سے مسلمان ہے
خود اپنا نور نور بندگی نور خداوندی شب معراج اس کی غیرت صبح درخشاں ہے

بے کار یہ جسم و روح کی بحث ہے آج سر پر مرے آقا کے ازل سے ہے یہ تاج
کیا اس کے لیے عرش پہ جانے کا سوال جب فرش پہ حاصل ہو مقام معراج

تکلیل ہوئی تنظیم ہوئی ترتیب ہوئی تکمیل ہوئی کیوں ختم نہ ہو پیغامبری سرکارِ دو عالم صل علیٰ

یہ نام محمدؐ یہ اندھیرے کا اجالا سرنامہ آیات ہے آیاتِ جلی میں
صدقے صنم بند و صنایید عجم ہیں اللہ کی قدرت ہے لباسِ عربی میں
حضور اکرمؐ کی ذات اقدس مدینۃ العلم ہے۔ آپؐ علم لدنی کے حامل تھے۔ یہ بھی حضورؐ
کا معجزہ ہے کہ اس دور کے عالم اور پڑھے لکھے شخص کو کیوں کر معرفت پروردگار حاصل نہ تھی جسے
ابو جہل کے نام سے یاد کیا۔ حضورؐ ظاہری طور پر لکھنا اور پڑھنا نہیں جانتے تھے اس لیے آپؐ کا
لقب اُمّی ہوا۔ مضامینِ نعت میں حضورؐ کا اُمّی ہونا ثانوی مضمون کی حیثیت رکھتا ہے۔ فارسی اور
اردو کے شعرا نے اچھوتے، نادر اور خوب صورت اشعار لکھے۔ جہم کے دو چار اشعار، جو ان کی
مزاج شاعری کے نقیب ہیں، تبرکاً یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔

نگاہِ اہلِ ظاہر میں وہ اُمّی تھا مگر ایسا کتابِ زیست میں اصلاح دی ہے دستِ قدرت سے

تکوینی ہے علم اس کا جو کہلاتا ہے اُمّی یہ بات نہ آئے گی کبھی ذہنِ غبی میں

اُسی نے مصرفِ علم و عمل سے ہم کو سمجھایا غرورِ زندگی کیا ہے شعورِ زندگی کیا ہے

ازل کے دن سے جس کی انگلیاں ہیں نبضِ فطرت پر مزاج زور و زربدلا ہے جس نے علم و حکمت سے حضور اکرم معلّم اخلاق اور زبیت ہیں وہ تکوینی علم کے حامل ہیں۔

نعت میں منقبتی موضوعات کی رسم بھی بہت قدیم ہے۔ عربی فارسی اور اردو نعت کی ابتدا ہی اس آمیزش کے ساتھ ہوئی۔ اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر محمد تقی قطب شاہ کی نعتوں میں اہل بیت کرام کی مدح و ثنا مسلسل نظر آتی ہے لیکن اُن میں سب کی نسبت حضور اکرمؐ کے وجود سے بتائی جاتی ہے۔ یہاں یہ ذکر بھی عمدہ ہے کہ نجم آفندی کو نصیر الملت کی جانب سے شاعر اہل بیت کا خطاب دیا گیا تھا۔

شاعر ہوں جن کا نجم وہ ہیں وجہ کائنات ممکن ہے تا ابد میرا نام و نشان رہے

مصاحب تیرے پیغمبر فرشتے لشکری تیرے سپہ سالار اعظم حیدر کرار کیا کہنا ذبیح اللہ شال تیرے اسلاف مقدس میں شہید کربلا ہے تیرا ورثہ دار کیا کہنا

کلمہ گو کیوں کر نہ ہوں شیدائے آلِ مصطفیٰ کوئی بقسمت ہی چاہے گا ملالِ مصطفیٰ
حشر تک فکر آفریں ہے ذہن انساں کے لئے عترت و قرآن متاع لا زوالِ مصطفیٰ
صورت و سیرت میں ہیں زہرا کے دونوں لاڈلے ہم جمالِ مصطفیٰ وہم خیالِ مصطفیٰ
ترے اسلاف سے اخلاف سے آگے نہیں کوئی جہاں تک نسلِ آدم کی شرافت ناز کرتی ہے
نجم آفندی نے حضرت تمنا سندیلوی مرحوم کی فارسی نعت پر تفسیم کر کے ایک خوبصورت فارسی میں نعت کہی ہے جس کے ایک بند پر اس تحریر کو تمام کرتا ہوں۔

از روئے تو صبح یافت تنویر وز زلف تو شب نمودہ تحریر

تو جانِ مصوری بہ تصویر از شمع رخ تو دست تقدیر

برکرد چہراغ آفرینش

منتخب نعتیہ اشعار

آنکھیں تو بچا ہی رکھیں ہیں خاکسبز دل کا فرش کرو ہے عرش بھی جن کے زیرِ قدم و فرش زمیں پر آتے ہیں

جب مدح پیبرؐ کنا ہوں وہ زورِ سخن بڑھ جاتا ہے اے جہنمِ سلامی دینے کو الفاظ کے لشکر آتے ہیں

قطرہ نے لیں جو تیری محبت میں کروٹیں بطنِ صدف میں کوہِ غلطاں بنا دیا

یہ نطق کا شرف یہ طہارتِ زبان کی اک اک حدیثِ دوست کو قرآن بنا دیا

سلطانِ کج کاہہ مقابل نہ ہو سکے جس کو بیسِ دولتِ عرفاں بنا دیا

صورتِ گرِ ازل نے ترے اعتبار پر اک مشہِ خاک تھی جسے انساں بنا دیا

جہنمِ مداح پیبرؐ کی بلندی کو نہ پوچھ خاک پر بیٹھے تو سرِ عرش سے جا ملتا ہے

میں سمجھا آدمی کا احسنِ تقویم ہو جانا یہی صورت ہے جس پر حق کی صنعتِ ناز کرتی ہے

میں اپنے شعر لے کر جہنم اس منزل میں کیا جاؤں جہاں قرآن کی ایک ایک آیت ناز کرتی ہے

فضائے عرش میں اے جہم رہتا ہے دماغ اپنا فراز عرش سے اترے ہیں یہ اشعار کیا کہنا

چارپشتوں سے مجھے حاصل ہے یہ عز و شرف جہم فطرت ہے مری مدح و ثنائے مصطفیٰ

تفکیک ہوئی تنظیم ہوئی ترتیب ہوئی تکمیل ہوئی کیوں ختم نہ ہو پیغامبری سرکارِ دو عالم صلی علیہ

مئے حب نبی کو واسطہ ہے میری فطرت سے وہ کوئی اور ہوں گے جن کو مل جاتی ہے قسمت سے

نگاہ اہل ظاہر میں وہ اُمی تھا مگر ایسا کتابِ زیست میں اصلاح دی ہے دستِ قدرت سے

وہ اک نور مجسم تھا مگر اے ابنِ آدم سُن تری سیرت بنانے کو اٹھایا بار صورت کا

کیا کام کیا فکر نے مدحِ نبویؐ میں اور آگ لگادی ہے مری تشنہ لبی میں

آزاد ہوں میں وسعتِ عشقِ نبویؐ میں الجھے ہوئے ہیں تنگ نظر بولہبی میں

اک فیصلہ کن شان سے بھیجا ہے خدا نے قرآن بھی تلواری بھی ہے دستِ قوی میں

تکوینی ہے علم اس کا جو کہلاتا ہے اُمی یہ بات نہ آئے گی کبھی ذہنِ غبی میں

اے جہم میں ہوں شاعرِ دربارِ رسالتؐ کیا شک ہے کسی کو مری تصویر کشی میں

خدا بھی ایک ہے قرآن بھی قبلہ بھی پیہرؐ بھی قیامت ہے کہ پھر ملت کا شیرازہ پریشاں ہے

بھلا سکتے نہیں دل اُس کی تحریک اخوت کو
ابھی انسان سمجھا ہی نہیں تجویزِ امن اُس کی
دیا تھا اس نے وہ درسِ مساواتِ رواداری
کہ ہر اک قوم میں اب روحِ آزادی کی جولاں ہے

اُسے انسان کے اخلاق کی تکمیل کرنی تھی
علیٰ آفاق میں پہلا شمر تھا اس کی محنت کا

مکمل کر دیا انسان کا دستور حیات اُس نے
رسولِ آخری ہے حرفِ آخر لے کے آیا ہے

رحمتِ عالمِ خلافِ امن جاسکتا نہیں
تھی دفاعی جنگ ہر جنگ و جدالِ مصطفیٰ

یہ نامِ محمدؐ یہ اندھیرے کا اجالا
سرنامہٗ آیات ہے آیاتِ جلی میں

ذبحِ اللہ شامل تیرے اسلافِ مقدس میں
شہیدِ کربلا ہے تیرا ورثہ دار کیا کہنا

یہ نطق کا شرف یہ طہارتِ زبان کی
اک اک حدیثِ دوست کو قرآن بنا دیا

جو عالم گیر پیغام اخوت لے کے آیا تھا
اُس کی قوم ہے محرومِ احساسِ اخوت سے

کیا تقویٰ کو شامل اس نے تہذیب و تمدن میں
نعمتِ گر نہیں تو منعم و مزدور یکساں ہے

خبر کیا تجھ کو تعلیمِ محمد مصطفیٰؐ کیا ہے
یہ حُسن احتیاط ایک امتزاجِ دین و دنیا ہے



فہرستِ نعت

نمبر شمار	عنوانات	تعداد	صفحہ نمبر
1-	انسان کے خاک کی پیکر میں اب شافعِ محشر آتے ہیں	(7) اشعار	752
2-	اب وہ کہ تیرے نور کو عنوان بنا دیا	(19) اشعار	753
3-	دردِ دل کیا کہیں رستہ میں پڑا ملتا ہے	(11) اشعار	755
4-	محمدؐ پر خدا کی شانِ وحدت ناز کرتی ہے	(18) اشعار	757
5-	چمکا جو عرب دلیں کی قسمت کا ستارا	(34) اشعار	759
6-	گروہِ انبیاء کے سید و سردار کیا کہنا	(13) اشعار	762
7-	جان ہے تیری امانت دل برائے مصطفیٰ	(22) اشعار	763
8-	کلمہ کو کیوں کر نہ ہوں شیدائے آلِ مصطفیٰ	(11) اشعار	764
9-	محمدؐ کائناتِ دو جہاں میں کار فرما ہے	(15) اشعار	765
10-	کیا نعت میں لے نغمے کی بڑھی سرکارِ دو عالم صلی علی	(12) اشعار	767
11-	نمازِ دردِ دل پڑھنی ہے پیغمبرؐ کی مدحت سے	(16) اشعار	769
12-	حرا کا غار ہے فانوس کس شمعِ حقیقت کا	(22) اشعار	771
13-	محمدؐ کی حقیقت دونوں عالم کی رگِ جاں ہے	(38) اشعار	773
14-	تو جب بھی جلوہ گر تھا اے خوش نما ستارے	(39) اشعار	775
15-	اے نورِ چراغِ آفرینش اے روحِ نفاخِ آفرینش	(14) اشعار	778
16-	کیا کام کیا فکر نے مدحِ نبویؐ میں	(13) اشعار	779

نعت

(1)

انسان کے خاکی پیکر میں اب شافعِ محشر آتے ہیں
جو دونوں جہاں کے مالک ہیں وہ بھیس بدل کر آتے ہیں
آمد ہے اب ان کی عالم میں جن سے ہے وجودِ ارض و سما
اب ختم ہے سب کی راہبری کونین کے رہبر آتے ہیں
آنکھیں تو بچھا ہی رکھی ہیں خاکسترِ دل کا فرش کرو
ہے عرش بھی جن کے زیرِ قدم وہ فرشِ زمیں پر آتے ہیں
اصنام کے بندے کیا جانیں دراصل خدائی ان کی ہے
جو غارِ حرا سے گھر کی طرف اوڑھے ہوئے چادر آتے ہیں
دیدارِ نبیؐ ہو جائے تو پھر بوڈڑ سے کہیں سلماں سے کہیں
ہم نے بھی وہ آنکھیں دیکھی ہیں ہم کو بھی وہ تیور آتے ہیں
کیا کوئی پے گا میری طرح میکش ہوں میں ایسی محفل کا
جب سے مجھے پیتے دیکھا ہے کوڑ کو بھی چکر آتے ہیں
جب مدح پیبرؐ کرتا ہوں وہ زورِ سخن بڑھ جاتا ہے
اے حتمِ سلامی دینے کو الفاظ کے لشکر آتے ہیں



نعت

(2)

اے وہ کہ تیرے نور کو عنوان بنا دیا
 پرچم کھائے سلطنت جاں بنا دیا
 شق ہو گیا قلم کا جگر تیرے نام پر
 صبح ازل کا چاک گریباں بنا دیا
 پیدا ہوئی جہیں کی ضیا سے فضائے عرش
 سجدہ کا نقش عالم امکاں بنا دیا
 ہستی ترے ظہور تبسم سے چونک اٹھی
 اس کیفیت کو صبح درخشاں بنا دیا
 کھولا نشانِ مہر نگاہِ جلال نے
 چشمِ کرم اٹھی مہرِ تاباں بنا دیا
 بیداریوں کی نعمت پر کیفِ شب کو دی
 طاعت گزارِ زلفِ پریشاں بنا دیا
 اک پرتوی جمال کا دریا اُبل پڑا
 موجِ نسیم و جوشِ بہاراں بنا دیا
 قطرہ نے لیں جو تیری محبت میں کروٹیں
 بطنِ صدف میں کوہِ غلطاں بنا دیا
 غنچے سے لے کے قلبِ بشر تک ہر ایک کو

شرمندہ نوازش و احساں بنا دیا
 اقرارِ دوئی پہ ملے ساغرِ حیات
 تیری ولا کو میکدہ جاں بنا دیا
 صورتِ گرِ ازل نے ترے اعتبار پر
 اک مشیتِ خاک تھی جسے انساں بنا دیا
 قدرت نے اک نظامِ تن و جاں بنا دیا
 انساں ترے نثار کہ انساں بنا دیا
 یہ نطق کا شرف یہ طہارتِ زبان کی
 اک اک حدیثِ دوست کو قرآن بنا دیا
 گم گشتگانِ راہ کو دے کر پیامِ ہوش
 نبیؐ آشنائے گردشِ دوراں بنا دیا
 کہتی ہے ذہنیت یہ حجاز و عراق کی
 تیرا ہی کام تھا کہ مسلمان بنا دیا
 جھکوا لیے قدم پہ بڑے سرکشوں کے سر
 پروانہ وار شعلوں کو رقصاں بنا دیا
 سلطانِ کجکلاہ مقابل نہ ہو سکے
 جس کو رئیسِ دولت عرفاں بنا دیا
 نوعِ بشر کو تقسیمِ مساوات سونپ کر
 ہر دردِ اختلاف کا درماں بنا دیا
 اے صاحبِ شریعت سہلہ ترے نثار
 کیا مرگ و زیتِ دونوں کو آساں بنا دیا



نعت

(3)

دردِ دل کیا کہیں رستہ میں پڑا ملتا ہے
حق کے محبوب سے نسبت ہو تو آملتا ہے
میں وہ سائل ہوں تجھے مانگ رہا ہوں تجھ سے
دیکھتا ہے مرے مولاً مجھے کیا ملتا ہے
دل کا کیا حال ہو حاصل جو حضوری ہو جائے
اُس کی فرقت میں تڑپنے سے مرا ملتا ہے
طور تک موسیٰٰؑ مراں کی رسائی تھی فقط
عرش سے اس کی بلندی کا پتا ملتا ہے
کچھ خبر بھی ہے تجھے نان و نمک کے سائل
اُس کے کوچہ میں گدائی سے خدا ملتا ہے
اپنے امکان تصور کو دعا دیتا ہوں
جب مرا سر قدم پاک سے جا ملتا ہے
کس میں دم ہے جو کرے حسنِ عمل کی توصیف
نام سے سلسلہٴ صلیٰ علی ملتا ہے
یہ جزا کم ہے کہ دیدارِ نبیؐ ہوگا نصیب

کس کو یہ فکر ہے کیا روزِ جزا ملتا ہے
بٹ دہرم ہیں جو سمجھتے نہیں منزل اس کی
سب کو قرآن میں لو لاک لگا ملتا ہے
اُس کے در سے ہمیں کیا کچھ نہ ملے گا اے دوست
غیر کو حوصلہ صبر و رضا ملتا ہے
تجم مداح پیبرؐ کی بلندی کو نہ پوچھ
خاک پر بیٹھے تو سر عرش سے جا ملتا ہے

jabir.abbas@yahoo.com

نعت

(4)

محمدؐ پر خدا کی شانِ وحدت ناز کرتی ہے
 خداوندی شریعت در شریعت ناز کرتی ہے
 فرشتے کیا ہیں نبیوں کی ارادت ناز کرتی ہے
 نبوت کیا ہے تکمیلِ نبوت ناز کرتی ہے
 زہے ہمارے امانت خود امانت ناز کرتی ہے
 ملک ہیں محمدؐ حیرت آدمیت ناز کرتی ہے
 میں سمجھا آدمی کا احسن اتقویم ہو جانا
 یہی صورت ہے جس پر حق کی صنعت ناز کرتی ہے
 تری بے چیدیاں برحق مگر آگے بڑھوں کیوں کر
 ابھی اے حرفِ آخر اولیت ناز کرتی ہے
 شعورِ ترجمانی پر ہے یا مفہومِ قدرت پر
 نہ پوچھو کس پہ قسا کی فصاحت ناز کرتی ہے
 جہادِ صبر کا موقف ہو یا ہو جنگ کا میدان
 بہر صورت بہر پہلو شجاعت ناز کرتی ہے
 حکومت اس نے کی پہلو بچا کر کبریائی کے
 اسی تنظیمِ حکومت پر حکومت ناز کرتی ہے
 وہ اک توحید کا ساغر وہ کثرت پینے والوں کی
 دو عالم مست ہیں ساقی کی ہمت ناز کرتی ہے
 خدا کے آخری پیغامبر اے حجتِ اول
 تجھی پر ظاہر و باطن ہدایت ناز کرتی ہے

غرور آل ہاشم ہے تری شانِ یقیی بھی
ابھی تک جس یقیی پر جلالت ناز کرتی ہے
تجھے اک دشتِ غربت کا مسافر کردیا جس نے
ازل کی صبح سے وہ شامِ ہجرت ناز کرتی ہے
ترے اسلاف سے اخلاف سے آگے نہیں کوئی
جہاں تک نسلِ آدم کی شرافت ناز کرتی ہے
بھٹک کر رہ گئے رستہ میں سقراطی و بقراطی
تری چوکھٹ پہ سجدے کر کے حکمت ناز کرتی ہے
وہاں سے ابتدا ہے تیرے انوارِ نبوت کی
جہاں پیغمبروں کی قدر و قیمت ناز کرتی ہے
تیرے اُسوہ نے کی اخلاق کی حکمیل دنیا میں
اسی معراج پر انساں کی عظمت ناز کرتی ہے
مکمل ہوگئی تعظیمِ قدرت تیرے آنے سے
جہاں میں تیرے آنے کی مہورت ناز کرتی ہے
میں اپنے شعر لے کر حجم اس منزل میں کیا جاؤں
جہاں قرآن کی ایک ایک آیت ناز کرتی ہے

نعت

(5)

چکا جو عرب دلش کی قسمت کا ستارا
مکہ میں رسالت کی بچائی گئی مسند
اس طرح دُہن بھی کوئی دیکھی نہ سنورتی
کیا جانے کس بھیں میں کس روپ میں آیا
چھ سال میں ماں باپ جو پر لوک سدھارے
جب سر سے اٹھا آپ کے دادا کا بھی سایا
بچوں سے زیادہ یہ کہتے تھے یہ خدا تھے
چھوٹے ہی سے سن میں تھیں سمجھ بوجھ کی باتیں
دایہ کی طرح سب کی نگاہوں میں بھلا تھا
سُندر تھا جو ہر کام تو ہر بات تھی ہالا
بے وقت نہ کھایا کبھی، بے وقت نہ سویا
اس چاند میں آنکھوں نے کوئی کھوٹ نہ پائی
بھولے سے کبھی اپنی بڑائی نہ جتائی
باتیں نہ گھمنڈی کبھی ہر دے میں سائیں
بچوں کی طرح اُس نے کوئی کھیل نہ کھیلا
گاہک تھا وہ ہر آن غریبوں کی خوشی کا
پیتا وہ لڑکپن کا سُنے آئی جوانی
مردوش تھی جو پھول کی چندن کی طرح سے
ستونٹ تھا ایسا جسے دشمن نے بھی لما
نیکی نے بچلایا تھا جوانوں کے چٹھروں سے
زربل کو بھی سکھ ہو، اسی اُلجھن میں پڑا تھا

کرنا نے آکاش سے اک نور اُتارا
پیدا ہوئے ہاشم کے گھرانے میں محمدؐ
کھڑے کی پڑی چھوٹ تو جگمگ ہوئی دھرتی
سننے ہیں کسی آنکھ نے دیکھا نہیں سایا
بچپن سے لڑکپن ہوا دادا کے سہارے
اک اور پریمی نے کیلجے سے لگایا
پالا ابو طالب نے جو حضرت کے چچا تھے
کلتے تھے بڑے سوچ میں دن ہوں کہ ہوں راتیں
یہ چار برس گھر میں حلیمہ کی پلا تھا
دایہ کو یہ اچرج تھا کہ بچہ ہے رُالا
مچلا نہ کبھی دودھ کے کارن نہ وہ رویا
جو سن کی صفائی تھی، وہی تن کی صفائی
بیٹوں کو حلیمہ کے سمجھتا رہا بھائی
یوں ساتھ دیا اُن کا کہ بھیڑیں بھی چرائیں
اُس کے لیے دنیا میں تماشہ تھا نہ میلا
سنسار میں دکھ دیکھ نہ سکتا تھا کسی کا
انسان کے جیون کی گھڑی سب سے سہانی
جو پاک رہی صبح کے دامن کی طرح سے
صادق اُسے بچپن سے ہی کہتا تھا زمانا
وہ دور ہی رہتا تھا بُرائی سے بُروں سے
وَدھوا سے کیا بیاہ کہ پُسن اس میں بڑا تھا

سُرنچ بنا قوم کا جگڑا بھی پُکایا
 اُن بَجل کے لیے کرنا ہی پڑتا ہے یہ کنتھا
 اُبھری ہوئی تھی ہاتھ میں ایمان کی ریکھا
 کچھ دن میں نئی پیار کی صورت نظر آئی
 اک تاروں بھری رات نے آنچل جو سمیٹا
 کعبہ میں ہوا جس کا جنم یہ وہ بکلی ہے
 گھر اُس کا چلن اُس کا وہی ذات وہی ہے
 جنتا کی بھائی میں بہت رنج سبے ہیں
 جن باتوں میں تھی کھوٹ بہت اُن سے پرے تھے
 دل جس سے ملے ایسا نہ تھا میل کسی سے
 جی لگتا تھا بستی سے الگ شہر سے باہر
 جو قوم تھی وہ پاپ کے چکر میں پڑی تھی
 کیا کشمکش کی بھرمار ہے اپلوہ کا ریلوا
 کرنا تھا ہر اک اپنے قبیلے کی بڑائی
 بدلہ کا لگا روگ تو کم ہی نہیں ہوتا
 آئندہ یہودی ہے جو مینہ سود کا برسے
 کچھ لوگ اسے اپنی سمجھتے ہیں جو بیٹی
 انسان نے انسان کا بنایا ہے یہ کیا حال
 کس اور ہے سنسار کا بہتا ہوا دھارا
 کرتے ہی نہیں فرق بُرے اور بھلے میں
 کب تک یہی قیائے کا بیوپار رہے گا
 دن رات غریبی ہے ہمیری کا نوالا
 اک روز اسی دھیان میں اوڑھے ہوئے چادر

دھرتی کو بڑی سخت لڑائی سے بچایا
 بیوپار بزرگوں کی طرح اُس کا چلن تھا
 بیوپار میں ایسا کوئی دھرمی نہیں دیکھا
 پیدا ہوا اک سب سے بڑا اُس کا فدائی
 چوتھا ابو طالب کو ملا چاند سا بیٹا
 اللہ کے گھر میں ہوا پیدا کہ علی ہے
 جو بات محمدؐ کی ہے ہر بات وہی ہے
 ہر کام میں اُن دونوں کے دل ایک رہے ہیں
 بھولے سے نہ کی مورتی پوجا وہ کھرے تھے
 لاکھوں میں محمدؐ کو محبت تھی علی سے
 استحان بنا رکھا تھا اک غار کے اندر
 انسان ہے گُرسے پہ یہ فکر اس کو بڑی تھی
 بیٹھا وہ یہی سوچتا رہتا تھا اکیلا
 بے بات بھی ہو جاتی تھی آپس میں لڑائی
 دادا کی جگہ لڑنے کو تیار ہے پوتا
 عیسائی ہیں بھگتے ہوئے عیسیٰ کی ڈگر سے
 دھرتی میں دبا دیتے ہیں پیدا ہو جو بیٹی
 ہے جانوروں سے بھی غلاموں کا بُرا حال
 نیکی سے ہوسبندھ تو مشکل ہے گزارا
 اوقات گزرتی ہے شراب اور جوئے میں
 کب تک یہ اڈھا دُھند سا چار رہے گا
 آنکھیں ہیں مگر کوئی نہیں دیکھنے والا
 پُپ چاپ وہ لیٹا ہوا تھا غار کے اندر

دنیا کو بدلنے کا چلن سوچ رہا تھا
جیسے کبھی گرمی میں بڑی پیاس لگی ہو
دُہرا ہی رہا تھا یہ کہانی ابھی مَن میں
جیسے کوئی جاگے ہوئے کو اور جگا دے
اِس آن میں جبریل فرشتے کی زبانی
اے کملی میں لپٹے ہوئے اُٹھ ذکرِ خدا کر
سب اُس کے سنگھاسن ہیں وہ پرہت ہو کہ رانی
گھر اپنے پلا اُس وہ کے یہ کام کی آواز
اک ایک نے ترلوک دھنی کہہ کے پکار

انسان کی مکتی کے جتن سوچ رہا تھا
سامان نہ ہو کوئی، مگر آس لگی ہو
پیدا ہوا اک بھاؤ نیا مَن کی لگن میں
لو جیسے کوئی پیار کے دپک کی بڑھا دے
دھرتی پہ سُسی اُس نے یہ آکاش کی بانی
دُنیا کو جگا دین کا پیغام سنا کر
بندوں کو بتا پالنے والے کی بڑائی
ہر اُور سے پیدا ہوئی پرنام کی آواز
جنگل نے پہاڑوں نے نبی کہہ کے پکارا

jabir.abbas@yahoo.com

نعت

(6)

گروہِ اہلبیاء کے سیدو سردار کیا کہنا
 دو عالم پر ہے قبضہ احمد مختار کیا کہنا
 وہی ہے صحنِ مسجد اور وہی قصرِ حکومت ہے
 شبِ اسری کی محفل تھی نیاز و ناز کی محفل
 تجھے دیکھا جن آنکھوں نے محبت کی نگاہوں سے
 جہاں میں سب سے پہلے تو پیامِ امن لایا تھا
 تجھے دولتِ حکومت پیش سب دیتی رہی دنیا
 ترا ہر اک عمل صلی علیٰ حسنِ عمل ٹھہرا
 چراغِ عقل روشن تیری انگلی کے اشارے سے
 مصاحبِ تیرے پیغمبر فرشتے لشکری تیرے
 ذبیح اللہ شامل تیرے اسلافِ مقدس میں
 مجھے بھی ان گرفتاروں میں لکھ لے کاتبِ قدرت
 رنمیں کاروانِ عالم انوار کیا کہنا
 ترا قرآن کیا کہنا تری تلوار کیا کہنا
 خدائے پاک کے گھر میں ترا دربار کیا کہنا
 وہ آدھی رات اور وہ عالم بیدار کیا کہنا
 وہ آنکھیں اے زہے قسمت ترا دیدار کیا کہنا
 مساوات و محبت کے علم بردار کیا کہنا
 مگر دنیا میں باقی ہے ترا انکار کیا کہنا
 حدیثِ دوست کہلائی تری گفتار کیا کہنا
 ترے انفاس کی خوشبو سے ہے گلزار کیا کہنا
 سپہ سالارِ اعظم حیدر کرار کیا کہنا
 شہیدِ کربلا ہے تیرا ورثہ دار کیا کہنا
 پیغمبرِ میں اسیر گیسوئے خم دار کیا کہنا
 فضائے عرش میں اے جہم رہتا ہے دماغِ اپنا
 فرازِ عرش سے اترے ہیں یہ اشعار کیا کہنا

نعت

(7)

جان ہے تیری امانت، دل برائے مصطفیٰ
 مجھ میں میرا کچھ نہیں ہے اے خدائے مصطفیٰ
 فکرِ جنت چھوڑ اے نا آشنائے مصطفیٰ
 جنتِ عارف ہے احساسِ ولائے مصطفیٰ
 اتباعِ مصطفیٰ کر اے گدائے مصطفیٰ
 بھیک مانگے سے نہیں ملتی رضائے مصطفیٰ
 یہ زمیں کے ساکنوں کی پستیِ تخیل ہے
 عرش تک سمجھی ہے ونیا منتہائے مصطفیٰ
 کون مرسل یوں ہوا راہِ خدا میں گام زن
 ہر مصیبت کی روش پہ مسکرائے مصطفیٰ
 دونوں عالم کے خزانوں پر تصرف تھا مگر
 تحفہٴ دودِ محبت لے کے آئے مصطفیٰ
 مرجا اے ریگزارِ یثرب و بلخا تھے
 تیرے بوسے اور دامنِ قبائے مصطفیٰ
 شرع کا ہر مسئلہ ہے علم و حکمت کو قبول
 فطرتِ انسانیت ہے ہم نوائے مصطفیٰ
 اے اسیرِ فکرِ تفسیرِ دو عالم ہم سے پوچھ
 نقشِ سجدہ ایک ہے اک نقشِ پائے مصطفیٰ
 صبح نے آکر جو اُٹا شامِ ہجرت کا نقاب
 مرتضیٰ تھے سبز چادر میں بجائے مصطفیٰ
 چار پشتوں سے مجھے حاصل ہے یہ عزو شرف
 نجمِ فطرت ہے مری مدح و ثنائے مصطفیٰ



نعت

(8)

کلمہ کو کیوں کر نہ ہوں شیدائے آلِ مصطفیٰ
 کوئی بد قسمت ہی چاہے گا لالِ مصطفیٰ
 اللہ اللہ منزلِ بذل و نوالِ مصطفیٰ
 خالِ رخسارِ شریعت ہے بلالِ مصطفیٰ
 کاتبِ قدرت مری جمعیتِ خاطر تو کر
 لکھ دے میرے نام پر آشفۃِ حالِ مصطفیٰ
 اس کا ہر مخلص مسلمان سر سے پاتک ہے کمال
 کس کا منہ ہے جو کرے ذکرِ کمالِ مصطفیٰ
 بدر سے تا نہرواں چمکی ہے تیغِ حیدری
 فتنہ گر دُنیا نے دیکھا ہے جلالِ مصطفیٰ
 حشر تک فکرِ آفریں ہے ذہنِ انساں کے لیے
 عزت و قرآنِ متاع لا زوالِ مصطفیٰ
 عارفوں کے دیدہ و دل کو جو نسبت ہو تو ہو
 سب کی قسمت میں کہاں خواب و خیالِ مصطفیٰ
 رحمتِ عالم خلافِ امن جاسکتا نہیں
 تھی دفاعی جنگ ہر جنگ و جدالِ مصطفیٰ
 صورتِ وسیرت میں ہیں زہرا کے دونوں لاڈلے
 ہم جمالِ مصطفیٰ و ہم خیالِ مصطفیٰ
 خود اپ قدرت نے فرمایا مشقت کم کرو
 درجہٴ محبوبیت پر تھا یہ حالِ مصطفیٰ
 میرے آباء کا شرف ہے، میری فطرت کا خمیر
 جہمِ صدیوں سے ہے نثرِ مدحِ آلِ مصطفیٰ



نعت

(9)

محمدؐ کائناتِ دو جہاں میں کار فرما ہے
 خدا کے دستِ قدرت میں ارادہ ہی ارادہ ہے
 ظہور اس کا نہ تھا جب تک اندھیرا ہی اندھیرا تھا
 ظہور اس کا ہوا جب سے اُجالا ہی اُجالا ہے
 مکمل کر دیا انسان کا دستورِ حیات اس نے
 رسولؐ آخری ہے حرفِ آخر لے کے آیا ہے
 بتایا اُس نے دولت کے مقابل دردِ دل لاکر
 غرورِ زندگی کیا ہے شعورِ زندگی کیا ہے
 خدا میں اور محمدؐ میں ہے ربطِ معنوی ایسا
 تشہد میں بھی بندہ اس کو کہتے دل لرزتا ہے
 قدِ زیبا پہ خلعتِ حُسن کا کیا راست آیا ہے
 قباِ محبوبیت کی ہے رسالت کا سراپا ہے
 خبر کیا تجھ کو تعلیمِ محمدؐ مصطفیٰؐ کیا ہے
 بہ حسنِ احتیاط ایک امتزاجِ دین و دنیا ہے
 اخوت کی بنا ڈالی اُسی نے بزمِ ہستی میں
 کسے معلوم تھا انسانیت کا کیا تقاضا ہے
 شبِ اسرّی حجابِ قدس اور قوسین کی منزل
 یہ تعبیرات میں ساری حقیقت کی خبر کیا ہے
 وہ شمعِ طور کی تنویر کیا خاطر میں لائیں گے
 جن آنکھوں نے قدِ آدمِ خدا کا نور دیکھا ہے

نظر مصروف غور و فکر تیور انقلابی ہیں
نئے عنوان سے پیش نظر دنیا کا نقشہ ہے
کوئی خامی نظر آئی نہیں دستور میں اس کے
بہت دیکھا حکومت نے بہت حکمت نے سمجھا ہے
کسی کو فکر امانت کی نہیں صبح و شب ہجرت
امانت دار ایسا دشمنوں کو بھی بھروسہ ہے
خدا رکھے محبت اس کی یاد اُس کی خیال اُس کا
عبادت ہے یہی جس میں دل مومن دھڑکتا ہے
بشر ہونا ہے تیرا مشتبہ خیرالبشر ہے وہ
اسیر سہو و نسیان تو اُسے اپنا سا سمجھا ہے

jabir.abbas@yahoo.com

نعت

(10)

کیا نعت میں لے نغمے کی بڑھی سرکار دو عالم صل علی
قدرت کی زباں بھی بول اٹھی سرکار دو عالم صل علی
کیا قلب و زباں پر قدرت تھی سرکار دو عالم صل علی
بے وجہ الہی بات نہ کی سرکار دو عالم صل علی
تفکیل ہوئی تنظیم ہوئی ترتیب ہوئی تکمیل ہوئی
کیوں ختم نہ ہو پیغامبری سرکار دو عالم صل علی
محبوب نہ تھا بندوں میں کوئی اللہ کے گھر میں تھی یہ کمی
کیا عہد واحد کی بات نبی سرکار دو عالم صل علی
کچھ عرش ہی پر موقوف نہ تھا معراج تھی تجھ کو فرش پہ بھی
معراج کی تجھ سے شان بڑی سرکار دو عالم صل علی
جو دین خدا کی دشمن تھی ہر بات پہ جس سے جنگ ہوئی
اک دن وہی دنیا چیخ اٹھی سرکار دو عالم صل علی
دونوں پہ حکومت ہے تیری اجسام پہ بھی ارواح پہ بھی
بے اذن کسی نے سانس نہ لی سرکار دو عالم صل علی
اک عمر کے قیدی چھوٹ گئے سب کفر کے بندھن ٹوٹ گئے
تکبیر کی ایسی چوٹ پڑی سرکار دو عالم صل علی
تلوار اٹھے یا دستِ دعا دونوں میں ہے شامل حق کی رضا
مسجد کی روش میدان میں بھی سرکار دو عالم صل علی

ایثار نے مجھ سے درس لیا قدموں پہ گرے تسلیم و رضا
یہ حسن عمل کی شان رہی سرکارِ دو عالم صل علی
انسان کی صف میں شامل بھی ادراک سے بالا منزل بھی
یہ سرخفی یہ نص جلی سرکارِ دو عالم صل علی
تاعرش یہ نغمے جائیں گے سکانِ فلک دہرائیں گے
کہنے دو مجھے اے حتم ابھی سرکارِ دو عالم صل علی

jabir.abbas@yahoo.com

نعت

(11)

نمازِ درد دل پرہنی ہے پیغمبرؐ کی مدحت سے
 وضو کر اے شعورِ فکرِ شبنم کی لطافت سے
 مئے حُبِ نبیؐ کو واسطہ ہے میری فطرت سے
 وہ کوئی اور ہوں گے جن کو مل جاتی ہے قسمت سے
 بنا کر حق نے سوئے مصطفیٰؐ دیکھا محبت سے
 خوشا ذوقِ نظرِ صورت ملا دی اپنی صورت سے
 مسلم ہے خدا کی بے نیازی اس کو کیا کہئے
 جسے پیدا کیا اپنے تعارف کی ضرورت ہے
 یہ وہ انسانِ اعظم ہے شکستِ فاش دی جس نے
 حکومت کی محبت کو محبت کی حکومت سے
 نگاہِ اہلِ ظاہر میں وہ اُمی تھا مگر ایسا
 کتابِ زبیت میں اصلاح دی ہے دستِ قدرت سے
 ملا تختِ نبوت جب یتیمِ آلِ ہاشم کو
 خدائی ہوگئی محکم اس انسانی ریاست سے
 کیا آدم کو پیدا جس خدا نے اس کا کیا کہنا
 مگر مجھ کو محبت ہے خدائے آدمیت سے
 نگارستانِ ہستی کی فضا جس نے بدل ڈالی
 بساطِ کافری جس نے اُلٹ دی دستِ ہمت سے

ازل کے دن سے جس کی انگلیاں ہیں نبھیں فطرت پر
مزانج زور و زر بدلا ہے جس نے علم و حکمت سے
بہت دولت لٹائی جس کے ہاتھوں نے غریبوں میں
مگر ہونے دیا دامن کو آلودہ نہ دولت سے
ضرورت ہی نہ رکھی پھر کسی مرسل کے آنے کی
سنایا اس نے خالق کا پیام ایسی فصاحت سے
حیاتِ جاوداں کی اس نے ہی تفسیر کی ورنہ
تعارف ہی کسے تھا دردِ دل کی قدر و قیمت سے
نہ تھا سجدہ کا موقف درجہٴ محبوبیت پا کر
اُسے بھی ذوقِ سجدہ تھا مگر سجدہ کی قسمت سے
مسلمانو صلوٰۃ و صوم کا انجام کیا ہوگا
جو بیگانہ رہا دلِ مصرفِ مہر و محبت سے
جو عالم گیر پیغامِ اخوت لے کے آیا تھا
اُسی کی قوم ہے محرومِ احساسِ اخوت سے

نعت

(12)

حرا کا غار ہے فانوس کس شمع حقیقت کا
 کہ ہر ذرہ ہے سجدے میں نگارستانِ فطرت کا
 فضا مضمور بھی ہے مست بھی ہے، منتظر بھی ہے
 کہ پھر پہلو بدلنے کو ہے منظر اس کی قدرت کا
 جواں یہ کون ہے شانوں پہ لٹکائے ہوئے گیسو
 خلیل اللہ کی صورت ستارہ کنجِ عزت کا
 اُٹنے ہی کو ہیں ہر سانس سے چشمے ہدایت کے
 سمندر دل میں موجیں مارتا ہے علم و حکمت کا
 تعق کہہ رہا ہے فکر ہے تعمیرِ قومی کی
 نگاہیں کہہ رہی ہیں اہل ہے تنظیمِ ملت کا
 تفکر تبصرہ کرتا ہے انسانی خصائل پر
 زبے عہدِ جوانی شعل ہے یہ کنجِ خلوت کا
 جہیں کا نور چھپ سکتا نہیں گردِ قیمتی ہے
 تجلِ منہ سے بول اُٹھتا ہے شایانِ ریاست کا
 سراپا جوہرِ قابلِ فقط اب دیر ہے اتنی
 کہ دستِ غیب سر پر تاج پہناتے رسالت کا
 ہوئی ہے خاتمے کی مہر اس کے نام نامی پر
 یہی ہے وہ نگلیں جو اہل تھا مہرِ نبوت کا
 نہ چھیڑو مہٹ معراجِ روحانی و جسمانی
 دکھاؤ آئینہ جوئے حق کو اس کی سیرت کا

وہ آیا تھا جہاں میں رحمۃ للعالمینؐ بن کر
 جسے تم جسم سمجھے ہو یہ پردہ تھا شریعت کا
 ظہور اس کا نہ تھا تقسیم ملک و مال کی خاطر
 اُسے دنیا میں جوہر باٹنا تھا آدمیت کا
 اُسے کرنا تھا رشتہ عبد کا معبود سے محکم
 کہ اُس کو علم تھا انسان کی کمزوری فطرت کا
 وہ اک نور مجسم تھا مگر اے ابنِ آدم سُن
 تری سیرت بنانے کو اُٹھایا بار صورت کا
 ہمیں اس فلسفے کے پیچ و خم سے تھا رہا کرنا
 دکھانا تھا ہمیں اک راستہ سیدھی شریعت کا
 بساط فقر موزوں ہو نہ ہو اس کے لیے لیکن
 جانا تھا اسے معیار دنیا کی حقیقت کا
 غریب قوم بن کر بن گیا ڈھارس غریبوں کی
 ہر خلق ہو کر بھیں بدلا اس نے غربت کا
 مجاہد کر دیا خونخوار خوں آشام قوموں کو
 خدا کی راہ میں مصروف کیا اس نے شجاعت کا
 نظر کے سامنے ہر وقت قانونِ الہی ہو
 فریضہ رکھ دیا مسلم پہ تقویٰ کی تلاوت کا
 وفا پیشہ غلاموں کو جگہ دی اپنے پہلو میں
 دکھایا اس نے زینہ دین کی خدمت سے عظمت کا
 اُسے قانونِ فطرت پر لگانا تھا خیالوں کو
 کہ دنیا دیکھ لے اسلام ہے قانونِ فطرت کا
 اُسے انسان کے اخلاق کی تکمیل کرنی تھی
 علی آفاق میں پہلا ثمر تھا اس کی محنت کا



نعت

(13)

محمدؐ کی حقیقت دونوں عالم کی رگ جاں ہے
وہیں تک فکر پہنچے گی جہاں تک عقلِ انساں ہے
خطابِ رحمتہ للعالمینؐ اُس کو ہی شایاں ہے
میانِ آب و گل تھا آدمی جب وہ پیہر تھا
چراغِ طور روشن بھی ہوا گل بھی ہوا لیکن
عبودیت کے پیکر میں وہ ہے روحِ خداوندی
خدا کے گھر میں اُس نے فقر کی مسند پہ شاہی کی
اُس نے خاک کے پتلوں کو جوتکا یہ سمجھا کر
وہ لایا صورتِ قرآن میں قانونِ حیات ایسا
جلالت کوئی دیکھے اُس یتیم آلِ ہاشم کی
اُس کی حق پناہی سے ہوا ہے دسترس اتنا
خود اپنا نور، نورِ بندگی، نورِ خداوندی
نہ آتا کس طرح وہ رحمتہ للعالمین بن کر
محبت اُس کی دل میں داغِ دل اُس کی محبت میں
پیامِ درد اسکا عام ہے اس بزمِ بستی میں
کیا تقویٰ کو شامل اس نے تہذیب و تمدن میں
لیا ہے درسِ مرگ و زبیت جس نے اس کی ہمت سے
دلیل اور اس سے بڑھکر ہوگی کیا ختمِ نبوت کی
دیا تھا اُس نے وہ درسِ مساواتِ رواداری
خدا کا نام لے کر ساری دنیا کے خلاف اٹھا

وہی مقصودِ خلقت ہے وہی مفہومِ انساں ہے
محمدؐ کو محمدؐ تک سمجھ لے کس کا امکان ہے
رسالت اسکا منصب ہے محبت اسکا احساں ہے
مشیت ہی میں تھا اسلام وہ جب سے مسلمان ہے
دلِ عارف میں اب تک اُس کے جلوہ سے چراغاں ہے
فرشتے اب کہیں سمجھے ہیں کیا مفہومِ انساں ہے
جہادِ زندگی میں کون ایسا مردِ میداں ہے
کہ پیکر میں خدا کی اک امانت روحِ انساں ہے
کہ حیرت میں ہے منطقِ فلسفہ سر در گریباں ہے
رئیسِ مٹھلِ قدسی امیرِ بزمِ امکان ہے
کہ آج افلاس کا ہاتھ اور دولت کا گریباں ہے
شبِ معراج اسکی غیرتِ صبحِ درخشاں ہے
تبسم جس کا ہلکا سا بہارِ صد گلستاں ہے
چراغاں در چراغاں ہے بیماراں در بیماراں ہے
جو سہہ جائے وہ پتھر ہے تڑپ جائے تو انساں ہے
یہ نعمت گر نہیں تو منعم و مزدور یکساں ہے
اُسے جینا بھی آساں ہے اُسے مرا بھی آساں ہے
وہی قانونِ فطرت ہے وہی آئینِ قرآن ہے
کہ ہر اک قوم میں اب روحِ آزادی کی جولاں ہے
وہ پہلا رزمِ گاہِ حریت کا مردِ میداں ہے

اُسی کا اک عطیہ اشتراکی درود درماں ہے
 جو اُسکی راہ پر چلتا ہے اُسکا دل مسلمان ہے
 جو اُس دامن سے ہے لپٹا ہوا جنت بدماں ہے
 لہو اُس کے جگر کو شوکا منہ بوم بہاراں ہے
 قیامت ہے کہ پھر ملت کا شیرازہ پریشاں ہے
 زبانیں کہہ تو دیتی ہیں مدینہ کوئے جاناں ہے
 دلوں میں ہے اندھیرا اور آنکھوں میں چہ انہاں ہے
 کوئی عشق نبیؐ میں نالہ کش کوئی غزلخواں ہے
 وہ اب تک گنبد خضر اسے ملت کا نگہباں ہے
 جو ناراں کی بلندی سے اٹھا تھا یہ وہ طوفاں ہے
 یہ سنتے ہیں کہ نام اُسکا سر فہرست امکاں ہے
 یہ عالم اُس نے جب دیکھا بہت انسان ارزاں ہے
 وہی تہذیب کا اخلاق کا پہلا دیستاں ہے
 چراغ انسان کے احساس کا پیشک فراواں ہے
 کوئی قصر حکومت ہے نہ حاجب ہے نہ دباں ہے
 بشر کی موت اُسکی زندگی کی خود نگہباں ہے
 ابھی دنیا کے ہر اک موڑ پر طاقت رجز خواں ہے
 نعم اسلام کم ہے اور نعم دنیا فراواں ہے

اُسی خوانِ کرم کی ریزہ خوار اقوام عالم ہیں
 بنائے وضع جو اس کی مسلماناں ہے وہ صورت میں
 کبھی قوسین نے بوسے دیئے تھے جس کے گوشوں کو
 جگہ اسلام نے کر لی خزاں آباد عالم میں
 خدا بھی ایک ہے، قرآن بھی، قبلہ بھی، پیغمبر بھی
 قدم آگے نہیں بڑھتے مقامِ جاں نثاری میں
 غلط مصرف کیا ہے اُسکے فیضِ علم و حکمت کا
 طلب یکساں ہے لیکن فرق یہ ہے رند و زاہد میں
 ہم اُس کا ذکر سن کر دیکھتے ہیں زندگی اپنی
 ہمیں جذبات کی پستی پہ ہے اب سوچنا واجب
 خبر کیا متصل تھا کس قدر وہ ذات واجب ہے
 بہت سے نفس بالا کر دیئے عیش و عالم سے
 دیا جس پر خطر صحرا میں درس معرفت اُس نے
 بھلا سکتے نہیں دل اُس کی تحریکِ اخوت کو
 بہت حیران تھی دنیا اس اندازِ حکومت پر
 بتایا قوم کو اُس کے سپہ سالارِ اعظم نے
 ابھی انسان سمجھا ہی نہیں تجویزِ امن اُس کی
 اُسے یارب نہ ہو معلوم حالتِ حُجَم کے دل کے



نعت

(14)

تو جب بھی جلوہ گر تھا اے خوشنما ستارے
تھا ایک ہو کا عالم میں تھا نہ میری ہستی
بے رونقی نہ رونق ویرانہ تھا نہ ہستی
گویائی، نے خموشی، ہشیاری تھی نہ مستی
تھا کفر اور نہ ایماں ناحق نہ حق پرستی
تو جب بھی جلوہ گر تھا اے خوشنما ستارے
تاریک تھی سراپا جب تک فضاۓ عالم
تھی کائنات جب تک مصروف خواب محکم
تھی بحر و بر کی ہستی جب ایک لفظ مبہم
ہائیل کا نہ غم تھا جب تک نصیب آدم
تو جب بھی جلوہ گر تھا اے خوشنما ستارے
تھے حسن و عشق پہاں آئینہ تھا نہ حیراں
ساکن تھی بزمِ امکاں شہرت تھی اور نہ خواہاں
غم تھا نہ غم کے سماں، شادی نہ اُس کا عنوان
دل تھا نہ دل کے ارماں، تھا درد اور نہ درماں
تو جب بھی جلوہ گر تھا اے خوشنما ستارے
جب خاک کے پریشاں ذرے سمٹ رہے تھے
جب آب و گل کے خلعتِ روحوں کو بٹ رہے تھے
جب نقشبندِ قدرت کا یا پلٹ رہے تھے
فطرت کی سادگی سے جب رنگ چھٹ رہے تھے
تو جب بھی جلوہ گر تھا اے خوشنما ستارے

جب گل فروشوں کی مٹی نکھر رہی تھی
سو شکل سے زمیں کی دولت اُبھر رہی تھی
ترکیبِ عنصری کی دنیا سُدھر رہی تھی
اک اک ورق میں قدرت سو رنگ بھر رہی تھی
تو جب بھی جلوہ گر تھا اے خوشنما ستارے

تقسیمِ عام نے دی جب شمع کو خموشی
پروانہ کو بتائے آئینِ عشق کو کوشی
دی گل کو بے نیازی بلبل کو دل فروشی
تہذیب نے سکھائی جب ہم کو ستر پوشی
تو جب بھی جلوہ گر تھا اے خوشنما ستارے

آدم کی آنکھ نے جب دیکھیں تری ادائیں
طوفانِ نوح میں تھیں جب مضطرب فضا میں
جب قومِ عاد بگڑی اٹنی چلیں ہوائیں
جب مصر کی زمیں پر نازل ہوئیں بلائیں
تو جب بھی جلوہ گر تھا اے خوشنما ستارے

مچھلی کے پیٹ میں تھا یونس کا جب کہ مسکن
پہنچے جب آسمان پر اور پس اور سوزن
برِ خلیل جس دم آتش بنی تھی گلشن
ابنِ خلیل کی تھی جب زیرِ تیغ گردن
تو جب بھی جلوہ گر تھا اے خوشنما ستارے

داؤد کا تھا نغمہ جب دل بلانے والا
موسیٰ کو غش جب آیا جب ہوش نے سنبھالا

عیسیٰ کی قم کا تھا جب دنیا میں بول بلا
 فاراں کی چوٹیوں پر جس دم ہوا اُجالا
 تو جب بھی جلوہ گر تھا اے خوشنا ستارے
 کعبہ کو جب پہچانے آیا خدا کا لشکر
 اصنام کی خدائی جب تھی حرم کے اندر
 میدان بدر میں جب چمکی تھی تیغ حیدر
 بطحا کے چاند سے تھے جب دو جہاں منور
 تو جب بھی جلوہ گر تھا اے خوشنا ستارے
 حکیل ہو رہی تھی انسانیت کی جس دن
 اک سیل بہ رہی تھی نورانیت کی جس دن
 نعمات بٹ رہی تھیں عرفانیت کی جس دن
 بنیاد اس نے رکھی وحدانیت کی جس دن
 تو جب بھی جلوہ گر تھا اے خوشنا ستارے
 ممنون صد تماشا ہے تیری زندگی بھی
 کچھ رشک بھی ہے مجھ کو حیرت بھی بخودی بھی
 تیرے نصیب میں تھی رحمت کی یہ گھڑی بھی
 اللہ تو نے دیکھا وہ نورِ ایزدی بھی
 تو جب بھی جلوہ گر تھا اے خوشنا ستارے
 اے کاش میں بھی پاتا وہ وقت وہ زمانہ
 مٹ کر بھی جہم بنتا میں خاکِ آستانہ
 مثلِ اولیٰ ہوتا زندہ مرا فسانہ
 پھر دل سے کیوں نکلتا یہ دل شکن ترانہ
 تو جب بھی جلوہ گر تھا اے خوشنا ستارے



نعتِ فارسی (تضمین بر اشعار حضرت تمنا سندیلوی مرحوم) (15)

اے نور چراغ آفرینش اے روح نفاخ آفرینش
 اے ناز و مانغ آفرینش اے صدر اوتاغ آفرینش
 اول گل باغ آفرینش
 مثنائے محبت تو باشد مقصود حکایت تو باشد
 موضوع نبوت تو باشد تبلیغ رسالت تو باشد
 مفہوم بلاغ آفرینش
 از روئے تو صبح یافت تصویر و زلف تو شب نمودہ تحریر
 تو جاں مصوری بہ تصویر از شمع رخ تو دست تقدیر
 بر کرو چراغ آفرینش
 یک صحبت مختصر نہ بودے ایں شام کجا سحر نہ بودے
 ما یچ و زما خبر نہ بودے مقصود توئی دگر نہ بودے
 گم گشتہ سراغ آفرینش
 نظم تو نظام اہل دانش آئین تو لایق پرستش
 فکر تو پناہ سعی و کوشش شرع تو فروغ چشم بینش
 دین تو فراغ آفرینش
 سرمست جمال حسن فطرت مخمور کمال صنع و حکمت
 اے در نگہے یم محبت از صافی بادۂ ولایت
 در نشہ دماغ آفرینش
 چارہ گر درد صورت ثمت درمان مرض حکایت ثمت
 ایں امن و سکون بدولت تست قربان توام کہ رحمت ثمت
 مرہم نہ داغ آفرینش



نعت

(16)

کیا کام کیا فکر نے مدحِ نبویؐ میں اور آگ لگادی ہے مری تشنہ لبی میں
 وصلِ لدی میں ہے نہ سحرِ ازلی میں احساس جو ہے عشقِ محمدؐ کی خودی میں
 آزاد ہوں میں وسعتِ عشقِ نبویؐ میں الجھے ہوئے ہیں تنگ نظر بولہبی میں
 یہ نام محمدؐ یہ اندھیرے کا اُجالا سرنامہ آیات ہے آیاتِ جلی میں
 صدقے صنمِ بند و صنا دیدِ عجم ہیں اللہ کی قدرت ہے لباسِ عربی میں
 اک فیصلہ کن شان سے بھیجا ہے خدا نے قرآن بھی تلوار بھی ہے دستِ قوی میں
 مذموم تمدن کے منہ توڑے ہیں اس نے اک اور اضافہ یہ کیا بت شکنی میں
 تکوینی ہے علم اس کا جو کہلاتا ہے اُسی یہ بات نہ آئے گی کبھی ذہنِ غبی میں
 اک نقطہ توحید سے ہے ربطِ دو عالم کونین سے آگے ہے وہ اس نکتہ رسی میں
 کیا ہوتا ہے مافوقِ بشر سوچ رہا ہوں شامل وہ نہیں سہو و خطائے بشری میں
 تفریق پہ کس نے مجھے مامور کیا ہے کیوں فرق کروں عشقِ خدا عشقِ نبیؐ میں
 خالق کی مشیت پہ بھی کر ہی لیا قبضہ کیا آگئی انسان خدا ساز کے جی میں
 اے حُجَم میں ہوں شاعرِ دربارِ رسالتؐ
 کیا شک ہے کسی کو مری تصویر کشی میں



باب ہشتم

قصاید اور منقبتیں

- 1- نجم آفریدی کی منقبت ڈاکٹر سید تقی عابدی
- 2- منتخب اشعار قصاید اور منقبتیں
- 3- فہرست کل قصاید اور منقبتیں (81) عدد
- 4- کل اشعار (2519) عدد

فہرست قصاید اور منتخبیں

شمارہ	عنوان	مطلع	تعداد اشعار	مدح	صفحہ نمبر
1	امیر المومنین	نقاب رخ ہئی ایمان کے عہد منور کی	(31)	حضرت علی	813
2	خندہ گوین	اے کہ ہستی ہے تری نازِ رسولِ اطحا	(33)	حضرت فاطمہ	814
3	شہزادہ صلاح	عالم خلق پہ چھائی ہوئی وہ کن کی صدا	(40)	حضرت امام حسن	816
4	سید الشہداء	ذوق طاعت چاہتا ہے ایک سجدائے حسین	(30)	حضرت امام حسین	818
5	شعاع لرزاں	چو بر شاخِ نازک گل تر بلرزو	(14)	حضرت علی	819
6	جہم و جحش	ایں جادہ تسلیم کہ محمود علی بود	(12)	حضرت علی	820
7	بانگِ درا	فطرت خدا کے راز اگر برملا کہے	(37)	حضرت علی	821
8	پارہ نور	اے وہ ہستی کہ ترا عکس نظر تھا سر طور	(17)	حضرت علی	823
9	حسین علیہ سلام	اے کہ تیرے خیال میں نقشہ جامِ کوثر کی	(17)	حضرت امام حسن	824
10	عریضہ	ایک ترا جمال ہے رونقِ بزمِ عنبری	(15)	حضرت امام مہدی	825
11	جان بہار	نمودِ عالم ہوتی فضائے تیرہ و تار	(98)	حضرت علی	826
12	روحِ سخن	حسنِ ازل تھا فقط غیرتِ صدا سخن	(116)	حضرت علی	830
13	صبحِ لطیف	مہو و عقل و ہوش ہی فطرت کو وہ جوہر دیا	(112)	حضرت علی	836
14	جلوہ معصوم	قوتِ تخیل سے کچھ کام لے کر دیکھئے	(123)	حضرت علی	841
15	ترتیبِ مناظر	کچھ ایسا مضطرب ہے ذرہ ذرہ دھرتِ فاراں کا	(92)	حضرت علی	846
16	شمعِ حقیقت	پچھلے سے تالاطم ہے دریا میں قیامت کا	(38)	حضرت علی	850
17	نغمہ کوہسار	اور بڑھیں گی زمہتیں گلشنِ روزگار کی	(118)	حضرت علی	852

شماره	عنوان	مطلع	تعداد شعر	مدح	صفحہ نمبر
18	مازِ آفرینش	زہے لوح و قلم ایسے بھی نقطہ تھے مقدس	(77)	حضرت علی	858
19	زمزمہ روح	شبِ دراز میں نہاں جہاں پر بہار ہے	(77)	حضرت امام حسین	861
20	شاہزادہ نور	نہ ہوں مغرور نظریں وہم عرفانِ حقیقت سے	(62)	حضرت امام مہدی	865
21	طرح نو	تو آج کیوں ہنگامہ زاہنگامہ پرور ہے	(57)	حضرت امام مہدی	868
22	ہمہم	زمانہ جنگ کا ہے مسئلہ زور آزمائی کا	(60)	حضرت علی	870
23	خیمِ غدیر	وہ ماہِ رجب منظرِ اسرارِ الہی	(53)	حضرت علی	873
24	مولائی	سنی مدح علی ہم نے ستاروں کی زبانوں سے	(8)	حضرت علی	876
25	منقبت	جلوہ گر عشق علی مرتضیٰ آنکھوں میں ہے	(9)	حضرت علی	876
26	قصیدہ	وما شِئَ وفکر وقرطاس و قلم سے واسطہ سمجھا	(20)	حضرت علی	877
27	منقبت	خدا کا گھر و دولت ہے دارائے لامت کا	(35)	حضرت علی	878
28	منقبت	اندھیرا تھا اجالا ہو گیا مرضی داور کا	(11)	حضرت علی	880
29	عرفان ابوطالب	کوئی مانے نہ مانے آج ایمان ابوطالب	(11)	حضرت ابوطالب	881
30	تیرہویں رجب کی رات	دیدنی تھی وقت کی صورت گری کل رات کو	(22)	حضرت علی	881
31	نغمہ مستانہ	آج گھٹا کیا جھوم کے انجی	(26)	حضرت علی	883
32	منقبت	اگر وہ خود نہ دلوں کے نگاہیاں ہوتے	(15)	آلِ محمد	884
33	منقبت	تیری خاطر نذر لایا ہوں ولائے بو تراب	(11)	حضرت علی	885
34	منقبت	جب سے در علی پر فخر گداگری ہے	(15)	حضرت علی	886
35	منقبت	اس ذات کی مدحت میں رواں میرا علم ہے	(14)	حضرت علی	887
36	منقبت	مسکراتے ہیں نبی مکعبہ کا حاصل دیکھ کر	(14)	حضرت علی	887
37	منقبت	اے صلِ علی جلوہ جاناہ علی کا	(7)	حضرت علی	888
38	منقبت	فراہیوں سے ہے غفلت نہ زنیوں سے غرض	(8)	حضرت علی	889
39	قصیدہ	حُسن کی ہے جلوہ گاہ عشق میں ہوں نعرہ زن	(27)	حضرت حسن	889

شماره	عنوان	مطلع	تعداد شعر	مدح	صفحہ نمبر
40	منقبت	پائی تھی نہ قرآن نے ابھی صورتِ فرماں	(41)	حضرت فاطمہؑ	891
41	منقبت	میرا مطلع ہے طلوعِ آفتابِ معرفت	(22)	حضرت امام حسنؑ	893
42	منقبت	اسلام کی تاریخ کا وہ عہدِ یگانہ	(24)	حضرت امام حسنؑ	894
43	منقبت	مرا دل فدائے امامِ حسنؑ ہے	(6)	حضرت امام حسنؑ	895
44	منقبت	صورت ہے ایک حُسنِ کہو یا حُسنِ کہو	(7)	حضرت امام حسنؑ	896
45	خالقِ نجات	پردہ تھا اک ازل کا زمین تھی نہ آسماں	(70)	حضرت امام حسینؑ	896
46	قصیدہ	ساقی کی اک نظر سے اسرارِ حق ہیں روشن	(36)	حضرت امام حسینؑ	900
47	منقبت	صبر کی شمشیر والے درد و غم کے تاجدار	(12)	امام زین العابدینؑ	901
48	منقبت	صادق آلِ محمدؐ وارثِ خیرِ امام	(11)	امام جعفر صادقؑ	902
49	فروغِ ملتِ بیضا	شریعتوں کا خلاصہ ہیں جعفر صادقؑ	(12)	امام جعفر صادقؑ	903
50	منقبت	لسانِ قدرتِ یکتا امامِ جعفر صادقؑ	(7)	امام جعفر صادقؑ	904
51	منقبت	اے کہ تجھ کو مہد میں آیا امامت کا پیام	(6)	امام محمد تقیؑ	905
52	مصدرِ کمال	خرامِ باز میں نہاں سلوکِ روزگار ہے	(25)	امام جتِ عصرؑ	905
53	عہدِ اضطراب	نقابِ رخِ الٰہ دو حشر اٹھا رکھا ہے دیا نے	(21)	امام جتِ عصرؑ	906
54	معرکہ	غضب کا معرکہ تھا اور قیامت کی صفِ آبی	(57)	امام حسینؑ	908
55	درشن کا سویرا	شعبان وہ اسلام کا ممدوحِ مہینہ	(38)	امام مہدیؑ	910
56	منقبت	اللہ رے تیری وسعت اے جلوۂ جانا نہ	(11)	امام مہدیؑ	912
57	امام منتظرؑ	جب توجہ آنے والے کی ادھر ہو جائے گی	(23)	امام مہدیؑ	913
58	روح کی فریاد	بدلا ہوا ہے دہر کا عنوان ترے بغیر	(21)	امام مہدیؑ	914
59	منقبت	رسوا ہو عینِ چوک میں اسلام کا نشان	(34)	حضرت عباسؑ	916
60	منقبت	اسلام اے شرفِ جوہرِ شمشیر زنی	(20)	حضرت عباسؑ	917
61	قصیدہ	یہ بارگاہِ عرشِ نشانِ منزلِ عظمت	(46)	حضرت عباسؑ	919

شماره	عنوان	مطلع	تعداد شعر	مدح	صفحہ نمبر
62	منقبت	ثنائے ثانی زہرا میں کیا کروں تحریر	(14)	حضرت زینبؑ	921
63	منقبت	شرف کچھ کم نہیں عون و محمدؑ کی ولادت کا	(12)	حضرت عون و محمدؑ	922
64	قوم کی ماں	اے علیؑ کی لاڈلی آغوش زہراؑ کی پی	(11)	حضرت زینبؑ	923
65	منقبت	آگیا ہوں مدح اسقرؑ تک پہ عنوانِ حسیں	(17)	حضرت علیؑ اصغرؑ	924
66	منقبت	دسین فطرت جو کرے گا استوار آئی گیا	(5)	حضرت علیؑ اصغرؑ	925
67	منقبت	منظرِ معصومیت اے فاطمہؑ کی ورثہ دار	(6)	حضرت زینبؑ	925
68	منقبت	عباسؑ ہیں نظر میں ولا کا شباب ہے	(19)	حضرت عباسؑ	926
69	منقبت	آیا مری زباں پہ جب مدح کا ترانہ	(34)	حضرت علیؑ	927
70	منقبت	حسنِ حسنؑ کی مدح میں گزرے اگر حیات	(34)	امام حسنؑ	928
71	منقبت	حمد کی تحریک ہے جس میں وہ منظر دیکھئے	(16)	حضرت علیؑ اکبرؑ	930
72	منقبت	داستانِ اسقرؑ کی ہے تفسیر قرآن کریم	(12)	حضرت علیؑ اصغرؑ	931
73	منقبت	کیا پوچھتے ہو شانِ علیؑ کے فقیر کی	(10)	حضرت علیؑ	932
74	قصیدہ	زبانِ کلک سے آوازِ بسم اللہ کی آئے	(39)	حضرت امام حسنؑ	933
75	منقبت	چار دن بھی نہ ملا آلِ نبیؐ کو آرام	(4)	حضرت ام کلثومؑ	935
76	عروس الکلام	تم تو ہوتے ہی نہ تھے آنکھ سے میری ابو جہل	(54)	حضرت علیؑ	935
77	چودھویں کا چاند	ہوئی مصروفِ راحت لیلیٰ شب لے کے انکرا لی	(27)	امام مہدیؑ	938
78	زمزمہ	پھر بہار آئی ہے ساقی لا چھلکتے جام دے	(19)	غدیہ خم	939
79	منقبت	منصور ہوا تختِ خلافت پہ جو قابض	(18)	آلِ محمدؑ	941
80	منقبت	محو طاعت تھے حضرت صادقؑ	(18)	امام ہدیٰ صادقؑ	942
81	شاعر	عجب یہ دور ہے شاعر کی زندگی کے لیے	(18)	حضرت علیؑ	943

منتخب اشعار

jabir.abbas@yahoo.com

منتخب اشعار

صحابہ میں یہ تیری منزلت از روئے حکمت تھی بقولِ بولٹی محسوس میں معقول تھا گویا
خورشیدِ پلٹ آیا دروازہٴ مغرب سے قانون بدلتا ہے ان کے لیے فطرت کا
نہ تھی تیری حکومت میں ہوا سرمایہ داری کی چراغِ عافیت روشن تھا ہر مزدور کے گھر میں
یہ مطلعِ نفس ہے کہ زمزمہ ہے روح کا یہ طرزِ نو کی مدح بھی جہاں میں یادگار ہے
دلوں میں بت لیے کرتے ہیں کعبہ کی گاہبانی تمسخر کر رہے ہیں آذری پندارِ قدرت سے
علیٰ کعبہ میں ہیں دربار ہے مشکل کشائی کا مسلمانوں چلو موقع ہے قسمت آزمائی کا
علیٰ کی منقبت سے فکر بیگانہ رہی جس کی خدا جانے وہ حمد و نعت کا منہبوم کیا سمجھا
تعجب ہے جو اس کے مرتبہ کو دوست کم سمجھے شہبِ جہر تھے دشمن محمدؐ مصطفیٰؐ سمجھا
علیٰ کہنا زباں سے کس قدر آسان ہے لیکن دلِ انساں تصور کر نہیں سکتا جلالت کا
جمع تھے تا آئی و عرقتی ظہیر و انوری حافظ و سعدی نظامی فرحتی کل رات کو
لگائے پھرتے ہیں قرآن کو جو سینوں سے وہ کاش صرف مودت کے نکتہ داں ہوتے
ادب نواز نہ ہوتا جو بابِ علم نبیؐ یہ زور و شور زبان و بیاں کہاں ہوتے

خدا سے ربط نہ ہونا بغیر عزت کے اگر ہزار بھی قرآن درمیاں ہوتے

صف شکن مشکل کشا اہل قلم معمار قوم اللہ اللہ بازوئے زور آزمائے بو تراب

عام منبر سے جدا ہے میٹھی منبر کی شان دار پر ہوتی ہے تفسیر ولائے بو تراب

اب نزع کی ہے ساعت اور لب پہ یا علی ہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ حرفِ آخری ہے

مولّا کو جانتے ہیں پہنچانتے نہیں ہیں آنکھوں کا دوش کیا ہے ذہنوں کی منطی ہے

اب خاک مل گئی ہے خاک در نجف میں وہ بندگی تھی اور یہ مفہوم زندگی ہے

توحید کی ہے محفل بدنام فرقہ بندی قرآن کی سورتوں میں اخلاص کی کمی ہے

میخانہ نجف سے جنت میں پہنچتے ہیں کیا جہم ہے محبت جس کی سزا ملی ہے

بشر کو معرفت حاصل نہ ہوگی ذاتِ حیدر کی سمجھ لے آدمی کس طرح منزل آدمی گر کی

علی کو چھوڑ کر قرآن سے ربط بے معنی اٹھالے وہ ضرورت ہو جسے بے روح پیکر کی

نمازیں وقت پر واجب ولا ہر وقت واجب ہے عبادت ہے حقیقت میں ولا آلِ پیہر کی

اسی باعث تو پھر کوئی ہوا پیدا نہ کعبہ میں کہ بیٹی ہی نہیں تھی دوسری کوئی پیہر کی

تری مرضی پہ ہوا رحمتِ باری کا نزول اذن لے کر ترے کا شانہ میں قرآن اتر
ہے ترے دودھ کی تاثیر یہ قومی تعمیر اللہ اللہ ترے خونیں کفن و سبز قبا
آئے جبریل ایں عرش سے نسبت لے کر یہ وہ رشتہ ہے جہاں سچ میں تھی وحیِ خدا
دست و پا چوم کے عصمت نے لگائی مہندی چادر آئیے تطہیر نے آنچل ڈالا
ہاشمی تیغوں کے سارے میں دہن گھر سے چلی لافتا کا جو علی باندھ کے آئے سہرا
باپ کے گھر سے ملا بخش امت کا جہیز دونوں عالم نے کیا حدِ ادب پر مجرا
جادۂ سلج کے رہبر حسن سبز قبا تو نے تخلیق کیا ولولہ کرب و بلا
ہر افق پر ہے تری حسنِ عمل کی روشنی تو ہی دنیا کے اندھیرے کا اُجالا اے حسین
جراتِ مظلوم ہو یا ہمتِ مزدور ہو تو نے کھینچا تھا یہ مستقبل کا خاکا اے حسین
ہمد جہاں میں نور میں شامل نسب میں ایک کس طرح کوئی تجھ کو نبیؐ ہے جدا کہے
تعمیر قوم بت شکنی بخشش و عطا کونین کیوں نہ پھر تجھے دستِ خدا کہے
ہر سانس میں ہو بوئے ولائے ابوتراپ ابھرے جو نبضِ ڈوب کے یا مرتضیٰ کہے

تجھ سے ہے نامِ حریت تجھ سے نظامِ حریت تو ہے امامِ حریت حُر ترا ایک لشکری
معصوم کی آغوش میں معصوم کو لا کر دیا دولتِ خدا کے گھر کی تھی دامنِ نبی کا بھر دیا
نورِ رسالت سے ہوا نورِ امامت متحد اس اتحادِ حسن نے قوموں کو یکجا کر دیا
زہد، سپاہی، فلسفی، حاکم، ولی، شاعر، ادیب کن مختلف اوصاف کا حق نے تجھے پیکر دیا
اب تک ہیں تیرے نام کے آفاق میں نعرے بلند قدرت نے جوشِ اسلام کا سب یا علیٰ میں بھر دیا
یہ اللہ و لسان اللہ و عین اللہ کو دیکھو حروفِ اولیس سے صاف ہوتا ہے علیٰ پیدا
کہتی ہے جسے فکر و نظر نہجِ البلاغہ رندوں کی زباں میں ہے وہ میخانہ علیٰ کا
کعبہ میں ولادت ہوئی مسجد میں شہادت اللہ کا گھر بن گیا کا شانہ علیٰ کا
دیکھ کے انبیا سست ہے نبضِ سخن مصحفِ معبود پر کوئی نہیں طعنہ زن
حافیتِ بل انا تیری غذائے لطیف آیہِ تظہیر کی شان ترا پیر بن
خالی ہیں جامِ نکتہ نہ گھٹ جائے میکشہ طاقِ ولا سے لاؤ صراحی اتار کے
بڑھ جائے گی کچھ اور بھی کعبہ کی آب و تاب آئیں گے جب قبائے امامت سنوار کے

اک دن یہ ہوں گے دوشِ پیہر پہ جلوہ گر کیوں لائے کوئی عرش سے کرسی اتار کے
رقتی ہے لہو بن کر تہذیب کی مے ساقی دنیا کا تمدن ہے ٹوٹا ہوا پیانا
شہیز کے ماتم میں صاحب کی محبت میں روتا ہوا حائل ہوں ہنستا ہوا دیوانہ
مدح میں ہے جن کی توحید و رسالت ہم زباں شاعری موقوف ان کی مدح پر ہو جائے گی
میں ہوں خلاق معانی تری مدحت کے طفیل دُر مضمون سے بھری رہتی ہے دل کی جھولی
میں جسے چاہوں بناؤں اُسے سلطانِ سخن میری تحویل میں ہے ملکِ سخن کی شاہی
پینے کو یہاں ملتی ہے اُس ہاتھ سے واعظ کونین کی طاعت سے گراں جس کی ہے ضربت
کبھی تو مدح اہلیت میں بھی صرف کرواعظ جو وطن و وطن سے مل جائے تجھ کو وقتِ فرصت کا
تشدّدِ لاکھ ہو ہم پر مدارک کچھ نہیں ہوتا نمونہ دیکھ لیجے آج اسلامی حکومت کا
جب ضرورت اک علی کی پھر ہوئی میدان میں چھ مہینے کا علی مردانہ وار آہی گیا
مدحت نہ کی علی کی گر آخری نفس تک یہ مرگِ شاعری ہے اور نحرِ شاعرانہ
ہر شجرہٗ تصوف اس تک پہنچ رہا ہے لیکن کہی کسی نے یہ بات منصفانہ

مجرم ہوں میں غلو کا قصر اُن کو ہو مبارک ہے دین شیخ صاحب اب درس ناصحانہ
جب حق کا مسئلہ ہو ڈرنا نہیں کسی سے ورنہ میری روش ہے اکثر مصالحانہ
مدح کو سرمایہ داروں کا نہ شاہوں کا غلام جہم بے زری سہی شاعر ہے تیرا اے حسین
ہے ایک کیفیت میں رواں اپنا کارواں کیوں جہم منقبت کو نہ بانگ درا کہے
نگ ہے اس کا در غیر پہ سجدہ کرنا جہم اک آپ کی سرکار کا شاعر ہے حضور
نغمہ منقبت میں جہم بچے میرے سامنے حسن بیان فرحتی زور کلام انور
بکیف مدح ہوں غالب کا مہموا اے جہم کہ با علی ولی مست و با خدا ہشیار
جوش والا میں جہم میں چھوڑ گیا خود اپنا ساتھ حد مجھے روکتی رہی قوت اختیار کی
رہا محروم دو دن بھی جو شغل مدح کوئی سے اُسے اے جہم میں اپنے گناہوں کی سزا سمجھا
نمازِ مدحت پڑھتا ہوں موذت کے مصلے پر دکھا دو جہم دنیا کو یہ رتبہ ہے سخن ور کا
جگہ فرذوق و دُعبَل کی جہم کو ملتی قریب طائرِ سدرہ کچھ آشیاں ہوتے
وہ زباں دانِ محبت ہے خدا کے فضل سے جہم کا ورثہ ہے اندازِ ثنائے بو تراب

حق یہ ہے کہ سرکارِ نبوت کے سوا جِحم معیارِ فضیلت کوئی سمجھا نہ علی کا
فصلِ خالق سے مرے افکار میں اشعار میں فلسفہ ہے جِحم غالب کا زبانِ میر ہے
مصائبِ سینکڑوں ہیں غم ہزاروں مشکلیں لاکھوں تمہارا جِحم ہے تنہا امامِ جعفر صادق
کچھ دن سے تیری یاد کی محفلِ اداس ہے اب چل بے گا جِحم غزل خواں ترے بغیر
ہو جو بیگانہ روی سے یہ زمانہ ہے خلافِ سب ترے علم میں ہے جِحم کی آشفۃ سری
میں جِحم اپنا فریضہ جانتا ہوں یہ ثنا کوئی مرا مقصد نہیں اظہارِ اپنی قابلیت کا
پندرہ ماہِ رجب کی جِحم دعوت جب ملے اور کچھ دنِ زندگی کا اعتبار آ ہی گیا
ہم جِحم چار روز کے مہمان ہیں مگر رہ جائیں گے یہ شعر و ادب کے تبرکات
رہے اے جِحم کیوں خالی صدارتِ بزمِ مدحت کی ہمارے بعد کوئی اور قسمت کا دھنی آئے
پڑھتا ہوں میں نمازِ ولا جس پہ رات دن منزل ہے آسمان سے بلند اُس حیر کی
ماہ ہے چاندنی کا پھول ترے گلشن میں مہرِ روشن ہے تری بزم کا ادنیٰ سا کنول
تری الفت میں جو ہو جائے بشر دیوانہ اُس پہ سو جان سے قربان ہو عقلِ اول

راہ بھولے ترازِ اُز جو اندھیرے کے سبب ساتھ ہو مہرِ فلک شب کو جلا کر مشعل

سُن کے یہ مدحتِ مولیٰ کی ہوا چلنے لگی مطلع صاف ہیں مضمون کے اُدے بادل

ہر ایک اپنے کو استادِ فن سمجھتا ہے یہاں جگہ ہے نہ عرقی نہ انورقی کے لیے

جہاں ہو پیشِ نظر اپنے مرتبہ کا سوال وہاں خلوص کہاں مدحِ گستری کے لیے

خلوصِ دل بھی ضروری ہے فکرِ مدح کے ساتھ جلاؤ شمعِ اندھیرے میں روشنی کے لیے

نماز و روزہ بھی واجب ہیں ان کے ساتھ مگر چنا گیا ہے ہمیں مدحتِ علی کے لیے

مجھے علی کی محبت نے سرشناس کیا چراغِ عرش سے لایا ہوں روشنی کے لیے

امیر المومنین

فِتابِ رُخِ بَیِّ اِیمان کے عہدِ مَنور کی
 دو عالم جگمگا اٹھے ہیں تکرارِ تجلّیٰ سے
 انہیں نظروں نے سب سے پہلے وجہُ اللہ کو دیکھا
 نصیری کی یہ نافرمانی ہے شاید اُس کو بھا جائے
 وہ بچے کیوں نہ موزوں ہو نبوت کی گواہی کو
 کسی کو حق نہیں ہے بحث کا دونوں کے رُتبے میں
 قدم آگے کہاں بڑھتے درودِ یوا کعبہ سے
 بھلا ایسی فضا میں آبِ زمزم کی حقیقت کیا
 کیے انکے لیے سامان کیا کیا قدرت نے
 بشر کو معرفت حاصل نہ ہوگی ذاتِ حیدر کی
 کھلے ہیں اُس پہ کچھ اسرارِ حقیقِ آدمیت کے
 علیؑ کو چھوڑ کر قرآن سے ہے ربطِ بے معنی
 نمازیں وقت پر واجب ولا ہر وقت واجب ہے
 علیؑ کا نام بھاری ہے متاعِ کن کے دفتر سے
 جمالِ ایسا کہ ہلِ دل کی آنکھیں وجد کرتی ہیں
 تعجب کیا مخالف سوتے سوتے چونک اٹھتے ہوں
 روش وہ تھی کہ جس پر دوستوں نے اپنی جانیں دیں
 تعالٰی اللہ اُس کے صبر و ضبط و شکر کی منزل

جدارِ کعبہ شق ہو کر ادھر سر کی ادھر سر کی
 علیؑ کا روئے روشن اور نظریں ہیں پیہر کی
 نظر آئی اس آئینہ میں صورتِ آئینہ گر کی
 خبر کیا ہم سے بندوں کو مزاجِ بندہ پرور کی
 جسے چونکا دیا خوشبو نے دامنِ پیہر کی
 خدار کھے یہ دو فر دیں ہیں لیکن ایک ہی گھر کی
 بلائیں لیلیٰ فطرت نے لی دیوار کی در کی
 جہاں قدموں کو بوسے دے رہی ہو موجِ کوثر کی
 نبیؐ کی گود گہوارہ ہوا جبریلؑ کے پر کی
 سمجھ لے آدمی کس طرح منزلِ آدمی گر کی
 گدائی کی ہے برسوں جس نے شہرِ علم کے در کی
 اٹھالے وہ ضرورت ہو جسے بے روح پیکر کی
 عبادت ہے حقیقت میں ولا آلِ پیہر کی
 جلالت دیکھنا اس لفظِ آسان و سبک تر کی
 جلال ایسا کہ جھک جاتی ہیں نظریں ہر شکر کی
 عرب کے ذہن میں صدیوں رہی ہے جنگِ خیبر کی
 وہ جو ہر تھی کہ دشمن کی زباں نے قدرِ جوہر کی
 وہ منزل ہے جہاں خندق کی ہستی ہے نہ خیبر کی

امام حریت ایسا کہ جس کے جانشینوں نے
جب اسکی آل نے عمریں گزاریں قید خانوں میں
وہ اپنے عہد میں اپنے لیے چھوٹے بڑے ہونگے
علیؑ کے سامنے کیا زور چٹا مال دنیا کا
نہ ہو سکتے جہاں میں نسل و ربکہ قوم کے جھگڑے
مصلے کی فضا سے جنگ کے میدان میں لے آیا
علیؑ کی روشنی میں پیروی کرتی اگر ملت
ہزاروں بن گئے سرمایہٴ نچ البلاغہ سے
خدا ذہن بشر کی پرورش کرنے نہیں آتا
نہوتی منعم و مزدور کی دنیا میں آویزش
کسی دل کو مزے کیا دینگے بوسہٴ شک اسود کے
علیؑ کی مدح میں اسرار کھلتے ہیں دو عالم کے
اسی باعث تو پھر کوئی ہوا پیدا نہ کعبہ میں
کہ بنی ہی نہیں تھی دوسری کوئی پیہر کی

سیدہ کونینؑ

اے کہ ہستی ہے تری ناز رسولؐ بطحا
تو ہی آفاق میں ہے مادرِ ملت بخدا
اے کہ تو بیچ و خم چادرِ تظہیر میں ہے
صنف نسواں میں نہ ہو تکلمہٴ عز و شرف
تیرے پاسنگ نہیں دخترِ حوا کوئی
سیدہ فاطمہؑ زہراؑ و بولِ عذراؑ
تیری آغوش میں اسلام نے کی نشو و نما
نام لینے سے لرزتا ہے دل اہل ولا
تو اگر عالم امکاں میں نہ ہو جلوہ نما
تیرا اسوہ ہے فضائے دو جہاں میں تنہا

کس کو دنیا میں ناسی تری ہوتی حاصل
 ہاشمی رعب و جلالت ترے چہرے کی فتاب
 برکتیں وحی الہی کی ترے گھر کا حصار
 در وہ در جس پر ملک آئے گدائی کے لیے
 تیری مرضی پہ ہوا رحمت باری کا نزول
 ہے ترے دودھ کی تاثیر یہ قومی تعمیر
 سر اٹھانے کی نہیں ملت بیضا کو مجال
 بوالبشر اور ہے کچھ خیر بشر ہے کچھ اور
 ترے پردے کو سمجھ سکتی ہے کیا عقل بشر
 تو ہے اے صلی علی کا نبوت کی شریک
 پہلے تو بعد محمدؐ ہوئی نمایاں درود
 خالق حسن علیؑ کو جو نہ پیدا کرتا
 آکے خاموش جو بیٹھے رہے شاہ مردان
 نعمت آیہ قرآن ترے روزہ کی سند
 تری پیوندوں کی چادر غربا کی تسکین
 تری جہیل سے جسم دو جہاں میں لرزش
 دہر میں اشج عالم تری قسمت کا شریک
 تری سطوت کی نشانی ترے گیارہ فرزند
 فاتح بدر کی تلوار سہیلی تیری
 تیرے ایثار کی تفصیل حسینی تنظیم
 بھول کر تو نے نہ کی دولت دنیا پہ نظر
 تذکرہ مصحف باری میں ہے عظمت کا تری
 آئے جبریلؑ ایں عرش سے نسبت لے کر

کہ ترے نقش قدم تک بھی نہ پہنچی دنیا
 منزل سجدہ عفت تیرا نقش کف پا
 دامن عصمت مریم ترے در کا پردا
 گھر وہ گھر جس سے بندگی خانہ کعبہ کی ہوا
 اذن لے کر ترے کا شانہ میں قرآن اُترا
 اللہ اللہ ترے خونیں کفن و سبز قبا
 کہ خم گردن اسلام ہے احسان ترا
 یہ شرف تیرے ہی در سے بشریت کو ملا
 اہل محشر سے بھی محشر میں رہے گا پردا
 تیرے ہی گھر میں امامت کی ہوئی نشو و نما
 کہ ترا آل محمدؐ میں ہے نمبر پہلا
 کوئی واللہ دو عالم میں ترا کفو نہ تھا
 مرکب وحی نے مفہوم خموشی سمجھا
 غیرت میوہ جنت تری فاقوں کا مزا
 سر سے ہٹ جائے تو خورشید نہ بجلوہ نما
 تری تسبیح کہ جو عرش کا توڑے تارا
 خلق کا مصلح اعظم تری کودی کا پلا
 ترے مہدی سے ہے قائم روش ارض و سما
 اُس کی قسمت کہ اٹھایا تری باتوں کا مزا
 تیری محنت کا ثمر جلوہ گہرہ کرب و بلا
 جوشن صبر و رضا تھے زر و زیور تیرا
 ذکر تاریخ میں ہے آسیا گردانی کا
 یہ وہ رشتہ ہے جہاں بیچ میں تھی وحی خدا

دست و پاچوم کے عصمت نے لگائی مہندی
 ہاشمی تیغوں کے سائے میں دلہن گھر سے چلی
 باپ کے گھر سے ملاخشیش امت کا جہیز
 کیا توازن ہے میں قرباں غلہ قدرت کے
 چادر آئیہِ تطہیر نے آنچل ڈالا
 لافٹا کا جو علی باندھ کے آئے سہرا
 دونو عالم نے کیا حد ادب پر مجرا
 خانہ زاد اپنا ہے اور بہت پیہر زہرا
 شادی رابطہ آدم و حوا کی قسم
 پھر دلہن ایسی ہوئی اور نہ دولہا ایسا



شہزادہِ صلح

عالمِ خلق پہ چھائی ہوئی وہ سن کی صدا
 نشر گاہِ عدم آباد سے اعلانِ وجود
 صورت و معنی و روح و بدن و مرگ و حیات
 مسلک و مقصد و منہوم و مراد و بیثاق
 زر و زردار و زمین و ژمن و زیر و زبر
 علم و عقل و عمل و عزم و عیار و عنوان
 جوہر و جلوہ و جوش و جرس و جہد و جہاد
 سوز و ساز و سخن و سامعہ و سیر و سکون
 حیرت و حوصلہ و حرف و حکایات و حدیث
 طائر و طرہ و طور و طرف و طرز و طریق
 اک ارادہ میں یہ تخلیق کا طوفانِ عظیم
 سانس لیتے ہوئے پانی پہ زمیں کا بستر
 وہ ابھرتا ہوا سورج وہ تجلی کا پہاڑ
 رخِ بستی سے وہ غیبت کا سرکتا پردا
 کروٹیں لیتی ہوئی صبحِ ازل کی دنیا
 خوبی و رشتی و سنگینی و تری و خلا
 غیبت و نزہت و نسرین و نواسخ و نوا
 قسمت و قدرت و قانون و قاضی و قضا
 صبر و سلح و صفت و صاعقہ و صور و صدا
 دیدہ و دانش و دارین و دل و درد و دوا
 راحت و رحمت و رنگ و روش و راہ و رضا
 بارش و بارغ و بہار و بدل و بذل و بہا
 شعلہ و شاہد و شہکار و شہید و شیدا
 اک اشارہ میں یہ تشریحِ رموزِ اسماء
 وزنِ کہسار دبائے ہوئے گیتی کا گلا
 روشنی کا وہ مرتب وہ منظم دھارا

شام تک صبح سے کرنوں کا برستا ہوا مینہ
 کف گردوں پہ ستارے طبق ارض میں گل
 بارہنگامہ جہلیل اٹھائے ہوئے عرش
 عرش و کرسی کی بنا لوح و قلم کی تشکیل
 ہمت و حوصلہ انسان کا جبریل کی حد
 آب و گل کی عظمت اور ملکوتی ماحول
 ایک بلکی سی وہ لغزش وہ تقاضائے جلال
 ذہن آدم میں وہ خاموش فضا جنت
 دامن ارض پہ کرتے ہوئے پہلے آنسو
 منزل عشق و محبت میں وہ پہلی افتاد
 ہو چکا جمع یہ سماں جو تصدیق کے لیے
 یہ وہ رحمت کا خزانہ تھا ساتے نہ کہیں
 دست بوسی کو بڑھے جذبہ ذکر و تسبیح
 جادۂ سلح کے رہبر حسن سبز قبا
 حق و باطل میں وہی فیصلہ کن بھی ٹھہری
 سرکشی حق سے نہ باطل کی بڑھی تھی جب تک
 کربلا میں تری تحریک ہوئی بار آور
 نکلی ہے نیام سے اس وقت حسینی تلوار
 فاطمی صبر کا مظہر ہے تو پہلا بخدا
 سبط اکبر ہے تو اللہ رے ترا عز و شرف
 تو نے اس تخت حکومت کو لگادی ٹھوکر
 آج بھی تیری امانت پہ فدا ہیں لاکھوں
 جانے کیا پیر ہے دنیا کو گھرانے سے ترے

رات بھر تیز سیاہی کا اُبلتا دریا
 شب کی چھاتی پہ دھرا چاند کا روشن کھڑا
 رنگ تقدیس میں ڈوبی ہوئی معصوم فضا
 خود نمائی ہوئی جن آئینوں میں جلوہ نما
 عزمِ انساں سے لرزتی ہوئی طوبیٰ کی ہوا
 زعمِ قدسی کا جمال بشری کو سجدہ
 انقلاب ایسا کہ پھر آنکھ نے دیکھا نہ سنا
 خیر و شر کی یہ گرجتی یہ برستی دنیا
 آہ جاں سوز و جگر سوز کا پہلا شعلہ
 عرش سے فرش تک اک معرکہ درد و دعا
 گلشنِ دہر میں آئے حسن سبز قبا
 کون لیتا انہیں کودی میں پیہر کے سوا
 نگر شاعر نے بھی اک مطلع نو نذر کیا
 تو نے تخلیق کیا ولولہ کرب و بلا
 جس کوئی کا ترے صبر سے آغاز ہوا
 حجت حق تھا جہاں میں ترا اُسوہ تنہا
 صبر بڑھ کر تیرا شمشیر ید اللہ بنا
 جبکہ خلقِ حسنی بھول گئی خلقِ خدا
 پھر یہ ورثہ ترا سجاد کو زیب کو ملا
 ایسی منزل میں جہاں کوئی نہ چھوٹا نہ بڑا
 خونِ انسان ہی صدا جس کی بلندی سے گرا
 سلطنت کا کوئی آفاق میں حامی نہ رہا
 معترض سلح پہ بھی جنگ پہ بھی ہے دنیا

جاہلوں کے لیے اب تک ہے یہی طرزِ جواب کتنا محکم تھا وہ اندازِ خموشی تیرا
نقش اک اک دلِ عارف پہ تیرے نام کا ہے تخت پر کوئی جو بد نام حکومت ہو تو کیا
قوم کے درد کا ہے تیری ناسی میں علاج جب یہ توفیق نہیں کوئی دوا ہے نہ دعا
تیرے پیرایہ تبلیغ کے قابل ہی نہ تھی
یہ اُجالے کی مخالف یہ اندھیری دنیا



سید الشہداء

ذوقِ طاعت چاہتا ہے ایک سجدہ اے حسین میں کہاں ڈھونڈوں ترا نقشِ کف پا اے حسین
تجھ کو ہے فرزندِ اسلام زیبا اے حسین تو کہ ہے ابناءِ نام میں جلوہ فرما اے حسین
کچھ تجھے صدیاں گزر جانے پہ سمجھا اے حسین اب خراجِ معرفت دیتی ہے دنیا اے حسین
پاؤں پھیلائے علی و فاطمہ کی گود میں تو رسول اللہ کی زلفوں سے کھیلا اے حسین
صحنِ مسجد تیری جولا نگاہِ طفلیِ مرجا دامنِ نذر رسالت تیرا جھولا اے حسین
تیری سیرت کا منادی ہے امامت کا نقیب تجھ سے پہلے فرض تھا قرآن کا آنا اے حسین
تیری ہستی ہے جہاں میں مرکزِ انسانیت فاطمہ نے تجھ کو کس محنت سے پالا اے حسین
بارہا تخیل میں دیکھا نبی کے دوش پر عرش سے بھی ہے تصور تیرا اونچا اے حسین
حُسنِ یوسف ماند ہے عشقِ زلیخا مضحل اے مکمل حُسن اے عشقِ سراپا اے حسین
ناز برداروں میں تیرے اک پیہر دو امام تو عجب ماحول میں تھا ناز فرما اے حسین
ہر افق پر ہے تری حُسنِ عمل کی روشنی تو ہی دنیا کے اندھیرے کا اُجالا اے حسین
تو زبانِ عصمتِ برحق پہ نفسِ مطمئن تو نگاہِ عصمتِ مطلق میں یکتا اے حسین
تیرے گیسو کی مہک جنت بہ جنت رہنما تیری جلوہ کی جھلک دنیا بہ دنیا اے حسین
گردشِ گردون گرداں ٹھوکروں میں ہے تری دستِ قدرت میں ترے امروز و فردا اے حسین

نیکی کہہ دوں اسے یا شانِ یکتائی کہوں
 اے زبے شانِ عمل تا حجتِ آخر کبھی
 نبیاً بالیں پہ شاہانِ جہاں قدموں میں ہیں
 تیری قربانی سے پہلے وہ اذال ہو یا نماز
 آج سجدے ہو رہے ہیں تیری خاکِ پاک پر
 کوئی حد ہے تیرے استقلال و صبر و ضبط کی
 وعدہٴ طفلی کے دن سے لے کے سنہ اکٹھ تلک
 ہو گیا دم بھر میں حُر قیدِ غلامی توڑ کر
 آج ہیں جس راوِ آزادی پہ قوئیں گامزن
 زندگی ناحق پرستوں کو مصیبت ہو گئی
 جرأتِ مظلوم ہو یا ہمتِ مزدور ہو
 اس زمانے کے سپاہی نے ترے اخلاف سے
 ہم کہاں ہیں اور تری ایثار کی منزل کہاں
 کاش ہم تصویر بن جاتے ترے مفہوم کی
 جی رہی ہے اک نگاہِ لطف کی امید پر
 مدح کو سرمایہ داروں کا نہ شاہوں کا غلام
 تو نظر آیا ہے ہر منزل میں تنہا اے حسین
 پھر نہ آیا کوئی بیعت کا تقاضا اے حسین
 تیری نظریں دیکھتی ہیں دین و دنیا اے حسین
 اب یہ تیرے نام کا بچتا ہے ڈنکا اے حسین
 یاد جو دنیا کو تیرا ایک سجدہ اے حسین
 تجھ سے تھاق کی مشیت کا نہ پردا اے حسین
 کربلا سے روز تیرا سامنا تھا اے حسین
 دل کی گہرائی سے جس نے بھی پکارا اے حسین
 تیرے قدموں نے بنایا ہے وہ رستا اے حسین
 چار جانب سے ہے اب حق کا تقاضا اے حسین
 تو نے کھینچا تھا یہ مستقبل کا خاکا اے حسین
 بے تشدد جنگ کا انداز سیکھا اے حسین
 کربلا تک ہی ابھی دیکھا ہے رستا اے حسین
 کتنی جانیں دے کے تو نے ہم کو پایا اے حسین
 تیری شمعان کی بزمِ تولا اسے حسین
 جہم بے زری آہی شاعر ہے تیرا اے حسین

شعاع لرزاں

(تضمین بر اشعار باقی مرحوم و مغفور)

چو بر شاخِ نازک گلِ تر بلرزد بہر گئی موجِ کور بلرزد
 بہ اندازِ صد قلبِ مضطر بلرزد چو شمشیر در دستِ حیدر بلرزد
 دل اندر درونِ غضنفر بلرزد

چو ایں را بہ لشکر فرزند بہ بالا چو آں را بہ خیر فرزند بہ بالا
 نشانِ نبیؐ گر فرزند بہ بالا سناں را چو بر سر فرزند بہ بالا
 چو از بادِ صر صر صنوبرِ بلرزد
 فلکِ خم ز اجلِ محرابِ تیغش قمرِ چشمہٗ مرعش ز آبِ تیغش
 تن کفر لرزاں بہ گردابِ تیغش دلاور شجاعی کہ از تابِ تیغش
 درونِ شجاعتِ کشورِ بلرزد
 بہ آں نقش پا جامِ جمیدِ باطل ز عدلِ سرافکندہ کسرائے عادل
 بیک نعلِ آپش فدا ماوِ کمال ز دارائی تیغ او خصم را دل
 چو وار از تیغِ سکندرِ بلرزد
 بہ منبرِ نظر کن شکوہ ولی را بہارِ علومِ خفی و جلی را
 بہ میدانِ بہ بین کارِ زارِ علی را چو در جنبشِ آرد رکابِ یلی را
 زمینِ ہم چو صحرائے محشرِ بلرزد
 منم آں کہ در بزمِ عشاقِ فردم ز سر تا بہ پا از غمِ ہجرِ دردم
 ولے جراتِ عشقِ مولانا نہ کردم من آں کمترینہ غلام کہ ہر دم
 دلم در بر از شوقِ قنبر بہ لرزد
 تو در علمِ جبریل را رہنمائی تو در حلمِ آئینہٗ مصطفائی
 سوئے حتمِ یکس نظر کن کجائی ز جودِ تو دستِ جوامرِ طائی
 بہنگامِ بخشیدن زر بہ لرزد



حجم و شمسؐ

(تضمین بر اشعار شمس تبریزیؐ)

ایں جادۂ تسلیم کہ بنمود علیؑ بود ایں ذوقِ بہر دل کہ بیفزود علیؑ بود

ہر آئینہ آئینہ مقصود علی بود شاہی کہ وحی بود ولی بود علی بود
 سلطان سخا و کرم و جود علی بود
 آں شاہ کہ از بدر و احد گشت مظفر دو کرد بیک ضرب تن حارث خود سر
 آں شیر کہ بشکست سر مرحب و عنتر آں قلعه کشائے کہ در قلعه خیبر
 بر کند بیک حملہ و بکشد علی بود
 بد منفعیت دین ضرر قلعه خیبر تا اوج فلک شد خبر قلعه خیبر
 دیدند ملک خم کمر قلعه خیبر آں قلعه کشائے کہ در قلعه خیبر
 بر کند بیک حملہ و بکشد علی بود
 در منزل خم آمدہ فرماں پے سرور دادند نبی تاج خلافت بہ برادر
 ایں راز عیاں گشت ز ارشاد پیبر جبریل کہ آمد زبیر خالق اکبر
 در پیش محمد بد و مقصود علی بود
 از مای و تا ماہ سفر کردم و دیدم در بحر و بر و کوہ گذر کردم و دیدم
 یک عمر بایں شوق بسر کردم و دیدم صد بار در آفاق نظر کردم و دیدم
 از روئے یقین در ہمہ موجود علی بود
 از نور نبی یافت ظہور آدم و عالم چون نور نبی نور علی یک بد و توام
 اسناد قوی دارم و بے دغدغہ گویم صد بار در آفاق نظر کردم و دیدم
 از روئے یقین در ہمہ موجود علی بود



بانگِ درا

فطرت خدا کے راز اگر برملا کہے غنچہ کھلے چمن میں تو یامرتھا کہے
 دل میں خیال آئے تو صلّیٰ علا کہے جلوہ نظر فروز کہیں ہو تو کیا کہے
 آنکھیں کھلیں تو کود میں ختمِ رسل کے تھے دل اس کو ابتدا کہے یا انتہا کہے
 صورت وہ آنکھ نازش فطرت کہے جسے سیرت وہ قلب نازش ربّ علا کہے

بالا تر از بشر تجھے انسان کیا کہے
روح خلیل دیکھ کے صلیبِ علا کہے
اب مضطرب ہے دل کہ تبسم کو کیا کہے
چہرہ پہ وہ جلال نصیری خدا کہے
کس طرح کوئی تجھ کو نبیؐ سے جدا کہے
جب ہوں جواں تو کیوں نہ ملکِ لافتا کہے
کیوں مہرومہ کو کوئی ترے نقش پا کہے
ہو حوصلہ اگر تو کوئی دوسرا کہے
قرآن تیرا قصہ عہد وفا کہے
کونین کیوں نہ پھر تجھے دستِ خدا کہے
سیکھا ہے کس سے مسلکِ عفو و عطا کہے
کاندھے پہ کس کے پائی ہے نشوونما کہے
نغروں سے کس کے گونج رہی تھی نضا کہے
آثار کہتے ہیں نہ کہے کوئی یا کہے
دشمن بھی کس کے کیوں نہ درست اور بجا کہے
صدقت یا علیؑ نہ کہے دل تو کیا کہے
امت جو بے نبر ہو وہ مشکل گشا کہے
ایسے بشر کو ناصر ہیں خدا کہے
یہ شان ہو تو کوئی شہِ دوسرا کہے
وہ مشغلے کہ مصحفِ حق مل اتا کہے
قصہ جو کوئی رفعتِ اسلام کا کہے
بازوئے مصطفیٰؐ جسے خلقِ خدا کہے
دنیا تری بلند نگاہی کو کیا کہے

سمجھیں فرشتہ کیا تجھے اے برتر از ملک
گیسوئے منتشر ہیں کہ قرآن کی آیتیں
تیری نگاہِ لطف ہے اک موجِ سلسبیل
معصوم نفس اُس پہ طبیعت کی سادگی
ہمد جہاں میں نور میں شامل نسب میں ایک
بچپن میں کھیل تھا تو نبیؐ کی محافظت
وہ نقش پا ہیں مہرِ نبوتؐ سے بھی بلند
اللہ رے تیرے قولِ سلونی کی منزلت
حُسنِ عمل پہ تیرے کرے نازِ کبریا
تغیر قوم بُت شکنی بخشش و عطا
تھا جوشِ انتقامِ عرب کے خمیر میں
ہے آج تک جو رایتِ اسلام پر بلند
سکہ ہے کس کی تیغ کا تاریخ دے جواب
ہیں تیرے نقش پا پہ یہ قومی عمارتیں
تانون بن گئے ترے الفاظِ دہر میں
تیرا کلام دیکھ کے حیرت میں ہے جہاں
اک معجزہ ہے یہ ترے نفسِ عظیم کا
تلوار نام لے کے اٹھاتے ہیں حق پرست
شاہی اور اُس پہ فقر پسندی کے نصیب
آسائشیں تھیں تیری عبادت کے اہتمام
بھولے نہ یہ کہ راکبِ دوشِ نبیؐ ہے تو
ہیں کھیل اُس کے واسطے خیر کشائیاں
دشمن سے بھی سلوک تھا قائل پہ بھی کرم

ہے اُس سے بڑھ کے کون خلافت کا مستحق
جاری ہو جن سے نعمہ توحید خلق میں
تاریخ ابتدا سے ہو غیروں کے ہاتھ میں
دُنیا ہو چُپ تو ارض و سما بولنے لگیں
تھلید تیری چاہئے تنظیم ہے یہی
ہر سانس میں ہو بولے والے ابتر اب
اس جلوہ گاہِ ناز کے اللہ رے نصیب
کیا کیا نہ تیرے پاؤں نے طے کی ہیں منزلیں
آنکھیں ہزاروں فرش ہیں جلوہ نما ہو پھر
نفسِ رسولؐ پاک جسے کبریا کہے
ایسے لبوں کو مصدرِ حمدِ خدا کہے
پھر بھی ترے صفاتِ حسن بر ملا کہے
اک اک زبان گنگ ترا ماجرا کہے
مغرب پرست قوم سے پر کوئی کیا کہے
اُبھرے جو نبضِ ذوب کے یا مرتعاً کہے
جس کو زبانِ خلق نجفِ دوسرا کہے
سمجھے اگر کوئی تو ہر اک نقشِ پا کہے
ایک ایک پامال ترا مرحبا کہے
ہے ایک کیفیت میں رواں اپنا کارواں
کیوں تجمِ منقبت کو نہ بانگِ درا کہے



پارہ نور

اے وہ ہستی کہ ترا عکس نظر تھا سرِ طور
اے کہ حسنِ یاسِ پردہ کا تو آئینہ ہے
تیرا مقدور محالات کو ممکن کرنا
وہ بشر تو کہ عیاں جس سے صفاتِ باری
تیرا گہوارہ شہنشاہِ رسل کا دامن
جگمگادے گی زمانے کو ضیائے توحید
تو وہ ممکن ہے کہ ہے نازشِ ذاتِ واجب
درد سرتا بہ قدم اور غریبوں کا سکون
آج تک دہر میں ہے چشمِ تمنا مخور
کچھ کچھ آتا ہے سمجھ میں ترا منشائے ظہور
تیرا مفہوم خیالات کو تفویضِ شعور
نورِ کونین میں اُس کا ہے تو ہے تیرا ظہور
لوریاں جلوہ گہِ غیب کے رازِ مستور
آج پھر ملتے ہیں پچھڑے ہوئے دو پارہ نور
تو وہ بے نفس کہ ہے ملتِ بیضا کا غرور
ہمہ تن رنج و الم اور قیموں کا سرور
لے جوگی دم پورہ، صلحِ بجنوں یولی (انڈیا)

بے نیازی کو ترے عجز کے تیور محبوب
 لذت روح تری نکلت گیسوئے رسول
 متصل تیری خلافت پہ نوائے قرآن
 حیرت عالم قدسی تری شب بیداری
 تیرے دس نور نظر تیری مثال ظاہر
 وصل کے لہجے میں ترے وحی خدا کے الفاظ
 تیری تلوار کے صدقہ میں مسلمانوں نے
 کھا کے سجادہ پہ تلوار بتایا تو نے
 خاکساری سے تری عرش کو پستی منظور
 قوت نفس تری یاد الہی کا سرور
 متحد تیری ولایت پہ صدائے جمہور
 اور ترا خواب جوانی شب ہجرت کا ظہور
 ترا اک جلوہ غائب ترا شہزادہ نور
 کر گئے خلق میں قرآن کی فصاحت مشہور
 لے لیا تخت کیانی و سریر فغفور
 جان دینے کا ہے راہ خدا میں دستور
 نگ ہے اُس کا در غیر پہ سجدہ کرنا
 تجم اک آپ کی سرکار کا شاعر ہے حضور



حسین علیہ السلام

اے کہ تیرے خیال میں نگہ جام کوثری
 اے کہ تری نگاہ ہے معنی بندہ پروری
 نازش دو دماں ہے تو ہاشمیوں کی جاں ہے تو
 وارث صبر فاطمہ خلق حسن کا آئینہ
 تیرا ظہور دلربا دعوت صد نگاہ و دل
 شام تری امید کی گیسوئے قائم حسین
 دامن ناز کی کشش شان ارادت حبیب
 جوش ترے مقال کا خطبہ عالمہ حزین
 عالم بخودی ترا عشق خدا کی منزلیں
 آج ہے تیرے نام پر گردش نور ساغری
 چاہے تو ہر غلام کو بخش دے تاج قبری
 یوسف کارواں ہے تو جان و دل پیبرگی
 حامل شان احمدی صلاح وضع حیدرگی
 تیرا ورود کربلا ہے تری فتح لہری
 صبح نشاط عید کی نور جمال اکبرگی
 تیرے نیاز کی روش تیری نماز آخری
 قید میں تھا پہ ڈال دی جسم عدد میں تھر تھری
 ہوش ترے خیال کا جذبہ خلق پروری

طفلی میں عیشِ خواب کا سینہ سید البشرؐ
 تجھ سے ہے نامِ حریت تجھ سے نظامِ حریت
 پھیلے ہوں مدتوں جو پاؤں ختمِ رسلؐ کی گود میں
 زر سے کیا ہے یوں حذر بانٹے ہیں تو نے گنجِ زر
 ارضِ بقیعِ پاک میں تجھ کو خبر ہے کیا ہوا
 چونک کے خوابِ ناز سے دیکھ ہمارا حال زار
 ظلمتِ کفر چھا چکی نام و نشان مٹا چکی
 نغمہٗ منقبت میں جہمِ بچ ہے میرے سامنے
 حسنِ بیانِ فرحتی زورِ کلامِ انوری



عریضہ

(بہ حضور سرکارِ حجت العصر علیہ السلام ظہورِ ک)

ایکے ترا جمال ہے رونقِ بزمِ عنبری
 صانعِ خلق کی مثالِ خلق کی آنکھ سے نہاں
 عہدِ قدیم سرگلوں دورِ جدید منتظر
 گیارہ امام کا خلف جس کا رسولؐ سا سلف
 مثلِ تھی حق نما رہرو منزلِ رضا
 حلم میں ثانی حسنِ مثلِ حسینؑ صفِ شکن
 تیرے کرم کی لہر میں جذبہٗ خلقِ احمدیؑ
 سلسلہ ہے خلیل سے گیسوئے مشکبار کا
 رفعتِ بوذری ثارِ تیرے مصاحبین پر
 تیری دنیا سے ضوِ لیلِ قصرِ دوازدہ دری
 بوئے گلاب کی طرح قیدِ نگاہ سے بری
 عالمِ حال مضطرب یہ تری شانِ لہری
 جانِ گہنی ذی شرفِ نورِ نگاہِ عسکری
 حاملِ علمِ موسوی وارثِ صدقِ جعفری
 زینِ عبا کا جان و تن سروِ ریاضِ باقری
 تیری نگاہِ قہر میں جلوہٗ تنبیغِ حیدری
 زلفِ معبریں میں ہے بوئے خوشِ پیمبری
 تیرے غلامِ مرجبا ختم ہے جن پہ قہری

ختم ہیں ہزار گردنیں یہ ترے نام کا اثر
حکیم خدا کا منتظر فصلِ خدا سے منتظر
دین کی دولتِ نہاں فصلِ خدا نگاہاں
پردہ غیب سے نکل بندِ نقاب توڑ دے
نیچ ہے تیرے سامنے دبدبہ سکندری
شیرِ خدا کا شیرِ نرِ تاطیع نسلِ کافری
حجت و صاحب الزمان میکِ نورِ داوری
آ کہ ہمیں منا چکی چرخ کی فتنہ پروری
اپنے ملازمین کا حال تباہ دیکھ لے
ارضِ بقیع پاک کو ایک نگاہ دیکھ لے



جانِ بہار

نمودِ عالم ہو تھی فضائے تیرے و تار
میں جب بھی بھیج رہا تھا تسلیاں پیہم
تجربات تھے پنہاں تجلیاتِ غموش
میں جب بھی حیرتی فطرت پریشاں تھا
نقطہ تھی جلوہ نما ایک قدرتِ عریاں
مری نگاہ میں روشن تھے سینکڑوں جلوے
یہ کائنات تھی مصروفِ خوابِ محکم میں
جب ایک لفظ تھی مبہم یہ ہستی فانی
مجھے تھا عالمِ امکان سے واسطہ جب بھی
ابھی تھے جذب و کشش سے کہیں عناصر دور
ابھی ہوئی تھی نہ ذرات عقد کی ترتیب
نئے نئے تھے یہاں اہتمامِ فطرت کے
سمٹ رہے تھے پریشان خاک کے ذرے
نہاں تھے کتمِ عدم میں چراغ و شمع و شرار
مری شعاعوں کا جب بھی زمیں پہ تھا انبار
نہ آئینہ تھا کوئی اور نہ آئینہ رخسار
مری نگاہ تھی سو آئینوں کی آئینہ دار
نہ پردہ ورتھا کوئی اور نہ کوئی پردہ دار
میں سات پردوں میں نظارگی تھا لاکھوں بار
میں جب بھی عالمِ افلاک میں تھا شبِ بیدار
میں جب بھی معنی و انجم تھا بایں انوار
جب آب و گل میں نہ تھے رابطہ و ضبط کے آثار
مری بقا کا ہے جذب و کشش پہ جب سے مدار
کہ تھا میں رکنِ طلسمِ ثوابت و سیار
میں انتظامِ فلک کا تھا جب بھی حصہ دار
مجسمہ تھا مرا جب بھی مجمعِ الانوار

ابھی سے زردی لانِ عرب کے ہیں چہرے
 بہت سی نسبتیں تھیں نام جب اسد پایا
 ازل کے سلسلہ منتخب کی پہلی قسط
 عجیب مطلع روشن کیا سپرو قلم
 ہوئی رسول کی بعثت یہ جب ہوئے ہشیار
 جمال صورت زیبا سے نازش فطرت
 وقوف علم الہی سے بابِ شہرِ علم
 بناء مقصدِ اعلیٰ جہان کا مقصود
 ظہور جلوۂ باقی طلسمِ فانی میں
 ابو تراب، اسد، اہلبیاء ابو سبطین
 علی و ہادی و مہدی و کاسر الاضنام
 مثیل عیسیٰ و خیر البشر امیرِ انجیل
 وحید و طاہر و صدیق و ناصر و فاروق
 وحی ولی و حبیب دو زیر و ذوالقرنین
 ذکی، خاتمِ نفس رسول زوجِ بتول
 اُسی کو تخت ہے زیبا اُسی پہ تاجِ ثار
 جہادِ نفس بھی تھا یہاں جہادِ سیف کے ساتھ
 سبق دیا وہ عرب کو کہ یاد ہے اب تک
 پڑھا دیے جسے دو حرفِ عقلِ گل ٹھہرا
 مٹا دیا جسے اُبھرا نہ وہ قیامت تک
 ابھی ہے مدحت حاضر میں ترزاں ہونا
 یہ دل کہ بے لیل بیدست و پا ہے حاضر ہے

نبی کے ہاتھ میں گویا خدا کی ہے تلوار
 خدا کا شیر نواسہ اسد کا شیر شکار
 عرب کی کفر نشاں زندگی پہ پہلا وار
 میں اپنی طبعِ خدا داد پر نہ کیوں ہوں ثار
 کہ مقتدا کو تھا ایسا ہی مقتدی درکار
 کمالِ جلوۂ معنی سے مطلعِ الانوار
 جلال و ہیبت شاہی سے حیدرِ کرار
 شریکِ قسمتِ زہرا رسول کا دلدار
 ازل کے دن سے حیاتِ ابد ہے جس پہ ثار
 امین و صادق و ساقی و سید و سردار
 شہید و شاہد و ساجدِ قسیمِ جنت و نار
 مقیم و قاعد و راکع امامِ عرش و قار
 صفی و حجت و قاضی و سید الامرار
 امیر و عابد و شیخ المہاجر و انصار
 ید اللہ و اسد اللہ و قاتلِ کفار
 رسول کی جو سپر ہو خدا کی ہو تلوار
 خطابِ سیفِ خدا کے یونہی نہیں حقدار
 خدا کا نام خدا کے ہر لمحہ کی تلوار
 بڑھا دیا جسے سدِ رہ کا کردیا مختار
 بتوں نے خانہ کعبہ میں پھر نہ پایا بار
 خدا کرے کہ وہ کرلیں پسند یہ اشعار
 فقیرِ عشق ہوں میں کیا ہے قابلِ سرکار

صبح و شام میں ہے تیرے زلف و رخ کی بہار
ترے قدم سے آراستہ ہوئی دنیا
ترا ظہور تھا تکمیلِ نوعِ انسانی
خدا نے بھیج کے تجھے کو بچا لیا صد شکر
جہاں میں تجھ سے حقیقی مسرتیں پھیلیں
سکونِ قلب ملا تیرے آستانے سے
فلک کی بزم میں پایا تجھی کو صدرِ نشیں
جہاں جہاں نظر آیا نے لباس میں تھا
شہانِ دہر سے ممتاز تختِ شاہی پر
خیمِ بلال نما منزلِ عبادت میں
رسولِ پاک کی تصویرِ اوجِ منبر پر
مقامِ درس میں استادِ عقلِ اول کا
خدا کے فضل سے یکتا معلمِ تہذیب
شریعتِ نبویؐ کا محافظ و حافظ
اہیات میں کاملِ سیاسیات میں فرد
تو علمِ نحو کا موجدِ عروض کا مصلح
زمانہ تیرا مقلد ہے تو مجدد ہے
جہاں میں کی سنہ ہجری کی ابتدا تو نے
ترے مقولوں کے یورپ میں ترے پہنچے
گہن بھی ہے ترا مداح کارِ لائل بھی
ترے کلام میں سائنس کے نکات بھی ہیں
کہیں پہ جاذبہِ نامہ کی ہے تشریح

کہ تیرا نور ہی تھا نقشِ بندِ لیل و نہار
ترے ورود سے باغِ جہاں میں آئی بہار
ترا وجود تھا دنیا میں جنتِ الابرار
وگرنہ نسل کا آدم کی جاچکا تھا وقار
زمانہ ہے ابدی راحتوں کا شکر گزار
ترے بغیر تھی تکمیلِ عافیت دشوار
زمین کے فرش پہ دیکھا تجھی کو عرش و قار
جہاں جہاں تجھے دیکھا اگ تھا سب سے شعار
بساطِ فقر پہ سر تاجِ اولیاء کبار
جہادِ راہِ خدا میں کچھی ہوئی تلوار
عرب کی بزمِ فصاحت میں منتخبِ قنار
علومِ عقلی و نقلی میں واقفِ اسرار
نبیؐ کے فیض سے اخلاق کا علم بردار
حکومتِ ازیٰ کا معاون و سردار
وہ فلسفی کہ ارسطو کا فلسفہ بے کار
کہ آج تک ہے عرب کی زبانِ شکر گزار
کہ آج نظم میں اخلاقیات کی ہے بہار
کہ جس پہ اپنی تواریخ کا ہے دارِ مدار
یہ لوگ لے گئے پُچن پُچن کے کیا دُرِ شہوار
ہے اہلِ غرب میں طرزِ عمل کی تیرے پکار
ہے تیری نوحِ بلاغتِ خزینہٴ اسرار
کسی جگہ فنِ کیمسٹری کے ذکرِ اذکار

زمانہ آج وہ نیوٹن کا مسئلہ کہہ دے
بتادیا ہمیں جو کچھ ہمارے قابل تھا
عجیب طرز سے کی زندگی بسر تو نے
طعام گرم کی خواہش نہ آب سرد کا شوق
فقیروں سے تجھے رغبت یتیم سے اُلفت
ترے ضمیر میں عالم کا درد تھا پنہاں
زمانہ جرأت اخلاق پر ہے حیرت میں
عقیل کو کبھی تنبیہ کی حسن کو کبھی
رفاہ خلق کی خاطر بنائے چاہ کہیں
دیا ہے تو ہی نے قافل کو شیر کا کاسہ
زمانہ دیکھے کہ حسنِ عمل ہے نام اس کا
ہے تیری ذات کمالات کا اک آئینہ
تو اک ثبوت قوی ہے وجودِ باری کا
عجب ہی کیا ہے نصیری خدا جو کہہ اُٹھے
بکیف مدح ہوں غالب کا ہمنوا اے حتم
تمام مدح ہوئی پر ہوئی نہ مدح تمام
مرے بزرگوں کا اصلی وطن ہے فیض آباد
مجھے بھی شوق تھا دیکھوں میں یہ درودیوار



روحِ سخن

حُسنِ ازل تھا فقط غیرتِ صد انجمن
آپ تماشا ئی تھا آپ ہی جلوہ گلن

آپ ہی نظارہ تھا آپ ہی نظارگی
جلوہ گہہ ناز میں کوئی نہ تھا لفروش
آپ ہی اک راز تھا آپ ہی تھا راز دار
علم سے گذرایہ امراُس کی مشیت میں جب
عالمِ اسرار سے عالمِ ذر بن گیا
ربطِ عناصر نے دی قوتِ صانع کی داد
اک غلہ لطف نے کیا سے یہ کیا کر دیا
خلقتِ پست و بلند ہو گئی محفل طراز
آپ ہوا زیرِ خاک فرش بچھا فرش پر
آپ و ہوا کو ادھر حکمِ تصادم ملا
عالم ہو تھا مگر اب یہ ظلم جہاں
جلوہ کہہ خاص سے بھیج دیا اک چراغ
دیدہ عبرت سے قبل بھیج دیں نیرنگیاں
نسبِ قبا کر دیے کچھ گہر شب چراغ
اُف رے فریبِ نظر کھا گئے دھوکا خلیل
کیں یہ قدرت نے صرف سیکڑوں صناعتیاں
کرنا تھا جنگل کی شکل سارا جہاں سائیں سائیں
عالم اسباب میں شستہ مذاقی نہ تھی
موت کی سی خامشی ارض پہ تھی حکمراں
صبح کے چہرہ پہ یہ نور کا عالم نہ تھا
آگ نکلتی تھی کو جب بھی دل سنگ سے
تھے خس و خاشاک و خار لالہ و گل کی جگہ

آپ ہی پروانہ تھا آپ ہی شمع گلن
خود ہی خریدار خود یوسف گل پیر بن
آپ ہوا پردہ در واقف سرو علن
کھینچ دیا کن سے ایک دائرہ انجمن
تھا انہیں ذرات میں رازِ زمین و زمن
خاک کا پتلا بنا صاحبِ کام و دین
ماحولِ آب و گل اور جناں کا چمن
مل کے نشیب و فراز بن گئی یہ انجمن
سبزہ کو نیند آ گئی پایا جو آرام تن
تازہ بخارات اُٹھے بن گیا چراغ کہن
منظرِ تاریک تھی شمع بغیر انجمن
روشن فرشِ زمیں نسبتِ چراغ کہن
شام چلی سوکار صبح چلی خندہ زن
سرسے جو پا تک سیاہ رات کا تھا پیر بن
صانع و مصنوع میں ہونے لگا ریب و ظن
اک تن بے روح تھا پھر بھی جہاں کہن
بولتی تصویریں تھیں قصرِ جناں میں گلن
فطرت پر ہول تھی دہر میں جلوہ گلن
چراغ پہ تسبیح میں اہل فلک نمرہ زن
شب تھی کہ تیرہ لحد کھولے ہوئے تھی دین
پر دل پروانہ تک ہو نہ سکی شعلہ زن
فصلِ بہاری سے تھا دور ابھی یہ چمن

اُس کو تھیں منظور پر دہر کی آرائش
نالہ پُر درد سے ہل گیا سارا جہاں
بوئے محبت اُڑی بس گئی دنیا تمام
عالمِ طفلی میں تھی سایہ بابا میں خلق
رشتہ نے قابیل کے ظلم کی ڈالی بنا
آفتیں آئیں ہزار رحلتِ آدم کے بعد
گھر کو ڈبونے اٹھا نوح کا طوفاں کبھی
باغِ جہاں میں چلی گاہ ہوا شعلہ ریز
نعرہ ہمرنگِ سورگاہ ہوا بارِ کوش
تخت کا کیا ذکر ہے تختے اُلتے رہے
قہرِ خدا کو یونہی رہیں جنبشیں
اُس کی عطا کا نہ تھا جب بھی حساب و شمار
مستحقِ لطف تھی پر ابھی دنیا بہت
بذل و عنایات کا اُس کی یہ تھا مقصدنا
نظرتِ مامور نے ویسے ہی ساماں کئے
ہو گئی پیدا ترپ ذرہ بے حس میں بھی
سارے حجاب اٹھ گئے خیرہ ہوئی چشمِ شوق
رحمتِ اللعالمیں عالمِ اجسام میں
ساز چھڑا نعت کا مست ہوئے وحش و طیر
بزمِ فروزِ آخری شمعِ رسالت ہوئی
اپنی تجلی سے تھا آپ ابھی بہرہ ور
دل کا نگینہ کوئی نقش کے قابل نہ تھا
رمزِ حقیقت کا تھا، تھا نہ حقیقت شناس

آدم و حوا چلے چھوڑ کے اپنا وطن
گریہِ آدم سے نام پڑ گیا بیتِ الحزن
تحفہ جنت لیے آئے جو یہ مرد و زن
راہ ترقی میں تھے ہل جہاں گامزن
دیکھتے ہی دیکھتے خلق کا بگڑا چلن
ساکنِ جنت کی نسل ہو گئی وقفِ محن
چادرِ آبی ہوئی اہلِ جہاں کا، کفن
آتش گل بڑھ گئی پھونک دیا سب چمن
مرگ قیامت نما پھیل گئی دُفعن
حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے توبہ شکن
یعنی سزا کفر کی پاتے رہے مردوزن
روزِ ازل ہی سے تھا بحرِ کرم جوشِ زن
قابلِ اصلاح تھا اب بھی جہاں کہن
مومن و کافر کو امن ہو نہ چرخِ کہن
اور ہی کچھ ہو گیا رنگِ زمین و زمن
جلوہ گہہ قدس سے آئی جو سیدھی کرن
ہل جہاں چونک اٹھے راز کھلا دُفعن
دیکھ کے حیرت یہ رنگ ہو گئی مہرِ دہن
نعمۂ لولاک سے کوئچ گیا ہر چمن
اپنی ہی حد میں مگر نور تھا جلوہ نگن
اپنی حقیقت پہ تھا آپ اُسے حُسنِ ظن
مہرِ نبوت لیے تھا کوئی جلوہ نگن
قسطِ سخن فہم سے تھا وہ سخنِ درِ دہن

راہ نما تھا مگر تھا نہ کوئی راہ رو
 خلق کا غمخوار تھا، تھا نہ مگر غم شریک
 بانی اسلام تھا، تھا نہ معاون کوئی
 جب رہی دس سال کی منزل بعثت کی راہ
 فطرت محکوم کے پھر وہی انداز تھے
 ہر در و دیوار پر وجد کی تھی کیفیت
 ہو گیا ہر دشت و در اُس کی جلالت سے پُر
 عالم تکوین میں دوڑ گئی لہر سی
 آئی زمیں پر بہار جلوہ گہ قدس کی
 شام سے پیدا ہوئے خلق میں آثارِ صبح
 در ہوا پیدا نیا کعبہ کی دیوار میں
 قلب میں پیدا ہوا ولولہ منقبت
 کود میں لے دوڑ کر کیوں نہ رسولِ زمن
 مسلم اول کہوں یا کہوں اسلام کل
 کود میں محبوب کے جو بھی ہو محبوب ہے
 آگئیں قرآن سے قبل نور کی دو صورتیں
 شان خدا دیکھ اے چشمِ حقیقت مگر
 کفر پہ اسلام کا وار یہ پہلا ہوا
 ایک طمانچہ سے منہ پھر گیا بوجہل کا
 جوشِ ولا میں عجب نعمتِ عظمیٰ ملی
 چارہ معصوم میں نفسِ رسولِ زمن
 سروق کائنات مفتخر شش جہات
 نور نبی کا شریک یکہ و تنہا شریک

راہ شریعت کی تھی تھا نہ کوئی گام زن
 ایک نہ تھا کلمہ گو لاکھ تھے اہل سخن
 نعرہ تکبیر تھا، تھا نہ کوئی نعرہ زن
 تمیں برس قبل کا پھر تھا جہان کہن
 رحمتِ معبود کا پھر وہی اگلا چلن
 نور کی ایک سیل سی خلق میں تھی موجزن
 ذرے زبان بن گئے حمد کے نکلے سخن
 جسم خدا دوست میں خون ہوا جوش زن
 رشکِ جناس بن گیا ملکِ عرب کا چمن
 صبح میں پیدا ہوا نور خدائے زمن
 کعبہ میں پیدا ہوئے حیدر خیر شکن
 مطلع تو بن گیا جوشِ بہارِ سخن
 مسلم اول ہوا خلق میں جلوہ گلن
 غزوہ خندق کے دن تھا جو نبی کا سخن
 مصحفِ معبود ہو یا ہو امامِ زمن
 ایک وصی رسولِ ایک رسولِ زمن
 مسکنِ اصنام میں خلق ہوا بت شکن
 شہرہ آفاق ہے قصہ سیلی زدن
 خوب مقابل ہوئے بت شکن و برہمن
 مطلع تازہ ہوا شاملِ سلکِ سخن
 اول اثنا عشر یا دومِ پنجمن
 عبد الہی صفاتِ خاص خدائے زمن
 معتمد لا شریک منتخبِ انجمن

صاحبِ لطفِ عظیم ابنِ کریم و کریم
منظیرِ آیاتِ حق مودبِ اثباتِ حق
سالکِ راہِ رضا شافلِ بذل و عطا
سر ہے کہ سجدہ میں خمِ دل میں خیالِ کرم
آپ کو سمجھا ہوا غیر کو بھولا ہوا
سب سے بڑا فلسفی سب سے بڑا منطقی
قدسی و قدسی اساسِ نوری و نوری لباس
نازشِ رب و دود از عدم و تا شہود
حجم وہ اٹھا حجاب کوئی ہوا بے نقاب
مدحتِ حاضر میں پہلے مطلعِ روشن کوئی
کیوں ترے ہر لفظ پر ہونہ خدا علم و فن
ترکیہ نفس ہی تھا ترا اک معجزہ
تابعِ فرماں تری قوتِ تحکیمِ نفس
عالمِ اجسام پر غلبہٴ روحانیت
نقص کا امکان نہ تھا اُف رے عروجِ کمال
مصلحِ عالم تھا تو مصلحِ اعظم کے بعد
ججھ سے ہوا تکملہ مقصدِ اخلاق کا
پاک کیا تو نے ہی نفس و خیالات کو
تھا عوض و انتقام اہلِ عرب کا شعار
کعبہ کے بت کچھ نہ تھے تو نے منایا انہیں
مان لیا سب سے قبل کلامہٴ توحید کو
تو تنِ اسلام میں روحِ رواں بن گیا
پیش کیا تو نے یوں خلق میں اسلام کو

دینِ خدا کا حکیم نبضِ شناسِ سخن
آئینہٴ ذاتِ حق مثلِ رسولِ زمن
شکرِ الہی غذا نورِ خدا پیرِ بہن
پاؤں سے ثابت قدم ہاتھ سے خیرِ شکن
درد میں ڈوبا ہوا عشقِ خدا میں مگن
سب سے بڑا آدمی بعدِ رسولِ زمن
جوہر و جوہر شناسِ جلوہ و جلوہ نگن
ججھ پہ سلام و درود جانِ رسولِ زمن
دیکھ بہشتی شبابِ قدرتِ ربِ زمن
اہلِ نظر چونک اُنھیں وجد کرے انجمن
سامعہٴ باطنی جب ہو بنائے سخن
صاحبِ اعجاز تھا گرچہ تو بے ریب و ظن
تصفیہٴ قلب سے واقف سروِ علن
مادیت پر دراز پہنچے خیرِ شکن
ظاہر و باطن وہی قربِ خدائے زمن
تھا جو نبی کا شعار تھا وہی تیرا چلن
بارغِ جہاں میں کھلا حُسنِ عمل کا چین
دور کیا کفر کا سب نے لباسِ کہن
تو نے سکھایا انہیں عفو و عطا کا چلن
سب سے بڑے بُت جو تھے رسم و رواجِ کہن
ججھ سانہ دنیا میں تھا نبضِ شناسِ سخن
ججھ سے قوی ہو گئے، تھے جو ضعیف البدن
حُسنِ عمل تھا ترا شلہٴ حسنِ سخن

ہے ترے خطبہ کی داد طاعت اہل یمن
 محو تھے تعلیم میں تیرے زبان و دہن
 خوبیِ اسلام پر دال ہوا ہر سخن
 رفعتِ احساس پر تھا کبھی گرم سخن
 فلسفہ سقراط کا بھول گئے اہل فن
 بحرِ کرم سے ترے دھل گئے عیب کہن
 وقت پرستی ہے اب مغربیوں کا چلن
 دعویٰ تہذیب میں اب ہے جہاں نعرہ زن
 تیرے سخن پر ہے یہ تبصرہ اہل فن
 بن گیا قانون وہ منہ سے جو نکلا سخن
 تیری طبیعت میں تھا جذبہ حب وطن
 محو نہ پر کر سکے تیرے صفات حسن
 گرچہ ہوئے بہرہ ور خاص خدائے زمن
 وحی خدا بن گیا جس کی زبان پر سخن
 عاجز و درماندہ تھے تیرے کرم سے مگن
 اپنی مصیبت پہ تھا شکر خدائے زمن
 صبح نے لب پر تیرے حمد کے دیکھے سخن
 جادۂ انصاف پر تو جو ہوا گام زن
 پھر بھی بجز شکر کچھ منہ سے نہ نکلا سخن
 ایسا سپاہی کوئی ہے یہ چرخ کہن
 ڈھونڈ لیں دنیا نئی یا کہ زمان کہن
 معترف عجز ہوں کیوں نہ زبان و دہن
 کیفیت مدح خود ہو گئی مہر دہن
 حشرِ تہلکی میں گم شاعر شیریں سخن

حق پہ ہوئے مجتمع چارہی نقروں میں سب
 بزم ہو یا رزم ہو خواہ سفر یا حضر
 تول دیا عقل پر شرع کے قانون کو
 منظرِ فطرت پہ تھا گاہ تیرا تبصرہ
 قوتِ سائنس پر تو نے جو کھولی زبان
 پاک تمدن ہوا تجھ سے عرب کو نصیب
 تو نے بتائی تھی جب وقت کی قیمت ہمیں
 حرمتِ نسواں میں بھی تو نے ہی تقدیم کی
 تحتِ کلامِ خدا فوقِ کلامِ بشر
 اہل ریاست ہیں آن تیری سیاست پہ دنگ
 تیری حکومت میں تھے جوہرِ جمہوریت
 خامہ و تاریخ تھے قبضہ اغیار میں
 مدِ نظر تھی تجھے منفعتِ عامہ
 تیری طبیعت پہ تھا اُس کی طبیعت کا عکس
 تو فقرا کا انیس تو غربا کا جلیں
 دشمن و قاتل کے بھی درد کا احساس تھا
 خوفِ الہی میں تورات کو گریاں ملا
 اُن کی رسالت نہ کی تھے جو تیرے جان و دل
 روزوں میں دن کٹ گئے ناقوں میں گذریں شبیں
 اپنی شہادت کو جو فتح سے تھپیڑ دے
 لائیں تو اہل نظر سامنے ایسی مثال
 ہے ترا نفسِ عظیم فکر جہاں سے بلند
 جوشِ مسرتِ ادب ہیں تن و جاں پر محیط
 دل ترے فیضان سے حشرِ انوار ہے

صبح لطیف

مبجود عقل و ہوش ہی فطرت کو وہ جوہر دیا
اک پیکرِ موہوم کو دیں اس قدر رنگینیاں
چاروں عناصر مل گئے قائم ہوا عنوان نیا
ایسی کرم کی وسعتیں بچھوا دیا فرشِ زمیں
ڈالی جہانِ پست میں اونچے پہاڑوں کی بنا
جنگل کی مستانہ ہوا چشموں کے بہنے کی صدا
چاند آسمان پر رہ گیا جتنی کہاں تک چاندنی
افلاک نے تسبیح کی تارے بچھا دیے ہو گئے
حد سے بڑھا کر کرم اور صبح صادق بن گیا
راتیں بنا دیں عیش کی پھر صبح ہونے کے لیے
ظالم کو خواب بد ہوا مظلوم کو آرام جاں
بھینچا نسیم صبح کو یہ چارہ سازی دیکھنا
جو لالچہ گلزار میں قدرت کی یہ فیاضیاں
مٹی کھڑ کر گل بنی دنیا معطر ہو گئی
شایانِ فصل گل نہ تھی عربانی صحنِ چمن
یہ قوتِ نشوونما اک عصرِ بے آب میں
رگِ رگ میں آب و گل ہی پر یہ مدرتِ جوشِ نمو
ساری بہارِ زندگی کو یا ہنسی میں لٹ گئی
اُس منزلِ مافوق کی کیا جانے کیا ہوگی بہار
شاید ہو زیبِ تاجِ سرابِ انتہا کی کیا خبر

خلاقِ کیف و رنگ نے قطرہ میں طوفاں بھر دیا
دنیا ئے عیب و حسن کا اک جز و لازم کر دیا
جذب و کشش کے دور نے جب حکمِ صورت کر دیا
یہ جوشِ فیضِ عام کا جس نے سمندر بھر دیا
حدِ نظر ہوتے مگر گردوں سے نیچا کر دیا
فطرت کی خاموشی میں بھی قدرت نے نغمہ بھر دیا
فرشِ زمیں میلا سا تھا اک دوسرا بستر دیا
دریا نے لبِ کھولے ہی تھے منہ موتیوں سے بھر دیا
یعنی کہ دم بھر کے لیے دنیا کو جنت کر دیا
تسبیحِ نکلی دل سے خود آرام یوں شب بھر دیا
شب کی ہوائے سرد نے جھونکا جو خواب آور دیا
بیار کو بھی دو گھڑی آرامِ تکیہ پر دیا
ایک ایک مشیتِ خاک کو ایک ایک مٹھی زردیا
تھا عنصری پیکرِ مگر جانِ لطافت کر دیا
بیگانہ تھا سبزہ مگر فرشِ مکلف کر دیا
ڈرے بگولے بن گئے جب خاک کو چکر دیا
پھوٹی وہیں کو پل نئی جس شاخ میں نشتر دیا
غنجوں میں جتنا حُسن تھا صرف تبسم کر دیا
عالم جو اس قابل نہ تھا وہ نعمتوں سے بھر دیا
یہ ابتدائے لطف ہے قطرہ کو گوہر کر دیا

ہر شکل سے پیدا کیا اک زندگی کا زمزمہ
 وہ وقت بھی کیا وقت تھا جب عشق کی تخلیق کی
 آنکھیں تو زیب جسم تھیں ادراک کا جوہر نہ تھا
 یہ لینے والے کی سمجھ کر دے اگر مائل بہ شر
 چھوڑا بشر کی فہم پر دیو حرم کا فیصلہ
 مستور قوت ان میں ہے دل کھینچنے والی کوئی
 ہے ابتدائے زندگی اک عالم معصومیت
 جنت کی رعنائی لیے آیا شباب مضطرب
 اس بزم رنگا رنگ میں حیراں نہ رہ جائے بشر
 خود فطرتی رہبر ہوئی دنیائے اسباب و علل
 دنیا بسانے کے لیے راہ نشان کھول دی
 لطیف بہار عیش کو اسباب غم پیدا کیے
 رکھی زبان و لُطَق میں ترکیب اعجاز سخن
 اپنے غرور علم میں بھولے معلم کو بشر
 محبوب شکلیں مٹ گئیں لفت کے رشتے کٹ گئے
 ذرے زمیں کے بن گئے ہر چند پتلے خاک کے
 حیرت فرشتوں کو ہوئی انساں نوازی دیکھنا
 اک نقش آب و رنگ ہے انسان کی ہستی ہی کیا
 کس کی نظر تھی نوح پر جو آدمِ ثانی ہوئے
 پردے کے اکثر تھے گلے پردہ بھی اک دن اٹھ گیا
 کس رنگ میں داؤد سے خدمات لیں تو حید کی
 بخشش کی حد ہے بخش دیں اپنی صفات خاص بھی
 دنیا میں روح اللہ بھی آئے کلیم اللہ بھی

جاں پیکر آدم کو دی یا نے میں نغمہ بھر دیا
 کچھ گل میں خوشبو بن گیا کچھ جزو آدم کر دیا
 کی شمع روشن عقل کی گھر میں اُجالا کر دیا
 یہ دینے والے کا کرم پہلو میں دل بے شر دیا
 مفہوم سجدہ خود بنا سجدہ کی خاطر سر دیا
 یہ تو میں کہہ سکتا نہیں آنکھوں میں جادو بھر دیا
 انساں بنایا بعد ازاں پہلے فرشتہ کر دیا
 تشکیل کی دنیا ملی جذبات کا محشر دیا
 یوں رفتہ رفتہ دی سمجھ یوں علم خشک و تر دیا
 ہر ذہن کو آمادہ فکر مسبب کر دیا
 انساں بنانے کے لیے اخلاق کا جوہر دیا
 وجہ نشاط دائمی دو اک غموں کو کر دیا
 اک حرف مطلب کے لیے قبضہ میں اک دفتر دیا
 میں فلسفہ پر قوتیں منطق پر حاوی کر دیا
 آنکھیں بشر کی کھل گئیں جب صبر کا جوہر دیا
 جولانی تشکیل میں تاروں سے اونچا کر دیا
 پہلا ہی انسان تھا جسے اعزازِ پیغمبر دیا
 کار نبوت لے لیا اتنا توانا کر دیا
 دنیا بساوی دوسری کشتی کو کیا لنگر دیا
 آ کر غشی نے سچ میں اک اور پردہ کر دیا
 ایک ایک گوش ہوش میں سچا تر غم بھر دیا
 عیسیٰ کی باتیں دیکھیے مردوں کو زندہ کر دیا
 جو قوم جس کی اہل تھی ویسا اُسے رہبر دیا

اسلام ساندھب ہمیں روشن سے روشن تر دیا
مسلم مگر محبوب تھے محبوب پیغمبرؐ دیا
اک اک زبان گنگ کو قدرت نے گویا کر دیا
اک نور کی صورت نے جب پیغام صورت گر دیا
سوئی ہوئی فطرت اُنھی حس بے حسوں میں بھر دیا
اخلاص نے کی رہبری ایمان نے دل میں گھر دیا
دنیا کے عرض و طول میں اک زمزمہ سا بھر دیا
مکہ کی قسمت کھل گئی تنویر سے گھر بھر دیا
ہر ذرہ ناچیز کو حسن مہ انور دیا
رخصت ہوئی شب شدت انوار نے دن کر دیا
باد صبا نے چھیڑ کر غنچہ کو شعلہ کر دیا
قسمت صدف کی جاگ اُنھی وہ بے بہا گوہر دیا
مولا علیؑ کے نور نے کعبہ کو روشن کر دیا
اک مطلع نو فکر نے روشن سے روشن تر دیا
دولت خدا کے گھر کی تھی دامن نبیؐ کا بھر دیا
اس اتحاد حسن نے قوموں کو یک جا کر دیا
تزیید کا اُن کو انہیں تقدیس کا پیکر دیا
ان کو نبوت کا وصایت کا انہیں کشور دیا
کجی تھی دنیا حسن کو یوسف کا حصہ کر دیا
رتبہ قدم آدم انہیں آدم سے بالا تر دیا
ان کی فصاحت نے مگر قرآن کو صامت کر دیا
دل بول اُنھیں حضار کے محفل کو روشن کر دیا
یا نقشبند حسن نے قرآن پہ قرآن دھر دیا

کچھ نعمتیں مخصوص تھیں مخصوص لوگوں کو ملیں
بندوں میں سب محسوب تھے سب پر کرم کی تھی نظر
نکلی جبال و دشت سے اللہ اکبر کی صدا
ہیجان سا پیدا ہوا دنیائے آب و رنگ میں
ذرے بھی اُجھرے خاک کے پیغام کی تعظیم کو
اس عالم کہنہ سے اک عالم نیا پیدا ہوا
توحید کی آئی سحر تقدیس کی اُمدیں شہیں
معصوم کے سن کی طرح بڑھتی رہی نورانیت
چمکی بیاض دہر پر آخر کو وہ صبح لطیف
آفاق میں روشن ہوئی قندیل خورشید فلک
روشن چراغ گل ہوا ہر کشور گلزار میں
آباد وہ گھر بھی ہوا صدیوں سے جو تھا بے چراغ
ہاشم کا گھر روشن ہوا ملت ظلیل اللہ کی
مداح کے دل میں ہوا روشن چراغ معرفت
معصوم کی آغوش میں معصوم کو لا کر دیا
نور رسالتؐ سے ہوا نور امانت متحد
اک شان رب العالمین اک رحمت اللعالمین
تحریک کا ان کو انہیں تائید کا منصب ملا
یہ صورتیں ہیں دیدنی جن پر ہو قرآن کا نزول
آدم کی پیشانی میں تھا منہوم سجدہ ان کا نور
وہ روح ہے الفاظ میں خود بول اُٹھتا حرف حرف
وہ مطلع روشن پڑھوں اے حسن معنی المدد
کھلتے ہی آنکھ آرام کو زانوئے پیغمبرؐ دیا

خالق کے گھر پیدا ہوئے اپنے نبیؐ کے گھر پہلے
مطلوب کا مطلوب تھا حسن طلب کیا خوب تھا
ہاتھوں کو دیدی قدرت آنکھوں میں بھر دی معرفت
لب مصدر حمد و ثنا دل مصرف صبر و رضا
سر خفی نص جلی پہلا ولی پہلا علی
یکتا امام اولیں مسند نشین و دل نشین
تعبیر حرف انما تفسیر رازِ ہن اے
منہوم کن مقصود کل سرمایہ ختم رسل
غمخوار و دمساز نبیؐ تنہا ہم آواز نبیؐ
بے عقل کل بھی مبتدی وہ انتہا کا منتہی
فخر سلف نام خدا نور نگاہ مصطفیٰ
یوں امر حق جاری کیا اپنا لہو پانی کیا
کارِ براہمی کیا کعبہ کو کعبہ ہی کیا
کہنے کی سوا باتیں ہیں پر مسند کے قابل تھا وہی
منظور اہل بزم ہے کچھ مدحت حاضر بھی ہو
یہ اتحاد جسم و جاں تیری ولا نے کر دیا
تیری ہی ذات پاک تھی تصدیق کی روشن دلیل
ہر رنگ میں ہر وضع میں ہر شان میں تبلیغ کی
تخت حکومت پر دیے حکام غافل کو سبق
تلوار کی جنبش میں بھی دکھایا گیا شانِ کرم
تعلیم سے تیری ہوئیں عقل کی امیدیں قوی
تیری نگاہ لطف ہے دنیائے دل کی عافیت
باہر ہوئے کعبہ سے بت نکلا دماغوں سے فتور

دنیا میں گھر اللہ نے دنیا سے بالا تر دیا
محبوب کے محبوب کو جو کچھ دیا چن کر دیا
سجدہ نے پائی منزلت انسر کو ایسا سر دیا
بازو دیے خیر کشا سینہ میں قرآن بھر دیا
کیا نام رکھا یا نبیؐ اعلیٰ سے مشتق کر دیا
وہ جانِ ایمان و یقین ایماں دلوں میں بھر دیا
وہ قبلہ و قبلہ نما سر نذر سجدہ کر دیا
وہ جنت الاعلیٰ کا گل خوشبو سے عالم بھر دیا
رازِ خدا رازِ نبیؐ قدرت نے کیا راز بھر دیا
وہ فخرِ آدم آدمی دنیا کو جنت کر دیا
بت اسد کا لاڈلا جس نے لقب حیدر دیا
سب صرف حق کوشی کیا حق نے جو زور و زردیا
اصنام سے خالی کیا روحانیت سے بھر دیا
ہجرت کی شب سرکار نے اپنا جسے بستر دیا
پردہ وہ اٹھا جہم وہ سماں خدا نے کر دیا
اقرارِ اُلفت لے لیا جب روح کو پیکر دیا
دنیا کو جب اسلام نے تمیزِ خیر و شر دیا
ہر فعل کو وابستہ تعمیر قوی کر دیا
آیا جو بزم فقر میں جوشِ قناعت بھر دیا
دشمن کو موقعِ سلح کا پیش از ونا اکثر دیا
دنیا کو چشمِ ہوش میں خواب پریشاں کر دیا
تو نے نوید امن دی جس نے دل مضطر دیا
مسکن جہاں تھا کفر کا ایمان کا گھر کر دیا

تیری بدولت آج تک ہیں مالکِ سیف و قلم
اصلاح کی عادات کی تصحیح کی جذبات کی
ذختر کشی تھی جن کی خُوان کو بنایا نفس کش
سولہ برس کی عمر میں یہ فیصلے کی قوتیں
ہے صفحہ تاریخ پر ہر لفظ نقشِ کالج
اقوالِ فطرت بن گئے احکامِ حکمت بن گئے
ہو قوم بے پروا عرب پروانہ شمع یقین
زائد سپاہی فلسفی حاکم ولی شاعر ادیب
اب تک ہیں تیرے نام کے آفاق میں غرے بلند
نفس اور علوِ نفس میں ہے کس قدر فرق عظیم
زور آگیا ایمان میں زردے کے تیرے نام پر
دنیا میں کس عنوان سے تو نے گزاری زندگی
آغوش تیری وا رہی ہر دم یتیموں کے لیے
ناظر ہیں دن تسبیح کے شاہد شہیں جلیل کی
صبر و رضا کی منزلیں یوں مُسکراتے کاٹ دیں
یا تجھ کو ساری عمر میں خوفِ خدا زلوا سکا
اخلاق سکھایا ہمیں تامل کو دے کر جامِ شیر
اُٹکا نہ تیری شان کا اولادِ آدم میں جواں
خیر البشر سمجھا تجھے یا مالک جن و بشر
اب مدح میں جوش آگیا آنکھیں کھلیں ہوش آگیا
اب کیا مجال دم زدن ساکن قلم شاعر خوش

حسن اور کمال حسن میں مخفی رہی طلعت تری

اتنا بھی تجھ سے آشنا تیری ولانے کر دیا

جلوہ معصوم

قوتِ تخیل سے کچھ کام لے کر دیکھیے
 حیاتِ ذہن کی بیداریاں خطرہ میں ہیں
 اک مرقع ایک صورت ایک ہیولیٰ تو بنے
 دور کس حد تک ہیں دنیائے تخیل کی حدیں
 اپنی یہ دنیا ماسکتی ہے اس میں یا نہیں
 پردہ موهوم پر کس طرح کھینچتے ہیں خطوط
 سطح بے بنیاد پر کیونکر اُبھرتے ہیں نقوش
 کس طرح مفہوم کر لیتا ہے پیکر اختیار
 معنویت کی جگہ لیتی ہے صورت کس طرح
 کون پھیلاتا ہے احساسات میں اک روشنی
 کیسا جس مستقل اور کس قدر بے اعتبار
 ابتدا تخیل میں مضر ہے ہر تکمیل کی
 فکر کی نشوونما کا اس کو مرکز پائیے
 کیجئے گر اپنے علمی کارناموں پر نظر
 منتظم بزمِ تمدن میں سیاست میں شریک
 صنعتیں اس کی اُڑائے پھرتی ہیں انسان کو
 قوتیں سوتی ہیں سب شانِ تخیل ہے وہی
 خوابِ خوش میں اک تبسم وہ لبِ معصوم پر
 ہے تخیل کی بدولت ہی تصور کی نمود
 ایک کونے میں سا جاتے ہیں کوہِ پر شکوہ

خوابِ خوش خواب پریشاں کوئی منظر دیکھیے
 کس قدر بے حس ہیں سوتوں کو جگا کر دیکھیے
 پھر ہو کب ربطِ دماغ و دل میسر دیکھیے
 وسعتِ ہمت سے کم ہیں یا برابر دیکھیے
 یہ فسانہ مختصر ہوتا ہے کیونکر دیکھیے
 کام کیا کرتا ہے وہی آئینہ گر دیکھیے
 نازکی کیوں کر اٹھاتی ہے یہ لنگر دیکھیے
 کس طرح مستور بن جاتا ہے مظہر دیکھیے
 جسم سے کیونکر بدل جاتا ہے جوہر دیکھیے
 تیرگی کس طرح ہوتی ہے منور دیکھیے
 ہے یہ فطرت کا عطیہ اس کے جوہر دیکھیے
 نقشِ مانی دیکھیے یا صنعِ آذر دیکھیے
 ارتقا کی منزلوں میں اس کو رہبر دیکھیے
 فلسفہ کا مبتدا منطق کا مصدر دیکھیے
 نظم کی دنیا میں جانِ ہر خنور دیکھیے
 آج دریا میں تو، گل موج ہوا پر دیکھیے
 خواب کے عالم میں اک دنیائے دیگر دیکھیے
 دل یہ کہتا ہے یہ نظارہ مکرر دیکھیے
 دیکھیے اس آئینہ میں اس کے جوہر دیکھیے
 لہریں اک گوشہ میں لیتا ہے سمندر دیکھیے

منزل مقصود یا محبوب کا عشرت کدہ
 پاسباں ہیں اور نہ درباں مانع دیدار دوست
 کیجئے سیر تصور خوشگوار و ناکوار
 شکلیں اعمالِ زبوں کی نیکیوں کی صورتیں
 بچے خود اپنے خیالی پیکروں سے کس طرح
 ربط کچے نا امیدی کی ڈرانی شکل سے
 واہمہ خلاق ہے پھر وہ نہ کیوں خلاق ہو
 آنکھ سے پنہاں قلمکار تصور کی طرح
 روح ہے جو اور نہ پیکر اُس کی عظمت سوچے
 خالق تخیل بھی خالق محسوسات بھی
 اُس کی ہر مخلوق ہے تکمیل میں اپنی مثال
 روز پھیلاتے ہیں مہر و ماہ اپنی روشنی
 سیر کب سے ہو رہے ہیں تشنہ کامانِ جہاں
 اُٹ رہا ہے اور خزانہ میں کمی ہوتی نہیں
 اب گئے ہیں روند کر ملکِ عدم کے تافلے
 شمع سے ہے عشق پروانہ کا قائم آج تک
 گل کھلانے میں وہی فطرت نسیم صبح کی
 بوئے گل ہو یا کہ گل ہو جب پریشاں ہو گئے
 اُٹھتے جاتے ہیں بشر قائم ہے ترتیبِ امور
 کیسی با ترتیب محفلِ کعبہ رقصاں میں ہے
 ایسے کمال اُس کے بندے جن سے قائم ہے زمیں
 حُسنِ یوسف زہدِ عیسیٰ شانِ موسیٰ علمِ نوح
 جلوے جن آنکھوں نے دیکھے تھے وہ آنکھیں اور تھیں

دور والوں کو قریں سے بھی قریں تر دیکھیے
 زندگی بھر کی ہو فرصت زندگی بھر دیکھیے
 ہے یہ فطرت کا تقاضا دیکھیے پر دیکھیے
 دیدنی نا دیدنی مسرور و مضطر دیکھیے
 آنکھ اٹھا کر دیکھیے گردن جھکا کر دیکھیے
 اک رُخی تصویریں اُمیدوں کی اکثر دیکھیے
 اس حقیقت میں نہاں یہ سرِ اکبر دیکھیے
 صنعتوں کو اُس کی ظاہر اس کو مضمر دیکھیے
 مادہ ہے جو نہ جوہر اُس کے جوہر دیکھیے
 خود ہے باہر ان حدوں قیدوں سے کیونکر دیکھیے
 چشم پوشی کس سے کیجئے کس کے جوہر دیکھیے
 نور کم ہوتا نہیں یہ شانِ داور دیکھیے
 آج تک بھر پور دامنِ سمندر دیکھیے
 خاک کے ذرات سے پیدائش زر دیکھیے
 جی اٹھا پھر سبزہ پامال مڑ کر دیکھیے
 ہر پتنگے میں وہی اک آگِ مضمر دیکھیے
 آبِ نیساں سے وہی تخلیق کوہر دیکھیے
 مادہ میں مادہ جوہر میں جوہر دیکھیے
 ہے وہی صورت نظامِ زندگی گر دیکھیے
 حشر تک دنیا یونہی قائم زمیں پر دیکھیے
 وہ کمال اور وہ جمالِ روح پرور دیکھیے
 منضبط اوصاف سے فخر کے فخر دیکھیے
 یہ مناظر چودھویں صدی میں کیونکر دیکھیے

کس لیے اک اک کا منہ حیران و ششدر دیکھیے
 ہے تخیل پاک اگر پاکیزہ منظر دیکھیے
 کس جگہ ہے جنت ارضی زمین پر دیکھیے
 کس طرح ہوتی ہے رحمت کی نچھاور دیکھیے
 ہے جہاں پر احمدؑ و محمودؑ کا گھر دیکھیے
 سنگریزے منہ سے بولیں گے یہیں پر دیکھیے
 آج بھی کچھ کہہ رہی ہے بندہ پرور دیکھیے
 یا یہ اوڑھے آبِ کوثر کی ہے چادر دیکھیے
 گلگدہ ہو یا دو عالم ہوں معطر دیکھیے
 دیکھیے صدق و صفا کے ان میں جوہر دیکھیے
 کچھ متانت زاتہم ہے لیوں پر دیکھیے
 برہمی مغنود ہے زلفِ معمر دیکھیے
 خانہ کعبہ میں ہے میلادِ حیدرؑ دیکھیے
 حرمِ مطہر تو کوئی پُر کیف پڑھ کر دیکھیے
 دیکھ کر ماہِ رجب قرآنِ مقرر دیکھیے
 کس کو لپٹائے ہیں سینہ سے پیمبرؑ دیکھیے
 پتھروں میں سے یہ پٹن لگاتے ہیں گوہر دیکھیے
 کہہ رہا ہے کچھ برادر سے برادر دیکھیے
 کب یہ بچہ ہو برابر کا برادر دیکھیے
 صاف تیور کہہ رہے ہیں روئے انور دیکھیے
 کود میں آج اور کل دوشِ نبیؐ پر دیکھیے
 کر دیا حق نے انہیں نفسِ پیمبرؑ دیکھیے
 یاں مجال اتنی نہیں ہے آنکھ اٹھا کر دیکھیے

بیٹھے غرقِ تصور ہو کے دنیا سے الگ
 میسرِ جنت کیجیے گر ایمانِ بالایقان ہے
 ہے اگر نعمت میسرِ رفعتِ احساس کی
 کون سے گوشہ میں ان کی جلوہ گاہِ ناز ہے
 وہ حرمِ والی زمین وحدت سے متوالی زمین
 سب سے پہلے یہ زمین ہوگی رسالت کی گواہ
 اس کی ندرت زاروش اس کی ولا پرور نضا
 گوشہ گوشہ سے اُبلتا ہے یہ اک سیلابِ نور
 پھر غلیلی گلگدہ میں کوئی گل کھلنے کو ہے
 ان بنی ہاشم کے چہرہ ہیں دلوں کے آئینہ
 ہیں ابوطالب کے گھر میں کچھ مسرت کے نشاں
 ہے کسی کے عقدہٴ دل میں کشائش کی نمود
 ہیں حرا کے غار میں سجدوں پہ سجدے شکر کے
 ہے قلوبِ مستند میں جوشِ الفت کس قدر
 روئے حیدرؑ دیکھیے سوئے پیمبرؑ دیکھیے
 دس برس پہلے جہاں میں آگیا اسلام کیا
 کیوں نہ ہوں جوہر شناس آخر نبیؐ ہونے کو ہیں
 معرفت کا اور اک نور آرہا ہے نور پر
 دیکھنے قابل تو جب ہوگی پیمبرؑ کی خوشی
 ہے کسی ہر اہم میں استعانت کی اُمید
 ان کا بڑھنا کیا فقط حکمِ خدا کی دیر ہے
 ختم تھا ختمِ رسلؑ پر منصبِ پیغمبری
 جمع ہیں اب شرح و مصحفِ نبیؐ میں کون اسکے

بس انہیں دو صورتوں میں ختم ہے قرآن تمام
 آتے ہی آغوش میں تھے بانی اسلام کی
 بُت ہیں بے بس بُت شکن جانا ہے کعبہ ہے غموش
 مطلعِ نو ہے کہ قولِ راکبِ دوشِ نبیؐ
 آئے کعبہ میں اور معراجِ حیدرؐ دیکھیے
 ابتدا کی انتہا ہے انتہا کی ابتدا
 مقتدا بعدِ نبیؐ پہلا نبیؐ کا مقتدی
 امر حق کی خوانشیں حق کے کرم پر نازشیں
 ہاتھ میں قرآن لہا یا ذوالفقارِ برقِ زا
 آمرِ احد بعدِ نبیؐ بے جد و کد
 خامشیِ امرِ حسن کو بانیِ محبوبِ زمن
 میہانِ کعبہٗ حق میزبانِ مصطفیٰؐ
 سیدِ المسلمِ امامِ الاولیاءِ صاحبِ لواءِ
 زوجِ زہراؑ خلیفہٗ احمدؑ بوالحسن و بوالحسن
 الامین و الصغی الساجد و المرتضیٰ
 راجعِ الحق مرجعِ الحق ناصرِ الحق سیفِ حق
 شرع و شارع شرح و شارح امر و امر بالصوص
 نور میں شاملِ نسب میں ایک قرآن میں شریک
 بزم میں ہمدِ دغا میں ساتھ ہجرت میں معین
 متحد صبر و رضا میں فقر و فاقہ میں شریک
 اُمتِ محبوبِ حق ہو یا سفینہٗ نوحؑ کا
 مطلعِ نوُس کے سنیے مدحتِ طرزِ جدید
 نسلِ آدم کی بنا کا سرِ اکبر دیکھیے

ہیں انہیں کے لعلِ لبِ قرآن کے مصدر دیکھیے
 نزعۃِ اصنام سے نکلے ہیں کیونکر دیکھیے
 اب یہاں کس شان سے آئے پٹ کر دیکھیے
 پہلے مجھ سے سنیے اور پھر آپؐ پڑھ کر دیکھیے
 عرش پر ہیں پاؤں یا دوشِ نبیؐ پر دیکھیے
 جزِ نبیؐ اتنا کوئی حق سے قریں تر دیکھیے
 ہر طرح یعنی وہی قربِ پیبرؐ دیکھیے
 راہِ دیں میں کانٹیں جذباتِ انور دیکھیے
 راسخون و لافتنی میں شانِ حیدرؐ دیکھیے
 سابقون ہے سند فرمانِ داور دیکھیے
 معنی قرآن سخنِ اوجِ سخنور دیکھیے
 یہ نشانِ منزلت یہ شانِ حیدرؐ دیکھیے
 اہمیت ان منصبوں کی ان کا لنگر دیکھیے
 کیسے بے ہمتا یگانے ہیں میٹر دیکھیے
 ہیں خطابِ پاک یا ہموزنِ گوہر دیکھیے
 کیوں نہ سیفِ حق میں نامحدود جوہر دیکھیے
 سرسبز گنجینہٗ اسرائیل داور دیکھیے
 کیوں نہ زیبا خلعتِ نفسِ پیبرؐ دیکھیے
 ان حدوں میں معنیِ نفسِ پیبرؐ دیکھیے
 ہر کڑی منزل میں ہمارا پیبرؐ دیکھیے
 فی سبیل اللہ ہر کشتی کا لنگر دیکھیے
 آئے اس آئینہ میں اور جوہر دیکھیے
 آدمی دیکھے ہیں لاکھوں آدمی گر دیکھیے

عقلی و نقلی عوالم کا مجاہد بے بدل
یکہ و تنہا مسافر خالص و یکتا مقیم
ہے جہاں دنیا گرفتار تردد فی الکلام
اُس کے لفظوں سے کیے دنیا نے مستبد علوم
نہیں جلدوں میں ہو جب تشریح خطبوں کی فقط
شععی و سلمی بن عباس ابوالاسود کمیل
جس نے ان کی آڑ پکڑی دستگیر خلق ہے
شبلی و معروف کرنی شمس تبریز و جنید
تادری چشتی رفاعی نقشبندی شاذلی
آج ہے مغرب کو بچھنا تاز تحقیق جدید
ڈھا دیا کس ہاتھ نے تعمیر بطیموس کو
نظم و اقوال و وصایا میں وہ تبلیغی نظام
بدر کے غزوہ سے لے کر غزوہ طائف تک
جوش اور پھر جوش ایمانی علی سے شیر کا
جنگ میں ہے ہر لب مسلم کا نعرہ یا علی
مختصر دور حکومت میں یہ توسیع جہاد
غیر کے شورئی سے مستغنی نظام سلطنت
آج کی جمہوریت اس کی حکومت پر نار
ہیں ہر اک صیغہ پہ نظریں ہر نظر اصلاح کن
باخبر افعال سے واقف دلوں کے حال سے
کیسے پتھر یلے دلوں میں بو دیا تخم سلوک
جن کا مذہب تھا نسب تلوار زر زن انتقام
ابن حاتم کو انہیں سے دولتِ ایماں ملی

منہائے فارس میدانِ خیبر دیکھیے
منزل تسلیم میں بعد پیہر دیکھیے
شکر انعام الہی ان لبوں پر دیکھیے
منہائے علم کس سے آنکھ لے کر دیکھیے
صورت گن کیوں نہ ہر نقطہ میں دفتر دیکھیے
ریزہ خوار و خوشہ چین علم حیدر دیکھیے
اک زمانہ کو تصوف کا مسخر دیکھیے
ہیں یہ کس آئینہ عرفاں کے جوہر دیکھیے
سلسلہ کرتے ہیں اپنا ختم کس پر دیکھیے
علم بیت میں ذرا ارشاد حیدر دیکھیے
فلسفہ یونان کا ہے کب سے اہتر دیکھیے
یہ جہاد بالقلم اللہ اکبر دیکھیے
ان کے کاندھے پر نشانِ فوج داور دیکھیے
مجزوہ کی آڑ میں کیوں فتح خیبر دیکھیے
حشر تک یہ نصرت دین پیہر دیکھیے
سندھ کے میدان تک یلغار لشکر دیکھیے
یہ ریاست یہ سیاست بندہ پرور دیکھیے
وہ مساوات اور وہ عدل روح پرور دیکھیے
چار سالہ سلطنت اور اُس کے جوہر دیکھیے
پرسشیں اعمال سے ہر ہر قدم پر دیکھیے
اس حجازی قوم میں تنظیم حیدر دیکھیے
اُن کے لب پر نعرہ اللہ اکبر دیکھیے
ہے کوئی دنیا میں ان سے بھی خفی تر دیکھیے

یہ مثالیں ہیں کہ جن پر ناز ہے اسلام کو
 جذبہ خیر خالق حسرت تعمیر قوم
 ایک سو چشمنے نکالے موضع شنیع میں
 عید کے دن بھی غذائے حیدر اک نان خشک
 یا دعائے مستحب یا گریہ ہائے نیم شب
 قلب سے اظہار شوق آثار قدرت سے جواب
 لائے کس کا کیجا کس کی آنکھیں کس کا دل
 جز ردائے غافلہ اسباب دنیا کچھ نہیں
 ہے یہ نفس پاک تخیل دو عالم سے بلند
 بارک اللہ جلوہ فرمائے تصور ہے کوئی

نرخ بشرہ نرم بھوری آنکھ والا سادہ پوش
 با ادب اسے جہم یہ عظمت کا منظر دیکھیے

ترتیب مناظر

کچھ ایسا مضطرب ہے ذرہ ذرہ دشتِ فاراں کا
 یہ نقش ہے کہ اُمیدوں پہ جیسے پھر گیا پانی
 شعاع مہر فطرت کا تبسم بن کے آتی ہے
 وہ عالم ہے جہاں ہو اجتماع جسم و جاں مشکل
 کوئی حامل نہیں فطرت کی ترتیب مناظر میں
 حقیقت بستیوں کی ایسے ویرانوں میں کھلتی ہے
 امانت کی طرح مدت سے ہے آغوش ہستی میں

کسی خاکستر دل سے بنا ہے جیسے یہ صحرا
 یہ صورت ہے کہ ارمانوں کی جیسے ٹٹ گئی دنیا
 مذاق بے محل سے بل رہا ہے مینہ صحرا
 فقط حد نظر پر ہیں زمین و آسمان یک جا
 اب اک اہل نظر ہو اور یہ عالم بے حجابی کا
 ستارے ڈوبتے ہوں چین سے سویا کرے دنیا
 نہیں گویا اسے شر مندہ نقش قدم ہونا

کہاں لے جا کے رکھ دیجے زمیں کے دل کا ہے کلزا
خدا ایسا کرے بن جائے مرکز اہل قبلہ کا
یہ کس نے سانس لی پھولوں کا خرمن بن گیا صحرا
ہوا خمور سرتا سرتا فضا معمور سرتا پا
ہوا ہے مانل صحرا نوازی حسن بے پروا
یہ کس نے کم سنی میں دشت غربت کا الم دیکھا
زمیں پر چاند کو آغوش میں لے کر اُتر آیا
یہ صورت نور کی آخر ورق ہے کس صحیفہ کا
زمیں کا بھی جگر ہو چاک رونے میں اثر اتنا
بنائیں خانہ معبود ہاتھوں کو شرف ایسا
یہی بندے سکھاتے ہیں خدا کی راہ پر چلنا
کہ جیسے ہو گیا ہو خشک چشمہ آبِ حیاں کا
وہ نازوں کے پلے بچے کا مرجھایا ہوا چہرا
اسے اس پھول سے ہوگی بہار جاوداں پیدا
بنا کر خاک پر معصوم کو چاروں طرف دیکھا
ذرا مڑ مڑ کے صورت بھی پسر کی دیکھتی جانا
خدا پر چھوڑ دینا ہے خدا کا ماننے والا
پہاڑوں کا جگر پتھر کا نکلا فیض کیا ہوتا
کلیجہ دشت کا شق ہو گیا پانی اُبل آیا
اُدھر ہیں پاؤں میں چھالے اُدھر زیر قدم دریا
تیرک بن گیا ایک ایک قطرہ آبِ زمزم کا
اب معصوم سے مس ہو کے پانی ہو گیا میٹھا
زبے حسن تصرف کوئے جاناں بن گیا صحرا

مناسب تھا الگ ہوتا اگر صحنِ دو عالم سے
جو بلجائے مقدر سے جگہ سجدہ کے قابل ہے
یہ کس نے برق پاشی کی کہ ذرے جگمگا اٹھے
یہ کس رُخ کی تجلی ہے یہ کس گیسو کی نگہت ہے
عجب کیا گردلوں کی بستیاں ویران ہو جائیں
یہ ننھا سا مسافر کون ہے آغوشِ مادر میں
یہ تصویرِ خیالی ہے کہ کوئی آسماں والا
پریشاں کس کا شیرازہ ہوا اے کاتبِ قدرت
جہاں کھچ کر پلائے ہو ممکنے میں کشش اتنی
مذاقِ سجدہ پنہاں ہو جہیں کو برتری ایسی
یہ بچہ اور یہ جنگل یہ کس ماں کا کلیجہ تھا
عطش کے زور سے وہ ہونٹ پھڑپھڑائے ہوئے
وہ عالم بے بسی کماں کی وہ حسرت بھری نظریں
سنبھل اے دستِ کلچیں اہل یہ کیا قیامت ہے
امید اللہ کیسی چیز ہے پُر آرزو ماں نے
توکل پر قدم اٹھے تو فطرت نے کہا دل سے
سبق ملتا ہے اک دنیا کو جب اولاد سی دولت
اُدھر ماں نے تلاشِ آب میں زخمی کیے تلوئے
اُدھر بچے نے افراتِ تعب سے ایریاں رگڑیں
اُدھر آنکھوں میں آنسو ہیں اُدھر ساغرِ بکفِ قسمت
میسر ہوتی ہے قسمت سے ایسے پاؤں کی ٹھوکر
زمین شور کے دن پھر گئے دنیا اُمنڈ آئی
غزالانِ عرب گھر چھوڑ کر جنگل میں آ بیٹھے

اُسے منظور تھی خاطر امانت دار خالق تھا
چلی معصومیت جب یوسف بے کارواں ہو کر
وطن سے بوئے یوسف کھینچ کر یعقوب کو لائی
بہت جنگل ہوئے آبادان کے جاں نثاروں سے
یہ کس کی جلوہ گاہِ ناز کی ہوتی ہے تیاری
پڑی ہے ارتباطِ آب و گل سے جان مٹی میں
نبوت کے مقدس ہاتھ کس کا گھر بناتے ہیں
یہی وہ راز ہیں سینہ بسینہ جو پہنچتے ہیں
سنہلتا اُس کا سنگ آستان اغیار سے کیونکر
نبیؐ کے ذوقِ حیات کی طرح بھرتی ہیں دیواریں
خوشی تا کجا ضبط و تحمل تا پ کے آخر
ہوا تیار صدیوں پہلے کعبہ خیر مقدم میں
ضیا پھیلی ستارے مسکرائے شمع لہرائی
نہا کر چشمہ کوثر میں تنویرِ سحر آئی
دو عالم رہ گئے ذوقِ نظر سے آرزو بن کر
اُداسی سی برستی ہے مجازی جلوہ گاہوں میں
کسی کا مصحفِ رُخ ہے کہ تمہیدِ رسالت ہے
پے تسکینِ ختم الانبیاءِ قرآن سے پہلے
یہ بچہ پرورش پائے گا دامنِ رسالت میں
بتانِ کعبہ سب صدقے اُتارے جائیں گے اس پر
بہارِ صفحہ تاریخ ہوں گی اس کی تصویریں
احد کے بدر کے خیر کے لکھے جائیں گے تیور
لپٹ جائے نہ ان قدموں سے کیوں ہمت شکن منزل

سلف ساقی کوثر کا خلیل اللہ کا بیٹا
ہزاروں کردیے حسن ازل نے مشتری پیدا
ہوئے قسمت سے ابراہیم و اسماعیل پھر یکجا
انہیں ویرانیوں سے ہو گئیں آبادیاں پیدا
حدیں کھینچی گئی ہیں چھٹ رہا ہے دامنِ صحرا
گمان ہوتا ہے یہ اب ذرہ ذرہ منہ سے بول اٹھا
اُسے تو ادعا ہے لامکانی ہے مکاں کیسا
یہی وہ مسئلے ہیں آدمی کچھ کہہ نہیں سکتا
پسینہ میں ہیں دو معصوم پیکر غرق سرناپا
علیؑ کے عین کی تصویر ہے محراب کا نقشا
جدارِ کعبہ جس دن مسکرائی اٹھ گیا پردا
رجب کی تیرہویں کو ناب ختم الرسل آیا
اُڑایا غنچہ ہائے باغ نے جوہرِ تبسم کا
دلِ فطرت نے اطمینان کی اک سانس لی کو یا
حریمِ ناز نے کس کو کلیجہ سے لگا رکھا
اٹھائیں مل کے حسن و عشق اب پردہ حقیقت کا
اُمیدوں میں کسی کی ہو گئی اک زندگی پیدا
علیؑ کی صورتِ دلکش میں پیغامِ عمل آیا
دو عالم جن سے وابستہ ہیں اُن زلفوں سے کھیلے گا
وہ دن آتے ہیں جب انگڑائیاں لے گا شباب اس کا
جب اس کے عہدِ زریں کا زمانہ نے ورق اُلٹا
نبیؐ کے دوش پر کعبہ میں کھینچا جائے گا نقشا
ہو سا مکہ ہے خدا کے گھر میں رکھا ہے قدم پہلا

تعالیٰ اللہ ہے عنوانِ مدحتِ مطلعِ روشن
 ادا تھی اک اپ معصوم کی معصوم ہی سمجھا
 یہ قدرت کے اک نقطہ نے مملو کر دیا دامن
 امامت سے بہم ہو کر رسالت بڑھ گئی آگے
 یہ آئینے ہیں عالم میں جمالِ ذاتِ باری کے
 عجب کیا گر جھلکیں پیشانیاں اقوامِ عالم کی
 ہر اک جانب سے نظریں ہٹ کے اب مرکز پہ ٹھہریں گی
 ملائی آنکھ زورِ طبع نے خورشیدِ محشر سے
 بنائے منزلِ ہستی نمودِ عالمِ بالا
 ہر ہمیشہ غالب علیٰ ابنِ ابی طالب
 شرفِ قرآن سے ظاہر سیادتِ آن سے ظاہر
 جبینِ اونچی جھلکے ابرو بھرے شانے بھرے بازو
 دل اک درد آشنا پیکر وفا کی روح سے مضطر
 پیہر کا وہ کاشانہ وہ شمع دیں کا پروانہ
 بہ اقوال و عمل صادق بہ حق واصلِ بحقِ ناطق
 خموشی لذتِ ایمانِ تکلمِ شارحِ قرآن
 قیامت کی رجز خوانی کہ قلبِ کفر ہے پانی
 جمالِ حق جمالِ اُس کا جلالِ حق جلالِ اُس کا
 زمیں اُس کی زمین اس کا بہار اُس کی چمن اُس کا
 علی کی ذات سے قائم نظامِ دفترِ عالم
 یہ اللہ و لسان اللہ و عین اللہ کو دیکھو
 ہوا وہ نورِ حق ظاہر پڑھو اب مدحتِ حاضر
 ہوا اسلام کی تنظیم کا فرمان جب انشا

کہ لوحِ نور پر لکھا ہے بسم اللہ کا طغرا
 علی کا مسکراتا رازِ اقرارِ رسالت تھا
 مبارک بائے بسم اللہ قرآن ہو گیا پورا
 نبیؐ پر خاتمہ تھا ورنہ اجرائے شریعت کا
 زہے حسنِ مراتبِ نور اُس کا ہے ظہور ان کا
 جو مسجدِ ملائک تھا ہوا وہ نور پھر یک جا
 نگاہیں بھی پریشاں تھیں کہ نظارہ پریشاں تھا
 بڑھا سرمایہٴ مدحت میں اک مطلعِ قیامت کا
 ہے ممنونِ یٰ اٰلہی اُدھر عقبیٰ ادھر دنیا
 بدل یک جان و دو قالبِ نبیؐ سے متحد ایسا
 ریاستِ شان سے ظاہر جلالتِ نام سے پیدا
 خلیل اللہ کے گیسو رسول اللہ کا نقشا
 وصیِ اخلاص سرنا سر نبیؐ اشفاق سر تاپا
 شبِ ہجرت کا افسانہ ہے جس کا خواب بے پروا
 خدائے پاک کا عاشق رسول اللہ کا شیدا
 تبسمِ رحمتِ پیرواں فدا دنیا و مافیہا
 غضب کا جوشِ ایمانی کہ در شاہد ہے خیر کا
 وہ معیارِ کمال اُس کا کہ اکملتِ لکم آیا
 دلِ مومن وطن اُس کا فدائیں عالمِ جانہا
 علی کے نام میں پنہاں رموزِ علم الاسما
 حروفِ اولیں سے صاف ہوتا ہے علی پیدا
 بڑا دربار ہے ملتا ہے پھر موقع کہاں ایسا
 نبیؐ نے تیرے سر پر تاج رکھا اولیت کا

صحابہ میں یہ تیری منزلت از روئے حکمت تھی
 ترا حسنِ عمل چونکا رہا تھا سونے والوں کو
 شبِ ہجرت پہ شبِ بیداریاں بھی ہو گئیں صدتے
 مقامِ فخر تھا پر شکر کا پلہ رہا بھاری
 تری جانبازیوں نے روزِ خندق آبرو رکھ لی
 ونا میں نعرہٴ تکبیر سے پہلو بہ پہلو ہے
 تری تبلیغ نے روحانیت کی روح پیدا کی
 ترے فاقوں نے کیا کیا زندگی بخشی غریبوں کو
 قناعت نے صدادی دور سے افتقرِ فخری کی
 غلط انداز نظریں صوں تو دنیا پر نظر ڈالے
 بری ہے سجدہ ہائے ناروا سے تیری پیشانی
 جہادِ نفس میں تیری عظیم الشان تہنائی
 مصفا نفس پر دھاریں بہادیں اُس نے رحمت کی
 تصور ہے ترا ڈوبا ہوا آثارِ قدرت میں
 بقول بوعلی محسوس میں معقول تھا گویا
 صداقت دیکھتی تھی مذہبِ اسلام میں دنیا
 عبادت بن کے نیند آئی تو کیسا بے خبر سویا
 صدائے لاف آئی تو اشک آنکھوں میں بھر لایا
 وگر نہ لگ چکا تھا دامنِ اسلام میں دھبہ
 جہاں میں آج تک جتنا ہے تیرے نام کا ڈنکا
 پڑی تھی ٹیکر رہبانیت میں زندگی مردا
 تسلی دے رہا ہے آج تک حُسنِ عمل تیرا
 تری سرکار سے اپنا سامنہ لے کر پھری دنیا
 خزانہ دارِ قدرت کو خزانوں کی ضرورت کیا
 عبادت کیوں نہ ہوتا روئے روشن پر نظر کرنا
 وہ تہائی کہ مشکل ہے سمجھنا اور سمجھانا
 خدا کے سامنے جب تو نے رازِ دل کیا افشا
 کہاں سے لائے آنکھیں اُس کی قدرت دیکھنے والا
 مبارک جلوہ حُسنِ ازل کی آئینہ داری
 مبارک چھہ کو دنیا میں مثالی آدمی ہونا



شمعِ حقیقت

پچھلے سے تلاطم ہے دریا میں قیامت کا
 تائید کی خواہاں ہے ہر موجِ زباں بن کر
 یہ چادرِ آبی پر گل کس نے کھلایا ہے
 تفویض کیا تم نے کیا بارِ امانت کا
 ہر قطرہ بے مایہ طالب ہے امانت کا
 نقشِ اُبھرا ہے پانی پر انعام ہے فطرت کا

یا راز ہے سربستہ کوئی یم قدرت کا
 آخر یہ سفینہ ہے کس صاحب ہمت کا
 گرداب کی گردن میں حلقہ ہے اطاعت کا
 شور لب ساحل ہے اقرار حفاظت کا
 ہر جنبش موزوں ہے اظہار ارادت کا
 بیدار ہوا جذبہ انسان کی حیرت کا
 فطرت کا تقاضہ تھا منشا بشریت کا
 جس وقت کھلا پردہ اسرار حقیقت کا
 جس طرح کوئی صابر تابع ہو مشیت کا
 اونٹنی یہ نمونہ ہے انسان کی شقاوت کا
 اک قوم کی غربت کا اک قوم کی قوت کا
 کیا دامن تاقل سے پیاں ہے حفاظت کا
 دعوے ہیں خدائی کے سامان بشریت کا
 بس کھیل ہے اب آگے اللہ کی قدرت کا
 اک لمحہ ہیں افسانہ تھا دور حکومت کا
 دل نرم بنایا تھا اس دن ہی کو عورت کا
 اس زور تصرف سے منشا ہے یہ قدرت کا
 پایہ ہے بہت اونچا جس قصر کی رفعت کا
 اس گھر میں بھی جلوہ ہے اک نور کی صورت کا
 گو ایک ہی مقصد ہے دونوں کی ولادت کا
 آغوش نبوت میں ہے چاند امامت کا
 دنیا کو ہو اندازہ تائید کی قوت کا
 رستہ ہے مرے دل سے سید قادر دولت کا

یہ دوش پہ لہروں کے کشتی ہے کہ گہوارہ
 اسباب سے مستغنی منجد حار سے بے پروا
 کیا صاحب کشتی کی موجوں پہ حکومت ہے
 آنکھیں ہیں حبابوں کی مصروف نگہبانی
 خود موج ہوا اس کا رخ دیکھ کے چلتی ہے
 وہ راز رواں پہنچا اک قصر کے دامن تک
 مانند دُر مقصد دریا سے کیا باہر
 انگشت لیے منہ میں اک طفل نظر آیا
 راضی برضا جیسے ہو مرد خدا کوئی
 اُس دور میں بچوں کے تھے طوق گلو خنجر
 ہر عہد میں لکھا ہے تاریخ نے افسانہ
 تقدیر کہاں لائی خنجر سے بچانے کو
 فرعون زمانہ ہے جس قصر کا ہر ذرہ
 ہیں ایک ہی منزل میں مظلوم بھی ظالم بھی
 خاتون محل نے خود آغوش جووا کردی
 یہ راز ہوا ظاہر ارباب بصیرت پر
 سامان منانے ہیں اک جھوٹی خدائی کے
 کعبہ کی طرف آؤ اک اور سماں دیکھو
 ایسے ہی خداؤں کی ہستی کے منانے کو
 یہ فرق نمایاں ہے تقسیم مدارج میں
 موسیٰ سا پیہر ہے فرعون کے دامن میں
 اے جلوہ گر کعبہ اک مطلع لاثانی
 کعبہ کو میسر ہے فخر اُس کی ولادت کا

اک شمع حقیقت ہے فانوس میں ضوائگن
یہ حاصل قرآن ہے کعبہ میں جو آیا ہے
بس شانِ خدا کہہ کر پُپ رہ گئے دل والے
حقدار چلا گھر سے اللہ کے حق لے کر
چمکا وہ ستارہ سا پیشانی روشن پر
کچھ اس سے امیدیں ہیں سرکار کی وابستہ
سرنیچ کے بھائی کی الفت کا عوض دیں گے
تا حجتِ آخر سب شیدائے نبی ہوں گے
صورتِ گرِ معنی کے انعام پہ دل صدقے
دنیا میں ہے آوازہ قرآن کی فصاحت کا
لفظوں میں کہے کیونکر تصویر شبِ ہجرت

خورشید پلٹے آیا دروازہ مغرب سے

تانون بدلتا ہے ان کے لیے فطرت کا

نغمہ کوہسار

اور بڑھیں گی نرہتیں گلشنِ روزگار کی
جوشِ حیاتِ نوعیاں عالمِ آب و گل سے ہے
خاک جو تھی وہ پاک ہے آب میں آب کوثری
تھی جو فضا کے غلہ میں شاہدِ گل سے ہم کنار
آتش و آب و خاک و باد صرف نمودِ حسن ہیں
منزلِ ارتقا میں ہے نعرہ یا صد بلند
حُسنِ ازل کو فکر ہے تاملِ بہار کی
دوڑ رہی ہیں بجلیاں قدس کے جلوہ زار کی
نور میں بجھ کے ضوِ بڑھی آتشِ بے قرار کی
عنصرِ باد ہی نسیمِ جنت پُر بہار کی
جب سے پڑی ہے داغِ بیلِ گلشنِ روزگار کی
صورتِ گل ہیں کوششیں نشوونمائے خار کی

نقش پہ ہو رہا ہے نقش منزل کیف و رنگ میں
 پیکرِ عنصری میں ہے نورِ ازل کی روشنی
 زیرِ فلک سر زمین دور پہ ہو رہے ہیں دور
 پہنچ چکے نہالِ غم آدمِ اولیس کے اشک
 طور پہ بات ہو چکی غش سے نجات ہو چکی
 سوزنِ وقت سی چکا چاک قبائے یوسفی
 مار سے نورِ اہل چکا آگ سے پھول اُبھر چکے
 وقت بنا بگڑ چکا کفر کا پاؤں گڑ چکا
 پھر نظر آرہے ہیں کچھ ڈھنگِ تغیرات کے
 ڈوب رہی ہے پھر فضا رنگِ تحیرات میں
 اپنی زباں میں کہتی ہے تاروں کی روشنی کچھ اور
 خندہ زیر لب ہے یا چرخ پہ ہے طلوعِ صبح
 زہفِ بدوش ہے کوئی دامنِ کوہسار میں
 گم ہے کسی کو خاک پر سربہ جود دیکھ کر
 رحمتِ حق دراز ہے کوہِ حرا کے غار میں
 رہبرِ خیال ہے عقل کی قوتِ صحیح
 تبصرہ بیٹ ہے فلسفہ قدیم پر
 دل میں ہے کچھ امید پر نفسِ امید مُستتر
 دامنِ کوہ سے ہوئی یک بیک اک صدا بلند
 لے کے سلامِ اولیس آیا پیامِ اولیس
 کیفیت اک سا گئی ہر رگ و موئے جسم میں
 عالمِ نو میں آگیا غارِ حرا کا گوشہ گیر
 ایک صدا بلند ہے دشت و درو جبال سے

اُف رے قلم کہ حد نہیں قوتِ اختیار کی
 صورتِ آدمی میں ہے شانِ جمالِ یار کی
 بزمِ جہاں مثال ہے عرصہ کارزار کی
 ڈال چکے وہ داغِ بیلِ عشق کے رہگذار کی
 چشمِ کلیم دے چکی دادِ جمالِ یار کی
 شان و نمود بڑھ چکی دامنِ تار تار کی
 سیرِ خلیل کر چکے گلشنِ نو بہار کی
 پھر ہے زمین منتظرِ قدرتِ کردگار کی
 شعلہ بدل ہی پھر ہوا گلشنِ روزگار کی
 پھر ہیں شعاعیں مضطربِ حُسن کے جلوہ زار کی
 شامِ فراق اب نہیں وضع میں سوکار کی
 فردِ عمل دھلی ہوئی یا کسی رستگار کی
 جیسے یہی ہے زندگی دامنِ کوہسار کی
 آنکھ کھلی جو نیند سے ذرہ بے قرار کی
 دیکھ رہا ہے ندرتیں منظرِ پُر بہار کی
 منزلیں ہو رہی ہیں طے وادی اعتبار کی
 پیشِ نظر ہے زندگی قومِ نزبوں شعار کی
 سب سے جدا مثال ہے حالتِ انتظار کی
 وقت کی خامشی نے لے نغمہ کی اختیار کی
 شوق سے آکے ل گئی شان اب اضطراب کی
 سیلِ محیط ہو گئی بہت کردگار کی
 محو ہے حق نمایاں دیکھ کے کوہسار کی
 سب کو زبان مل گئی قدرتِ کردگار کی

حکمِ ادائے فرض نے دل کو کیا جو مضطرب
 اوڑھ لپیٹ کر اٹھا صاحبِ چادرِ حریر
 غار سے باہر آگیا وارثِ منصبِ خلیل
 قلب میں رازِ منجلی جسم میں لرزشِ خفی
 رنگِ جہان بدل دیا نعرۂ لا الہ نے
 دیکھ کے نرمی زباں رو دیے سنگِ دل عرب
 مصحفِ پاک کی بنا تھا یہ مخاطبِ عظیم
 ماہِ عرب کے عکس سے لہریں اٹھیں فرات میں
 کعبہ میں رہ گیا نقطہ اس کا ہی سنگِ آستان
 شان میں اپنی کم نہ تھا مکہ کی فتح کا بھی دن
 کود میں کھیلنے لگے باغِ علی کے نو نہال
 گلشنِ اصطفا میں کو پھول کٹے ہزار ہا
 قبلہ دو جہان کا وہ کعبہ سے آخری وداع
 جلوہ گہہ خلیل میں راز و نیازِ رخصتی
 منتظر ورودِ ادھر خم پہ نوید ناگہاں
 ذروں کی چشمِ آشنا دیر سے ہے کھلی ہوئی
 ذوقِ چمن نے کی کمی شوق کے پاؤں تھم گئے
 حکمِ جہاد لے کے کیا حاملِ وحی آگئے
 ناتقے جیسے فرس تھے نیزے جھکے قدم رُکے
 فرشِ زمیں پہ ڈٹ گئے ملکِ عرب کے سادہ دل
 چند کجاء شترِ منبرِ نور بن گئے
 تھام کے بازوئے علی صرف بیاں ہوئے نبیؐ
 ان کا عروج دیکھتا کوئی ٹکاؤ بد سے کیا

قوتیں اُس نے بھیج دیں ضبط کے اختیار کی
 آج کی شانِ شان ہے نابِ کردگار کی
 دل میں تڑپ لیے ہوئے فکر بنائے کار کی
 ساتھ لیے تجلیاں عالمِ نور بار کی
 حلم نے ڈال دی بنا مذہبِ استوار کی
 سادگی کلام تھی جانِ کشود کار کی
 ایک کتاب بن گئی حکمتِ کردگار کی
 گنگ و جمن سے جالیں نیل سے آنکھ چار کی
 پاک ہوئی زمین یوں خانہ کردگار کی
 قدر کی شب نے منزلت اور بھی آشکار کی
 پشت ہوئی قوی کچھ اور نابِ کردگار کی
 عید ہوئی غدیر پر تکرملہ بہار کی
 حدنگاہ لطف تک بھیڑ رفیق و یار کی
 دستِ دنا پہ بارشیں رحمتِ کردگار کی
 دشت کی خاموشی میں بھی شانِ اک انتظار کی
 دور سے دیکھ لیں جھلک جلد کہیں غبار کی
 راہ یہ کس نے روک لی قافلہ بہار کی
 دوڑ گئی ہے لہر سی دور تک امتثار کی
 سیلِ رواں ٹھہر گئی قدرتِ کردگار کی
 کیسی ہوس ہوا نہ تھی زیہتِ مستعار کی
 سادگی اصول پر خلق نے جاں نثار کی
 دور تلک صدا گئی مرسلِ کردگار کی
 تیر خدا تھیں تیوریاں حاملِ ذوالفقار کی

میں نے کہا خوشی میں وہ مطلع بے پناہ حجم
 شانِ نزول دیکھنا حکمِ ابدِ قرار کی
 دھوم تھی اہلِ رزم میں پہلے ہی کارزار کی
 حد سے فزوں ہیں برکتیں حکمِ ابدِ قرار کی
 تکملہ حیات ہے تکملہ اصول میں
 دینِ خدا کا تکملہ حکمِ خلافتِ علی
 جانِ حجابِ قدس تھیں کل یہی صورتیں جو آج
 مصحف و تشریح جمع ہیں بیچ میں کون آسکے
 نفسِ رسولِ پاک کا جب سے یہ لے رہے ہیں مکس
 بڑھ کے جواں ہوئے تو ہیں قوتِ بازوئے نبیؐ
 نامِ علیؑ کا لے تو دو مجمعِ اہلِ ذوق میں
 صغریٰ میں کھیل تھا ان کا حفاظتِ نبیؐ
 قوم کی خصلتوں سے دور قوم کی صحبتوں سے دور
 دیر سے حسنِ فکر کی مطلع نو پہ ہے نظر
 عالمِ قدس میں نمودِ قدس کے جلوہ زار کی
 مقصدِ ماسوا نبیؐ آئینہ نبیؐ وصی
 صبحِ ازل کی ابتدا شامِ ابد کی انتہا
 نائبِ صدرِ انجمنِ شامِ سلکِ چٹھن
 دوشِ نبیؐ کا بت شکن بدرو اُحد کا تیغ زن
 جامعِ مصحفِ کریم حاکم و احکم و حکیم
 ہاتھ معینِ انس و جن پا بہ ثباتِ رات دن
 مسندِ فقر پر ولیِ اوجِ کمال پر علی
 صوم و صلوة میں نشاطِ سجدہ حق میں انبساط

اہلِ حسد سے داد لی قوتِ اختیار کی
 ختم ہیں آج نعمتیں خانہ کردگار کی
 بزم بھی آج ہوگئی صاحبِ ذوالفقار کی
 وجہِ نشاط بن گیا فرقہ انگبار کی
 تکملہ اصول ہے جانِ اصول کار کی
 حدِ کمال کی قسم حد نہیں اقتدار کی
 مسئلہ عظیم ہیں قدرتِ آشکار کی
 روزِ ازل سے ہے بنا رشتہ استوار کی
 پہلے پہل پڑی تھی جب ان پہ نگاہِ پیار کی
 نہایت دوش تھے کبھی زیب کبھی کنار کی
 لہریں دوڑ جائے گی جذبہ بے قرار کی
 ننھی کلائیوں میں بھی شان تھی ذوالفقار کی
 مصلحِ قوم نے جگہ ڈھونڈھ کے اختیار کی
 چین تو لے سبک روی خامہ زر نگار کی
 بزمِ شہود میں بہارِ گلشنِ روزگار کی
 شان یہ ماسوا میں تھی صاحبِ ذوالفقار کی
 بزمِ شہود میں بنا رحمتِ کردگار کی
 بتِ رسولِ سی دُہن جس شہِ ذی و تار کی
 نامِ خدا ابوالحسن دھاک ہے ذوالفقار کی
 ذاتِ نمونہ عظیمِ حکمتِ کردگار کی
 قلب وہ قلبِ مطمئن جا نہیں امتیاز کی
 کچھ ہے خفی تو کچھ جلی شان یہ اقتدار کی
 درد و دُعا سے انبساط وضع یہ تھی شعار کی

چہرہ پہ نور داوری یاد میں کردگار کی
 حاوی کائنات تھا دھوم تھی اختیار کی
 پست ہے جس سے ہر بلند شان ہے وہ شعار کی
 سارے عرب میں بے عدیل بات ہر ایک پیار کی
 رو برضا و جاں بہ حق راہ میں کردگار کی
 فاتہ کشی میں بادشاہ شان یہ اقتدار کی
 دونوں طرف سے ہاشمی وجہ یہ افتخار کی
 گھیر چکیں تجلیاں جلوہ نور بار کی
 شرح بہ حد شرح کی حکمت کردگار کی
 ہے ترے حرف حرف میں روح وہ اعتبار کی
 تیرا کلام شرح ہے مصحف کردگار کی
 دونوں کے بعد کی جہت خلق پہ آشکار کی
 شرح ہی شرح کر گیا حکمت کردگار کی
 آج نگاہ غیر میں وجہ ہے اقتدار کی
 جن کو تین تک نہ تھی فطرت مور و مار کی
 جن کے دلوں میں نہ تھی عیب سے ننگ و مار کی
 راہ بتا گیا ہے تو نفس سے کار زار کی
 حب وطن میں ڈوب کر قوم کی ناؤ پار کی
 راہبری خیال کی بات تھی اختیار کی
 ہاں بخدا یہی ہے شان ہادی روزگار کی
 اس میں نہاں ہیں قوتیں قوم نحیف و زار کی
 عقدہ کشائیاں ہوئیں نوک سے ذوالفقار کی
 ماذیت ہوئی فنا قوم زبوں شعار کی

ہاتھ میں فتح خیر پائوں میں زور رہبری
 عالمِ نفسیات تھا ماہر ذہنیات تھا
 خوش نظر و نظر بلند سجدہ گزار و سر بلند
 حسن بہ ندرت جمیل زلف بہ فطرت خلیل
 صبح و مسادواں بہ حق لب بدنا زباں بہ حق
 حصن ستم میں دیں پناہ فرش زمیں پہ عرش جاہ
 عم رسول باپ بھی ماں کا بھی سلسلہ وہی
 حشم سنبھل کہ وقت اب مدحت حاضرہ کا ہے
 علم و یقین سے یوں بنا دین کی استوار کی
 روح کا بوجھ گھٹ کیا قلب کا بار بٹ گیا
 سلسلہ ارتباط کا عید واحد کے درمیاں
 حکمت اولیہ و فلسفہ الہیہ
 مصحف حق سے جا ملیں ترے بیاں کی وسعتیں
 تو نے دیا عرب کو وہ درس تمدن صحیح
 تو نے سکھا دیا انہیں علم سیاست مدن
 حسن ہی حسن کر دیا ان کو نگاہ لطف سے
 ترک جہاد ہے تو ہو جوش و خروش ہیں وہی
 بندہ زر جو تھے انہیں عہد خدا بنا گیا
 قوت نفس کا اثر تیرے حدود علم میں
 تال سے حال متحد قول سے فعل متصل
 قہر ہے قلب کفر کو نعرہ یا علی کی چوٹ
 تیرے سلوک نرم سے کل نہ سکیں جو گتھیاں
 قوت باطنی لیے پجہ بت شکن برہما

جنگ میں سرکشوں پہ وہ تیغ کے سخت سخت وار
گرمی جنگ میں یہ پاس فوجِ عدو کی پیاس کا
تھاشبِ ہجرت نبیؐ اُس سے بلند تر جہاد
ایک عطیہ خدا ایک عطیہ رسولؐ
تیرے ہی باغ کا ہے پھولِ رونق گلشن جہاں
اپنے اصول پر رہا وضع رسولؐ پر رہا
وقتِ صلوٰۃ ہم نوا تیرے زمین و آسماں
مرکزِ انبیا میں گم معرفت خدا میں غرق
تیری دعا کے درد کا کون و مکاں پہ تھا اثر
رات کی خامشی میں وہ تیری ریاضتِ خموش
گریہ نرم شب میں تھا خندہٴ شکر کا مزا
عہدِ مدینہ کا لباسِ کوفہ کا تختِ سلطنت
تیرے ہی ہاتھ سے ہوا دُشمن و کفنِ رسولؐ کا
بعد نبیؐ لیا نہ کام قوتِ اختیار سے
اُس تھا اُس یتیم سے ربط تھا اُس اسیر سے
اور معینِ نفس تھیں شکر کے اہتمام میں
غیر مریض پر کرم گھر پہ مریض منتظر
نفسِ عظیم ہے ترا ذاتِ احد سے متصل
میری زباں تری ثنا یہ بھی ہے تیرا معجزہ

جوشِ ولا میں جہم میں چھوڑ گیا خود اپنا ساتھ

حد مجھے روکتی رہی قوتِ اختیار کی



نازِ آفرینش

زہے لوح و قلم ایسے بھی نقطہ تھے مقدر میں
خوشا قسمت کہ بسم اللہ نے ترتیب عنوان کی
بنایا حشر ساماں جامہ صورت عطا کر کے
سنوارے دھنوں گیسو دوش پر سلمائے فطرت نے
زلیخائے ہوس کنعانِ حُسن و مریمِ عصمت
ثوابِ عیب میں دست و گریباں جنگِ پیہم ہے
حق و ناحق کی آویزش سے ہے ہنگامہ ہستی
دلیل اکثریت فیصلہ گُن ہو نہیں سکتی
کنارِ خیر میں اک آب و گل کا جوہر قابل
اُدھر سو خار اُگلتا ہے اگر ویرانہ رشتی
انہیں گلہائے معنی میں اضافہ کرنے آپہنچا
کرم اس کا مسلم دیدنی ہے ہمتِ ساکِل
ہوئے گرم طلب لیائے بے محمل کے دیوانے
علم ہو کر قلم نے لی رضائے خلمہ قدرت
کنارِ مادرِ سخیٰ بنی گہوارہ مریم
پرستاری صنعت کی پرستارانِ صانع نے
اضافہ خادمانِ بیت میں اک صنفِ نازک کا
اگر ہے حسن پر اپنے تختِ ہن آدم کو
بشوقِ حمد سن بڑھنے لگا مثلِ شپ اسری
قد موزوں اطاعت کا الفِ فراطِ طاعت سے
جہیں ایسی کہ جس کے نور سے سجدہ ہوئے روشن

مہ و خور کی طرح چمکے جو حرف گُن کے دفتر میں
زہے ساعت یہ بات آئی مزاج بندہ پرور میں
لیے بیٹھا تھا فتنہ شاید تنہا نشیں بر میں
بقا نے جان ڈالی لیلیٰ دوراں کے پیکر میں
کسے جائے سخن حُسن مذاق آئینہ گر میں
کہ لہلہ دل اور اصحابِ شکم ہیں ایک ہی گھر میں
یہ غوغا ختم ہوگا جذب ہو کر شورِ محشر میں
کہ حق اکثر ہے کمتر میں مگر کمتر ہے اکثر میں
اُدھر سو دامن گیتی کے دھبے دامنِ شر میں
اُدھر اک پھول کھلتا ہے کہیں خوبی کے پیکر میں
درِ بیت المقدس پر کوئی آغوشِ مادر میں
دور مقصود پھر واپس ہوا جیبِ سمندر میں
بساطِ قرمہ اندازی کبھی خاصانِ داور میں
ستونِ امر خالق بن گیا پانی کی چادر میں
زہے طالع سعادت پر سعادت تھی مقدر میں
ہوا اک دانہ تسبیح شاملِ سلکِ کوہر میں
اشارہ تھا کہ ہے سب کی جگہ اللہ کے گھر میں
تو دیکھئے خوبیاں کیا کیا ہیں اس حوا کی دختر میں
شباب آیا نہفتہ عصمت و عفت کی چادر میں
خُمِ ابرو رکوع و سجدہ خلاقِ اکبر میں
وہ گیسو جو ہے جاروب کش اللہ کے گھر میں

پرستش ہے غلط کاروں میں تصویر خیالی کی
 ذرا اُس کج تنہائی پہ صدا جملہ یوسف
 نہ تھے کوش صبا بھی نعمۂ تسبیح سے محرم
 نمایاں مسندِ خاکی پہ سجادہ قناعت کا
 جہاں سے منہ پھرائے مہمانِ رازقِ مطلق
 دُرِ بحرِ طہارت نے کیا سامانِ غسل اک دن
 یم پاکیزگی سے ہو کے مس پانی ہوا طاہر
 غسلِ سالہ تھا اسی معصوم ہستی کے کفِ پا کا
 ادائے کار فرمانے کا یک طرح نو ڈالی
 دکھائیں غیرتِ ماموں نے روانہ وار آنکھیں
 ہوئے فریاد کے پہلو عیاں سخنِ تنگم سے
 زبانِ عقلِ گل سے نعمۂ وحی خدا اکلا
 پیامِ شادمانی یا کہ پیغامِ الم کہنے
 کوارا ہیں مثالِ نوشِ نیشِ طعنۂ اعدا
 ہوا دوشیزگی کے عہد میں حکمِ خدا جاری
 بایں صورت جو کنعانِ عدم سے تاشہود آئے
 تفوق دیکھنا بہت اسد کا بہت عمراں پر
 پے عیسیٰ زچہ خانہ نہ تھا اللہ کا گھر تھا
 چلا اک بے خطا ناوک کمانِ آفرینش سے
 خبر کعبہ سے نکلی اور پہنچی قبلہ دیں تک
 نسیم جانفزا نے صبح جب اوراقِ گل کھولے
 بقدر ظرفِ عالم نے کیا کسبِ ضیا لیکن
 شعاعِ مہر کی تقدیر قدموں کے لیے بو سے

وہ عصمتِ آفریں نقشِ سانا ذہنِ آذر میں
 بنائے حجرۂ مریم پڑی اللہ کے گھر میں
 اک آئینہ تھا جو تھا محو یادِ آئینہ گر میں
 کشادہ نفسِ مرگ آرا جنابِ بندہ پرور میں
 توکل کے ثمرِ جنت کے میوے کشتیِ زر میں
 پے حفظِ مراتبِ بیتِ خالق سے گئیں گھر میں
 زباں کھولی ہر اک قطرہ نے حمدِ رب اکبر میں
 بنا آبِ بقا جو چشمہٗ خضر و سکندر میں
 نزولِ جوہرِ اول ہوا انساں کے پیکر میں
 نگاہِ غیر سے بل آگئے عفت کے تیور میں
 کہ ہے نسوانیت اک فطرتِ کمزور کے بر میں
 ترنمِ ریز یا موجیں اُنھیں تسنیم و کوثر میں
 عطائے خاص ہے یا امتحاں بخشش کے پیکر میں
 عملِ حسنِ عمل ہو سایہٗ مرضیِ داور میں
 خدا کی شانِ روحِ اللہ آئے بطنِ مادر میں
 جگہ پائے ولادت کی نہ بیتِ رب اکبر میں
 نتیجہ دیکھنا تمہید کا اک مصرعہ تر میں
 نصیری کا خدا پیدا ہوا اللہ کے گھر میں
 ترازو ہو گیا ایک ایک قلبِ عشقِ پرور میں
 لپٹ کر رہ گئی خوشبو سی دامنِ پیہر میں
 خدا کا نام ان کا ذکر تھا دفتر کے دفتر میں
 مرقع رہ گئے دھندلے نگہ رستانِ آذر میں
 اُبھر کر چشمہٗ خاور سے ڈوبی حوضِ کوثر میں

لسان اللہ نے جان ڈال دی کعبہ کے پیکر میں
 نظر کو فرق مشکل ہو گیا دیوار میں در میں
 حراص شعربا ڈھونڈھا کریں دیوان محشر میں
 نبیؐ بھرتے ہیں علم اپنا ید الہی کے تیور میں
 کہ یہ تھے نور کے عالم میں آدمؑ عالم زر میں
 انہیں آیات کی تفسیر ہے قرآن کے دفتر میں
 ودیعت انتظام دار فانی دست دیگر میں
 امامت کی بنا رکھ دی رسول اللہ کے گھر میں
 بہم ہیں مشورے نفس پیبرؐ اور پیبرؐ میں
 دماغوں میں بے ہیں بیٹھ کر اللہ کے گھر میں
 فراز عرش پر کوئی قدم رکھتا ہے دم بھر میں
 احد کے معرکہ میں بدر میں خندق میں خیبر میں
 رواں کانٹوں پہ تھے تعمیل ارشاد پیبرؐ میں
 نبیؐ کے خاص بستر پر نبیؐ کی سبز چادر میں
 وہی ہیں مدتوں پھیلے ہیں آغوش پیبرؐ میں
 ہوا غرق خیال میں جو فکر مدح دیگر میں
 سند معصومیت کی اور لڑاں خوف داور میں
 جلال ایسا تکلم قید لب ہائے سخنور میں
 وہ گویائی کہ حکمت بولتی تھی جس کے پیکر میں
 ابھی الفاظ ہیں محفوظ تاریخوں کے دفتر میں
 وصی مصروف ہے تجہیز و تکفین پیبرؐ میں
 خلافت آئی تھی کیا لے کے اس بے نفس کے گھر میں
 مگر پھر بھی نمایاں ہی رہا عالم کے منظر میں

زہے لیلانی جلوہ کہ محمل منہ سے بول اٹھا
 حرم آئینہ خانہ بن گیا فیض تجلی سے
 دیا طبع سہی بالانے کیا مطلع قیامت کا
 زبان رحمت حق ہے دہان شیر داور میں
 یہ ہیں مافوق آب و گل نبیؐ آدمؑ کو نسبت کیا
 انہیں دو صورتوں میں ختم آیات الہی ہیں
 نہاں دست یحییٰ میں سر نوشت عالم باقی
 رسالت ختم تھی نثر رسالت پر تو قدرت نے
 نگارستان آذر پھر سے کعبہ بننے والا ہے
 نکالے جائیں گے بت طاق کعبہ سے دماغوں سے
 ثبات پا کا ملتا ہے صلہ آج اکہ مجاہد کو
 قدم بھی وہ قدم جو دے چکے ہیں امتحان کتنے
 مدینہ کے سفر میں آبلوں کی جن پہ یورش تھی
 شب پر خوف جبروت دیکھنے والوں نے دیکھی ہیں
 تعجب کیا اگر مہر نبوت پر جگہ پائی
 مرا عرش سخن میرے لیے تکیہ بنا سر کا
 دل اور بے مدنا دل بندگی بندہ پرور میں
 جمال ایسا کہ آسودہ نگاہیں بزم انور میں
 وہ خاموشی جو قوت دار آوازوں پہ بھاری تھی
 کرم ایسا کہ جس کے معترف تھے دشمن جانی
 نگاہ غور دیکھے ذمہ داری ورثہ داری کی
 جو سچ پوچھو خلافت کی علیؑ سے ہو گئی زینت
 علیؑ کے نام تک نے آفتوں میں دن گزارے ہیں

علی اے تاجدارِ فاقہ کش اے جانِ پیغمبرؐ
علی اے زُحیٰ روزِ اُحد اے حرّ پیغمبرؐ
ترے آثار سے اسلام کی تاریخ روشن ہے
نہیں دل معترف تیرا تو پھر اسلام کا دعویٰ
تری تکبیر کی آواز میں تھی قوم کی قوت
ترے دم سے رہی اسلام میں روحانیت باقی
کہاں دنیا میں اپنے نفس کے پہچاننے والے
نہ تھی تیری حکومت میں ہوا سرمایہ داری کی
غلاموں کو ہے مشکل پاؤں پر اپنے کھڑا ہونا
قدم دوش ہوا پر تھے ترے میدانِ خیر میں

ابھی تھیں تجھ سے وابستہ اُمیدیں قوم کی لاکھوں
پسے کر رہ گئیں قاتل کے زہر آلود خنجر میں

زمرہٴ رُوح

شبِ دراز میں نہاں جہانِ پُر بہار ہے
یہ نافیت کی روح ہے نمودِ خامشی نہیں
نفسِ معین ہے سکون کے فروغ میں
خیال بھی کنارہ کش کہ خواب میں خلل نہ ہو
تمام قوتیں ہیں گم مبادیاتِ روح کی
تعلقات گھٹ گئے کہ اُس سے واسطہ بڑھے
ورودِ لطف کے لیے کنارِ شوق وا کیے
ترددِ ذات سے بری توہمات سے جدا
کسی کی زلفِ نیریں نقابِ روزگار ہے
یہ شب کی تیری نہیں سکون کا حصار ہے
ہوا کا مدو جزر بھی تنِ فضا پہ بار ہے
ہزار مسئلہ ہیں پر سحر کا انتظار ہے
یہ رشتہٴ شہود و غیب پھر بھی استوار ہے
سکون جتنا چھا رہا ہے روحِ بیقرار ہے
برسمِ اشتیاق ہے بوضعِ انتظار ہے
کشش ہے اور تجلیات اور امیدوار ہے

کہ جس کی نیند نیند کیا ہے راز کردگار ہے
 اثر پذیر نفس ہے کہ محو انتظار ہے
 ابھر رہا ہے نقش یا کوئی پیام یار ہے
 کسی کے ناز حسن سے نیاز ہمکنار ہے
 جگر ہے اپنا اپنا ہاتھ اور چھری کی دھار ہے
 نگاہیں کہتی ہیں کدھر ہمارا کغذار ہے
 یہ امتحان سخت بھی جہاں میں یادگار ہے
 نبی کی شان کہہ رہی ہے خواب خوشگوار ہے
 وہ پھر کہیں یہ پھر سنیں اب اس کا انتظار ہے
 سوال بار بار ہے جواب بار بار ہے
 جو پاؤں رو بہ راہ ہیں تو دل بروئے کار ہے
 خلیل ہیں ذبح ہیں پیام کردگار ہے
 نہ اس طرف غبار ہے نہ اُس طرف غبار ہے
 رضا کی ایک شان ہے دو طرفہ آشکار ہے
 ادھر نظر میں کیف ہے ادھر نظر میں پیار ہے
 بہار کا شباب ہے شباب کی بہار ہے
 مگر یہ فطرت بشر کہ ماں کو اضطراب ہے
 فراق کیا فراق کا خیال ناگوار ہے
 جواب کچھ سہی مگر سوال وزن دار ہے
 سحر سے زلفِ عنبریں کسی گلے کا ہار ہے
 مرادوں والی ماں کا ہے وہ دل جو بیقرار ہے
 چھری کمر کی زیب ہے رن گلے کا ہار ہے
 قدم ہیں وہ تلے ہوئے ثابت بھی نثار ہے

دراز زلف کون ہے یہ فرشِ خواب پر دراز
 سلا چکی ہیں جسم کو ہوا کی نرم تھکیاں
 وہ لہریں نور کی برہیں وہ لوحِ دل سے مس ہوئیں
 کمال جذب کر رہا ہے اکتسابِ معرفت
 تجلیوں نے کون سی یہ شکل اختیار کی
 خلیلِ فرشِ خواب سے اٹھے ہیں خواب دیکھ کر
 محبت پدر کہاں چھری کہاں پسر کہاں
 اگر چہ فطرت بشر کا اور کچھ ہے مقننا
 یہ راز حسن و عشق ہیں گمان و شک کو دخل کیا
 کلیمِ حق سے پوچھیے مخاطبہ کی لذتیں
 مطالبہ کی شان نے بڑھا دیا ہے ولولہ
 اب اپنی شان ڈھونڈتا ہے آفتابِ ماہ میں
 اس آئینہ کی چھوٹ ہے اُس آئینہ میں ضوئِ گلن
 خدا کی ایک راہ ہے خلیل دو ہیں سر بکف
 ادھر ہے ذوق مضطرب ادھر ہے چشمِ معترف
 چمن اُجاڑنے کو خود اٹھا ہے باغباں کہ جب
 پدر کے ساتھ میہمان جا رہا ہے لختِ دل
 کسی نے جیسے کہہ دیا ہے کچھ دلی زبان سے
 چھری سے ریسماں سے ہے میہماں کو کام کیا
 نہ ہوگی سیر بوئے خوش سے آج مہرِ مادری
 یہ سرفروش مردوں کے ہیں چہرہ مطمئن جو ہیں
 چلے ہیں کس شکوہ سے مسافرِ رو رضا
 نگاہیں وہ جھکی ہوئی نقیبِ عزمِ مستقل

بنا رہے ہیں راستہ کہ اور تافلہ بڑھیں
 مٹی کی منزل آگئی وہ ڈڑے مسکرا دیے
 وہ حلقہ رن بڑھے کہ دست و پا کو چوم لیں
 وہ بندشیں جو کھول دیں ہزار عقدہ دلی
 پدر کے ہاتھ میں چھری پسر زمین پہ قبلہ رو
 وہ منظر عجیب ہے کہ حیرتی ہیں دو جہاں
 منازلِ نفوس میں عوالمِ عقول میں
 چھری کسی پہ چل گئی مگر یہ ماجرا ہے کیا
 قبول سعی ہوگئی عوض میں دنبہ آگیا
 زمانہ محو کر نہ دے کسی کی سرفروشاں
 یہ عید ہے مقدمہ اب اصل عید دیکھئے
 جدار کعبہ کس طرح کنار شوق والے
 ملے نہ دیر میں خبر کھڑے ہیں خود قریب در
 یہ مطلع لطیف ہے کہ موتیوں کی ہے لڑی
 یہ اشتیاق دید ہے یہ ان کا انتظار ہے
 اب رسول متصل ہیں کوشِ حق نبوش سے
 وہ آگئے حسین لو حسن کے ساتھ کھیلنے
 کہوں حسن یا حسین نام بھی حسین ہے
 مرتب رسول کا ہوا ہے آج مکملہ
 حسن تو سر سے تا کمر شیبہ ہیں رسول کی
 بتول مانگتی ہیں کچھ نئی سے ان کے واسطے
 حسین کے لیے طلب طلب بھی پھر بتول کی
 کرم کی شان کی عطا حسین نام رکھ دیا

بتا رہے ہیں نقش پایہ حق کی رہ گزار ہے
 کہ جیسے کوئی راز ہے اور ان پہ آشکار ہے
 اسیر ان کا ہو گیا بشر تو رستگار ہے
 انہیں سے عہد اور احد کا رشتہ استوار ہے
 فلک پہ کوئی منتظر حکم کردگار ہے
 ہے جاذب نگاہ بھی اگرچہ دلفگار ہے
 زمین سے لے کے تافلک قیامت آشکار ہے
 ذبح سر بدوش ہیں زمین لالہ زار ہے
 اُسی نے خود بچالیا کہ اپنا جاں نثار ہے
 بہ شکل عید آج تک جہاں میں یادگار ہے
 ولادتِ حسین سے زمانہ پُر بہار ہے
 کسی کے شوق میں خود آج شیر کردگار ہے
 فدا اس انتظار کے نبی کو انتظار ہے
 گلے میں لپی خن کے یا گلوں کا ہار ہے
 کہ نفسِ مطمئن کو بھی کچھ آج اضطراب ہے
 دلِ بلال کی طرح اذال بھی بے قرار ہے
 کہوں کہ صحنِ مسجدِ نبی کو انتظار ہے
 رسول کی شیبہ ہیں تو حسن بھی نثار ہے
 ہے سال بھر کی جان ایک ایک شیرِ خوار ہے
 کمر سے لے کے پاؤں تک یہ ٹوکل بہار ہے
 نگاہ میں ہے ماں کی سب جو نکالاڈ پیار ہے
 وہ چیز کی ہے مرحمت رسول کردگار ہے
 شجاعت اپنی بخش دی جو آج یادگار ہے

کہ جس کا حرف ایک نقش اعتبار ہے
 نہاں یہ ان کے کھیل میں بھی راز کردگار ہے
 حسین کے لیے فقط یہہ فصل کردگار ہے
 حبیب حق کا دوش ہے بتوں کی کنار ہے
 عرب سے لے کے تا عجم بہاری بہار ہے
 وہ بانوے عجم تو یہ عرب کا شہر یار ہے
 یہ طرز نو کی مدح بھی جہاں میں یادگار ہے
 جو ان کے دین میں نہیں دل ان کا بھی ثار ہے
 کرم کی شان دیکھ لو جو دل پہ اختیار ہے
 سوال کر رہا ہے جو غریب شرمسار ہے
 وہ تھنہ جس کی آڑ میں دل امیدوار ہے
 کنیر آج تک تھی آج صلاب اختیار ہے
 بنائے کعبہ آج تک تجھی سے استوار ہے
 حسین تیری یاد میں زمانہ بے قرار ہے
 اب آنکھیں کل چلی ہیں کچھ کہ یہ تراوتار ہے
 جہاں کا ذرہ ذرہ آج تجھ سے شرمسار ہے
 تیرا فسانہ نہایت بیاض روزگار ہے
 وہ حریت کہ جس کی آج خلق میں پکار ہے
 جو تیرا حق چھپا دیا تھا آج آشکار ہے
 ہیں جس کی مٹیوں میں دل وہ سب کا تاجدار ہے
 کہ مصرفِ حیات کیا ہے کیا اصول کار ہے
 یہ عین معرفت نہیں کہ قوم انگبار ہے
 فنا کی حد سے متصل بقا کی رہ گزار ہے

یہ مقتننا ہے وقت کا وہ مطلع حسین پرہوں
 بنائے طولِ سجدہ ہیں جو شانِ سرگزار ہے
 یہ گوشہ ہائے عافیت نصیب انبیاء نہ تھے
 حسن کا بازوئے قوی علی کا ظلی عاطفت
 خدا نے وہ بھی دن کیا کہ پھول سہرے کے کھلے
 حسین پر نہ ٹھیرتی نگاہِ انتخاب کیوں
 یہ مطلعِ نفیس ہے کہ زمزمہ ہے روح کا
 کچھ ایسا جاذبِ نظر حسین کا شعار ہے
 حسین پر نظر کرو مثال ہو کوئی تو دو
 چھپا کے منہ کو ہے عطا کہ دیکھنا نہیں روا
 کنیر نذر کر رہی ہے شاخ گل حضور کو
 حسین کے تاثرات دیکھنے کی چیز ہیں
 حسین اے سلالہ رئیسِ منزلِ حرم
 حسین تیرے ذکر سے رگوں میں دوڑتا ہے خون
 تجھے سلا کے اے حسین چونک اٹھی ہیں ملتیں
 اٹھ اب تو خوابِ ناز سے یہ فتح حق کی داد لے
 ورق ورق پہ ہو رہی ہے مہر تیرے نام کی
 حراکِ غلام تھا تراء کنیر تیری حریت
 قدم پہ تیرے لوٹتے ہیں آج تاجِ سلطنت
 ترے سلام کو ہیں خم گدا بھی شہر یار بھی
 نہ سمجھیں اب تو قسمیں بتا گیا ہے تو ہمیں
 ہو اعترافِ بالعمل بھی محبتِ حسین کا
 جو ادعا ہے زیست ہے علم بدوش بڑھ چلو



شاہزادہ نور

نہ ہوں مغرور نظریں وہمِ عرفانِ حقیقت سے
 ابھی ڈھونڈ رہے ہیں کتنے عقل نے گوشہ خلیاں کے
 ابھی چمکی ہیں گہرائی میں دل کی بجلیاں کتنی
 ابھی فکر و نظر نے کی ہے کتنی بادہ پیمائی
 ٹٹولے ہیں ابھی تحقیق نے دل کتنے ڈڑوں کے
 کسی کے جلوہ مستور پر بے اعتباری ہو
 کیا احساس نے کس دن مجسم نگاہتِ گل کو
 درختاں ہے وجود روح اک اک رگ سے پیکر میں
 بدل دیں جوہرِ قابل نے شعلیں نظمِ عالم کی
 بتائیں حسن کا نیرنگِ ظاہر دیکھنے والے
 شمعِ نور عریاں کرنے والی ذرہ ذرہ کی
 ہوا اتنی مجسم جو اٹھالے بارِ طیارہ
 وہ اک سیال دنیا موجِ طوفاںِ فتنہ برقی
 وہ دل میں گدگدی کرتی ہوئیں لہریں مسرت کی
 غم و غصہ کا جذبہ درد کے اشکِ آفریں نشتر
 وہ ظالم کارواں جو چھوڑ جاتا ہے نشاں ایسے
 سراپا جلوہ حیرت ہے ان کی کارفرمائی
 وجود اک صورتِ قہری ہے غیبتِ اصل ہے جس کی
 ازل میں چشمِ صد نظارگی کو ہوش میں لا کر
 خبر آئی ہے پھر فاراں پہ تجدیدِ تجلی کی
 حجابِ جلوہ گاہِ ناز کی اک آخری جنبش

بہت جلوہ ہیں پوشیدہ ابھی چشمِ بصیرت سے
 ابھی آنکھوں نے کیا پایا نگارستانِ فطرت سے
 ابھی بدلے ہیں کتنے خوابِ تعبیر حقیقت سے
 ابھی ہے ظرف کتنا آشنا ساقی کی ہمت سے
 اُتارے ہیں ابھی کتنے ستارے بامِ قدرت سے
 اُسے جو منزلوں پیچھے ہے خود اپنی حقیقت سے
 تعارف جس کی سیرت سے ہمارم ہیں صورت سے
 پر اب تک فلسفی محروم ہیں صاحبِ سلامت سے
 مگر باہر نہ آیا جوہرِ قابلِ طبیعت سے
 لطافت سے شناسائی ہے یا جانِ لطافت سے
 نقاب اپنی اُلٹ سکتی ہیں خود اپنی صورت سے
 لطیف ایسی کہ باہر ہے نگاہوں کی حکومت سے
 بڑھی یہ گرمی بازارِ عالم جس کی قوت سے
 جو بن جاتی ہیں ہونٹوں پر جسم اُس کی قدرت سے
 بلا دیتے ہیں قصرِ غصہ کی کو اپنی قوت سے
 کہ مٹتے ہیں مگر کب وصل ہو کر خاکِ تربت سے
 ابھی تک دامنِ آلودہ نہیں داغِ بصارت سے
 جو ہیں بے معرفت ما آشنا ہیں لطیفِ غیبت سے
 کہیں اب کیا وہ خود پردہ میں ہیں پردہ کی قسمت سے
 سبکدوشی نہیں اب تک نگاہوں کی امانت سے
 تعجب کیا اگر سجدہ کرا لے چشمِ حیرت سے

ابھی ہے تھنہٴ جمیل ذوقِ مشرق و مغرب
ازل کی صبح پھر آئے گی دور عاشقی بن کر
ابھی پھر دیکھنا ہے ملیں دوراں کو آئینہ
فضا خاموش فطرت کوش برآواز ہے یعنی
عبث بیٹھے ہیں شوق دید والے لکرِ محشر میں
بہت جلوے نمایاں ہو چکے اور ہونے والے ہیں
سنجبال اے ساقی روزِ ازل کیفِ دو عالم کو
نہیں موتی تو کیا نقش کھانے والے اب بھی جیتے ہیں
بہارِ عہدِ اوّل ہوگی کروٹ دورِ آخر کی
شریعت طے کرے گی پُر کرے گی منزلیں اپنی
کسی عارض پہ لہرائیں گے پھر گیسو پیچھے کے
نہ جانے ترکیہ کرنا ہے کتنا جذبہٴ دل کا
ہوئی ذہنِ تولا پر ضیا پاشی تجلّی کی
کہ از عیسوی ظاہر ہے نازِ مہدویت سے
کمالِ مصطفائی ہے کمالِ حسنِ صورت سے
وہی تیور کی پایانی وہی چتون کی شایانی
نبیؐ کی عمرِ بعثت ہے شبابِ جاوداں اس کا
جھلک دیتی ہوئی رُخ پر صباحتِ روئے حیدرؐ کی
بہ تقریبِ وراثتِ دو قبائیں جسمِ انور میں
تخاطب کی جسارت ہے تقاضہٴ دردِ ملت کا
تجھے مشکل ہے کیا جلوت میں آنا کج خلوت سے
وہ ہر اک وار پر اودستِ حیدرؐ چومنے والی

برسنے ہی کو ہے پھر کوئی جہالا برِ رحمت سے
انھیں گے کروٹیں لے لے کے لیلِ خاکِ تربت سے
ہیں وابستہ امیدیں ایک نقشِ پا کی رویت سے
چھڑے گا اور اک نغمہٴ ابھی سازِ حقیقت سے
کہ پورا ہوگا یہ وعدہ مگر پہلے قیامت سے
کسی کی شامِ ہجرت سے کسی کی صبحِ غیبت سے
کہ جھوٹیں گے ابھی رکنِ مقام اک نازِ بیعت سے
چراغِ طور ہوگا اب کے روشن اپنی قسمت سے
فضا اک بار پھر گونجے گی تصدیقِ رسالت سے
محمدؐ کی امامت تک محمدؐ کی رسالت سے
نبوتِ خود پکارے گی کہ رشتہٴ بے امامت سے
بڑی مشکل سے آئے گا کوئی جلوت میں خلوت سے
ملا اک مطلعِ کیفِ آفریں سرکارِ حجت سے
نبوتِ دو قدم رہ جائے گی پیچھے امامت سے
شبابِ لافتانی ہے جلالِ ورعب و ہیبت سے
وہی فطرت کی یکسانی مساواتِ حقیقت سے
ملکیف اس قدر صلِ علیؑ کیفِ محبت سے
گلِ رخسار پر اک گلِ پیہر کی ملاحت سے
مرصع اک رسالت سے مکلف اک امامت سے
یہ مطلع ہے کہ دل نے آہ کی ہے دردِ ملت سے
علیؑ سے تنگ لے اور اذنِ سرکارِ رسالت سے
نکل آمیان سے باہر تڑپ کر دردِ ملت سے

وہ آنکھیں تو نے دیکھی ہیں وہ نظریں تو نے پرکھی ہیں
 شریعت سے مذہب ہے طریقت سے مطلقا ہے
 بتائے چھپنے والے نزع میں ہے قوم کی ہستی
 تری آمد کا آوازہ محمدؐ کے گھرانے میں
 اب اعجاز پیغمبرؐ پہ منہوم تبسم تھا
 شب ہجرت کا تکیہ منزل ناز رسالت میں
 سکون افروز تارا شام کے تاریک زنداں کا
 امین علم حق آگتھیاں سلجھا دماغوں کی
 فضا تاریک مرکز دور گم گشتہ ہیں پروانے
 تاظم خود بتاتا ہے ضرورت فرد کامل کی
 تری شاہی کا سکہ ہے سکون قلب مومن کا
 امامت کو حکومت سے جدا سمجھا جدا رکھا
 نہیب جعفریؑ سے آجلال حیدریؑ سے آ
 تفوق نصرت دنیا سے ہے مغرب کو مشرق پر
 جگادے خلق کو خون شہیداں کا عوض لے کر
 دلوں میں بت لیے کرتے ہیں کعبہ کی نگہبانی
 قرینہ ہے کہ بک جائے حرم اغیار کے ہاتھوں
 جگادے داستانِ غم سنا کر خستہ حالوں کی
 ادھر مسمار ہیں قبریں ترے اسلاف طاہر کی

ترے جوہر کو چکاتی تھیں جو ناب شجاعت سے
 رسالت سے مجلی ہے منور ہے امامت سے
 حیات مختصر سے ہو گلہ یا طول غیبت سے
 سکون ہر دل مضطر رہا ہے روز بعثت سے
 کبھی توضیح سیرت سے کبھی تفسیر صورت سے
 امین وحی کا نغمہ اب اسرار قدرت سے
 فضائے غم میں لودیتا ہوا شام مصیبت سے
 اُلجھ پڑتا ہے جہل علم پیغام شریعت سے
 بھٹکتے پھر رہے ہیں منزل شمع حقیقت سے
 کہ دنیا اب سنبھل سکتی نہیں ناقص حکومت سے
 ملے گا تیرے ہاتھوں سے نہیں ملتا جو قسمت سے
 عوض لینا ہے تجھ کو اہل دنیا کی خیانت سے
 بہت کچھ ہو چکی ہیں دعوتیں خلق و مروت سے
 شرف مشرق کو ہو مغرب پہ حاصل تیری نصرت سے
 کہ اب ہر موت کو تعبیر کرتے ہیں شہادت سے
 تمسخر کر رہے ہیں آذری چنداں قدرت سے
 کہ اب تحریم کعبہ گھٹ گئی سکون دولت سے
 لپٹ جا آ کے فرط ناز میں نانا کی تربت سے
 ادھر خالی ہیں نبضیں قوم کی دینی حرارت سے



بجائے نغمہ پیرائی رجز پڑھنے لگا ساقی
 سنا ہوگا زبانِ دوست سے الفقر فخری بھی
 جگر میں سنگِ خارہ کے وہ در آتا ہوا نیزہ
 بنائی ہوگی ان ہاتھوں نے مسجد بھی مدینے کی
 ارے تو بہ وہ میدانِ ونا کی خاک پر سجے
 کسی کا بائکین دیکھا ہے ساقی کی سفارت میں
 کہاں وہ عاصمی خود فٹلی ساحل نشینی کی
 کہاں وہ زیت کی کاوش میں حسرت کوشہ گیری کی
 کہاں وہ زیر دیوارِ حرم بچھا ہوا بستر
 کہاں اک جلوہ گاہِ ناز میں لرزش نگاہوں کی
 مستم ہستی دل ادعاے زندگی برحق
 جہاں اپنے سروں پر اپنی تلواریں برتی ہوں
 جہاں اپنے ہی دل رکھے ہوئے ہوں اپنے نیزوں پر
 جہاں لچھے ہوئے ہوں اپنے ہاتھ اپنے گریباں میں
 جہاں غرقِ عرق ہو ملت بیضا کی پیشانی
 جہاں لڑتے ہوں آپس میں مسلمان قبلہ رو ہو کر
 جہاں جذبات اپنے اپنی فطرت کی مخالف ہوں
 جہاں دل بن گئے ہوں گتھیاں ذہنی تکدر کی
 جہاں پہ درد سر ہو درد دل کا پوچھنا کیا ہے
 یہ مشکل ہو جہاں مشکل میں جب ایسی نزاکت ہو
 کوئی مشکل نہیں مشکل ازل سے سنتے آئے ہیں
 علی کعبہ میں ہیں دربار ہے مشکل کشائی کا
 مقدر نے دیا ہے بے تکلف وہ حسین مطلع

خدا حافظ ہے اب کشتی مئے کی ناخدائی کا
 مگر اس وقت نعرہ یاد ہے خیر کشائی کا
 وہ تھڑانا جبل کا اور وہ کس بل کلائی کا
 ملانا پر نہ بھولے گا بتوں کی کبریائی کا
 تقابل ان سے کیا کیجیے حرم کی جہہ سائی کا
 وہ منظر وہ حیات افروز منظر کج ادائی کا
 کہاں وہ ماکی انداز طوفاں آزمائی کا
 کہاں وہ موت کی بلچل میں جذبہ خود نمائی کا
 کہاں وہ قصد مہر و ماہ تک پرچم کشائی کا
 کہاں تلوار کے قبضہ پہ بوسہ خود ستائی کا
 وہاں کیا کیجیے دشمن جہاں بھائی ہو بھائی کا
 جہاں پر رزم ہو درشن جھروکہ جگ ہنائی کا
 تماشا ہو رہا ہو دست و بازو کی صفائی کا
 جہاں اغیار سے ہو آسرا عقدہ کشائی کا
 تقابل ہو جہاں کافر کے در پر جبہ سائی کا
 جہاں ہو شملہ روموع آپس کی لڑائی کا
 جہاں برپا ہو اک طوفاں احساس ریائی کا
 جہاں ڈھونڈے نہ ملتا ہو کوئی پہلو صفائی کا
 کس واکس کے کاندھے پر ہے جھڑانا خدائی کا
 سہارا ڈھونڈیے کس رہنما کی رہنمائی کا
 علی کی ذات پر ہے خاتمہ مشکل کشائی کا
 مسلمانو چلو موقع ہے قسمت آزمائی کا
 مناسب ہے کہ تاج سر بنے مدحت سرائی کا

ہوا اب خاتمہ جھوٹے خداؤں کی خدائی کا
 نگاہوں کی لطافت سے مرتب شیر کی ہیبت
 جبین سجدہ فرما پر جلالت کی درخشانی
 بدور ہوش ہستی مطلقاً زیر قدم دنیا
 کوئی دیدار پر غش تھا تو کوئی خود پرستی پر
 وہ بندہ ہے دکھا دو علم و دولت کے خداؤں کو
 شعورِ بندگی میں ہے نمودِ صاحبی کتنی
 حکومت اس طرح اللہ کے بندوں پہ کرتے ہیں
 افتخار پر بزمِ مدحت کے وہ مطلع لے کے آیا ہوں
 فلک دینے لگا آنکھوں سے جذبہ ہم نوائی کا
 ابھی چونکا ہے گہری نیند سے اغوشِ قدرت کی
 جلالت نے فضائے قدس میں کیا لوریاں دی ہیں
 وہ نازِ آفرینش جب چلا بزمِ حقیقت سے
 نہیب و ہیبت و اجال و سطوت نے سلامی دی
 ادھر کون و مکاں صدقے اتارے حسنِ فطرت نے
 فرازِ عرش سے بارش ہوئی رحمت کے پھولوں کی
 اسی سچے نے حل کی پہلی مشکل ذوالعشیرہ میں
 سجایا طرہٴ خیر البشر جس دن عمامہ پر
 بدن پر چست آئی کیا قبا من کنت مولا کی
 زمیں پر اس نے اسلامی حکومت کی بنا رکھی
 ہوا یہ گلی ایماں بن کے گلی کفر پر غالب
 نجانے کتنی راہیں کھول دیں تسخیرِ عالم کی
 غریبوں کو مصیبت ہو گئی اسلام کی نعمت

یہ جلوہ ہے تبسم اس کی شانِ کبریائی کا
 نمایاں فاتحانہ رو میں پہلو دلربائی کا
 ہوائے درد میں روشن کنول فرماں روائی کا
 نشانِ حق پرستی فیصلہ ہے اعتنائی کا
 بنایا اس کو آئینہ خدا نے خود نمائی کا
 خدا کہلا کے بھی دعویٰ نہیں کرتا خدائی کا
 نمونہ بن کے دیکھیں اس کے دورِ ارتقائی کا
 حکومت اس نے کی پہلو بچا کر کبریائی کا
 اجارہ مل گیا ملکِ سخن میں خود ستائی کا
 کہا کیا دردِ دل منہ دیکھ کر بھائی نے بھائی کا
 مچلتا ہے ابھی سے ولولہ قدرتِ نمائی کا
 ہمنے کی ادائیں ڈھنگ ہے زور آزمائی کا
 یہ قدرت نے سر پر تاج رکھا حقِ نمائی کا
 یہ الہی نے پروانہ دیا خیر کشائی کا
 ادھر حیرت نے آئینہ دکھایا دل ربائی کا
 زمیں کے فتنے سے نعرہ چلا اس کی دہائی کا
 جوانی آگئی سہرا بندھا مشکل کشائی کا
 دوہلا ہو گیا جلوہ مزاجِ خوش ادائی کا
 ہوا یوں مکملہ کونین کی فرماں روائی کا
 رسول اللہ نے منصب دیا پرچم کشائی کا
 کسی کے فرق پر اب تاج رکھ دو خود نمائی کا
 ہوس کوشوں نے ڈھڑھ لے لیا کشور کشائی کا
 سکونِ قلب رخصت ہو گیا ساری خدائی کا

بگاڑا ظلم نے آخر نظامِ کارفرمانی
وہ جذبے سو گئے عہدِ ستم بیدار تھا جن سے
اصول اسلام کے بدلے زمیں بدلی فلک بدلا
وہ دھوکا بھی نہیں اب جس کو سمجھے تھے حقیقت ہے
یہ مذہک قوم مازش بھی نہیں اب کم نصیبوں میں
مسلمان تھے کبھی دھبہ ہیں اب ہستی کی دامن پر
خدا پر طنز بھی کرنے لگا اب جوش بیتابی
کلیجوں سے دھواں اٹھنے لگے اے ساتی کوثر

رہے گا تا کجا اب جلوہ گر خضرا کے معدن میں
وہ عالم تاب ہیرا تیرے تاج رہنمائی کا



ختمِ غدیر

وہ ماہِ رجب مظہرِ اسرارِ الہی
وہ ایک کے بعد ایک مہِ نور کا آنا
تیرہ وہ رجب کی وہ محبت کا سندیا
آغوش میں بھائی کی وہ ہستا ہوا بھائی
وہ باڑھ پہ آیا ہوا طفلی کا زمانا
بڑھتی ہوئی چڑھتی ہوئی وہ جلوہ نمائی
وہ قوم کی تغیر لڑکپن سے جوانی
وہ دین کی بڑھتی ہوئی رو کفر کا گھٹنا

عصائے آہ سے بدلا عصا فرمانروائی کا
وہ تیور بجھ گئے غزہ تھا جن پر کج ادائی کا
شہنشاہی لیے پھرتی ہے اب کاسہ گردائی کا
بہت دن خواب دیکھا خود پرستی خود نمائی کا
گیا وہ دورِ خوں آشام طاقت آزمائی کا
نوازش کفر کی احسانِ اسلامِ ریائی کا
کہ سماں کفر سے کر دین کی عقدہ کشائی کا
خدا را شور سن ٹوٹے ہوئے دل کی دہائی کا

عالم پہ بہتے ہوئے انوارِ الہی
اللہ کے احسانِ محمدؐ کا گھرانہ
خدمت میں رسالت کی امامت کا سندیا
کاشانہ اسلام کی وہ گود بھرائی
اسلام کی خدمت کا وہ پروان چڑھانا
آغوش سے وہ دوشِ پیہر پہ رسائی
ہوش آتے ہی آتے ہمہ گیری ہمہ دانی
جج کر کے وہ سلطانِ دو عالم کا پلٹنا

بے چتر و ہوا دار وہ شاہانہ سواری
 وہ گرمی رفتار سے گیتی کو تزلزل
 سیلاب کا طوفان کا انداز روانی
 ایمان سے معمور سفینے کے مسافر
 اک ایک جواں مرد عرب رستم دستاں
 وہ درد بدل تیغ بکف زہر و راہی
 گھر کے لیے بے چین در دوست کے زائر
 سورج وہ چمکتا ہوا وہ ٹھیک دوپہری
 ذرے وہ دہکتے ہوئے جلتی ہوئی ریتی
 پھیلا ہوا جنگل میں فرشتہ کا سر رشتہ
 وہ غم کی گزرگاہ پہ دیوار رسالت
 شرمایا ہوا عرش کے ایوانوں کا منبر
 فرمان کے اعلان کی وہ سخت ضرورت
 وہ خوان تولا کے نمک خواروں کی ٹولی
 میدان کو میخانہ بنائے ہوئے میخوار
 آہنگ نیا رنگ نیا ڈھنگ نرالے
 سہجے ہوئے ساقی کی نوازش کا طریقہ
 احساس کے مارے ہوئے ایثار کے روگی
 جرأت کے پرستار محبت کے پجاری
 وہ ساز محبت کا تولا کا ترانا
 دیکھے ہوئے عالم کی سیاہی و سفیدی
 جب پاؤں اٹھائے تو کٹھن دیکھ کے رستا
 سپنوں میں غم عشق کی اک آگ بھڑکتی
 صدقے دل مخلوق فدا رحمت باری
 ماہی نہ مراتب پہ قیامت کا تجل
 آئی ہوئی اسلام پر بھرپور جوانی
 آئے ہوئے مکہ سے مدینے کے مسافر
 تا حد نظر دشت میں نیزوں کا نیستاں
 وہ لفظ مسلمان کا منہم سپاہی
 جیسے غلہ شوق کے اڑتے ہوئے طائر
 تپتی ہوئی کرنوں سے وہ میدان سنہری
 لہرائی ہوئی دھوپ میں اسلام کی کھیتی
 آیا ہوا سرکار کی پیشی میں فرشتہ
 وہ خیر عمل تکملہ کار رسالت
 وہ فرش عباؤں کا وہ پالانوں کا منبر
 اٹھارویں تاریخ کی وہ نیک مہورت
 گزار کو گھیرے ہوئے جزاروں کی ٹولی
 زانو سے وہ زانو کو بھڑائے ہوئے میخوار
 تلوار کے آئینے میں منہ دیکھنے والے
 آنکھوں سے چمکتا ہوا پینے سلیقہ
 دنیائے محبت کے ستارے ہوئے جوگی
 جیسے کسی ساونت کی تلوار دو دھاری
 احرام غم عشق کا قرآن کا بانا
 اخلاص کی زنجیر میں جکڑے ہوئے قیدی
 سودانہ کیا نفس کے ارشاد پہ سستا
 جذبات کو روکے ہوئے ایمان کی شکتی

بکھرے ہوئے اولادِ پیبر کے پریمی
دیوار میں جس طرح پلایا ہوا سیسا
تلوار وہ پہلو میں بغل دہ وہ گلابی
ساقی کی پُر آشوبِ محبت کے دوانے
اڑتی ہوئی مئے اور چھلکتے ہوئے ساغر
خوشبو سے مہکتی ہوئی میخانے کی مٹی
اسلام کی قسمت کا چمکتا ہوا تارا
کونین کی فہرست لیے عقدہ کشائی
زیبا سر پر نور پہ وہ تاج سلونی
توفیقِ خداداد سے ہنستا ہوا کھڑا
اعوان سے انصار سے قرآن کی باتیں
فتراک میں بدر و احد و خندق و خیبر
اسلام کی مشہور فتوحات کا مالک
ماتھے پہ محبت کی حرارت کا پسینہ
من کنت کی بنی سے نکلتا ہوا نغمہ
دو لفظ میں تانوں الہی کا خلاصہ
لنگر کو دو عالم کے سنبالے ہوئے لفظیں
اسلام کی جھگیل کا فرمان سنانا
وہ معنی مولا میں سموئے ہوئے کونین
لے ہوئی قرآن کی حجازی سے غدیری
رکتی ہوئی سانسیں وہ مسرت کے سبب سے
قربان نگاہ تو شوم باز نگاہے

کس در کے بھکاری ہیں تو کس گھر کے پریمی
یہ شانِ وفا ہو جو ہو مطلوبِ علی سا
میدان کے وہ جانباز وہ محفل کے شرابی
اک رشتہ میں گوندھے ہوئے تسبیح کے دانے
سینوں میں دلوں کے وہ لپکتے ہوئے ساغر
مخمور مئے عشق کے ویرانے کی مٹی
دولہا کی طرح بیچ میں ملت کا دلار
ہمراہ عنایتِ نظری راہِ نمائی
وہ علم کی شدت سے ضیا چہرہ کی دونی
دل میں نہ تکرر نہ زباں پر کوئی دکھڑا
روداد نہ حسرت کی نہ ارمان کی باتیں
اس شان کے نچیر ہوئے کس کو ٹیسر
ایماں کے ابھرتے ہوئے جذبات کا مالک
بھائی پہ وہ بھائی کی نگاہوں کا قرینہ
بندش میں لبوں کی وہ مچلتا ہوا نغمہ
تیور بھی نئے لحن کا انداز بھی خاصہ
ہمت کا وہ بل ماتھے پہ ڈالے ہوئے لفظیں
اکملت لکم کا وہ سرِ عرش سے آنا
اک لفظ میں بیدار وہ سوئے ہوئے کونین
ساقی کو ملی خلق کے رندوں کی امیری
میخواروں کی اُچی ہوئی نظریں وہ ادب سے
وہ لطیفِ نظر اس کا خدا خود جسے چاہے



مولائی

سنی مدح علی ہم نے ستاروں کی زبانوں سے
پڑھا ہے ہم نے سولی پر قصیدہ اپنے مولّا کا
گلے کٹوا کے بھی اس منقبت سے ہم نہ باز آئے
زبانیں کٹ گئیں جب مدح کے اقدامِ برحق پر
جلایا اور دشمن کو قصیدہ پڑھ کے سولی پر
نہ چھوڑی مدح کی صورت گری کیسا ہی وقت آیا
ہماری قوم ہی اسلام کی سینہ سپر نکلی
خدا رکھے در دولت نہ چھوڑا ہم نے مولّا کا

خراج منقبت آیا زمیں پر آسمانوں سے
کوئی پوچھے یہ عالم دردِ دل کے نکتہ دانوں سے
علی کے نام کی تبلیغ کی ہے قید خانوں سے
سنایا مطلعِ پُر نور آنکھوں کی زبانوں سے
بہت گزرے ہیں ہنستے کھیلتے ان امتحانوں سے
ولا کے راستہ میں ہاتھ دھو رکھے ہیں جانوں سے
کہیں جب تیر نکلے ظلم و ظلمت کی کمانوں سے
بڑے وزنی پیام آئے تھے دولت کے ٹھکانوں سے

منقبت

جلوہ گر عشق علی مرتضیٰ آنکھوں میں ہے
دونوں عالم نور میں ڈوبے نظر آتے ہیں آج
بے خودی دل نے کس منزل میں پہنچایا مجھے
جس کو قدرت نے چھپا رکھا ہزاروں سال تک
ساعتِ دیدار شاید آگئی بالکل قریب
میں نے بھولے سے بھی دیکھا تھا نہ دنیا کی طرف
لکھ رہا ہوں مطلعِ تیلوہ شاہد کا جمال

میری پوری زندگی کا مدعا آنکھوں میں ہے
کون یہ میرِ عرب رنگیں قبل آنکھوں میں ہے
آج احساسِ شعور ارتقا آنکھوں میں ہے
اے زہے قسمت وہ جلوہ بر ملا آنکھوں میں ہے
اب خدا رکھے دل درد آشنا آنکھوں میں ہے
آج آنکھوں کی حفاظت کا صلا آنکھوں میں ہے
مقطعِ جبلِ اُتیں صلی علی آنکھوں میں ہے

کیوں نہ بر سے میری آنکھوں سے محبت کی شراب سانی تسنیم و کوثر کی ولا آنکھوں میں ہے
ان کا گھر ہے وہ جدھر سے چاہیں گے آجائیں گے
کون جانے راستہ دل میں ہے یا آنکھوں میں ہے



قصیدہ

دماغ و فکر و قسطاس و قلم سے واسطہ سمجھا وہ ہے تامل خدائے دو جہاں کی لامکانی کا
نہ پہنچے مدح کی منزل تک اصحابِ جبر بھی بڑی قیمت ہے ان لفظوں کی جو ہوں صرف مدحت میں
کہی جس بورے پر بیٹھ کر اک منقبت میں نے علی کی منقبت سے فکر بیگانہ رہی جس کی
سخن نبیوں کی محفل میں وہ مطلع پیش کرتا ہوں علی سے جس کو نسبت ہے وہ اپنا مرتبہ سمجھا
تو اے علی سے میں نے دل کو دل بنایا ہے تعجب ہے جو اس کے مرتبہ کو دوست کم سمجھے
ہر اک میدان میں پہلو بہ پہلو جنگ کی جس نے علی سوئے ہیں بستر پر نبی کے جب شبِ ہجرت
یہ ایمانی ترقی اس کی ہی مرہونِ منت ہے نبیؐ سا رہنما پا کر علیؑ سا مقتدا پا کر
نہ سمجھا مدح کی ابجد بھی جب شاعر تو کیا سمجھا جو عرشِ حق کو اہلیت کی دولت سرا سمجھا
ابو ذر ہوں کہ سلماں کون ان کا مرتبہ سمجھا خوشا تقدیر شاعر شعر کا جو مقتضی سمجھا
اُسے میں تحتِ شاہی سے بھی رتبہ میں سوا سمجھا خدا جانے وہ حمد و نعت کا مفہوم کیا سمجھا
جسے میں اپنے نغم مدح گوئی میں نیا سمجھا سخنور اس کے دو کا بادشہ کو بھی گدا سمجھا
اسی منزل میں قدر جو ہر صدق و صفا سمجھا شبِ ہجرت جسے دشمن محمد مصطفیٰ سمجھا
جلالت شاہِ مردان کی وہی مرد خدا سمجھا ملک جبریل سا اس وقت معیارِ وفا سمجھا
کہ انساں ہر نفس کو شاہراہ ارتقا سمجھا میں اک اک زیت کے لمحہ کو انعام خدا سمجھا

رسالت کی ہوئی تکمیل تاہم امامت سے
 سمجھنے میں علی کے صرف کردی زندگی پوری
 مرے بالیں پہ لے آئی محبت ایک دن اس کو
 نقاب الٹا چراغ طور کا اس کی ولادت سے
 علی کے دشمنوں کی مدح سن کر صبر کیا معنی
 امامت کو رسالت سے کوئی کیونکر جدا سمجھا
 بڑی مشکل سے انساں زندگی کا مدعا سمجھا
 جسے میں درد سمجھا تھا دم آخر دوا سمجھا
 کوئی سمجھا اسے جلوہ کوئی جلوہ نما سمجھا
 غلط سمجھا اگر یہ مصرف صبر و رضا سمجھا
 رہا محروم دو دن بھی جو شغل مدح کوئی سے
 اُسے اے جہم میں اپنے گناہوں کی سزا سمجھا



منقبت

خدا کا گھر در دولت ہے دارائے امامت کا
 پجاری لڑہ بر اندام ہیں اور بت ہیں سکتہ میں
 وہ صدیوں کی خدائی باتھ سے جاتی ہے کچھ دن میں
 نہ ہوگا فاتحہ خواں جن پہ کوئی یہ وہ قبریں ہیں
 صدا ہو ہر شکست بت میں شاید کوس رحلت کی
 سہارا دینے والے خود گناہ گاروں میں نکلیں گے
 بنایا خیر مقدم کو نیا در اس نے کعبہ میں
 خبر اک بار دیوار حرم کو توڑ کر نکلی
 خدا و مصطفیٰ کا عہد پورا ہونے والا ہے
 خدا کو پھر خدا کے گھر پہ یہ قبضہ دلائے گا
 کہ لہراتا ہے اب پرچم یہ الہی حکومت کا
 بہت اترا ہوا چہرہ ہے ہر مٹی کی مورت کا
 نظر آتا ہے سایا سا کسی کے دست قدرت کا
 یہ صورت ہے کہ ہر بت میں ہے عالم سب تربت کا
 عرب کی سرزمین سے آگیا وقت دن کی رحلت کا
 جنازہ اٹھنے والا ہو گناہوں کی شریعت کا
 شگاف خامہ کن ہے نمونہ جس کی قدرت کا
 کہ اندازہ ہو دنیا کو مشیت کی مسرت کا
 گواہی دینے والا آگیا عہد رسالت کا
 کسے معلوم کیا ہوگا صلہ اس حسن خدمت کا

یہ نعمت مقصدِ اسلام ہے جانِ رسالت ہے
یہ مصحف آگیا دنیا میں اس قرآن سے پہلے
جسے سینہ سے لپٹائے ہوئے لاتے ہیں پیغمبرؐ
وہ بندہ ہے عوض لے گا بتوں سے ہت پرستوں سے
تعجب کیا خطاب آیا جو وجہ اللہ کا اس کو
بگاڑے ہیں اسی کے ہاتھ نے انعام کے چہرے
کہا ہوگا اسی کے منہ سے حرفِ کن مشیت نے
اسی کے ہاتھ نے تعمیر تہذیب و تمدن کی
زمانے کی سیاست سے نہ تو اس کے اسوہ کو
مقامِ ضبط کو سمجھو جہاں صبر کو دیکھو
سزا دی سرکشوں کو بزدلوں کی بخش دیں جانیں
زبانِ علم سے پوچھو جہاں علم سے پوچھو
جنہیں تم علم و فن کہتے ہو خانہ زاد ہیں اُس کے
کوئی لمحہ نہ تھا اس کا رفاہِ خلق سے خالی
فرشتوں نے شبِ ہجرت کہا ہوگا یہ آپس میں
عبادت کی فضا میں جاگنے والے کو نیند آئی
علیٰ کہنا زباں سے کس قدر آسان ہے لیکن
علیٰ کے نام سے رونق کہیں آتی ہے چہرے پر
اندھیرے سے نکل کر اب یہ دنیا بھول بیٹھی ہے
شریعت کے خداوندوں میں سرگرداں ہوں مدت سے
بہت اس بات ممکن کی قوم میں ہیں آج بت خانے
اسی دن کو ہوئی تھی خم میں کیا محکمیلِ نعمت کی
اسی خاطر مثالیں اس نے مزدوری کی چھوڑی تھیں

کہ ہے جس کے لیے پھیلا ہوا دامن رسالت کا
کہ جس قرآن میں آئے گا حکم اس کی محبت کا
خاصہ ہے یہی اللہ و پیغمبرؐ کی قوت کا
حریمِ بندگی حق میں سرِ قد کا خیانت کا
کہ چہرہ خود پتہ دیتا ہے شایانِ ریاست کا
بنایا ہے اسی کے ذہن نے آئینِ فطرت کا
اشارے سے بدل دیتا ہے جو قانونِ قدرت کا
وہی دنیا میں خالق ہے شعورِ آدمیت کا
سیاست اس کی آئینہ ہے قرآنی صداقت کا
درِ خیبر سے اندازہ نہ کرنا اس کی قوت کا
شجاعانِ جہاں دیکھیں یہ مصرف ہے شجاعت کا
زمانہ کس قدر ممنون ہے نوحِ البلاغت کا
مگر وہ علم و فن جن سے علاقہ ہے شرافت کا
لیا ہے جائزہ تاریخ نے اک ایک ساعت کا
یقیناً آدمی تھا مستحقِ تاجِ خلافت کا
نئے پہلو سے جاگا ہے مقدرِ شامِ ہجرت کا
دلِ انساں تصور کر نہیں سکتا جلالت کا
کہیں یہ نام سن کر رنگ ارجاتا ہے صورت کا
وہ دنیا میں جہانِ کر گیا ہے علم و حکمت کا
کوئی ہلکا سا اک پر تو دکھا دے اس کی سیرت کا
غرورِ علم کا بت ہے کہیں پندارِ دولت کا
تسلطِ نعمتوں پر ہے خداوندانِ نعمت کا
کہ جذبہِ پالے دل میں غریبوں سے کراہت کا

اڑ اچھا لیا ملت نے فرمانِ مودت سے کہ آپس میں چلن ہی اٹھ گیا مہر و محبت کا
جنابِ جحّم یہ اندازِ مدحت کیا پسند آئے
ابھی دنیا کو اندازہ نہیں لطفِ حقیقت کا



منقبت

اندھیرا تھا اجالا ہو گیا مرضی داور کا
مجھے دل میں نظر آیا وہ جذبِ مدح حیدر کا
فتابِ رخ جو الناصح عاشورہ کے منظر کا
اذاں ایسی جواں قامت نہ پھر سننے میں آئے گی
امامت خلقتاً محدود تھی بارہ اماموں تک
خبر دیتا ہے قرآن اپنے لفظوں اپنے لہجے سے
جہاں میں وحدتِ عزم و عمل نے پھر نہیں دیکھا
کہاں اپنی نظر اس جلوۂ معصوم کے قابل
جلالت کی فضا سے اک عجب ماحول بنتا ہے
مجھے جانا ہے ذکر و فکر سے آگے مرے مولّا
علی کا نامہ سرنامہ بنا جب گن کے دفتر کا
کہ جادہ دے دیا ذوقِ سخن کو زندگی بھر کا
مری پلکوں پہ روشن تھا ستارہ دیدہ تر کا
شباب اکبر کا تھا گویا شبابِ اللہ اکبر کا
کیا دنیا نے یوں تقسیم جیسے مال ہو گھر کا
یہ اندازِ تکلم ہے لسانِ اللہ کے گھر کا
نمونہ جو زمین کربلا پر تھا بہتر کا
دعا دے جائیں گی آنکھیں فتابِ رخ اگر سر کا
جہاں میں نام لے لیتا ہوں عباسِ دلاور کا
سہارا چاہتا ہوں اک نگاہ بندہ پرور کا

نمازِ مدح پڑھتا ہوں موذت کے مصلے پر
دکھا دو جحّم دنیا کو یہ رتبہ ہے سنخور کا



عرفان ابوطالبؑ

کوئی مانے نہ مانے آج ایمانِ ابوطالبؑ
اگر ہو جستجو میں رہبری اخلاص کی شامل
پیغمبرؐ کی جگہ خطرے میں ڈالا اپنے بچوں کو
نبیؐ سے کوئی پوچھے کتنے جانبازوں کے حلقہ میں
زباں پر اپنی کلمہ چشمِ پیغمبرؐ میں کچھ آنسو
کچھ اس انداز سے ختم رسالت کی حفاظت کی
علیؑ سوئے ہیں مکتی مرتبہ فرشِ پیغمبرؐ پر
خدا کو ہے خبر شعبِ ابوطالبؑ کی نسبت سے
نگاہِ حق شناس اور عقلِ صحت مند سے پوچھو
کسی کا شک جب آیا بحث میں جی پھوٹ جائیں گے
عقیدت ہے مجھے اے نجمِ پورے خانوادے سے

مگر اسلام ہے تاریخِ احسانِ ابوطالبؑ
بہ فیضِ جستجو ہوتا ہے عرفانِ ابوطالبؑ
ذرا دیکھ اے مسلمانِ شانِ ایمانِ ابوطالبؑ
رہے شعبِ ابوطالبؑ میں مہمانِ ابوطالبؑ
دمِ آخر بہت تھا سازو سامانِ ابوطالبؑ
خدا سے جیسے تھا کچھ عہد و پیمانِ ابوطالبؑ
ہوئی قربان کتنی مرتبہ جانِ ابوطالبؑ
ریاضِ خلد میں کتنے ہیں ایوانِ ابوطالبؑ
ملیں گے کم جہاں میں مرتبہ دانِ ابوطالبؑ
خدا را بحث میں لاؤ نہ ایمانِ ابوطالبؑ
خدا کا شکر ہے میں ہوں ثنا خوانِ ابوطالبؑ

منقبت

تیرھویں رجب کی رات

دیدنی تھی وقت کی صورت گری کل رات کو
ہو گیا برہم سکونِ جلوہ زارِ حسن بھی
رند و زاہد متحد شیخ و برہمن متفق
جاوداں سی ہو گئی تھی زندگی کل رات کو
عشق کی قسمت سے وہ محفلِ جمی کل رات کو
اللہ اللہ زورِ سلج و آشتی کل رات کو

آدمی تھے یا فرشتوں کے مقدس بھیس میں
 محتسب کی چیرہ دستی رہ گئی منہ دیکھ کر
 زہدانِ خشک تھے ہاتھوں پہ دل رکھتے ہوئے
 پتھروں کے سخت سینوں سے اگلوائے ہیں دل
 ہر پرستارِ محبت بندہ آزاد تھا
 ہوش والے زندگی کی چاندنی سمجھیں گے کیا
 اک تجلّی کی حمنا اک تمنا کا غرور
 ہر تلفظ میں ترنم ہر سخن میں شعریت
 جمع تھے قافیاں و عرقی ظہیر و انور
 وہ مرا ہر شعر موج کوڑ و کوڑ نژاد
 سر پہ کج تھا تاجِ مدحت اور مرے قدموں میں تھی
 مجھ کو تھا حکمِ طلب یا کان بجتے تھے مرے
 اے تعالیٰ اللہ شانِ ابتلائے انتظار
 ایک ہنگامہ فضائے عالمِ اجسام میں
 لڑکھڑاتے گر پڑے سجدے میں اصنامِ حرم
 طینتِ فاضل کی رگ رگ میں خلوصِ ماکلی
 مل اتنی کی شان نے دیکھا سنور کر آئینہ
 حکمِ بلیغ عالمِ اسرار میں بے چین تھا
 صبح دم وہ ناصرِ دین خدا آہی گیا
 کوچ اٹھی تھی صدائے یاعلیٰ کل رات کو



منقبت نغمہ مستانہ

آج گھٹا کیا جھوم کے اٹھی کعبہ کا پردہ چوم کے اٹھی
 مے جھومی پیانہ جھوما سارا ہی میخانہ جھوما
 ہر میکش آفاقی جھوما محفل جھومی ساقی جھوما
 برابط جھومے مطرب جھومے فرد گنہ کے کاتب جھومے
 مست آنکھوں کے آہو جھومے شانے جھومے گیسو جھومے
 شب کے راک سہانے جھومے شعلوں میں پروانے جھومے
 ساری بلندی پختی جھومی ذرہ ذرہ ہستی جھومی
 چرخ بریں کے تارے جھومے جنت کے شہ پارے جھومے
 مذہب کے دیوانے جھومے تسبیحوں میں دانے جھومے
 درد کی منزل والے جھومے دل جھومے دل والے جھومے
 رحمت حق کا بادل جھوما عرش پر عقل اول جھوما
 آج گھٹا کس شان سے اٹھی کس دل کس ارمان سے اٹھی
 اٹھی اور فضا میں پھیلی خوب آغوشِ عبا میں پھیلی
 دشت میں پہنچی کوہ میں پہنچی خلوت میں انبوہ میں پہنچی
 خندق کے میدان کو تاکا خیبر کے سامان کو تاکا
 بدر و احد کا نقشہ سمجھا دم بھر دیکھا بھالا سمجھا
 دل میں دل کی تمنا مچلی منزلِ خم پر کیا کیا مچلی
 غارِ حرا کا گوشہ دیکھا نورِ خدا کو تنہا دیکھا
 دنیا سے منہ موڑ کے ٹھہری دستِ ادب کو جوڑ کے ٹھہری

لگائے پھرتے ہیں قرآن کو جو سینوں سے
ادب نواز نہ ہوتا جو بابِ علم نبیؐ
صحیح پڑھتا نہ قرآن کی آیتیں کوئی
علیٰ کی مدح میں چپ رہ گیا پہنچ کے وہاں
خدا سے ربط نہ ہوتا بغیر عزت کے
جگہ فروزق و دُہلی کی جہم کو ملتی

وہ کاش صرف موڈت کے نکتہ داں ہوتے
یہ زور و شور زبان و بیاں کہاں ہوتے
جو علمِ نحو میں مولانا دُرُنشاں ہوتے
جہاں مجھے مرے الفاظ بھی گراں ہوتے
اگر ہزار بھی قرآن درمیاں ہوتے
قریب طائرِ سدرہ کچھ آشیاں ہوتے

منقبت

تیری خاطر نذر لایا ہوں ولائے بوترا ب
اے اسیرِ آب و گل نا آشنائے بوترا ب
سجدہ گاہِ حسنِ روئے حق نمائے بوترا ب
ذرا نا چیز ہوں ذروں میں گلِ جاؤں گا
صف شکن مشکل کشا اہلِ قلم معمارِ قوم
ان کا جلوہ کبریائی میری نظریں متضلل
نامِ منبر سے جدا ہے میٹھی منبر کی شان
راہ میں آہی گیا ورنہ حقیقت کچھ نہیں
یہ شبابِ شعرو نغمہ یہ صدائے لافتا
اس کے دروازے کی چوکھٹ تک رسائی ہے تری

اے خدائے عشق برحق اے خدائے بوترا ب
خاک ہے اس زندگی پر بے ولائے بوترا ب
بوسہ گاہِ عشق دامنِ قبائے بوترا ب
ہے کہیں میری جگہ اے خاک پائے بوترا ب
اللہ اللہ بازوئے زور آزمائے بوترا ب
دیکھتا کیا نزاع کی مشکل میں آئے بوترا ب
دار پر ہوتی ہے تفسیرِ ولائے بوترا ب
کیا درِ خبر پہ قوت آزمائے بوترا ب
مرحبا اے عندلیبِ خوش نوائے بوترا ب
آ قدم لے لوں میں تیرے اے گدائے بوترا ب

وہ زباں داں محبت ہے خدا کے فضل سے
جہم کا ورثہ ہے اندازِ ثنائے بوترا ب

منقبت

جب سے درِ علی پر نگر گداگری ہے پیشی میں دست بستہ دنیا کھڑی ہوئی ہے
 خلقِ محمدیؐ ہے شمشیرِ حیدرؑی ہے آباد یہ گھرانا کس چیز کی کمی ہے
 اب نزع کی ہے ساعت اور لب پہ یا علی ہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ حرفِ آخری ہے
 مولّا کو جانتے ہیں پہچانتے نہیں ہیں آنکھوں کا دوش کیا ہے ذہنوں کی مفلسی ہے
 اب خاک مل گئی ہے خاکِ درِ نجف میں وہ بندگی تھی اور یہ مفہومِ بندگی ہے
 خاموش تھا میں اب تک اب چیخ اٹھوں گا یارب سب کچھ میں کھوپکا ہوں نسبت پکی ہوئی ہے
 توحید کی ہے محفلِ بدنامِ فرقہ بندی قرآن کی سورتوں میں اخلاص کی کمی ہے
 بادہ وہی غدیری نقہ وہی فقیری ہم رند ہی نہ بدلے دنیا بدل رہی ہے
 میخانہ نجف سے جنت میں بھیجتے ہیں کیوں اے مئے تولا میری جزا یہی ہے
 دیوانہ ہوں علی کا اب مجھ سے کچھ نہ پوچھو اب عشق میں اضافہ اور عقل میں کمی ہے
 دامن سے منسلک ہیں جذب و سلوک دونوں تکیہ ہے خاک پر یا مسند بھیجی ہوئی ہے
 آئے فرشتے اس کے در پر سوال کرنے انسانیت نے اس کے گھر میں پناہ لی ہے
 سلجھے گی یہ کسی دن پوچھو لسانِ حق سے اب تک صدائے گن کی گتھی پڑی ہوئی ہے
 میں نے درِ نجف پر سر رکھ دیا ہے اپنا دنیا گناہ سمجھے نیت ثواب کی ہے
 میخانہ نجف سے جنت میں پہنچتے ہیں
 کیا جرم ہے محبت جس کی سزا ملی ہے



منقبت

اس ذات کی مدحت میں رواں میرا قلم ہے
دنیا میں وہ پیرایہ تکمیل رسالت
انداز سرِ شام سے بدلا ہوا شب کا
صورت گرِ آئین خوش انجام کی آمد
کعبہ کی طرف دل کے تقاضوں کا اشارا
توفیقِ خدا دامنِ باندھے ہوئے رشتے
ماحول کی تسکین کو فطرت کے دلا سے
اُترا ہوا ہر اک بتِ طراز کا چہرہ
تیرہ وہ رجب کی وہ محبت کا سندھیہ
محفوظ رہا نام بھی وہ حق کا ولی ہے
کونین سٹ آئیں نہ کیوں راہ گزر میں
احساس معطل ہے یہاں ہوش و خرد کا
کس شان کا انسان ہے کس شان کی خاطر
آئینہ در آئینہ ہے فطرت کا محافظ

پہلا بھی اور آخر بھی جو مولودِ حرم ہے
رحمت کے تسلسل کی وہ تاریخِ جلالت
سرسجدہ میں رکھے ہوئے وہ چاندِ رجب کا
اعنام کے نرغہ میں وہ اسلام کی آمد
جذباتِ مودت کا وہ بڑھتا ہوا دھارا
دربارِ یدِ اللہ کا پہرے پہ فرشتے
کھسار لرزتے ہوئے آمد کی فضا سے
بگڑا ہوا مستقبل بت ساز کا چہرہ
خدمت میں رسالت کی امامت کا سندھیہ
اس سلسلہ نور کا پہلا یہ علی ہے
یہ پہلی ہی تقریب ہے اللہ کے گھر میں
اللہ لپہ خانہ ہے یہ بیتِ اسد کا
بنوایا تھا گھر اپنا اس انسان کی خاطر
انسان ہے انسان کی عظمت کا محافظ

منقبت

مسکراتے ہیں نبی کعبہ کا حاصل دیکھ کر
عشق نے سر رکھ دیا قدموں پہ منزل دیکھ کر
صورت و سیرت میں خود اپنا مقابل دیکھ کر
حسن نے دل دے دیا انسان کا دل دیکھ کر

دین حق نے سانس لی دنیا میں آزادی کے ساتھ
 اک نبی تھا اک ولی تھا حق کی قرباں گاہ پر
 کر گیا تظہیر کعبہ حسن مولود حرم
 یا علی تھے یا محمد چودھویں معصوم تک
 قصر لرزے بت گرے سینوں میں دل تھرا گئے
 چل پڑا اس کے اشارے پر سفینہ شکر کا
 ایک دل والے نے اپنا دل بھی شامل کر دیا
 مشتری ہے خود ازل سے خالق جن و بشر
 دستِ ہمت پر تصدق ہو گئیں آسمانیاں
 خم کا وہ منبر وہ چاند آگے وہ پیچھے آفتاب
 سر جو چوکھٹ پر نجف کی رکھ دیا نیند آگئی
 مشکلیں دنیا کی اور مشکل کشا ہے التماس

کافری نے کروٹیں لیں اپنا تاقل دیکھ کر
 مسکرایا دیر تک بھل کو بھل دیکھ کر
 ذرہ ذرہ کو خراب نقشِ باطل دیکھ کر
 ہر خالق تھم گیا تحصیل حاصل دیکھ کر
 ایک ٹھوکر ماردی دنیا کو غافل دیکھ کر
 درد کا بے تھاہ دریا غم کا ساحل دیکھ کر
 ایک دل کو ساری دنیا کے مقابل دیکھ کر
 ان کی چاہت دی بشر کو بھی مگر دل دیکھ کر
 حل مشکل دیکھ کر حائل مشکل دیکھ کر
 محو حیرت ہو گئی محفل کی محفل دیکھ کر
 پاؤں پھیلائے تولد نے بھی منزل دیکھ کر
 چھانٹ لی ہر ایک مشکل اس کے قابل دیکھ کر

منقبت

اے صلی علیٰ جلوہ جانانہ علی کا
 دشمن ہوں کہ ہوں دوست دعا دیتا ہوں سب کو
 جبریل حضوری میں ہیں میں دور ہوں لیکن
 ممنون ہے امداد کا ہر ایک پیغمبر
 کہتی ہے جسے فکر و نظر نوح بلاغ
 کعبہ میں ولادت ہوئی مسجد میں شہادت
 حق یہ ہے کہ سرکار نبوت کے سوا حچم

قرآن ہی قرآن ہے افسانہ علی کا
 اللہ بنا دے تمہیں دیوانہ علی کا
 میں بھی ہوں ترپتا ہوا پروانہ علی کا
 مذکور ہے افسانہ در افسانہ علی کا
 رندوں کی زباں میں ہے وہ میخانہ علی کا
 اللہ کا گھر بن گیا کاشانہ علی کا
 معیار فضیلت کوئی سمجھا نہ علی کا



منقبت

فراریوں سے ہے غفلت نہ دُھیوں سے غرض
نہ ہوتا راہ نما گر علی کا علم و عمل
خدا نے خود عیب ہجرت علی پہ ناز کیا
جو لوگ کرتے ہیں بلغ کی اور کچھ تفسیر
مخالفوں کو یہ توفیق ہی ہوئی نہ کبھی
زہے مراتب و اعزاز اہل بیت نبیؑ
مباہلہ سے وہ باز آگئے بہ خیر سبھی
کہاں وہ خاک کے پتلے کہاں یہ نور خدا
نہ بچتا ایک مسیحی جو بددعا کرتے

قصیدہ

حسن کی ہے جلوہ گاہ عشق میں ہوں نعرہ زن
زلد شب زندہ دار دیکھ مری زندگی
جھ کو خبر بھی نہیں کب سے ہے نکھی ہوئی
نہد ریائی ہے اور نغمہ سرائی ہے اور
میرے تخیل میں ہے مدح کی وہ چاندنی
ناز تو لا کہاں زعم مصلا کہاں
ہیں مرے صوم و صلوٰۃ ذکر حسین و حسن
ہے اسی تسبیح میں راز زمین و زمین
تیرے مصلے کے پاس میری بساطِ سخن
وہ ہے تری حسنگی یہ ہے مرا بانگین
بستر راحت کوئی جیسے کنارِ لب
میں ہوں سخن برزباں تو ہے سخن در دہن

عرش سے لانے کو ہوں فرش پہ کچھ آیتیں
 نعمۂ جبریلؑ ہے مطلعِ تازہ میرا
 منزل مقصد میں ہیں ایک حسین و حسن
 شرح جمیل و جمال معنیٰ حسن و حسن
 پہلا مرقع ہے تو مقصدِ کونین کا
 کس کی یہ طاقت کہ ہو جھ پ کوئی حرف زن
 وزن میں کچھ کم نہیں تیرا جہادِ خموش
 تختِ حکومت پہ ہونگ حکومت کوئی
 مصحفِ عصمت کی کو نازِ رسالت کا دوش
 نائیتِ اہل انا تیری غذائے لطیف
 تیری نگاہوں کا نور جلوۂ خلقِ عظیم
 صبر کی مظہر ہوئی فرض شناسی تری
 عیشِ فدا غمِ فدا ہستی آدمِ فدا
 خوانِ کرم کا ترے ہے وہ اک ادنیٰ فقیر
 دیکھ کے ابناء ست ہے نبضِ سخن
 کون ترے حلم کا اہل تھا اس دور میں
 سلح پہ بھی معترض جنگ پہ بھی معترض
 تیری شجاعت میں شک جس کو ہو بزدل ہے خود
 دست و بغل ہے تو ہیں جادۂ شمسیر سے
 سامنے ہے کربلا دیکھ لیں اہل نظر
 معجزۂ نفس تھا تیرا قرار و قیام
 شامِ غریباں بنی جب تیری صبحِ وطن



منقبت

پائی تھی نہ قرآن نے ابھی صورت فرماں
پردے میں تھا پر واقف اسرار تھا ہر لفظ
حرفوں کو مسرت کہ میں لفظوں سے مشرف
وقت آیا کہ جبریلؑ بھی پھولوں نہ سائے
دوسطریں یہ آیت کی تھیں ایماں کا خلاصہ
جس کے لیے مخصوص تھا یہ فخر یہ اعزاز
وہ شکر بہ لب عالم اسلام کی تاریخ
تاج سر تقویم وہ تقدیر کی ساعت
لرزاں وہ فضا میں سحر نور کا آنچل
وہ کیف کا عالم نہ اُجالا نہ اندھیرا
وہ اک خمِ تعظیم دو عالم کی نظر میں
دنیا میں ظہور شرف مریم و سارا
شاعر کی زباں منزلِ افسانہ رحمت
وہ گردشِ ساغر میں شریعت کی روانی
فردوس بکف گلشنِ شاداب تولا
اک اک شجرِ رونق صد وادیِ ایمن
بلبل کی زباں پر وہ قصیدہ کا ترنم
ہر بات میں پاسِ ادب و حفظ مراتب
انسان سے کیا اس کے مراتب کا بیاں ہو
خدمت کے لیے آئے ہوئے روحِ امیں تک

بے چین تھا ادھ بیچ میں تظہیر کا اعلاں
ہر لمحہ پہ بول اٹھنے کو تیار تھا ہر لفظ
آیت کی صدا تھی کہ ہوں تاجِ سرِ مصحف
قرآن پہ تظہیر کی چادر لیے آئے
قرآن تھا رطل اور یہ قرآن کا خلاصہ
تاریخ ہوئی اس کی ولادت سے سرفراز
اسلام پہ اللہ کے انعام کی تاریخ
شہزادی کونین کا ہنگامِ ولادت
پھیلا ہوا جنت کی کسی حور کا آنچل
دنیا میں وہ اسلامِ حقیقی کا سویرا
پہلی وہ خوشی بانی اسلام کے گھر میں
تقدیرِ امامت کی نبوت کا سہارا
محفل میں پھلکتا ہوا پیانہ رحمت
میخانے میں کوثر کا برستا ہوا پانی
صلوٰۃ کا غلِ نغمہ اسبابِ تولا
خوشبو سے مہکتا ہوا پھولوں کا نشیمن
جاگی ہوئی کلیوں کا متانت سے تبسم
مدحت کی تلاوت میں وہ آوازِ مناسب
اے صلی علیٰ گیارہ اماموں کی جو ماں ہو
بیٹھی ہوئی اک ڈاک فرشتوں کی زمیں تک

بیت سے جگہ چھوڑ کے بٹتا ہوا باطل
 احسان ہے اس کوہر پاکیزہ صدف کا
 آئینہ کردار میں تنویر پیہر
 کیا طبقہ نسواں کی ہدایت کا ہے سماں
 کونین ہیں زہرا کے اس اعزاز پہ ششدر
 موجود پیہر بھی ہیں اور اس پہ یہ رفعت
 اسلام کی تنظیم ابھی تک تھی ادھوری
 ہے اس کی ولا خلد میں جانے کا ذریعہ
 منصب نہ ہی پھر بھی کیا کار نبوت
 جاری ہیں ہر اک دور میں قدرت کے فرامین
 نسواں میں ہے تبلیغ کے دستور کی خالق
 مالک ہے وہ کونین کی کچھ اس میں ہے شک بھی
 دربار خلافت کا تھا بیچ اس کی نظر میں
 آواز بھی اس کی نہ گئی کوش جہاں میں
 لہجے کی وہ حکمین وہ تقریر کے تیور
 دامن پہ حکومت کے رہا داغ فدک کا
 اُمت ترے صدقے گل ریحان پیہر
 فطرت ہمہ تن کوش ہے ہاں اور نہیں پر
 تخلیق کے منشور کی اے آیت محکم
 قرباں ترے شہزادوں پہ جنت کے چمن ہیں
 عزت میں پیہر کا الم ہو گیا تازہ
 جس شب کو مدینہ میں اٹھا ترا جنازہ



منقبت

میرا مطلع ہے طلوع آفتاب معرفت
 کیا عجب ہے حسن کی شہرت جو عالم گیر ہے
 شہرِ یارِ سلح کا مسلک گریباں گیر ہے
 آیہ تظہیر میں شامل ہے اس کا ذکر کیا
 بانی اسلام سے اس زباں کے کیوں نہ لے
 معتبر ہے اس کے جلمے سے کتاب کائنات
 کل علی تھے آج ہیں دوش پیہر پر حسن
 اے مسلمان منزلت اس خانوادہ کی نہ پوچھ
 آج بھی اس کے گھرانے کی شجاعت کے طفیل
 اس کے صدقے میں ملا ہے منصب انسانیت
 روح آزادی فدا اس پائے در زنجیر پر
 جس زباں کا روزمرہ بھی ہے قراں کی مثال
 دل جگر کے اس نے ٹکڑے رکھ دئے بنیاد میں
 اس خوشی کے دور میں ذکر مصائب کیا کروں
 عظمت اس معصوم کی انساں سمجھ سکتا نہیں
 وہ اگر چاہے بدل سکتا ہے تقدیری نظام
 اس خلافت کی حقیقت کیا ہے اس کے سامنے
 اس کی سلح بر محل کا بھی ہے آوازہ وہاں
 اہل ایسی منزلت کا ہر کس و ناکس نہیں
 اس کے نام پاک کی تاثیر کا کیا پوچھنا

حسن کی تصویر ہے اور عشق کی تفسیر ہے
 یہ خدائے حسن کے محبوب کی تصویر ہے
 آج کس کس ذہنیت میں امن کی تدبیر ہے
 میرا شہزادہ سراپا آیہ تظہیر ہے
 جس زباں سے اعتبارِ نعرہ تکبیر ہے
 ہر ورق پر حسن کی اک منفرد تصویر ہے
 اب حسین آنے کو ہیں کچھ دن ہی کی تاخیر ہے
 اللہ اللہ دوشِ فخر نبیا جاگیر ہے
 اس نئی دنیا میں ذکرِ جوہر شمشیر ہے
 اس کا احساں گردن انساں میں اک زنجیر ہے
 اس کی الفت جس کسی کے پاؤں کی زنجیر ہے
 اُس زباں کو ان لبوں سے نسبتِ تقریر ہے
 کیا یونہیں کاملِ خدا کے دین کی تعمیر ہے
 منقبت ہے یا صدائے نالہ شب گیر ہے
 کیا خبر انسانیت کو کیا حد تظہیر ہے
 اس کی انگلی رہنمائے خامہ تقدیر ہے
 جب لامت اور رسالت اس کی اک جاگیر ہے
 جس جگہ آوازہ جہلیل ہے تکبیر ہے
 عشق ہے محدود اس کا حسن عالم گیر ہے
 جس کے مداحوں کے ایک اک لفظ میں تاثیر ہے

جینے والو ایسا موقع ہاتھ سے جانے نہ دو کوئی اس پر جان دینے کی اگر تدبیر ہے
فصلِ خالق سے مرے افکار میں اشعار میں فلسفہ ہے تجم غالب کا زبان میر ہے



منقبت

اسلام کی تاریخ کا وہ عہد یگانہ دنیا میں وہ قرآن اُترنے کا زمانہ
مرکز سے وہ الطاف و عنایت کی بارش وہ بانی اسلام پہ آیات کی بارش
تخمور عبادت سے نضا شام و سحر کی دنِ تیشگی صوم کا شبِ دیدہ تر کا
ڈوبا ہوا نصفِ رمضان نور کی رو میں خیر و برکت ماہِ دو ہفتہ کے جلو میں
اہروں پہ لیے چاند کو گردوں کا سمندر پھولا ہوا جس طرح کنول تال کے اندر
آنکھیں کبھی کھولے کبھی موندے ہوئے تارے سب وقت کی مایا نہ ہمارے نہ تمہارے
تشیخ میں جلیل میں گم بوذر و سلماں بھولے ہوئے اپنے کوریاخت میں مسلمان
آیاتِ الہی سے بھری قلب کی جھولی آوازِ پیغمبر کی اور اللہ کی بولی
الفاظ کے پیکر میں وہ معنی کی تجلی فرمان کا فرمان تسلی کی تسلی
تخیل سے آگے کبھی انسان کی منزل ہر گام پہ ہر سانس پہ قرآن کی منزل
ابجد کو شرف ناز لسانِ عربی کو تسلیم سماعت کی زبانِ عربی کو
لہجہ میں مٹھاس اور زبانوں میں لطافت رگ رگ میں سمائی ہوئی روزوں کی حرارت
پکھلی ہوئی شمعوں کی طرح قلب میں نرمی روزوں کی حرارت میں عرب دیس کی گرمی
دنیا میں وہ اک طفلِ حق آگاہ کی آمد وہ سلح کے شہزادہ ذی جاہ کی آمد
عالم میں وہ تبلیغِ شریعت کا تسلسل دس بیس گھرانوں پہ تولد کا توکل
وہ خلق کی تسکین مروت کا دلاسا اللہ کے محبوب پیغمبر کا نواسا

جس نے دلِ ملت میں محبت کا بھرا رنگ
 آغوشِ پیبرؐ میں اثرِ حسن کا دونا
 اللہ نے قرآن کی طرح نام اُتارا
 اللہ نے چاہا جسے اس نام کے صدقے
 تصویرِ جواں مردیٰ تسلیم و رضا کی
 آنگن میں جو مسجد کے نہ تھا کھیلنے والا
 ملت کی شہِ نازِ جوانی پہ جب آئی
 تھلیدِ محمدؐ تھی جو تائیدِ علیؑ تھی
 جو دستِ رسالتؐ سے حدیبیہ میں جلی تھی



منقبت

مرا دل فدائے امامِ حسنؑ ہے
 جو وانجرِ چہرہ ہے والیلِ گیسو
 وہ دوشِ پیبرؐ پہ جلوہ نگن ہیں
 حسین و حسن کی محبت میں گزرے
 مری جنگ یا سلح کچھ ہو کسی سے
 بنامِ حسین اور بنامِ حسن ہے
 بہت کچھ سنے گا بہت کچھ سہے گا
 کہ حُجّمْ سَخْنُورِ غلامِ حسن ہے



منقبت

صورت ہے ایک حُسن کہو یا حُسن کہو
 خالی ہیں جامِ نغمہ نہ گھٹ جائے میکشو
 آفاق میں علی کا ولی عہد آگیا
 رحمت کی ہے یہ شان کسی کو خبر نہ تھی
 اک دن یہ ہوں گے دوش پیبرؑ پہ جلوہ گر
 بڑھ جائے گی کچھ اور بھی کعبہ کی آب و تاب
 کیا انتظار ہوگا نہ ماں باپ کو مگر
 یادِ خدا میں کٹ گئے دن انتظار کے

خالقِ نجات

پردہ تھا اک ازل کا زمیں تھی نہ آسماں
 جنبش نہ اضطراب نہ لرزش نہ احتجاج
 کیونکر کہوں کہ معنی بے لفظ تھے محیط
 شاعر اگر غبار کی دنیا کہے اسے
 اس سے بلند جا نہ سکی فکر آب و گل
 کب قدرتِ نگاہ ہوئی خلق کیا کہیں
 پردہ کا لفظ بھی رخِ معنی پہ ہے گراں
 جیسے ہو کوئی طاہر و جابر نگاہِ باں
 اب آئے ہیں یہ لفظ و معانی کشاں کشاں
 عارف کے سوزِ قلب سے اٹھنے لگے دھواں
 کچھ ہے ضرور جس سے یہ سب کچھ ہوا عیاں
 نادیدنی جو تھا وہی دیکھا نہیں سماں

واجب ہو جس کے ذہن میں ممکن نہ ہو جہاں
 ظلمت کو کیا شعور کہ یہ نور تھا کہاں
 اک اضطراب میں سوئے ہستی رواں دواں
 اس ہستی بلند کی اللہ رے عز و شان
 پیچھے قمر بھرے ہوئے تاروں سے جھولیاں
 اونچی جہیں پہ تاج خلافت کا ضو نشان
 یہ روح کائنات یہ احساس جانستوں
 آواز دی فلک نے مودت نگاہاں
 طوفاں تھا اک عذاب کا قرآن درمیاں
 ہمدوش ہو گئے تھے زمیں اور آسماں
 خورشید کی زبان پہ تسبیح الاماں
 موجوں کی جس نے توڑ کے رکھ دیں کلاہیاں
 لہروں کی حرب و ضرب میں کشتی کا آشیان
 وہ میر کاروان بغاوت کہ الاماں
 وہ ہر نظر تعلق خاطر کی داستاں
 دو ٹوک وہ جواب وہ احساس امتحاں
 ذرات کے ہجوم میں تھا حمد بر زباں
 باندھے ہوئے کھلونوں کی مانگوں میں رسیاں
 پھولوں پہ آب و رنگ تھا شعلے تھے نیم جاں
 ہر لمحہ آزمائش و ہر لحظہ امتحاں
 اپنی ہی جان آپ ہی قسمت سے جانستوں
 اک بے بساط خنجر و گردن کے درمیاں
 زور آزما تھا راہ میں اک کُسن بے اماں

یہ ذوق حسن کاری و تخلیق دیکھنا
 اک نور کی لکیر سے پیدا ہوئی حیات
 دو ہستیاں نگاہ میں آئیں بلند و پست
 جو افتتاحِ جادہ پیغمبری کرے
 خورشید آگے آگے دکھاتا ہوا چراغ
 سجدوں کا جپ فخر میں رکھے ہوئے خراج
 یہ شان اور دلہ گندم کا دل پہ داغ
 سوئے زمین چلے جو مسافر بہشت کے
 منظر ہوا نگاہ میں تبدیل یک بیک
 ہستی میں عجز تھا نہ بلندی میں افتخار
 دوزخ سوا آب کے چھینٹوں سے مضطرب
 کیا دیدنی تھا ایک سفینہ کا حوصلہ
 حیرت سے دیکھتے تھے ستارے جھکے ہوئے
 سرکش وہ اک حباب وہ اک ڈوبتا شباب
 کشتی سے ناخدا کی وہ حسرت بھری نظر
 وہ احتجاج بارگاہ بے نیاز میں
 طوفاں ہوا جو سرد تو اک طفلِ مہ جہیں
 چلتی ہوئی زبان پہ توحید کا سبق
 آتش عقب میں پھول اگتی ہوئی مگر
 اک اک قدم جوانی و پیری کا انقلاب
 اپنے گلے پہ آپ ہی رکھے ہوئے چھری
 وہ یک بیک نوازشِ ذبحِ عظیم سے
 اس حیرتِ نظر سے جو رخصت ہوئی نظر

منہوم حق روی سے جذباتِ راسخی سے
وہ لے گیا بچا کر اک پورے کارواں کو
کیا پیر ہے نہ جانے دنیا کو اس کے گھر سے
نظریں اٹھائیں کیونکر تاریک دور والے
ہر عہد میں غم اس کا تائیدِ اہل حق ہے
جو اس کا ہے مخالف محمود ہے نہ احمد
حق کے غلام بھی ہیں حق سے مخالفت بھی
ایمانِ فرشتوں کی بھڑکی ہے آگ جب سے
ہو جاتی ہے یہ بدعت جب دل جلا ہوا ہو
اس کی ولا کا صدقہ دو مشغلے ہیں میرے
عشقِ حسین میں ہے اے تھم اب یہ منزل
روحی فداک کہہ کر پھر کچھ نہ کہہ سکوں میں
سولی پہ بھی قصیدہ ساقی ہی کا سنایا
میخانہ ولا کو ہونے دیا نہ ویراں
ساقی کے گھر ولادت ہے آیہ مسرت
ساقی بھی آج شاید کر جائے چشم پوشی



منقبت

صبر کی شمشیر والے درود و غم کے تاجدار
تیری ماں وہ ذی شرف ہے نواہاموں کی ہے ماں
ہے تری تلوار میں بھی کاٹ مثل ذوالفقار
اے عرب کے شاہزادے اے عجم کے شہر یار

قید خانے میں تجلّی چہرہ پُر نور کی
بعد تیرے سات اماموں نے کیا زنداں پسند
ایک ہی دن کے لیے تھی جنگِ عاشورہ مگر
جھومتے جاتے ہیں جس پر آج آزاد و اسیر
وہ دغاؤں کا صحیفہ وہ زبورِ اہلِ دل
بے تشدد جنگِ سیکھی تجھ سے اہلِ ہوش نے
کل حقارت سے جسے دیکھا تھا اہلِ شام نے
ضبط سے تیرے نمایاں اضطرابِ کائنات
لاکھوں بوتے تیرے زخمی پاؤں کی زنجیر پر
جسمِ اس کی نذر ہے یہ زلزلہ انگیز نظم
جس کی حسرت ناک خاموشی تھی طوفاں درکنار

منقبت

صادق آلِ محمدؐ وارثِ خیر الانام
لو لگا کر تجھ سے روشن ہے طریقت کا چراغ
ساری دنیا خوشہ چیں ہے اے خداوندِ علوم
یہ امامت کا تسلسل ہے رسالت کا فروغ
پانچ پشتوں سے ذخیرہ کر رہی تھی کائنات
جھک رہی ہیں گردنیں دانشورانِ خلق کی
حُسنِ مطلق کے پیہر عشقِ برحق کے امام
درس لے کر تجھ سے قائم ہے شریعت کا نظام
کس کو ہے معلوم تیرے علم و حکمت کا مقام
اے امام ابنِ امام ابنِ امام ابنِ امام
پھر بھی تیری منزلت کی داستاں ہے نا تمام
کتنے ملکوں کتنی قوموں تک ترا پہنچا پیام

چاندنی سی کل رہی ہے ترے ذکر و فکر کی
توحدِ فاصل ہے اک عہدِ واحد کے درمیاں
منحصر اس امر پر ہو اک نگاہِ لطف اگر
ہلِ دل کو ایسی دولت سے بچائے کردگار
لے رہا ہے وقت تیرے دشمنوں سے انتقام
کلمہ توحید سے پوچھے کوئی تیرا مقام
آج کردوں اپنی ساری خواہشوں کا قتلِ عام
بے خبر ہیں منزلت سے تیری دولت کے غلام
فکر ہے مدحت میں عاجز دم بخود ہوش و خرد
منزلِ حق کے مہ کمال ستاروں کا سلام



منقبت فروغِ ملتِ بیضا

شریعتوں کا خلاصہ ہیں جعفرِ صادقؑ
رسالتوں کی ہوئی شرح جن کے لفظوں سے
شرافتوں کے پیہرِ نجاتوں کے امین
ارادوں میں ہے ان کی نگاہِ لطف سے جاں
امامِ اہلِ تولّٰا ہیں جعفرِ صادقؑ
وہ علم و فضل کا دریا ہیں جعفرِ صادقؑ
امینِ وحی کے مولا ہیں جعفرِ صادقؑ
عقیدتوں کی تمثا ہیں جعفرِ صادقؑ
حبیبِ حق کا سراپا ہیں جعفرِ صادقؑ
رئیسِ کشورِ تقویٰ ہیں جعفرِ صادقؑ
وہی حقیقتِ کبریٰ ہیں جعفرِ صادقؑ
جلالِ خالقِ یکتا ہیں جعفرِ صادقؑ
روہِ سلوک میں تنہا ہیں جعفرِ صادقؑ
ریاضتوں کو ملا ہے انہیں کے در سے شرف
حقیقتوں کی مفتر ہے جو دو عالم میں
جالتیں نہ ہوں کیوں ان کے در پہ سر بسجود
انہیں کے نقشِ قدم پر طریقتیں ہیں رواں

بلندیاں انہیں جھک جھک کے کر رہی ہیں سلام فرازِ عرش کا تارا ہیں جعفر صادق
صدائق کی تھکئی ہے ان کا حُسنِ سخن حجابِ قدس میں گویا ہیں جعفر صادق
تمام روشنیاں ہیں انہیں کے نور سے جھم
فروغِ ملت بیضا ہیں جعفر صادق



منقبت

لسانِ قدرت یکتا امام جعفر صادق بحق ساکت بحق گویا امام جعفر صادق
خدا چاہے اگر بن جائے میرا دل محبت میں تمہارے نام کا طغرا امام جعفر صادق
محبت ہو تو بالاتر ہے نعمتِ دو عالم سے تمہارے درپہ اک سجدا امام جعفر صادق
تمہاری اک جھلک پر اک نظر پر اک اشارے پر فدا دنیا و مافیہا امام جعفر صادق
قبائے صدق بر میں تاج ہے سر پر ولایت کا امامت ہے تمہیں زیبا امام جعفر صادق
مرادِ کب سے قدموں میں پڑا ہے پاک ہونے کو ذرا پامال کر دینا امام جعفر صادق
مصائب سینکڑوں ہیں غم ہزاروں مشکلیں لاکھوں
تمہارا جھم ہے تنہا امام جعفر صادق



منقبت

اے کہ تجھ کو مہد میں آیا امامت کا پیام
تیری صورت پر درود اور تیری سیرت پر سلام
عہد طفلی پر ترے برنائی و پیری ثار
لے کے بیٹھی ہوگی خود روح نبی آغوش میں
اے تجھ پہ عمرِ خضر صدقے اے مرے کمنِ امام
حُسنِ مطلق کے پیہر عشقِ برحق کے امام
چھ برس کی عمر اس پرشش جہت کا انتظام
اے تعالٰی اللہ تری مسندِ نشینی کا نظام
وہ لڑکپن اور وہ سنجیدگی کے صبح و شام
کھیل کے دن سن فریضہ قوم کی تنظیم کا
آٹھ پشتوں سے ذخیرہ کر رہی تھی کائنات
پھر بھی تیری منزلت کی داستاں ہے نا تمام



منقبت

مصدرِ کمال

خرامِ ناز میں نہاں سکونِ روزگار ہے
وہ آئے گا پھر آئے گا یہ قول ہے قرار ہے
بزرگ جن کے عمر بھر اٹھا گئے ہیں زنجیتیں
کہیں کچھ اور شان سے کہیں کچھ اور نام سے
ضرور کوئی آئے گا زمانہ بے قرار ہے
کسی کے دل کو ہونہ ہو ہمیں تو اعتبار ہے
رہیں ذرا وہ چین سے یہ کس کو ناگوار ہے
تمام کائنات کو اسی کا انتظار ہے
خدا کی شان دیکھنا کہ دردِ خوشگوار ہے
فراق میں بھی اس کے ہیں عجب طرح کی لذتیں

ازل میں اس کے سامنے وجود آب و گل ہوا
 نگاہ رو برو ہیں سب زمین ہو کہ آسماں
 ہمیں نہیں ہیں سامنے نظر کا سامنا بھی ہے
 حجاب اُس طرف کہاں وہ نور کردگار ہے
 اسی کا ظلی عافیت بقائے نور و نار ہے
 حیات اس کی پیروی ہے موت اس سے بے رخی
 ازل سے نفس پاک میں ہیں جو ہر پیہری
 دماغ و دل میں متحد رسالتیں امامتیں
 شباب لافتی بھی ہے مزاج ملتی بھی ہے
 زہے شکوہ خسروی کہ دست حق پرست میں
 حکومت اس کی دیدنی ہے کشور حجاب میں
 تباہ کار فلسفے نہ شعلہ بار کائناتیں
 مجال کیا ہے تھم سکے گھڑی بھر اس کے سامنے
 نہ مصلحت نوازیں نہ مسئلہ طرازیں
 پیام امن لائے گا وہ خلق کے لیے مگر
 متاع حق کے سامنے جھکیں گے دولتوں کے سر
 جگہ بنائی جائے گی غریب قوم کے لیے
 گئی ہوئی تو ہے خبر یہ مصدر کمال تک
 بدل رہا ہے کروٹیں حسین کا لہو ابھی
 کھلی ہوئی نگاہ میں بیاض روزگار ہے
 شہود و غیب ہر جگہ نظر بروئے کار ہے
 ہماری ہی طرف سے کچھ یہ طول انتظار ہے
 ادھر ہی چشم شوق پر یہ پردہ غبار ہے
 متعبر حیات ہے حیات بھی نثار ہے
 وہ زندگی کی جیت ہے یہ زندگی کی ہار ہے
 رسالت اس کی ہے نہاں امامت آشکار ہے
 زبان پر خلاصہ پیام روزگار ہے
 یہ شان کہہ رہی ہے خود نبی کا ورثہ دار ہے
 کتاب ہے رسول کی علی کی ذوالفقار ہے
 جھلک بھی جبر کی نہیں یہ حُسن اختیار ہے
 نظر نظر لافیتیں قدم قدم بہار ہے
 جو منبروں پہ وزن ہے جو مسندوں پر بار ہے
 دل اس کے عہد میں ہے جو زباں سے ہمکنار ہے
 یہ بات ہی کچھ اور ہے جو سر بدن پہ بار ہے
 یہ کل کا ہے مقدمہ جو آج کا رزار ہے
 وہ آنکھ خون روئے گی نظریے جس کو عار ہے
 حکومتوں کے نقص کا زمانہ سو گوار ہے
 حسین کی عزا کو بھی اسی کا انتظار ہے
 سمجھ تم حسین سے مسرت ظہور کو
 خزاں کی جب یہ شان ہو بہار پھر بہار ہے



عہدِ اضطراب

فقاب رخِ الٹ دوحشر اٹھا رکھا ہے دنیا نے
یہ دردِ عشق کی ہے کوئی منزل خدا جانے
گھٹا صبر و تحمل بڑھ گئی وحشت کی آبادی
ہمیں تسکین کیونکر ہو کہ بندے ہیں محبت کے
یہ عہدِ زندگی ہے کوئی ہنگامہ نہ ہو جائے
نکلتے ہیں تو گھر سے سر بکف ہو کر نکلتے ہیں
نہ جانے کون سے نقطہ پہ ہے نقشہِ تولد کا
فقط صلوات کے نعرے نہیں اب ذکرِ خیر پر
بہت صدیاں گزر جانے پہ شہکِ غم کی رت بدلی
خدا رکھے تمہیں نے ہدیہ تو نیت بھیجا ہے
ضیا پھیلے تو کھل جائے حقیقت خود پرستوں کی
الٹ جائیں گے سب پردے جو خضر کا حجاب اٹھا
جسارت دیدنی ہے بے حقیقت مے فروشوں کی
لپٹ جائیں گے ذرے طیبتِ فاضل کے دامن سے
ازل سے معرفت حاصل ہے ہم کیوں ہچکچائیں گے
ودیعت کر دیا نظمِ دو عالم کا فرمانے
یہ دنیا بھی تمہاری ہے تم اس گھر کے بھی مالک ہو
نہ اس آیا کوئی طرزِ حکومت ملک ہستی کو
زمانہ ڈھونڈتا ہے ایک مسلک امن و راحت کا
خدا را اب سکونِ دل کی دولت لے کے آجاؤ
ترقی لے گئی تھی خیر سے جتنی بلندی پر

زمانہ مضطرب بیٹھا ہے دیکھیں کون پہچانے
تمہارے نام پر سجدہ سا کر لیتے ہیں دیوانے
یہ دن آخر دکھایا وعدہ امروز و فروانے
رموزِ پردہ داری آپ سمجھیں یا خدا جانے
ذرا سی بات پر تیور بدل جاتے ہیں دیوانے
کہ جیسے درپہ حاضر ہے کوئی زنجیر پہنانے
لگا رکھا ہے میخانہ اٹھا رکھے ہیں پیمانے
دل اب انگڑائیاں لیتے ہیں سن سن کر یہ افسانے
دیا ہے پیر بن شعلوں کا دردِ کار فرمانے
منظم ہو چکے بکھرے ہوئے تسبیح کے دانے
کے معلوم ہے آتش بجاں کتنے ہیں پروانے
ہزاروں کعبہ دل میں چمپا رکھے ہیں بت خانے
سے انگور کے چھینٹے اب کوثر کے افسانے
رہیں گے دور ہی قدموں سے بیگانے تو بیگانے
مزا بیعت کا جب ہے ہاتھ کو جب ہاتھ پہچانے
تمہیں آؤ تو آؤ گتیاں ذہنوں کی سلجھانے
ذرا دیکھو تو کیا صورت بنا رکھی ہے دنیا نے
وہ عقلیں تھک گئیں جن کو چنا تھا اہل دنیا نے
کہاں ہے فطرتِ اسلام کی نازش خدا جانے
مکمل ہو چکے سب اضطرابِ غم کے افسانے
اسی پستی میں پھینکا ہے وہیں سے نازِ بیجانے



منقبت

غضب کا معرکہ تھا اور قیامت کی صف آرائی
معاذ اللہ پورا عالمِ قدس مخالف تھا
اکیلا آدمی مافوق مخلوقات کا نرغہ
نئی دنیا نئی محفل نئی آنکھیں نیا منظر
مسافرِ جنبی اور صحبتِ ناجنس ارے توبہ
اُدھر پھیلی ہوئی جنت ادھر بھڑکا ہوا دوزخ
مزاج نور برہم آب و گل کی شمع روشن سے
عجب ماحول میں آنکھیں کھلیں مقصود قدرت کی
فضائے شکر میں اُٹتی ہوئی لہریں شکایت کی
گناہ رشک جواں مرکز تقدیس و عصمت میں
سماعت بہرہ ور آوازہٗ صورتِ کبر سے
نظام جلوہ گاہِ قدس کے بگڑے ہوئے تیور
فرشتوں کا وطن انسان اور نگِ صدارت پر
سرپر نور پر بیٹھا ہوا دہیم حکمت کا
محبت احسن تقویم کا ڈالے ہوئے آنچل
چراغِ وادی سینا کو لو دیتی ہوئی نظریں
متاعِ ہوش میں اسرارِ کزِ منا بنی آدم
خلافتِ ذہن کی سرمایہ دارِ علم الاسما
ظہور اپنا خداوندی کے منصب کی بلندی سے
نیازِ حاملانِ عرش و کرسی اپنی خدمت میں

ہوئی اسلام اور انسان میں جس دن شناسائی
فلک پر دیدنی تھی خاک کے پتلے کی تنہائی
سکوں خوابِ عدم کا اور یہ ہنگامہ آرائی
نظر کے ساتھ ہی آثار نے لڑ نیکی ٹھہرائی
ستارے ہنسنے والے مہرومہ خالی تماشا کی
دوراہے پر یکا یک روح اور پیکر میں یکجائی
روش بدلے ہوئے اپنی ہوائے محفل آرائی
جہالت سرکشی کفرانِ نعمت ناشکیبائی
زبانِ جملہ پر بدلا ہوا اندازِ گویائی
خدا کے گھر میں نافرمانی پندارِ خودرائی
بغاوت کی اداکاری سے لطف اندوز بینائی
مقامِ بحث میں واردِ اصولِ ناصیہ سائی
وہی مرکزِ نگاہوں کا وہیں ذہنوں کی یکجائی
امانت دارِ کاندھوں پر قبائے علم و دانائی
قدِ آدمِ شبابِ اصطفا کی جلوہ آرائی
جہیں کے طور سے روشن جلالِ کارِ فرمائی
سرورِ کوشِ اِنسی جاعِل کی نغمہ پیرائی
نغماتِ فیہ من روحی کی پیکر میں توانائی
نشیپِ عبدیت میں ماسوا کی بزمِ آرائی
خدا کے سامنے بندے کی چوکھٹ پر جہیں سائی

وہ یکسر گردنیں جھکتی ہوئی بیگانہ سازوں کی
 سزائے سرکشی کا وہ جلالت آزما منظر
 یہ مشیتِ خاک اور سجدہ میں لاہوتی و ماسوتی
 جوانِ حالات و کیفیات میں سوتے سے چونکا ہو
 ہزار اسباب تھے ایسے نہ بدلا پر مسبب سے
 یہی آلِ محمد ہیں شرافتِ نسلِ آدم کی
 نظر والے مکمل جلوہ انسانیت دیکھیں
 ولادت کی خبر پہنچا کے دربارِ رسالت میں
 سفیرِ فکر بہرِ نذر لایا وہ نیا مطلع
 حسین آئے بقائے دینِ فطرت کی نوید آئی
 ضیائے حُسن سے وافجر کی صورت پہ نور آیا
 صلائے نامِ دی و العصر بن کر جس کے اسوہ نے
 حبیبِ حق کو پھر ایسا کوئی تحفہ نہیں آیا
 دیا آغوشِ پیغمبرؐ میں کھیلے صحنِ مسجد میں
 نبیؐ کے دوش کو ہر رسالت بن کے زینت دی
 نہائے چشمہٴ تطہیر میں سنورے مودت سے
 متانت دی لڑکپن کو شریکِ مل انا ہو کر
 ملائیں ان سے نظریں یا حُسن نے آئینہ دیکھا
 زبانِ قدس ہر دم منتظر تھی ان کے اسوہ کی
 زبے تقدیر جن آنکھوں نے دیکھا ہو یہ نظارہ
 بڑھاسن جس قدر ان کا بڑھی اسلام کی قوت
 خدا کی راہ میں باندھے گئے عقدِ محبت بھی
 پیغمبرؐ بھی شہادت کے شرف میں ہو گئے شامل

نظر پہلے پہل جبری حکومت کی تماشائی
 نمودِ اختیارات جہانداری و دارائی
 کہاں تک دل نہ کرتا کبر و نخوت کی پزیرائی
 تعجب ہے اگر اس کو نہ ہو پندارِ یکتائی
 محمدؐ کا سلف آلِ محمدؐ کا تولائی
 یہی گھر ہے جہاں انسانیت نے پرورش پائی
 مبارک صبحِ میلادِ حسینِ ابنِ علی آئی
 مدینہ کی ہوا پیغمبری پر اپنی اترائی
 ابھر کر فطرتِ شاعر نے خود تعظیم فرمائی
 نبیؐ نے فاطمہؑ کے سامنے پھر گود پھیلائی
 نگاہِ لطف سے والیل کے پیکر میں رعنائی
 زبانِ حق نے جس کے عصرِ روشن کی قسم کھائی
 سلام آئے پیام آئے بہت وحی خدا آئی
 نبیؐ کے گھر کی دولت تھی خدا کے گھر کو ہاتھ آئی
 تبسم نے کلامِ اللہ کی تفسیر فرمائی
 تڑپ کر آئیے انا ونا نے گود پھیل آئی
 اسی عنوان سے بڑھتا گیا ذوقِ خود آرائی
 ظہور اپنا ہی پایا اپنی ہی صورت نظر آئی
 ادھر میدان میں اترے ادھر آیت اتر آئی
 ہنسے ہوں گے بہت بھائی کی صورت دیکھ کر بھائی
 شبابِ دینِ حق بن کر جوانی کی بہار آئی
 چلی یاں حُسن والوں کی نہ سلمائی نہ لیلائی
 نواسے کی ادا مانا کو کچھ ایسی پسند آئی

اسی قائد کا نعرہ تھا اسی کی گونج ہے اب تک
 فضائے جنگ میں مانی ہوئی شانِ جہاد اس کی
 تباہی آج تک ہے اس کی طوفان آزمائی کا
 دو عالم کے فداکاروں کی قربانی یہ بھاری ہے
 وہی نقش قدم ہیں رہنما ہمت کی راہوں میں
 سبق لیتے ہیں درپردہ اسی کے کارناموں سے
 حسین ابن علی اے نور وحدت روح یکتائی
 ترے دم سے غریبوں کی زباں پر حرفِ حق آیا
 عیاں تجھ سے اداوت کے سبب ہر آنکھ میں آنسو
 نہ جانے ہند کی مٹی کو کتنا عشق ہے تجھ سے
 محبت میں یہ دل ہے بے خبر نفسِ محبت سے
 ابھی ہم کربلا سے تیری منزل تک کہاں پہنچے
 ابھی کیا ذکر ہے مرنے کا جینا بھی نہیں آیا
 نگاہیں دیکھتی ہیں اب دماغ اب فکر کرتا ہے
 ترے مقصد سے کچھ کچھ ہو چلی ہے اب شناسائی

درشن کا سویرا

شعبان وہ اسلام کا ممدوح مہینا
 دنیا وہ اندھیرے میں اجالے میں دو عملی
 تقویم کی خوش وضع انگلی پہ علیہا
 مغرب سے شبِ ماہ کی اوڑھے ہوئے کملی

وہ شب کہ شب قدر کو بھی دید کا ارماں
چاندی سے جبین چاند کی سجدوں سے مظلّا
دل کو نگہ شوق کا ہر بار ٹھوکا
وہ گوشہ مغرب سے کوئی جھانکنے والا
بھٹکے ہوئے بھولے ہوئے کھوئے ہوئے دونوں
جیسے کوئی پگھلائے ہوئے نور کا ساگر
شبِ نعم کے گہرِ رحمتِ معبود کے جھالے
وہ صبح جسے خود پید قدرت نے سنوارا
وہ وقت کہ سجدے رخ گیتی کو نوازیں
توحید کے نعشوں کی وہ تکرار سہانی
اخلاص کی خوشبو سے وہ پھولوں کا مہکتا
ترتیل وہ الحمد کی عنوان گزراش
وہ دوش پہ لہروں کے تلاوت کی صدائیں
رحمت کی گزر گاہ تولا کے اشارے
انوار کی بارش کرم ایزد باری
دلِ بندو دلِ آرامِ عیمبر کی ولادت
ماحول کو معصوم بنائے ہوئے معصوم
وہ جلوۂ قائم وہ قیامت کا تبسم
وہ حسن کہ تعین سن و سال سے بالا
سیرت کی زمانے میں بہت روز سے سن گئی
بکھرائے ہوئے دوش پہ زلفیں وہ غیلیلی
وہ ذہنِ خدا داد رسولِ ازلٰی کا
چتون کا اشارہ غمِ اسلام کی جانب

وہ چودھویں تاریخ کے ماتھے پہ چندرماں
تشیع ستاروں کی تجلی کا مصلا
پٹ کھولے ہوئے نیمہ شعباں کا جھروکا
پچھتم میں وہ پورب کے تبسم کا اجالا
وہ تیرگی وہ نورِ سموئے ہوئے دونوں
اس ڈھب کا اندھیرا کہ ہر اک چیز اُجاگر
سورج کی اترتی ہوئی کرنوں کے حوالے
انگڑائیاں لیتا ہوا وہ صبح کا تارا
اسلام کی دنیا میں نمازیں ہی نمازیں
وہ زور اذّاں کا وہ اتقامت کی جوانی
تکبیر کی آواز پہ کلیوں کا چنگنا
وہ منزلِ آخر وہ تشہد کی سفارش
وہ بار اٹھائے ہوئے قرآن کا ہوائیں
تقریبِ دعاؤں کی درودوں کے سہارے
تلمیلِ کرم مہدی ہادی کی سواری
ہم صورت و ہمنامِ عیمبر کی ولادت
معصوم کو سینہ سے لگائے ہوئے معصوم
آغوشِ امامت میں امامت کا تبسم
رخسار کے اک حل سے دو عالم میں اجالا
صورت کا وہ عنوان کہ اللہ جمیل
آنکھوں کی طرف دیکھ کے کونین نے پی لی
دلِ فاطمہ کا دردِ حسین ابنِ علی کا
تیور وہ قیامت کے نظرِ شام کی جانب

یہ بات نہ پائی کسی جرأت کے دھنی میں
وہ دبہ قیصری وسطوتِ شاہی
وہ روحِ عمل ولولہ دادِ رسی میں
تفریقِ کم و بیش مٹانے کا ارادہ
ان قدموں سے لپٹے ہوئے جادہ پہ تصدق
کردار بہت قوم کا امتر ہے اب آجا
ہر شب کو یہ سمجھا کے سلاتا ہے اندھیرا
پل بھر کو نہ ہاتھوں سے عنانِ صبر کی چھوٹی
کنزور ہیں غیرت سے گڑے جاتے ہیں صاحب
مرتے ہوئے دمِ عشق کا بھرتے ہی رہی ہیں
کس کس نے ہوا ظلم کی بدعت کی نہ باندھی
دنیا تری منگتا تری مجرائی ہے دانا
سیدھی ہے رو مہر وفا پھیر نہیں ہے

منقبت

اللہ رے تیری وسعت اے جلوہ جانا نہ
کیا شمع سے فبت دوں کیا طور کے شعلہ سے
جانے بھی تو کیا جانے سمجھے بھی تو کیا سمجھے
رقتی ہے لہو بن کر تہذیب کی مے ساقی
ہر مذہب و ملت میں آمد کا ہے افسانہ
جس نورِ مجسم کا جبریل ہو پروانہ
نافل کو خبر کیا ہے کس و خم سے ہے میخانہ
دنیا کا تمدن ہے ٹونا ہوا پیمانہ

انسان مکمل آ دنیا کو محبت دے
 پھر یاد دلا اپنی بھکی ہوئی ملت کو
 مالک کی وہ شہ زوری اور فرش زمیں بستر
 اب آکے عوض لے لے سفاک حریفوں سے
 یہ بارہواں ساقی ہے کیا تیغ و سپر باندھے
 ساقی کو ذرا آکر میخانہ سجانے دو
 غارت گر انساں ہے کا فعل حکیمانہ
 مومن کے فرایض کا بھولا ہوا انسانہ
 تیرہ سو برس دیکھے انداز کریمانہ
 اے عشق وفا پیشہ اک نعرہ مستانہ
 اس وقت بڑھادیں گے پیاسوں کا عز خانہ
 شہیز کے ماتم میں صلابت کی محبت میں
 روتا ہوا ناقل ہوں ہنستا ہوا دیوانہ



امام منتظرؑ

جب توجہ آنے والے کی ادھر ہو جائے گی
 آنے والے اب شریعت معتبر ہو جائے گی
 یک بہ یک تظہیر احساس بشر ہو جائے گی
 راستے میں اتنے سجادے بچھائے جائیں گے
 آئینہ بندی کریں گے دہر کی شمس و قمر
 صبح کا منہ آبِ کوثر سے دھلایا جائے گا
 جو بر صدق و صفا کے ہوں گے پہرے ہر طرف
 صبح کو ہوگا ظہور اس جلوہ معصوم کا
 کلمہ توحید بن جائے گی پوری کائنات
 دل کو دل سے راہ ہوتی ہے خبر ہو جائے گی
 تیرہ معصوموں کی محنت بارور ہو جائے گی
 ذہن میں اک چاندنی سی جلوہ گر ہو جائے گی
 ہر نماز شوق حرفِ معتبر ہو جائے گی
 ظلمتِ شب صبح سے شہر و شکر ہو جائے گی
 راتِ شبنم کے وضو سے بہرہ ور ہو جائے گی
 امن کا گھر زندگی کی رہگزر ہو جائے گی
 شام تک زیبا بہ اندازِ دگر ہو جائے گی
 محو سجدہ اک نظر میں ہر نظر ہو جائے گی

سانس بھی لے گا نہ کوئی دینِ نطرت کے خلاف
 غرق ہوگا سامعہ کیفِ حدیثِ دوست میں
 خیر و شر کا مسئلہ دم بھر میں حل ہو جائے گا
 اپنی اپنی حد میں ہوں گے حکم کے سب منتظر
 آیتیں قرآن کی جیسے مجسم ہو گئیں
 بیٹھتے اُٹھتے زباں کا ورد ہوگا یا علی
 سورہ الحمد کی تفسیر بن جائیں گے ہم
 تین سو تیرہ سپاہی لے کے آئے گا فقط
 اس جہیں پر ڈال دیں گے بل یہ آب و گل اگر
 قوم یوں بے چین ہوگی دیکھ کر شانِ جہاد
 کارنامہ جن کا ہے یومِ عدوئے اہل بیت
 ختم ہو جائیں گے سارے دشمنانِ شیریں
 آخری اک ہوگا ماتمِ فاطمہ کے چاند کا
 مدح میں ہے جن کی توحید و رسالت ہم زباں

اس قدر تطہیر افکار بشر ہو جائے گی
 ہر نظر منہوم فرووسِ نظر ہو جائے گی
 ساری دنیا اُمتِ خیر البشر ہو جائے گی
 دم بخود تا بندگیِ سیم و زر ہو جائے گی
 زندگی انسان کی یوں معتبر ہو جائے گی
 معرفتِ عترت کی معیار بشر ہو جائے گی
 قومِ شیعہ پاک سے پاکیزہ تر ہو جائے گی
 پوری دنیا کفر کی زیروزر ہو جائے گی
 روح بحر و بر خلاف بحر و بر ہو جائے گی
 جیسے اس کے دست و بازو کو نظر ہو جائے گی
 ان کی یہ خدمتِ مکمل دار پر ہو جائے گی
 قسطِ آخر جب رواں سوئے سقر ہو جائے گی
 کائناتِ دردِ دل زیروزر ہو جائے گی
 شاعری موقوف ان کی مدح پر ہو جائے گی



روح کی فریاد

گیارہ سو سال سے ایک آنے والے کے انتظار میں.....

بدلا ہوا ہے دہر کا عنوان ترے بغیر
 تنظیمِ شش جہات میں آثارِ بے رخی
 امکانِ زیست ہے عم امکانِ ترے بغیر
 تقویمِ کائنات پریشاں ترے بغیر
 بالاتفاق رقصِ مہ و مہر بے محل
 بے اعتبار گردشِ دوراں ترے بغیر

پژمردہ نے میں شورشِ نعماتِ متصل
 برہم سی ہے زمین پہ ترتیبِ شمع و گل
 بے کیفِ دقتِ نظر و زحمتِ خیال
 بے آبِ چشمِ شوق کی گوہرِ نشانیاں
 بے حصرِ نازِ حسرت و ارمان و آرزو
 سر پھوڑنے کا زعمِ تڑپنے کی نیلگی
 بیجا توقعات کی تمکین بے خودی
 ادراک بے ضرورت و احساس بے محل
 اتری ہوئی نگاہ سے ہر موجِ دردِ دل
 کھویا ہوا زبان پہ انسانی فراق
 معیار سے گرے ہوئے تمکین و غنطراب
 اٹھی ہوئی نگاہ کی جنبشِ تڑپ لیے
 ہر قدم پہ عقل کی بدلی ہوئی روش
 آزدہ کشاکشِ عہدِ حیات ہوں
 امید یک نظر میں ہر آئینہِ جمال
 رخصتِ طلب ہے آج غمِ ہوش و ہوشِ غم
 ٹھہرا نہ ایک وضع پہ سو بار ہو چکا
 کچھ دن سے تیری یاد کی محفلِ اداس ہے
 اب چل بے گاہِ حتمِ غزلچواں تڑپے بغیر



منقبت

رسوا ہو عین چوک میں اسلام کا نشان
 منبر کا احترام نہ مسجد کی آبرو
 تقریر کے لحاظ سے ہر بات بے محل
 مذموم طرز فکر سے سہا ہوا دماغ
 تاریک راستوں میں ضلالت کی پیروی
 نکلے ہوئے پناہ رسالت پناہ سے
 اقدام ناروا پہ یگانوں کا احتجاج
 ماہِ رجب کے دور میں تو بن لفظ یوم
 قرآن کی فضا میں ابو جہل کا مقام
 ابلیس کی جبین سے سوال شعاع نور
 پیغمبر گناہ سے بخشش کا آسرا
 فرعون کی مدد سے رسائی کلیم تک
 لکھنے کو اسم پاک محمد سکونِ روح
 حد گناہ فکر ثنائے امیر شام
 دشمن سے اہلیت کے اقرارِ دوستی
 ان کی نگاہ میں ہے یہ تحریک ناروا
 چہروں پہ سیت کا جو عرصے سے تھا نقاب
 کیونکر سکونِ قلب سے سنتے خدا پرست
 آخر نوائے حق نے کیا اس طرح نزول
 عباس کے غلاموں نے کس بل دکھا دیئے

گھر میں خدا کے کفر کی تبلیغ الاماں
 باطل پہ جمع ہو گئے کعبہ کے پاسباں
 مصرف کے اعتبار سے ہر لفظ رائے گاں
 بے ربطی سخن سے لرزتی ہوئی زباں
 بھٹکا ہوا منازل عصمت سے کارواں
 چھوڑے ہوئے خلافت برحق کا آستان
 اُٹتی ہوئی خود اپنے ہی حلقہ سے انگلیاں
 یعنی بھری بہار میں انسانہ خزاں
 تکبیر کے حصار میں ناقوسِ نغمہ خواں
 افلاسِ ذہن و فکر پہ اخلاص کا گماں
 مورخ کی آگ سے طلبِ راحت جناں
 یوسف کے بدلے اک حبشی روح کارواں
 فرمانِ کلام کی اذیت سے نیم جاں
 دور از ثواب مدحتِ مولائے دو جہاں
 یہ بات سنیوں کی شریعت میں ہے کہاں
 اس کے خلاف سب علما دے چکے بیاں
 کو ہو گیا اُتر کے عقیدے کا ترجمان
 وہ بات جو مزاجِ مشیت پہ ہو گراں
 جیسے گریں گناہ کے خرمن پہ بجلیاں
 عباس کے جلال کا کیا کیجئے بیاں

منبت مجھے بھی ہے بنی ہاشم کے چاند سے
 دشمن کو اس کی تیغ سے یوں مل گئی اماں
 شیر کے کرم سے ہے توحید سر بلند
 اس کا علم ہے رونق ہر منبر و ضريح
 وہ سو رہا ہے کون جبیں جس کی چھو سکے
 آیا بھی وہ نہ تھا ابھی بزمِ شہود میں
 پیشمر وفا ہے وفا کا امام ہے
 عباسؑ کی مثال علیؑ کے سوا کہاں
 لپٹی ہوئی علم سے ہے اسلام کی حیات
 اس کا خیال آتا ہے حرفِ وفا کے ساتھ
 اس منصبِ جلیل کے قابل تھا اور کون
 صورت وہ تھی کہ حسن تھا یوسف کا دم بخود
 اس کے تصرفات کو حاصل ہوا فروغ
 مشکل کشا کا لال بھی مشکل کشا بھی ہے
 کیونکر نہ پھر ہو قبلہ حاجاتِ آستان

○ منقبت

السلام اے شرف جویر شمشیر زنی
 اے شجاعت کے جمالِ ابدی و ازلی
 سر اٹھایا تو بہت ظلم کی رو بڑھ نہ سکی
 اے علمدار و سپہدار حسین ابن علی
 آفرینش نے بھی خود بڑھ کے سلامی تجھے دی
 کجکھابی سے تری ہو گئی دنیا سیدھی

میں خداوند وفا کہہ کے بھی کچھ کہہ نہ سکا
 بانگین دیکھ کے گھبرا گئے افکار و عقول
 روزِ عاشور کے طوفانِ جلال کی قسم
 جسے گہوارۂ اصغر میں سلا آیا تھا
 درِ شیر سے کیا آنکھ ملاتا کوئی
 کربلا کے لیے محفوظ تھا یہ عز و شرف
 مرد میدانِ شجاعت شہِ مردان کے خلف
 اللہ اللہ ترا زاویۂ فکر و نظر
 بازوں کی ترے تفسیر کوئی کیا کرنا
 ڈبڈبائے ہوئے تھے اشکِ سلیمہ شاید
 فصلِ خالق سے ابوالفضل ملا تجھ کو خطاب
 پوچھتا کیا ہے زمانہ ترا اندازِ حرام
 آلِ ہاشم کے قمر چاندی صورت والے
 سجدے کرتا ہے ترے درپہ ہر اک مصرع نو
 میں ہوں خلاقِ معانی تری مدحت کے طفیل
 میں جسے چاہوں بناؤں اسے سلطانِ سخن
 تو نے تشکیل وفا اس نئے عنوان سے کی
 شان ہوتی ہے خدا ساز مجاہد کی یہی
 نہ ہوئی آج تک الفاظ میں تصویر کشی
 اب دریا بھی تو چوکی نہ تری تشنہ لبی
 تیرے دم تک تری ہیبت کی نگہبانی تھی
 جنگِ صفین و جمل کی ترے قابل ہی نہ تھی
 تجھ سے مردانِ خدا کرتے ہیں ہمت جلی
 روشِ اہل وفا نقشِ قدم تک نہ گئی
 یہ شجاعت کے صحیفہ میں ہیں آیاتِ جلی
 علقہ دیکھ رہی تھی تری آنکھوں میں تری
 پھر ترے بعد کسی کو یہ بزرگی نہ ملی
 دھار تلوار کی جادہ ہے روشِ صفِ شکنی
 دل و جاں بادِ فدائیت چہ عجب خوش نصیبی
 میرے جذبے ہیں نرالے مری توفیقِ نئی
 دُرِ مضمون سے بھری رہتی ہے دل کی جھولی
 میری تحویل میں ہے ملکِ سخن کی شاہی
 ہو جو بیگانہ روی سے یہ زمانہ ہے خلاف
 سب ترے علم میں ہے جہم کی آشفۃ سری



قصیدہ

یہ بار گہ عرش نشاں منزلِ عظمت
پینے کو یہاں ملتی ہے اُس ہاتھ سے واعظ
چمکا ہوا میخاروں کا ہے اخترِ اقبال
راضی ہیں جو مداحوں سے احمد بھی علی بھی
ملت پہ جو ہوگا کرمِ داویرِ محشر
بھائی ہے وہ سردارِ جوانانِ جنان کا
اس بزم پہ رکھتے ہیں نظرِ لطف و کرم کی
یہ بزمِ ادب سلسلہٴ نورِ ہدا ہے
یہ ہے وہ مقامِ شرف و بابِ تقدس
حلقہٴ کسی ماتم کا کبھی دورِ فضائل
میخانہ کا میخانہ ہے کعبہ کا ہے کعبہ
ساقی بھی سخی رند بھی پیرو ہیں اسی کے
کم حوصلہ و تنگ نظر کوئی نہیں ہے
ہو جاتا ہے ہم ایسے فقیروں کا بھی پھیرا
ساقی سے جو لیتے ہیں چمکتا ہوا ساغر
دو گھونٹ میں چہروں پہ پڑھیں نور کی لہریں
میخانے کبھی بند نہ ہونے دیے ہم نے
پیتے تھے ہم اس وقت بھی سرچ کے اپنا
کج تھیں اسی تیور سے جبینوں پہ کلا ہیں
مقتل میں بھی تھا بادہ گساری کا قرینہ

صدیوں سے ہے میخانہٴ اربابِ موذت
کونین کی طاعت سے گراں جس کی ہے ضربت
اس بزم سے ہے چاند ستاروں کو عقیدت
اس بزم کو بخشا ہے کمالِ ازہِ شفقت
طبقہ یہ چلا جائے گا سیدھا سوئے جنت
منسوب ہے جس سے یہ علم یہ درِ دولت
سرکارِ ابو القاسم و دارائے رسالت
اس بزم سے ملتی ہے زمانہ کو ہدایت
زائر کو عبادات سے ملتی نہیں فرصت
قرآن کی تفسیرِ قصیدہ کی تلاوت
پڑھتی ہیں نمازیں یہاں رندوں کی جماعت
پھیلاتے ہیں دنیا میں شبِ جمعہ کی برکت
پیا سے ہوں جو آجائیں یہاں عام ہے دعوت
محسوس جو ہوتی ہے کبھی نغمہ کی قلت
وہ رند ہیں بڑھ جاتی ہے نبضوں کی حرارت
چھپتی ہی نہیں بادہ و ساغر کی شرافت
جاری رہی ہر دور میں ساقی کی شریعت
پہرے پہ تھے جلا د مخالف تھی حکومت
چہروں پہ وہی میکدہٴ غم کی جلالت
زنداں میں بھی بچھی ہوئی تھی مسندِ عشرت

ہاتھ اپنے کٹائے کبھی اک جام کی خاطر
کیا جوشِ تولد میں سنائے ہیں ترانے
ساقی کی شاکی ہے ہر اک خطرہ خوں نے
پھر آج بہ باغِ دل اے دوست پیئیں گے
اسلام نے پھر ورد کیا نادِ علی کا
صلوٰۃ کے نعروں کی ذرا لے تو بڑھادو
جان اپنی لگادی کبھی اک گھونٹ کی قیمت
سولی پہ بڑھی اور بھی نٹھ کی حرارت
جب موجِ زباں بھی نہ رہی منہ میں سلامت
واجب ہے ہر اک دور میں اعلانِ مودت
اک اور علی کی ہوئی دنیا میں ضرورت
مطلع وہ سناٹا ہوں جو ہے نازشِ مدحت
مطلع

عباس مزاج شرف و معنی عظمت
تو ہے وہ جری جس نے حدیں توڑ کے رکھ دیں
اے نورِ ازل تو نے لباسِ بشری میں
اے جانِ وفاتیری اجازت ہو تو کہہ دوں
تائم ہے ابھی تک ترے آثار ہے دنیا
بے جان میں جان آگئی سٹھ جو بنا تو
کبھی تھی یہ دنیا ترے اقدام سے پہلے
اللہ رے بزرگی تری ماہِ بیٹی ہاشم
اے مصحفِ اخلاصِ عملِ حسن کی صورت
طوبیٰ نے کیا جھک کے سرِ چرخ سے مجرا
اس مرکبِ قوت کی شاخس سے ہے ممکن
ورش میں علی عقدہ کشائی بھی حلم بھی
اللہ رے وفا ہاتھ نہ پانی کو لگایا
کزار کے دلبند تری شان ہے یہ بھی
یہ تجھ کو شہادت سے فضیلت ہوئی حاصل
ہنگامہ سائل میں وہ تلوار چائی

اجالِ مشیت ہے تری شانِ جلالت
سنتے تھے کہ محدود ہے انسان کی طاقت
کس درجہ بڑھایا ہے وقارِ بشریت
زیبا ہے لقب تیرا علمدارِ محبت
زندہ ہے ابھی تک ترے ایثار سے ملت
کیا مشک کو اعزاز ملا تیری بدولت
مضمون وفا اور نہ معیارِ شجاعت
نومبرِ امامت ہیں ترے تائیلِ عظمت
رایت ہے ترے دوش پہ قرآن کی آیت
دیکھا جو ترے حسنِ عمل کا قدوِ قیامت
ہو جس کی حفاظت میں خیمہ کی امانت
تیرے لیے مخصوص تھی یہ شانِ وراثت
دریا کی ہر اک موج کو بوسہ کی تھی حسرت
قبضہ ہے علم پر ترا تا قربِ قیامت
یا تیری شہادت پہ شہادت کو فضیلت
اٹھ جائے کبھی جیسے بگڑ کر یہ قدرت

اب اور کوئی حق کا علمدار نہ ہوگا لیں گے ترے ہاتھوں سے علم حضرت جنت
اسلام کے دل کفر کے ماحول میں پہنچا لہروں پہ ترے خون کی پیغام شریعت
روضہ پہ لرزتی ہوئی اٹھتی ہیں نگاہیں تیرہ سو برس بعد بھی ہے آج یہ بیت
غصہ نہ دلائے جو کوئی دشمن شیر
سر تا بقدم تو ہے محبت ہی محبت



منقبت

ٹائے ثانی زہرا میں کیا کروں تحریر کہ خامہ لکھتا ہے ہر پھر کے آیہ تطہیر
مقامِ حلم میں ہے حلمِ فاطمہ کی نظیر جلال اس کا ہے بالکل جلالِ خیر گیر
قلم اٹھاتا ہوں تھم تھم کے یوں بہ پاسِ ادب پڑی ہے جیسے مرے پائے فکر میں زنجیر
ظہور اس کا ہے اس طرح بزمِ ہستی میں حجابِ نور میں جیسے پیہری کا ضمیر
اسی کے دم سے ہوئی فتحِ جنگِ کرب و بلا کہ اس کا صبح ہے تکمیلِ مقصدِ شیر
کلامِ مودبِ صبر و سکونِ اہلِ حرم نگاہِ باعثِ سکینِ اصغر بے شیر
اسی کے ذہن اسی کے دماغ نے کی ہے بنائے مجلس و ماتم سے قوم کی تعمیر
یہ اہتمام نہ کرتی جو اس کی فکر و نظر تو بھول جاتا زمانہ شہادتِ شیر
مدینہ نبوی ہو کہ شام کا دربار کہیں بصورتِ قرآن ہے وہ کہیں تفسیر
وہ عالمہ نہ کسی سے لیا سبق جس نے کہ اس کے ساتھ ہوئی خلقِ علم کی تنویر
لرز لرز گئے دیوار و در دماغوں کے دیارِ شام میں اس دبدبہ سے کی تقریر
وہ ہے بزرگِ دو عالم میں نو اماموں کی پھر اس کے بعد کسی کو ملی نہ یہ توقیر

امام وقت بھی تھے اس کی ہی حفاظت میں سپرد اس کے تھی ایک اک امانت شیئر
اب اس کے بعد میں اے جہم کیا کہوں آخر
فضائے رعب و جلالت ہے میری دامن گیر



منقبت

شرف کچھ کم نہیں مومن و محمدؐ کی ولادت کا
بنی ہاشم ہیں اس پر مرتبہ پایا شہادت کا
ابھی آتا ہے یہ تحفہ نگارستانِ معنی سے
دو گانہ شکر کا پڑھنا ہے مدحت کے مصلے پر
کسی کو کیا خبر دو ناصر شیئر آئے ہیں
وفا پر دے کے جانیں عین ایامِ جوانی میں
یہ بالاتر ہیں آدم سے یہ نازِ آدمیت ہیں
کبھی تو مدح اہل بیت میں بھی صرف کرا عظم
تشنہ لاکھ ہو ہم پر مدارک کچھ نہیں ہوتا
گزرتی ہے جو ہم اہل ولا پر ہم ہی واقف ہیں
کڑکتی بجلیوں کا ان کی تلواروں میں عالم ہے

میں جہم اپنا فریضہ جانتا ہوں یہ ثنا کوئی

مرا مقصد نہیں اظہار اپنی قابلیت کا



قوم کی ماں

اے علی کی لاڈلی آغوشِ زہرا کی پٹی
اپنے بھائی کی بہن روح بہارِ کربلا
کیا صفیں الٹی ہیں جرأت کے گواہوں نے ترے
تیرے اک خطبہ سے کوفہ میں دہائی ہو گئی
تیرے لہجے سے لسانِ اللہ کا لحن آشکار
تیرا اسوہ زندگی ہے حریت کے نام کی
نقص آسکتا ہے عزت کے خزانے میں کوئی
سببِ نسواں کو ترے ہم صنف ہونے پر سہماں
علمِ تکوینی ہے تیرا اور عملِ حسنِ عمل
تیری ہستی آیۂ تطہیر کی تفسیر تھی
تیرے چہرہ کی جلالت چادرِ تطہیر تھی
تو نے مجلس کی بنا سے قوم کی تعمیر کی
قوم کی ماں اور بیٹی شاہِ خیر گیر کی



منقبت

آگیا ہوں مدحِ اصغرؑ تک بعنوانِ کسین
اس کی صورت نے دکھایا جلوۂ حُسنِ آفریں
اے سراپا حُسنِ اصغرؑ اے علی چار میں
مدح کے عالم میں ہر مصرعہ پہل جاتا ہے دل
اللہ اللہ اک تبسم میں یہ طاقت یہ جلال
داد دیں حُسنِ عمل کی اس کے پیغمبرؑ امام
منفرد ہے ذاتِ اصغرؑ ورنہ دو اس کا جواب
کون ہے شیر کے ہاتھوں پہ سائل نے کہا
بس نہ تھا کچھ ورنہ جب ہاتھوں پہ لائے ہیں سین
شاعرِ یورپ ثنا خواں ہے زبے شانِ عمل
مطمئن بیٹھا ہوں میں اس کی محبت کے طفیل
جس زمینِ شعر میں کرتا ہوں مدحِ اہل بیت
شغلِ مدحت میں فرشتہ موت کا آیا اگر
تیرا محتاجِ کرم ہوں ورنہ اے عرشِ آستان
بند میں جیسے ہیں ایسے چاہنے والے کہاں
اہلِ بیتِ مصطفیٰؐ میں کیا سوال امتیاز
منقبت کرتا ہوں اس مصرعہ پہ کاغذی کے تمام

شکر کے سجدے میں ہے اب میرے خامد کی جبیں
عشقِ صادق ہو تو بے دیکھے بھی آتا ہے یقین
تیری ہی صورت میں نکھر اُحسنِ صورتِ آفریں
میرے دل کی جنبشیں لکھ لیں کرنا کاتیں
تھی امامت درمیاں ورنہ الٹ جاتی زمیں
میری کیا ہستی کہوں میں آفریں صد آفریں
جانشین ہے کون اس کا وہ ہے کس کا جانشین
موج دریا نے صدا دی رحمتہ للعالمین
جی کڑا کر کے اٹھا ہی لیتے جبریلؑ امیں
ساری دنیا میں مثال ایسی نہیں ملتی کہیں
دل کے احساسات میں اب کوئی گنجائش نہیں
یوں بھلی لگتی ہے جیسے ہو وطن کی سرزمین
میں کہوں گا اک ذرا ٹھہرو ابھی فرصت نہیں
میں تیرے در پہ کھڑے ہونے کے بھی قابل نہیں
تو کہیں تیرے پرستاروں کی منزل ہے کہیں
اک علیؑ اولیں ہے اک علی چار میں
السلام اے سایہ ات خورشیدِ رب العالمین



منقبت

وسنِ فطرت جو کرے گا استوار آہی گیا دردِ دل کے تکلمہ کا ذمہ دار آہی گیا
ہم نہ کہتے تھے جسے آنا ہے آئے گا ضرور جان صدقے دل فدا آنکھیں نثار آہی گیا
جب ضرورت اک علی کی پھر ہوئی میدان میں چھ مہینے کا علی مردانہ وار آہی گیا
نعرۂ صلوٰۃ کی محفل میں بارش ہوگئی ذکر اس کا صورتِ لب بہار آہی گیا
پندرہ ماہ رجب کی چمِ دعوت جب ملی
اور کچھ دن زندگی کا اعتبار آہی گیا



منقبت

منظہرِ معصومیت اے فاطمہؑ کی ورثہ دار کون پاسکتا ہے تیری منزلِ صبر و قرار
راہِ حق میں ہر قدم ایثار کی تفصیل تھا تیرا منصب مقصدِ خمیر کی حکیل تھا
تیرے لفظوں نے لسانِ اللہ کی تفسیر کی اپنے بابا کی زباں سے کی جہاں تقریر کی
سوئے میدانِ اذنِ جنگِ کربلا لے کر گئے تجھ سے اٹھارہ بنی ہاشم رضا لے کر گئے
تیری عزت پر درود اور تیری عظمت پر سلام تیرے سایہ میں پلا کونین کا چوتھا امام
غاصبانِ شام و کوفہ کی ساعتِ دنگ تھی
تیرے اک اک لفظ میں کیا بے تہدد جنگ تھی



منقبت

عبائے ہیں نظر میں ولا کا شباب ہے
مداح جس کا ہوں وہ جلالت مآب ہے
حاصل ہے جس کو مدح کی منزل میں دستِ نبی
میں ہوں اس اجتہاد کی مسند پر جلوہ گر
ہم بزمِ میساروں سے الجھے نہ ہم کبھی
پہنچے کوئی خیر بھی جو اپنوں کے ہاتھ سے
تابِ سخن بھی قوتِ بازو بھی ہے مگر
غیروں کا مسئلہ ہو تو وہ اور بات ہے
اے دوست اہل بیت کے اسوہ پر کر نظر
تقلیدِ اہل بیتِ عمل میں نہ کی اگر
عالم میں کر بلا کے مجاہد ہیں انتخاب
آساں نہیں ہے اس کی جلالت پہ تبصرہ
نسبت سے اس کی فضل و شرف کو ملا وجود
اس کی نظر میں ساحل و میدان بے بساط
صورت کی شان یہ ہے کہ یوسف ہیں دم بخود
آنکھیں نبوت اور امامت کی ہیں نقیب
کیا اس کی معرفت کا ہے عالم نہ پوچھیے
تو فاتحِ فرات ہے عبائے ذی شرف
اس کی ولا میں جہمِ عرض ہے کہ ہے خلوص
در پیش ابھی یہ مرحلہ احتساب ہے



طرحِ نو

تو آج کیوں ہنگامہ زما ہنگامہ پرور ہے
یہ کس نے بابِ زنداں کو بنایا بابِ آزادی
یہ کس نے خستگیِ غم کا آئینہ کہن بدلا
یہ کس نے اپنا فرمانِ اسیری خود کیا جاری
یہ کس خود دار نے گھر سے نکل کر موت کو ٹوکا
قفسِ یہ کس نے ڈھونڈا ہے اورہ کی راجدھانی میں
سپاہی وضعِ رند اور مردِ میدانِ عملِ شاعر
قلمِ شعلے اگلتا ہے خدا محفوظ ہی رکھے
مہ و خورشید سے اونچی کلاہِ خمر ہے جس کی
نظر کی رو سے موجوداتِ عالم ہٹ گئے ہوں گے
تخیلِ عالمِ ارض و سما سے بڑھ گیا ہوگا
وہ زنداں ہی تھی اپنی زمیں ہے اپنا بستر ہے
زبے تقدیر پہنایا ہے زیور ہم صفیروں نے
عجب کیا بار ہو جاتی اسیری غیر ہاتھوں سے
درِ دولت سے کتنا فاصلہ ہے بابِ زنداں کا
ہمیں وہ پیکرِ تصویر سمجھے یہ نہ سمجھے تھے
چمن میں ہیں تو کانوں پر بھی نیند آجائے گی شاید
یہ مانا آج ہم قیدی ہیں وہ آزاد ہیں لیکن
معاذ اللہ کیا کیا ناز تھے گھر کی حکومت پر
ہماری خاک پر سوار بنیادِ چمن رکھ دیں
مناکر ہم کو باقی کوئی رہ جائے تو ہم خوش ہیں

یہ کس وحشی کی آمد سے درِ زنداں پہ محشر ہے
وہ زنداں کی تمنا میں ہے جو زنداں سے باہر ہے
نیا اقدام کس کا مسلکِ ہر قلب مضطر ہے
یہ کس کو عشق کے پندار کی دولت میسر ہے
یہ آساں زندگی بے مدعا دل کس کو دو بھر ہے
کوئی نغموں کا متوالا کوئی بانکا سنخور ہے
یہ کون اس دورِ آخر میں فروزِ ق کی جگہ پر ہے
محبت نے لیا ہے امتحاں آپے سے باہر ہے
وہ کیا جانے کہ حس کی زمیں پر یا فلک پر ہے
نظر کی مسکراہٹ میں کوئی دنیا ئے دیگر ہے
کہ آخر شاعرِ فطرت ہے فطرت کا پیہر ہے
وطن کی خاک پر تکیہ وطن کی خاک پر سر ہے
نہ پتھریوں میں کس ہے اور نہ زنجیروں میں لنگر ہے
بہت دلکش نمودِ اختیار بندہ پرور ہے
خدا آباد رکھے ایک ہی گھر ایک ہی در ہے
خوشی کے بھی کچھ معنی ہیں جب تک حد کے اندر ہے
بہر صورت بہر پہلو وطنِ آغوشِ مادر ہے
دلوں کو وزن کر لیں ذوقِ آزادی برابر ہے
حکومتِ پا کے ہم سمجھے حکومت کا جدا گھر ہے
اُصولِ بل ہی جائے گا جو پھل جائے مقدر ہے
چلو ذروں سے پوچھ آئیں ہمالہ کس کے بل پر ہے

ولادت اس کی برحق ہے ظہور اس کا مقرر ہے
یہ شانِ ورثہ داری کس کو عالم میں میسر ہے
براہِ راست ہے ہر سلسلہ ذہنی لطافت کا
ذرا آنے تو دو قبضہ تک اس کے دستِ قدرت کو
مزاج اپنا بدل دے گا پٹ کر اس کے قدموں سے
بڑی زحمت اٹھائی ہے ترے اجداد نے مولاً
کسی کا انتظار اس دورِ ہستی نے نہیں دیکھا
پس پردہ بھی سب ہیں متفق تیری سیادت پر
دلِ خیبر شکن توفیق دے خیبر کشائی کی
اسی عزت کے لگ بھگ شان کے پہلو پہ پہلو ہو
یہ دنیا آزمائش کر رہی ہے نوجوانوں کی
بہت ہیں مرنے والے مر کے جینا چاہنے والے
اسی مٹی سے پھر انگڑائی لے کر قوم اٹھے گی
بگڑ جانا غلامِ خلق بن جانے سے بہتر ہے



ہمہم

زمانہ جنگ کا ہے مسئلہ زور آزمائی کا
کہاں تک ششقیہ یکسر لہو کا گھونٹ ہے واعظ
تغزل زیرِ رخصت زمزمہ برخواستِ محفل سے
اہلِ بیتی ہے شرابِ زندگی جذبے ابھرتے ہیں
نکل آیا جو میخانہ سے تقوا کی سپر لے کر
مے لاسیف سے بھرتا ہوں ساغرِ لا فتائی کا
خدارا چھیڑ دے اک ہمہم کشور کشائی کا
سبق ہے میکشوں میں زور بازو کا کلائی کا
تھوڑ سے بدلتا ہوں تکلفِ خوشنوائی کا
کسی کے وار کو موقع نہ دوں گا خود نمائی کا

منقبت

آیا مری زباں پہ جب مدح کا ترانہ
 میرے نصیب میں تھا مطلع یہ عارفانہ
 میری زباں پہ اس کی مدحت کا ہے ترانہ
 گزرے ملک بھی میرے باغِ سخن کی حد سے
 جس کو خدا بہت سے انسان کہہ رہے ہوں
 جو خارجی ہیں وہ ہیں خارج از آدمیت
 عیدِ صیام کیا ہے کیا عیدِ ماہِ قرباں
 اس عید نے بنایا سرمایہ حقیقت
 وہ کون سو رہا تھا خیر کو فتح کرنا
 بعدِ نبی خلافت ہر رُخ سے ہے علی کی
 دام و درم سے اپنے علم و عمل سے اپنے
 دنیا میں بات رکھ لی اسلام کی علی نے
 اک واک بھی حد تک اس نے پہل نہیں کی
 جب بھی اسی کے سب سے بڑھ کر ہے فضائل
 تسلیم کر رہے ہیں ہم اس کی حکمرانی
 مدحت نہ کی علی کی گر آخری نفس تک
 یہ فتح یا بیاں تھیں سب اس کے دم قدم سے
 چوتھا خلیفہ اس کو کہدوں خدا نہ کہدوں
 ہر شجرہ تصوف اس تک پہنچ رہا ہے
 مجرم ہوں میں غلو کا قصر ان کو ہو مبارک

روجی فداک کہہ کر چپ رہ گیا زمانہ
 مصرع ہیں مدح کے دو یا عید کا دوگانہ
 جس کو لسانِ قدرت کہتا ہے ہر زمانہ
 ممکن ہے اک نظر بھی ڈالی ہو طائرانہ
 کیا اس کی مدح میں ہو گنجائشِ فسانہ
 اس کے محبت ہیں ورنہ بیگانہ و بیگانہ
 اس عید پہ تصدق ہر عید ہر زمانہ
 یہ عید گر نہ ہوتی اسلام تھا فسانہ
 ہوتی یمن میں کس کی تقریرِ عالمانہ
 کس نے لگادیا یہ غیروں کا ساخانہ
 مولانا نے بھر دیا ہے اسلام کا خزانہ
 گزرا ہے اے مسلمان ہر دور ظالمانہ
 جنگیں بہت لڑی ہیں لیکن مدافعانہ
 جب کھل گیا حدیثیں ڈھلنے کا کارخانہ
 تا حشر جس کا پوتا ہے صاحبِ زمانہ
 یہ مرگِ شاعری ہے اور حیلِ شاعرانہ
 رکھ دو کسی کے سر پر اب تاجِ فاتحانہ
 اس سے کہیں ہے بہتر یہ مدحِ کافرانہ
 لیکن کہی کسی نے یہ بات منصفانہ
 ہے دینِ شیخ صاحب اب درسِ ناصحانہ

مدحت کو اس کے آگے میری زباں نہ کھلتی
 ہر اک صفت پہ اس کی دل بولتا ہے میرا
 بندی سہی مگر ہوں مولّا کے در کا شاعر
 میں مدح کر رہا ہوں بے فکر اجر و اجرت
 ہاں اے سفیرِ فطرت بن جائے نظم میری
 کہنے کی بات کہہ دوں بگڑے کوئی تو بگڑے
 جب حق کا مسئلہ ہو ڈرنا نہیں کسی سے
 جو درد کا ہے مالک اس کی پناہ میں ہوں
 جنت کی نگاہوں نے جادے بنادیے ہیں
 اونچا کر اور اونچا یہ منقبت کا پرچم
 اعدا کی سرزنش کو دے وہ قلم میں قوت
 میری خصوصیت ہے تخلیق وضع نو کی
 یوں ہے رواں ولا میں میرا قلم خرماں
 ہوتی ہے بار اکثر حق بات سامعہ پر
 کہہ دیجیے قصیدہ ہے یہ مناظرانہ



منقبت

حسنِ حسن کی مدح میں گزرے اگر حیات
 پیغامِ سلح پر جو کیا اس نے التفات
 ہر روز روزِ عید ہو ہر شب شبِ برات
 کتنی بلند ہو گئی انسانیت کی بات

بخشا ہے اس نے سلح کو وہ خلعتِ حیات
 پیکر کے اعتبار سے روح جمالیات
 اس گھر کے اعتبار سے قائم ہے کائنات
 ورنہ ہے کہ ان کے ہاتھ میں تقدیر کائنات
 کانوں سے ان کے دوری رہتی ہے حق کی بات
 بُو دیتے ہیں فساد کی جن کے تصورات
 اثر کی طرح ریگ کے پٹی ہے ان کی بات
 جن کے خلاف آل پیبر ہیں درسیات
 ہے علم پہ عذاب خدا جن کا التفات
 قرآن کانپتا ہے لگاتے ہیں جب یہ بات
 ان کی زباں سے تنگ ہے الفاظ کی حیات
 فاقہ کے بھی ہوئے نہ میسر تو جہات
 ہوں دشمنِ حسین سے جن کو توقعات
 جیسے یہی تھے دین خدا کے مطالبات
 بے زار جیسے لشکرِ اشرار سے فرات
 جی چاہتا ہے پھوڑ دوں لفظی تکلفات
 رہ جانا ہے تڑپ کے ہجومِ تاثرات
 مدحِ حسن ہے ملتِ اسلام کی حیات
 خلقِ پیبریٰ کو حسن سے ملا ثبات
 جو کائناتِ حسن ہے جو حسن کائنات
 پورے کئے ہیں دینِ خدا کے توقعات
 تیرے کرم سے جس کو دوبارہ ملی حیات
 دل سے تڑپ کے آہی گئی جب لبوں پہ بات

تا حشر احترام کریں گے خدا پرست
 پاکیزگی روح بعید از تصورات
 حق ناشناس کے لیے اک زہر ہے یہ بات
 عشرہ کے دن بھی صبر کیا یہ ہے اور بات
 جھوٹی روایتوں کا ہے یوں سامعہ پہ بات
 اس بزمِ عطریز میں کیا ان کے نام لوں
 تیرہ سو سال سے ہے سوا فاصلہ مگر
 ملتے ہیں ایسے آج بھی منائے کم سواد
 جن کی بغل میں ایسی کتابیں ہیں شرم سار
 خامہ لڑتا ہے کوئی آیت لکھیں اگر
 مولانا کے دشمنوں کی صفائی کے ہیں گواہ
 روزہ نے بھول کر بھی لگایا نہ ان کو منہ
 ان کی نماز رسم ہے ان کی دعا ہوس
 الفت معاویہ سے عقیدت یزید سے
 آب وضو کو ان سے تنفر ہے اس قدر
 دشمن کا اہلیت کے آتا ہے جب خیال
 خود روک دیتی ہے مجھے تہذیبِ اہلیت
 اسلام کو منائے گا بوجہل وقت کیا
 بھرتا ہے دمِ حسین کا زورِ یدِ الہی
 ایسے حسین کا نام نہ کیوں کر حسین ہو
 ماحولِ ظلم و جور میں تکمیلِ صبر سے
 اس قوم نے دیا ہے ہمیں کربلا کا غم
 میں سوچتا ہوں عرض ہی کردوں حضور میں

مولاً ترے کرم کا یہ مصرف نہ ہو کہیں
مردانِ حق پسند میں کیا اس کا تذکرہ
اپنے خیال خام میں اسلام کی سپر
جس سے اولیٰس و بوذر و سلمان تھے جرعہ کش
اسلام جب دورا ہے پہ تھا سلح و جنگ کے
دونوں نواسے پشت پہ سجدے میں تھے رسول
ہر اک بشر کو اس کی محبت نہیں نصیب
فردوسِ اہلِ دل ہے مودت کی زندگی
مل جائے ناز سے نہ عدو کو ترے نجات
اوڑھے ڈوپٹہ پھرتا ہے جو مردِ بد صفات
اسلام کی نظر میں اسیر توہمات
اب بھی کھلا ہوا ہے وہ میخانہ صفات
ٹھہری تھی اس کے فیصلہ پہ امر حق کی بات
کیا یہ بھی ہیں عبادتِ حق کے لوازمات
ہلِ ولا کے ساتھ ہے ہلِ ولا کی بات
اس زندگی میں دن ہے نہ اس زندگی میں رات
ہم چم چار روز کے مہمان ہیں مگر
وہ جائیں گے یہ شعر و ادب کے تبرکات



قصیدہ

حمد کی تحریک ہے جس میں وہ منظر دیکھئے
نورِ خالق ہے تصور میں وہ آسکتا نہیں
شہرِ و شہرِ مل کر ہیں پیہر کی شبیہ
بیچ میں معراج کی شب کا سا پردہ بھی نہیں
ملتی جلتی ہے ذرا تشبیہ کمال تو نہیں
صوتِ اکبرِ لحنِ پیہر کا ارکانِ اذان
تاقیامت ایک حل ہے حسرتِ دیدار کا
حُسنِ اکبرِ مصرفِ اللہ اکبر دیکھئے
ہو تصور پر جو تابو زندگی بھر دیکھئے
یہ مگر تنہا ہیں تصویرِ پیہر دیکھئے
کس قدر اللہ سے ہے قرب اکبر دیکھئے
زلف و رخ میں صبحِ خلد و شام کوثر دیکھئے
مجملاً بھی ذکر ہے کیا روح پرور دیکھئے
مدح کے لفظوں میں جذباتِ شاگر دیکھئے

جنگ سے کتنا اہم تھا اذنِ میداں کا سوال
 رائے صائب ہے یہی وصف دیانت ہو اگر
 سب برابر ہیں یہاں چھوٹا بڑا کوئی نہیں
 مدحتِ آلِ نبیٰ ہی ہے نمودِ شاعری
 کربلا کا واقعہ ہے درد افزائے غزل
 نازشِ آئینِ فطرت کیوں نہ ہو ان کا وجود
 اک مسلسل مسئلہ ہے اس کی مدحت کی شراب
 کوئی موقعِ جاں نثاری کا جو آجائے کبھی

کر لیا اُس شیر نے یہ معرکہ سر دیکھئے
 سارے مداحوں کو اس منزل میں یکسر دیکھئے
 اتباعِ سیرتِ آلِ پیغمبرؐ دیکھئے
 غور سے معیارِ افکارِ سخن ور دیکھئے
 درد ہے اردو ادب کا خاص جوہر دیکھئے
 کس قدر احسان ہیں انسانیت پر دیکھئے
 خلقتِ اول سے اب تک دورِ ساغر دیکھئے
 یہ بڑی خوش قسمتی ہے جان دے کر دیکھئے

سربِ سجدہ خامہ دل بے تاب لرزش ہاتھ میں
 مدح کے میدان میں عجزِ سخنور دیکھئے



منقبت

داستاںِ اصغرؑ کی ہے تفسیرِ قرآنِ کریم
 باپ کے ہاتھوں پہ اس کی سر بلندی تھی عظیم
 سب سے کم سن تھا یہی مردِ صراطِ مستقیم
 جذبہٴ دردِ محبت پہ ہے احسانِ عظیم
 چھ مہینہ میں علیؑ کی قدرت دیکھنا
 کیا ہاتھوں ہاتھ پہنچا جنگ کے میدان میں
 مجھ کو حاصل ہے یہ اصغرؑ کی ثنائیں امتیاز

اس کی انگلی کا اشارہ ہے صراطِ مستقیم
 اب مزا دینا نہیں انسانہ طور و کلیم
 کیا عجب اصغرؑ اگر ہو معنیِ ذبحِ عظیم
 دل کسی کا ہو اگر اس کی محبت میں دو نیم
 بن گئی گہوارے سے میدان تک اک مردِ عظیم
 پاؤں سے لپٹی ہوئی تھی اس کے راہِ مستقیم
 مری اک اک سانس ہے فردوس کی موجِ نسیم

روکنے کا قصد ماں نے اور نہ بہنوں نے کیا
درد کی دنیا ابد تک لا نہیں سکتی مثال
ہمتیں اس نے بڑھا دیں صاحبانِ عزم کی
جان دے کر ذہنِ انسانی کو روشن کر دیا
جہنم میں تامل نہیں ہوں انکسار و عجز کا
اللہ اللہ کس قدر اصغر کا تھا عزمِ صمیم
اک تبسم کر گیا ہے اس کا وہ کارِ عظیم
اس کے صدقے میں ہوئے ہیں سینکڑوں کارِ عظیم
اے شہید ابن شہید اور اے کریم ابن کریم
میں ہوں سلطانِ سخن اور فکرِ برحق ہے ندیم

منقبت

کیا پوچھتے ہو شانِ علی کے فقیر کی
دل پر مرے نظر ہے صغیر و کبیر کی
زاد کے لب پہ جنت و کوثر کا ہے سبق
آئے فرشتے عرش سے تسبیح چھوڑ کر
ہے کون دستگیرِ ید اللہ کے سوا
چاہو جسے امیر بنالو برائے نام
ہل عزا سے آنکھ پھرائیں گے کیوں علی
کیا ذکرِ خلد کا یہ نہ سونگھیں گے بوئے خلد
یاں کون سی کمی ہے نصیری کو کیا کہیں
پڑھتا ہوں میں نمازِ ولا جس پہ رات دن
میرے لیے کھلی ہوئی مئے ہے غدیر کی
اس ٹم میں بھی شراب بھری ہے غدیر کی
میں اس سے بات پوچھ رہا ہوں غدیر کی
کیا بات سیدہ تری نانِ شعیب کی
دستِ خلد ہے شانِ مرے دستگیر کی
آئی نہیں ہے بات جنابِ امیر کی
جاؤں گا نذر لے کے غمِ دل پذیر کی
کہہ دو منافقوں سے دعا ہے فقیر کی
واعظ کسے خبر ہے کسی کے ضمیر کی
منزل ہے آسمان سے بلند اس حصیر کی

قصیدہ

زبانِ کلک سے آوازِ بسمِ اللہ کی آئے
 بہ فیضِ مدحِ حسن و عشق کی صورت گری آئے
 ضعیفی کا زمانہ ہے شبابِ شاعری آئے
 کرم سے اس کے ہوں سرمایہ دار اس کی توفیق کا
 ادب سے ہونشت الفاظ کی قرطاسِ مدحت پر
 ہر اک تشدید ہے گانہِ مفہومِ تشدد سے
 علمِ بردار ہوں توحید کے جتنے الف آئیں
 رہے نظروں کا مرکز بائے بسمِ اللہ کا نقطہ
 میں شعری آیتوں میں روح بھرتا ہوں موذت کی
 مقامِ نازِ ابراہیم جس کا خوانِ نعمت ہو
 رہے قسمت جو دم بھر کو مرا سر ہو قدم ان کے
 کہوں وہ فاطمہ کے لاڈلے کی مدح میں مطلع
 مشیت تھی خدا کی روشنی پر روشنی آئے
 عجب کیا ہے محبت میں اگر دیوانہ ہو جاؤں
 دمِ آخر مرے لب پر یہ حرفِ آخری آئے
 ذرا کردار کا بھی آئینہ ہمراہ لانا ہے
 صلوة و صوم سے جو کم سمجھتا ہو ولا ان کی
 دو پارہ کل ہوا تھا آج سو کلڑے نہ ہو جائیں
 وہ محرابِ حرمِ ابروِ جلالت خیز پیشانی
 وہ بالا تر ہے سب سے آدمی ہو یا فرشتہ ہو

خُن کے شہروں سے جب صدائے یا علی آئے
 شعورِ فکر کے چہرے پہ نور آگئی آئے
 مری ہر بیت میں یاربِ جمالِ یوسفی آئے
 جگہ اتنی کہاں جو میرے گھر میں مفلسی آئے
 مضامین لے کے دامن میں مری شہادتگی آئے
 حسن کی مدح میں بھی رنگِ سلح و آشتی آئے
 رسالت کا تصدق ذوقِ معنی پروری آئے
 امامت کے قدم چھو کر قلم کی رہبری آئے
 وہ کیا جانیں جنہیں الفاظ کی صورت گری آئے
 سخاوت نے دنا کی تھی کوئی ایسا تھی آئے
 وہ سر ہے دردِ سر جس پر کلاہِ خسروی آئے
 کہ بتاتا کھیلتا مجھ تک غرورِ شاعری آئے
 نبیؐ تو آپکے دنیا میں تصویرِ نبیؐ آئے
 تعجب کیا قدم لینے اگر فراگی آئے
 حسن کا نام لوں پھر موت آئے زندگی آئے
 مقابل میں جو کوئی دیدنی نامیدنی آئے
 خدا را سامنے کوئی نہ ایسا اجنبی آئے
 جو ہمت ہو مقابل چودھویں کا چاند بھی آئے
 نظر پڑتے ہی ہر اک دل میں ذوقِ بندگی آئے
 فرشتہ جس کی خدمت کو بشکلِ آدمی آئے

نبیؐ مرکب بنے ہوں جن کی خاطر صحنِ مسجد میں
چراغِ طور ہمدحت کی اک اک بیت میں روشن
محبت ان کی مانگی جائے جب ہر رسالت میں
کوئی رتبہ سمجھ سکتا ہے کیا اس کی امامت کا
قرینہ سے پیہر کو بھی اس کی آرزو ہوگی
حسن نے سلح کر کے آبرو اسلام کی رکھ لی
حسن کے دشمنوں کو یہ سزا ملنا ضروری ہے
مجھے تو مدح کے جادہ کی منزل تک پہنچنا ہے
بہارِ جاوداں ہر لحظہ ہے اس مدحِ عظمتی کا
مسلمانوں میں تھے اہل نظر بھی دیکھنے والے
شناخوں ہوں گے بے گنتی جلوںِ شریں اس کے
ہزاروں پھول کھل جائیں چمن زارِ عقیدت میں
مخالف کج روی کے پھیر میں گم ہو گئے آخر
حسن تو آچکے اب حکم حق آنے ہی والا ہے
زیارت ہو مرے مولّا کی مجھ کو موت سے پہلے
اُسے تھا انتظار ایسے مقدس گھر میں آنے کا
زبانیں روک لیں اپنی لسان اللہ کے دشمن
اسی اک سلسلہ کے واسطے پر نظم قدرت ہے

رہے اے جہم کیوں خالی صدارت بزمِ مدحت کی

ہمارے بعد کوئی اور قسمت کا دھنی آئے



منقبت

چار دن بھی نہ ملا آلِ نبیؐ کو آرام سال بھر ہم کو رُلّاتی ہے حدیثِ اسلام
غم ہی ہر دور میں ساتھی ہے علیؑ والوں کا کبھی آجاتا ہے قسمت سے خوشی کا بھی پیام
اُم کلثومؓ کی تاریخِ ولادت ہے آج آج کا دن ہے محبوبوں پہ خدا کا انعام
دوسری ثانی زہراؑ ہے بہ اوصافِ تمام
اُم کلثومؓ پہ واجب ہے درود اور سلام



عروس الکلام

تم تو ہوتے ہی نہ تھے آنکھ سے میری اوجھل پھر مجھے دردِ جدائی سے کیا کیوں بیکل
تم کبھی تھے میرے کاشانہ دل کی زینت تم سے آباد جو تھا اب ہے وہ اُجڑا ساحل
قصرِ کسریٰ تمہیں عاشق کا سیہ خانہ تھا بوریے کو میرے سمجھا کئے فرشِ مخمل
بزمِ جم سے بھی سوا تھی میری محفل کی بہار تم تھے پہلو میں تو جنگل میں تھا مجھ کو منگل
مجھ کو یاد آتی ہیں رہ رہ کے پیاری باتیں شوخیاں تھیں جو قیامت تو غضب تھی چیل بل
بے حجابانہ دکھایا کبھی روئے روشن اور شرما کے کبھی لے لیا منہ پر آنچل
میری سوتی ہوئی تقدیر جگانے کے لئے کبھی خلوت میں چلے آئے پہن کر چھاگل
اللہ اللہ کہ پہلے تھی وہ شورا شوری اب یہ ہے بے مکی زینت میں جس سے ہے خلل
آج بھولے سے بتاؤ تو کدھر آنکھ وہ بہانے گئے کس سمت کدھر لیت و لعل

آج کیا اپنے تغافل سے پشیمان ہوئے
 کس ادا سے یہ کہا اُس نے چڑھا کر تیوری
 جب سنے تجھ سے تو شکوہ کے شکایت کے کلام
 بات سن غور سے اب چھوڑ بس ان قصوں کو
 عہد طفلی سے فن شعر کا ہے شوق تجھے
 تیری غفلت کی قسم کھائیے سچ ہے یہ اگر
 عرش سے فرش تک اس شہنشاہ کی ہے دھوم
 سُن کے یہ مدحتِ مولیٰ کی ہوا چلنے لگی
 مدح ہے شہنشاہِ خدا کی مجھے لکھنی منظور
 کعبۃ اللہ میں احسانِ گرے منہ کے بھل
 منبرِ عرشِ علا تختِ امامِ اول
 خدمتِ نخلِ امامت سے یہ حاصل ہوا پھل
 اصل جس نخل کی ہے خاصِ خدا کے گھر میں
 وہ سلیمان ہیں ہے یہ اہد بنا جن کی بساط
 وہ بہادریہ دلاور ہے کہ جس کے آگے
 ہے اس کے لیے اُمت علیکم آیا
 ایسا عالم کہ پڑھا علم نے جس کا کلمہ
 جس سے بیعت کی امامت نے بھی خود ایسا امام
 قاتلِ مرحب و غارت گر کفر و الحاد
 ایسے دشمن ہوئے حضرت کے سب کہ روزِ غدیر
 کون اس رتبہ کا ہے بعد رسولِ اثنین
 ہے اسی طرح ثلاثہ پہ علی کی تفصیل
 اب کوئی مدحتِ حاضر میں رقم کر مطلع

آج کیوں آئے ہو ڈالے ہوئے منہ پر آنچل
 ہم کو بھاتی نہیں اک آنکھ یہ باتیں مہمل
 نہ قصیدہ نہ رباعی نہ خمیس نہ غزل
 لازم انسان کو ہے دنیا میں کرے نیک عمل
 اور سمجھتا ہے کہ میں ہوں شعرا میں اکمل
 ہے کہاں ہوش بھی ہے کچھ تجھے گناہ ازل
 آج کعبہ میں ہے میلادِ امامِ اول
 مطلع صاف میں مضمون کے اُڈے بادل
 اے قلم ہوش میں آ، ہوش میں آ ہاتھ سنبھل
 بُت شکن آیا پڑی لات و ہبل میں بالچل
 باغِ فرودس بریں چرخِ نہم شیش محل
 شاخِ طوبیٰ پہ بنا طائرِ سدرہ کا محل
 بار امامت کا اٹھائے ہوئے کوپل کوپل
 خیمہ ہے، چرخِ بریں آپ کا دل بادل
 جراتِ رستم و بہمن کے فسانے ہیں زل
 دین اُسی کی تو نیابت سے ہوا ہے اکمل
 ایسا استاد کہ شاگرد ہے عقلِ اول
 جس کی امداد کا محتاج رہا ہر مرسل
 اشجع ملکِ عرب فاتحِ صفین و جمل
 دیکھ کر نورِ بغل ہو گئے منہ زیرِ بغل
 جس کا ایک وار عبادت سے جہاں کی افضل
 جس طرح تینوں کتابوں سے ہے قرآن افضل
 کان میں آ کے یہ فرما گئے عقلِ اول

ساقیا آج پلانے میں نہ کر لیت واصل
 آج میخوار کو میخانہ کی گنجی مل جائے
 ترے الطاف کا اے ہر کم ہوں پیاسا
 ہے یہ منظور فلک تک ترا شہرہ پہنچے
 آج زاہد کی بھی کچھ بدلی ہوئی ہے نیت
 ہو نہ ہو جام میں پابند تکلف ہی نہیں
 نشہ ہو جائے تو اس شان کا مطلع لکھوں
 اے نصیری کے خدا عید خداوند اہل
 دیکھ لیں تیرے فقیروں کو اگر اہل دول
 تو ہی مختار ہے دوزخ کا تو ہی جنت کا
 آنکھ کھولی تو محمدؐ سے ہوئیں چار آنکھیں
 ماہ ہے چاندنی کا پھول ترے نقش میں
 بہرہ ور ہوتی نہ اخلاق و ادب سے دنیا
 ہے یہ فیض قدم پاک سے زوروں پہ بہار
 تیرے انصاف کی دنیا میں نہ چلتی جو ہوا
 راہ بھولے ترا زائر جو اندھیرے کے سبب
 تیری الفت میں جو ہو جائے بشر دیوانہ
 تیری زلفوں کی سیاہی شپ معراج رسولؐ
 حچم ہے اک ترا ادنیٰ سا گدا یا مولانا
 اہل دنیا کو نہ لایا کبھی میں خاطر میں
 فیض آباد میں لے آیا ہے شوق مدحت
 شرم خادم کی خن فہموں کے آگے رہ جائے

کعبہ سے اٹھ کے وہ میخانہ پہ جھومے بادل
 آج دیدے مرے قبضہ میں صراحی بول
 موج ایسی کبھی آجائے کہ بھر دے بل تھل
 آج بھر جائے ثریا کی بھی خالی بول
 آج بچ کر نہ نکل جائے یہ نا کام ازل
 ہو اگر حکم ترا منہ سے لگالوں بول
 ہو گماں سب کو کہ ہے ناد علی کی پیکل
 مظہر آیت حق نفسِ نجیٰ مرسل
 بچ دیں فقر کے بدلے میں امارت کے محل
 تیری عقبیٰ میں حکومت ترا دنیا میں عمل
 نور خالق کا بنا آنکھ کا تیری کا بل
 مہر روشن ہے تری بزم کا ادنیٰ سا کنول
 جلوہ افروز نہ ہوتا جو ترا حسنِ عمل
 طعنہ زن خلد پہ ہوتا ہے نجف کا جنگل
 قصہ باز و کبوتر بھی نہ ہوتا فیصل
 ساتھ ہو مہر فلک شب کو جلا کر مشعل
 اُس پہ سو جان سے قربان ہو عقلِ اول
 تیرے چہرے کی ضیا نور خداوند اہل
 ہے غنی دولتِ ایماں سے ہے یہ عید اقل
 کبھی بھولے سے نہ کی مدحت ارباب دول
 نظرِ لطف رہے بہر خداوند اہل
 چار پشتوں سے ہے مداح یہ گمنام ازل

چودھویں کا چاند

ہوئی مصروفِ راحت لیلیٰ شب لے کے اُٹرائی
 دکھائی صبح صادق نے جو اپنی شکل نورانی
 نہیں ہیں بے سبب بے وجہ یہ اٹھکھیلیاں اس کی
 عجب مژدہ ہے گوشِ ہوش سے اے سننے والے سُن
 جناب مہدی دیں کا زمانہ میں قدم آیا
 یہ وقتِ عیش ہے اے جہم پڑھ وہ دھوم کا مطلع
 زمانہ میں جو نور حق کے آنے کی خبر پائی
 وہ آئے جن کا آنا تھا مناسب باغِ عالم میں
 نہیں آسان صورت دیکھ لینا چھپنے والوں کی
 مرے اُستاد زوے آئے یہ روح الامین بولے
 شجاعت نے کہا فخرِ شجائانِ جہاں آیا
 صدا یہ علم نے دی عالمِ علم نبی آیا
 کہا یہ خضر نے خضرِ طریقت ہے یہی میرا
 کہا اعجاز نے اک اس کی ٹھوکر منواتم عیسیٰ
 کہا فتح و ظفر نے فتح کر لے گا یہ عالم کو
 کہا وحدت نے ہمسر کون ہے اس کا زمانہ میں
 کہا انصاف نے نوشیرواں کو کیا لیاقت تھی
 کہا یوسف نے سرتاجِ حسینانِ جہاں یہ ہے
 جب ان کا عہد آیا پاؤں پھر کیا کفر کے جتے
 قدم جب آکے چو مے فتحِ نصرت نے بہادر کے

خدیو ماہ ہارا شاہِ مشرق نے ظفر پائی
 صبا کچھ سامرہ سے آج اتراتی ہوئی آئی
 غدیرِ خم کے رندوں کے لیے مژدہ کوئی لائی
 حقیقت کی نظر سے دیکھ او چشمِ تماشائی
 انھیں تعظیم کی خاطر جو ہیں حضرت کے شیدائی
 کہ جس کو سُن کے بھولیں لن ترانی اپنی سوسائی
 کلیم اللہ نے جلوہ سے پہلے آنکھ جھپکائی
 وہ آئے جن کے آنے سے زمانہ میں بہار آئی
 کسی کا جذبِ الفت ہے کسی کی جلوہ آرائی
 ہمارے مقتدا آئے یہ عیسیٰ کی صدا آئی
 سخاوت نے کہا اب چیز کیا ہے حاتمِ طائی
 صدائے علم نے دی میں نے ان سے منزلت پائی
 زمانہ کو تو میں نے اس نے مجھ کو راہ دکھلائی
 برابر ہو نہیں سکتے جو دکھلائے مسیحائی
 قیامت آئے گی اس شیر نے جب کی صف آرائی
 اسی بندہ سے ظاہر ہے خدا کی شانِ یکتائی
 اسی کے فیض سے میں نے جہاں میں آبرو پائی
 تصدق ہے اسی کا میری رعنائی و زیبائی
 ہٹا تھڑا کے پیچھے رعب نے جب آنکھ دکھلائی
 تو خود اقبال نے اقبال کی اس کے قسم کھائی

فلک پر خوف سے خورشید تھراتا ہوا نکلا
 مشابہ دستِ حق سے ہاتھ دیکھا جب کہ حضرت کا
 فلک سے بھی ادھر آوازِ صلّٰی علیٰ پینچ
 خوشی سے جہم شیعوں کو مبارکباد دیتا ہے
 اُڑیں گی اب کہاں تک دھجیاں حبیبِ وگرباں کی
 کہاں تک ضبط اب صبر و تحمل ہو نہیں سکتا
 جلالت دیکھ کر چکر میں آیا چرخِ مینائی
 تڑپ کر تیغِ حیدرِ میان سے باہر نکل آئی
 تو لا کچھ حقیقت میں اگر ہے او تو لا ئی
 حضورِ شاہ میں پھر عرض کرتا ہے یہ شیدائی
 کہاں تک مشغلہ ڈھونڈھا کریں گے روزِ سودائی
 تمنا ہی تمنا میں رہیں گے کیا تمنائی
 کہیں ایسا نہ ہو مشتاق آنکھیں بند ہو جائیں
 اٹھادے اب حجابِ نور او جو خود آرائی



زمزمہ

پھر بہار آئی ہے ساقی لا چھلکتے جام دے
 آج مجھ کو کچھ نہیں اندیشہ انجام دے
 کب سے کرتا ہے طلب یہ رندے آشام دے
 ہاں نہ کرا ب پیش و پس لیکر خدا کا نام دے
 کیوں نہ مصروفِ طرب ہوں عاشقانِ حیدرئی
 آج اُمت کی ملی شیرِ خدا کو انسری
 آج ہر مومن کے چہرہ سے مسرت ہے عیاں
 آسمان پر آج ہیں سارے فرشتے شادماں
 آج آپس میں گلے ملتے ہیں سب پیرو جواں
 آج دنیا میں نظر آتا ہے جنت کا سماں
 کیوں نہ مصروفِ طرب ہوں عاشقانِ حیدرئی
 آج اُمت کی ملی شیرِ خدا کو انسری

آج بھائی کو کیا اپنا نبیٰ نے جانشین ہو گئے حکم خدا سے حاکم دنیا و دیں
 دوست ہیں سب شاد و خرم بل رہے ہیں اہل کیں پھر گئی ان کی دوہائی آسمان سے تا زمیں
 کیوں نہ مصروفِ طرب ہوں ناشقانِ حیدرٹی
 آج اُمت کی ملی شیرِ خدا کو انسری
 آج اپنا جوش دکھلا دے مری طبعِ رواں کھینچ دے تصویرِ محفل تاکہ سب ہوں شاد ماں
 سب کو آجائیں نظر منبر پہ شاہِ انس و جاں لوگ بول اُٹھیں کہ کہتے ہیں اسے جادو بیاں
 کیوں نہ مصروفِ طرب ہوں ناشقانِ حیدرٹی
 آج اُمت کی ملی شیرِ خدا کو انسری
 ہو گئے منبر پہ لو ٹخّر دو عالم جلوہ گر وہ اُٹھایا آپ نے بھائی کا بازو قہام کر
 وقتِ خاموشی نہیں اے ناشقانِ پُر جگر کونج جائے نعرۂ صلوة سے ہر دشت و در
 کیوں نہ مصروفِ طرب ہوں ناشقانِ حیدرٹی
 آج اُمت کی ملی شیرِ خدا کو انسری
 لو وہ حضرت کی سپیدی بغل ظاہر ہوئی آگئی آواز کانوں میں رسولِ اللہ کی
 لو نبیٰ نے کر دیا حیدر کو آج اپنا وصی لو وہ بن لو وقت من کست مولیٰ بن گئی
 کیوں نہ مصروفِ طرب ہوں ناشقانِ حیدرٹی
 آج اُمت کی ملی شیرِ خدا کو انسری
 لو صدائیں وہ مبارکباد کی آنے لگیں لو وہ آوازیں فلک سے جا کے ٹکرانے لگیں
 نذر کو جنت سے حوریں کشتیاں لانے لگیں بلبلیں بھی یہ ترانہ باغ میں گائے لگیں
 کیوں نہ مصروفِ طرب ہوں ناشقانِ حیدرٹی
 آج اُمت کی ملی شیرِ خدا کو انسری
 آسمان نے اپنے سب اختر نچھاور کر دیے پیشِ حضرت ہدیہ دریا نے موتی دھر دیے
 شاعروں نے جب قصیدے نذر سرتا سر دیے شہ نے ایک ایک بیت پر جنت میں سو سو گھر دیے

کیوں نہ مصروفِ طرب ہوں ناشقانِ حیدرؐ
 آج اُمت کی ملی شیرِ خدا کو انسری
 جز اُمّ یہ نہیں کرتا کسی کی بھی ثنا
 جھوم کر اپنا قصیدہ پڑھ رہا ہے برملا
 جھم بھی لے گا مقرر اپنے آقا سے صلا
 تم بھی ہاں اے اہلِ محفل جوش میں کہہ دو ذرا
 کیوں نہ مصروفِ طرب ہوں ناشقانِ حیدرؐ
 آج اُمت کی ملی شیرِ خدا کو انسری



منقبت

منصور ہوا تختِ خلافت پہ جو تالابِ نبیؐ
 غیروں کی حکومت تھی مدینہ پہ نبیؐ کے
 اس شان سے سادات کا اک تافلہ اکا
 اونٹوں پہ مقید کسینِ پاک کے فرزند
 زلفوں میں وہ نکبت کہ مدینہ کو نہ بھولی
 سجدوں کی موالات سے پیشانیاں روشن
 قرآن کی تلاوت سے ہر اک لفظ میں تاثیر
 گزار کے انداز کی چہروں پہ جلالت
 اخلاق کی حکیل سے انسانِ مکمل
 دینے انہیں تسکین چلے حضرتِ صادقؑ
 فرماتے تھے انصار نے پورا نہ کیا عہد
 کچھ اور بھی مضبوط ہوئی ظلم کی بنیاد
 اک گوشہ میں اولادِ پیہرؐ بھی تھی آباد
 تاریخ کے صفحات پہ لکھی گئی روداد
 زنجیروں میں جکڑی ہوئی معصوم کی اولاد
 شکلوں کی یہ صورت کہ حسینوں کو رہیں یاد
 روزوں کی مدارات سے لائے تن ناشاد
 حق کوئی کی قوت سے اسیری میں بھی آزاد
 فطرت میں پیہرؐ کی طرح ظلمِ خدا داد
 اجداد کے اوصاف سے سرمایہٴ اجداد
 بے چین ہوئے سُن کے جو معصوم یہ روداد
 کیا قول پیہرؐ کو دیا تھا نہ رہا یاد

یہ حال مدینہ میں ہو اولادِ نبیؐ کا
مجبور قضا و قدر انسان ہے ورنہ
یہ کہہ کے بڑھے عمِ مکرم کی طرف آپ
اک فوج کے سرہنگ نے معصوم کو روکا
خاموش پھرا گھر کی طرف حجتِ خالق
جنہش ہوئی اک بار اُدھر قہر خدا کو
اور شہر میں موجود ہو انصار کی اولاد
واللہ مرے دل میں بھی تھی حسرتِ امداد
چاہا کوئی تسکین کا کلمہ کریں ارشاد
تختی سے ہوا صرف سخنِ بانیِ بیداد
ناشاد کو ظالم نے کیا اور بھی ناشاد
کچھ دور گیا تھا نہ ابھی فوج کا جہاد
اک لحو میں بے جان ہوا اونٹ سے گر کر
با آلِ نبیؐ ہر کہ در افتاد بر افتاد



منقبت

محوِ طاعت تھے حضرتِ صادقؑ
تھی ضیا بار مسجدِ نبویؐ
اک مسافر تھا خوابِ غفلت میں
نیند سے یک بیک جو آنکھ کھلی
شک ہوا یہ کہ میرا زادِ سفر
دیکھ کر محوِ طاعتِ خالق
بولا حضرتؑ سے میرا کیسہ زر
شرفِ معرفت نہ تھا حاصل
نا شناسِ مدارجِ سرکار
لایا بیتِ الشرف میں ساتھ اُسے
ہو رہے تھے خدا سے راز و نیاز
حجتِ عصر پڑھ رہے تھے نماز
صحنِ مسجد میں ایک سمت دراز
وہم تھا فہم میں خلل انداز
چل دیا لے کے کوئی مست دراز
آیا نزدیک افتادِ حجاز
آپ ہی نے لیا ہے بندہ نواز
چھان ڈالے تھے کو عراق و حجاز
جب کہ سمجھانے سے نہ آیا باز
دودمانِ نبیؐ کا مایہ ناز

دے دیا ایک کیسہ پُر زر کہ سخاوت میں تھا یہ گھر ممتاز
 اپنی جائے قیام پر آیا جب وہ کیسہ لیے بہ فخر و ناز
 دیکھا رکھا ہے اپنا کیسہ زر شرم سے رنگِ رخ نے کی پرواز
 اُلٹے قدموں پھرا لیے کیسہ تاکہ واپس کرے بہ عجز و نیاز
 سُن کے سب حال اُس مسافر سے یوں ہوا دُرُفشاں وہ فخرِ حجاز
 اہل بیتِ رسولؐ ہیں ہم لوگ ہم میں سب ہیں رسولؐ کے انداز
 دے چکے جو وہ پھر نہیں لیتے جانتے ہیں اسے عراق و حجاز
 ہم ہیں اہل کرم زمانے میں
 قطرہ از ما بما نہ گردد باز



شاعر

عجب یہ دور ہے شاعر کی زندگی کے لیے بنے ہوئے ہیں اکھاڑے سخن وری کے لیے
 رکھا تھا دوش پہ قدرت نے سراپی کے لیے تلاش ہوتے ہیں موضوعِ سرکشی کے لیے
 غزل کی حد میں بھی جائز یہ جوڑ توڑ نہیں شعورِ مدح اور آپس میں دشمنی کے لیے
 ہر ایک اپنے کو استادِ فن سمجھتا ہے یہاں جگہ ہے نہ عرقی نہ انورچی کے لیے
 جہاں ہو پیشِ نظر اپنے مرتبہ کا سوال وہاں خلوص کہاں مدحِ گستری کے لیے
 یہ ایک فرض ہے شاعر ہو یا مقرر ہو دلیلِ نازش و سازش نہیں کسی کے لیے

بنائے مدح پہ جنگ وجدل ہو اپنوں میں
 ستم یہ ہے کہ جو فکرِ سخن سے ہیں محروم
 کے خبر تھی کہ آئے گا اپنے ہی ہاتھوں
 خلوصِ دل بھی ضروری ہے فکرِ مدح کے ساتھ
 نماز و روزہ بھی واجب ہیں ان کے ساتھ مگر
 کیا وہ مطلعِ نو فکر نے سپردِ قلم
 گھٹی ہے راہِ مودت کی ہر کسی کے لیے
 مجھے علی کی محبت نے سر شناس کیا
 وہ زمزے کی ہو محفل کہ ہمیں کی نضا
 مقامِ مدح میں سودا ہوں یا وہ انسا ہوں
 فنیج و میر و منیر اور آتش و ناخ
 مقامِ شرم ہے ایسی سخن وری کے لیے
 وہ رعب اپنا جاتے ہیں برتری کے لیے
 یہ وقتِ ملتِ مظلومِ جعفری کے لیے
 جلاؤ شمعِ اندھیرے میں روشنی کے لیے
 چنا گیا ہے ہمیں مدحتِ علی کے لیے
 جو اک ثبوت ہے ایمان و آگہی کے لیے
 اگر ہے دل شدہ مرداں کی پیروی کے لیے
 چراغِ عرش سے لایا ہوں روشنی کے لیے
 ملا ہے نطقِ زباں کو علی علی کے لیے
 ہر ایک وقف رہا مدحِ گستری کے لیے
 شرف ملا انہیں مدحت کی زندگی کے لیے
 ذرا اندھیرا سا دیکھا جو بزمِ مدحت میں
 انیس اور دیر آئے روشنی کے لیے